تفصیلات

حافظ ملت نمبر (ماہ نامہ اشرفیہ، رجب، شعبان، رمضان ۱۳۹۸ھ/جون، جولائی، اگست، ۱۹۷۸ء)

اشاعت جدید	:	۱۴۴۳ء/۲۰۲۲ء
ضخامت	:	(۷۳۶)
مرتب	:	مولانا بدر القاری مصباحی علیہ الرحمۃ
مسودہ خوانی	:	مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی مولانا محمد اشرف مصباحی، مولانا محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی مولانا ارشاد احمد مصباحی، مولانا جنید احمد مصباحی اساتذۂ جامعہ اشرفیہ و طلبۂ فضیلت جامعہ اشرفیہ۔
کمپوزنگ	:	محمد زاہد اختر مصباحی، مبارک پور+917007641332 مولانا احمد رضا مصباحی، نیپال
ناشر	:	طلبۂ فضیلت (۲۲-۲۰۲۱ء) الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

٣
سینٹرل بلڈنگ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
الجامعۃ الاشرفیۃ مبارکپور اعظم گڑھ
AL JAMIATUL ASHRAFIAMUBARAKPURAZH UP
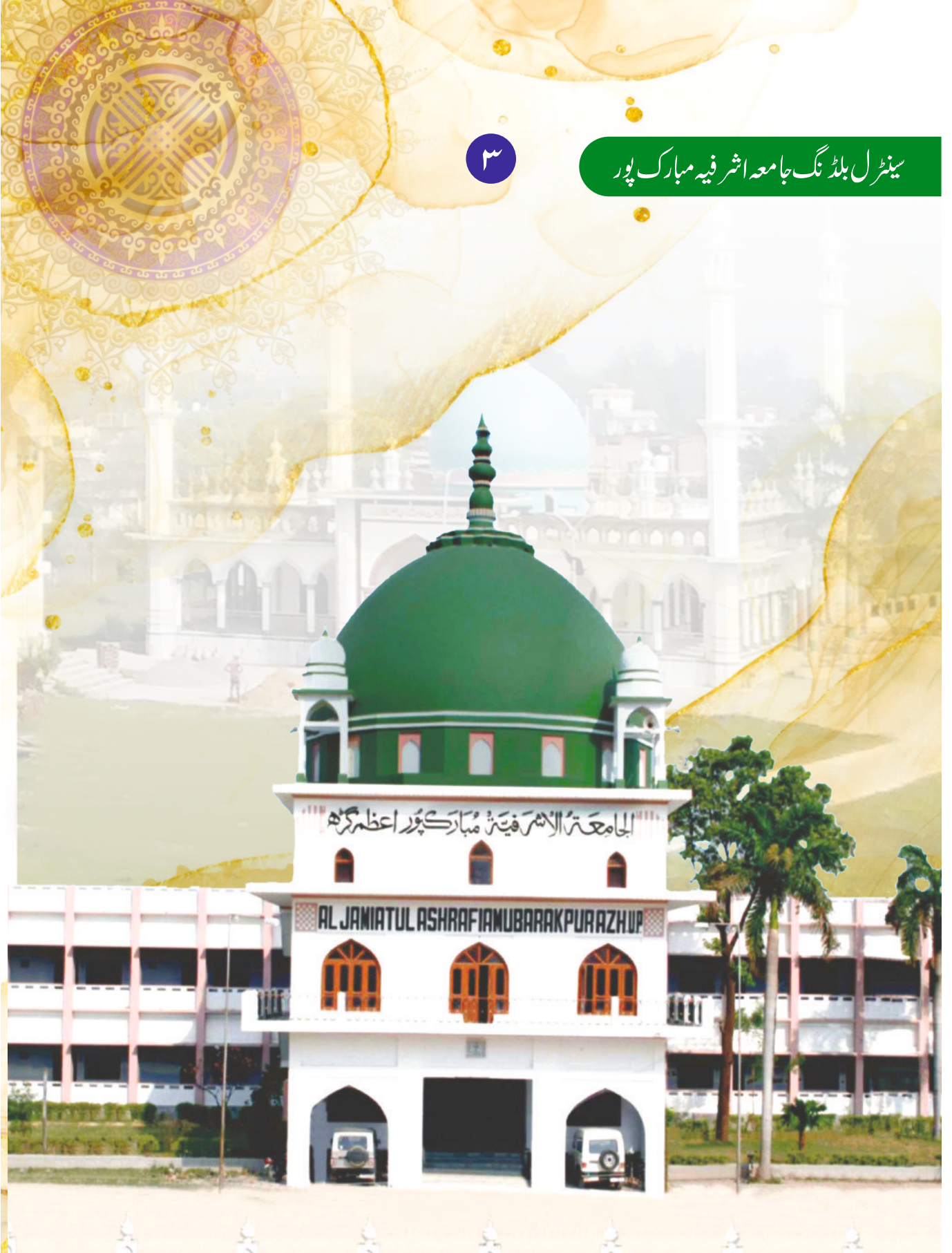
۴
روضۂ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ
عزیز المساجد کا بیرونی منظر
عزیز المساجد کا اندرونی منظر
اشرفیہ انٹر کالج، مبارک پور
معین الدین خان ہاسٹل

https://alislami.net
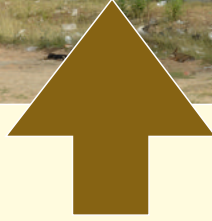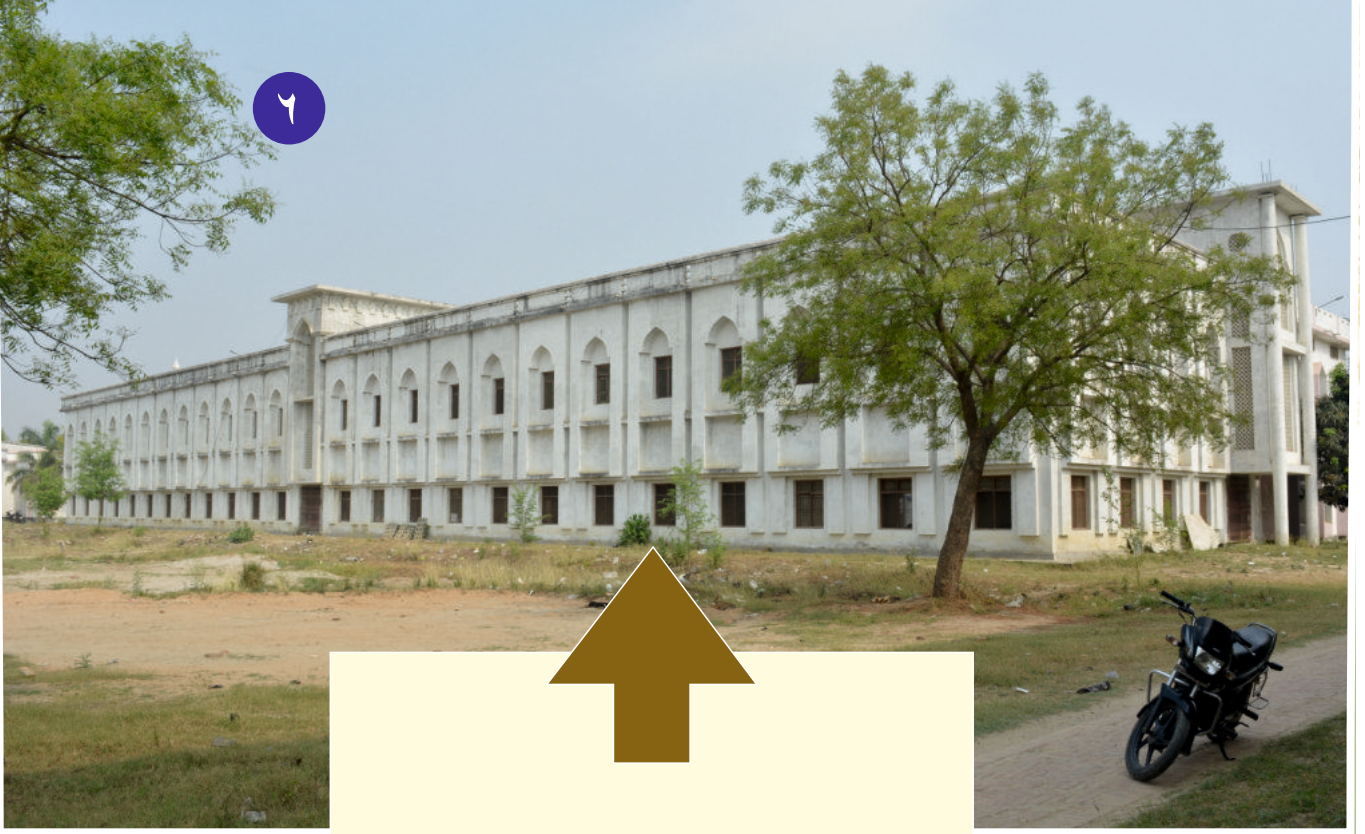
عالیہ بلڈنگ جامعہ اشرفیہ

دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم
واقع گولہ بازار، مبارک پور

جامع مسجد راجا مبارک شاہ
متعلقہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۷
عزیزی ہاسٹل
دارالتجوید

https://alislami.net

فہرست حافظ ملت نمبر

تأثرات

فضائل وکمالات

سیرت وسوانح

کارنامے

روحانیت

متفرق مضامین

اہل تعلق

فرمانِ حافظ ملت علیہ الرحمہ

مناقب

ضمیمہ

کلمات بابرکات

عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ دام ظلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

علم ایک لازوال نعمت ہے، ہر دور میں علم کی ترویج واشاعت کو اہم شخصیات نے اپنا مشن بنایا، اس مشن کے فروغ و ارتقا کے لیے کسی نے قرطاس وقلم کا سہارا لیا، کسی نے انسٹی ٹیوٹ اور ادارے قائم کیے۔ ماضی قریب کی عبقری شخصیت مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے قرطاس وقلم سے اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کی عظیم خدمات انجام دیں، اہلِ باطل کے چہرے بے نقاب کر کے حق کی حقانیت کو روشن کر دیا۔ آپ نے اپنے وطن بریلی شریف میں ایک ادارہ بھی قائم فرمایا جس نے قوم وملت کو علماے فحول کی ایک ٹیم عطا کی۔ اسی مبارک جماعت کا ایک اہم نام حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہے، جنھوں نے مبارک پور کی سرزمین پر عالمی پیمانے کا ایک مثالی ادارہ قائم فرمایا جس نے بہت جلد اپنی تعلیمی کارکردگی کی بنا پر پوری دنیاے سنیت میں اپنا پرچم لہرایا۔ آج دنیا اس ادارے کو ”الجامعۃ الاشرفیہ“ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان نے قوم و ملت کی فلاح و بہبود کی خاطر الجامعۃ الاشرفیہ کو بامِ عروج تک لے جانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، ملک اور بیرون ملک سے آنے والے تشنگانِ علومِ نبویہ کو سیراب کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروے کار لاتے اور انھیں ایک اچھا عالمِ دین، اچھا انسان بنانے کی مخلصانہ کوشش فرماتے، امتِ مسلمہ کی صحیح رہنمائی کے لیے جلسوں میں شرکت فرماتے اور راتوں میں بیدار رہ کر عبادت وریاضت کے بعد امت کے حق میں دعائیں فرماتے۔

محدث مرادآبادی کی بے لوث دینی و ملی خدمات نے جماعت اہلِ سنت میں عظیم انقلاب پیدا فرما دیا۔ مدارس اسلامیہ کو ایک نئی روشنی ملی، اسی انقلابی شخصیت کو قوم نے ”حافظ ملت“ کہنا شروع کر دیا۔ اب تو ”حافظ ملت“ نے ان کے عَلَمی نام کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ وصال کے بعد مخلص تلامذہ و محبین نے ان کے حالاتِ زندگی پر ایک دستاویز تیار کی، جو ماہ نامہ اشرفیہ کے خصوصی شمارہ ”حافظِ ملت نمبر“ کے نام سے شائع ہوا۔ پہلی بار

اس کی اشاعت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں ہوئی، اب عرصہ دراز کے بعد ۲۰۲۰ء کے طلبہ درجہ سابعہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کو شوق ہوا کہ نئی آب و تاب کے ساتھ اس نمبر کو دوبارہ شائع کیا جائے۔ اس اشاعت ثانیہ میں عزیز طلبہ نے ایک نیا کام یہ کیا کہ اس کے بیش تر اہل قلم کے مختصر حالات لکھ کر شامل کر دیے ہیں۔

میں اپنے ان عزیز طلبہ کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے والد ماجد حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان سے حسنِ عقیدت کا مظاہرہ کر کے اسلاف شناسی کا کام کیا۔ انھیں اس حوصلے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ مولا عزوجل انھیں دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے اور جہاں کہیں بھی رہیں انھیں شاد و آباد رکھے۔

عبدالحفیظ عفی عنہ

۸ر ربیع النور ۱۴۴۳ھ

مطابق ۱۵ر اکتوبر ۲۰۲۱ء

کلمات طیبات

علامہ مفتی **محمد نظام الدین** رضوی برکاتی صدر شعبۂ افتا و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً

آج میری نگاہوں کے سامنے "حافظ ملت نمبر" اصلاح شدہ ہے، جس کی زیارت سے مجھے بے پناہ مسرت محسوس ہورہی ہے، خدا کرے یہ نمبر تاریخی حیثیت کا حامل اور مقبول انام ہو۔

استاذ العلما، جلالۃ العلم، حضرت علامہ، مفتی، شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ دنیاے سنیت کی ایک عظیم المرتبت شخصیت کا نام ہے۔آپ ایک متبحر عالم، مفتی، محدث، مناظر، مدرس، خطیب، مصنف ہونے کے ساتھ بہت سارے محاسن و کمالات کے جامع تھے۔ان کی شش جہت شخصیت کا تعارف کرانا کافی جادہ پیمائی کا متقاضی ہے۔یہاں چند اوصاف حمیدہ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

- **آپ علم حدیث میں غایت درجہ اشتغال رکھتے تھے۔** ایک عظیم ادارہ کے شیخ الحدیث تھے۔پوری زندگی علوم متداولہ کی کتابوں کی تدریس کے ساتھ حدیث کی کتابوں کا درس دیتے رہے۔بخاری شریف بڑے اہتمام سے پڑھاتے اور ہر سال ایک دور مکمل بھی فرماتے تھے۔افہام و تفہیم اور تشریح حدیث میں کمال حاصل تھا۔آپ کی کتاب۔"معارف حدیث" میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔
- **آپ ایک فقیہ و مفتی تھے۔** فتاویٰ جامعہ اشرفیہ جلد اول میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کے فتاویٰ سے ان کی فقہی بصیرت عیاں ہوتی ہے۔راقم سطور نے فتاویٰ جامعہ اشرفیہ جلد پنجم کے مقدمہ میں ان کی فقہی بصیرت پر ایک مختصر روشنی ڈالی ہے۔
- **آپ مردم ساز تھے۔** صرف عالم و مفتی نہ تھے، بلکہ عالم ساز و مفتی گر بھی تھے۔آپ کی بارگاہ سے فیض یافتہ سیکڑوں علماے کرام نے ملک و بیرون ملک میں جو خدمات انجام دی ہیں، یاد رہے ہیں وہ قابل افتخار ہیں۔
- **آپ ایک عظیم مناظر تھے۔** مناظرانہ کمال کا عالم یہ تھا کہ دن میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند فرماتے اور رات میں مسلسل چار ماہ تک بد مذہبوں سے مناظرہ کرتے رہے۔

- **مدرسہ اشرفیہ کو "دارالعلوم اشرفیہ" پھر اسے "جامعہ اشرفیہ"** بنانے اور قوم کو ایک عظیم دینی قلعہ دینے میں آپ کی قربانیاں اظہر من الشمس ہیں۔ اس کے بغیر جامعہ اشرفیہ کی تاریخ اور حافظ ملت کی سیرت کا باب مکمل نہیں ہو سکتا۔
- **آپ بڑے تقویٰ شعار تھے۔** بلا فوٹو پاسپورٹ سے سفر حج کرنا آپ کی تقویٰ شعاری کی روشن مثال ہے۔ نماز و جماعتِ نماز کی پابندی، تہجد پر مداومت، تلاوت قران حکیم اور اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، سونے میں سنت نبوی کی رعایت فرمایا کرتے تھے۔
- صبر و تحمل، تواضع و انکساری، ایفاے عہد، کفایت شعاری و سخاوت، طلبہ و اساتذہ کے ساتھ حسن سلوک، مظلومین کی امداد، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاو، اکابر کی تعظیم و توقیر، اصاغر اور شاگردوں کے ساتھ شفقت اور ان کی حوصلہ افزائی، خرد نوازی، عیادت، اخلاص و للٰہیت کے ساتھ کام کرنے، وقت کی پابندی، اساتذہ اور مشایخ کا ادب، طلبہ و اساتذہ کی خیر خواہی، مدرسین اور طلبہ کی ضروریات کا خیال، علالت میں تدریس۔ ان تمام عادات و اطوار میں آپ امتیازی شان رکھتے تھے۔
- **بڑے کشادہ دل اور عالی ظرف تھے** جس میں کچھ خوبی یا کمال دیکھا، کھلے دل سے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

کسی کے سامنے اس کی تعریف اچھی نہیں ہوتی کہ یہ بسا اوقات غرور نفس کا سبب بن جاتی ہے مگر بہت ایسا ہوتا ہے کہ اس سے روح کو ایک نئی توانائی ملتی ہے اور انسان کے جوہر خوابیدہ بیدار ہو جاتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ حوصلہ افزائی کا ایک جملہ پوری قوم کو درس حیات دے جاتا ہے۔ حافظ ملت، علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اسی طرح کا ایک جملۂ جاں بخش کبھی ارشاد فرمایا تھا کہ "میرے یہاں کا ناکارہ بھی کار آمد ہوتا ہے۔"

تو یہ ایسے تمام طلبہ کے لیے سرمایۂ افتخار بن گیا، ان کے اندر زندگی کی ایک نئی روح دوڑ گئی، اب حال یہ ہے کہ یہ طلبہ جہاں بھی ہوتے ہیں اس ارشاد کو اپنی منزل مقصود تک رسائی کا وسیلہ سمجھ کر اخلاص اور لگن کے ساتھ جد و جہد کرتے ہیں، پھر منزلیں دور ہو کر بھی ان کے قدموں کو بوسہ دیتی ہیں، مجھے بھی احساس بے مائگی کے باوجود اس ارشاد سے بڑی توانائی ملی اس لیے آپ ایسے علما و طلبہ و خدماے دین کی حوصلہ افزائی کرتے جو آپ کے فیض تربیت سے غرور نفس سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

- **آپ کا ایک بہت ہی نمایاں وصف** یہ تھا کہ جو آپ سے جتنا قریب ہوتا وہ اتنا ہی زیادہ آپ کا معتقد ہو

جاتا، اور یہ سمجھتا کہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سب سے زیادہ اسی کو چاہتے ہیں۔ یہ بات میں نے آپ کے کثیر تلامذہ اور معتقدین سے سنی ہے، اور سچ یہ ہے کہ یہ بات بطور تواتر ثابت ہے، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد تقریباً دو سال بعد ۱۹۷۸ء میں "حافظ ملت نمبر" کی اشاعت ہوئی تھی اور اب تقریباً ۴۳ سال بعد اس کی جدید اشاعت درجہ سابعہ (۲۱-۲۰۲۰ء) کے طلبہ کے ذریعے ہو رہی ہے، کمپوزنگ سے پہلے حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی اور حضرت مولانا دست گیر عالم مصباحی نے پورے نمبر کو پڑھا اور جا بجا اصلاحیں کیں اس کے بعد طلبہ نے اس عظیم نمبر کی کمپوزنگ، تصحیح اور اشاعت کا اعلیٰ پیمانے پر اہتمام کیا اس کے لیے وہ ہم اساتذہ اشرفیہ، بلکہ پوری قوم کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں، خدائے پاک ان کے علم، فضل، کمال اور فیضان میں خوب خوب برکتیں عطا فرمائے اور ان سے دین کے اہم سے اہم کام لے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

محمد نظام الدین رضوی
۲۲؍ ربیع الغوث ۱۴۴۳ھ
مطابق ۲۸؍ نومبر ۲۰۲۱ء

کلمات تحسین

مفتی **بدر عالم** مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

اسلاف شناسی اظہار سعادت مندی کا خوب صورت ذریعہ ہے، علمی و دینی شخصیات کی خدمات پر انھیں خراج تحسین پیش کرنے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے، احسان شناسی کا یہ بہترین نمونہ ہے، "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" پر عمل کا بھی ایک پر کشش طریقہ ہے۔

ماضی قریب کی عظیم شخصیت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسلامیات کے فروغ و ارتقا کے لیے مسلمانان عالم کے سامنے مثالی کارنامہ پیش فرمایا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ الجامعۃ الاشرفیہ کا قیام ہے، ان کے اس عظیم ادارے نے ہمہ جہتی اسلامیات کی ترویج و اشاعت کے عظیم مرکز کی شکل اختیار کرلی اور آج بحمدہ تعالیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کی دینی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا ہوا عالم اسلام کو پہنچ چکا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کا ایک اہم شعبہ، نشریات کا ہے، جس کے تحت درسی و غیر درسی کتب و رسائل کی اشاعت کے ساتھ ایک میگزین بھی شائع ہوتا آیا ہے جس کا نام "ماہ نامہ اشرفیہ" ہے، ماہ نامہ اشرفیہ جماعت اہلسنت کی شخصیات پر نمبر بھی شائع کرتا رہا ہے۔ سب سے پہلے بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور حضور حافظ ملت کے وصال پر ملال کے بعد ایک شاندار نمبر "حافظ ملت نمبر" کے نام سے شائع کیا، یہ نمبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا مگر اب یہ مارکیٹ میں نایاب ہو چکا ہے۔ درجۂ فضیلت (۴۳-۱۴۴۲ھ/۲۱-۲۰۲۰ء) کے طلبہ نے پروگرام بنا کر اسی نمبر کو نئے انداز میں دوبارہ شائع کرنے کی ہمت کی اور نہایت خوب صورت اور تحقیقی انداز میں منظر عام پر لارہے ہیں۔

مولائے کریم ان طلبہ کو جزائے خیر دے اور حق ہے کہ یہ طالبان علوم نبویہ آپ سبھی قارئین کی دعاؤں کے مستحق ہیں۔

بدر عالم مصباحی
۲۳؍ ربیع النور ۱۴۴۳ھ
مطابق ۳۰؍ اکتوبر ۲۰۲۱ء

ارمغانِ خلوص

مولانا **مبارک حسین** مصباحی ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

یہ کون اٹھا ہندِ شمالی کی زمیں سے
علم اور حقائق کی سنبھالے ہوئے قندیل

سدرہ کے مکینوں سے سنا بدؔر نے اک راز
ہونے کو ہے اب آرزوے شوق کی تکمیل

ایثار کی پاپوش ہے اخلاص کا جامہ
بے نفسیِ کردار کا ہاتھوں میں عصا ہے

تابندہ جبیں پر یہ تقدس کی لکیریں
کہتی ہے صداقت کہ کوئی مردِ خدا ہے

لپٹی ہوئی سر سے کوئی دستار نہیں ہے
ناداں! سرِ احساس پہ اک کوہِ گراں ہے

اے سر! تری لمعانیِ فیضان کے صدقے
اس ملک کے ہر گوشے میں تو نور فشاں ہے

ہے عالمِ ملکوت میں اک رشک کا عالم
کس پیکرِ خاکی کی فرشتوں میں ہے شہرت

اے اہلِ زمیں! کر دو خبر اہلِ فلک کو
کہتے ہیں اسی ذات کو ہم "حافظِ ملت"

بڑی مسرت ہے کہ حافظ ملت نمبر کی اشاعت ثانی ہو رہی ہے۔ خلد آشیاں حضرت علامہ بدر القادری علیہ الرحمہ کی خوب یاد آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں خوب سرفرازیاں عطا فرمائے۔ یہ نمبر ان ہی کی عاشقانہ کاوشوں کا خوب صورت نتیجہ ہے۔ جلالۃ العلم حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کی شخصیت گوناگوں اوصاف وکمالات کا مرقعِ جمیل تھی۔ آپ نے دو اہم تاریخی کارنامے انجام دیے۔ مدرسہ اشرفیہ کو دار العلوم اشرفیہ اور پھر الجامعۃ الاشرفیہ بنا دیا۔ ملک میں وہ حضور حافظِ ملت کے عہد میں بھی اپنی مثال آپ تھا اور وہ آج بھی بے مثال ہے۔ دوسرا بڑا کارنامہ شخصیت سازی کا ہے۔ شخصیت سازی بجائے خود بڑا کارنامہ ہے۔ آج ملک اور بیرون ملک عام طور پر تمام مصباحی فضلا یکتاے روزگار نظر آتے ہیں۔

بلا شبہہ یہ نمبر اپنی معنویت کے اعتبار سے پہلے بھی اپنی انفرادیت رکھتا تھا، جدید اشاعت کے بعد بھی اپنی مقبولیت میں مقامِ امتیاز حاصل کرے گا۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے باوقار صدر المدرسین حضرت علامہ مفتی بدر عالم مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ نے فرمایا کہ اس نمبر کو جماعت فضیلت بڑے اہتمام سے شائع کر رہی ہے۔ حضرت ہی نے فرمایا کہ نمبر

کے قلم کاروں کا تعارف بھی کرایا گیا ہے، یہ ایک بڑا کارنامہ ہے جسے ہمیشہ یادر کھا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہم دل کی گہرائیوں سے خراجِ محبت پیش کرتے ہیں، بلا شبہہ حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے عظیم محسن ہیں اور حدیث پاک ہے، مَنْ لَاْ یَشْکُرُ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللہَ، جو بندوں کے منت کش احساں نہیں ہوتے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے بھی شکر گزار نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو دین و سنیت کا سچا خادم بنائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم.

از: احقر مبارک حسین مصباحی عفی عنہ

۱۶؍ ربیع النور ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۳؍ اکتوبر ۲۰۲۱ء

خادم التدریس والصحافۃ

جامعہ اشرفیہ مبارک پور

مقدمہ

اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

مبارک پور کے خوش عقیدہ، باذوق اور دینی تعلیم کے گرویدہ مسلمانوں نے صدر الشریعہ، علامہ مفتی محمد امجد علی قادری اعظمی علیہ الرحمہ سے "مدرسہ اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم" کے لیے ایک باصلاحیت اور ذمہ دار عالم کی گزارش کی، تو انھوں نے اپنے ایک معتمد اور قابل اطمینان شاگرد" مولانا حافظ عبد العزیز مرادآبادی" معروف بہ "حافظ ملت" کو اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ آپ کو وہاں دین کی خدمت کرنی ہے، وہ ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۴ء میں صدرالمدرسین کی حیثیت سے اشرفیہ تشریف لائے اور تعلیمی ذمہ داری سنبھال لی، تدریس کی شہرت سن کر ملک کے گوشے گوشے سے طالبان علم نبوی مبارک پور کا رخ کرنے لگے، سال پورا ہوتے ہوتے مدرسہ اشرفیہ کی عمارت تنگ پڑ گئی، وسعت پیدا کرنے کے لیے محلہ گولا بازار میں ایک بڑی زمین حاصل کی گئی اور ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۵ء میں اس پر ایک نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا، جو "دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم" اور تاریخی نام "باغ فردوس" (۱۳۵۳ھ) سے مشہور ہوئی اور جلد ہی یہاں تعلیمی سلسلہ بھی شروع ہو گیا، شعبۂ تعلیم کے ساتھ ساتھ شعبۂ نشریات، شعبۂ تبلیغ اور دیگر شعبوں کا اضافہ ہوا، تقریبًا انتالیس سال تک یہ تعلیم گاہ علم کی روشنی بکھیرتی رہی، پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ یہ عمارت بھی اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے ناکافی محسوس ہونے لگی، تکمیل آرزو کی صورت یہ بنی کہ قصبے سے باہر ایک وسیع و عریض خطۂ زمین پر ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء میں دین و دانش کا ایک شہر بسایا گیا جو "الجامعۃ الاشرفیہ" کے نام سے ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، یہ شہرستان علم و عرفان آج بڑے ہی نمایاں انداز میں دینِ حنیف کی خدمت انجام دے رہا ہے، یہ ساری بہاریں حافظ ملت کی مضبوط قیادت کی مرہونِ منت ہیں، انھوں نے ایک دینی، ملی اور علمی تحریک چھیڑ کر اہل سنت کو ایک مستحکم دانش گاہ عنایت فرمائی اور ارتقائی منزلوں کی طرف پیش رفت کے لیے قوم کو ایک لائحۂ عمل دے کر ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی خدارسیدہ مرد مجاہد کی سیرت و سوانح اور خدمات وافکار سے لوگوں کو روشناس کرانے کے لیے

ماہ نامہ اشرفیہ کی جانب سے ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں ۵۷۶ صفحات پر مشتمل "حافظ ملت نمبر" کی اشاعت ہوئی، اس وقت شعبۂ نشریات کے ناظم اور ماہ نامہ کے مدیر مولانا بدرالقادری علیہ الرحمہ تھے، انھوں نے حافظ ملت کے معاصرین، تلامذہ اور دیگر متعلقین سے مضامین لکھوا کر بڑے ہی سلیقے سے مرتب کیا، یہ نمبر ابھی طباعت کا سفر بھی طے نہ کر پایا تھا کہ مرتب نے ہالینڈ کے لیے رخت سفر باندھ لیا، اُن کے ہالینڈ پہنچنے کے بعد اس نے طباعت کی منزلیں طے کیں، لیکن بعض وجوہ کی بنا پر اسے عام نہیں کیا گیا، پھر تقریبا ۲/ سال کے طویل انتظار کے بعد کچھ ترمیم و تصحیح کے ساتھ ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آیا، لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اسے چھپے ہوئے آج ۴۵/ سال کا عرصہ ہو رہا ہے، اس وقت کہیں کہیں اس کے نسخے لائبریریوں میں محفوظ ہوں گے، یہ نمبر اس لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں آپ کے تربیت یافتگان، صحبت یافتگان اور معاصرین کی تحریریں شامل ہیں جو یقیناً سند اور حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں، اس کی افادیت کے پیش نظر اہل ذوق کی طرف سے اکثر یہ مطالبہ ہوتا کہ اس کی اشاعت نو ہونی چاہیے، شہزادۂ حافظ ملت علامہ عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ کے حکم سے مولانا طفیل احمد مصباحی سابق نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ نے اس کی کمپوزنگ شروع کرائی تھی، لیکن یہ غیر تصحیح شدہ نسخے کی کمپوزنگ تھی۔ سنہ ۲۰۲۱ء میں جب فضیلت سال اول کے طلبہ نے اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا تو صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ اور اس وقت کے صدر المدرسین علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی نے مولانا دستگیر عالم مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ اور راقم الحروف کو یہ ذمہ داری سونپی کہ پورا نمبر ایک مرتبہ پڑھ لیں تاکہ کوئی قابلِ اصلاح چیز ہو تو درست ہو جائے، حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے ہم دونوں نے اسے مکمل پڑھا، قابل اصلاح مقامات بھی ملے جن کی اصلاح کی گئی، بعض مقامات پر کچھ زیادہ ہی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر حضرت سربراہ اعلیٰ مد ظلہ اور دیگر علماے اشرفیہ کی مدد سے انھیں بھی درست کر لیا گیا ہے، کار اصلاح مکمل ہونے کے بعد کمپوزنگ، اس کے بعد مسودہ خوانی یہ بڑا اہم مرحلہ ہوتا ہے، اس کے لیے درجۂ فضیلت کے بعض طلبہ نے بڑی دلچسپی اور لگن سے کام کیا، اساتذۂ اشرفیہ میں جن حضرات نے مسودہ پڑھا اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا ان کے اسماے گرامی یہ ہیں:

مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی، مولانا محمد ہارون مصباحی، مولانا محمد اشرف مصباحی، مولانا توفیق احسن برکاتی مصباحی، مولانا ارشاد احمد مصباحی، مولانا جنید احمد مصباحی۔

اس نمبر کو مزید وقیع اور بسہولت قابل استفادہ بنانے کے لیے جن امور پر خاص طور سے توجہ دی گئی

ہے ان کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ ہر مضمون سے پہلے مضمون نگار کا مختصر تعارف (ان بعض کے علاوہ جن کا تعارف کوشش بسیار کے بعد بھی نہ مل سکا)

یہ تعارف جماعت فضیلت کے باذوق طلبہ نے مطبوعہ مواد اور دیگر ذرائع سے اَخذ کر کے ترتیب دیا ہے۔

۲۔ رموز اوقاف کا حتی الامکان اہتمام۔

۳۔ مشمولات کی ترتیب سابق میں مناسب ترمیم۔

۴۔ جدید املے کی رعایت۔

۵۔ شہزادۂ حافظ ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ مد ظلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ سے لیے گئے انٹرویو کا اضافہ۔

یہ انٹرویو اس حیثیت سے بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے جہاں حضرت سربراہ اعلیٰ مد ظلہ کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر روشنی پڑتی ہے وہیں حضور حافظ ملت اور الجامعۃ الاشرفیہ کے وہ گوشے بھی اجاگر ہوتے ہیں جو اب تک پردۂ خفا میں تھے، یہ انٹرویو مولانا محمد نظام الدین گجراتی مصباحی نے اس وقت لیا جب حضرت انگلینڈ کے تبلیغی دورے پر گئے تھے، جو مفتی محمود علی مشاہدی استاذ جامعہ اشرفیہ کی ترتیب و تبییض کے بعد ماہ نامہ اشرفیہ جولائی ۲۰۲۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ افادیت کے پیش نظر اسے اس نمبر میں شامل کیا جا رہا ہے۔

اس نمبر کو ایک سال پہلے ہی چھپ جانا چاہیے تھا، لیکن کووڈ۔۱۹ (کرونا کی وبا) کی وجہ سے تاخیر پہ تاخیر ہوتی رہی اور یہ طلبہ ترقی پاکر فضیلت سال اخیر ۲۲۔۲۰۲۱ء میں آ گئے، لیکن یہ دھن کے پکے نکلے ہمت نہ ہاری اور کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کر لیا، جس کا ثمرہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

رب قدیر ان کے حوصلوں میں مزید پختگی عطا فرمائے اور انھیں مذہب اسلام کا سچا پکا سپاہی بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

اختر حسین فیضی مصباحی

۲۷/ ربیع الآخر ۱۴۴۳ھ

۳/ دسمبر ۲۰۲۱ء جمعہ
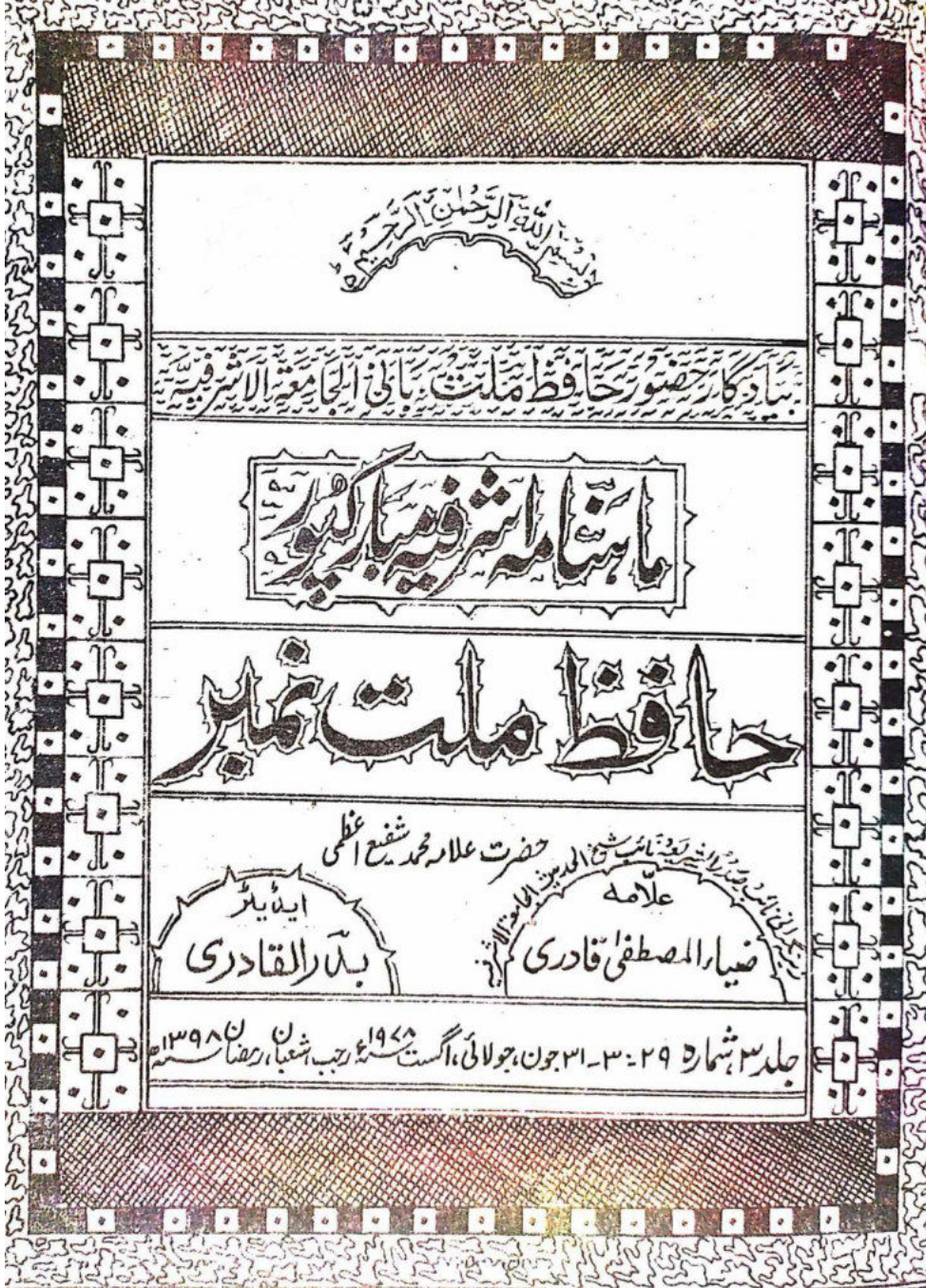
(قدیم نمبر کے سرورق کا عکس)

نوائے آغاز

پھر آئی ان کی یاد پھر آنسو نکل پڑے

سید شمیم گوہرؔ (سابق ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)

تعارف مقالہ نگار:

موصوف باذوق ادیب، بہترین مصنف، اچھے قلم کار اور نعت و غزل کے شاعر ہیں،

ولادت: ۲۰؍ جون ۱۹۵۳ء کو الہ آباد کے ایک علمی و روحانی خانوادے میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: متوسطات تک کی تعلیم جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم الہ آباد میں حاصل کی، ۱۹۷۰ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا رخ کیا اور مئی ۱۹۷۲ء میں جامعہ کے سہ روزہ کل ہند تعلیمی کانفرنس کے موقع پر دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔

فراغت کے بعد تصنیف و تالیف، شعر و شاعری اور ادارت و صحافت کے میدان کو اپنی جولان گاہ بنایا، ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء خانقاہِ حلیمیہ الہ آباد کے مذہبی و علمی جریدے "ماہ نامہ نمائندہ" کی ادارت کی، ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۳ء جامعہ اشرفیہ کے دینی و علمی ترجمان "ماہ نامہ اشرفیہ" کے مدیر رہے، ماہ نامہ اشرفیہ کا مجاہد ملت نمبر آپ ہی کی ادارت میں شائع ہوا، ۱۹۸۸ء میں عالمی نعت اکیڈمی الہ آباد کا قیام کیا، اکتوبر ۱۹۸۸ء میں خانقاہِ حلیمیہ ابوالعلائیہ الہ آباد کے سجادہ نشین منتخب ہوئے۔

متعدّد ادبی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۳؍ جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ کی رات تھی، ہم لوگ سالانہ تقریبات اعراس (خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الہ آباد) کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ مبارک پور سے ابی المکرم حضرت حکیم الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ الہ آباد کے نام تار موصول ہوا، جس میں تحریر تھا: **"حضور حافظ ملت شب سہ شنبہ ۲؍ جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ کو انتقال فرما گئے۔"** ایک عظیم سرمایۂ انسانیت اور سرتاج قوم وملت ہماری آنکھوں سے اوجھل

ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ!

یہ اس وقت کا سانحۂ جگر خراش ہے، جب ماہ نامہ اشرفیہ کی ادارت سے میرا کوئی تعلق نہ تھا، محبّ محترم مولانا بدرالقادری اس کے ایڈیٹر تھے، سالِ اوّل جون ۱۹۷۶ء کا پانچواں شمارہ دست یاب ہوا تو ان کا اداریہ پڑھنے کے بعد دل بھر آیا، بسترِ مرگ سے لے کر لحد تک کی رُوداد پُرغم سے متاثر ہوکر مجھ جیسے ہزاروں آنسو بہانے پر مجبور ہوئے، بچے بلک گئے کہ ہمارا شفیق باپ چلا گیا، سلسلۂ غم واندوہ آج بھی جاری ہے، عقیدت مندوں کے اس سچّے جذبے کو اب شاید ہی کوئی دوسرا حادثہ دبا سکے، حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

بودم ہمیشہ شاد ز وصلت و لے کنوں　　کارے ز ہجر تو نبود جز فغاں مرا

یہ **"ماہ نامہ اشرفیہ"** ابھی اپنی عمر کے پانچ ہی ماہ دیکھ پایا تھا کہ خراجِ عقیدت کے طور پر جولائی ۱۹۷۶ء کے شمارے میں **"حافظِ ملّت نمبر"** کا اعلان بھی شائع ہوگیا، قلم کاروں اور معاونوں کے نام خصوصی مراسلے بھیجے جانے لگے، اور تھوڑے ہی ایام کے دوران سارے ہندوستان میں **"حافظِ ملّت نمبر"** کی دھوم مچ گئی، حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے سیکڑوں تلامذہ و مریدین اور بے شمار مخلصین نے اس اعلان کا پوری عقیدت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور مضامین مرتب کرنے پر فخر محسوس کیا، یہ نمبر جیسے جیسے اپنے وجود کے مراحل سے گزرتا رہا **"ماہ نامہ اشرفیہ"** کے ہر شمارے میں باقاعدہ اعلان شائع ہوتا رہا، کبھی کبھی ایسا گمان بھی گزرا کہ نمبر ہی منظرِ عام پر آجائے گا، مگر یہ سلسلہ جولائی ۱۹۷۶ء سے لے کر مئی ۱۹۷۸ء تک برابر جاری رہا، ذہن میں چوں کہ ضخیم نمبر کا تصور پہلے ہی سے قائم تھا، اور نمبر کا اعلانِ پیشگی، تیاری سے پہلے کیا گیا، اس لیے انتظار شدید سے متاثر ہوجانا لازمی امر ہوگیا، ظاہر ہے اس وقت تک کیسے شائع کیا جاسکتا تھا، جب تک کہ تمام مراحل سے گزر نہ لیتا، مولانا بدرالقادری اس کو معیاری بنانے اور حصولِ مضامین میں دن رات لگے رہے، خدا خدا کرکے وہ ساعتِ سعید بھی آگئی، جب ۵۷۶ / صفحات پر مشتمل جون، جولائی، اگست ۱۹۷۸ء کا مشترکہ شمارہ **"ضخیم نمبر"** کے طور پر مکمل ہوا اور ماہ رجب ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء کے آخر تک برائے طباعت الہ آباد بھی لے جایا گیا، ابھی یہ نمبر اپنی طباعت کی مسافت طے بھی نہ کرنے پایا تھا کہ

خبر رسید کہ ترک وطن کند جاناں

اچانک یہ اطلاع ملی کہ ماہ نامہ اشرفیہ کے ایڈیٹر مولانا بدرالقادری، ہالینڈ کے لیے رختِ سفر باندھ چکے ہیں، الہ آباد ہی سے ممبئی روانہ ہوں گے اور سانتا کروز ایئر پورٹ (بمبئی) سے پرواز کر جائیں گے، غالباً ۹/ شعبان کی شام کو الہ آباد راقم کے یہاں تشریف لائے، میں نے مصافحہ کرتے ہی مبارک باد پیش کی اور ماہ نامہ اشرفیہ کے مستقبل پر تبادلۂ خیال کیا، ہالینڈ جانے کے موقعے پر محبِّ گرامی جناب محمد انیس حنفی صاحب الہ آبادی نے اپنے

یہاں رات کے کھانے کا پُر تکلف اہتمام کیا اور صبح بمبئی میل ٹرین میں بٹھا کر ہم تمام احباب نے گلوگیر انداز میں الوداع کہا، حالات کی روش اپنے ایک حال پر کبھی نہیں رہتی، ادھر الجامعۃ الاشرفیہ کے سالانہ اجلاس کی تیاریاں ہو رہی تھیں، مکمل طباعت اور بائنڈنگ وغیرہ کی منزلوں کو پار کرنے کے بعد یہ قیمتی نمبر ۱۱؍ شعبان ۱۳۹۸ھ کو اس وقت مبارک پور پہنچا، جب الجامعۃ الاشرفیہ کی سالانہ تقریبات کے دوسرے روز کا اجلاس شروع ہونے والا تھا، نمبر کی آمد پر اچانک خوشیوں کی ایک نئی لہر دوڑ گئی، بے تاب تمنائیں انگڑائیاں لینے لگیں، نمبر حاصل کرنے کے لیے ہر عزیزی عقیدت مند بے چین دکھائی دینے لگا، نمبر کے آتے ہی عظیم الشان اسٹیج سے **"حافظِ مِلّت نمبر"** کی اشاعت کا اعلان کیا گیا، اس کے اجتماعی اوصاف و محاسن پر روشنی ڈالی گئی، اور اسی سُہانے موقعے پر اس کی فروختگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، ابھی یہ سلسلہ زیادہ آگے بڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ دریں اثنا حضرت مولانا عبداللہ خاں صاحب عزیزی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ کی نظریں چند ایسے صفحات پر پڑ گئیں کہ انھیں بے ساختہ چونک جانا پڑا، اور نمبر کی مکمل صحت پر انھیں کچھ دھبوں کا احساس ہوا، یہی اطلاع حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی، حضرت علامہ الحاج مفتی عبدالمنان صاحب شیخ الجامعہ اور سابق لائبریرین اشرفیہ مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی وغیرہم کی جانب سے بھی موصول ہوئی، اچانک سبھی کو تشویش ہونے لگی، ذمہ دارانِ ادارہ سے فوراً ہی مشورہ کیا گیا، اور نمبر کی اشاعت کو روک دیا گیا، مگر اس پابندی کے عائد کرنے سے پہلے چند کاپیاں ہاتھ سے جاتی رہیں، عجیب کرب ناک حادثہ پیش آیا، ایک طویل انتظار کے بعد اشاعت پذیر بھی ہوا تو وہ بھی تقسیم سے محروم کر دیا گیا، یہ اعلانِ التوا، شائقین پر بے حد گراں گزرا۔

الغرض سابق ایڈیٹر ہالینڈ جا چکے تھے اور کرسی ادارت خالی ہو چکی تھی، نمبر کے دوبارہ اہتمام کے لیے کوئی دوسرا موجود نہ تھا، کچھ دنوں کے بعد ذمہ داریِ ادارت مجھ ناچیز کو سونپی گئی، اور میں بہ حیثیت ایڈیٹر مبارک پور چلا آیا، اکتوبر ۱۹۷۸ء کا شمارہ میری ادارت کا پہلا شمارہ ہے، جس میں نمبر کے سلسلے میں تغلیطی وضاحت اور احساسِ ندامت کا بھرپور اظہار کیا گیا اور اس پر روشنی ڈالی گئی، ۶۷۵؍ صفحات کو تنقیدی نظر سے پڑھنا بھی ایک طویل فرصت کا کام تھا، کافی مدت اسی مطالعے کی نذر کرنا پڑی، ایک دو نشست میں ممکن بھی نہ تھا، چناں چہ آہستہ آہستہ کام بڑھتے ہی گئے، کچھ صفحات کے مضامین کو رد کرتے ہوئے ان کی جگہ دوسرے مضامین مرتب کرنے پر بھی کافی وقت صرف ہوا، گویا نمبر کی تیاری از سر نو پھر سے ہونا شروع ہو گئی، مبارک پور میں کاتبوں کی انتہائی قلت کا مسئلہ الگ پریشان کن رہا، عام شماروں کے علاوہ نمبر کے تقریباً سو صفحات کی بھی دوبارہ کتابت لازم ہو چکی تھی، خدا کا شکر کہ دریں اثنا جامعہ نے براے شعبۂ نشریات ایک مستقل کاتب کا بندوبست کر دیا، مولانا

محبوب عالم صاحب ہمارے ادارے کے مستقل کاتب متعیّن ہوئے، نمبر کے تصحیح شدہ صفحات کی کتابت سے گذرنے کے بعد طباعت کو الہ آباد روانہ کیا گیا، تمام جلدوں کی پھر سے بائنڈنگ کی گئی، اور اس طرح ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد یہ نمبر آپ کے ہاتھ میں آیا۔

آخر میں یہ عرض کرنا فریضۂ ادارہ ہے کہ استاذ گرامی حضرت مولانا عبداللہ خاں صاحب عزیزی جو جامعہ اشرفیہ کے ممتاز استاذ ہونے کے ساتھ جامعہ کے دیرینہ ہم درد اور خیر خواہ بھی ہیں اور جو طلبہ میں ممتاز مدرس بھی تسلیم کیے جاتے ہیں، ان کی پُرخلوص توجہ کا خصوصی ہاتھ رہا، اگر حضرت موصوف کی بے لوث توجہ "نمبر" کو حاصل نہ ہوئی ہوتی تو شاید ابھی تاخیر کے مزید امکانات پیدا ہوتے جاتے، آپ نے پورے ضخیم نمبر کا از سر نو مطالعہ کیا، یہ کوئی معمولی کام نہ تھا، بڑی جاں فشانی کرنا پڑی، مولانا موصوف نے مضامین کی تصحیح وتنسیخ اور صحت و اصلاح کے فرائض کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا، چناں چہ حتی الامکان جامعیت کے سانچے میں ڈھالنے اور ایک نئی روح پھونکنے پر شعبۂ نشریات حضرت موصوف کا شکر گزار ہے، اور ان کی بے لوث جدّوجہد کا ممنون ہے، ویسے نمبر کے سلسلے میں یہ کوئی دعویٰ نہیں کہ اہتمام ثانی کے باوجود اب کسی غلطی کا امکان متوقع نہیں، یہ کوئی ضروری نہیں، انتہائی احتیاط و ذمہ داری کے باوجود ۷۵۶ / صفحات کے درمیان کوئی غلطی نظر آئے تو قارئین ضرور مطلع فرمائیں، ممنون ہوں گا، ادارہ حضرت مولانا عبداللہ خاں صاحب عزیزی کی خصوصی کاوشوں کے علاوہ حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی، حضرت علامہ محمد شفیع صاحب اعظمی، مولانا افتخار احمد قادری، اور مولانا یٰسین اختر مصباحی وغیرہم کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے، جنھوں نے حضرت مولانا عزیزی کی خصوصی طور سے مدد فرمائی۔

الغرض قابلِ فخر انسائیکلوپیڈیا کی صورت میں یہ خصوصی نمبر بے لوث عقیدت و محبت اور خلوص کا قیمتی تحفہ ہے، جو حضور حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ کے ریسرچ اسکالروں کا سہارا بنا رہے گا، خوش نصیبی سے اس کے صفحات پر ان تمام حضرات کی عقیدت مندیاں موجود ہیں، جن میں اہلِ سنّت کے عظیم دل و دماغ بھی شامل ہیں اور علم و ادب کے نئے متوالے بھی۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے ہم پر ایک دو نہیں بے شمار حقوق ہیں، ادا کرنے کی تاب نہیں، مگر کوشش ہمارا فرض ہے، اس قیمتی نمبر کو پیش کرتے ہوئے ہم سچائی سے کام لے رہے ہیں کہ کچھ حق ضرور ادا ہوا۔

الغرض شعبۂ نشریات خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ آج **"حافظ ملت نمبر"** آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

گوہر

۸۶

سید العرفاء، سند الاصفیاء حضرت مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی

مسند نشین سجادہ غوثیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

تعارف مقالہ نگار:
نام: سید مصطفیٰ حیدر حسن بن سید شاہ آل عبا بشیر حیدر قادری۔
لقب: احسن العلما۔
ولادت: ۱۰ر شعبان ۱۳۴۵ھ/۱۳ر فروری ۱۹۲۷ء
وفات: ۱۵ر ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ/۱۱ر ستمبر ۱۹۹۵ء
مدفن: خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف۔

مکرمنا المحترم زید مجدکم السامي....وعلیکم السلام والرحمة والبرکة

گرامی نامہ ملا، یادآوری اور فقیر نوازی کا شکریہ، مجھ جیسے طالبِ علم کے لیے ایسے **"عظیم الشان نمبر"** کے لیے جو ایک ایسی ذاتِ گرامی سے منسوب ہے، جس کے ادنیٰ خوشہ چیں حکمت و دانش، علم و معرفت کی چلتی پھرتی یونیورسٹیاں ہیں، کچھ لکھنا گویا امتحان دینا ہے۔

یاد آئی ۱۹۳۷ء کی وہ صبح جب مارہرہ کی برکاتی خانقاہ میں حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقۃ علیہ الرحمۃ کے ساتھ پہلی بار حافظِ ملّت (علیہ الرحمہ والرضوان) کی زیارت ہوئی تھی اور آل انڈیا سنّی جمعیۃ العلماء کی کان پور کانفرنس منعقدہ نومبر ۱۹۶۳ء میں پہلی بار اور **"یومِ شہید اعظم"** ۱۹۷۱ء ممبئی میں دوسری بار ان کا مبارک بیان سننے کا موقع ملا، آخری بیان میں نے وہ سنا جو کہ دار العلوم برکاتیہ، گگھر ضلع بستی کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر اپریل ۱۹۷۶ء میں فرمایا تھا، ان تمام مواعظ حسنہ میں علم و حکمت کے موتی پروئے تھے، اندازِ گفتگو میں نوجوانوں کی سی گھن گرج تھی جو بات منہ سے نکلتی ایک میخ سی گڑ جاتی، علم و حکمت کا یہ درخشندہ آفتاب جس کی ضیا باری سے اقطار ہند و بیرون ہند منور، جس کی شعاعیں دور دور تک بکھری ہوئیں، جو یقیناً کھانے کے دستر خوان سے لے کر محراب و منبر اور مسند درس و افتا سے تختِ مشیخت تک حافظِ ملّت تھے۔

مؤقر جریدہ ماہ نامہ اشرفیہ قابل مبارک باد ہے کہ اس نے اتنا عظیم الشان **"حافظِ ملّت نمبر"** شائع کر کے ایک بار ہمیں پھر بیدار کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی یادگار **"الجامعۃ الاشرفیہ"** کی تعمیر کے لیے آئیے ہم سب مل کر سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔ السعي مني والإتمام من الله.

والسلام خیر خدام

فقیر برکاتی سید حسن میاں

۱۴/۶/۱۹۷۸ء

حضور برہان الملۃ قبلہ مفتی اعظم مدھیہ پردیش

نام: عبد الباقی عرف برہان الحق بن شاہ عبد السلام جبل پوری
ولادت: ۲۱؍ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء
وفات: ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلي علي رسولہ الکریم

عـــزیز القدر مولانا بدر القادری اعزہ ربہ القوي

سلام ودعا رحمت وعافیت! یادگار حافظِ ملّت ماہ نامہ اشرفیہ کے **"حافظ ملت نمبر"** کے لیے نیک خواہشات!

عزیز العلماء نبیل الفضلاء حافظِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار اور ان کے ذکر خیر کے حامل، ان کے علمی اور عملی شاہ کار، اوّلاً تو ان کے شاگرد اور تلامذہ ہیں جن کے ذہن اور قلوب، ظاہر وباطن، حافظِ ملّت کی تعلیمات اور ان کے ارشادات اور ان کی ہدایات کا مظہر ہیں، دوسرا وہ مرکز علم، معدن علم، منبع علم ہے جو خوب صورت عمارت عظیمہ، دار العلوم قائم ہے جسے حال کے محاورے میں **"یونیورسٹی"** کہا جاتا ہے، اگرچہ حافظِ ملّت قُدِّسَ سِرُّہٗ واصل رحمت الٰہی ہوئے اور ظاہری اعمال سے مستغنی، لیکن حسب ارشاد قرآن مجید: ﴿يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ﴾ [پ:۱۰، سورہ: انفال، آیت: ۴۲] جس کی تفسیر اعلیٰ حضرت مجدّد دین وملّت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں فرمائی: «حيّ عن بينة فكيف يموت.» وہ اپنی اس کھلی نشانی کے ساتھ زندۂ جاوید ہیں اور حسب ارشاد حدیث شریف:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ، اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: صَدَقَةٌ جارية، أَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو له.» (۱)

حافظِ ملّت علیہ الرحمہ کا صدقہ جاریہ، دار العلوم اشرفیہ دیدہ زیب، دل کش تعمیر ہے اور عِلْمٌ يَنْتَفِعُ بِهٖ، دار العلوم میں علوم دین وشرع متین کی تعلیم اور ولد صالح يدعو له، حافظ ملت کے صاحب زادہ خصوصًا علامہ مولانا عبد الحفیظ صاحب جانشین، صاحب سجّادہ حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ اور اولاد علمی وروحانی شاگرد وتلامذہ ہیں،

(۱) مسلم: حدیث: ۱۶۳۱

رب العزت تبارک وتعالیٰ ان تمام مبارک یادگاروں کو دین متین وشرع مبین، اشاعت اسلام اور ترقی مسلمین کے لیے بقادوام عطا فرمائے۔ آمین وصلى الله تعالىٰ عليه مظهر لطفه وقاسم نعمه سيدنا ومولانا محمد وآله وأصحابه وعلماء ملته أجمعين.

الفقير عبدالباقي **محمد برهان الحق القادري الرضوي** الجبل فوري عفي عنه

۸؍رجب المرجب ۱۳۹۸ھ

حضرت مولانا حکیم الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ

سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ ــــــــــــــ چک نیا حجرہ، الہ آباد

مکرمی ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ!

بہت بہت دعائیں۔

مجھے یہ جان کر بے پناہ مسرّت ہوئی کہ جماعت اہلِ سُنّت کا عظیم اور سنجیدہ ترجمان **"ماہ نامہ اشرفیہ"** حضرت حافظِ مِلّت علیہ الرحمۃ کی یاد میں اپنا خصوصی اور ضخیم شمارہ شائع کرنے جارہا ہے، خدا کامیابی مرحمت فرمائے، میری نیک دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، آپ نے اس اہم اور عقیدت مندانہ ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے واقعی حوصلے کا مظاہرہ کیا ہے، ضرورت ہے کہ اللہ کے اس نیک اور مقرب بندے کے علمی اور عملی مجاہدات کی تاریخیت اور صداقت کو زیادہ سے زیادہ زیرِ قلم لایا جائے، آپ میری جانب سے مبارک باد قبول فرمائیے۔

مزید کیا عرض کروں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی ہمہ گیر بلیغ اور ٹھوس شخصیت کو عظیم و علیم تسلیم کرنے میں مجھے کبھی تکلف نہیں رہا، جب جب بھی ملاقات ہوئی ہے بے پناہ متاثر ہوا ہوں، اپنے ہم عصر علما اور رفقا کے درمیان ان کی شخصیت ہمیشہ اُجاگر رہی، وہ بیک وقت درس و تدریس کے بادشاہ بھی رہے اور وادی پُرخار کے بے خوف مسافر بھی، دارالعلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ میں تبدیل کرکے حافظِ مِلّت نے عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، مبارک پور جیسے ایک مختصر سے قصبے کو علم و فن اور حق و صفا کا مرکز بنا دینا یہ اسی کا ظرف ہو سکتا ہے جس کے سینے میں ذمہ داری کا احساس کرنے والا دل ہوتا ہے، آج مجھے حافظِ مِلّت کو "المجاھد" کہنے میں کوئی تکلف نہیں، پائیدار مجاہدانہ رفتار کی رمق کو میں نے حافظِ مِلّت کی پیشانی پر نمایاں طور پر دیکھا ہے، اس کے علاوہ ان کا حسنِ اخلاق، سلوک وفا اور دل کش وضع داری کی جامعیت بھی اپنا الگ معیار رکھتی تھی، منکسر المزاجی اور عجز نوازی فطرت میں شامل تھی، حلیم الطبعی نے غالباً ہر طبقے کے افراد کو متاثر کیا ہے، چند سال پہلے میری شدید بیماری کے موقع پر حافظِ مِلّت خاص طور سے عیادت کو الہ آباد تشریف لائے تھے جنھیں دیکھ کر میں نے بے پناہ تقویت کا احساس کیا تھا، میری صحت کامل کے لیے ان کی دعاؤں کا بھرپور فیض جاری رہا تھا، اس کے علاوہ وہ متعدّد بار عرس و فاتحہ میں بھی شریک ہو چکے تھے۔

الغرض خراجِ عقیدت کے طور پر **"حافظِ مِلّت نمبر"** کی اشاعت یقیناً قابلِ صد تحسین ہے اور آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ایسے نیک مگر مشکل ترین کام کی جانب توجہ فرمائی، اس خصوصی شمارے کے سلسلے میں میری رائے ہے کہ فراخ دلی کا بھرپور مظاہرہ کرنے کی کوشش کیجیے اور ہر مکتبِ فکر کی آرا کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیجیے تاکہ مخصوص طرف دارانہ رویے کی سرحد سے ہٹ کر بھی کچھ دیکھا سمجھا جائے۔

فقط دعا گو

حکیم عزیز احمد حلیمی ابوالعلائی

۲۷/۵/۱۹۷۸ء

امینِ شریعت حضرت مولانا مفتی محمد رفاقت حسین صاحب قبلہ مفتی اعظم کان پور

تعارف مقالہ نگار:
نام: محمد رفاقت حسین بن محمد عبد الرزاق۔
لقب: امین شریعت، مفتی اعظم کان پور
ولادت: ۱۳۱۶ھ/
وفات: ۳؍ ربیع الآخر ۱۴۰۳ھ/۱۹؍ جنوری ۱۹۸۲ء۔

عزیز القدر مولانا بدر القادری صاحب
ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور

سلام و دعائیں، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور حافظِ ملّت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی حیات اور خدمات پر مشتمل ایک باوزن خاص نمبر نکال رہا ہے، اس سے مسرّت ہوئی، اپنے بزرگوں اور رہ نماؤں کو یاد رکھنا اور ان کے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا ہر زندہ قوم کا وطیرہ رہا ہے۔

حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ نے اپنی زندگی میں مجاہد و متحرک اسلاف کرام کے نقشِ قدم پر چل کر اور نمایاں ملی خدمات انجام دے کر مسلمانوں کو موجودہ دور میں دینی خدمات کا جو اسلوب عطا کیا ہے وہ قابلِ تحسین اور قابلِ تقلید ہے، میں آپ کو اور ذمہ داران اشرفیہ کو اس تعمیری اقدام پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مولا تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور مزید دینی خدمات کا موقع دے۔

آمین بجاہ حبیبہ محمد وآلہٖ وصحبہ أجمعین.
محمد رفاقت حسین

شہزادۂ غوث الوریٰ حضرت مولانا سید غلام مصطفیٰ حضرت القادری دربار شریف قادریہ کولکاتا

محترم المقام
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وقیع ”حافظِ ملّت نمبر“ کی اشاعت لائق مبارک باد ہے، حافظِ ملّت آسمان علم وفن کے وہ نیّر تاباں تھے جن کی ضیاباریوں سے ملک وبیرون ملک کا گوشہ گوشہ جگمگا رہا ہے، آپ عالم باعمل، درویش بے بدل، اہل دل اور صاحب حال تھے، عاشقِ رسول، شیدائے اہلِ بیتِ اطہار اور فدائے غوث الابرار تھے، آپ کی ہر ادا اخلاق نبوی کی تصویر تھی، عجز وانکساری، تواضع وخاکساری آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا، جب آپ دربار شریف میں تشریف لائے تو فقیر نے بارہا کہا کہ ذرا آرام سے تشریف رکھیں لیکن وہ فدائے غوث پاک دوزانو ہی بیٹھے رہے، انداز گفتگو اتنا پر کیف ودل کش تھا کہ سننے والا محو حیرت ہو جائے، زور زبان ایسا انقلاب آفریں کہ دلوں کی دنیا بدل جائے۔

الجامعۃ الاشرفیہ آپ کا وہ عظیم شاہ کار ہے کہ قوم وملّت الی یوم القیام اس پر ناز کرتی رہے گی، فقیر قادری آپ کے تمام متعلقین، مریدین، اہل خیر، تلامذہ اور اہل مبارک پور کو مبارک باد دیتا ہے کہ تمھاری زمین بھی مبارک، تمھارا آسمان بھی مبارک، سعی بھی مبارک، عزم بھی مبارک، کاوشیں بھی مبارک، حوصلے بھی مبارک، حافظِ ملّت کا مزار بھی مبارک اور یہ حافظِ ملّت نمبر بھی مبارک۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ اور محبوب پاک سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے صدقے آپ کے جانشین علامہ شاہ عبد الحفیظ قادری سلمہٗ اللہ کو آپ کا صحیح جانشین بنائے اور تمام اہل تعلق سے دین کی خدمت لے، آمین بحرمة سيدالمرسلين وغوث السماوات والأرضين.

سید غلام مصطفیٰ حضرت القادری

۹۲-۷۸۶

مفکرِ ملّت حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب صدر مرکزی مجلس رضا، لاہور

تعارف مقالہ نگار:
نام: حکیم محمد موسیٰ بن حکیم فقیر محمد چشتی، نظامی، فخری بن حکیم نبی بخش چشتی
ولادت: ۲۸/ صفر ۱۳۴۶ھ/ ۲۷/ اگست ۱۹۲۷ء امرتسر۔
وفات: ۱۷/ نومبر ۱۹۹۹ء لاہور

مرکزی مجلس رضا، لاہور
گرامی قدر حضرت مولانا صاحب زید مجدکم

سلام ورحمت!

گرامی نامہ صدور لایا، یاد فرمائی کا شکریہ! **"اشرفیہ"** کے **حافظ الملّۃ** نمبر کی تکمیل کی اطلاع سے دلی خوشی ہوئی، محترما! زندہ قومیں اپنے عظیم اسلاف کے عظیم کارناموں اور ان کی نیک یادوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی سعی کرتی ہیں، آپ نے حضرت حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ کی علمی دینی اور ملی خدماتِ جلیلہ کے تذکار پر مشتمل **"ماہ نامہ اشرفیہ"** کا ایک ضخیم وجیم نمبر مرتب کر کے اہلِ سُنّت کی زندگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

اور یہ نمبر اہلِ سُنّت کے علما اور عوام دونوں کے لیے دعوت فکر ہوگا، اس پیش کش پر احقر اور جملہ اراکین **"مرکزی مجلس رضا، لاہور (پاکستان)"** کی طرف سے مبارک باد قبول کیجیے۔

والسلام بالاکرام
محمد موسیٰ عفی عنہ لاہور
۱۱/۴/۱۹۷۸ء

حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ، لاہور

نام: محمد عبد الحکیم شرف قادری۔
ولادت: ۲۴ر شعبان ۱۳۶۳ھ/ ۱۳ر اگست ۱۹۴۴ء
مولد: مرزاپور، ضلع ہوشیار پور، (مشرقی پنجاب، انڈیا) ظہور پاکستان کے ساتھ ہی لاہور ہجرت کر گئے۔
وفات: ۱۸ر شعبان ۱۴۲۸ھ/ یکم ستمبر ۲۰۰۷ء

محترم و مکرم حضرت مولانا صاحب زید مجدہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف!

یہ امر باعث مسرّت ہے کہ آپ حضرات ماہ نامہ اشرفیہ کا **"حافظِ مِلّت نمبر"** شائع کر رہے ہیں، حضرت حافظ مِلّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلا مبالغہ جلال علم و فضیلت اور جمال فقر و معرفت تھے، پاکستان میں فیض رضوی وامجدی، حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد قُدِّسَ سِرُّہٗ سے اور ہندوستان بلکہ دیار غیر میں حضرت حافظ ملت قدس سرہ سے خوب خوب پھیلا، حضرت حافظ ملت قدس سرہٗ دنیائے سنیت میں ایک انجمن تھے، ایک تحریک تھے جنھوں نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں علما میں سنیت کا وہ درد اور سوز پھونک دیا کہ ان میں سے ہر ایک مسلک حق کا ترجمان اور مبلغ بن گیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ **"حافظِ مِلّت نمبر"** کی اشاعت بھی انھی کے فیض تربیت کا اثر ہے۔

بحمدہ تعالیٰ اشرفیہ میں مستعد فعال، باصلاحیت اور درد دل رکھنے والے علما کی ایک ٹیم جمع ہو چکی ہے، جس سے بجا طور پر اعلیٰ توقعات رکھی جا سکتی ہیں، درس نظامی کی کتابوں پر عام طور سے دیوبندیوں کے حواشی چھپ رہے ہیں، اس سے طلبہ کے ذہن پر کیا اثر پڑتا ہوگا، آپ حضرات سے مخفی نہیں، اس طرف بھی توجہ فرمائیے اور سنی طلبہ کو احساس کم تری سے نجات دلائیے، جملہ رفقائے ادارہ سے سلام کہہ دیں۔

مولائے کریم جل مجدہٗ دارالعلوم اشرفیہ، ماہ نامہ اشرفیہ اور حضرت کے تلامذہ و مستفیدین کے ذریعے آپ کی برکات تاقیامت جاری و ساری رکھے۔ آمین.

محمد عبد الحکیم شرف قادری لاہور

اداریہ

شعاعیں

مولانا بدر القادری مصباحی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا بدر القادری مصباحی کا نام فضلاے اشرفیہ میں بہت نمایاں ہے۔

۲۵/ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو قصبہ گھوسی میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے ۱۰/ شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو فراغت حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں "شعبۂ نشر واشاعت" کے قیام کے بعد اس کے انچارج کی حیثیت سے تشریف لائے اور "ماہ نامہ اشرفیہ" کی ادارت سنبھالی، بعد ازاں ہالینڈ تشریف لے گئے جہاں عمر کے آخری لمحے تک تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔

وصال: یکم صفر ۱۴۴۳ھ /۹/ ستمبر ۲۰۲۱ء کو طویل علالت کے بعد ہالینڈ ہی میں وصال ہوا اور اپنے وطن گھوسی میں مدفون ہوئے۔

آپ ایک محقق، مبلغ، مصنف، ناقد، شاعر، خطیب اور زیخ طریقت تھے، نثر و نظم دونوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے، آپ کی تصنیفات تقریباً دو درجن ہیں۔

۞ سراپا ۞ لباس ۞ اوصافِ ذاتی ۞ مرد مومن ۞ خوفِ خدا ۞ معیارِ ایمان ۞ حبّ خداو رسول ۞ یکسانیت ظاہر وباطن ۞ معمولات ۞ اخلاق ۞ حیا ۞ سادگی ۞ کفایت شعاری ۞ توکّل ۞ صبر وتحمل ۞ تواضع ۞ استغنا ۞ ایفاے عہد ۞ رفاقت وعیادت ۞ حوصلہ افزائی ۞ شاگرد نوازی ۞ اہل نسبت کا احترام ۞ چند اخلاقی تعلیمات ۞ ایثار وقربانی ۞ روشن ماضی کی یاد ۞ تزکیۂ نفس ۞ قرآن عزیز سے عشق ۞ علمیت ۞ محکم گرفت ۞ حزم واحتیاط ۞ شان علم ۞ علمی وثوق ۞ حاضر جوابی ۞ نظافت بیان ۞ انداز موعظت ۞ بے قرار تمنا ۞ افلح من یعالج المساجدا ۞ حافظ ملت کا آئیڈیل ۞ عصری نظام تعلیم اور حافظ ملت ۞ خود افروز وجگر سوز ۞ مرکزی اہمیت ۞ اذا رؤوا ذکر اللہ ۞ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا ۞ لمحۂ فکریہ ۞ حافظ ملت نمبر

سَراپا

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

رنگت گندم گوں — جس میں سرخی کی جھلک

چہرہ منور گولائی لیے ہوئے — پر رُعب — پر وقار

سر بڑا — مدوّر — ہر طرف سے بھرا ہوا — جس پر بال سیدھے اگے ہوئے، نرم نرم
(اخیر عمر میں زیادہ سفید — اور گنج سے محفوظ)

پیشانی قدرے فراخ — اور ابھری ہوئی

ابرو کشادہ — نہ گھنے نہ ہلکے — منفصل — کسی قدر ڈھلکے ہوئے

آنکھیں روشن — جس میں سرمہ کی لکیریں نمایاں — سیاہ سفید بے داغ — پر سکون — نظریں جھکی ہوئیں۔

پلکیں گھنی — بالکل سیاہ (اخیر عمر میں چند بال سفید)

ناک بلندی مائل — جس سے نورانیت نمایاں

رخسار بھرے ہوئے — گوشت ذرا نیچے کو ڈھلکتا سا

لب پتلے — سرخی مائل

دہن باعتدال فراخ

دندان چھوٹے — ہموار (انتہائی خوشی کے تبسّم پر نظر آنے والے)

ریش مسترسل — زیادہ گھنی نہیں — کچھ بال سیاہ بھی

مونچھ پست — نہ زیادہ چوڑی — نہ بہت باریک — دونوں کنارے داڑھی سے متّصل

کان متناسب لمبائی لیے ہوئے

ٹھوڑی گول — جس میں ہلکی سی گہرائی

گردن معتدل — قدرے لمبائی لیے ہوئے — تواضع سے جھکی ہوئی

شانے	ہم وار — اخیر عمر میں سامنے کو کچھ جھکے ہوئے
ہاتھ	لمبے
بازو	پر گوشت — بھرے ہوئے — مضبوط
کلائیاں	چوڑی —
ہتھیلیاں	پر گوشت — فراخ — قدرے سخت — لکیریں نمایاں
انگلیاں	لمبی — موزوں حد تک دراز — درمیان میں کچھ خلا
ناخن	سرخی مائل — انگلیوں سے ہم وار
سینہ	کشادہ — جس پر کچھ بال
شکم	سپاٹ — سینے کے مقابل کچھ دبتا سا
پشت	سیدھی
کمر	متناسب
پنڈلیاں	مضبوط — بھری ہوئی — ٹھوس — جس پر تھوڑے بال
پاؤں	متوسط — قدرے دراز
ایڑیاں	گول
قد	میانہ
بدن	چھریرا

❁ ❁ ❁ لباس ❁ ❁ ❁

عمامہ — ٹوپی — شیروانی — کرتا — پاجامہ وغیرہ

شیروانی	مختلف الالوان — ڈھیلی ڈھالی — لمبی — گھٹنوں سے نیچی
عمامہ	اکثر بادامی یا کتھئی مالاگیری رنگ کا — معمولی — پانچ گزی — بائیں جانب پیچ خوب واضح شملہ کمر سے اوپر تک
ٹوپی	دو پلی — گہری — ٹھوس — سادی
کرتا	کلی دار — لانبا — گھٹنوں سے نیچے تک

پاجامہ	شلوار نما
جبہ	عموماً کالے رنگ کا، بے آستین — کبھی کبھی سرمئی رنگ کا — آستین دار
رومال	ابتداءً حیدرآبادی — بعد میں بھاگل پوری — طویل وعریض
نگینہ	پہلے فیروزہ پہنتے تھے بعد میں عقیق — جس کے بیچ میں سفید ہلالی نشان
جوتا	جے پوری ناگرہ — دائیں بائیں کی قید سے آزاد
عصا	زمانۂ دراز تک مرزاپوری بانس کا — اخیر عمر میں لکڑی کا منقش
انگوٹھی اور گھڑی	دائیں ہاتھ میں پہنتے

اوصافِ ذاتی

چہرے میں جاذبیت، شب زندہ داری کی نورانیت — خاموشی میں وقار وطمانیت نمایاں — پیشانی چمک دار، جبہ ودستار زیب تن فرمالیں تو لطافت روحانی پورے پیکر کو محتوی — مقام درس اور مسند ارشاد پر بیٹھیں تو جلالت علمی کا ترشح — عام بات چیت میں نرم روی — سنجیدگی اور محبت ورافت کی جھلملاہٹ، ملاقاتیوں سے ہم دردانہ انداز میں زیادہ سننے اور اپنی جانب سے کم بولنے کی عادت — مناظرہ ومباحثہ میں مخالف کی حرکت پر چیتے جیسی نگاہ — شکرے جیسی جھپٹ — اور شیر جیسا گرج دار مبہوت کن حملہ — درس گاہ میں باوقار محققانہ انداز کلام — عام نشستوں میں بار حیا سے نظریں جھکائے، آگے کو قدرے سرخمیدہ مگر مجلس بھر میں نمایاں — راستہ چلنے میں نگاہیں نیچی — چلتے وقت جسم آگے کو مائل، گویا کسی بلندی سے اتر رہے ہوں — رفتار سیدھی تیر کی طرح، پرسکون — لمبے قدم سے ہمیشہ داہنی طرف چلتے — بات چیت کے دوران کسی بات پر تائید کے لیے سر کو جنبش دیتے — اور فرماتے ”جی ہاں“ الفاظ کی ادائگی میں پورا زور ہوتا — بہت خوشی میں بھی قہقہہ نہ لگاتے بلکہ مطابق سنّت دانت کی سفیدی نظر آجاتی — اور کبھی ہنسی ضبط کرنے میں آنکھیں نمناک ہوجاتیں — گرمی کے موسم میں بھی، پسینے میں کسی طرح کی بو نہ ہوتی، فرماتے: یہ قرآنِ عظیم کی برکت ہے۔

مومنِ کامل

حافظِ مِلّت کا سب سے جامع تعارف یہ ہے کہ **”وہ ایک مومنِ کامل تھے“** تجلیّاتِ ایمانی کی پرتوافشانی سے شخصیتوں میں کیسا نکھار پیدا ہوتا ہے اور نگار خانۂ جسمانی سے حسنات کی کرنیں کس طرح چھنتی ہیں، اسے خود حافظِ ملّت سے سماعت فرمائیں:

> ”نورِ ایمان سے جب مومن کا دل جگمگا اٹھتا ہے تو اس کا پاکیزہ اثر روحانیت پر اس درجہ ہوتا ہے کہ روح مرتبۂ کمال پر پہنچتی ہے، حیوانیت ودرندگی دور اور لوازم بہیمت کافور ہوجاتے ہیں، اس وقت انسان اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ وپیراستہ ہوکر انسان کامل ہوجاتا ہے اور اپنے خالق ومالک کو خوب پہچانتا ہے، اسی کی طاعت وعبادت میں لذّت پاتا ہے، پیکر اخلاق بن جاتا ہے، جو کام کرتا ہے رضائے الٰہی اور خوش نودیِ خداوندی ہی مقصود ہوتی

ہے، زبان اور ہاتھ ہی کیا، جسم کے تمام اعضا حکم الٰہی کے ماتحت ہی کار فرما رہتے ہیں، ہر حرکت و سکون خوش نودیِ معبود ہی کے لیے ہوتا ہے۔"(۱)

مذکورہ بالا جملوں کی گہرائیوں میں اتریے تو گویا حافظِ مِلّت کا پیکر نظر آرہا ہے، ان کے پیکر جسدی میں یقیناً ایک ایسی سعید روح جلوہ گر تھی جو خلوت سے جلوت تک پوری مسافت حیات میں رضاے حق کے لیے وقف نظر آتی ہے، وارثِ علومِ انبیا اور حامل اخلاق نبی کے بلحاظ وہ سچّے نائب رسول تھے۔

خوف خداوندی

وہ ایک بے خوف، نڈر، جری، بہادر انسان تھے، انھیں کسی کا خوف نہ تھا؛ اس لیے کہ وہ خدا سے اس طرح ڈرتے تھے جو ڈرنے کا حق ہے، مسلمانوں کو بھی زندگی بھر خوفِ خداوندی کی تعلیم فرمائی، یہ اس لیے کہ وہ خوف دنیا سے بے نیاز ہو جائیں، خدا سے ڈرنے والا کسی اور سے ہر گز نہیں ڈرتا، حافظِ مِلّت کی ذات اس کا زندہ ثبوت ہے، مسلمانوں کو مخاطب کر کے جس مجاہدانہ طمطراق کے ساتھ عالَم سے بے خوف ہونے کا سبق دے رہے ہیں، وہ انھی کا حق ہے:

"مسلمان خدا سے ڈریں اور پورا ڈریں، صرف خدا سے ڈریں، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں، غیرتِ خداوندی کو یہ ہر گز گوارہ نہیں کہ اس کا بندہ ہو کر، اس کا پرستار ہو کر اُس کے سوا کسی سے ڈرے۔"(۲)

حافظِ مِلّت کو رب تعالیٰ پر ایسا ایمان محکم ہے کہ اُس کے علاوہ سب سے بے نیاز ہیں اور دوسروں کو اسی بے نیازی کی تعلیم دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

"کائنات عالم کے تمام تصرفات اسی مالک حقیقی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اس کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، وہی خالق اور مالک ہے، وہی زندہ کرنے والا ہے اور وہی مارنے والا ہے، جس کو وہ مارے کوئی جلا نہیں سکتا اور جس کو وہ زندہ رکھے کوئی مار نہیں سکتا، جس کو وہ عزت دے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ذلیل کرے اس کی کہیں عزت

---

(۱) معارفِ حدیث، ص:۲۵۔

(۲) ارشاد القرآن، ص:۷، ۸۔

نہیں، مسلمان کا ایمان تو یہی ہے۔"(۱)

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

حُبِّ خدا ورسول

سب سے نمایاں صفت جو اُن کی پوری حیات پر چھائی ہوئی ہے، وہ ہے حُبِّ خدا ورسول اور وہ پوری دنیاے اسلام کو اسی نشۂ ایمان میں سرشار دیکھنا پسند کرتے ہیں، ایک مقام پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں:

"محبت و مؤدت، الفت وعقیدت ایک قلبی کیفیت ہے جو حیات انسانی کا محور اور زندگانی کا مرکز ہے، میلان قلب ہی پر انسانی حرکات وسکنات کا مدار ہے، دل کا جھکاو جس طرف ہوتا ہے، سر سے پیر تک تمام اعضا اسی طرف مائل ہوتے ہیں، جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر ادا اچھی، ہر بات پیاری معلوم ہوتی ہے، اس کے ہر قول وفعل کو اپنانا دلی خواہش اور قلبی تمنا ہوتی ہے، صرف یہی دیکھنا ہوتا ہے کہ محبوب کی مرضی کیا ہے، محبوب کیا چاہتا ہے، محبوب جو کہے ہی کیا جائے، جس طرف لے جائے اسی طرف جائے، اس کے اشارۂ ابرو اور جنبش لب پر مرنا اور جینا معراج تمنا ہے، کرشمۂ محبت کا جب کہ اتنا بلند مقام ہے تو اگر قلب مومن میں کسی غیر کی محبت بھی اللہ اور رسول سے زیادہ ہو، بلکہ برابر بھی ہو، تو مومن کو رضاے الٰہی اور خوش نودی رسول حاصل کرنا محال ہے، حالاں کہ یہی مقتضاے ایمان ہے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ قلب میں سب سے زیادہ اللہ عزّوجلّ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہو۔"(۲)

عزیزوں اور دوستوں کی الفت ہو، یا جان ومال کی محبت، اگر ان سب پر حبّ رسول غالب ہے تو یہ واقعی ایمان ہے، قابل مبارک باد ہے اور یہی اللہ عزوجل کی سچی محبت ہے، محبت رسول ہی محبت خدا ہے، ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [آل عمران:۳۱] (۳) میں اسی کی تعلیم ہے۔(۴)

---

(۱) ارشاد القرآن، ص:۵

(۲) معارف حدیث، ص:۴۲۔

(۳) اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تمھیں دوست رکھے گا۔

(۴) معارف حدیث، ص:۴۳۔

معیارِ ایمان

حافظِ مِلّت کے نزدیک سرور دوعالم ﷺ کی ذات اقدس ہی ایمان کا وہ معیار ہے جس پر عقیدہ و اعمال کا سرمایہ تُلتا ہے، مصطفیٰ کا وفادار ہی خالق ومخلوق سب کا وفادار ہے، جس نے اس بارگاہ سے غدّاری کی وہ اپنے رب کا بھی غدّار ہے۔ دیکھیے کیا فرماتے ہیں:

”ہر چھوٹے، بڑے، اپنے، پرائے حتی کہ اپنی جان ومال، عزّت وآبرو ہر شَے سے زیادہ حضور اقدس ﷺ کی محبت تکمیل ایمان کے لیے ضروری ہے، یہ دعویٰ تو ہر مسلمان کرتا ہے“ مگر

دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں

دلیل اس دعویٰ کی یہی ہے، اداے حقوق مصطفیٰ میں جب کوئی طاقت، کوئی قوت بھی مقابل آئے تو اس کو پاش پاش کر دیا جائے، دھجیاں اڑادی جائیں، جان ومال، عزّت وآبرو کسی کا پاس نہ ہو، اپنے آرام وراحت، تکلیف ومصیبت کا خیال تک نہ ہو، حکم الٰہی اور فرمان رسول کے مقابلے میں کسی کی کوئی پرواہ نہ کی جائے، شانِ رسالت میں گستاخی وبے ادبی کرنے والا خواہ اپنا باپ، استاذ اور پیر ہی کیوں نہ ہو، بڑا عالم وفاضل ہی کیوں نہ ہو، قلب مومن میں قطعًا اس کی گنجائش نہیں، باپ کا ادب، استاذ کا احترام، پیر کی تعظیم وتوقیر، عالم دین کا عزووقار، صرف رضاے الٰہی وخوش نودیِ رسول کے لیے کیا جاتا ہے تو پھر اس (گستاخ خدا ورسول) سے مومن کا کیا علاقہ اور ایمان والے کا اس سے کیا تعلق؟“[1]

یکسانیت ظاہر وباطن

حافظِ مِلّت کی زندگی کے عوامی اور نجی دونوں رخ بالکل یکساں ہیں، ایک سی سادگی، بے ساختگی، نمائش سے گریز، ملنساری اور محبت کی آمیزش، اپنے اور پرایوں سے وضع داری پائی جاتی ہے، ایک شفیق باپ، ایک دردمند بھائی، ایک مخلص دوست، ایک ذمّہ دار مرشد، ایک احساس مند استاذ، ان تمام حیثیتوں سے اُن کی ذات قابلِ

---

(۱) معارف حدیث، ص:۴۴،۴۵۔

اطمینان اور نمایاں خصوصیت کی حامل ہے، دیانت وقول وعمل کی یہ شان اس زمانے میں کم لوگوں میں دکھائی دیتی ہے، چھوٹا بڑا ہر ایک کی نگاہ آپ کی عقیدت کیشیوں سے بوجھل، جس سے کردار کی عظمت کا پتا چلتا ہے۔

شخصیت کی حدود بہت دور تک پھیلی ہوئی، ان کی روح کی روشنی سے بہت سارے دل، بہت ساری محفلیں منوّر ہیں، وہ خود اپنی ذات میں انجمن اور بہت سی انجمنیں ان سے فیضیاب ہیں۔

یک چراغے است دریں خانہ کہ از پر تو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

معمولات

ارشاد رسالت مآب (ﷺ) ہے:

«أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا.» (۱)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی ہو۔

حافظ مِلّت فرائض وسنن کے بچپن سے پابند تھے، جب سے بالغ ہوئے نماز تہجد شروع کر دی جس پر آخری عمر تک عمل رہا، صلاۃ الاوابین ودلائل الخیرات شریف وغیرہ روزانہ بلاناغہ پڑھتے، آخری ایام میں پڑھنے سے معذور ہو گئے تو دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے، صبح کو ہر روز سورۂ یٰسٓ و سورۂ یوسف کی تلاوت کا التزام رکھتے اور جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت کا بھی معمول تھا۔

اعمال سے دور ونفور قوم کو دعوت عمل دنیا حافظِ مِلّت کا خصوصی وصف ہے ایک جگہ فرماتے ہیں:

”اے غافل انسان! تجھے اپنا کردار درست کرنا چاہیے، نیک عمل ہی تیرے ساتھ جائے گا، تیرا ساتھ دے گا، تیرے کام آئے گا، تو اپنے عزیزوں، قریبی رشتہ داروں، دوستوں کی خوش نودی، رضا جوئی میں منہمک ہے، مال و دولت کی تحصیل میں سرگرداں ہے، ان کو اپنا مونس وغم خوار اور خیر خواہ سمجھا ہے، یہ تیری نادانی وغفلت ہے، تیرا خیر خواہ وغم خوار تیرا نیک عمل ہے، یہ وہاں کام آئے گا جہاں تیرے کوئی کام نہ آئے گا۔“(۲)

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گل چیں جمال تو بداماں گلہ دارد(3)

---

(۱) أخرجه البخاري: (٦٤٦٥)، ومسلم :(٧٨٣).

(۲) معارف حدیث، ص:۱۳۰۔

(۳) نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بے شمار، تیرے جمال سے پھول چننے والوں کو اپنی تنگ دامانی کا شکوہ ہے۔

اخلاق

اچھے اخلاق کے بغیر انسان قبولیت عام حاصل نہیں کر سکتا، ارباب صفات حمیدہ و خصائل حسنہ کے کام میں استحکام، پختگی اور اثر انگیزی ہوتی ہے، حافظ مِلّت جیسے ایک عظیم عالم ربانی تھے، ایک مصلح امت اور سماجی کارکن بھی تھے، ان کا رابطہ انسانوں کے ہر طبقے سے تھا اور بحمد اللہ ان سے تعلق رکھنے والے ہر طبقے کے لوگوں نے ان کی شخصیت سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں، اس لیے کہ وہ خود اس شعر پر مکمل عامل تھے۔

اخلاق سب سے کرنا، تسخیر ہے تو یہ ہے
خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے

اسلامی اخلاق پوری زندگی اور لوازمات زندگی کو حاوی ہے، شخصی عادات و اطوار کی درستگی اور تہذیب کے بعد معاملات کے میدان میں ضابطۂ دیانت و صداقت کی پابندی کر لینا بڑا کٹھن مرحلہ ہے، یہاں ہم اخلاق و صفات میں سے چند کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں حافظِ مِلّت کی ذات جن سے متّصف تھی، صبر، توکل، ایثار، استغنا بردباری وغیرہ پر ایک طائرانہ نظر ضروری ہے، ویسے تو ان عنوانات کا مکمل احصا **"حیاتِ حافظِ مِلّت"** ہی میں ممکن ہے؛ مگر اخلاق حافظِ مِلّت کے چمن زار کی مختلف کیاریوں سے چند گل بوٹے جمع کر کے ایک مختصر گلدستہ تیار کیے بغیر شاید میرا اپنا ذوق خود مطمئن نہ ہو سکے، خوبی یہ ہے کہ ان عنوانات اخلاق پر حافظِ مِلّت کی تحریروں میں بھی جابجا روشنی موجود ہے جس میں انھوں نے مخاطب تو قوم کو بنایا ہے مگر ملی اخلاق کی شیرازہ بندی کے لیے جس اسلامی اخلاق کا لائحہ عمل پیش کیا ہے ہمیں ان تمام میں حافظِ مِلّت کا پیکر بھی چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔

حیا

حیا مومنانہ زندگی کا زیور ہے، حافظِ مِلّت اس حُلّۂ ایمانی سے آراستہ تھے، راستہ چلتے تو نگاہیں نیچی رکھتے، فرماتے ہیں: لوگوں کے عیوب نہیں دیکھنا چاہتا۔ اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی حیادارانہ انداز ہوتا، بچیاں جب بڑی ہوگئیں تو اپنے گھر میں بھی بڑے احتیاط سے رہتے، ایک مخصوص کمرہ تھا جس میں قیام فرماتے، نکلتے اور جاتے وقت نظر محتاط رکھتے، گھر میں داخل ہوتے وقت چھڑی زمین پر زور سے مارتے تاکہ آواز پیدا ہو اور گھر کے لوگ خبردار ہو جائیں، غیر محرم عورتوں کو کبھی سامنے نہ آنے دیتے، کسی کو داخل سلسلہ فرماتے تو اپنے رومال کا ایک حصّہ پردے کی اوٹ میں دے دیتے، بمبئی میں سیٹھ عبدالحمید صاحب مرغی محلہ کے مکان میں قیام پذیر تھے بلڈنگ میں رہنے والی عورتوں نے مشہور کر دیا کہ مولانا صاحب عورتوں سے پردہ کرتے ہیں،

لوگوں سے شدہ شدہ یہ بات حضرت تک پہنچی۔ فرمایا:

کیا کیا جائے، یہ ایک اچھی چیز ہے، عورتوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے اپنا لیا۔

تواضع

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

[عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ:]«مَنْ تَوَاضَعَ لله رَفَعَهُ الله.»[1]

اللہ کے لیے انکساری کرنے والے کو خدا سَربلند کرتا ہے۔

آج کل کے زمانے میں لوگ اونچے تعارف اور مبالغہ آمیز تعریف سے خود کو پہچنوانے کی کوشش کرتے ہیں، حضور حافظِ مِلّت قدیم اصولِ تواضع وانکسار کے پورے پابند تھے، بلکہ ان کی انکساری کا تو یہ حال ہے کہ اپنے خردوں کو خود سے بڑھا دیتے، بعض تلامذہ کے بارے میں فرماتے: "میاں یہ مجھ سے بھی قابل ہیں"۔ "محب محترم" جیسے القاب جو عام طور سے لوگ اپنے دوستوں کو لکھتے ہیں حضرت اپنے تلامذہ اور چھوٹوں کو تحریر فرماتے، تواضع کی دوسری مثالیں "اہل نسبت کا احترام" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

استغنا

حافظِ مِلّت کو پروردگارِ عالم نے استغنا کی عظیم دولت سے سرفراز کیا، قدم قدم پر اس کی علامتیں ظاہر تھیں آپ کے بھائی جناب مولانا حکیم عبدالغفور صاحب کا بیان ہے کہ **"دورِ طالبِ علمی میں جب میں مبارک پور میں زیرِ تعلیم تھا تو اس وقت طلبہ ومدرسین کے لیے مدرسے سے مٹی کا تیل ملتا تھا اور کھانے کے لیے جاگیروں کا انتظام تھا مگر حضور حافظِ مِلّت علیہ الرحمہ میرے اور اپنے کھانے کا انتظام خود کرتے اور فرماتے کہ جب ہم اپنا کھا سکتے ہیں تو جاگیر کیوں کھائیں اور جب ہم اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرنے کے لائق ہیں تو مدرسے کا تیل کیوں خرچ کریں، حضرت کبھی مدرسے کے تیل کی روشنی میں مطالعہ نہیں فرماتے"** یوں ہی شروع دور تدریس سے اخیر حیات تک کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست نہیں دی۔

خدا کے نیک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

---

(۱) البيهقي في «شعب الإيمان» (٨١٤٤)

ایفاے عہد

وعدہ کرکے نبھانا مومن کامل کی ایک اہم نشانی ہے، فرمانِ رسول «إِذَا وَعَدَ وَفَا» کے مطابق مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے، حضرت حافظِ مِلّت علیہ الرحمۃ مریض ہوں یا باصحت، نزدیک ہوں یا دور، اپنے وعدے کی پابندی کو اوّلین ذمّہ داری کے طور پر ادا کرتے تھے۔

ایک بار نوادہ (مبارک پور) میں ایک میلاد شریف کے لیے دعوت قبول کرلی، اس سے پہلے دن کہیں باہر جلسے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے، بھیڑ بہت زیادہ تھی، ٹرین اور پلیٹ فارم پر تل دھرنے کی جگہ بھی نہ تھی، حضرت نے جب دیکھا کہ ٹرین میں جگہ ملتی نظر نہیں آتی تو اپنا بستر اور ناشتہ دان کھڑکی کی سلاخوں میں رومال سے باندھ دیا اور خود کسی طرح ڈبّے میں گھس پڑے، مئو تک کا سفر کھڑے کھڑے کٹا، رات کو تقریبًا ساڑھے نو بجے سٹھیاؤں اسٹیشن پر اترے تو سواری ندارد، بستر اور سامان لیے ہوئے پیدل ہی مبارک پور چل پڑے اور سوا دس بجے تک اندھیری رات میں گھر پہنچے اور طلبہ کے ساتھ لالٹین کی روشنی میں فورًا نوادہ پہنچے، میلاد شریف ہورہا تھا؛ آپ سیدھے اسٹیج پر پہنچے اور شاندار تقریر فرمائی، باوجودے کہ صبح سے اس وقت تک کچھ نہ کھایا تھا، اس لیے کہ ناشتے سے قبل چل پڑے تھے، دوپہر کا کھانا ٹرین کے رش نے لے لیا اور نوادہ ایسے وقت پہنچے کہ لوگوں نے سمجھا کہ کھا ہی کرآئے ہوں گے مگر زور تقریر میں بھوک کی شدّت کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

سادگی اور قناعت

آج کا تمدّن، زندگی اور لوازماتِ زندگی میں بہت تنوع پیدا کرچکا ہے، زندگی کی ضرورتیں بڑھتی جارہی ہیں، باوجودے کہ حافظ ملت عام غریب مسلم ماحول سے لے کر اونچی سوسائٹی (بلحاظ زمانہ) کے لوگوں سے تعلق تھے، اور ایسا نہیں کہ ان میں کھوکر، بلکہ آپ کی عالمانہ شان نے اس ماحول میں بھی اپنا ایسا تشخص برقرار رکھا کہ سوسائٹی کی عائد کردہ پابندیوں کے خوگر حافظِ مِلّت کے دل دادہ بن گئے، اندرون خانہ آپ کی سادگی اور قناعت کا یہ حال کہ

> آپ کی بڑی صاحب زادی جمیلہ خاتون نے شب کے کھانے میں حضرت کے سامنے ڈلیا میں روٹی رکھی اور دوبارہ لاکر بغل میں دال کا پیالہ رکھ دیا، روشنی دور اور کم تھی، حضرت نے دال کو نہیں دیکھا اور صرف سوکھی روٹی کھاکر پانی پی لیا اور دعا مانگنے لگے۔

«اَلْحَمْدُلله الَّذِيْ أَطْعَمَنَا،وَسَقَانَا،وَكَفَانَاوَجَعَلَنَامِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.»

آپا جان نے پوچھا: ابّا! آپ نے دال نہیں کھائی؟ حضرت نے تعجب سے پوچھا: اچھا دال بھی ہے، میں نے سمجھا آج صرف روٹی ہی ہے۔

حضرت کی سادگی اور انکساری کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مبارک پور یا گرد و نواح میں دور دور تک جانے کے لیے کبھی سواری کا اہتمام پسند نہیں فرماتے، جناب عبد العلی، ساکن موضع "سکٹھی" نے بیان کیا:

"میں ایک بار حضرت کو کھانے کے لیے دعوت دینے گیا، یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے جب وہ کافی بیمار اور کمزور رہتے تھے، میں پیدل ہی حضرت کی قیام گاہ پر گیا تھا، حضرت نے دعوت منظور فرمائی، میں نے عرض کی: حضور وقت پر رکشا بھیج دوں گا، آپ علیل ہیں پیدل چل کر جانے میں کافی تکلیف ہوگی۔

حضرت نے فرمایا: حاجی صاحب! یہ کیسے ہو سکتا ہے، آپ مجھ سے حج میں بھی مقدم، عمر میں بھی مقدم، آپ تو میرے پاس پیدل آئیں اور میں آپ کے پاس سواری سے آؤں، نہیں، میں بھی پیدل ہی آؤں گا۔ چناں چہ پیدل ہی تشریف لے گئے۔"

کفایت شعاری

فضول خرچی بھی آج کل داخل تہذیب ہے وہ بھی بایں طور کہ اپنی ذات کے آرام و آسائش کے لیے تو جتنا بھی صرف ہو جائے کم ہے، مگر کسی دوسرے اہل حاجت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

حضور حافظِ ملّت کا یہ عالم تھا کہ ذاتی و شخصی اخراجات وہی نپے تلے تھے جو شروع سے متعیّن تھے، مگر حضرت اپنے اہل خانہ اور متعلقین کے علاوہ حاجت مندوں (طلبہ، علما، و ہم سایہ وغیرہ) کے لیے بھی دستِ سخا ہمیشہ دراز رکھتے، اکثر دوسروں کو آرام پہنچانے کے لیے خود کو تکلیف میں ڈال دیتے، مصائب و آلام کے سایے میں گزری ہوئی حیاتِ حافظِ ملّت ہی ان کی پختگی کردار کی علامت ہے:

تری نگاہ مصائب کی دھوپ میں تپ کر
خود اپنے رنگ میں دنیا کو ڈھال سکتی ہے
کچھ اور دیر بھڑک جائے گر یہ پیاس تری
پہاڑ کاٹ کے چشمے نکال سکتی ہے

توکّل

توکّل پر نہ صرف خود پوری عمر کاربند رہے بلکہ متعلقین، مدرسین، ملازمین، طلبہ، سب کو توکّل ہی کی راہ پر چلنا سکھایا اور جاتے جاتے اپنے شہزادۂ گرامی حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ (عربک یونیورسٹی) سے فرماتے گئے کہ میرے بعد اہل مبارک پور کچھ خدمت اشرفیہ کا صلہ دینا چاہیں گے، مگر لینا نہیں۔ توکّل کے بارے میں قوم کو یوں خطاب فرمایا:

> "بندہ جب اپنے رب پر ایمان لایا ہے اور مسلمان ہے، تو اس کو اپنے رب پر توکّل کرنا لازمی اور ضروری ہے، مگر بندے کو اپنے رب پر بھروسا نہیں تو اس کا ایمان ہی کیا ہے، اسی لیے تو فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکّل کرو، کسی دوسرے پر بھروسا نہ کرو، وہ تمھارے سب کاموں سے باخبر ہے، وہ جانتا ہے کہ تم سب کاموں میں اپنے رب پر بھروسا کرتے ہو یا اس کے غیر پر، اگر تم نے اپنے ہر کام میں اپنے رب پر بھروسا کیا تو واقعی تم اپنے رب کے فرماں بردار بندے ہو، اور اس کے انعام و اکرام کے مستحق ہو، اگر تم نے اپنے کسی کام میں بھی اپنے رب کے غیر پر بھروسا کیا تو تم مجرم ہو، اپنے رب پر ایمان لانے کے بعد غیر پر بھروسا کرنا بڑا جرم ہے۔"(۱)

توکّل پر خاص طور سے زور دیتے تو یوں فرماتے:

"توکّل ہی توکّل ہے"

آپ اس باب میں اکثر یہ شعر بھی پڑھتے:

سب کام اپنے کرنا تقدیر کے حوالے
نزدیک عاقلوں کے تدبیر ہے تو یہ ہے

صبر و تحمل

ان کی پُرخار زندگی میں قدم قدم پر کانٹے ہی ملے، مگر انھوں نے صبر و تحمل سے کام لے کر ہر سختی کو آسان کر لیا، بقول شاعر:

---

(۱) ارشاد القرآن، ص: ۱۱، ۱۲۔

غم سے جب خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے غم
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

صبر کے بارے میں حافظِ ملّت کے نوک قلم نے کیا انمول موتی بکھیرے ہیں ذرا انھیں بھی ملاحظہ فرمائیے:

"صبر کا اجر بے شمار ہے، بے حساب ہے، صبر کامیابی اور نصرتِ الٰہی کا سبب ہے، اسی لیے بہت مرتبہ صابرین کی تھوڑی تعداد بھی غالب ہوئی اور صابرین کو سرداری و پیشوائی ملی، غور تو کرو، صبر پر بے حساب اجر کا وعدہ ہے، صبر پر نصرت الٰہی اور امدادِ غیبی کا وعدہ ہے، صبر پر فتح دینے کا وعدہ ہے۔"(۱)

یہ کہنا درست ہوگا کہ حضرت حافظِ ملّت کے صبر و تحمل، شکیبائی و بردباری نے ہی ان کی راہ سے ہر روڑے کو ہٹا دیا اور انھیں ان کے مقصد میں کامیاب کیا۔

رفاقت و عیادت

سماجی زندگی میں پاس پڑوس اور عزیز و قریب لوگوں کی وقتاً فوقتاً خبر گیری، ان کی خوشی اور غم میں شرکت بھی ضروری چیز ہوتی ہے، حافظِ ملّت صرف اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں کے نہیں بلکہ تمام اہل تعلق کے غم اور خوشی میں شریک و سہیم ہوتے تھے۔

شادی بیاہ نیز تقریبات پر پیغامات و مبارک بادیاں پیش کرتے، تحفے دیتے، ملاقاتیوں سے ان کے گرد و پیش کے علما و تلامذہ اور بزرگوں کی خیریتیں دریافت کرتے، کسی کی علالت کا علم ہوتا تو عیادت کو حتی الامکان خود جاتے یا عیادت نامہ تحریر کرتے، کسی کے انتقال کی خبر ملتی تو تعزیت کو جاتے، علمائے کرام، اکابر ملّت میں سے کسی کے وصال کی خبر پاتے تو بے قرار ہو جاتے، اس وقت ان کی کیفیت کسی ایسے انسان جیسی ہو جاتی جس کا کوئی قیمتی سرمایہ چھن جائے، چہرہ زرد، جبیں پر تفکر، آنکھیں پر نم۔

علما کے لیے تعزیت ناموں میں حضرت اکثر یہ جملے تحریر فرماتے:

"مشیت ایزدی و قضائے الٰہی میں چارہ نہیں، [عَنْ أُسَامة بن زيد:] «إنَّ الله مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطىٰ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجلٍ مسمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ.» (۲) خداوند کریم صبرِ جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔"

---

(۱) ارشاد القرآن، ص:۱۶۔

(۲) ابن حبان (٣٥٤هـ)، صحيح ابن حبان ٤٦١.

حوصلہ افزائی

آج کا عام رجحان یہ ہے کہ "دام حبیب" ہی نہیں کسی کے لیے چند کلمات خیر کہنا بھی لوگ اپنی عظمتِ شان کے خلاف سمجھتے ہیں، بات اگر صرف اس منزل تک ہو کہ کسی نااہل کو نواز نانوازش کی توہین، اور فاسد قوتوں کو بڑھاوا دینا ہے تو خیر، مگر یہ بھی کوئی احتیاط ہے کہ کسی حق دار کو چند حوصلہ افزا جملوں سے بھی محروم رکھا جائے۔

حضور حافظِ ملّت اپنے تلامذہ ہی کو نہیں، ہر فن کے فنکار کو حسب حیثیت نوازتے تھے، بجا تعریف اور حوصلہ افزائی میں انھوں نے کبھی بخل نہیں کیا، اسٹیج پر علما کو، مدارس میں مدرسین کو، درس گاہوں میں طلبہ کو، ان کی لیاقت، قابلیت اور صلاحیت کے اعتبار سے نوازتے، ان کی زبان سے نکلے ہوئے کرامت آثار اور حیات بخش جملے، مخفی قوتوں کو ابھارنے، سوتی صلاحیتوں کو جگانے، کم صلاحیت کو باصلاحیت، اور باصلاحیت کو ممتاز فن بنانے میں نسخۂ کیمیا ثابت ہوتے۔

شاگرد نوازی

دنیائے تعلیم و تعلّم میں اچھے اساتذہ، مخلص مدرسین ہمیشہ ہی پائے گئے ہیں، جن کے دلوں میں تلامذہ تک اپنا علم منتقل کرنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے، مگر اس جذبے کے ساتھ ساتھ شاگردوں کے لیے حضرت حافظِ ملّت میں کچھ اور ایسی باتیں ضرور تھیں جو انھیں اور اساتذہ سے ممتاز کرتی ہیں، جوہر شناسی کا کمال ان میں بدرجۂ اتم تھا، شفقتوں اور ہمدردیوں کی پوری فراوانی کے ساتھ طلبہ کی خوبیوں کی پرورش کرنا ان کا کمال تھا، کسی کو تدریس میں دلچسپی لیتے دیکھا تو اسی رُخ سے اس کی ذہن سازی کی، کسی کو افتا کے لائق سمجھا تو اس کی داشت و پرداخت میں ویسا ہی طریقہ اپنایا، کسی کو تبلیغ وارشاد کا اہل سمجھا تو اس کو اسی ماحول میں پروان چڑھانے کی راہیں بتائیں، کسی کا وعظ و تقریر کی جانب میلان دیکھا تو اس کو مقرر بنانے کی سعی کی، طلبہ کے سادہ وصاف لوح ذہن پر نقوش تو تمام مدرسین و معلمین ہی بناتے ہیں، حافظِ ملّت کی خصوصیت یہ ہے کہ جس ذہن کو جس نقش کے لائق سمجھا وہی نقش رقم کیا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ عدم دلچسپی اس نقش کو مٹا دے، بلکہ طبعی میلان اور ذہنی ساخت کی مطابقت اس عنصر خاص کو چمکا دے اور فطری رجحان کی پسندیدگی طالب کو اس فن خاص کا ماہر بنا دے۔

نقش ہیں سب نا تمام، خون جگر کے بغیر
عشق ہے سودائے خام، خون جگر کے بغیر

اہل نسبت کا احترام

کان پور میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کی کانفرنس میں گئے تو حضرت مولانا سیّد مدنی میاں کے پاس شاگرد ہونے کے باوجود ملنے خود تشریف لے گئے۔

احباب، اعزا و اہل تعلق یا ہم سایوں میں سے کسی کی علالت کا حال سنتے تو عیادت کو جانا ضروری سمجھتے۔

سیوان کانفرنس میں شرکت کے لیے پہنچے تو رات کا تہائی حصّہ گزر چکا تھا، قیام گاہ علما میں لوگ سو رہے تھے، سردی کا زمانہ تھا آپ لوگوں کے پائنتی اپنا بستر بچھا کر لیٹ رہے۔

مولانا (ریحان رضا) رحمانی میاں نبیرۂ مفتیِ اعظم ہند کا بیان ہے کہ ایک جلسے کے اسٹیج پر حضرت نے زبردستی مجھے اپنی مسند پر بٹھا دیا، میں لحاظاً بیٹھا رہا حضرت نظر نیچی کیے حسب معمول تشریف فرما تھے، میں آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دور چلا گیا تاکہ حضرت دیکھ نہ لیں، کچھ دیر بعد حضرت نے خیال فرمایا تو اسٹیج پر نظریں دوڑا کر مجھے تلاش کرنے لگے اور تھوڑی دیر بعد پھر ہاتھ پکڑ کر مجھے اسی مسند پر لا بٹھایا۔

جن کے رتبے ہیں سِوا، اُن کو سَوا مشکل ہے

چند اور اخلاقی تعلیمات

حافظِ مِلّت اختلاف کو سم قاتل سمجھتے ہیں اور اتفاق کو زندگی کی ضمانت، اکثر فرماتے:

"اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت"

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب

موت کیا ہے انھی اجزا کا پریشان ہونا

اس موضوع پر ان کے نوکِ قلم سے نکلی ہوئی ایک جان دار تحریر کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"آئی ہے میرے ساتھ مساوات کی شعاع

یہ آفتاب وقت کی پہلی کرن نہیں

مذہبِ اسلام کی خشت اول سے لے کر اس کی تعمیر ثریا تک مساوات کی تعلیم

ہے، حقیقی مساوات صرف اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔"[۱]

"بلا شبہہ اسلامی تعلیم یہی سبق دیتی ہے کہ بھائی کو کم از کم اپنے برابر اپنی بلند سطح پر ضرور رکھنا چاہیے، اپنے آرام کی فکر ہو تو اپنے بھائی کے آرام کو بھی ضرور یاد رکھے... ملازموں اور مزدوروں کے ساتھ بھی نرمی و خوش اخلاقی سے پیش آئے۔"[۲]

یوں ہی مندرجہ ذیل اقتباسات ان کی مصلحانہ حیات کا آئینہ ہیں:

حق ہم سایگی:

"اور (حضور اکرم ﷺ نے) پڑوسی کے ساتھ احسان کی تعلیم دی اور اس کا فائدہ بتایا کہ "مومن" ہو جائے گا، اس لیے کہ مومن کی شان ہی یہ ہے کہ اس کے اخلاقِ حمیدہ سے سب کو امن ہو، پڑوسی کا تو حق بڑا ہے، اس لیے اس کے ساتھ خاص طور پر احسان کرے۔"[۳]

قناعت:

"حضور ﷺ نے قناعت کی تعلیم دی کہ تقسیم الٰہی پر راضی ہو تو سب سے بڑا غنی ہو، کیوں کہ کتنا ہی بڑے سے بڑا مال دار کیوں نہ ہو، اگر اس کو قناعت نہیں تو اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا اور غنا و مال داری سے مقصود اطمینانِ قلب ہی ہوتا ہے؛ اس لیے فرمایا: [عَنْ أبي هريرة:]«و ارْضَ بِما قسم اللهُ لك تكن أغنى الناسِ.»[۴] تقسیمِ الٰہی پر راضی ہو تو بڑا غنی ہو جائے گا۔"[۵]

تفوق سے اجتناب:

"مومن کے جوہر سے یہ بھی ہے کہ دوسروں کو حقیر و ذلیل نہ سمجھے، اپنی برتری و تفوق کا خواب نہ دیکھے، لہٰذا جو اپنے لیے پسند کرے دوسرے مسلمان کے لیے بھی پسند

---

(۱) معارف حدیث، ص:۱۰۱۔

(۲) معارف حدیث، ص:۱۰۳۔

(۳) معارف حدیث، ص:۵۸۔

(۴) أخرجه الترمذي (۲۳۰۵)، وأحمد (۸۰۸۱). أخرجه ابن ماجه (٤٢١٧).

(۵) معارف حدیث، ص:۵۸۔

کرے، یعنی جیسے اپنی عزت پسند کرے دوسرے کی عزّت بھی پسند کرے، یہی مسلمانوں کی شان ہے۔"[۱]

خوفِ الٰہی وخشیّت ربّانی:

"خوفِ الٰہی وخشیّتِ ربّانی سے قلب آراستہ ہوتا ہے، زیادہ ہنسنا، قہقہہ لگانا یہ مومن کی شان نہیں؛ کیوں کہ اس سے دل سخت ہوتا ہے، قلب کو یاد خدا سے غفلت ہوتی ہے، جو قلب کی موت ہے۔"[۲]

قلب کی زندگی:

"قلب کی زندگی ذکر وفکر ہے، یاد الٰہی سے مولا سبحانہ و تعالیٰ کا تقرب ونزدیکی حاصل کرنا ہے۔"[۳]

معاشرہ کی شیرازہ بندی:

" اسلامی اصول کے ماتحت ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، مسلمان کو دوسرے مسلمان سے دلی ہم دردی، امداد واعانت اور اس کی پردہ پوشی مسلمان کا ملی فریضہ ہے، اگر مسلمان اس کے عامل ہوجائیں تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہوجائیں، تمام پراگندگی وتشتّت کا خاتمہ ہوجائے اور اتحاد واتفاق سے قوم مسلم کی شیرازہ بندی ہوکر وہ طاقت پیدا ہوجائے کہ قوم مسلم کی عظمت رفتہ واپس آجائے۔"[۴]

اصولِ معاشرہ:

اصولِ معاشرہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"بغض وعناد کو محبت ومؤدت میں تبدیل کرنا، جنگ وجدل کو صلح وآشتی سے بدل دینا، اصلاحِ ذاتُ البین ہے۔"[۵]

---

(۱) معارف حدیث، ص:۵۸۔

(۲) معارف حدیث، ص:۵۸۔

(۳) معارف حدیث، ص:۸۵۔

(۴) معارف حدیث، ص:۸۵۔

(۵) معارف حدیث:۱۲۶۔

ایثار و قربانی

حافظِ مِلّت کے سامنے دسترخوان پر ایک ہی روٹی تھی، دروازے پر سائل نے صدا لگائی "خدا کے نام پر روٹی کھلادو بابا" حافظِ مِلّت نے نصف روٹی فقیر کے حوالے کر دی اور آدھی روٹی کھا کر شکر ادا کیا، پاس کھڑا طالب علم حیرت سے دیکھنے لگا، فرمایا: شیخ سعدی نے لکھا ہے:

"نیم نانے گر خورد مرد خدا بَذلِ درویشاں کند نیم دگر

تو بتائیے ہم لوگ تو اسے پڑھتے پڑھاتے ہیں اگر ہمارا ہی عمل اس کے خلاف ہو گا تو پھر عمل کون کرے گا۔"

یہی نہیں اس مجاہدانہ کردار کے تمام اوراق حیات پر ایثار و قربانی کی داستانیں ثبت ملیں گی جن کا مقصود صرف رضاے الٰہی ہے، جذبۂ قربانی کے بارے میں خود ارشاد فرماتے ہیں:

"الٰہی عظمتوں اور خدائی رفعتوں کے سامنے سرنیاز جھکانا ہی شان بندگی ہے، اس مالک و مولا تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی نیاز مندی اور قربانی پیش کرنا ہی سرمایۂ عبودیت ہے، عبد و معبود کا رشتہ و علاقہ وہ ہے کہ جان و مال، عزّت و آبرو ہر چیز کی قربانی کی جاسکتی ہے، معبود حقیقی کی رضا و خوش نودی کے لیے قربانی بندہ کی سرفرازی و سربلندی ہے۔"(۱)

روشن ماضی کی یاد

ان کی نظروں نے دنیا کو بہت قریب سے دیکھا تھا، ماحول کی پراگندگی ان کے سامنے تھی، بگڑتا ہوا مستقبل ان کے روبرو تھا، اسی قلق میں انھوں نے اپنی زندگی اجیرن کر لی، وہ قوم سے اس کے متمنّی رہے:

پھر اسی مرکز اقدار کہن پر آجا

اپنے بھولے ہوئے ماضی کو دوبارہ پاجا

حافظِ مِلّت اپنے روشن ماضی کو کبھی نہ بھولے؛ کیوں کہ ہر زندہ قوم اپنے تابندہ ماضی کی اساس پر ہی مستقبل کی تعمیر کرتی ہے، ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"نُصرتِ الٰہی تمھارے بازو تھامتی تھی، تائید غیبی تمھاری پشت پناہی کرتی تھی،

---

(۱) معارف حدیث: ۱۳۴۔

غیرتِ الٰہی کو تمھاری ناکامی گوارہ نہ تھی، اسی لیے تمھاری تعداد کم سے کم اور تھوڑی سے تھوڑی بھی کامیاب ہوتی تھی، بدر و اُحد کے واقعات تو تمھیں ضرور یاد ہوں گے، خیبر و حُنَین کو بھی تم نہ بھولے ہوگے، معرکہ مُوتہ ویَرموک جیسے ہزاروں شاندار کارناموں سے تمھاری روشن تاریخ جگمگا رہی ہے، تمھاری قلت، تمھاری عسرت، تمھاری ناداری نے کبھی بھی تمھیں ناکام نہ کیا۔"(۱)

تزکیۂ نفس

اسلام بنیادی طور پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے، پھر عمل صالح کا؛ اس لیے کہ ایمان جس قدر مستحکم ہوتا اور روح میں جاری و ساری ہوتا ہے اسی انداز سے اس کے اثرات، اعمال کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی بھی عمل اس کے اثر سے خالی نہیں ہوتا۔

انسان کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ محض قانونی اور عقلی رشتہ نہیں ہے جس کا دائرہ صرف واجبات ادا کرنے، احکام کی تعمیل کرنے، اور اس کے بدلے میں ثواب یا جنّت حاصل کرنے تک محدود ہو، بلکہ یہ محبت و پاکیزہ جذبات کا رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے جس پر ذوق وشوق، عشق و محبت و بے قراری کا غلبہ ہونا چاہیے، یہ رشتہ اگر مضبوط ہوگیا تو پھر روح کی معراج اور ایمان کا کمال ہے، اسی کو پاکیزگی روح اور تزکیۂ نفس کا نام دیا گیا ہے، مومن میں یہی صفت تمام اعمالِ صالحہ کا سرچشمہ اور تمام برائیوں سے گریز کا داعیہ ہے، حافظِ ملّت میں یہ عنصر نمایاں تھا، اسی صفت کو حافظِ ملّت نے خود جامع الفاظ میں پیش فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنا، معصیت سے گریز و پرہیز تزکیہ ہے، اس کے بغیر نور عبادت الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔"(۲)

قرآن عزیز سے عشق

قرآن مجید سے حافظِ ملّت کو والہانہ عشق تھا، دراصل جس شفیق باپ کے زیر سایہ آپ نے تربیت پائی اور جس ماں کی آغوشِ محبت میں پروان چڑھے انھیں بھی قرآن پاک سے انتہائی شغف تھا، بلکہ جس گھر میں درو دیوار

(۱) معارف حدیث: ۱۶، ۱۷۔

(۲) معارف حدیث: ۸۳۔

سے شب و روز قرآنی نغمے ابلتے تھے آپ نے اس میں پرورش پائی تھی، اپنے والد بزرگوار سے حفظ کی تکمیل کے بعد قرآن کی تلاوت سے ایسا شغف ہو گیا تھا کہ [روزانہ] ایک ختم قرآن معمول زندگی بن گیا ایک بار خود فرمایا:

پانچ سال تک میں چار مستقل کام کرتا رہا، گھر کا کام اپنے پڑوسیوں سے زیادہ، آبادی کے مدرسہ کی معلمی، مسجد کی امامت اور ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت۔

ایک مرتبہ فرمایا:

"الحمد للہ اپنی جوانی کے ایام میں چھ گھنٹے میں پورا قرآن مجید مصلے پر کھڑا ہو کر پڑھتا تھا اور کھانسنے اور ناک صاف کرنے کی حاجت نہیں ہوتی تھی۔"

تلاوت کا یہی ذوق اخیر دورِ حیات تک قائم رہا، سفر، حضر، خلوت و جلوت، ہر منزل میں اکثر آپ کی زبان تلاوت ہی میں مشغول رہتی۔

دنیا میں حافظِ مِلّت کا شہرہ ان کی ہمہ گیر علمی عبقریت کے باعث ہوا وہ درس نظامیہ کے مروّجہ تمام علوم کے ماہر تھے، شمس العلما مولانا نظام الدین الہ آبادی نے ایک بار فرمایا:

"حافظِ مِلّت یوں تو تمام علوم مروّجہ کی تمام کتابوں پر قابو یافتہ ہیں، مگر فن تفسیر وحدیث میں ان کو کاملیت حاصل ہے۔"

محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے استاذ حضرت مولانا قائم صاحب فرنگی محلی سے مولوی عبد السبحان نامی ایک ذہین طالبِ علم معقولات پڑھ کر مبارک پور یہی [معقولی] ذوق لے کر آئے، امور عامہ، شمس بازغہ وغیرہ کتابیں شروع ہوئیں، دقیق سے دقیق مسئلے کی حافظ ملت ایسی تفہیم فرماتے کہ مولوی صاحب کبھی کبھی جوش مسرّت میں کھڑے ہو جاتے اور کہتے آج یہ مسئلہ سمجھ میں آیا۔

اشرفیہ میں تشریف آوری کے بعد مبارک پور مرجع طلبہ بن گیا، دور دور سے شائقین علم کھنچ کر یہاں آنے لگے، مئو فیض عام (غیر مقلد مدرسے) سے ایک مولوی صاحب جائزہ لینے کی نیت سے آئے، تین روز حضرت کے درس میں شرکت کی، تیسرے روز جاتے ہوئے طلبہ سے کہا:

"میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ طلبہ مبارک پور کیوں کھنچے چلے آ رہے ہیں، یقیناً آنا ہی چاہیے، پیاس تو یہیں بجھتی ہے۔"

حافظِ مِلّت کے ایک ہم عصر جناب فیروز الدین کشمیری نے حضرت مولانا عبد الحی صاحب ملقب بہ معقولی سے منطق پڑھی تھی، حافظِ مِلّت کے بریلی تشریف لانے کے بعد وہ بھی بریلی شریف آ گئے اور ۱۳۵۲ھ میں حافظِ

مِلّت سے "صَدرا" پڑھی، بہتیرے مقامات پر تقریر درس سے متاثر ہوتے تو کہہ اٹھتے۔

واہ آج نفس مضمون آشکار ہوگیا۔

معقولات و منقولات میں آپ کو نہ صرف دست گاہ کامل حاصل تھی، بلکہ دقیق سے دقیق مسئلہ طلبہ کے ذہن میں اتار دیتے تھے، اسی لیے حضرت کے تلامذہ میں ان کی علمی جلالت آج بھی نظر آتی ہے، چناں چہ ۱۳۸۰ھ میں علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ مدفیضہ جون پوری دارالعلوم اشرفیہ کے سالانہ امتحان میں ممتحن کی حیثیت سے تشریف لائے، انھوں نے "قاضی" پڑھنے والے طلبہ کی جماعت کا امتحان لیا تو رزلٹ بک پر یہ نوٹ تحریر فرمایا:

"ایسے طالبِ علم مجھے پچیس سال بعد ملے"

حافظِ مِلّت نے دیکھا تو قاضی صاحب سے فرمایا:

"حضرت میں نے پچیس ہی سال بعد "قاضی" پڑھائی بھی ہے"

محکم گرفت

بحث و مباحثہ میں مخالف پر آپ کی گرفت بڑی سخت ہوتی، دلائل کی قوّت، استدلال کے استحکام کی وجہ سے مخالف کا آپ کی گرفت سے بچ نکلنا انتہائی مشکل ہوتا، ایک بار بنارس میں غیر مقلدوں نے حنفی سنّیوں پر اعتراض کیا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے اور سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

حدیث میں ہے: «لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ».

اس موضوع پر دونوں جانب سے مہینوں سوال، جواب کا سلسلہ جاری رہا، اشتہار بازی بھی ہوئی اور جلسے بھی، زبردست مذہبی کشیدگی کا ماحول پیدا ہوگیا، انھی دنوں مالتی باغ میں ایک سہ روزہ جلسہ ہوا، آخری اجلاس میں حافظِ مِلّت کچھ دیر سے پہنچے، مجاہدِ مِلّت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے غیر مقلدوں کے اشتہارات حضرت کے سامنے رکھ دیے اور کہا: جواب دیجیے، حافظِ مِلّت نے فرمایا: میں تو ابھی چلا آرہا ہوں اشتہارات بھی نہیں دیکھے جواب کیسے دوں؟

بہرحال آخر میں آپ نے تقریر شروع کی، قرآن و حدیث سے استشہاد کرتے ہوئے اپنے مسلک کو اس طرح محکم فرمایا کہ سامعین متحیّر تھے، اسی دوران غیر مقلد حضرات پر اعتراضات بھی کرتے جاتے اور بعد میں ایک ایسا مواخذہ کیا جس نے ماحول کی کایا پلٹ دی، آپ نے فرمایا: کیا قراءت سورۂ فاتحہ کے قارئین یہ بتا سکتے ہیں

کہ وہ ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، ان کی کوئی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے نہیں ہوتی ؟ (ماحول پہ سناٹا طاری تھا آپ نے خود ہی جواب دیا) ایسا نہیں، بلکہ غیر مقلد حضرات بھی بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز پڑھنے کے قائل ہیں اور ان کی نماز ہوتی ہے، آپ کہیں گے کیسے ؟ تو سماعت فرمائیے:

اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں شریک جماعت ہوا تو اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہیں ؟ کیا آپ میں کا ہے کوئی علامۃ الدہر یا مجتہد جو یہ فتویٰ دے کہ مسبوق کی وہ رکعت نہیں ہوئی باوجوے کہ شخص مذکور نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی ؟ ان کے پاس اس کا جو جواب ہے وہی ہمارا بھی جواب ہے، حضرت حافظِ مِلّت کے اسی ایک مواخذے نے مخالفین کے سارے دلائل کے تار و پود بکھیر دیے۔

حزم واحتیاط

احتیاط آپ کا وطیرہ تھا، کوئی کام بغیر غور و فکر کے ہرگز نہ کرتے، عقل پر جذبے نے کبھی غلبہ نہیں پایا، بلکہ جذبات ہمیشہ عقل سے مسخر رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے کبھی ٹھوکر نہیں کھائی، یہاں تک کہ مکر و فریب کے لبادے میں آنے والوں کو بھی اپنی فراست دینی سے بے نقاب کر دیا کرتے، ایک مرتبہ محمد آباد کے چند شر پسندوں نے استفتا کیا کہ شیعوں کی نماز جنازہ میں شرکت کیسی ہے ؟ حافظ ملت نے جواب دیا: رافضی، وہابی، دیوبندی وغیرہ تمام بدمذہبوں کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے۔

ایک شخص نے پوچھا: حضرت وہابی کے بارے میں تو سوال کیا نہیں گیا تھا، اِسے لکھنے کی کیا ضرورت تھی ؟ حضرت نے فرمایا: اپنی تحریر سے بدمذہب کو کبھی فائدہ نہیں پہنچنے دوں گا، بعد میں پتا چلا کہ وہ استفتا دیوبندیوں نے کیا تھا کہ اس فتویٰ کے ذریعے سنیوں اور شیعوں کو ٹکرادیں۔

شانِ علم

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں حضرت محدث اعظم ہند قبلہ کچھوچھوی فرماتے ہیں کہ ان کی ایک تقریر میں حضرت مولانا عبد العلیم میرٹھی علیہ الرحمۃ کی دو تقریریں بنتی ہیں اور اُن کی ایک تقریر میں میری تین تقریریں بنتی ہیں، گویا حضرت صدر الشریعہ کی تقریریں جامع ہوتی تھیں یہی خصوصیت حافظِ مِلّت میں تھی۔

گورکھپور شہر میں سہ روزہ جلسے کا اہتمام ہوا جس میں قاضی احسان الحق صاحب بہرائچی علیہ الرحمۃ، مولانا رجب علی صاحب نان پاروی، مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی وغیرہ علما تقریر کے لیے مدعو تھے، درمیان میں

جمعہ پڑا، علماے کرام نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد تشریف لے گئے تو بعض معززین شہر نے یہاں بھی تقریر کی خواہش ظاہر کی، نماز ختم ہونے پر مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب نے کرسی پر بیٹھ کر تقریر کی، کچھ شرپسند لوگ جنھیں مسلکِ اہلِ سُنّت اور اس شان دار جلسے اور جلیل القدر علما سے جلن تھی، شہر میں یہ ہوا باندھی کہ اعظمی صاحب نے کرسی پر بیٹھ کر مسجد کی توہین کردی، خدا کے گھر میں جہاں لوگوں کی پیشانیاں سجدہ ریز ہوتی ہیں کرسی بچھا کر بیٹھے، الغرض شام ہوتے ہوتے پورا شہر اس غلط پروپیگنڈے کی زد میں آگیا، آخری روز کا اجلاس ہوا، علماے کرام نے تقریریں کیں اور مَابِہِ النِّزَاع مسئلے پر روشنی ڈالی، مگر عوام الناس پورے طور پر مطمئن نہ ہوسکے۔

زعماے شہر بالخصوص رئیس اعظم سید ساجد علی اور جناب نسیم احمد صاحب ایڈوکیٹ بھی متردد تھے، آخری تقریر حضرت حافظِ مِلّت کی تھی تمام علما اور منتظمین اجلاس نے حضرت سے جواب کی درخواست کی۔

حافظِ مِلّت کی تقریر شروع ہوئی آپ نے فرمایا: میں کل کے شبہے کا جواب دینا چاہتا ہوں، لیکن اس جواب کا انحصار چند سوالوں پر ہے، جس کا جواب آپ لوگوں کو دینا ہوگا، پہلے یہ بتائیے کہ کرسی اعظمی صاحب کے لیے لگی تھی یا اُن کی تقریر کے لیے، مجمع خاموش رہا، آپ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کرسی اعظمی صاحب کے لیے نہیں، ان کی تقریر کے لیے لائی گئی تھی؛ کیوں کہ اگر ان کے لیے آتی تو جب وہ مسجد میں آئے اسی وقت آتی یا نماز پڑھ رہے تھے اس وقت لائی جاتی، تسبیح پڑھ رہے تھے اس وقت موجود کی جاتی، مگر ایسا نہیں ہوا، کرسی اس وقت لگائی گئی جب تقریر کرنی ہوئی اور سن لو! خدا اور سول کے لیے مسجد میں کرسی پر بیٹھنا جائز ہے، حدیثوں سے ثابت ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ کے لیے مسجد نبوی میں کرسی بچھائی گئی۔

«جَاءَ الْأَعْرَابِي وَقَالَ عَلِّمْنِيْ الإيمان يارسول الله فنزل رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن المنبر فوضع له الكرسي وجلس عليه وعلمه الإيمان.» [مسلم شریف]

ایک دیہاتی آیا اور کہا یارسول اللہ ﷺ مجھے ایمان سکھائیے، تو حضور منبر سے اترے، ان کے لیے کرسی بچھائی گئی، کرسی پر بیٹھے اور اسے ایمان سکھایا۔

ظاہر بات ہے یہ کرسی مسجد ہی میں تھی نہ کہ حضور کے گھر میں۔

نسیم احمد صاحب وغیرہ یہ محکم دلیل سن کر چیخ اٹھے -سبحان اللہ- یہ ہے شانِ علم حافظِ ملت، کوئی بات بلا دلیل نہیں فرماتے تھے، ان کے ہر فقرے کے پیچھے قرآن و حدیث یا اقوال و اعمال سلف صالحین، سند ہوتی، کسی کٹھن وقت جب لوگوں پر سوال، جواب کی ایسی منزل آتی تو حضرت کے خداداد حافظے اور استحضار علمی کا دریا موجزن ہوجاتا؟

علمی وثوق

سنی بڑی مسجد مدن پورہ بمبئی میں علماے کرام کے مجمعے میں کسی نے آکر یہ بتایا کہ ایک بدمذہب واعظ نے یہ بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ صرف رسول تھے، یعنی محض اس لیے بھیجے گئے تھے کہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دیں، ان کو کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا، دلیل میں اس نے کہا کہ حضور نے بعض ازواج کی وجہ سے اپنے اوپر شہد حرام فرمالیا تھا، جس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ ﴾[تحریم:۱][1]

اس پر حافظ ملت نے برجستہ فرمایا: اس گستاخ کو آگے نظر نہیں آیا: ﴿ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ ﴾ [تحریم:۱][2] یعنی آپ کو ہر موقعے پر اللہ کی رضا مد نظر رکھنی چاہیے، ازواج کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی حلال کی ہوئی ایسی مفید چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام فرمایا۔ اگر حضور کو اختیار تحلیل و تحریم نہ ہوتا تو یہ فرمایا جاتا کہ تم نے اسے کیوں حرام فرمایا، تمھیں کیا اختیار ہے۔

حاضر جوابی

حافظ ملت میں حاضر جوابی بھی خوب تھی، ایک ایسا شخص جو عوام و خواص، دوست، دشمن، اپنے بے گانے، عالم، جاہل، سب کی نگاہ میں مرکزی شخصیت ہو اور جس کو ہر انداز کے سوالات کا سامنا کرنا پڑتا ہو، علمی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ اس کے لیے حاضر جوابی بھی ضروری ہے۔

جناب حاجی نصیر الدین صاحب کی دعوت پر حضرت ایک بار چریا کوٹ عید میلاد النبی کے جلسے میں تشریف لے گئے، وہاں حضرت کے ارادت مندوں کا ایک وسیع حلقہ ہے، ظہر کی نماز کے بعد حضرت انھیں کچھ پند و نصیحت فرما رہے تھے، مجلس برخواست ہوئی اور چند ہی لوگ رہ گئے، اتنے میں چند تبلیغی مولوی حضرت کے حجرے میں در آئے، سلام، کلام کے بعد ان کے امیر نے کہا:

حضرت! لوگ آج کل دین سے غافل ہو رہے ہیں، کوئی اپنی تجارت میں لگا ہوا ہے، کوئی کھیتی باڑی میں مشغول ہے، کوئی صنعت و حرفت میں منہمک، دین کے لیے کوئی کچھ نہیں کر رہا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ لوگ تبلیغ کے لیے نکلیں، تاجر کو تجارت، کسان کو کھیتی اور مزدور کو اپنے کاروبار کے سوا دین کی فکر نہیں ہوتی۔

---

(۱) اے غیب بتانے والے (نبی) تم اپنے اوپر کیوں حرام کیے لیتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی۔ (کنز الایمان)
(۲) اپنی بیبیوں کی مرضی چاہتے ہو۔ (کنز الایمان)

اس پر حضرت نے فرمایا: جناب! غلط ہے، مسلمان چاہے تاجر ہو یا مزدور، یا کوئی بھی جائز کام کرتا ہو، ایسا ہرگز نہیں کہ ہر مسلمان خُدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے، بلکہ کچھ لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کے باوجود عابد و زاہد ہوتے ہیں۔

مولوی صاحب نے رخ بدل کر کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت نے نہایت ہی سنجیدگی سے فرمایا: ”ہو سکتا ہے نہیں، ہوتا ہے، سنو! میرا اور تمھارا پروردگار فرماتا ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [النور:۳۷]

وہ ایسے مرد ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت بھی انھیں یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔

مولوی صاحب! بالکل چپ ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر چلے گئے۔“

لطافت بیان

آپ کی تقریر چاہے درسی ہو یا عوامی، دونوں میں چند خاصیتیں قدرِ مشترک تھیں، کمال تفہیم، استدلال کا ستھرا پن۔

جناب منشی منیر صاحب دیوگامی شاعری میں اقبال سہیل اعظمی سے مشورہ سخن کرتے تھے، اپنے استاد کو وقتاً فوقتاً اپنے وطن دیوگام لے جاتے تھے، منیر صاحب کے گھر حافظِ ملّت نے تقریباً ۲۲؍ سال متواتر ایک ہی آیت پر تقریریں کیں، سال کی دو مجلسوں میں اقبال صاحب بھی شریک رہے۔

وہ حضرت کے اندازِ تفہیم، پیرایۂ گفتار اور علمیت سے نہایت متاثر تھے، ایک بار حضرت کے بارے میں انھوں نے منیر صاحب کے روبرو یوں اظہار کیا:

> ”میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا، اسلوبِ بیان ایسا لطیف ہے کہ مخالفین کا رد بھی کرتے ہیں، اپنے مذہب و مسلک کا ثبوت بھی دیتے ہیں، وہ بھی کچھ اس انداز سے کہ انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔“

اندازِ موعظت

اندازِ موعظت میں حافظ ملّت قرآن کے ارشادِ گرامی: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل:۱۲۵] (اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحتوں سے دعوت دو) پر عامل تھے۔

لکھنؤ میں شیر بیشہ سنّت حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام جلسہ ہوا جس کی صدارت حضور مفتیِ اعظم ہند قبلہ نے کی، ملک العلما مولانا ظفر الدین صاحب علیہ الرحمہ کے علاوہ اور بہت سے مقررین بھی تھے، حافظِ ملّت چوں کہ دعوت منظور فرما چکے تھے اس لیے لکھنؤ وہ بھی پہنچ گئے، اگرچہ علالت کے باعث تقریر کرنے کے لائق نہ تھے، حضرت شیر بیشہ سنت نے حافظ ملّت کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا، **اور تکفیر وہابیہ، اعلیٰ حضرت کے فضائل و مناقب کا عنوان بھی دے ڈالا،** حافظِ ملّت نے تقریر کا آغاز ان لفظوں سے کیا:

"اعلیٰ حضرت ایک طبیب روحانی ہیں، جس طرح کسی جسمانی طبیب کے روبرو اگر کوئی دق کا مریض پہنچ جائے اور وہ طبیب اس مرض کے تعیّن کے بعد نسخہ بھی تجویز کر دے اور بتادے کہ میاں! تمھارا مرض بہت مہلک ہے، ابھی چوں کہ ابتدائی منزل میں ہے اگر تم نے یہ نسخہ استعمال کر لیا تو مرض کے دور رس نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ گے ورنہ یہ مرض تمھاری زندگی کا دشمن ثابت ہوگا، مخلص طبیب کا مشورہ سن کر ہوش مند مریض نسخے کا استعمال شروع کر دے گا اور نہایت نادان ہے وہ شخص جو الٹا طبیب کا دشمن ہو جائے، بجنسہٖ یہی مثال اعلیٰ حضرت کی ہے، جنھوں نے روحانی مریضوں کو توبہ کا نسخہ بتایا مگر نہایت نادان تھے وہ مریض جو اپنے مخلص کے نسخے پر عمل کرنے کے بجائے اس کے مخالف بن گئے۔"

اس انداز تقریر کو ہر سنجیدہ ذہن نے قبول کیا اور حضرت کی دُور اندیشی اور حکیمانہ تمثیل کے قائل ہو گئے۔

بے قرار تمنّا

حافظِ ملّت جس غم کو عمر بھر سینے سے لگائے رہے وہ قوم و ملّت کا غم تھا، ان کی خواہشات اور تمناؤں کو مجملاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے دیوانے تھے، انھوں نے حالات کا ہر رخ سے جائزہ لیا تھا ماحول کے سرد و گرم کو پرکھا تھا، مزاج زمانہ کی نباضی کی تھی، انھوں نے قوم کو غفلت کے اندھیروں سے کھینچ کر علم و یقین کے اجالے میں لانے کی بھرپور سعی فرمائی، ان کے اسی سوز دروں اور اضطراب نے ماحول کو جھنجھوڑا تھا، اس بے قرار تمنّا کا اظہار ان کے قلم سے یوں ہوا:

"مسلمانو! جاگو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ، تمھاری صلاح و فلاح اسی میں مضمر ہے کہ سچے اور پکّے مسلمان بن جاؤ، تمھاری کامیابی اسی پر موقوف ہے، تمھاری زندگی،

اسلامی زندگی اور موت، اسلامی موت ہو، تمھاری صورت، اسلامی صورت اور سیرت اسلامی سیرت ہو، تمھارا ظاہر بھی اسلامی ہو اور باطن بھی اسلامی، تمھارے عقائد بھی اسلامی عقائد ہوں اور اعمال، اسلامی اعمال، تمھارے جذبات، اسلامی جذبات ہوں، تمھارے خیالات اسلامی خیالات، تمھارا سینہ اسلامی ایمانی انوار سے منوّر ہو اور تمھارے جسم اعمالِ صالحہ سے مزیّن، مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر تمھاری عادت ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکّل و اعتماد تمھاری سرشت ہو، قرآنی تعلیمات پر عمل، تمھاری طبیعت ثانیہ بن جائے۔"(۱)

تعمیر فکر

آج زمانہ کہتا ہے کہ حافظِ ملّت سے فکر و عمل کی تعمیر میں جو کچھ کام ہو گیا وہ حالات کی موافقت اور ماحول کی موزونیت کے سبب ہوا، کسی کی عمر بھر کی جد و جہد کو بیک زبان یوں مسخ کر دینا انصاف و دیانت کا خون کرنے کے مرادف ہو گا، حضور حافظِ ملّت نے تو قوم و ملت کی تعمیر کے لیے ماحول کے گراں ڈیل اژدہوں کے منہ میں چھلانگ لگائی ہے، مخالفت اور رکاکت کی کیچڑوں میں لت پت ہوئے ہیں، سب و شتم کے تیروں کی زد پر آئے ہیں، تب کہیں جاکر اپنے عملی جواہرات کے بکھیرنے میں کامیاب ہوئے، کتنا عجیب ہے ماحول! اَلعَطَش العَطَش کی کیفیت ہے، مگر جو ے رحمت لانے والے سے جنگ لڑی جا رہی ہے، چلچلاتی دھوپ ہے؛ مگر سر پر ردائے کرم سے سایہ دراز کرنے والے سے الجھا جا رہا ہے، مگر یقیناً وہ ایک حکیم حاذق تھے، طبیب مخلص تھے جسے مرض سے مخالفت ہوتی ہے مریض سے نہیں، جو بیماریوں کا دشمن ہوتا ہے بیماروں کا نہیں، حافظِ ملّت نے خوب سمجھ لیا تھا کہ قوم کے مزاج تعمیر پر قنوطیت کا صفرا غالب ہے جو جرعۂ شیریں کو تلخ تلخ کر دیتا ہے؛ اس لیے اپنی حذاقت کا ثبوت دیتے ہوئے تعمیر فکر سے پہلے تطہیر فکر کی طرف توجہ فرمائی۔

پس نخستیں باید ش تطہیر فکر
بعد ازاں آساں شود تعمیر فکر

بات بالکل درست ہے کہ جو کچھ ہوا موزوں فضا اور موافق ماحول میں ہوا؛ مگر پوری تاریخ اشرفیہ کا سرسری مطالعہ کرنے والا بھی اس سے منحرف نہیں ہو سکتا کہ ماحول کو تعمیر کے موافق بنانے والی ذات وہی ہے

---

(۱) ارشاد القرآن: ۱۷۔

جسے زمانہ **حافظِ مِلّت** کہتا ہے۔

افلح من یعالج المساجدا

جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، دارالعلوم اشرفیہ، الجامعۃ الاشرفیہ (سنٹرل بلڈنگ، دارالاقامہ) جیسی مرکزی تعمیرات کے ساتھ ساتھ ملک بھر میں مساجد اور مدارس کا جال بچھا دینے والی ذات پر حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ مصرعے کتنے صادق آرہے ہیں۔

اس منظر کو تصور میں دیکھیے کہ مسجدِ قُبا کی تعمیر ہو رہی ہے، تمام مسلمانوں کے ساتھ ان کے آقا و مولا سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لگے ہوئے ہیں، عبداللہ ابن رواحہ خزرجی شاعر بھی پتھر اٹھانے والوں میں ہیں جو ایک کیفیت مستانہ کے ساتھ پڑھ رہے ہیں:

افلح من یعالج المساجدا
ویقرأ القرآن قاعدًا وقائمًا
ولا یبیت اللیل عنه راقدا

وہ کامیاب ہے جو مسجدیں تعمیر کرتا ہے۔ اور بیٹھے بیٹھے، کھڑے کھڑے قرآن مجید پڑھتا ہے۔ اور رات کو جاگتا (اور عبادت کرتا) ہے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی ہر ہر قافیے پر آواز ملاتے ہیں۔

حافظِ مِلّت کی آئیڈیل زندگی

شاہ راہ حیات میں اپنی منزل مقرر کرنے کے لیے عقل مند انسان اپنا کوئی نشان مقرر کرتا ہے، حضور حافظِ مِلّت نے اپنا نمونۂ عمل صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مولانا امجد علی قُدِّسَ سِرُّہٗ کو بنایا اس لیے کہ صدر الشریعہ کی زندگی خود سنّتِ رسول کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، حضور حافظِ مِلّت فرماتے: **ہم نے صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی لیا۔**

اس لیے کہ ان کا ہر کام سنّت کے مطابق ہوتا تھا اور اس اکتسابِ علم و عمل نے حافظِ مِلّت کو پھر اس منصب جلیلہ اور مرتبہ علیا پر فائز المرام کر دیا کہ ایک عظیم طبقے نے صدر الشریعہ کی شخصیت کو حافظِ مِلّت سے جانا۔

عصری نظامِ تعلیم اور حافظِ ملّت

حافظِ ملّت نے یہ کبھی نہیں چاہاکہ ہمارے طلبہ وعلما محدود زندگی گزاریں، بلکہ وہ مدارس کی خستہ چٹائیوں سے ایسے جیالے، جری، جرأت مند، مدبّر، مفکر، ہوش منداور حالات آشنا سپاہی ڈھالنا چاہتے تھے، جوکشاکش حیات کے تمام شعبوں میں اسلامی روح پھونک سکیں، جن کے ذریعے گھر سے لے کر مسجد تک، دسترخوان سے لے کر ایوان تک، نظامِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بول بالا ہوسکے، آپ مدارسِ اسلامیہ کے موجودہ نظامِ تعلیم میں اصلاح کی ضرورت سمجھتے تھے اور مغربی مدارس کی آزاد اور روحانیت بیزار فضا سے متنفر تھے، جائز حدود تک وہ تعلیماتِ اسلامی کو جدید طور طریق سے فروغ دینا پسند کرتے تھے، مغربی تعلیم کے ذریعے ایجادات واکتشافات اور فکری ارتقا کے وہ ضرور حامی تھے، مگر اس حد تک نہیں کہ روحانیت کا جنازہ نکل جائے، بلکہ وہ عقل وروح کے سلسلے میں مدارس ومکاتبِ فکر کی غیر متوازن رفتار کواعتدال کے قالب میں دیکھنا چاہتے تھے۔

انھیں یقین تھاکہ مغرب کی عیش کوش تہذیب اور جنسی بے راہ روی کے پھیلتے ہوئے زہر کا تریاق صرف اسلامی تعلیمات پر عمل ہے، جیساکہ انٹرویو کے درمیان ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بڑے محکم انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے، ان کا نور بصیرت دینی مدارس کے ماحول میں پرورش پانے اور مشکاتِ نبوت سے مستنیر ہونے کی وجہ سے اتنا حقیقت فہم، دوررس اور نباض تھاجس سے انھوں نے قوم کے مستقبل کو جھانک لیا تھا، بے شک وہ «انه ينظر بنور الله» کے مصداق تھے۔

خود افروز، جگر سوز

شمع کے بارے میں شعرا کہتے ہیں کہ وہ خود جلتی ہے تب کہیں محفل کو روشنی دیتی ہے، گویا دوسروں کو روشنی دینے کے لیے خود کو جلانا ضروری ہے، مگر شاعرانہ خیالات سے پرے حقیقت نیوشی کے دریچوں میں جھانکیے تو واضح ہوگا کہ ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴾[الشرح:٦][۱] کے مطابق جان کاہیوں، زہرہ زہرہ گدازیوں، قربانیوں اور جاں سپاریوں کے تھپیڑوں میں ہی حیات جاوداں کے دُرر ولآلی پوشیدہ ہیں، قوم کے جگر سوز رہنما کی طرح حافظِ ملّت عمر بھر پگھل پگھل کر گھلتے رہے اور ان کے قواے جسمانی کے انحطاط کے ساتھ

---

(۱) تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بے شک دشواری کے ساتھ اور آسانی ہے۔ (کنزالایمان)

ہی ساتھ محفل علم وادراک کی رونق میں اضافہ ہوتا گیا، حافظِ ملّت کے کردار کی تفسیر بقول اقبال یہ ہے:

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا — لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوزِ پنہاں سے — تری تاریک راتوں میں اجالا کر کے چھوڑوں گا

مرکز کی اہمیت

ان کے نزدیک مرکز کی بڑی اہمیت تھی، انھوں نے ساری قوم کو مرکزیت سے آگاہ کیا، اس سے متعلق رہنے ہی میں فلاح و کامرانی اور دور ہونے میں تباہی و بربادی کا واضح تصور پیش فرمایا، اس عنوان پر کلام کرتے تو یہ شعر ضرور پڑھتے:

مرکز سے جدا ہو کے تباہی کا فسانہ
پوچھو اسی پتے سے جو ٹوٹا ہے شجر سے

إذارُؤوا ذُكِرَ الله

گِل حمام، صحبت گُل سے استفادہ کر کے پھول ہی جیسی خوشبو پالیتی ہے اور اسے سونگھیے تو گُل کی یاد آتی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ مقربان بارگاہِ الٰہی اور بادہ نوشانِ عشق و عرفان سے خدائی عظمتوں کا ظہور نہ ہو، ان سے بخاری و مسلم کے اسباق پڑھنے والے ہی نہیں، ملک میں بے شمار ایسی نگاہیں ملیں گی جو حضور حافظِ ملّت کے بارے میں ایک ہی بات کہتی ہیں:

یک جلوہ عجب دیدم در صورتِ جاناناں

سرکار ابد قرار ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«خِيَارُكُمُ الَّذِيْنَ إِذارُؤوا ذُكِرَ اللهُ». [1]

تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے۔

پہنچی وہیں پہ خاک

تنکا تنکا چن کر آشیاں سازی کا حوصلہ اور وہ بھی برق و باد و باراں کی زد پر، سن کہ مرقد سے کہہ رہا ہے کوئی:

---

(۱) سنن ابن ماجه، ج:٥، ص:٢٣٦، حديث:٤١٢٠

بال و پر کی شکستگی ہی نہ دیکھ ذوق پرواز کو بھی دیکھ ذرا
میرا انجام دیکھنے والے میرے آغاز کو بھی دیکھ ذرا

سنتے ہیں ہر شخص دفن وہیں ہوتا ہے جہاں کی مٹی سے اس کا خمیر ہوتا ہے، حافظِ مِلّت آج جس باغِ فردوس کے گہوارے میں لیٹے ہوئے ہیں یقیناً اس کی خاک میں بڑی کیمیا اثری ہے، وہ ایک مشت خاک اٹھی تو مشرق و مغرب میں کردار و عمل کے کارواں، رواں دواں نظر آرہے ہیں، خاک اپنے مقام پر پہنچ گئی ایک عالم کو عزم و حوصلہ، جرأت و بصالت، تفکر و تعقل، ایمان اور جان ایمان کا تعلق بخش کر

آخر گِل اپنی صرفِ درِ مے کدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

لمحہ فکریہ

حالات و حوادث اور مشاہدۂ تاریخ نے حافظِ مِلّت کو اشاعتِ اسلام اور خدمتِ دین کی راہ میں چلتا پھرتا ایک پیغام بنادیا تھا، انھوں نے اپنے سارے تجربات اور مشاہدات کو سمیٹ کر الجامعۃ الاشرفیہ عربک یونیورسٹی کے ایک مرکز پر مجتمع کردیا تھا۔

چالیس سال کی مجاہدانہ دینی خدمات، مرشدانہ افکار و نظریات اور مربیانہ طرزِ زندگی نے آپ کی شخصیت کو جو رسوخ بخشا تھا اور مقبولیت عطا کی تھی جس کے لیے سنّی قوم کے پاس کلماتِ تاسف اور عرق انفعال کے سوا کچھ باقی نہ رہ گیا تھا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب ایک مسیحا نفس، ملت کے پیکر نیم جاں میں دوبارہ روح لوٹانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو افراد قوم و مِلّت بڑھ کر اس کے دست و بازو بن جاتے، مگر حیف صد حیف! اس حقیقت کا اظہار کن الفاظ میں کیا جائے کہ نہ صرف سکوت اور خاموشی بلکہ مزاحمانہ روش سے روڑے اٹکائے گئے، اسباب و علل کے متلاشی تحقیق و تدقیق کی گہرائی میں اتریں گے تو انھیں اس کے سوا کچھ نہ ملے گا کہ اربابِ کرم

در عمارت گری گنبدِ دستارِ خود اند

علما ہر زمانے میں قوم مسلم کی تعمیر یا تخریب کے ذمہ دار رہے ہیں، سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[عن عبد الله بن عباس:]«صنفان إذا صلحا صلحتِ الأمةُ وإذا فسدا فسدتِ الأمةُ السلطانُ والعلماءُ.»

(دو جماعتیں ہیں کہ اگر یہ درست رہیں تو قوم درست ہے اور اگر یہ بگڑ جائیں تو قوم بگڑ جائے بادشاہ اور علما۔)

مِلّت کی فنا اور بقا کے لیے جن دو طبقوں کو بنیادی معیار قرار دیا گیا ہے، ان میں کا ایک فرماں روایانِ اسلام،

دوسرا علماے کرام، اسلامی سلاطین تواپنی زندگی کی کتاب بند کر گئے، اب اس قوم کی زمام علما کے ہاتھوں میں ہے، کیا تاریخ بھی اس حقیقت کو فراموش کر سکتی ہے کہ ان خسروان بے کلاہ نے اپنے نوکِ قلم سے ایسے انقلاب آفریں کارنامے انجام دیے ہیں جن سے بڑے بڑے سلاطین کے قصر امارت مین تزلزل پیدا ہو گیا، حق پرست علمانے جب دین وایمان کے تحفظ کے لیے کمر ہمت باندھی ہے تو تخت وسلطنت کی تمام قوتیں جھکنے پر مجبور ہو گئیں۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کہ ایں قوم
شہان بے کمر وخسران بے کُلَہ اند

یہ سب اس وقت ہوتا ہے جب کہ علما رضاے خدا اور سول کے لیے ناروا تاویلات، فاسد میلانات اور نفس کے تمام داعیوں کو ترک کر دیتے ہیں۔

لاکھوں دلوں کی دھڑکن

آج جب کہ الجامعۃ الاشرفیہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن بن کر عمل کے میدان میں گام زن ہے، اس کا دائرۂ عمل ملک سے متجاوز ہو کر دیگر ممالک تک وسیع ہو رہا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ خود آپ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور سوچیں کہ اس سلسلے میں آپ نے کیا کیا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ مستقبل کا مورخ جب اپنا قلم سنبھالے تو اسے لکھنا پڑے کہ اس عظیم شہرستان علم کی آباد کاری میں، ایک اسّی (۸۰) سالہ مجاہد جلو میں اپنے چند نونہالوں کو سمیٹے ہوئے، ضعیف ہڈیوں کے بل بوتے پر امتِ مرحومہ کے علمی سرمایے کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا تا رہا اور ملک وملّت کے علمانے اس کا کچھ بھی تعاون نہ کیا، بہر حال اس بوڑھے مجاہد کی آواز اب ملک وملّت کی آواز بن چکی ہے، ہندوستانی مسلمان اس اظہر من الشمس حقیقت سے واقف ہو چکا ہے۔

پیامِ زندگی

للہ! اب بیداری کا موقع ہے، ہوش میں آجانے کی ضرورت ہے، ہم نے اپنی بے حسی اور کاہلی سے اب تک ہی کیا کم کھویا ہے کہ اب بھی ہمارے سروں سے لایعنی عصبیت طبقاتی تفوق وبرتری کا بھوت نہیں اتر رہا ہے، اب تو ملی جمہوریہ کا یہ سوادِ اعظم وقت کے جھونکوں میں اپنے صحیح مقام کو کھو چکا ہے، نہ تو کوئی مرکزیت ہے اور نہ ہی کوئی مسلمہ قیادت، اور جب یہ دو عظیم قدریں ہیں نہیں، تو پھر ملی شیرازہ بندی کا تصور کسی موہوم تفریحی تخیل سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آج کا نوجوان ذہن، علمی زیور سے آراستہ ہونے کے باوجود ملی سطح پر عملی فقدان کو شدت سے محسوس کر رہا ہے؟ ایک انتشار ہے جو ذہن وفکر کی تمام دفاعی صلاحیتوں کو پگھلائے دے رہا ہے؟ ایک کرب ہے جو خیالی عظمت کے سارے اثاثے کو پھونکے ڈال رہا ہے، ایک زلزلہ ہے جس سے جھوٹی تسلیوں کی تمام فصیلیں تڑخ رہی ہیں؟ قوم کی یہ زبوں حالی — الأمان والحفیظ — ہم نے اب تک ملک میں اپنی زندگی کے تحفظ کے لیے آشیاں سازی کی، کتنی تیلیاں چنیں؟ ہم نے اپنے مابین اٹھی ہوئی بغض وعناد کی بلند چٹانیں توڑنے میں کہاں تک سعی فرمائی؟

آج یہ اور اس قبیل کے ہزاروں سوالات ہیں جو نئی نسل کے ذہن ودماغ پر مسلط ہیں۔

اب سچّے اطمینان اور مکمل تشفی کے لیے اس کے علاوہ کوئی راہ نہیں کہ ہم گفت وشنید کے تمام دروازوں پر قفل سکوت لگا کر صرف عملی میدان میں اتر آئیں، اور اپنے ذہن ودماغ، علم وفضل اور دست وبازو کی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ آشیانۂ مِلّت کے منتشر تنکے جن پر بد اندیش باغباں کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں، چن کر مستقبل کا تحفظ کرلیں، ورنہ وہ دن دور نہیں جب اپنی گود کے پالے ہوئے نونہال اپنا علم وادراک، تہذیب وتمدّن اور امتیازی تشخص فراموش کر کے غیروں کے دستر خوان کی خوشہ چینی پر مجبور ہوں، خدا کرے ایسا نہ ہو کہ ہمارے بعد جو نسل ہماری قبروں کے پاس کھڑی ہو تو یہ کہہ کے نشان مزار کو پاؤں سے روند ڈالے کہ یہ وہی شخص تھا جس نے علم وآگہی کی دولت رکھنے کے باوجود قوم ومِلّت کو اپنے ذاتی مفاد پر بھینٹ چڑھادیا، بلکہ خاک مزار سے اگنے والی گھاس کا ایک ایک تنکا ہماری عملی رزم گاہ میں پامردی کا اعلان کرے، جسے دیکھنے کے بعد رگوں میں تحریک کی بجلیاں کوند کوند پڑیں، اس کی راہ اب صرف ایک ہے کہ چنین وچناں سے سبک دوش ہو کر اپنی تمام قوتوں کو تعمیر مِلّت کے لیے وقف کر دیا جائے، الجامعۃ الاشرفیہ اس امتحان گاہِ عمل کی پہلی جولان گاہ ہے، جو آپ کی عملی قوت، جرأت وعزیمت کے اٹھنے والے قدموں کے انتظار میں ہے:

تعمیر کی جانب صفت سیل رواں چل ❁ وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ ودو میں ❁ پہناتی ہے درویش کو تاج سرِدارا
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ❁ ہر فرد ہے مِلّت کے مقدر کا ستارا

حافظِ مِلّت نمبر

ماہ نامہ اشرفیہ، حافظِ مِلّت کی سرکار میں اپنا حقیر نذرانہ لیے حاضر ہے، ایک ایسی شخصیت جس کی زندگی ہمہ جہت جامع ہو، اِن منتشر اور مختصر تحریروں کے ذریعے اس کی حیات وصفات کو سمیٹ لینا آسان نہیں، البتہ اس نمبر کے ذریعے مستقل سوانح (حیاتِ حافظِ مِلّت) کے لیے بہت سارے عنوانات وماٰخذ کی نشان دہی ضرور ہوئی ہے، نمبر کے مضامین میں کمیت کے بجائے کیفیت پر ہی زیادہ توجہ دی گئی، مگر بایں ہمہ مجھے اعتراف ہے کہ اس سے حضرت کی علمیت پر کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی، سوانحی خاکوں میں بعض کی خانہ پری ہوئی ہے، نمبر کا قاری اخلاق وعادات، خصائل وصفات اور ملت وسماج کے خدمت گزار کی حیثیت سے ایک پیکر کو اپنے روبرو ضرور پائے گا، اور یہ ناقابل انکار بات مبرہن ہو کر سامنے آجائے گی کہ پچاس سال تک اپنے علمی غلغلے سے ایک عہد کو روشن کرنے والے حافظِ مِلّت، ایک معمار سنّیت، ایک ہمدردِ مِلّت، محب قوم اور ایک مومنِ کامل کی شان رکھتے تھے، نمبر الگ الگ حصوں پر منقسم ہے، باوجودے کہ تمام مضامین اپنے خانوں میں بالکل فٹ نہیں، مگر ترتیب میں ہر مضمون کے غالب رخ کا لحاظ کیا گیا ہے۔

منظومات اور مضامین کی طرح الگ کوئی جز نہیں البتہ فہرست نے اس کو الگ کر دیا ہے اس نمبر کی تدوین کے ساتھ ہی یہ خیال بھی قوی ہوتا جا رہا ہے کہ حضرت کے بارے میں ایک اور نمبر کی ضرورت اشد ہے جو صرف ان کے علمی کارناموں پر مشتمل ہو، نمبر کو منصۂ شہود پر لانے تک صحافتی زہرہ گدازیوں کی اَن گِنت پہاڑیاں عُبور کرنی پڑی ہیں۔

بہر حال! میں شکر گزار ہوں اور مبارک باد پیش کرتا ہوں ان تمام معاونین کو جن کی مہربانیوں نے مجھے خود اعتمادی کے چشمۂ حیات تک پہنچایا، بالخصوص جو لوگ اس سلسلے میں شکریے کے مستحق ہیں ان کے اسمایہ ہیں:

جناب مولانا محمد احمد بھیروی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا یٰسین اختر، مولانا عبدالمبین نعمانی، مولانا اسلم بستوی، مولانا محمد اسرائیل اختر رودر پوری، مولانا نظام الدین بستوی عزیزی، مولوی عبدالسمیع بہرائچی، مولوی علاء المصطفیٰ قادری، مولوی قیس رضا مصباحی، مولانا نعیم اعجازی، فجزاھم اللہ خیر الجزاء في الدارین-

میرے نزدیک اس نمبر کی سب سے بڑی قدر افزائی یہ ہے کہ اسے آقائے نعمت، محسنِ قوم، حافظِ مِلّت علیہ الرحمہ والرضوان اپنی قبر مبارک کی چلمن سے ایک بار تبسّم جاں بخش کے ساتھ ملاحظہ فرمالیں تاکہ میرا جذبۂ محبت کہہ سکے۔

بھر گیا دامن نظّارہ گُلِ نرگِس سے
آنکھ اٹھا کر جو کبھی تونے ادھر دیکھ لیا

اے کہ نظّارۂ تو وجہِ سرور!

کاش تو کرے قبول اس تحفۂ ناچیز کو
پھول کچھ میں نے چنے ہیں تیرے دامن کے لیے

بدر القادری غفرلہ
۱۷ ۶/۷۸ء

ایک کرامت آثار تحریر

حافظِ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس تخت پر بیٹھا کرتے تھے، وہاں خطوط اور کاغذات کا ڈھیر ہمیشہ رہتا تھا، آپ کی حیاتِ مبارکہ میں کسی کو ہمت نہ تھی کہ اسے ہاتھ لگاتا، بعد وصال جب عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ان خطوط اور کاغذات کو دیکھا تو ان میں ایک کاغذ پر حضرت کے دست مبارک سے لکھے ہوئے موت سے متعلق مندرجہ ذیل دو اشعار اور «غفر الله لك» [۱۳۹۶ھ] کے اعداد تفصیلی طور پر نکالے ہوئے ملے، یہی حضرت کا سنہ وصال ہے، یہ تحریر اس بات کی دلیل ہے کہ حافظِ ملّت کو اپنے وصال کے وقت کی خبر قبل وصال ہی ہو چکی تھی، لیکن آپ نے اسے صیغۂ راز میں رکھا— نقل تحریر مبارک:

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے ۞ خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
زمین! دفن ہیں تجھ میں شہید ناز بہت ۞ رہے خیال کہ ان کا نہ ہو کفن میلا

«غفر الله لك»

۱۰۰۰
۸۰
۲۰۰
۶۶
۳۰
۲۰
______
۱۳۹۶

۞ **نوٹ:** یہ تحریر حضرت عزیز ملت قبلہ کے پاس بطور تبرک محفوظ ہے۔

۷۸۶
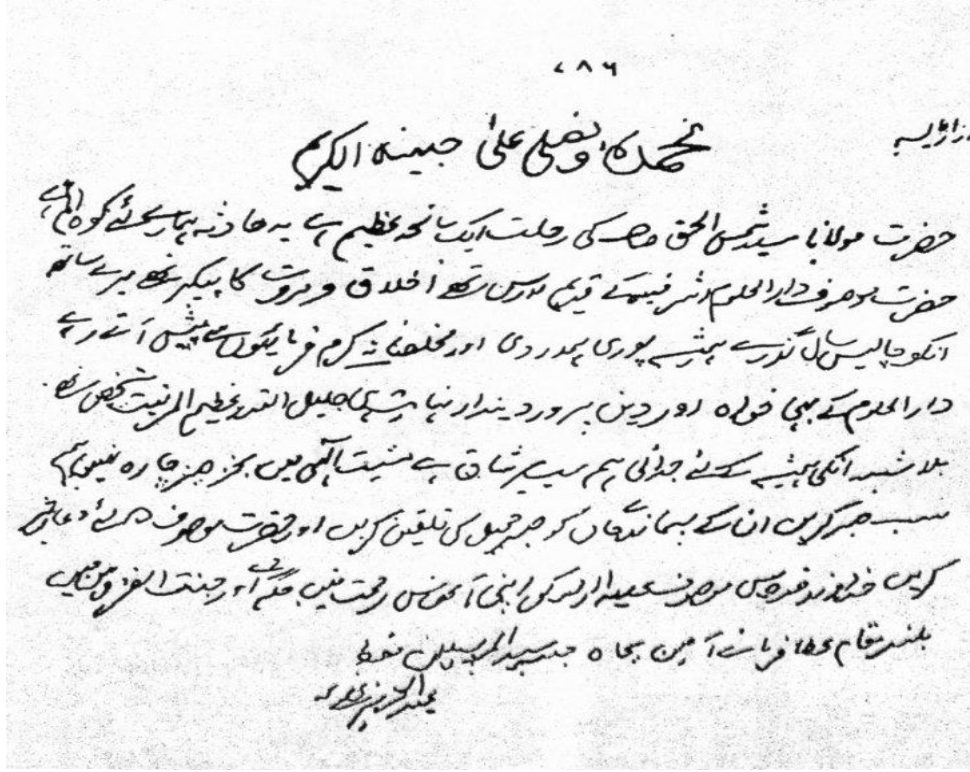
ازاڑیسا نحمدہٗ ونصلي علیٰ حبیبه الکریم

حضرت مولانا سید شمس الحق صاحب کی رحلت ایک سانحہ عظیم ہے یہ حادثہ ہمارے لیے کوہِ الم ہے حضرت موصوف دارالعلوم اشرفیہ کے قدیم مدرس تھے، اخلاق ومروت کا پیکر تھے، میرے ساتھ ان کو چالیس سال گزرے ہمیشہ پوری ہمدردی اور مخلصانہ کرم فرمائیوں سے پیش آتے رہے، دارالعلوم کے بہی خواہ اور دین پرور، دین دار، نہایت ہی جلیل القدر، عظیم المرتبت شخص تھے، بلاشبہہ ان کی ہمیشہ کے لیے جدائی ہم سب پر شاق ہے، مشیّتِ الٰہی میں بجز صبر چارہ نہیں ہم سب صبر کریں ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی تلقین کریں اور حضرت موصوف کے لیے دعاے خیر کریں، خداوند قدوس موصوف علیہ الرحمۃ کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے اور جنّت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔آمین بجاہ حبیبه سید المرسلین .فقط

عبدالعزیز عفی عنہ

انوار السنۃ

از: تبرکاتِ حضور حافظِ ملّت –علیہ الرحمۃ–

عبادات الٰہی بڑی چیز ہے، فلاحِ دارین وعزّتِ کونین کا باعث ہے، خوش نودی خدا و رضاے مولا کا سبب ہے، بڑی نعمت بڑی دولت ہے، اس کے فوائد گنتی وشمار سے باہر ہیں، لیکن عبادت سے بھی اہم فرض اجتناب عن المعصیۃ ہے، خداوند قدّوس کی نافرمانی سے بچنا عبادت پر مقدم ہے، کتنا ہی بڑا عابد ہو جب تک وہ اللہ عزوجل کے محارم سے نہ بچے، عبادت کے ثمرات وبرکات سے کما حقہٗ مستفیض نہیں ہو سکتا؛ اسی لیے سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے محارم سے بچے تو لوگوں میں سب سے بڑا عابد ہو۔

(حدیث) «عن أبي هريرة قال : قال رسول الله –صلى الله عليه وسلم– من يأخذ عني هؤلاء الكلمات فيعمل بهن أو يعلم من يعمل بهن ؟ فقال أبو هريرة فقلت أنا يا رسول الله! فأخذ بيدي فعد خمسا وقال اتق المحارم تكن أعبد الناس، وارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس، وأحسن إلى جارك تكن مؤمنا، وأحب للناس، ما تحب لنفسك تكن مسلما، ولا تكثر الضحك فإن كثرة الضحك تميت القلب».[۱]

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے کلماتِ نصیحت لے اور ان پر عمل کرے یا اس کو تعلیم دے جو اُن پر عمل کرے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں، حضور نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ کلمے شمار کرائے، فرمایا: اللہ کے محارم سے بچ تو سب سے بڑا عابد ہو، اور اللہ کی تقسیم پر راضی ہو تو سب سے بڑا غنی ہو اور اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کر تو مومن ہو اور اپنے لیے جو پسند کرتا ہے، وہی دوسروں کے لیے پسند کر تو مسلمان ہو اور زیادہ مت ہنس؛ کیوں کہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کرتا ہے۔

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کلمے ہدایت کے ارشاد فرمائے۔

اوّل اجتناب عن المحارم، **دوسرے** صبر ورضا، **تیسرے** پڑوسیوں کے ساتھ احسان کرنا، **چوتھے** اپنے لیے جو پسند کرے دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرنا، **پانچویں** زیادہ نہ ہنسنا، اور ہر ایک کے ساتھ اس کا فائدہ بھی بیان فرمایا۔

اوّل اجتناب عن المحارم: اس کا فائدہ یہ بیان فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عابد ہوگا، یعنی خداوند تعالیٰ

(۱) مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، الفصل الثاني، حديث: ٥١٧١، دار الفكر بيروت.

نے جن چیزوں کو حرام فرمادیا اُن کا ارتکاب نہ کرے، جن چیزوں سے باز رہنے کا حکم دیا ان کے قریب نہ جائے، کیوں کہ معصیت خداوند کریم کی ناراضی کا سبب ہے، خداوند کریم کی جب تک نافرمانی کرتا رہے گا، اس کی رضا تجھے حاصل نہ ہوگی اور رضاے الٰہی جب تک حاصل نہ ہوگی، عبادت کا مقصود ہی حاصل نہ ہوگا؛ اس لیے کہ مقصود رضاے الٰہی و خوش نودیِ خداوندی ہے، لہذا خواہ کتنی ہی عبادت کرے، صائم الدہر اور قائم اللیل ہی کیوں نہ ہوجائے، لیکن اگر معصیت میں مبتلا ہے تو مقصود عبادت فوت ہے، ثمرۂ عبادت سے بے بہرہ ہے، اس لیے پہلے تمام معاصی سے تائب ہو اور جملہ نافرمانیوں کو ترک کر تب تیری عبادت بارگاہِ الٰہی میں درجۂ کمال پر پہنچے گی اور پورا پورا فائدہ حاصل ہوگا، اس لیے فرمایا: «اتق المحارم تكن أعبد الناس» اللہ کے محارم سے بچ تب لوگوں میں بڑا عابد ہوگا۔

بہت سے لوگ عبادت کرتے ہیں، ریاضت کرتے ہیں، علاوہ فرائض و واجبات کے نوافل کی کثرت کرتے ہیں، ذکر و فکر کرتے ہیں لیکن وہ ثمرات مرتب نہیں ہوتے جو ذکر کے لیے ہونے چاہیے، اس کی یہی وجہ ہے کہ کماحقہ محارم سے اجتناب نہیں کرتے، عابد کو پہلے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آجانا ضروری ہے، اس کے بعد عبادت کے ثمرات ظاہر ہوں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ پورے ظاہر ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کے فوائد و ثمرات سے پورا پورا مستفیض جب ہی انسان ہوسکتا ہے کہ محارم و معاصی سے بالکلیہ اجتناب کرے؛ کیوں کہ عبادت کے لیے طہارت ضروری ہے، بغیر طہارت کے عبادت نہیں مثلاً: نمازی کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے طہارت حاصل کرے، اگر غسل کی حاجت ہے غسل کرے، بے وضو ہو تو وضو کرے، بدن یا کپڑے ناپاک ہوں تو پاک کرے، تب نماز پڑھے تو نماز ہوگی، اگر بے طہارت نماز پڑھے گا تو نماز ہی نہ ہوگی، اس کے فوائد مرتب ہونا چہ معنی دارد۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ غسل اور وضو خوب اچھی طرح کرے، تمام فرائض و سنن و مستحبات سب ادا کرے تب طہارت کامل ہوگی، اس کے بعد نماز ادا کرے گا تو نماز ہوگی اور کامل نماز ہوگی اور نماز کے ثمرات و برکات حاصل ہوں گے، اسی طرح عابد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے محارم سے پورا اجتناب کرے کیوں کہ معصیت کی نجاست باقی رہتے ہوئے کامل طہارت ہی نہ ہوگی لہذا اپنے معاصی سے تائب ہوکر پوری طہارت حاصل کرلے تب اس کی عبادت کامل ہوگی اور عبادت کے ثمرات و برکات سے کماحقہ مستفیض ہوگا، اس لیے سید عالم محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: « اتق المحارم تكن أعبد الناس» اللہ کے محارم سے بچ تو سب سے بڑا عابد ہوگا۔

نیز محارم سے بچنا، معاصی سے پرہیز کرنا، اپنے گناہوں سے تائب ہونا بھی عبادت ہے، لہذا اگر محارم سے نہ بچا اور معصیت سے پرہیز نہ کیا، گناہوں میں ملوث رہا تو یہ عبادت ترک ہوئی، اس عبادت کا تارک ہوا تو اگرچہ یادالٰہی میں مصروف رہا، عبادت ترک کرتا رہا، فرائض وواجبات ادا کرتا رہا نوافل کی کثرت بھی کرتا رہا لیکن اجتناب عن المعاصی جو عبادتِ الٰہی تھی اس کا تارک ہوا، تو اگرچہ عابد ہے لیکن پورا عابد کما حقہ جب ہی ہوگا جب اجتناب عن المحارم پر یوں کاربند ہو، اس لیے فرمایا «اتق المحارم تكن أعبد الناس».

تنبیہ: اللہ کے حدود ومحارم جس طرح اعمال وافعال ہیں، اسی طرح عقائد بھی ہیں، جس طرح بد اعمالی، بد افعالی کی نجاست سے آدمی ملوث ہوکر نامقبول ہوتا ہے، یوں ہی بدعقیدگی کی نجاست سے بھی نجس وناپاک ہوتا ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ نجس ہوتا ہے اور مردود بارگاہ ہوجاتا ہے، لہذا عابد کو پہلے بدعقیدگی سے توبہ ضروری ہے جب تک وہ اپنی بدعقیدگی سے توبہ کرکے اپنا عقیدہ درست نہیں کرے گا اس کی عبادت قطعاً بے کار ہے بلکہ مضر ہے، جیسے کوئی بحالتِ جنابت نماز پڑھے تو نماز ہرگز نہ ہوگی بلکہ اس کے لیے مضر ہوگی، یہ توہین عبادت ہے، اسی طرح بدعقیدہ شخص کی عبادت عبادت نہیں ہے، اس کی نماز نماز نہیں بلکہ اس کے لیے مضر ہے، جب ہی تو بدعقیدہ نمازیوں کی صورت پر پھٹکار پڑتی ہے، پیشانی سیاہ داغ دار، صورت نہایت منحوس، بدنما، بدرونق معلوم ہوتی ہے، ایسے نمازیوں کو پہلے اپنی بدعقیدگی سے توبہ کرکے صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان ہوجانا ضروری ہے، پھر ان شاءاللہ تعالیٰ وہ نماز کے حسنات وبرکات سے مستفیض ہوں گے اور ضرور مستفیض ہوں گے۔

«اتق المحارم تكن أعبد الناس» یعنی اللہ کے محارم سے بچ تاکہ لوگوں میں بڑا عابد ہو، اللہ کے محارم وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حرام کیا ہے، وہ افعال واقوال کی شکل میں ہوں یا عقائدِ فاسدہ کی صورت میں، عابد کے لیے ان سب سے اجتناب ضروری ہے، تمام بد اعمالیوں، ساری بدکرداریوں سے پرہیز کرے، تمام بری باتوں، بدگوئیوں سے زبان کو روکے مثلاً: جھوٹ، چغلی وغیرہ جن باتوں کا بولنا، زبان پر لانا منع ہے ان سے زبان کو رُوکے، تمام بداعمالیوں مثلاً: چوری، شراب نوشی، حرام کاری وغیرہ سب سے دور رہے، اسی طرح عقائد باطلہ فاسدہ سے قلب کو پاک کرے، کیوں کہ باطل عقیدہ حرام ہے، «اتق المحارم» میں وہ داخل ہے، اس باطل عقیدے سے بھی اجتناب ضروری اشد ضروری ہے، اس لیے کہ عقائد بنیاد ہیں، جڑ ہیں، اعمال وافعال ان کی شاخیں ہیں، جب جڑ ہی خراب ہو تو شاخیں اور برگ وثمر کیسے درست ہوسکتے ہیں، جب بنیاد ہی ٹیڑھی ہوگی تو

عمارت دُرست وسیدھی کیوں کر ہوسکتی ہے، اس لیے عقائد کی اصلاح پہلے ضروری ہے، اسی لیے «اتق المحارم» کو مقدم فرمایا تاکہ عابد تمام بدکرداریوں، بدگوئیوں، بدعقیدگیوں سے پہلے تائب ہو، اس کے بعد مصروفِ عبادت ہو، تب اس کی عبادت مقبول ہوگی اور وہ عابد مقبولِ بار گاہ ہوگا، لیکن اگر بدعقیدہ ہے مثلاً: شانِ اُلوہیت میں گستاخی کرتا ہے، کذب کا دھبہ لگارہا ہے، خداوند قدوس کے لیے امکانِ کذب کا عقیدہ رکھتا ہے، خدا کا جھوٹ بولنا ممکن جانتا ہے، جیساکہ دیوبندیوں کا عقیدہ ہے، تو اس کی عبادت عبادت نہیں، اس کی تسبیح تسبیح نہیں، زبان سے سبحان اللہ خدا کی پاکی بیان کرے اور دل میں یہ عقیدہ رکھے کہ خدائے تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو یہ تسبیح منافقانہ ہے، ایسا شخص بلاشبہہ منافق ہے، اس کی تسبیح ہرگز ہرگز تسبیح نہیں، اس کی عبادت ہرگز عبادت نہیں، لہٰذا پہلے اپنا عقیدہ درست کرے ہیچو بدعقیدگی سے تائب ہوجائے، اس لیے ارشاد فرمایا: «اتق المحارم» اللہ کے محارم سے بچ، اسی طرح شانِ رسالت میں جو بدعقیدگی ہے مثلاً: دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ -معاذ اللہ- مرکر مٹی میں مل گئے"۔۔۔ جس کا نام محمد یا علی ہے کسی چیز کا مختار نہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایسی بدعقیدگی سے پہلے توبہ کرے، اس کے بعد مصروفِ عبادت ہو، شانِ رسالت میں ایسی بدعقیدگی دل میں رکھتے ہوئے عبادت قطعاً بے کار ہے بلکہ مضر ہے، اس لیے فرمایا: «اتق المحارم تکن اعبد الناس».

پہلے عقیدہ درست کرلے تب عبادت کرے تاکہ مقبول بار گاہ ہو، ایسے باطل عقیدہ رکھتے ہوئے دل میں ایسی گندگی لیے ہوئے نماز پڑھنا، نماز پڑھانا سب بے کار ہے، ساری تبلیغ وہدایت تمام کوششیں رائگاں ہیں؛ لہٰذا پہلے اپنا عقیدہ دُرست کر، پھر مصروفِ عبادت ہو، تو عابد ہوگا، مقبول بار گاہ ہوگا، عبادت پر ثمرات مرتب ہوں گے، دل منور ہوگا، انوار وبرکات حاصل ہوں گے، ان کا اثر شکل وصورت سے ظاہر ہوگا۔

آفتاب رسالت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ میں دارین کی صلاح وفلاح ہے دونوں جہاں کی بھلائی وبرتری ہے، مسلمان ان پر عمل کریں تو دنیا وآخرت کی تمام کلفتوں اور مصیبتوں سے نجات پائیں، دونوں جہاں میں سرفراز وسرخرو اور فائز المرام ہوں۔

"انوار السنہ" کے عنوان کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان اپنے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ سے آگاہ ہوں اور اُن پر عمل کرکے دنیا وآخرت کی برتری حاصل کریں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی:

«وارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس».

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو تیرے لیے تقسیم کر دیا اس پر راضی ہو تو لوگوں میں سب سے بڑا غنی ہو۔

مال کی تحصیل انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے جس کا فائدہ اطمینانِ قلب ہے، مثلاً: بھوکا ہے پیٹ بھرے، ننگا ہے تو تن ڈھانکے، بے گھر ہے گھر بنائے، پیٹ بھر رہا ہے تو چاہتا ہے کہ عمدہ غذا ملے، تن ڈھک رہا ہے تو چاہتا ہے کہ عمدہ لباس پہنے، گھر بھی ہے تو چاہتا ہے کہ عالی شان بنائے، کافی جدو جہد کی، مال حاصل ہوا، غذا بھی عمدہ ملنے لگی، لباس بھی نہایت پر تکلف دست یاب ہوا، مکان بھی عالی شان بن گیا، یہ سب کچھ میسّر آنے کے باوجود بھی یہ چاہتا ہے کہ سرمایہ جمع کرے تاکہ وقتِ ضرورت پیش آنے پر کام آئے ان سب کا فائدہ وہی اطمینان قلب حاصل کرنا ہے کہ دل میں جو خواہش ہے، لگن ہے، پوری ہو جائے۔ جو قلق واضطراب و بے چینی ہے دفع ہو جائے اور دل مطمئن ہو جائے، مگر حال یہ ہے کہ عمدہ غذا ملی تو اور زیادہ لذیذ و لطیف غذا کی خواہش پیدا ہوئی، عمدہ لباس ملا تو اور زیادہ بہتر لباس کی خواہش بڑھی، حتیٰ کہ کم خواب کا خواب دیکھنے لگا، عالی شان عمارت ہوتے ہوئے بھی شیش محل اور فلک بوس بلڈنگوں کی خواہش بڑھی، سرمایہ ہوتے ہوئے بھی سرمایہ کی خواہش ہوتی ہے۔ ہزار ہیں تو لاکھوں کی فکر، لاکھ ہیں تو کروڑوں کی تمنّا، کروڑ ہیں تو اربوں کی خواہش، غرض کہ مال جتنا بڑھا خواہش بڑھتی گئی، تحصیل زر کی پوری کوشش کرتا ہے، انتہائی سعی کرتا ہے، مال بڑھتا چلا جاتا ہے، خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی چلی جاتی ہے، گویا یہ شخص مریض ہے جس کی حالت یہ ہے کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس کی مثال استسقا کے مریض جیسی ہے، جتنا زیادہ پانی پیتا ہے، پیاس اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

تحصیل مال کا مقصد اطمینانِ قلب تھا مگر وہ اُس کو حاصل نہیں، بلکہ جس قدر مال زیادہ ملا اُسی قدر مقصد سے دُور ہوا، مال نہ تھا تو سینکڑوں، ہزاروں کی خواہش تھی جب ہزاروں ملے تو لاکھوں کی خواہش پیدا ہوئی، لاکھوں ملے تو کروڑوں کی خواہش ہوئی، بالکل وہی صورت ہے کہ جتنا زیادہ پانی پیتا ہے، اتنی ہی زیادہ پیاس بڑھتی ہے، جس قدر علاج کرتا ہے، مرض میں ترقی ہوتی ہے، سید اکرم مصلح اعظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مریض کے لیے وہ نسخۂ شفا عطا فرمایا جس کے استعمال سے مرض کی بیخ و بنیاد ختم ہو جائے، مرض کا نام و نشان باقی نہ رہے، ناتواں مریض صحت یاب ہو کر تندرست و توانا ہو جائے، ارشاد فرمایا: «وارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس».

اللہ نے جو تیرے لیے تقسیم کر دیا اس پر راضی ہو، تقدیر الٰہی پر صابر و شاکر ہو تو لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو، یعنی غنا و مال داری کا جو فائدہ اطمینان قلب ہے تجھے حاصل ہو اور پورا پورا حاصل ہو، ایسا کہ بڑے بڑے دولت مند تیرے سامنے فقیر و بے نوا نظر آئیں، تو مطمئن، وہ پریشان، تجھے دل جمعی حاصل ہو اور ان کو پراگندگی، وہ ادھر ادھر بھٹکتے پھریں، تو بارگاہِ الٰہی میں حاضر و مقبول ہو۔

تیسری یہ ہدایت فرمائی:

«وأحسن إلى جارك تكن مؤمنا».

یعنی اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرتا کہ مومن ہو۔

حضور ﷺ نے اس حدیث کی تعلیم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دی ہے، یعنی اے ابوہریرہ! اپنے پڑوسی کے ساتھ تو احسان کر، تب تو مومن ہو، حالاں کہ اس تعلیم سے قبل ہی مومن تھے، صاحبِ ایمان تھے، حضور ﷺ کے صحابی تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کے ساتھ احسان کریں تب وہ مومن ہوں، مطلب یہ ہے کہ مومن کامل ہوں، یہ عمل خیر، ایمان کامل کرتا ہے، کمال ایمان یہ ہے کہ مومن اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرے، یہ وہ زریں اصول ہے کہ جب تک مسلمان اس کے پابند تھے ان میں اتحاد واتفاق یک جہتی و ہم دردی، ایک دوسرے کی خیر خواہی اس درجہ تھی کہ وہ ہر مسلمان کا دکھ درد اپنا دکھ درد سمجھتے تھے، دوسرے کی تکلیف اپنی مصیبت تصور کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو مسلمانوں کی طاقت مضبوط و مستحکم ہوگی، غربا کو امرا سے امرا کو غربا سے کس درجہ رابطہ واتحاد ہوگا ایک دوسرے کا خیر خواہ وقوت بازو ہوگا اگر پوری دنیاے اسلام اس اصول کی پابند ہو جائے تو مسلمانوں کی تمام پریشانیاں دور ہو جائیں، جو حوادثاتِ زمانہ سے بے خوف ہو کر نہایت اطمینان کی زندگی بسر کریں۔[1]

(۱) یہ مضمون اصل میں بھی یہیں تک مطبوع ہے۔ فیضی

انٹرویو

مولانا بدر القادر مصباحی[(۱)] **(سابق مدیر: ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور)**

مبارک پور در میان بازار میں دار العلوم اہل سنّت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی قلعہ نما عمارت رم جھم پھواروں میں نہار ہی ہے، ہلکے ہلکے ترشح نے ماحول میں نغمگی بکھیر رکھی ہے، گلابی سردی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے لوگ چھتریوں میں محو خرام ہیں اور کچھ دبے سمٹے کاموں میں مصروف۔

شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ (عربک یونیورسٹی) کے دفتر میں ادارے کے چند ذمے داران بیٹھے ہوئے کسی مسئلے پر گفتگو میں مشغول ہیں، جناب عبد الاول صاحب ایڈوکیٹ نے موضوع گفتگو بدلتے ہوئے حضور حافظ ملت سے ایک انٹرویو لینے کی بات اٹھائی، کئی اور اہل اخلاص نے **ہامی** بھری اور سوالات کی ترتیب کا کام مجھ ناتواں کو سونپ دیا گیا۔

چند روز بعد ایک صبح پرانے مدرسے حضور حافظ مِلّت کی قیام گاہ پر حاضری دی گئی تاکہ انٹرویو کے پروگرام کے لیے حضرت سے وقت کا تعین کر لیا جائے، پرانے مدرسے کی خام عمارت سامنے ہے، مٹی کی دیواریں اور کھپریل کی چھت سے بنائی گئی یہ عمارت اپنی سادگی کے ساتھ مکین کی سادہ اور بے داغ زندگی کی ترجمان بھی ہے، بیٹھک کا دروازہ کھلا جس پر دور قدیم میں کبھی تار کول کا روغن لگایا گیا ہوگا، مگر بارش کے چھینٹوں اور دھوپ کی تمازت نے اب سب کو چاٹ پونچھ کر صاف کر ڈالا ہے، بس کہیں کہیں کچھ نشانات ہی باقی ہیں، با ادب دبے پاؤں جانب مغرب کھلے ہوئے اس دروازہ کے اندر قدم رکھا گیا، بائیں جانب ایک تخت پر تشریف فرما معمارِ سُنّیت حضور حافظِ مِلّت تشریف فرما ہیں، نورانی چہرہ، نشان سجدہ منور اور تاب ناک، حد شرع تک مسترسل داڑھی، سر پر کتھئی رنگ کا عمامہ، مسند پیچھے موجود، مگر عظمت شناسِ فقر و غنا اس سے بے نیاز، سر جھکائے کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول، ہم نے پہنچتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کیا، دست بوسی کے بعد

(۱) تعارف ص:۴۲ پر دیکھیں۔

حضرت نے خیرت پوچھی، میں نے جواب وکیل صاحب پر ٹال دیا، وکیل صاحب نے رسمی جواب دے کر انٹرویو کی خواہش کا اظہار کیا، اور کہا: حضرت! ہم آپ سے ایک انٹرویو لینے کی خواہش رکھتے ہیں، اس بارے میں حضرت کا کیا خیال ہے؟

حافظ ملت نے انٹرویو کے لفظ پر غور کرتے ہوئے کہا: میں نے آپ لوگوں کے اس انگریزی لفظ کا مقصد نہیں سمجھا۔

وکیل صاحب نے انٹرویو کا مقصد بتایا، تو حضرت مسکرانے لگے اور نہایت منکسرانہ انداز میں گویا ہوئے:

میری شخصی حیثیت ہی کیا اور میرا کارنامہ ہی کتنا کہ آپ لوگوں کو کچھ بتاؤں؟ میری زندگی اور حالاتِ زندگی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک مزدور خانوادے میں پیدا ہوا، محنت و مشقت سے کچھ علم حاصل کر لیا اور ایک وادی غیر ذی زرع میں بیٹھ کر زندگی کے دن کاٹ دیے۔

حیف عمرے کہ رائگاں کردم

میرا احساس سمٹ کر آنکھوں میں آگیا اور سر کی آنکھوں سے میں ایک ایسے انسان کو دیکھ رہا تھا جس کی زندگی کے کم از کم آٹھ (۸) سال میرے سامنے تھے، مجھے معلوم تھا کہ مرغان سحر کی تسبیح خوانی سے قبل بیدار ہو کر اپنے رب کی بارگاہ میں سجود نیاز لٹانے والا بندہ یہی ہے، پورا دن درس و تدریس، سماجی، ملّی مسائل و افکار کے پیچھے گزار دینے والا انسان یہی ہے اور در حقیقت مبارک پور جیسی وادی غیر ذی زرع کو گلزار علم و آگہی بنانے والا مرد مجاہد یہی ہے، یہی ہے، جس کی کڑک دار آواز فرقہ ہائے باطل کے خرمن پر برق خاطف بن کر گرتی ہے، اسی نے اسلامیان ہند کی آبروے علم نوازی کی حفاظت کی، اور کشور علم و تمدن کی داغ بیل ڈال کر اپنی تعمیری و تاسیسی صلاحیتوں کا نذرانہ دین اسلام کی بارگاہ میں پیش کیا، اپنی ذات کے لیے وہ غنی ہے، لیکن الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے در در گدائی کو سرمایۂ افتخار سمجھا جس کا متحرک وجود سیکڑوں نہیں ہزاروں انسانوں کے رگ و پے میں تحرک وفعالیت کے شرارے بھر دیتا ہے، جس نے دنیا میں رہ کر آرام کو حرام سمجھ رکھا ہے۔ ”بر روے زمیں کام، زیر زمیں آرام،، جس کی زندگی کا ترجمہ ہے، جس نے اتنا کچھ کر دیا ہے کہ قوم نے متحد ہو کر سالہا سال میں اتنا نہ کیا، وہاں اپنی اوقات کی ناقدری اور ضیاع پر تأسف کر رہا ہے، عزم و ثبات، کردار و عمل جس کی انگلیوں کے پور پور سے ظاہر، جس کے ماتھے کی شکنوں میں افکار قوم و ملّت کی تاریخ سمٹی ہوئی ہو، اسے رب تعالی نے انکساری و

تواضع کا اتنا عظیم جامہ پہنایا ہے کہ جو صرف اسے دیکھے، اس کے کارناموں کا کوئی ہلکا سا شائبہ بھی نہیں پا سکتا۔

یا خدا! یہ سادگی اور نام و نمود سے اتنی بے نیازی و بے توجہی۔

اے کہ زیر دامنت صد آفتاب

میری مرکوز نگاہیں حافظِ ملّت کے چہرے پر جمی رہیں، مگر پہلی نگاہ میں جو چہرہ بشرہ سامنے تھا اب وہ نہ تھا، نورانیت کی بے شمار کرنیں اس کے رخسار کا بوسہ لے رہی تھیں، وجود بلند تر ہوگیا تھا، خاموش پیکر، کردار و عمل کے سارے حاشیوں کی روشنی میں ایک خورشید درخشاں معلوم ہو رہا تھا۔

نور ریز و نور بیز و نور خیز

بعض خاموشیاں تکلّم سے زیادہ مؤثر ہوتی ہیں اور بعض نگاہیں تیر و نشتر سے زیادہ نوکیلی ثابت ہوتی ہیں۔ حافظِ ملّت جن کا پیکرِ وجود اس وقت میرے روبرو ہے، کیا ان کی یہ خموشی کسی بسیط تقریر سے زیادہ پر اثر نہیں؟ در حقیقت اس مجلس میں میرا احساس نظر جو کچھ دیکھ رہا ہے نوکِ قلم تو کجا، زبان شانہ طراز اس کی حلاوتوں سے ناآشنا ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

نظر کا ذوق جداگانہ ہے اور زبان کا پیرایہ الگ، کوئی ایک دوسرے کی صفات کے حامل کیسے ہو سکیں۔

جو دیکھنے والا دیکھتا ہے وہ سننے والے کو کیا بتائے
زباں کو ذوق نظر نہیں ہے نظر کو ذوق زباں نہیں ہے

❀ ❀ ❀

وقت مقررہ پر میں ایک سائل کی حیثیت سے حافظ ملت کے حضور حاضر تھا، لیکن میرے سوالات اصطلاحی سوالات سے جداگانہ تھے، دور طالب علمی سے اب تک علمی اور فنّی سوالات کرنے کی جو بے باکی حافظ ملت کے تلامذہ میں پائی جاتی تھی، میں بھی اگرچہ اس کا لذت چشیدہ تھا مگر آج انٹرویو میں ہونے والے سوالات مختلف النوع تھے، شخصی اور خانگی حالات سے لے کر سیاسی، سماجی اور الجامعۃ الاشرفیہ اس کے اساسی محرکات و عوامل، بقا و استحکام اور اس کے متعلقین کی کارکردگی نیز جوامع و موانع کے ایسے گوشے بھی سامنے آسکتے تھے جن پر گفت و شنید کرنا غیر متعلقین تو کجا، اراکین و ارباب حل و عقد بھی شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں، بہر حال! حضرت نے بلا تاخیر مجھے اشارہ فرمایا کہ کام شروع ہونا چاہیے، میں نے دیگر اہم باتوں کو پس پشت ڈال کر حضرت کے سنہ

پیدائش کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہی اور سوال کیا:

بدر: حضور! آپ سب سے پہلے اپنی تاریخ و سنہ پیدائش سے آگاہ فرمائیں۔

حافظ ملت: مجھے اپنے والدین سے سنہ پیدائش نہیں ملا، البتہ والدہ ماجدہ سے یوم پیدائش ملا، سنہ ولادت تخمیناً ۱۸۹۴ء ہے، وہ اس لیے کہ موضع راج پور میرا ننہال ہے، والد صاحب قبلہ جب حج بیت اللہ کو گئے تو میں اپنی والدہ کے ساتھ راج پور رہتا تھا، اسی وقت نور احمد ولد غلام نبی کی پیدائش ہوئی ان کے والد نے ان کا سنہ ولادت ۱۹۰۴ء مطابق ۱۳۲۲ھ لکھا، جواب تک موجود ہے، اس وقت میری عمر دس سال ضرور تھی؛ کیوں کہ میں راج پور سے اپنے مکان بھوج پور پیدل آتا جاتا تھا، جس کی مسافت آٹھ میل سے زائد ہے یعنی نور احمد سے میری عمر دس سال زائد ہے؛ اس لیے میرا سنہ پیدائش ۱۸۹۴ء/۱۳۱۲ھ ہوا، والدہ ماجدہ نے بارہا فرمایا کہ تمھاری ولادت دوشنبہ کو ہوئی، پڑوس کی عورت یہ کہتی آئی "پیرا آیا ہے" اس وقت تمھارے دادا بیمار تھے صاحبِ فراش تھے انھوں نے اس عورت کو ڈانٹا اور فرمایا: خبر دار! اس کا نام عبد العزیز ہے، میں نے اس کا نام عبد العزیز اس لیے رکھا ہے کہ دہلی میں خاتم المحدثین حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث بڑے بلند پایہ عالم گزرے ہیں، یہ میرا بچہ عالم ہو گا، دادا کی دُعا سے مجھے علم ملا، ورنہ میں گاؤں کا رہنے والا غریب آدمی جو کچھ پڑھ سکتا تھا وہ بڑی محنت سے صرف اردو اسکول میں پڑھا، قرآن مجید اپنے والد صاحب سے یاد کیا، فارسی کچھ بھوج پور مولوی عبد المجید صاحب سے، کچھ پیپل سانہ جناب مولوی حکیم مبارک اللہ صاحب اور جناب حافظ حکیم نور بخش صاحب سے پڑھی، میرا مبلغ علم حفظ القرآن، اردو، درجہ چار، فارسی گلستاں، بوستاں ہوا بس ختم، بھوج پور کے رئیس اعظم شیخ حمید الدین صاحب نے مجھے اپنی مسجد کا امام مقرر کر دیا اور مسجد ہی میں "مدرسہ حفظ القرآن" قائم کر کے مجھے اس کا مدرس مقرر کر دیا، میں امامت و مدرسہ کے فرائض انجام دینے کے علاوہ اپنے پڑوسیوں سے زیادہ گھر کا کام کرتا تھا اور روزانہ ایک قرآن پڑھتا تھا، اسی طرح پانچ سال گزرے، میں والدہ سے کہا کرتا تھا، تم کہتی ہو دادا نے دُعا کی ہے، یہ میرا بچہ عالم ہو گا، عالم تو میں ہوا نہیں، بفضلہ دادا صاحب کی دعا کا اس طرح ظہور ہوا کہ مراد آباد سے حکیم محمد شریف صاحب بھوج پور مریض دیکھنے آیا کرتے تھے، میری اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے، میرے اوپر ان کی نظر عنایت ہوئی، فرمایا: حافظ صاحب! میں آپ کو طب پڑھاؤں گا، میں نے کہا: حکیم صاحب! میں غریب آدمی، میرے والد کثیر العیال، گھر کا دارومدار مجھی پر ہے، میں باہر جا نہیں سکتا، حکیم صاحب نے فرمایا: ٹرین سے مراد آباد آؤ سبق پڑھ کر واپس آجایا کرو، تمھارا نقصان نہیں ہو گا، آمد و رفت کا کرایا بھی میں دوں گا۔

میں نے والد صاحب قبلہ سے عرض کیا، والد صاحب نے فرمایا: اتنا بڑا حاذق طبیب طب پڑھانے کی

خواہش کرتا ہے ضرور پڑھو، لیکن یہ آنا جانا مناسب نہیں، جاؤ مراد آباد رہو محنت سے پڑھو، خدا حافظ ہے۔

والد صاحب امامت اور مدرسی کے فرائض انجام دینے لگے، میں مراد آباد حکیم محمد شریف صاحب کی خدمت میں طب پڑھنے کے لیے حاضر ہوا، حکیم صاحب نے گلستاں میں میرا امتحان لیا اس کے بعد فرمایا آپ کا دماغ عربی کے لائق ہے، آپ عربی پڑھیے اور عربی میں طب پڑھیے، حکیم صاحب نے مجھے میزان شروع کروائی اور پندرہ روز میں میزان و منشعب ختم کرادیں، میں نے یاد کرکے حکیم صاحب کو سنادیں، بعدہٗ نحو میر، صرف میر شروع کرائیں یہ دونوں کتابیں دو مہینے میں شروع کرائیں، میں نے یاد کرکے حکیم صاحب کو سنادیں، اس کے بعد حکیم صاحب نے مجھے پڑھانے سے انکار کردیا، فرمایا کہ اب مجھے مطالعہ کرنا پڑے گا مجھے فرصت نہیں، میں نے ہر چند اصرار کیا، خوشامد کی، لیکن وہ تیار نہیں ہوئے۔

میرے متعلق شہرت ہوگئی تھی کہ عربی پڑھ رہے ہیں، میں نے چھوڑنا مناسب نہیں سمجھا، جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لے لیا، تین سال تک جامعہ نعیمیہ میں پڑھا، شرح جامی قطبی وغیرہ تک پہنچے، اسی دوران جامعہ نعیمیہ میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس ہوئی، ہندوستان کے چوٹی کے علما جمع ہوئے، ہم نے سوچا انھی میں سے کسی کو منتخب کرو، بہت غور کے بعد ہم لوگوں نے طے کیا کہ حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی صاحب قبلہ سے عرض کرو۔ عرض کیا، فرمایا: اجمیر شریف آجاؤ پڑھادوں گا، چناں چہ حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب علی گڑھی، حضرت مولانا شمس الدین صاحب جون پوری، حضرت مولانا قاری اسد الحق صاحب اور جناب حافظ ضمیر حسین مرادآبادی اور میں پانچ طالب علم اجمیر شریف حاضر ہوئے، حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ نے حسب وعدہ ہمیں پڑھایا، فرمایا کرتے تھے: عمر میں ایک ہی جماعت پڑھنے والی ملی۔ بہر حال مایوسی کے بعد میرے دادا کی دعا کا ظہور ہوا، خداوند قدوس نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھے علم عطا فرمایا۔ فللّٰہ الحمد و المنة

بدر: حضور! اپنے بچپن کے کچھ احوال و واقعات اور بتائیں تو کرم ہو۔

حافظ ملت: بچپن کے حالات تو میرے والد صاحب علیہ الرحمہ ہی بتا سکتے ہیں مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ بھوج پور میں کوئی بڑے عالم یا شیخ، درویش تشریف لاتے تو والد صاحب مجھے ان کے پاس لے جاتے اور عرض کرتے: حضور! میرے اس بچے کے لیے دعا فرمادیں وہ دعا کردیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب قبلہ رام پوری علیہ الرحمہ تشریف لائے، ان کے پاس لے گئے، عرض کیا کہ میرے اس بچے کے لیے دعا فرمادیں، حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب نے فرمایا: حافظ صاحب! میں تو سب کے لیے دُعا کرتا ہوں، مگر اس کے لیے تو آپ ہی کی دُعا ہے اور فرمایا: اولاد کے حق میں والدین کی دُعا یا بددُعا نبی کی دعا یا بدعا کا اثر رکھتی ہے۔

میری بہنیں تو کئی تھیں، لیکن میں والد صاحب کا اکیلا لڑکا تھا، اس لیے بھی مجھ پر زیادہ شفقت فرماتے، باہر جاتے تو مجھے ساتھ لے جاتے، اکثر جمعہ پڑھنے شہر مرادآباد جاتے تو مجھے ساتھ لے جاتے، صحت میری بچپن ہی سے اچھی تھی، میں پیدل اُن کے ساتھ چلا جاتا لیکن مرادآباد کے قریب رام گنگاندی ہے اس کو پار کرتے وقت مجھے کندھے پر بٹھاتے، میرے پیر پانی میں ڈوبے رہتے اور والد صاحب کی داڑھی پانی سے لگی رہتی تھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ پڑھتے چلے جاتے تھے، پانی اتنا ہی رہتا تھا کبھی داڑھی کے اوپر نہیں آیا، جامع مسجد مرادآباد میں نماز کے بعد جناب مولانا قاسم علی صاحب کا وعظ سنتے، اُس کے بعد مکان واپس آتے تھے۔

بڑے پیار و محبت سے مجھے پالا اور پڑھایا ۷؍ پارے حفظ کرائے اس کے بعد حج بیت اللہ کو گئے اور ۹؍ ماہ میں واپس آئے یہ ۹؍ ماہ میرے کھیل کود میں گزرے، بھوج پور میں کوئی پڑھانے والا بھی نہیں تھا، جو پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا، واپسی پر والد صاحب نے پھر پڑھانا شروع کر دیا، میں پڑھتا بھی تھا گھر کا کام بھی کرتا تھا، والد صاحب قبلہ تربیت کا تعلیم سے زیادہ خیال رکھتے تھے، بچپن کی شرارتوں پر بہت زیادہ مارتے تھے۔

بدر: اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے والد گرامی اور دادا دونوں ہی دینی تعلیم کا وافر شوق رکھنے والے خدا رسیدہ بزرگ تھے، تو حضور! اگر مناسب سمجھیں تو اپنی خانگی زندگی کے مذہبی رجحان اور والدین وغیرہ کی دین داری اور مذہب دوستی کے بارے میں اور کچھ فرمائیں، میری یہ خواہش سن کر حضرت کے لبوں پر تبسم بکھر گیا، میں نے اپنے سوال کی ضرورت کو مبرہن کرنا چاہا:

حضور! زمانہ اس گھر کے ماحول سے واقفیت چاہتا ہے جس نے ملک کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ثانی عطا کیا، اس پر حضرت سنبھل کر بیٹھ گئے اور پوری متانت و سنجیدگی کے انداز میں الفاظ کی موجیں رواں ہو گئیں جس جوے کرم کا ایک ایک لفظ آپ کے روبرو موجود ہے۔

حافظ ملت: کسی گھر کا مذہبی رجحان گھر کے مالک ہی کی ذہنیت پر موقوف ہوتا ہے، میرے والد صاحب ایک باخدا درویش تھے، ان پر دین غالب تھا، والدہ بھی صوم و صلات کی انتہائی پابند، سات ہی سال سے بچوں کو نماز کی تاکید، کھیل تماشوں، میلوں وغیرہ سے روکنا، دین دار بنانے کی پوری سعی کرنا، نمازی مہمان کی خوب تواضع کرتے اور بے نمازی کو کھانا کھلا دیتے لیکن ٹھہراتے نہیں تھے، میری عمر بارہ سال تھی فجر کی نماز کو جاتے تو مجھے جگاتے، اٹھو! نماز کا وقت ہو گیا، میں اٹھ کر ان کے پیچھے پیچھے چلا جاتا اور کبھی غلبۂ نیند سے کروٹ بدل کر سو جاتا، جب وہ نماز سے واپس آتے تو نہ مجھے آواز دیتے نہ ہاتھ پکڑ کر جگاتے، بلکہ کان پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیتے اور فرماتے اب تک پڑا سو رہا ہے، مجھے مار مار کر نماز کا عادی بنا دیا کہ میں فجر کی نماز کے وقت خود اٹھ جاتا

ہوں، ماہ رمضان میں معمول ہے کہ اخیر وقت سحری کھاکر سوجاتا ہوں، اور وقت پر اٹھ کر فجر کی نماز باجماعت پڑھتا ہوں، یہی طریقہ میرے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغفور صاحب کا ہے۔

میرے والدین نہایت ہی دین دار، متبع سنّت، احکام شرع کے پورے پابند تھے، والد صاحب قبلہ جماعت کے سخت پابند تھے، اندھیری رات اور بارش میں بھی مسجد جاتے تھے، ایک روز عشا کی نماز کو جارہے تھے اُدھر سے پڑوسی جس کا نام عیدا تھا وہ آرہا تھا، اُس سے ٹکر ہوگئی وہ گر پڑا حالاں کہ وہ جوان تھا والد صاحب نہ گرے نہ کوئی خاص تکلیف محسوس کی نماز کو چلے گئے۔

بفضلہٖ تعالیٰ والد صاحب کی عمر تقریباً سو سال کی ہوئی، اخیر عمر کے روزوں میں خصوصاً موسم گرما میں ہم لوگ ان کی تکلیف کا احساس کرتے تھے، میں عرض کرتا آپ روزہ نہ رکھیں ہم آپ کی طرف سے روزے کا فدیہ ادا کردیں گے، تو فرماتے میں یہ ہرگز گوارہ نہیں کرسکتا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان رمضان پائے اور روزہ نہ رکھے، یہی حال والدہ کا تھا، ہم غریب تھے، باوجود غربت کے والدہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ پڑوسی کا اس قدر خیال رکھتی تھیں کہ اپنا کھانا اکثر ایک بیوہ پڑوسن کو کھلادیتیں اور خود یوں ہی وقت گزار دیتی تھیں، یہ مجھ پر میرے رب کا احسانِ عظیم ہے کہ ایسے والدین کی آغوش کرم میں پرورش پائی۔

والد صاحب قبلہ جید حافظ اور عاشق قرآن مجید تھے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتے، یاد ایسا تھا کہ متشابہ نہیں ہوتا تھا، تعلیم ایسی تھی کہ بھوج پور، پیپل سانہ اور شہر مرادآباد میں انھی کے شاگرد اعلیٰ درجے کے حافظ مانے گئے۔

ریاست حیدرآباد میں ماہ رمضان میں محراب سنانے کے لیے بلائے گئے، مدینہ مسجد میں ۲۷ر کو شبینہ ہوا، دوسرے حافظوں کو آپ کے سامنے پڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی، پورا قرآن مجید والد صاحب نے ہی ختم کیا، اس وقت والد صاحب کی عمر ۷۰ر سال تھی، وہاں کے لوگ اب تک یاد کرتے ہیں، ہم نے ایسا حافظ دیکھا ہی نہیں، میرے والدین کی بڑی سنہری پاکیزہ زندگی تھی، مولائے کریم ان پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔ آمین

بدر: سبحان اللہ! حضور! آپ نے اپنے والدین کریمین کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ ایسا لگتا تھا کہ دور اوّل کے خدا آشنا مسلمانوں کا تذکرہ چل رہا تھا، ایسی مقدس آغوش میں ہمک ہمک کر جس نونہال نے صبح عالم کا نظارہ کیا ہو اس کی نگاہیں کیوں نہ آشنائے رازِ عالم ہوں۔

عہد طفلی میں بتا دیتی ہیں راز کن فکاں
مادر اسلام کی ایمان پرور لوریاں

ان کامل الصفات والدین کی آغوش تربیت نے آپ کو ہوش سنبھالنے کی عمر تک جس گہوارۂ دینی میں رکھا ہوگا، اس کا بخوبی اندازہ تو ہو چکا، اب یہ فرمائیں کہ گھریلو ماحول کی اس خالص اسلامیت کے ساتھ جب آپ نے کچھ سمجھنے بوجھنے کے ماحول میں قدم رکھا تو تعلیم کا انتظام کیا ہوا؟

حافظ ملت: قرآن مجید والد صاحب نے پڑھایا، حفظ بھی کرایا، اردو درجہ چار تک اسکول میں پڑھا، فارسی جناب مولوی عبد المجید صاحب بھوج پوری سے اور پیپل سانہ میں جناب مولوی حکیم مبارک اللہ صاحب اور جناب حافظ حکیم نور بخش صاحب سے پڑھی، اس کے بعد پانچ سال امامت اور مدرسی کی جس کا ذکر ہوا— اس کے بعد میزان، منشعب، نحو میر، صرف میر جناب حکیم محمد شریف صاحب سے مراد آباد جاکر پڑھی، اس کے بعد شرح جامی تک جامعہ نعیمیہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اجمیر شریف حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ۹؍ سال حاضر رہا۔

بدر: گستاخی معاف! حضرت! کچھ اپنی ازدواجی زندگی پر روشنی ڈالیں حضرت میرا یہ سوال سنتے ہی ملول ہو گئے، میں نے محسوس کیا کہ یہ عنوان اٹھاکر گویا میں نے کسی ایسی رگ کو چھیڑ دیا ہے جس سے حضرت کو غم ناک تعلق ہے، حضرت نے فرمایا:

حافظ ملت: میرا عقد نکاح میرے ماموں کی لڑکی سے ہوا، یہ عورت اپنے زمانے کی ولیہ تھی، نہایت ہی دین دار، اطاعت شعار، صابرہ، میری فرماں بردار تھی، ہمیشہ مجھے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتی تھی، اس سے چار بچے ہوئے دو لڑکیاں دو لڑکے، لڑکیاں بچپن ہی میں انتقال کر گئیں، لڑکے مردہ ہی پیدا ہوئے، اخیر بچے کی ولادت ہی میں مرحومہ کا انتقال ہو گیا، یہ حادثہ مبارک پور ہی میں ہوا، میں نے مرحومہ کی قبر پختہ بنائی، تعمیر ہو رہی تھی چوکا (اینٹ) کم پڑا، مستری نے کہا پانچ سو چوکا اور منگاؤ، میں نے حاجی انور سے چوکا کے لیے کہا، مگر کچھ چوکا باقی تھا، کچھ آدھے پڑے تھے، مستری کام کر رہا تھا اسی باقی چوکے اور آدھے سے قبر پوری ہو گئی، نہ ایک چوکا بچا، نہ کم پڑا، نہ ایک ماشہ مسالہ بچا، نہ کم پڑا، دیکھنے والے متحیّر تھے یہ کیسے پورا ہو گیا جب کہ پانچ سو چوکا اور منگایا جا رہا تھا یہ مرحومہ کی کرامت تھی۔

مجھے اس کی جُدائی کا صدمہ ہوا میں نے طے کر لیا تھا کہ اب میں نکاح نہیں کروں گا، پیغام آئے، میں نے انکار کر دیا، تعطیل میں مکان گیا، والد صاحب نے احباب سے کہلایا، میں نے انکار میں جواب دے دیا، جب والد صاحب مایوس ہو گئے تو مجھ سے خود فرمایا: تم نکاح کر لو، میں نے جواب دیا کہ میں طے کر چکا ہوں میں نکاح نہیں کروں گا، اس پر اس قدر خفا ہو گئے کہ زندگی میں کبھی اتنے خفا نہیں ہوئے اور ڈانٹ کر فرمایا تو میری نسل منقطع کرنا

چاہتا ہے، تب میں خاموش ہو گیا انھوں نے میرا نکاح کر دیا اس عقد ثانی سے چھ بچے پیدا ہوئے، تین لڑکے تین لڑکیاں، ایک لڑکا پندرہ روز کی عمر میں انتقال کر گیا، ایک بڑی لڑکی کا بھی انتقال ہو گیا، دو لڑکیاں، دو لڑکے ہیں باصلاحیت ہیں، لڑکیاں لڑکوں سے اچھی ہیں، پنج وقتہ نماز کی پابند ہیں، تلاوت قرآن مجید کی عادی ہیں، گھر کے کام میں انتہائی ہوشیار اور محنتی ہیں، صاحب اولاد ہیں، میرے لڑکوں اور لڑکیوں کی اولاد اس وقت چودہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ والد صاحب ان سب کو دیکھ رہے تھے، جبھی تو فرمایا تھا کہ تو میری نسل منقطع کرنا چاہتا ہے۔

بدر: پچھلے سوال کا ابتدائی ردعمل حضرت کے رُخسار پر محسوس کر کے میں نے فوراً ہی سوچا کہ اب اس یاد ماضی کے رہ گزاروں سے ہٹ کر جلد از جلد کوئی اور صحرا بنایا جائے لہٰذا اگلا سوال یہ تھا:

حضور! آپ نے کن کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور ان میں سے کس کے اخلاق و کردار نے آپ کو متاثر کیا؟

حافظ ملت: ابتدائی تعلیم کے بعض اساتذہ کا ذکر ہو چکا، جامعہ نعیمیہ میں حضرت مولانا عبدالعزیز خاں صاحب فتح پوری، حضرت مولانا اجمل شاہ صاحب سنبھلی، حضرت مولانا محمد یونس صاحب سنبھلی، حضرت مولانا وصی احمد صاحب سہسرامی اساتذہ کرام میں ہیں۔ اجمیر شریف میں حضرت صدرالشریعہ قبلہ مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ، حضرت مولانا عبدالحی صاحب افغانی، حضرت مولانا سید امجد صاحب پنجابی، حضرت مولانا حافظ سید حامد حسین صاحب علیہ الرحمۃ اجمیری اساتذۂ کرام ہیں۔

بدر: (اساتذۂ حافظِ مِلّت کی بات آئی تو میرے ذہن میں اس پیکر علم و شعور اور مجسمۂ آداب و نیاز شخصیت کا وہ انداز ادب واحترام یاد آیا جب آپ حضور مفتی اعظم ہند، محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمۃ وغیرہ بزرگوں کے پاس سراپا ادب بن کر جاتے، گو کہ یہ لوگ استاذ نہ تھے آج کے دور میں عربی مدارس کے طلبہ کی آزادروی، ادب ناشناسی اور تہذیب باختگی کو دیکھتے ہوئے سوال ذہن میں یہ آیا کہ اس دور کا بھی یہی ماحول رہا ہوگا اور معدودے چند لوگ ہی ادب واحترام کی دولت سے سرفراز ہوتے تھے یا ماحول کچھ اور تھا) میں نے پوچھا حضرت! آپ کے دورِ طالب علمی میں طلبہ اور اساتذہ کے باہمی تعلقات کی کیا نوعیت تھی؟

حافظ ملت: اس وقت کے طلبہ، اساتذۂ کرام کا انتہائی ادب واحترام اور تعظیم و توقیر کرتے تھے، اساتذہ طلبہ پر شفقت و محبت فرماتے تھے، تعلیم و تربیت میں پوری توجہ وسعی کرتے تھے۔

بدر: جب آپ کی تعلیم مکمل ہو گئی اور صدرالشریعہ نے اپنی خصوصی نگاہ توجہ سے آپ کو علومِ اسلامیہ کا متبحر عالم بنا دیا تو دستار بندی کے بعد ملازمت نہ کرنے پر اصرار کیوں رہا؟

حافظ ملت: میں نے ملازمت کے لیے علم دین حاصل ہی نہیں کیا تھا، نہ مجھے ملازمت کی حاجت تھی،

عربی تعلیم سے پہلے میں امامت و مدرسی کے فرائض انجام دینے کے علاوہ اپنے گھر کا کام پڑوسیوں سے زیادہ کرلیا کرتا تھا، جو میری اور میرے متعلقین کی ضرورت کا کفیل تھا تو مجھے ملازمت کی کیا ضرورت تھی؟ البتہ یہ پختہ ارادہ تھا کہ سلسلۂ تدریس ضرور رکھوں گا خالصاً لوجہ اللہ پڑھاؤں گا، خانگی ضرورت کے لیے گھر کا کام یا تجارت کافی ہوگی، اسی لیے آگرہ کی جامع مسجد کی خطابت و امامت قبول نہیں کی، حالاں کہ تنخواہ سو روپیہ ماہانہ تھی اور حضرت صدر الافاضل قبلہ علیہ الرحمۃ نے انتہائی اصرار فرمایا تھا۔

بدر: اچھا حضور! آپ نے تو دور طالب علمی بھی درجہ کمال میں گذارا اور مدرسی کے میدان میں آئے تو امام المدرسین اور استاذ العلما ہیں، فرمائیں کہ آپ کی نگاہ میں دورِ طالب علمی اور عہد مدرسی کے انداز فکر میں کیا فرق ہے؟

حافظ ملت: اس انداز کو اگر عام رکھا جائے تو اس کا جواب گزر چکا اور اگر خاص میرے لیے ہو تو میں اب بھی طالب علم ہوں کہ طلبہ کا خادم ہوں۔

بدر: تعلیم و تعلم کے عنوانات زیر گفتگو تھے ہی کہ میرا ذہن اس ماحول سے ملک کے سیاسی و مذہبی ماحول کی طرف لوٹ گیا، کوئی بھی حساس ذہن اور بیدار دماغ جس سے مستقبل میں کوئی عظیم کام ہونے والا ہو اور اگلا دور اس کے کارناموں کی روشنی میں ایک بلند پایہ مدبر ثابت کرنے والا ہو وہ اپنے سن شعور میں سیاسیات ملکی اور اطراف واکناف کے ماحول سے کس قدر دلچسپی رکھتا تھا، اس کی آگاہی حاصل کرنے کے لیے میں نے پوچھا:

آپ کے سن شعور کے وقت ملک کا سیاسی مزاج کیا تھا؟

حافظ ملت: سیاست کے معنی اگر انتظام ملکی ہیں تو اس وقت نہایت معقول انتظام تھا، مظلوموں کی دادرسی ہوتی تھی، ظالموں کو پوری سزا دی جاتی تھی، اس وقت جتنی چوری ہوتی تھی اس سے زیادہ اب ڈاکہ زنی ہوتی ہے، اس وقت مار پیٹ کے جتنے واقعات ہوتے تھے اس سے زیادہ اب قتل وغارت ہو رہا ہے، ہر طبقہ نہایت مطمئن اور امن وچین کی زندگی بسر کرتا تھا، کچھ سیاسی جماعتیں میدان میں آئیں انھوں نے بڑی جدوجہد کی، متفقہ طور پر کوشش کر کے ملک کو آزاد کرایا اور جو اب حالات ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔

بدر: میں اس سلسلے میں کچھ اور سوال کرنا چاہتا تھا، مگر سیاسی رُخ کو مخصوص انداز میں موڑ دینے پر میں نے حضرت کی ناپسندیدگی کو بھانپ لیا اور روے سخن بدلتے ہوئے پوچھا کہ اُس وقت کی نام نہاد مسلم جماعتوں کا کیا حال تھا؟

حافظ ملت: دیوبندیت وغیرہ بہت کم زور اور دبی ہوئی تھی، مذہبِ اہل سنّت ہی مذہب حق ہے، عامۃ

المسلمین اسی پر قائم تھے، علمائے اہل سنّت کی بڑی مقبولیت اور بڑا اقتدار تھا، اب حالات آپ کے سامنے ہیں۔

بدر: حضور کیا میں پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ مبارک پور جیسے زبردست محاذ پر صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے کن وجوہ کی بنیاد پر آپ ہی کو منتخب فرمایا؟

حافظ ملت: اس سوال کا جواب حضرت صدر الشریعہ ہی دے سکتے تھے، مجھے حکم دیا اور فرمایا: میں باہر رہا اور میرا ضلع خراب ہو گیا، آپ کو دین کی خدمت کے لیے مبارک پور بھیجتا ہوں، جائیے، میں چلا آیا۔ یہ بھی فرمایا: حافظ صاحب! میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں، میں نے عرض کیا: حضور داؤں پیچ بھی بتا دیجیے، فرمایا: اللہ حافظ ہے۔

بدر: آپ نے ابتداءً اشرفیہ کی ترقی اور بہبود کے لیے کیا تدبیریں استعمال فرمائیں؟

حافظ ملت: میں نے کوئی تدبیر نہیں سوچی، مجھے حضرت صدر الشریعہ قبلہ نے دین کی خدمت کے لیے بھیجا، دینی خدمت سمجھ کر کام کیا، حضرت قبلہ کی دعا شامل حال تھی، ترقی ہوئی۔

بدر: کیا مبارک پور آنے پر آپ کے خارجی مخالفین کے علاوہ داخلی طور پر بھی کچھ لوگ مخالف تھے؟

حافظ ملت: مخالفت ہر قسم کی ہوا ہی کرتی ہے، کام کرنے والے اپنا کام کرتے ہیں، کام کا یہی طریقہ ہے، میں نے یہی کیا۔

بدر: اشرفیہ کے علاوہ آپ نے اور کہاں کہاں تعلیم دی؟

حافظ ملت: میں دور طالبِ علمی میں بھی پڑھاتا رہا، فراغت کے بعد بریلی شریف استاذ محترم حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک سال رہا، مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتا تھا، لیکن مبارک پور آنے سے پہلے نہ ملازمت کی، نہ کسی مدرسے میں مدرس رہا، یہ ارادہ ہی نہیں تھا۔

بدر: ۱۳۵۲ھ تا ۱۳۶۰ھ کے مبارک پور کا ماحول بڑی آویزشوں اور کشاکشی کا تھا، اس دور کے مخالفین کے بارے میں کچھ روشنی ڈالیے۔

حافظ ملت: میں نے مدرسہ اشرفیہ میں ماہ ذوالقعدہ ۱۳۵۲ھ سے کام شروع کیا، قصبہ (مبارک پور) میں کئی تقریریں ہوئیں، جناب حاجی محمد عمر صاحب علیہ الرحمۃ جو عقیدۃً سُنّی تھے، مگر اس وقت مولوی شکر اللہ صاحب (دیوبندی) کے قبضے میں تھے، حاجی محمد عمر صاحب نے اپنے مکان پر میری تقریر کرائی، حاجی محمد عمر کے مکان پر میری تقریر کا ہونا دیوبندیوں کو برداشت نہیں ہوا، اس لیے دیوبندیوں نے جلسہ کیا، جلسے میں میری تقریر پر اعتراضات کیے، اس کے بعد سُنّی میرے پاس آئے کہ جوابی جلسہ کیا جائے آپ جواب دیں، میں نے منع

کیا اور کہا: مجھے مدرسے کا کام کرنا ہے، میں سوال جواب کے لیے تیار نہیں، مگر سنیوں کا انتہائی اصرار ہوا اور جوابی جلسہ منعقد کیا، لامحالہ مجھے میدان میں آنا پڑا، میں نے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے مواخذات بھی کیے، جس کے جواب میں دیوبندیوں نے جلسہ کیا، یوں ہی مناظرانہ جلسوں کا سلسلہ جاری ہو گیا، ایک روز دیوبندیوں کا جلسہ، ایک روز سنیوں کا جلسہ، اس کا سلسلہ چار مہینے جاری رہا، بفضلہ تعالیٰ ہر مسئلے میں دیوبندیوں کو شکست اور سنیوں کو فتح ہوئی، روز روشن کی طرح حق واضح ہوا، مذہبِ اہلِ سنّت کی حقانیت کا ڈنکا بجا۔

بدر: صدرالافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو اپنے مدرسے میں کام کرنے کے لیے فرمایا، تو آپ نے اسے کیوں قبول نہیں کیا؟

حافظ ملت: وجہ یہی تھی، میں طے کر چکا تھا کہ میں ملازمت نہیں کروں گا، اس لیے صدرالافاضل قبلہ کے اصرار پر بھی میں نے انکار ہی کیا، وہ مجھے اپنے جامعہ نعیمیہ میں رکھنا چاہتے تھے، لیکن میں اپنے عزم پر تھا اس لیے منظور نہیں کیا۔

بدر: حضور! آپ بسلسلۂ وعظ و تقریر ملک کے کن حصّوں میں تشریف لے گئے؟

حافظ ملت: جس طرح علمائے کرام ملک کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں میں جہاں ضرورت ہوتی ہے جاتے ہیں، میں بھی گیا، کلکتہ، بمبئی، بنارس، مرزاپور، سیوان، مظفرپور، بستی، گونڈہ وغیرہ اضلاع، قصبوں، دیہاتوں میں جہاں مسلمانوں نے بُلایا چلا گیا۔

بدر: کن اہم کانفرنسوں میں شرکت کی اور کس مسئلے میں کیا رائے دی؟ حسب یاد داشت بیان فرمائیں تو کرم ہو۔

حافظ ملت: آل انڈیا سُنّی کانفرنس منعقدہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد، آل انڈیا سُنّی کانفرنس۔ کان پور، آل انڈیا سُنّی کانفرنس، منعقدہ بمبئی، آل انڈیا سُنّی کانفرنس۔ منعقدہ سیوان، صوبائی کانفرنس۔ منعقدہ جھالدہ۔ علمائے اہل سنّت نے حفاظت مذہب اہل سنّت و ترقی مذہب اہل سنّت و تنظیم اہل سنّت کے لیے جو رائے دی، میں بھی شریک رہا۔

بدر: حضور آپ مناظر کی حیثیت سے کہاں کہاں تشریف لے گئے، اس سلسلے کے کچھ واقعات سے نوازیے۔

حافظ ملت: بسڈیلہ ضلع بستی، بھدرسہ ضلع فیض آباد، لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی دیوبندی مناظر فرار ہو چکے تھے، مناظرہ کی نوبت نہ آئی۔

بدر: حضرت کو اداروں کے سنگ بنیاد کے سلسلے میں کہاں کہاں جانا ہوا؟ حسب یاد داشت

بیان فرمائیں۔

حافظ ملت: مدرسہ فاروقیہ بھوج پور ضلع مراد آباد، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور، مدرسہ عین العلوم گیا، مدرسہ اہل سنّت کہنہ گورکھ پور، مدرسہ انوار العلوم، جین پور اعظم گڑھ، مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع اعظم گڑھ، مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد، ضلع اعظم گڑھ، مدرسہ اہل سنت ابرہیم پور، اعظم گڑھ، مدرسہ کاملیہ ولید پور، ضلع اعظم گڑھ، دارالعلوم ضیاءالاسلام ہوڑہ، وغیرہ۔

بدر: حضور آپ نے بیعت کس سے کی اور خلافت واجازت کس کس سے حاصل فرمائی؟

حافظ ملت: زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت شیخ المشائخ مولانا سید شاہ علی حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ اجمیر شریف تشریف لائے اس وقت حضرت قبلہ کی غلامی میں داخل ہوا، حضرت ممدوح مبارک پور تشریف لائے، میں حاضر خدمت ہوا، مجھے خلافت عطا فرمائی، میں نے عرض کیا: حضور میں اس قابل نہیں ہوں، فرمایا: "داد حق را قابلیت شرط نیست" حضرت بڑے ہی کریم النفس تھے، بڑی شفقت فرماتے تھے، حضرت صدرالشریعہ قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی قادری، رضوی نسبت حاصل ہوئی، حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ نے مجھے اور مولانا سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ کو بریلی شریف میں خلافت عطا فرمائی۔

بدر: آپ کو "حافظ ملت" کا لقب کس نے دیا اور کب؟

حافظ ملت: مجھے "حافظ ملّت" کا لقب کسی نے نہیں دیا اور نہ میں القاب کا طالب، لوگ کہنے لگے اور لکھنے لگے بس، نہ میری خواہش کہ لوگ بڑے بڑے القاب سے یاد کریں۔

بدر: حضرت کچھ ایسے لوگوں کی نشان دہی فرمائیں جو آپ کی زندگی کا نمونۂ عمل ہیں۔

حافظ ملت: نمونۂ عمل کردار سے بنتا ہے، جو کردار لیتا ہے وہ نمونۂ عمل بنتا ہے، میں نے چالیس سال اشرفیہ، مبارک پور میں تدریسی خدمت انجام دی، بڑے بڑے قابل فاضل ہوئے، جو کردار اپنائے گا وہ نمونۂ عمل بنے گا، پڑھانا میرے اختیار میں تھا پڑھا دیا، نمونۂ عمل بنانا میرے اختیار سے باہر ہے۔

بدر: اُس دور کے علما میں صدرالشریعہ کی کیا حیثیت تھی؟

حافظ ملت: حضور اعلیٰ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے بعد زہد وتقویٰ، اتباع سُنّت، علم وفضل، خدمتِ دین میں حضرت صدرالشریعہ قبلہ علیہ الرحمۃ کا پہلا مرتبہ ہے، اس جامعیت میں موصوف منفرد ہیں۔

بدر: کیا اعلیٰ حضرت کے نزدیک بھی صدرالشریعہ کا علمی وقار مسلم تھا؟ اس کی کوئی نظیر مرحمت فرمائیں۔

حافظ ملت: حضرت صدرالشریعہ کا علمی وقار تو غیروں کو بھی مسلم ہے، اپنوں کا تو یہ عالم ہے کہ

حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ فرزند رشید حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے بھاگل پور کی کانفرنس میں علماے اہلِ سُنّت کا تعارف کرایا، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف کرایا تو فرمایا: ”یہ علم کی لائبریری ہیں“۔

حضرت مولانا صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھوچھہ مقدسہ کے مجمع عام میں حضرت قبلہ کا تعارف کراتے ہوئے آپ کے علم و فضل کے ذکر کے ساتھ یہ بھی فرمایا: ”یہ اعلیٰ حضرت کے احَبِّ خلفا ہیں“ اس سے اعلیٰ حضرت کی محبت معلوم ہوئی، اعلیٰ حضرت نے جو دینی خدمات آپ کو سپرد کیں ان سے آپ کا علمی وقار ظاہر ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ فرمایا کہ ” تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا“ اعلیٰ حضرت نے کسی کی بے جا تعریف نہیں فرمائی، اپنی نماز جنازہ کے لیے یہ وصیت فرمائی: ”حامد رضا خاں وہ دعائیں جو کہ فتاویٰ رضویہ میں لکھی ہیں، خوب ازبر کرلیں تو وہ نماز پڑھائیں، ورنہ مولوی امجد علی“۔

بدر: عربک یونیورسٹی قائم کرنے کا تصور آپ کے ذہن میں کب پیدا ہوا؟

حافظ ملت: میں نے ” دار العلوم اشرفیہ“ کو ترقی کی منزل پر پہنچانے کے لیے ”الجامعۃ الاشرفیہ“ قائم کیا، آج ہماری قوم کو سچے رہ نماؤں کی ضرورت ہے جو در حقیقت تحریر و تقریر اور قول و عمل میں مجاہد ہوں، الجامعۃ الاشرفیہ سے میرا مقصد درس نظامی کے منتہی طلبہ کو ہندی، انگریزی، عربی زبان کا صاحبِ قلم و لسان بنانا ہے، تاکہ وہ ہند و بیرونِ ہند مذہب حق اہلِ سنّت کی اشاعت کرسکیں، خیال تو بہت زمانے سے تھا، لیکن ہر کام کا وقت ہے، وقت آیا، ہوا، ہو رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہو گا۔

بدر: حضرت کی نگاہ میں کچھ لوگوں نے اشرفیہ کی مخالفت کیوں کی؟ اس پر کچھ روشنی ڈالیں۔

حافظ ملت: اس سوال کا جواب وہی لوگ دے سکتے ہیں، موافقت کرنے والا اس کے اسباب خود جانتا ہے، مخالفت کرنے والا مخالفت کے اسباب جانے گا دوسرے کو کیا معلوم؟

بدر: عربک یونیورسٹی مشن کے سلسلے میں آپ نے اہل مبارک پور کو کیسا پایا؟ تفصیلی تاثر سے نوازیں۔

حافظ ملت: مسلمانان مبارک پور نے دین متین بالخصوص جامعہ اشرفیہ کے لیے تن من دھن کی بازی لگاکر وہ قربانیاں پیش کی ہیں جو فی زمانہ اپنی مثال آپ ہیں، ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے ہمارے سلف صالحین کو مبارک پور بھیج دیا ہے، تاکہ سلف

صالحین کی دینی خدمات اور بے مثال قربانیاں جو لوگ کتابوں میں پڑھتے ہیں وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں، چناں چہ کانفرنس میں اخباری نمائندوں نے ان کے جذبات کا مظاہرہ دیکھ کر یہ کہا کہ ”مسلمانوں کے ماضی کے حالات جب ہم کتابوں میں پڑھتے تھے تو افسانہ سمجھتے تھے، لیکن ان مسلمانوں کو دیکھ کر اس کا یقین ہوا کہ افسانہ نہیں وہ واقعات و حالات نفس الامری حقیقت ہیں؛ کیوں کہ جب اس دور میں مسلمان ایسی قربانیاں پیش کررہے ہیں تو وہ دَور تو اسلام کے شباب کا دَور تھا“۔

بدر: مبارک پور کے علاوہ پورے ملک سے یونیورسٹی کے متعلق آپ کی کیا توقع تھی، جو پوری ہوئی یا نہیں؟

حافظ ملت: الجامعۃ الاشرفیہ دینی تعمیری کام ہے، پورے ملک سے خیر ہی کی توقع ہے اور پوری بھی ہوئی، جمشید پور ٹاٹا سے چندہ کی ابتدا کی، پہلی ہی مرتبہ توقع اور امید سے زیادہ چندہ ہوا، اس کے بعد کئی ہزار روپیہ میں وہاں سے لایا، اس کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا بھیمڑی (بھیونڈی) سے بھی تقریباً ایسی ہی وصولی ہے، بمبئی سے کثیر تعاون کا تخمینہ ہے، ناسک اور بنارس سے بھی بہت بڑی رقم وصول ہوئی، ہمیں پورے ملک سے پوری امید ہے۔

بدر: آپ کے خیال میں اشرفیہ کے مجوزہ خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے کس جذبے اور صلاحیت کی ضرورت ہے؟

حافظ ملت: اس سوال کا صحیح جواب مسلمانان مبارک پور اپنے عملی کردار سے دے رہے ہیں۔

بدر: کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ اشرفیہ کو اپنی حیات ہی میں کچھ ایثار پسند صاحب الرائے اور سنجیدہ ذہن لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیں جو آپ کے مرتب کردہ خطوط پر اس مشن کو ترقی دیں، یا موجودہ انتظامیہ اور شوریٰ اطمینان بخش حد تک خود مذکورہ بالا صفات کی حامل ہے؟

حافظ ملت: میری حیات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کب تک ہے، میں تو اسی وقت تیار ہوں، قوم نے میرے سر پر جو بار رکھا ہے اگر قوم آج چاہے تو وہ میری جگہ دوسرے کو مقرر کردے، یہ قوم کی امانت ہے، قوم کو اختیار ہے، مجھے اختیار نہیں۔

بدر: اشرفیہ کے مستقبل کی حفاظت کے لیے آپ کن چیزوں کو ضروری سمجھتے ہیں۔

حافظ ملت: اس کی حفاظت کے لیے اللہ کی رحمت اور مسلمانوں کا جذبۂ صادق ضروری ہے اور وہی کافی ہے۔

بدر: آپ نے اپنے عہدے (سربراہ اعلیٰ) کا استعمال کب کب کیا؟

حافظ ملت: میں نے اپنے کو ہمیشہ دارالعلوم اشرفیہ کا خادم جانا، خدمت ہی اپنا کام ہے، عہدے اور

اختیارات کا استعمال میرے خیال میں نہیں۔

بدر: آپ کی نگاہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا مستقبل؟

حافظ ملت: مستقبل کا حال اللہ جانے، اس کے دیے ہوئے علم سے اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ جانیں، مجھے کیا معلوم ہندوستان کا مستقبل کیا ہے؟

بدر: ہندوستان میں "مسلم پرسنل لا" میں ترمیم کے خلاف مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

حافظ ملت: اپنے دین کے تحفظ وبقا کے لیے حتی المقدور ہر مسلمان پر کوشش فرض ہے جو مناسب تدابیر ہوں عمل میں لائیں، سب سے ضروری تدبیر یہ ہے کہ مسلمان، مسلمان بن جائیں۔

بدر: عورت کو حق طلاق اور اسلامی قوانین ارث کے خلاف ہندوستانی حکومت کے مرتب کردہ قوانین پر موجودہ مسلمان کیا کریں؟

حافظ ملت: حق وہ ہے جو اللہ اور رسول نے دیا ہے، اس کے سوا سب ناحق ہے، مرد کو طلاق کا حق، حق ہے، عورت کو طلاق کا حق دینا ناحق ہے، خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے، عورت ناقص العقل ہے، مرد عاقل ہے، کامل العقل ہے، اس سے پہلے یورپ پر بھی یہ بھوت سوار ہوا، اس نے عورت کو بھی حق طلاق دیا، اس کے بعد جو طلاق بازی شروع ہوئی تو عاجز آ گئے، وراثت بھی علیٰ ہذا القیاس، مسلمان حتی الامکان مناسب تدابیر اختیار کریں اور مداخلت فی الدین سے اظہار بیزاری کریں، دین ومذہب میں مداخلت کا کسی کو حق نہیں، یہ مسلمان پر سب سے بڑا ظلم ہے۔

بدر: مسلمان موجودہ دور میں تبلیغ واشاعتِ مذہب کے لیے کیا کریں؟

حافظ ملت: خلاف شرع عمل مسلمان کے لیے کسی طرح جائز نہیں، مسلمان وہی ہے جو اللہ ورسول کا فرماں بردار ہے، یہ مسلمان کی غلط روی کا نتیجہ ہے کہ وہ خود ہی بدعمل، بدکردار ہو رہے ہیں؛ اسی لیے حکومت کو جرأت ہو رہی ہے، ورنہ مسلمان واقعی پختہ مسلمان عامل شریعت ہوتے تو ان کی برتری، کامیابی اور فیروز مندی کا تو وعدہ ہے، مگر بشرطے کہ ایمان واسلام واقعی ہو، نام کا نہیں۔

بدر: کیا موجودہ دور میں سُنّی علما صرف اسٹیجوں پر تقریر کر کے اپنے فرض سے سبک دوش ہو جائیں گے، جب کہ اسلام دشمن عناصر پریس اور قلم سے لیس ہو کر میدانِ عمل میں آ پڑے ہیں؟

حافظ ملت: ہر مسلمان مذہب وملّت کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، علمائے کرام زیادہ ذمہ دار ہیں، عوام جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ پریس کی طاقت بھی حفاظت مذہب کے لیے ضروری ہے تو علمائے اہل سنّت کا

تعاون کریں علماے اہل سنت ان شاء اللہ تعالیٰ قلمی خدمت بھی کریں گے اور حتی الامکان کرتے بھی ہیں۔

بدر: ماہ نامہ اشرفیہ کے بارے میں ارباب علم ودانش نکتہ چینی اور سقم آفرینی تو بہت کرتے ہیں، مگر اس کا فروغ واستحکام کیسے ہوگا اُس کی طرف سے نہ صرف یہ کہ بے توجہ ہیں بلکہ اس دروازے کو حسب مقدور سختی سے بند کیے ہوئے ہیں، کیا میں اس کے پس منظر سے واقف ہو سکتا ہوں؟

حافظ ملت: یہ کھلی اور ظاہر حقیقت ہے کہ سُنیوں میں جذبۂ تعاون نہیں، سنّیوں کے کتنے جرائد ورسالے شائع ہوئے اور اسی بیماری کی نذر ہوگئے، جماعتیں قائم ہوئیں اسی مرض کی شکار ہوگئیں، یہی اس کا پس منظر ہے۔

بدر: حضور یہ بتائیں کہ سنی علما ذی علم اور باصلاحیت ہونے کے باوجود ترقی کی راہ میں وہابیوں سے پیچھے کیوں ہیں؟

حافظ ملت: یہ بات ہی غلط ہے کہ سُنّی علما وہابیوں سے پیچھے ہیں، یہ اور بات ہے کہ وہابیوں، دیوبندیوں میں پروپیگنڈہ ہے، سُنّیوں میں پروپیگنڈہ نہیں، وہابیوں دیوبندیوں میں تنظیم ہے، سُنّیوں میں نہیں، یہی وجہ ہے کہ غیروں کا کام منظر عام پر کارنمایاں معلوم ہوتا ہے اور اپنوں کا کام منظر عام پر اس منزل پر معلوم نہیں ہوتا، اتفاق اور انتشار میں بڑا فرق ہے۔

بدر: کیا آپ کی نظر میں عربک یونیورسٹی کے خاکے میں صحیح رنگ بھرنے کے لیے خلوص نیت، حسن تدبیر اور دولت کے علاوہ اور بھی کسی چیز کی ضرورت ہے؟

حافظ ملت: خلوص نیت اور حسن تدبیر ہی ایسی چیز ہے کہ دولت بھی اس کے پیچھے پیچھے ہاتھ باندھے ہوئے چلتی ہے، میرے خیال میں تو اشرفیہ کی ترقی کے لیے کارکنوں کا اخلاص اور حسن تدبیر ہی کافی ہے۔

بدر: آپ کی زندگی کا سب سے خوش گوار وقت کون سا تھا؟

حافظ ملت: حاضری حرمین طیبین سے قبل میں کہا کرتا تھا کہ میری زندگی کا سب سے زیادہ قیمتی وقت زمانۂ طالب علمی کا نوسالہ دور ہے جو اجمیر مقدس بارگاہ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ میں حضرت صدرالشریعہ قبلہ علیہ الرحمۃ کی کفش برداری میں گزرا، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ میری زندگی کا سب سے زیادہ قیمتی اور پرکیف وقت وہ گیارہ روز ہیں جو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کے ایام ہیں، وہ بارگاہ عالی کہ جہاں رحمت الٰہی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے جس کے لیے فرمان شاہی ہے:

«من زارني بعد وفاتي كأنما زارني في حياتي».

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

بدر: آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ حضور!

حافظ ملت: میری سب سے بڑی تمنا رضاے الٰہی و رضاے رسول ہے، نماز میں درود شریف کے بعد پڑھنے کی مجھے بڑی بڑی دعائیں یاد ہیں، لیکن میں یہ مختصر دعا پڑھتا ہوں۔

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ [البقرۃ:۲۰۱]

حسنہ کے بہت معنی ہیں، میں حسنہ سے رضاے الٰہی و رضاے رسول مراد لیتا ہوں، میرے نزدیک رضاے الٰہی و رضاے رسول کے سامنے جنت ہیچ ہے۔

بدر: علم کی اہمیت کے بارے میں کچھ فرمائیے۔

حافظ ملت: علم کی اہمیت کا مسئلہ ایسا متفق علیہ ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، جاہل سے جاہل بھی علم کو بڑی اہم اور عظیم دولت سمجھتا ہے، دنیا کا علم بھی عزت و اقتدار کا ضامن ہے، چہ جائے کہ علم دین، علم دین وہ دولت عظمی اور عظمت کبری ہے کہ وہ انسان کو اشرف المخلوقات اور ممتاز کائنات بناتی ہے، مگر علم پر عامل ہونا شرط ہے۔

بدر: حضور آپ الجامعۃ الاشرفیہ کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔

حافظ ملت: میں یہ چاہتا ہوں کہ الجامعۃ الاشرفیہ کے فارغین سنی علما ہوں، وہ ہندی، انگریزی اور عربی میں صاحب قلم و صاحب لسان ہوں جو اپنے ملک ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مذہب حق اہل سنّت کی کما حقہٗ اشاعت و خدمت کر سکیں، میں الجامعۃ الاشرفیہ کو اسی منزل پر دیکھنا چاہتا ہوں۔

آخرت کی پہلی منزل

برادرانِ اسلام!

پیارے بھائیو! دنیا چند روزہ ہے اس کی راحت و مصیبت سب فنا ہونے والی ہے، یہاں کی دوستی اور دشمنی سب ختم ہونے والی ہے، دنیا سے چلے جانے کے بعد بڑے سے بڑا رفیق و شفیق بھی کام آنے والا نہیں، بعد مرنے کے صرف خدا اور اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کام آنے والے ہیں۔

سفر آخرت کی پہلی منزل قبر ہے، اس میں منکر نکیر آکر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ اسی کے ساتھ نبی کریم رؤف ورحیم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق مردے سے دریافت کرتے ہیں:

«ما تقولُ في هذا الرَّجُلِ».(۱)[عن أبي سعيد الخدري]

یعنی حضور کی طرف اشارہ کرکے پوچھتے ہیں کہ ان کی شان میں تو کیا کہتا ہے؟ اگر اس شخص کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عقیدت و محبت ہے تو جواب دیتا ہے کہ یہ تو ہمارے آقا و مولا، اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، ان پر تو ہماری عزت وآبرو، جان ومال، سب قربان ہے اس شخص کے لیے نجات ہے۔

اور اگر حضور سے ذرہ برابر کدورت ہے دل میں آپ کی عظمت و محبت نہیں ہے تو جواب نہیں دے سکے گا، یہی کہے گا: میں نہیں جانتا۔[حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ]

---

(۱) السيوطي (۹۱۱ھ)، شرح الصدور: ۱۸٤، إسناده صحيح.
الطبراني (۳٦۰ھ)، المعجم الأوسط: ۳/ ۱۰۵.

بداعمالی کا وبال

بداعمالی بلا شبہہ سبب ذلت اور باعث ہلاکت ہے، مسلمان اگر اپنی عزت چاہتے ہیں اور دونوں جہاں کی سربلندی و سرفرازی مقصود ہے تو جلد از جلد گناہوں سے سچی توبہ کر کے، نہایت مضبوطی کے ساتھ، صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں۔ حضرت شاہ آسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

کار امروز بفردا مگذار اے آسیؔ
آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل میں [1]

مسلمان کی شان

مسلمان کی یہی شان ہے کہ وہ اپنی زبان سے نہ جھوٹ بولے، نہ غیبت کرے، نہ چغلی کھائے، نہ گالی بکے، نہ کسی مسلمان کو برا کہے، نہ ہاتھ سے مارے، نہ ستائے، نہ تکلیف پہنچائے۔ [۲]

---

(۱) معارف حدیث، ص:۱۳۹

(۲) معارف حدیث، ص:۲۵

حامل لواے شریعت

حضرت مولانا سید افضل الدین حیدر صاحب قبلہ جامع مسجد درگ (ایم،پی)

مولانا المحترم، البدر المفخم، ذوالمجد و الکرم. السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا ملفوف گرامی، حامل جواب و درخواست معروض مسطور، موصول ہوکر کاشف صدور ہوا، اس بارے میں فقیر کی تحریر کی طلب، باوجود اظہار حقائق باہرہ وایراد دلائل قاہرہ من کثیر من الفحول اکمل حافظ ملت کی شان گویا آفتاب عالم تاب کو چراغ دکھانا ہے۔ وھو کما تریٰ، بہرحال الأمر ھو الأمر، وھو فوق کل شيء. محفوظ ذہنی کو ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پیش کرنا ہی پڑا۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

دعاے خیر وبرکت وسلامتی ساعات اجابت میں ضرور ضرور ہمیشہ یاد رکھیں، مولیٰ تعالیٰ انجام بالخیر فرمائے، بالنبي وآلہ الامجاد آمین.

اس میں شک نہیں، یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ مکان کی زینت وآبرو مکین کی خوبی وکمال پر موقوف ہے، اس طرح ہر مجلس و محفل کی تابانی میر مجلس سے ہے، جبھی تو بدر کامل کی طرح کلام مالا کلام تابان ودرخشاں ہے کہ خیر البقاع المسجد وشر البقاع السوق کہ مذکور اوّل کبھی خیر وبرکت سے خالی نہیں اور مذکور دوم کسی طرح شر سے بے لاگ نہیں۔

اس حقیقت کو پیش کرتے ہوئے ہر کس وناکس پر ہویدا ہے کہ مدرسہ اشرفیہ اپنی ابتدائی منزل و موجودہ منازل علیا و مراتب عظمیٰ میں تفہیم کے لیے محمود وایاز کی شان رکھتا ہے، فتدبر بالتدبر العمیق.

اور پھر ظاہر کہ یہ عروج وکمال حسب تمہید مذکورہ، متعلق بہ وثاق تعلق حضرت حافظ ملت، حامل لواے

شریعت، ہادی طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے، جنھوں نے اس دار ناپائدار کی چند روزہ مہلت میں کیا سے کیا کر دکھایا اور اپنی یہ روشن یادگار چھوڑ کر راہی فردوس و مکین دار بقا ہوئے۔

نچھاور مطر رحمت ہو گل باغ شریعت پر

تو اب کوئی ان منازل علیا سے گزرتے ہوئے دل میں حسرت و عظمت لیے ہوئے ایک راہ گزر کی طرح گزرتا چلا جائے اور اپنی بولی و خاص اداؤں سے گنگناتا چلا جائے اور ہم سنتے اور کیف حاصل کرتے چلے جائیں تو کیا محل عجب ہے کہ

آباد رہے ساقی دائم ترا مے خانہ ❁ کس شان کی منزل ہے کس شان کا کاشانہ
موجود تھا ساقی تو دیکھا تھا ولیکن اب ❁ اجڑی ہوئی محفل ہے ٹوٹا ہوا پیمانہ
یارب تو مساعی کو اس بدر منور کے ❁ مشکور کرم فرما از لطف کریمانہ
بس ختم سخن اس پر اے افضلؔ خستہ کر ❁ نورانی شعاعوں میں اک لطفۂ مستانہ

هو الأوّل والآخر. فقط والسلام مع الاكرام.

ملت کا حافظ

حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں مصباحی کچھوچھوی جانشین محدث اعظم ہند قُدِّسَ سِرُّہٗ

تعارف مقالہ نگار:

علامہ سید مدنی میاں کچھوچھوی یکم رجب المرجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۸/ اگست ۱۹۳۸ء کو کچھوچھہ مقدسہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم والد ماجد حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک تشریف لائے اور ۱۰/ شعبان ۱۳۸۲ھ میں سند و دستار سے نوازے گئے۔

حضور حافظ ملت کے مشہور تلامذہ میں شمار ہے، ایک بہترین محقق، مصنف، ادیب، شاعر اور شیخ طریقت ہیں، ملک و بیرون ملک میں اپنے خطاب کے ذریعہ تبلیغی خدمات انجام دیں۔

سید التفاسیر جسے محدث ہند نے شروع کیا تھا اسے انھوں نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا، جو چودہ جلدوں میں مطبوع ہے، اس کے علاوہ تقریباً دو درجن کتابیں نوک قلم سے وجود میں آئیں۔

اللہ تعالیٰ ان کا سایہ دیر تک ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین

ملت کا حافظ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملت کی حفاظت میں گذرا، جس نے ملت کی حفاظت فرمائی؛

تقریر سے، تحریر سے، تدریس سے — مناظروں کے ذریعے احقاق حق اور ابطال باطل سے اپنی زندگی کو اسوۂ نبی میں ڈھال کر۔

اپنی درس گاہِ علم و ادب سے جلیل القدر علما و اساتذہ، خطبا، اصحابِ قلم، مناظرین، متکلّمین، مفسّرین، محدثین اور اصحابِ افتا پر مشتمل ایک خدائی گروہ بنا کر — خانقاہوں میں بیٹھ کر، جامعہ اشرفیہ کے لیے زندگی وقف

کرکے، اسٹیج پر رونق افروز ہوکر — اپنی درس گاہ علم وادب میں پڑھنے والے کو اپنے فیضِ نگاہ سے اس منزل تک پہنچاکر کہ وہ علمی شہرت کے مالک ہوجائیں۔

المختصر! ملت کے حافظ نے ملت کی حفاظت کی، ہر آں موئثر ذرائع کو استعمال فرماکر جو ملت کی حفاظت کے لازمی وسائل تھے — حافظ ملت کیا تھے؟

میرے استاذ اور میرے اکثر اساتذہ کے استاذ — میرے جد کریم، آئینہ غوث نما، محبوب نورانی، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، شیخ المشائخ، سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی جیلانی قُدِّسَ سِرُّہ العَزِیز کے عظیم المرتبت مرید وخلیفہ — صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب قُدِّسَ سِرُّہ العَزِیز کے چہیتے خلفا اور ارشد تلامذہ سے،

شریعت وطریقت کے سنگم — علم بے کراں اور علم بے پایاں کی چلتی پھرتی تصویر — اپنے بزرگوں اور اپنے مشائخ اور اپنے اساتذہ کی کرامت — اپنے نبی کا معجزہ — اپنے خدا کی نشانی — میرا اذعان ویقین بولتا ہے کہ نہ خدا کی نشانی مٹ سکتی ہے اور نہ نبی کا معجزہ فنا ہوسکتا ہے، اور نہ ہی بزرگوں کی کرامت کو زوال ہے۔ لہٰذا — حافظ ملت زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں — ہاں ہماری ظاہری نگاہوں سے دور ہوگئے، مگر آج بھی وہ ہم میں ہیں — رب تعالیٰ ان کے روحانی فیوض وبرکات سے ہمیں کبھی محروم نہ فرمائے، آمین۔

استاذ العلماء، جلالۃ العلم، حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا سانحۂ اِرتحال سارے عالم اسلام کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔

تیرہ و تار تھی پہلے ہی یہاں شام حیات ❁ دامن چرخ سے اک اور ستارا ٹوٹا
کوئی بتلاؤ مری قوم کے معصوموں کو ❁ کون برباد ہوا کس کا سہارا ٹوٹا

معین احسن جذبی کی زبان میں:

آج اک جادۂ پُر پیچ کا راہی گم ہے ❁ اک حریفِ المِ نامتناہی گم ہے
ایک سودائیِ تعمیر گلستاں مفقود ❁ ایک آوارۂ طوفانِ تباہی گم ہے
اک دہکتا ہوا شعلہ نہیں مے خانے میں ❁ اک مہکتی ہوئی سرشار نگاہی گم ہے

جذبی کے اشعار کا روئے سخن تو مجاز کی طرف ہے، مگر میں "آوارہ" کی جگہ "آمادہ" رکھ کر حافظ ملت کو ان اشعار کے مرکزی خیالات کا صحیح مصداق پا رہا ہوں، یقیناً حافظ ملت نے اپنے لیے جس شاہ راہ عمل کو تجویز کیا، اس میں بے حد پیچ وخم تھے، جن پر چل کر آپ نامحمود مصائب سے آنکھیں ملاتے رہے۔

یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ "باغ فردوس" (مدرسہ اشرفیہ کا تاریخی نام) بلفظ دیگر "اشرفی گلستاں" کی تعمیر کا سودا آپ کی رگ وپے میں لہو بن کر دوڑ رہا تھا، یہی تعمیر کا سودا تھا، جس کو لیے آپ بستی بستی، صحرا صحرا، گوشہ گوشہ، محفل محفل، ڈگر ڈگر، نگر نگر، پھرتے رہے، اور اس راہ کے طوفان تباہی کی بے پناہ شورشوں کو برداشت کرنے کے لیے اپنے کو آمادہ فرماکر ہر آن سرگرم عمل رہے۔

حافظ ملت اشرفیہ مے خانے کا دہکتا ہوا شعلہ تھے، جن سے اپنوں نے نور لیا، اور اغیار خاکستر ہو گئے، آپ مہکتی ہوئی سرشار نگاہی کے حامل تھے، جو آپ کے قریب ہو جاتا آپ کا ہی ہو جاتا، اور آپ کی محبت کے نشے میں ڈوب جاتا۔

المختصر: حافظ ملت نے جو سوچا، اس پر چل کر دکھایا، اور ہر ممکن طرح سے ملت کی حفاظت فرمائی اور جانے سے پہلے بے شمار اصحابِ قلم، اصحاب زبان، اور اصحاب علم چھوڑ گئے، تاکہ وہ ان کے باقی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ملت کی حفاظت کریں۔

حافظ ملت، ایک فرد نہ تھے، بلکہ علم وادب کا ایک عظیم ادارہ **"الجامعۃ الاشرفیہ"** کے فروغ و ارتقا کی تاب ناک علامت تھے، آج بھی گویا وہ فرما رہے ہیں:

روش دہر کا ہر نقش پکارے گا مجھے ❁ یہ نہ سمجھو کہ مجھی تک مرا افسانہ ہے

ہم دم ودم ساز

علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ، عالم گیر روڈ، کراچی

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۸ء کو بریلی میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ اور منظر اسلام بریلی شریف سے حاصل کی، ۱۹۲۶ء میں والد ماجد کے ہم راہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف گئے اور درس نظامیہ میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کرتے رہے، دورۂ حدیث کے لیے دوبارہ منظر اسلام آئے اور یہیں سے فراغت حاصل کی اس کے بعد جامعہ ازہر قاہرہ مصر گئے اور وہیں تین سال تک اکتساب علم کیا۔

خدمات: فراغت کے بعد دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں، علی گڑھ، مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف اور دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

تقسیم ہند کے بعد جامعہ محمدی جھنگ، جامعہ رضویہ منظر اسلام پنجاب اور دارالعلوم امجدیہ کراچی پاکستان میں تشنگان علوم وفنون کو سیراب کیا۔

وصال: ۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۹ء بروز منگل۔

حافظ الملۃ حافظ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ شیخ الحدیث وبانیِ جامعہ اشرفیہ کی زندگی کے مندرجہ ذیل ادوار ہیں:

(۱)-زمانہ حفظ قرآن۔

(۲)-زمانہ طالب علمی مرادآباد میں۔

(۳)-زمانہ طالب علمی اجمیر شریف میں۔

(۴)-زمانہ طالب علمی بریلی شریف میں۔

(۵)-درس وتدریس دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور میں۔

(۶)-مناظرہ مبارک پور کے گستاخانِ رسول سے جو تقریباً ۶/ ماہ یا زیادہ عرصہ تک جاری رہا اور اس

میں دیوبندیوں کی عبرت ناک شکست۔

(۷)-دارالعلوم اشرفیہ کی نئی عمارت اور اس کی تعمیر۔

(۸)-اشرفیہ مبارک پور کی منتظمہ سے اختلاف اور سفر ناگ پور۔

(۹)-ناگ پور کے زمانے میں تعلیم و تدریس و تقاریر وغیرہا۔

(۱۰)-ناگ پور سے واپسی پھر دارالعلوم اشرفیہ میں اور اشرفیہ کا دور ترقی۔

(۱۱)-جامع مسجد مبارک پور کی تجدید و توسیع عمارت۔

(۱۲)-اشرفیہ کی ترقی و تجدید کے دور کی توسیع اور یوپی و بہار اور دوسرے صوبوں میں کامیاب علمی دوڑ دھوپ۔

(۱۳)-حضرت حافظ صاحب قبلہ بحیثیت ایک بزرگ صوفی صاحب سلسلہ کے۔

(۱۴)-حضرت حافظ صاحب بحیثیت ایک مدرس و منتظم کے۔

(۱۵)-حضرت حافظ صاحب بحیثیت ایک مصنّف کے۔

(۱۶)-اور بحیثیت ایک خطیب و مقرر کے۔

(۱۷)-جامعہ اشرفیہ اور اس کا توسیعی، تعلیمی منصوبہ اور اس کے لیے کامل جدوجہد۔

(۱۸)-شاگردانِ خاص اور ان کی علمی تگ و دو۔

(۱۹)-وفات۔

(۲۰)-اولاد۔

ان میں سے بہت سے عنوانوں کی تفصیل پر گفتگو ان لوگوں کے لیے بہت آسان ہے جنھوں نے یہ عہد دیکھے ہیں اور ایسے حضرات اب بھی مبارک پور میں ہوں گے اور بعض کتابوں میں بھی ان کے بارے میں اجمالی امور مذکور ہیں، زماں صاحب اور دوسرے شعرا کے کلام اگر محفوظ ہوں تو مبارک پور کی ابتدائی کیفیتوں کا اظہار اُن سے ہو سکتا ہے۔

میں فقیر عبدالمصطفیٰ الازہری غفرلہ کہتا ہوں کہ حافظ صاحب اور ان کے ساتھ اور دوست، جب مراد آباد سے اجمیر شریف آئے تو وہ میرا ابتدائی زمانۂ تعلیم تھا، ہم لوگ والد صاحب کے ساتھ دھان منڈی کے دارالاقامہ (بورڈنگ) میں اُس زمانے میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے، اس کے بعد یہ بورڈنگ ہاؤس وہاں

سے منتقل ہو کر درگاہ بازار آگیا، اس بورڈنگ کے سامنے ایک بڑی مسجد تھی، جو غالباً "گھانس کٹلہ کی مسجد" کہلاتی تھی، حافظ صاحب وہاں امامت پر مقرر ہو گئے تھے اور جب تک اجمیر شریف میں رہے وہیں اقامت پذیر رہے، حضرت قبلہ صدرالشریعہ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے یہاں حاضری اکثر دیا کرتے اور والد صاحب کے گھریلو تمام کام، بازار سے کپڑا لانا اور تھوک سامان وغیرہ لانا، یہ سب حافظ صاحب کے سپرد تھا اور وہ ان کاموں کے بہت ماہر تھے، گندم خریدنا اور پسوانا اور پھر پسا ہوا آٹا گھر پہنچانا، یہ سب کام بڑی محنت سے کیا کرتے تھے اور تعلیم و مطالعہ میں زیادہ تر وقت صرف کیا کرتے تھے، اُس کے بعد حضرت نے استعفا دیا تو حافظ صاحب، مولانا رفاقت حسین صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا غلام یزدانی صاحب اور دیگر حضرات اپنی کتابوں کے پڑھنے کے لیے گھر پر ہی آیا کرتے تھے اور پھر حدیث شریف کی تکمیل وہیں ہوئی، لیکن اختلاف کی وجہ سے دستار بندی کی رسم ادا نہ ہو سکی، اس کے قبل آپ حضرات کا سالانہ امتحان مولانا فضل حق رام پوری علیہ الرحمۃ نے لیا اور اپنی معائنہ رپورٹ میں اس بات کی تصریح کی کہ پورے ہندوستان میں کسی مدرسہ میں ایسے طالب ہرگز نہیں، اس کے بعد ۱۹۳۲ء کے آخر میں اجمیر شریف سے والد صاحب قبلہ بریلی آگئے اور بریلی شریف میں ۱۹۳۳ء تک آپ نے قدیم و جدید اور دیگر نایاب کتابیں حضرت قبلہ والد صاحب سے پڑھیں، جن میں مذکورہ بالا افراد بھی ہم درس تھے، غالباً ۱۹۳۳ء کے آخر میں مبارک پور والوں نے اپنے مدرسے کے لیے ایک عالم کی خواہش ظاہر کی، والد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی نگاہ انتخاب بے شمار وجوہ کی بنا پر حافظ صاحب پر پڑی جن میں سے بعض کی طرف اشارہ حضرت نے اپنے اُس گرامی نامہ میں بھی کیا جو حافظ صاحب کی تقرری کے لیے وہاں بھیجا تھا، جس میں خاص کر مبارک پور کے اور ضلع اعظم گڑھ کے ماحول میں آپ کے سموئے جانے کا تذکرہ بھی تھا، والد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی پیشین گوئی اور بالغ نظری کا ثبوت یہ طویل عرصہ ہے جو ۱۹۳۳ء سے آج تک پر مشتمل ہے۔

حافظ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی چند خصوصیات میں سے ایک یہ خصوصیت تھی کہ وہ اپنے اساتذہ اور اپنے تمام مشایخ اور ان کے متعلقین کا پورا پورا ادب کرتے تھے، کسی فعل یا قول سے یا ترکیب سے وہ ایسا ظاہر نہیں کرتے تھے کہ کسی بزرگ سے تعلق میں کوئی کمی ظاہر کریں، میں جب ۱۹۶۱ء میں ہندوستان حاضر ہوا تو حافظ صاحب خود میرے مکان پر ملنے کے لیے تشریف لائے، اتفاق سے میں دوسری جگہ تھا تو وہ وہاں تشریف لائے اور ملاقات کی اور نہایت ہی محبت اور تواضع سے پیش آئے اور یہ میری آخری ملاقات تھی، اُس کے بعد اُن سے

ملنے کا موقع ہی میسر نہ آسکا۔

جب میں دارالعلوم اشرفیہ میں مدرس تھا تو حافظ صاحب نے مسلم شریف میرے متعلق کی ہوئی تھی اور کئی سال تک جب تک میں مبارک پور رہا دورہ کے طلبہ کو مسلم شریف پڑھایا کرتا تھا، بعد میں جب میں بحیثیت شیخ کے جامعہ محمدی شریف آیا تو مجھے بخاری پڑھانے میں کسی قسم کی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

شمع خاموش

حضرت مولانا سید ظفر الدین اشرف سجادہ نشین آستانہ حضور مخدوم پاک علیہ الرحمۃ کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد

عزیزی بدر القادری!

سلام ورحمت، دعاے درویشانہ

آپ ماہ نامہ اشرفیہ کا "حافظِ ملّت نمبر" نکال رہے ہیں، معلوم کرکے بے حد خوشی ہوئی، دعاگو ہوں کہ مولا تعالیٰ اس کار نیک کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

"شمع خاموش" کے عنوان سے میں اپنے تاثرات ارسال کر رہا ہوں مناسب ہو گا تو شامل اشاعت کر لینا، میں اپنی مصروفیات اور ذہنی تفکرات کی بنا پر آپ کی خواہش کی تکمیل تو نہ کر سکا، البتہ اس گراں قدر **"نمبر"** کے قارئین کے لیے بار بنا ہوں۔

حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ جیسی عہد ساز اور ہمہ گیر شخصیت کے متعلق کچھ کہنا اور کچھ لکھنا صرف بڑے لوگوں کا کام ہے، میں ان تمام حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ جنھوں نے **"حافظِ ملّت نمبر"** کی اشاعت میں ادارے سے ہر طرح کا تعاون کیا ہے۔

دعاگو:

فقیر سید ظفر الدین اشرف

طاق حرم ہوں یا دیر و کلیسا کے شمع دان، حجلۂ عروسی ہو یا لوح تربت، کوئی بھی رنگ ہو یا کوئی زمانہ، شمع بہر حال آفتاب کی پہلی کرن کا استقبال کرنے کے بعد ہی خاموش ہوتی ہے، اسے نہ تو اپنی تنہائی و بے چارگی کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی کاروبارِ حیات کی ہنگامہ آرائیوں کا، وہ حوادثاتِ زمانہ سے بے نیاز اپنی موجودگی کا احساس سب کو دلاتی رہتی ہے، خود جل کر اور اپنی غیر متعصبانہ روشنی سے آوارگانِ راہ کو منزل کا پتا دیتی ہے، حامل بصیرت و بصارت کبھی اس کی مدھم روشنی پر طعنہ زن ہو کر نوک زبان جلا لیتے ہیں اور کبھی نور افشاں لَو کی

ستائش میں وہ شعلہ افشانی کرتے ہیں کہ حاسدوں کی آبلہ بدنی ان کی جلن کی غماز ہوتی ہے۔

عرصہ ہوا ایک شمع "جامعہ اشرفیہ" مبارک پور میں روشن ہوئی جس نے نہایت خاموشی اور جاں سوزی سے ان عظیم کارہائے دینیہ کو روشنی بخشی اور اس فردوس گم شدہ کی نشان دہی کی جس کے ایک عرصہ سے ہم سب متلاشی تھے اور تلاش وجستجو میں اپنی زندگی اور آبلہ پائی کا اعتراف دبی زبان سے کر رہے تھے۔

اک شمع جل رہی تھی سو وہ بھی خموش ہے

"شمع خاموش" (حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ) سے ہماری زبوں حالی اور نڈھال چہرے دیکھے نہ گئے، اس لیے اپنے نحیف جثہ مگر بے پناہ تاب ناک وجود سے ہمیں روشنی اور حوصلہ عطا کیا، ہم جو اب تک میلوں ٹھیلوں کی بھیڑ بنے ہوئے تھے ہر محاذ پر ہر قسم کے نامساعد حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے صف آرا ہو گئے اور جب علم پاسبانی حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے آہنی پنجوں میں پہنچا تو کچھ راکھ کا ڈھیر بن گئے، حافظِ ملّت کا نعرۂ مستانہ حدود ہند سے باہر نکلا تو پورے ایشیا پر محیط ہو گیا اور باد تند و سیل رواں کے مانند ایشیا سے نکل کر افریقہ و یورپ پہنچا تو جرأت مندوں نے صدائے لبیک بلند کی۔

بیسویں صدی کی دو چوتھائی بیت چکی ہے "جامعہ اشرفیہ، مبارک پور" کو دنیائے سنیت عربی عالمی درس گاہ کی شکل میں دیکھنے کے لیے بے تاب ہے، غیروں کا تو شکوہ ہو سکتا ہے، لیکن اپنوں سے شکایت کیسی، رستے ہوئے زخموں کی چارہ سازی کے بجائے نمک پاشی ہو رہی ہے، جب تعمیری ذہن تخریب پر مائل ہوں تو معمار کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جانا یقینی امر ہے، لیکن جو شخصیت خواب دیکھنے کے بعد تعبیر سے بے نیاز ہو جائے، جو طوفانوں کا مقابلہ سبزۂ بے گانہ کی طرح کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو، وہ اپنوں کی مخالفت سے کب گھبرائے گا اپنے بہر حال اپنے ہوتے ہیں اور ان کی مخالفت میں بھی محبت اور خلوص کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔

باوجود اس کے کہ مخالفین نے کافی تگ ودو اور جہد مسلسل سے کام لیا، لیکن پھر بھی الجامعۃ الاشرفیہ کا انعقاد ہونا تھا ہو کر رہا اور آج تشنگان علم دین متین اس مثالی دانش گاہ سے سیراب ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ صبح قیامت تک اس منارۂ نور سے آنے والی نسلوں کو روشنی ملتی رہے گی جسے ایک شمع خاموش نے اپنی مدھم لَو سے روشن و منور کیا ہے۔

حافظ ملت معمار قوم

عالی جناب ڈاکٹر نسیم قریشی شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت حافظِ ملّت خلد آشیانی کے متعلق تاثراتِ عقیدت پیش کرنے کے لیے قلم اٹھایا تو ان کی بلندی وبزرگی اور اپنی بے مائگی اس طرح نمایاں ہوکر سامنے آئی کہ حوصلہ بے دم ہوکر رہ گیا، اس زمانے میں جب مسلمانوں کے درمیان شب وروز قوم کا غم کھانے والوں کی بے انتہا فراوانی ہے اور سچی بہی خواہی اور دردمندی رکھنے والے عنقا ہورہے ہیں، حضرت مکرم کی ذات غنیمت ہی نہیں ایک نعمت تھی، ایک ایسی گراں بہا نعمت جس کی صحیح قدر وقیمت کا اندازہ ہمیں اسے کھودینے سے ہورہا ہے، مجھے حضرت والا کی ذات سے گہری عقیدت کے پیش نظر نیاز حاصل کرنے اور استفادہ کرنے کی دلی آرزو تھی، حرماں نصیبی نے یہ آرزو پوری نہ ہونے دی، لیکن ابھی حال ہی میں ان کے مزار مبارک پر حاضری اور فاتحہ خوانی کا شرف حاصل ہوا، میرے دل پر تاثرات کا جو ہجوم تھا، جذبے جس شانِ والہانہ کے ساتھ موجزن تھے اور اس آستانۂ مبارک پر نور وروحانیت کی جو فضا طاری تھی، وہ سب مل کر ایک ایسے احساس میں ڈھل گئے ہیں جو جاوداں سرشاریوں سے بھرپور ہے۔ اللہ کا یہ صالح بندہ جو آج زیرِ خاک آرام کررہا ہے، اپنے پیچھے ایک ایسی تڑپ چھوڑ گیا ہے جو حساس دلوں کو برابر خدمت کے اعلیٰ ترین جذبات سے گرماتی رہے گی، جس کی بدولت وہ عظیم منصوبہ جو اس بڑے دل ودماغ والے انسان نے بنایا تھا، تکمیل کی منزلیں طے کرتا رہے گا۔

ایک وسیع میدان، اس کے درمیان عمارتوں کا ایک سلسلہ، وہاں ذکر الٰہی اور ذکر رسالت پناہی کا مسلسل اہتمام، گویا گردش شام وسحر کے درمیان جاوداں نغمۂ حیات کی گونج، بطن زمین سے ابھرنے والے سرمدی ترانے، فضائے بسیط پر چھاجانے والے اور آسمان کی بلندیوں پر جادو جگانے والے وہ نغمے جن کی دھڑکنوں میں زندگی کی موجِ مستی ہے کہ پڑی رقص کررہی ہے، کیا سماں تھا، کیا منظر تھا، کیا ماحول تھا، ارباب علم وفضل اور نونہال شائقین علم کا ہجوم، اس مجمع نورانی میں حقیر وبے مایہ، خاطی وعاصی کے وجود سیہ کی حیثیت داغ سویدائے بہار سے زیادہ کیا ہوسکتی تھی، کتنی بڑی بات ہے کہ زندگی کو چند لمحات مل گئے جو سچی قدر وقیمت کے حامل ہیں۔

حضرت حافظ ملت ایک زبردست معلم تھے، بڑا منصوبہ بنانے والا ذہن رکھتے تھے، عزم کار سے بہرہ مند تھے اور قوت وصلاحیت کے آخری ذرّے کو بھی داو پر لگانے کا حوصلہ رکھتے تھے، انھوں نے لاکھوں انسانوں کے تصور کو پیکر حقیقت بخش دیا اور اتنے بڑے کام کا سلسلہ ڈال دیا کہ نسلیں اس سے لگی لپٹی رہیں گی اور خیر جاریہ کا اجر جنّت الفردوس کی نورانی دنیا میں انھیں برابر ملتا رہے گا۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا نہ بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حافظ ملت میری نظر میں

از: حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، شیخ الحدیث فیض الرسول براؤں ضلع بستی

تعارف مقالہ نگار:

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ مصنفِ "سیرۃ المصطفیٰ" کا شمار ہندوستان کے عالی مرتبت علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ صوبہ اتر پردیس کے مشہور قصبہ گھوسی محلہ کریم الدین پور میں ۱۳۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی اور متوسطات کی تعلیم والد گرامی اور دیگر مدارس سے حاصل کی، پھر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں، مولانا حامد رضا خاں، مولانا محمد رضا خان علیہم الرحمۃ سے علم حاصل کیا۔ صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں، علی گڑھ چلے گئے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔

۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے جامعہ عربیہ ناگ پور تشریف لے گئے تو آپ صدر المدرسین کی حیثیت سے اشرفیہ آئے اور جب ایک سال کے بعد حافظ ملت علیہ الرحمہ دوبارہ اشرفیہ تشریف لائے تو ان کی صدارت میں دس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اشرفیہ آنے سے پہلے اور بعد بھی کئی مدارس میں مدرس کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔

آپ کی تصنیفات میں "سیرۃ المصطفیٰ" اور "جنتی زیور" بہت مشہور ہیں۔

۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

۵/رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ/۱۵/مئی ۱۹۸۵ جمعرات کے دن اللہ کو پیارے ہو گئے۔

یہ شرف میرے لیے باعثِ فخر ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) مبارک پور کے بانی، فضیلت مآب، استاذ العلما حضرت مولانا الحاج حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ مراد آبادی اعلی اللہ مقامہ میرے استاذ بھائی تھے،

لیکن وہ علوم واعمال اور زُہد وتقویٰ کے فضل وکمال میں مجھ سے بدر جہابالاتر، بلند مرتبہ اور عظیم الشان عالم نبیل وفاضل جلیل تھے، بلا شبہہ ان کی وفات حسرت آیات سے تعلیمی دنیا کو جو نقصانِ عظیم پہنچا ہے وہ یقیناً ناقابلِ تلافی ہے۔

آپ کی رحلت کے بعد علماے اہل سنّت کے اصاغر واکابر نے انھیں جس جس طرح سراہا اور نو آموز قلم کاروں سے لے کر کہنہ مشق فن کاروں تک نے جن جن عنوانوں کے ساتھ ان کے شان دار کارناموں پر خراجِ عقیدت پیش کیا، موجودہ صدی کے علماے سلف میں اس کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری، یہی وجہ ہے کہ آٹھ ماہ گزر جانے کے باوجود **"رسالہ اشرفیہ"** عزیزیات کے گل ہاے رنگا رنگ کو اپنے وسیع دامنوں میں سمیٹنے سے قاصر رہا جس کی تلافی کے لیے اب **"حافظ ملت نمبر"** کو خلعتِ وجود پہنانا پڑا، کاش! اس کے بعد حضرت علامہ ارشد القادری صاحب آپ کی **"سوانح حیات"** بھی مرتب فرما لیتے تاکہ ان سب بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پروکر ایک ایسا خوش نما ہار تیار کر لیا جاتا جس کی چمک دمک کو برسہا برس کی گردش لیل ونہار بھی محو نہ کر سکتی اور یہ حضرت حافظ ملت کے علمی وعملی شاہ کاروں کی یادگار بن کر آئندہ نسلوں کے لیے خضر راہ وباعثِ افتخار بن جاتا، میری نظر میں اس کی بے حد اہمیت ہے، کیوں کہ فقہِ تاریخ کے تمام مفتیوں کا یہ متفق علیہ فتویٰ ہے کہ جو اخلاف اپنے اسلاف کے کارناموں کو فراموش کر دیتے ہیں ان کے عروج وارتقا کی شہ رگ کٹ جاتی ہے اور جو قومیں اپنے قومی ہیروں کو بھلا دیا کرتی ہیں وہ مردہ ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جایا کرتی ہیں۔

حافظ ملت کی کتاب زندگی کے جن جن عنوانوں پر مجھ سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا، انھی مضامین کے بار بار اعادہ وتکرار کی بجاے میں اپنی ان چند سطروں میں چند ایسے حقائق کی نقاب کشائی کر دینا زیادہ پسند کرتا ہوں جنھوں نے میرے دل ودماغ کو انتہائی متأثر کیا ہے، ممکن ہے بعض صاحبان کو میری یہ روش ناپسند ہو، مگر بہر حال دنیا میں اس مرض کا کوئی علاج ہی نہیں:

مجھے تو، ہے محبوب، مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی، خیال اپنا اپنا

میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ میری نگاہِ نقد ونظر میں یہ حقائق حافظ ملّت کی کتاب زندگی کے اتنے زرّیں اور تابناک اوراق ہیں کہ ان کی چمک دمک کے مقابل کشف وکرامات کے سیکڑوں دفتر اوراق پارینہ کے بنڈلوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور میرے خیال میں یہ حقائق حافظ ملت کی وہ ممتاز خصوصیات ہیں جو اُن کے آسمان زندگی میں ستاروں کی طرح چمکتی اور اُن کے چمنستانِ حیات میں پھولوں کی طرح مہکتی رہی ہیں اور

در حقیقت ان حقائق سے چشم پوشی قاضیِ قلم کی منصف مزاج کچہری میں اتنا بڑا اور سنگین جرم ہے جتنا کہ آنکھیں بند کر کے آفتابِ عالم تاب کی روشنی کا انکار کرنا۔

لیجیے اب میں ان حقائق کی نقاب کشائی کرتا ہوں، آپ ان کے حسن وجمال کا نظارہ کیجیے:

(۱)

مشاہیرِ عالم کی طویل فہرست میں ہزاروں نام ایسے ملیں گے جو اپنے آباء واجداد کی عزت وشہرت کے بل بوتے پر اور ان کے حلقۂ ارادت کی دَل بادَل فوجوں کی بدولت عزت وشہرت کا ڈنکا بج گیا، مگر ان ہستیوں کی فہرست بہت ہی مختصر ہے جنھوں نے بالکل ہی گوشۂ گم نامی میں جنم لیا اور ان کے باپ داداؤں میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جن کی عزت وشہرت کا ان کے گھر کی چہار دیواری کے باہر چرچا رہا ہو، مگر وہ اپنی نظری صلاحیتوں اور اپنی ذاتی محنتوں سے فضل وکمال کی اتنی اونچی منزلوں پر پہنچ گئے کہ اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں سر اُٹھا اٹھا کر ان کے مراتب ودرجات کی بلندیوں کا حیرت واستعجاب کے ساتھ نظارہ کرنے لگیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں گروہ باکمالوں کی فہرست میں جگہ پاتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ اوّل الذکر گروہ کے فضل وکمال کا دارو مدار ان کے آبا واجداد کی میراث پر ہے اور آخر الذکر کے فضل وکمال کی بنیاد ان کی فطری صلاحیتوں اور ذاتی کوششوں کی رہین منت ہے اور جس طرح میراث کے مال اور اپنی کمائی کے مال میں بہت بڑا فرق ہے، اِسی طرح میراثی کمال اور ذاتی کمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

میری نگاہِ نقد ونظر میں حافظ ملّت کا فضل وکمال میراثی فضل وکمال نہیں، بلکہ یہ بالکل خالص ذاتی فضل وکمال ہے جس کو انھوں نے اپنی دل دوز، اور دماغ سوز محنتوں اور اپنی قوتِ بازو کے کس بل پر حاصل کیا اور یہ حافظ ملت کی وہ خاص خصوصیت ہے جو انھیں ان کے ہم عصر مشاہیر سے اس طرح ممتاز کر رہی ہے جس طرح چاند اور سورج کی روشنی ایک دوسرے سے ممتاز ہے کہ چاند دنیا میں سورج کی بخشی ہوئی روشنی کے بل پر چمک رہا ہے اور سورج خود اپنی روشنی سے عالم کو منور کر رہا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ حافظ ملت ضلع مراد آباد کے ایک بہت ہی گم نام قصبہ بھوج پور میں زمین داروں کے ظالمانہ نظام سے کچلی ہوئی مظلوم قوم مومن برادری کے ایک غریب مگر دین دار خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد حافظ محمد [غلام] نور صاحب جن سے بارہا مجھے ملاقات کا موقع ملا، بہت ہی سیدھے سادے حافظ

قرآن بزرگ تھے، بہت ہی معمولی سفالہ پوش خام مکان میں کھدر کی بنائی ان کا ذریعۂ معاش تھا، ان کے آبا واجداد میں نہ کوئی پیر تھا نہ پیر زادہ، نہ کوئی مال دار تھا نہ رئیس زادہ، مگر دین داری وعبادت گزاری جو مومن برادری کا خاصہ ہے ان کی سرشت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، انھوں نے حافظ ملت اور ان کے دونوں بھائیوں کو اپنی ہی طرح حفظ قرآن کی تعلیم دے کر حافظ بنادیا اور رزق حلال حاصل کرنے کے لیے اپنا قومی پیشہ سکھادیا۔

لیکن حافظ ملت کی جبلّت میں قدرت نے علم وفضل کا جو داعیہ ودیعت فرمایا تھا وہ جذبہ بھلا انھیں صرف "حافظ جی" بنے رہنے پر کس طرح قناعت کرنے دیتا، اس جذبے نے غریبی اور کافی عمر گزر جانے کے باوجود آپ کو تحصیلِ علم پر مجبور کردیا اور آپ نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخل ہوکر فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی، ابتدائی اور متوسطاتِ کتب کے بعد جب مطولات کا نمبر آیا تو سمندر کے طالب کو ایک چھوٹی سی نہر سے بھلا کس طرح تسکین وتسلّی حاصل ہوسکتی تھی، چناں چہ آپ کے ذوق علمی کا جذبہ کشاں کشاں آپ کو جامعہ معینیہ اجمیر شریف لے گیا، جہاں حضرت صدرالشریعہ مولانا الحاج امجد علی صاحب اعظمی قُدِّسَ سِرُّہٗ العزیز (مصنّف بہار شریعت) وحضرت مولانا عبدالحی صاحب پیشاوری وحضرت مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب وحضرت مولانا سید امیر علی صاحب پنجابی وغیرہ باکمالوں کا اجتماع تھا، آپ نے اگرچہ زیادہ تر اکتسابِ علم حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ ہی سے کیا، مگر دوسرے اساتذہ سے بھی آپ علمی استفادہ کرتے رہے جس کو ہم بوڑھوں کے سوانئ نسل کے لوگ بالکل ہی نہیں جانتے۔

اجمیر شریف میں کئی سال تک پڑھتے رہے اور اس دوران میں آپ انگریزوں کی مسجد میں امامت بھی کرتے رہے اور اجمیر شریف میں حضرت شیخ المشائخ مولانا سید شاہ علی حسین صاحب قبلہ اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مرید بھی ہوئے، پھر حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ اجمیر شریف سے بریلی آئے اور مدرسہ منظر اسلام بریلی سے فارغ التحصیل ہوکر دستار فضیلت اور فاضل کی سند حاصل کی۔

آپ نے اتنی محنت سے تعلیم حاصل کی اور آپ کی فطری صلاحیتوں میں محنتِ تعلیم کی بدولت اتنا ابھار پیدا ہوا کہ آپ کی علمی استعداد اور قابلیت کا طلبہ ومدرسین میں چرچا ہونے لگا اور حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ تو اپنے فرزندوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آپ سے محبت فرمانے لگے۔

دورِ طالبِ علمی ختم ہوا تو حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ نے ضلع اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف قصبہ مبارک پور کے "مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم" میں تدریس کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا اور آپ بریلی ہی سے

چند طلبہ ہم راہ لے کر مبارک پور تشریف لائے، مگر آپ کی علمی استعداد کی شہرت نے ایک ہی سال میں اس چھوٹے سے مدرسہ کو اس قدر بامِ عروج پر پہنچادیا کہ یہاں طلبہ کا ایک ہجوم امنڈ پڑا، آپ کی اس بے پناہ مقبولیت اور عزّت وشہرت پر حسد کرتے ہوئے مبارک پور کا سب سے بڑا دیوبندی مولوی جو پورے اعظم گڑھ کے فرقۂ وہابیہ کا دل ودماغ سمجھا جاتا تھا، مذہبی بنیاد پر آپ کو چیلنج کرنے لگا اور پورے ضلع کے دیوبندی مولوی متحدہ محاذ بناکر آپ سے تقریری وتحریری مناظرے کے لیے لنگر لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے میں اتر پڑے، اس معرکے میں حافظ ملت نے تنہا ان سبھوں کا مقابلہ کیا اور جہاں تک مجھے علم ہے کہ آپ کے اساتذہ، یا معاصرین میں سے کوئی بھی آپ کی امداد کے لیے نہیں آیا، دن بھر درس وتدریس کا دماغ سوز مشغلہ اور رات کو ہنگامہ خیز مناظرانہ تقریروں کی ہماہمی، مہینوں یہ سلسلہ جاری رہا، مگر بحمدہ تعالیٰ یہ جاں باز مجاہد اس معرکہ آرائی میں مجاہدانہ شان کے ساتھ میدان میں ڈٹا رہا، بالآخر اس قلمی ولسانی جہاد میں یہ مرد مجاہد مظفر ومنصور ہوا اور فاتح مبارک پور کی حیثیت سے عزت وشہرت اور بے پناہ مقبولیت کے جس بلند مقام پر پہنچا اس کی نشان دہی کے لیے ”دارالعلوم اشرفیہ“ کی جدید عمارت، یونیورسٹی کا فلک نما محل، ہندوستان وبیرون ہند میں بکھرے ہوئے تلامذہ کی فوج، مریدین کا دَل بادَل لشکر، معتقدین کا جم غفیر، اتنا بڑا عظیم شاہ کار اور اس قدر اونچا پرچمِ عظمت ہے کہ حافظ ملّت کی عزت وشہرت اور ان کی عظمت ومقبولیت پر مزید کسی شہادت اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اب حافظ ملّت کے ماضی اور حال پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ وہ کیا تھے، اور کیا ہوگئے، اگر میں یہ کہہ دوں کہ وہ پہلے ایک سنگ ریزہ تھے مگر لعل وجواہر ہوگئے، یا پہلے وہ ایک ذرہ تھے مگر وہ آفتاب بن گئے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جس کا کتمان، کفرانِ نعمت سے کم جرم عظیم نہیں اور میں پورے وثوق کے ساتھ لکھتا ہوں کہ یہ سارے کمالات حافظ ملت کی ذاتی صلاحیتوں اور اپنی دماغ سوز محنتوں کے رہین منّت ہیں، نہ اس عزت وشہرت میں اُن کے آباواجداد کی عظمتوں کا کوئی عمل دخل ہے، نہ خاندانی حلقۂ اثر کی کوئی کار فرمائی ہے۔

یہ ہے وہ پہلی حقیقت جس نے حافظ ملت کے بارے میں مجھے یہ تاثر بخشا کہ یقیناً حافظِ ملّت کی پوری زندگی اس حکیمانہ شعر کی عملی شرح وتفسیر ہے:

کسبِ کمال کن کہ عزیز جہاں شوی
کس بے کمال ہیچ نہ گردد عزیزِ من

(۲)

دارالعلوم اشرفیہ کے عروج وزوال اور اس کے ماضی وحال کی تاریخ کا ایک ورق یہ بھی ہے کہ ۱۹۴۲ء میں حافظ ملت بعض ناگزیر حالات کی بنا پر جامعہ عربیہ ناگ پور میں صدر مدرس ہوکر چلے گئے، جس کی وجہ سے مدرسہ کمیٹی میں بددلی اور اختلاف وانتشار کے آثار نمودار ہو گئے۔

راقم الحروف ان دنوں اپنے مکان ہی پر مقیم تھا، صدر مدرسہ جناب شیخ محمد امین انصاری صاحب کو میری خبر ملی، انھوں نے مولانا سید شمس الحق کے بدست میرے پاس دعوت نامہ بھیجا اور مجھے بلا کر اکتوبر ۱۹۴۲ء میں صدر مدرس کے عہدے پر حضرت حافظِ ملت کی درس گاہ میں بٹھا دیا۔

مگر عوام وخواص میں حافظ ملت کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس لیے حافظِ مِلّت کو ناگ پور سے پھر مبارک پور بُلا لیا، حافظِ مِلّت تشریف لائے تو مُسکرا کر مجھ سے نہایت گرم جوشی کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔

اس موقعے پر دارالعلوم اشرفیہ کے دونوں سرپرستان حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ و حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمہ بھی مدعو کیے گئے اور جنرل کمیٹی کا اجلاس ہوا، بوقت کمیٹی دونوں سرپرستوں کے لیے یہ مسئلہ قابل غور وفکر ہو گیا کہ حضرت حافظِ مِلّت کا تقرر یقیناً صدر مدرس کے منصب پر ہی کرنا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مولانا اعظمی کا تقرر پہلے صدر مدرس کے عہدہ پر ہو چکا ہے، اگر ان کو ان کے منصب سے اتارا گیا تو یقیناً ان کی دل شکنی ہوگی، چناں چہ اس مشکل کے حل کے طور پر حضور محدث اعظم ہند نے یہ فارمولہ پیش فرمایا کہ حافظ ملت کو شیخ الحدیث بنا دیا جائے اور مولانا اعظمی بدستور صدر مدرس رہیں، مگر صدرالشریعہ نے یہ کہہ کر اس فارمولے کو رد فرما دیا کہ شیخ الحدیث کا عہدہ کوئی قانونی عہدہ نہیں ہے؛ لہذا صدر مدرس تو بہر حال حافظ ملت ہی رہیں گے اور مولانا اعظمی کو ہم دونوں سمجھا بجھا کر راضی کر لیں گے، جب مجھے اپنے بزرگوں کی اس الجھن کا پتا چلا تو میں نے فوراً ہی بھری کمیٹی میں ایک عرضی پیش کر دی جس کا مضمون تقریباً یہ تھا:

> ”چوں کہ حافظ ملت عمر، علم اور تدریسی تجربات میں مجھ سے بہت زیادہ بلند مرتبہ ہیں؛ اس لیے میری ملتجیانہ گزارش یہ ہے کہ ان کا تقرر صدر مدرس کے عہدے پر کیا جائے، میں حضرت کا نائب بن کر مدرسے کی خدمت کرنے میں انتہائی مسرت محسوس کروں گا۔“

میری اس عرضی کو دونوں بزرگوں نے پڑھا اور حضرت محدث اعظم ہند نے اس کو اپنی جیب میں رکھ لیا

اور اراکین کمیٹی کو بغیر کچھ بتائے ہوئے حضرت حافظ ملت کا بعہدۂ صدر مدرس دوبارہ دارالعلوم اشرفیہ میں تقرر ہو گیا۔
کمیٹی ختم ہو جانے کے بعد حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے ایک خصوصی مجلس میں مجھ کو اور حضرت حافظ ملت کو طلب فرمایا، جب میں حاضر ہوا تو اتنے حضرات اس مجلس میں تشریف فرما تھے:

(۱)- حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ، (۲)- شیخ محمد امین صاحب انصاری (۳)- حاجی خیر اللہ دلال (۴)- حاجی محمد عمر صاحب (۵)- حاجی عبدالکریم صاحب پُرانی بستی والے۔

حضرت محدث اعظم ہند نے جیب سے میری عرضی نکالی اور اس کو پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ مولانا اعظمی کا یہ اخلاص اور جذبۂ ایثار بلاشبہہ قابل قدر ہے کہ انھوں نے آپ کا خُرد بن کر یہاں رہنے کا عہد کیا ہے، اس کے جواب میں حافظ ملت نے کہا کہ میں تو صرف کاغذ پر صدر مدرس رہوں گا، مگر عملی حیثیت سے اب بھی مولانا اعظمی ہی صدر مدرس رہیں گے، حافظ ملت کا یہ جواب سُن کر حاضرین میں سے ہر ایک نے خوشی کا اظہار کیا۔

اس واقعے کے بعد تقریباً دس برس تک میں دارالعلوم اشرفیہ میں بعہدۂ مدرس کام کرتا رہا اور طلبہ کا داخلہ، اخراج، تادیبی کاروائیاں سب کچھ میں اپنے اختیار سے کرتا رہا، مگر کبھی بھی حافظِ ملّت نے مجھ پر نہ کوئی پابندی لگائی، نہ مجھ سے کوئی باز پرس فرمائی، حالاں کہ بعض شرارت پسندوں نے حضرت حافظِ ملّت کو اشتعال بھی دلایا، مگر اس کے باوجود انھوں نے اپنے اس وعوے کو نبھایا۔

حافظِ ملّت کا یہ وہ اعلیٰ کردار ہے جس نے میرے دل و دماغ کو انتہائی متأثر کیا ہے اور جس کو میں اپنی زندگی کی آخری رَمَق تک فراموش نہیں کر سکتا۔

حافظ ملّت کے بارے میں یہ ہے وہ دوسری حقیقت، جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ کسی ایسے ہی موقعے پر ایک حقیقت شناس شاعر کے قلب پر اس شعر کا الہام ہوا ہو گا کہ

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سِندانِ عشق
ہر ہَوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

(۳)

۱۹۵۲ء میں جب ناظم صاحب وغیرہ کے اشتعال دلانے کی بنا پر میں دورۂ حدیث کے دس طلبہ کو اپنے ساتھ لے کر مبارک پور سے دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد چلا گیا، ان طلبہ میں مولوی محمد جہاں گیر خاں اعظمی،

مولوی محمد میاں کامل سہسرامی، مولوی محمد صابر نسیم بستوی، مولوی محمد حسین مظفر پوری قابل ذکر ہیں، تو میری اس نازیبا حرکت سے قدرتی طور پر حافظ ملت کا قلب انتہائی مجروح ہوا، اس کے بعد میں نے بھی سترہ برس تک دارالعلوم اشرفیہ میں قدم نہیں رکھا، چھ برس کے بعد دارالعلوم شاہ عالم کے ناظم اعلیٰ حاجی سلیمان ابراہیم سے اختلاف کی بنا پر میں مستعفی ہو کر احمد آباد سے چلا آیا، تو ناظم مذکور نے حضرت حافظِ ملّت کے نام ایک خط لکھا کہ مولانا اعظمی مجھ سے لڑ بھڑ کر احمد آباد سے چلے گئے اور مدرسہ ٹوٹ گیا ہے، لہٰذا آپ کوئی ایسا مدرس بھیج دیں جو مولانا اعظمی کا نعم البدل ہو، اس کے جواب میں حافظ ملت نے حاجی سلیمان ابراہیم کو جو خط لکھا ہے وہ میری نظر سے گزرا ہے اور غالباً اب بھی وہ خط دارالعلوم شاہ عالم کے ریکارڈ میں موجود ہوگا، اس کا مضمون یہ ہے:

"مولانا اعظمی صاحب کا نعم البدل تو کیا، ان کا بدل ملنا بھی انتہائی دشوار ہے، وہ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں اور شعلہ بیان مقرر بھی، وہ مناظر بھی ہیں اور صاحبِ قلم بھی، وہ چندہ وصول کرنے کے ماہر بھی ہیں اور مدارس کے انتظامی امور کے تجربہ کار بھی؛ اس لیے میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اُن سے صلح کر کے پھر انھیں احمد آباد بُلا لیں اور اگر اس سلسلے میں میری خدمات کی ضرورت ہو تو میں اس کے لیے بھی حاضر ہوں۔"

آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا اور بار بار طلبی ہونے کے باجود آپ نے کسی مدرس کو بھی احمد آباد نہیں بھیجا نہ خود کبھی دارالعلوم شاہ عالم میں قدم رکھا۔

غور فرمائیے کہ حضرت حافظِ ملّت اور مجھ میں ان دنوں صفائی نہیں تھی، بلکہ وہ مجھ سے رنجیدہ تھے، اگر ان میں جذبۂ انتقام ہوتا تو وہ حاجی سلیمان کی تحریر پر میری کچھ مزید شکایات لکھ کر نہلے پر دہلا لگا دیتے اور کسی کامیاب مدرس اور مقرر کو احمد آباد بھیج کر میری عزت و شہرت کا جنازہ نکال دیتے، مگر عین اختلاف کی حالت میں انھوں نے میرے ساتھ جس شریفانہ برتاو اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ فرمایا، کیا میرے سینے میں دل نہیں، پتھر ہے، جو میں اس شریفانہ سلوک سے متاثر نہ ہوتا، دنیا مجھے کچھ بھی کہے، مگر میں بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ میں یقیناً اس سے بے حد متاثر ہوا اور ہوں اور رہوں گا، اور ہمیشہ یہ کہتا رہوں گا کہ بلاشبہہ حافظِ ملّت اس فلسفۂ تصوف کے زبردست فیلسوف تھے کہ

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی اَحِسن الیٰ من اَسَا

(۴)

اسی اختلاف کے دوران ۱۹۵۹ء میں جب میں نے حج وزیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا، تو حج وزیارت سے پہلے یا بعد، میں حافظ ملت سے ملنے نہیں گیا، مگر جب وہ سفر حج وزیارت کے لیے کمربستہ ہوئے تو گھوسی میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پر فاتحہ خوانی کے بعد میرے مکان پر بھی تشریف لائے، یہ عجیب سانحہ ہوا کہ میں اس سے ایک ہی دن پہلے اپنا سامان لینے کے لیے دھوراجی روانہ ہو چکا تھا، والد مرحوم نے حضرت کو بٹھا کر شیرینی وچائے سے تواضع کی اور آپ نے والد مرحوم سے فرمایا کہ میں مولانا اعظمی صاحب سے ملنے کے لیے آیا تھا، جب وہ دھوراجی سے واپس آئیں تو آپ ان سے میرا سلام کہہ دیں اور یہ بھی فرمادیں کہ میں نے سب کچھ معاف کر دیا ہے، وہ بھی معاف کر دیں۔

تین ہفتہ کے بعد میں جب گھوسی آیا، تو سب سے پہلے والد مرحوم نے یہ معاملہ سنایا، خدا شاہد ہے کہ اس واقعے سے میرے قلب پر ایک گھونسا سا لگا کہ افسوس! میں چھوٹا ہو کر سفر حرمین شریفین کے موقعے پر ان سے ملنے نہیں گیا اور وہ مجھ سے بڑے ہو کر مجھ سے ملنے آئے اور میں نے اسی وقت اپنے قلب و دماغ کو بالکل صاف کر کے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب حافظ ملت حج وزیارت سے واپس تشریف لائیں گے تو میں مبارک باد دینے کے لیے مبارک پور جاؤں گا۔

جب حضرت حج وزیارت کے بعد تشریف لائے تو عجیب اتفاق کہ میرے محبوب شاگرد مولوی اعجاز احمد صاحب مبارک پوری نے محمد آباد مجھے اپنے اجلاس میں مدعو کیا، اسی اجلاس میں حافظ ملت بھی مدعو تھے میں حضرت سے پہلے ہی پہنچ گیا اور حضرت عین اس وقت جلسے میں رونق افروز ہوئے جب کہ میں پورے جوش وخروش کے ساتھ تقریر کر رہا تھا اور حضرت مولانا سید مختار اشرف میاں صاحب قبلہ کچھوچھوی سجادہ نشین صدر اجلاس تھے، حضرت حافظ ملت سیدھے اسٹیج پر تشریف لائے اور بھرے مجمع میں ہم دونوں بغل گیر ہو گئے، میں نے احتراماً تقریر ختم کر دی اور حضرت سے تقریر فرمانے کی استدعا کی، چناں چہ حضرت نے پر جوش تقریر فرمائی تقریر کے بعد حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور اسی حالت میں قیام گاہ پر تشریف لائے اور نماز فجر تک گفتگو کا سلسلۂ دراز قائم رہا، اس دوران میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ابھی سے ۹، ۱۰؍ شعبان کی تاریخ اشرفیہ کے اجلاس کے لیے نوٹ کر لیں؛ کیوں کہ امسال آپ کو دورے کا امتحان لینا اور اپنے ہاتھ سے فارغ التحصیل

طلبہ کی دستار بندی کرنی ہے، چناں چہ میں نے بلا تامل دعوت قبول کرلی اور حسب وعدہ ۹؍ شعبان کو میں مبارک پور پہنچا، اس وقت دارالعلوم اشرفیہ کے پھاٹک پر حضرت حافظِ مِلّت نے طلبہ کی معیت میں جس جوش و خروش کے ساتھ میرا استقبال فرمایا اور گولا بازار کے عظیم الشان اجلاس میں میرے لیے جو کلمات ارشاد فرمائے خدا گواہ ہے کہ میں ان کے اس کریمانہ کارناموں کو زندگی بھر فراموش نہیں کرسکتا اور پھر ہم دونوں اس طرح شیر و شکر ہوگئے کہ یونیورسٹی کے اجلاسِ سنگ بنیاد میں ادارے کے عمومی دعوت نامے اور عزیز گرامی مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب کے پرائیوٹ خط کے علاوہ حضرت حافظِ مِلّت نے اپنے قلم سے اپنا خصوصی دعوت نامہ تحریر فرمایا، پھر مزید براں مولوی محمد احمد بن مفتی عبدالمنان صاحب کو میرے پاس ٹانڈہ بھیجا۔

ناظرینِ کرام! اللہ بتائیے کہ کیا ان حقائق و شواہد کی موجودگی میں مجھے حضرت حافظِ مِلّت کی عظمت کا اعتراف واعلان کرنے میں بال برابر بھی کوئی تردد یا تامل ہوسکتا ہے؟ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں! میں کھلے دل سے اعلان کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے بہت بڑے تھے، افسوس وہ دُنیا سے چلے گئے اور میں اب دُنیا سے جانے والا ہوں، مگر وہ اپنی یاد میرے دل میں چھوڑ کر چلے گئے اور میں ان کی یاد اپنے دل میں لے کر جاؤں گا، ابھی میں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر کیا کیا کہوں؟ اور کتنا کہوں:

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو روؤں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

حافظ ملت ایک تاثر

ڈاکٹر محمد عرفان صاحب صدر شعبۂ اردو شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ (یو، پی)

یہ صحیح ہے کہ صالح انسانی فطرت ہمیں خدا کے وجود کا براہ راست یقین بخشتی ہے، لیکن اکثر ہم فطرت کی گہرائیوں پر غور نہیں کرتے یا تعصبات کے زنگ ہماری نگاہوں کے لیے پردہ بن جاتے ہیں اور ہمیں معرفت نفس اور معرفت الٰہی تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں، ایسے میں ایک مرد مومن اٹھتا ہے جس کا دل عشق وفقر کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور جس کا سینہ خدا کے نور سے روشن اس کے بازووں میں مژدۂ لاتخف سے بے پایاں قوت ہوتی ہے، وہ ہر طاقت سے نڈر ہوتا ہے اور ہر مصیبت سے بے پروا، وہ موت کو زندگی سمجھتا ہے اور اس کا وجود موت کی دسترس سے بالاتر ہوتا ہے، وہ مادی دنیا میں رہتا ہے مگر آب وگل کی قیدوں سے آزاد اور بے نیاز ہوکر وہ براہِ راست سرچشمۂ وجود سے فیض اور ہدایت حاصل کرتا ہے، وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ سے عشق کی شراب پیتا ہے، دینی احکام اس کے لیے مرضی غیر کی خارجی بندشوں کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنی فطرت میں ان کی اصل دیکھتا ہے، وہ ہمہ کردار ہوتا ہے مگر کم سخن، صلح میں وہ محبت ورافت کا مجسمہ ہوتا ہے اور جنگ میں عزم وثبات کا پیکر، اس کے ہاتھ میں قوموں کی ترقی ہوتی ہے، اپنے عزم وعمل سے وہ زندگی کا نقشہ بدل دیتا ہے، اس کی صحبت، کیمیا اثر رکھتی ہے، وہ دوسروں میں بھی نصب العین کی تڑپ پیدا کردیتا ہے اور بے حس دلوں کو سوز آرزو بخش دیتا ہے، وہ غلاموں میں جذبہ حریت بیدار کرتا ہے اور ان کو موجودہ نظام سے غیر مطمئن کرکے ایک بہتر نظام کی تعمیر وتشکیل کا جذبہ عطا کرتا ہے، ایسے ہی مرد مومن کے لیے اقبال نے کہا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حافظِ مِلّت کی ذات باصفات ایسے ہی دیدہ ور کی مثال تھی جو ہزاروں سال بعد اس دنیا میں آتی ہے انھوں نے اپنی پوری زندگی ایک بڑے نصب العین کے لیے وقف کردی، ان کا سونا اور جاگنا، جینا اور مرنا، سب

اسی نصب العین کے لیے تھا، انھوں نے سوز یقین سے لوگوں کے دلوں میں نیا عزم پیدا کیا، انھوں نے اپنی سعی و کوشش سے مبارک پور جیسے معمولی قصبے کو ایک علمی مرکز بنا دیا، واقعی اہل مبارک پور ان کو جتنا یاد کریں ان کی جتنی عزت و توقیر کریں کم ہے۔

میرا مولانا سے کوئی خاص قریبی تعلق تو نہیں رہا لیکن میں نے اکثر ان کو دینی جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے دیکھا اور کبھی مختصر ملاقات بھی ہوئی، جب میں نے پہلی بار ان کو دیکھا تو وہ جامع مسجد اعظم گڑھ میں تقریر کر رہے تھے، تقریر کرنے میں تمہید اٹھانے یا کسی نہ کسی معذوری کے بیان کرنے میں مطلق وقت نہ صرف کرتے جیسا کہ عام طور پر پیشہ ور مقرروں کا دستور ہے، کچھ گلے اور سینے کی تکلیف، کچھ سفر کی صعوبت، کچھ ملک و مِلّت کی ابتری یا اپنی نااہلی کا تذکرہ کیا اس کے بعد تقریر شروع کی، مولانا کبھی اس طرح کی بات نہ کرتے اپنی جگہ سے اُٹھتے تقریر کرنے کی جگہ پر آکھڑے ہوتے السلام علیکم کہتے۔

بسم اللہ پڑھتے، کلام پاک کی کوئی آیت نہایت سادگی اور احترام سے تلاوت فرماتے اور تقریر شروع کر دیتے، آواز میں اتار چڑھاو نہ ہوتا، چہرے پر جذبات کی دھوپ، چھاوں نہ طاری ہونے دیتے، ہاتھ پاوں نہ پٹکتے نہ پھینکتے، کوئی بلند یا بلیغ فقرہ کہہ کر اس کے متوقع نہ رہتے کہ حاضرین سے شور و تحسین اُٹھے جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں، باتیں بڑی واضح کہتے، الفاظ و عبارت کی دھوم دھام نہ ہوتی، البتہ کبھی کبھی ایک آدھ فقرے بڑے ذو معنی کہہ جاتے، اس کے پیچھے کوئی مقصد ہوتا، جس بات کو اجاگر کرنا چاہتے تھے یا اجاگر کو چھپا کر کہنا چاہتے تھے وہاں اس طرح کی مناسبات لفظی سے کام لیتے تھے، تقریر کرنے میں کہیں اٹکتے نہ تھے، اچھے سے اچھے مقرر بھی کبھی کبھی جملے میں مبتدا اور خبر کو مربوط نہیں کر پاتے، لیکن مولانا کی تقریروں میں کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے پوری تقریر قلم بند ہو جیسے اطمینان و اعتماد سے دہراتے جا رہے ہوں کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ان کی تقریر کب ختم ہوگی، کسی قدر لمبی تقریر کرتے تھے تقریر کے کچھ ایسے ماہر بھی نہ تھے لیکن تعجب یہ ہے کہ ان کی تقریر سے دل اکتاتا نہ تھا، ہر مجمع میں لوگ بڑے سکون سے ان کی تقریر سنتے تھے، وہ تقریر کے فسوں سے بے نیاز تھے، لیکن ان کی باتوں میں اثر ہوتا تھا اور ذہن کے کسی نہ کسی حصے میں اتر جاتی تھیں، ان کی تقریروں میں بڑا خلوص، بڑا وزن اور بڑی سادگی ہوتی تھی کہ سننے والے کو اس پر اعتماد ہوتا کہ مولانا کوئی ایسی بات نہ کہیں گے جس کے ثبوت میں قوی سے قوی سند نہ پیش کر سکتے، یوں مولانا سے اختلاف کرنا بڑا مشکل تھا ذاتی معاملہ ہو یا اجتماعی یا علمی، وہ بڑی نپی تلی اور شریفانہ رائے دیتے تھے، مذہب کی بات ہو یا علمی مسئلہ ہو یا کوئی اور بحث ہو

مولانا بڑی سنجیدگی سے اظہار خیال کرتے تھے اور دوسروں کا نقطۂ نظر سننے میں بڑے تحمل سے کام لیتے تھے، بحث میں وہ کبھی جز بز نہ ہوتے تھے، بلند آواز سے گفتگو نہ کرتے، کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، کبھی کوئی دل آزاری کی بات نہ کہتے تھے، ان کے رکھ رکھاو میں ذرا فرق نہ آتا تھا خواہ بحث کتنی ہی طویل کھنچ جائے۔

مولانا کا مزاج و مذاق اگر چہ ابتدا سے دینی تھا اور ان کی کسی دور کی تحریریں بھی دینی روح سے خالی نہیں ہیں، لیکن عمر کے ساتھ ساتھ دین کا رنگ اور زیادہ گہرا ہوتا گیا اور آخر میں وہ صِبْغَۃُ اللہ میں بالکل رنگ گئے تھے، ان میں بڑا روحانی انقلاب ہو گیا تھا، اس روحانی انقلاب اور اس کے نتائج کے بارے میں دو قسم کے خیالات ہیں، ایک جماعت اس کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتی اور اس کو ان کی علمی عظمت کے منافی تصور کرتی ہے اس میں اس کو ان کے علمی مرتبے کا زوال نظر آتا ہے، دوسری جماعت اس انقلاب اور اس کے بعد ہی کی زندگی کو ان کا سب سے بڑا کارنامہ اور حاصل زندگی سمجھتی ہے یہ دونوں رائیں غلط اور افراط تفریط پر مبنی ہیں ان دونوں زندگیوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں اور اس سے ان کا مرتبہ اور مقام اور زیادہ بلند ہو گیا ہے، اس سے ان کی علمی منزلت میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ اُن کے علمی کارناموں کی اہمیت گھٹتی ہے، یہ دونوں پہلو اپنی اپنی جگہ اہم ہیں اور ایک کو بڑھانے کے لیے دوسرے کی اہمیت نہیں گھٹائی جاسکتی، یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں اس قسم کے واقعات دوسرے اکابر اسلام کی زندگی میں بھی پیش آچکے ہیں، امام غزالی، مولانا روم حتی کہ امام رازی تک کو ان مراحل سے گزرنا پڑا ہے، لیکن آج کون صاحب علم و نظر ان کے علمی کارناموں کی اہمیت سے انکار کر سکتا ہے۔

مولانا کی تعلیم و تربیت پرانے طریقوں پر پرانے استادوں اور بزرگوں کے سایۂ شفقت اور پرانی فضاؤں میں ہوئی تھی، جدید علوم و فنون میں براہ راست انھوں نے کسی سے استفادہ نہیں کیا تھا، مگر کہیں وہ اجنبی نہیں معلوم ہوتے تھے، چاہے وہ اہل علم کا حلقہ ہو، چاہے ارباب سیاست کی مجلس، خواہ طالب علموں کی جماعت ہو، خواہ عامۃ الناس کا اجتماع، جدید افکار اور رجحانات سے کوئی کتنا آشنا کیوں نہ ہو تا مولانا سے تبادلۂ خیال کرنے میں اسے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جس کی معلومات روایتی ہیں یا جس کا ذہن بندھے ٹکے خانوں میں اسیر ہے یا جس کے فکر و نظر کا دائرہ تنگ ہے، شکل و صورت، وضع قطع، چال ڈھال، بات چیت ہر اعتبار سے مولانا کی شخصیت بڑی دل آویز اور قابل احترام تھی، ان کو دیکھ کر اور پاکر ایک طرح کی تقویت محسوس ہوتی تھی کہ وہ شفقت کریں گے، رسوا نہ کریں گے، اور جب تک ساتھ رہیں گے زندگی میں بڑائی اور

حلاوت محسوس ہوگی، جیسے وہ اپنی طرح کی ذمے داریوں کا احساس رکھتے ہیں اپنی ہی نہیں ہماری ذمے داریوں کا بھی احساس، وہ ہمیشہ صاف ستھرے رہتے تھے، ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے ہر کام خود کرلیا کرتے تھے، مولانا کی ایک خوبی قابل قدر یہ ہے کہ ان کے پاس تبحر علمی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ علمی دیانت داری بھی تھی وہ کبھی علم کو کسی ادنیٰ مقصد کے حصول کے لیے کام میں نہیں لاتے تھے، علم نہایت ہی خطرناک چیز ہے کم ذی علم ایسے پائے گئے جنھوں نے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ہی نقصان نہ پہنچایا ہو، جس کی ایک مثال مذہب کا غلط استعمال، مذہب کے نام پر ہندوستان میں کیا کیا نہیں ہوتا، مولانا کا علم کیا تھا اور کیسا تھا، وہ صرف علم ہی سے واقف نہ تھے بلکہ علم کی برگزیدگی کا بھی احساس رکھتے تھے اور اس کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے، علم کا مفہوم میرے نزدیک جاننا پہچاننا ہی نہیں، جاننے پہچاننے کی ذمہ داری بھی ہے، جب تک کوئی معلم علم کی برگزیدگی کو ماننے اور منوانے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو علم کا کاروبار نہ کرنا چاہیے، آج کل دنیا میں ہلچل، افراتفری یا بے دلی اور بے زاری پھیلی ہوئی ہے اس کا ایک سبب میرے نزدیک یہ بھی ہے کہ علوم اور اُن کو پھیلانے کے وسائل تو بڑھ گئے ہیں لیکن اچھے معلم تقریباً ناپید ہیں جس کی وجہ سے علم اور زیادہ خطرناک بن گیا ہے، دنیا میں ہر مرض کی تیر بہدف دوائیں خطرے کا موجب بن سکتی ہیں، یہی حال علوم کا ہے، مولانا جن علوم سے بہرہ مند تھے ان پر ان کی نظر پیشہ ورانہ نہ تھی محرمانہ تھی وہ محض فنی اصول پر کسی مسئلے کو ناپ تول کر ختم نہیں کر دیتے تھے بلکہ کوشش کرتے تھے کہ اس کو دل و دماغ دونوں قبول کرلیں، مولانا نے ہمیشہ بات متانت اور دیانت سے کہی، نپی تلی کہی اور اس طرح کہی اور اس لیے کہی کہ ان کو ایک بیش بہا بات معلوم ہوتی تھی جس پر انھوں نے بڑی محنت، قابلیت اور وقت صرف کیا تھا اور چاہتے تھے کہ اسے ان لوگوں تک پہنچائیں جو اس سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، علم کے معلم سے یہی تقاضا ہے ان کا بڑا علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ایک دور افتادہ مقام میں اسلامی علوم وفنون پر تحقیقات کا ایسا ایک ادارہ قائم کردیا جو پورے ہندوستان میں مشہور ہو رہا ہے، جب تک علمی دنیا قائم ہے مولانا کا یہ کارنامہ زندہ رہے گا اور ان کی یاد کو ہمارے دلوں میں تازہ رکھے گا۔

عظمت کردار

مولانا ظہیر الدین زیدی، استاذ عربی و دینیات مسلم یونیورسٹی، سٹی اسکول، علی گڑھ

تعارف مقالہ نگار:

اسم گرامی: سید ظہیر الدین زیدی۔

ولادت: ۱۳۳۹ھ یا ۱۳۴۰ھ میں عالی جناب سید دائم علی زیدی مرحوم کے گھر موضع نگینہ ضلع بجنور میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ قاسمیہ نگینہ بجنور میں ہوئی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں، علی گڑھ میں داخلہ لیا اور یہیں سے سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد دو سال مدرسہ عربیہ خدام الصوفیہ گجرات پنجاب میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ایک سال کے لیے مدرسہ عربیہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی چلے آئے، ستمبر ۱۹۴۷ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عبد اللہ کالج میں پہلے اردو لکچرر رہے، ۱۹۵۴ء میں جون پور سٹی کے سٹی ہائی اسکول میں دینیات کے استاد مقرر ہوئے اور ۱۹۸۴ء تک انتہائی ذمہ داری کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد سبک دوش ہوئے۔

رب تبارک وتعالیٰ جلّ وعلا جب اپنے کسی بندے سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو اسے وہ خصائص، وہ کمالات اور وہ فضائل بھی عطا فرماتا ہے جو اس خدمت کے لیے ضروری ہیں، خود ہی ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝﴾ [الاسراء: ٨٤]

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ ہر ایک اپنے شاکلہ یعنی اپنی ساخت و استعداد کے مطابق کام کرتا ہے پس تمھارا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔

اسلام اللہ رب العزت کا دین ہے، اس نے اپنے محبوب پاک علیہ الصلاۃ والسلام کو اس دین کے

ساتھ بھیجا، اس کی بقا اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری خود اس نے اپنے اوپر رکھی، اسی لیے جب حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس دنیا سے پردہ فرمایا اور آپ کے بعد ایمان وعقائد اور اسلام پر کفار و مشرکین یا یہود و نصاریٰ یا کسی اور باطل پرست دشمنانِ اسلام یعنی بدمذہبوں، بدعقیدوں اور ضالین و مضلین نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کے ایمان وعقائد پر جب جب بھی شب خون مارے، اللہ جل وعلا نے «ورثة الانبیا» علماے حق سے ان کا منہ توڑ اور دنداں شکن جواب دلایا اور ان کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا، جبریہ، قدریہ، رافضی، خارجی، معتزلہ، نیچری، دہریے، قادیانی، چکڑالوی، وہابی، دیوبندی، قرآنی، سبائی، مہدویہ اور بہائی وغیرہ اور نہ معلوم کتنے ضال ومضل فرقے وجود میں آئے جنھوں نے ایمان والوں کے لباس میں دین حق کو مٹانے کے لیے بڑے بڑے خطرناک شیطانی منصوبے بنائے، لیکن علماے صالحین و کاملین، اولیاء اللہ اور فدایان سرکار دوعالم رحمت عالم ﷺ نے ان کی ہر سازش کا پردہ چاک فرمادیا اور یہ واضح فرمادیا:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ پوشی
من انداز قدت را می شناسم

مولاے کریم رؤف ورحیم انھیں جزاے خیر ومراتب عظیم وبلند عطا فرمائے، آمین۔

میرے اس مضمون کا محور آج ایک ایسی ہی عظیم وبزرگ ہستی ہے یعنی صاحب صدق وصفا، حامل مجد وحامیِ دین مصطفیٰ - علیہ الوف التحیۃ والثناء - حافظ ملت حضرت مولانا الحاج حافظ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ، یو،پی۔ بلا شبہہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو صاحب فضل وکمال بنایا تھا، آپ نہایت درجہ متبع شریعت تھے، اخلاص واحسان اور تقویٰ آپ کا شعار تھا، عزم واستقلال اور توکل وقناعت کی عظیم دولت سے آپ سرفراز کیے گئے، جن مشکل حالات میں آپ نے دین حق کی خدمت انجام دی وہ ہم سب کے لیے نمونۂ تقلید ہے، قوم بے حوصلہ اور مخالفین زور آور، آپ نے قوم کو حوصلہ دیا اور مخالفین کو ہم نوا بنایا اور بے زور و بے اثر۔

مبارک پور ایسی چھوٹی سی گم نام بستی کو جس کا ریلوے اسٹیشن بھی اس نام سے نہیں، ہندوستان کے باعظمت اور شہرۂ آفاق مقامات اور شہروں میں شمار کرادیا، اب سے پچاس سال قبل مبارک پور کی تاریخ پر نظر ڈالو، یہ کیا مقام تھا؟ ایک غریب ونادار قصبہ ضلع اعظم گڑھ کی سب سے پس ماندہ اور بے حیثیت تحصیل جسے نہ کوئی جانتا تھا، نہ وہاں کوئی دینی درس گاہ تھی، نہ علوم جدیدہ کا کوئی اسکول ومدرسہ، نہ کوئی کارخانہ نہ فیکٹری، نہ بڑی

بڑی پختہ عمارات، نہ تجارتی منڈی، آمد و رفت کے ذرائع بھی نہایت محدود، مذہبی نقطۂ نگاہ سے بھی یہاں کی حالت نہایت سقیم و ناگفتہ بہ، یہ ماحول تھا، یہ حالات تھے، جس وقت آپ اپنے استاذ محترم صدر الشریعہ ابو العلا حضرت مولانا الحاج امجد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم سے یہاں تشریف لائے، ایک چھوٹا سا مدرسہ جس کو مکتب بھی بمشکل کہا جاسکے، جس کی عمارت ایک شکستہ سا، خس پوش خانۂ خام، دوسری طرف بدمذہبوں کا زور، سنی عوام کو تعلیم سے کوئی دل چسپی نہیں اور مالی حالت نہایت کم زور، ان کی یہ بے بضاعتی اور تعلیم سے بے تعلقی اس چھوٹے سے مدرسے کے لیے بھی خطرہ تھی، ان نامساعد و دشوار گزار حالات میں اور ایسی سنگلاخ زمین و مخالف ماحول میں آپ نے یہاں آکر مذہبی تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس پیکر اخلاص و عمل نے اپنے بھرپور عزم و استقلال کے ساتھ ندائے حق کا وہ ڈنکا بجایا کہ جہالت و غفلت کی گہری نیند سونے والے چونک پڑے، آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ایک مرد حق بیں و حق آگاہ، اسلام کے فدائی اور عشق رسول کے شیدائی کی تابش رخ سے جہالت کی شب تاریک، نور علم و عرفاں کی سحر میں تبدیل ہو رہی ہے، حضرت حافظ ملت کی ضیائے علم میں انھوں نے خود کو پہچانا ان کی غیرت دینی بیدار ہوئی، وہ اٹھے اور انھوں نے رشد و ہدایت کے اس راہبر کا دامن تھام لیا، حضرت حافظ ملت کی بے لوث خدمت دین اور عمل صالح کی روشنی میں اہل مبارک پور نے آپ کی شخصیت و عظمت کو پہچانا اور دیوانہ وار ان کی دعوت تعلیم دین، اصلاح عقائد اور تزکیۂ نفس پر لبیک کہا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے مبارک پور کا یہ چھوٹا سا مکتب **"دار العلوم اشرفیہ"** میں تبدیل ہو گیا اور آج وہ بفضلہ تعالیٰ و کرمہ ترقی کر کے **"الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور"** کی شکل میں ایک عظیم درس گاہ ہے، یہاں نور و عرفاں کی بارشیں ہونے لگیں، سینکڑوں کی تعداد میں علما و فضلا اور ہزاروں طلبہ یہاں سے فیض علم حاصل کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور اپنے اپنے حلقے میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی تقریباً پچاس سالہ مسلسل جدوجہد نے گم نام و ناقابل ذکر مبارک پور کو ایک مشہور و عظیم مرکز علم میں تبدیل کر دیا، یہاں سے بلند ہونے والی اس درویش کی آواز حق اب افریقہ، یورپ اور ایشیا کے ریگستانوں اور مرغزاروں میں سنی جاسکتی ہے۔

یہ امر بھی حیرت ناک ہے کہ ٹھیک اس پچاس سالہ دور میں جب کہ بہت سے مشہور و مستند دار العلوم اپنی حیثیت بلکہ اپنا وجود بھی کھو بیٹھے اور اسی دور میں نہ معلوم کتنے مدارس و مکاتب کا قیام عمل میں آیا جو ترقی و عروج کے منازل طے تو کیا کرتے، انھیں اپنے وجود کا برقرار رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے، مبارک پور کا یہ مدرسہ

منازل ترقی وعروج سے گزر تا رہا تاآں کہ اس نے **الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور** کی عظیم حیثیت حاصل کر لی اور اگر حافظ ملت کے بعد ذمہ داریوں کو سنبھالنے والے ہوش وخرد کے ساتھ آپ ہی کے راستہ پر چلتے رہے تو یہ بات ناممکن نہیں کہ اسے ہندوستان میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو جائے۔

"الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور کی ترقی کا اصل راز حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا اخلاص اور للّٰہیت ہے، رب تعالیٰ کے یہاں وہی عمل مقبول ہے جو صرف اسی کی رضا کے لیے، اسی کی اطاعت میں ہو اور اس کے محبوب رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت واتباع میں ہو، ہمارے اسلاف واکابر نے جو تعلیمی ادارے، مدارس اور درس گاہیں قائم کی تھیں، ان کی بنیاد جذبۂ اخلاص کے ساتھ خدمتِ دین، حصول رضائے الٰہی اور اتباع اسوۂ حسنہ تھیں، جب تک ان میں یہ خصوصیات رہیں، یہ بارگاہِ الٰہی میں محبوب ومقبول رہیں، ان کا فیضان بڑھتا رہا اور ان کی ترقی ہوتی گئی، لیکن جب ان کا نظام نااہل ہاتھوں میں پہنچا ان کے اغراض ومقاصد بدلے، خلوص وللّٰہیت میں کمی آئی، ان کا زوال شروع ہو گیا، یہاں تک کہ ان میں سے بہت سے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے یا اب آخری لمحات میں ہیں، یہ ایک مسلمہ تاریخی عمل ہے جو مسلسل جاری ہے، چشم بصیرت وا ہو تو اپنے ماحول کے روز مرّہ واقعات میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

"الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور" کا وجود اس کی بقا اور اس کی ترقی میں حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی روحانیت، حسن عمل اور خلوص وللّٰہیت کا خون گرم کام کر رہا ہے، آپ نے قوم کے سامنے بالعموم اور اہل مبارک پور کے سامنے بالخصوص اپنا جو کردار پیش کیا وہ ایک مثالی کردار ہے، جس نے انھیں آپ کا گرویدہ وشیدائی بنا دیا، آپ نہایت پرہیزگار، عبادت گزار اور شب زندہ دار عابد تھے، توکل اور قناعت آپ کی زندگی تھی، اپنے ہم عصر علما میں آپ کا ایک امتیازی مقام تھا، حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصحابِ خدمت تلامذہ میں سے میرے علم میں صرف دو حضرات کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ تشنگانِ علم کی ایک بڑی تعداد ان سے سیراب ہوئی اور ان کا فیضان علم دور دراز علاقوں تک پہنچا۔

(۱)- حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ، (۲)- اور حضرت مولانا حافظ عبد العزیز علیہ الرحمۃ۔

ہندوستان میں موخر الذکر کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، موصوف کے تلامذہ میں علما وفضلا کی خاصی بڑی تعداد اس وقت ہندوستان کے طول وعرض میں دین کی خدمت انجام دے رہی ہے، بلکہ بیرون ہند بھی یہ سلسلہ پھیل چکا ہے، حضرت حافظ ملت اپنے تلامذہ کو صرف درسِ علم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ ان کی

روحانی اصلاح وتربیت بھی فرماتے تھے، ان کے عقائد وافکار کی تطہیر بھی فرماتے تھے، ان کے قلوب کا تزکیہ بھی فرماتے تھے، ان کے سامنے اپنا حسنِ عمل، تقویٰ اور متبع سنت زندگی پیش فرماتے، جس سے ان کے دل ودماغ میں آپ کی عظمت کے نقوش مرتسم ہوجاتے تھے اور اس سے ان میں اعلیٰ اور خدا پرست وخدا ترس زندگی کا تصور پیدا ہوتا اور شعور بیدار ہوجاتا۔

آپ نہایت نرم خو، نرم جو اور نرم گفتار تھے، ہر ایک سے محبت فرماتے، ہر ایک کے ساتھ حسن خلق سے پیش آتے، ہر ایک کی عزت کرتے اور کبھی کسی کی دل شکنی نہ فرماتے تھے، آپ نہایت خلیق، منکسر المزاج اور مہمان نواز تھے، با ایں ہمہ دین کے معاملے میں اور اللہ جل وعلا اور اس کے حبیب پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات کے بارے میں ایک مومن کامل کی طرح بڑے حساس اور نازک مزاج تھے، کسی ادنی بدعقیدگی کو برداشت کرلینا ان کی قوت ایمانی کے لیے ناممکن تھا، مبدأ فیاض نے آپ کو حسن تدبیر کا جوہر خاص بھی عطا فرمایا تھا، معاملات دین ودنیا میں اللہ جل وعلا نے آپ کو وہ بصیرت خاص بھی ارزاں فرمائی تھی جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے:

[عن أبي سعيد الخدري]«اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ، فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ».(۱)

مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

آپ نے اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ مبارک پور میں گزارا اور اسی بستی کو اپنی آخری آرام گاہ ہونے کا بھی شرف بخشا، اہل مبارک پور نے آپ کی صبح وشام بھی دیکھی اور روز وشب بھی، انھوں نے آپ کو خلوت میں بھی دیکھا اور جلوت میں بھی، آپ کو انجم آرا بھی دیکھا اور گوشۂ عزلت میں بھی، مسند تدریس پر بھی دیکھا اور سجادۂ عبادت پر بھی، بازار میں بھی دیکھا اور گھر بار میں بھی، غرض انھوں نے آپ کو ہر حیثیت، ہر حالت اور ہر کیفیت میں دیکھا، لیکن آپ کے کردار میں کہیں داغ نظر نہ آیا، آپ کا ظاہر وباطن ہم آہنگ تھا، اتباع اسوۂ رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام میں آپ نے ابتدا ہی سے جس سادہ زندگی کو اپنایا تھا آخر تک آپ کی زندگی میں وہی سادگی رہی، سادہ لباس، سادہ غذا، سادہ رہن سہن آپ کا طریقہ تھا، آپ نے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی بنیاد رکھی آج طرز جدید کی یہ شاندار عمارت لاکھوں روپیہ کی ہے، یہ سب روپیہ آپ کو قوم وملت نے بے پناہ اعتماد واعتقاد کے ساتھ دیا، آپ

---

(۱) الترمذي (ت ٢٧٩).
الطبراني(ت ٣٦٠)، المعجم الأوسط: ٨/ ٢٣.

نے جس دیانت و امانت کے ساتھ قوم کے اس عظیم اعتماد و اعتقاد کو پورا فرمایا وہ ایک شاندار عمارت اور شاندار دینی درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" کی شکل میں ہر آنکھ کے سامنے ہے، اس سے آپ کی عظمت بامِ عروج پر پہنچی اور اجر اخروی کا لافانی خزانہ دار آخرت میں جمع ہو گیا، طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ.

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی زندگی کے مختلف رہ نما گوشے ہیں جن پر آپ سے انتہائی قربت رکھنے والے تلامذہ اور فیض پانے والے حضرات روشنی ڈالیں گے، روحانی طور سے قریب تر ہونے کے باوجود مجھے آپ کے ساتھ جسمانی رفاقت بہت ہی کم وقت کے لیے حاصل ہو سکی، میرے اور ان کے درمیان حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روحانی رابطہ ہیں، ہم دونوں کے مربی و استاذ حضرت ہی کی ذات اقدس تھی، میرے لیے آپ کی ذات لائق صد احترام تھی، میں جب آپ کے بارے میں غور کرتا ہوں تو مجھے آپ کی ذاتِ گرامی صفات میں دینی جذبہ و عمل کی وہ حرارت نظر آتی ہے جس کی برق آسا چمک نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے، دین کے ساتھ محبت اور علم دین مصطفیٰ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ساتھ آپ کا یہ شغف ہی ہے جس نے میرے قلب و دماغ میں آپ کی عظمت نقطۂ عروج پر پہنچا دی، اس حقیقت کو آپ ان کا روحانی تصرف کہیں، یا اللہ جل وعلا اور حضور سرور کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ان کی شدید محبت دونوں ہی باتیں آپ کی فضیلت و عظمت کا روشن ثبوت ہیں کہ آپ کے فرزند اکبر مولانا مولوی عبد الحفیظ بی، ایس، سی انجینئرنگ — وقاہ اللہ عن شرور الزمان والآفات وزادہ شرفاً في جمیع الاحیان والاٰوان— نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے بی، ایس، سی انجینئرنگ کی ڈگری لی، جو اس وقت بھی دنیاوی اعتبار سے ایک گراں قدر ڈگری ہے اور اس میں ترقی کے مواقع بھی بہت زیادہ ہیں، لیکن چوں کہ نعم دنیا کے حصول کی طرف آپ کا میلان قلب بالکل نہ تھا، آپ کی پوری زندگی الفقر فخری کی آئینہ دار تھی، طالب دنیا ہونے کا داغ آپ کے دامن پر نہ تھا، طالب مولیٰ ہونے میں آپ فخر محسوس فرماتے تھے اور ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ پر آپ کا عمل تھا اس لیے آپ کی حمیت دینی اور غیرت ایمانی نے گوارا نہ فرمایا کہ صاحب زادہ کو ایسی ملازمت کرنے کی اجازت دیں جہاں کسب حلال مشتبہ ہو، آپ نے انھیں علوم جدیدہ حاصل کرنے کی اجازت اس لیے عطا فرمائی تھی کہ معاملات دنیا سے نابلد نہ رہ جائیں، لیکن آپ کی بصیرت دینی و علمی پر یہ بھی خوب روشن تھا:

بے شک اللہ عزوجل دنیا تو اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں قسم کے بندوں کو عطا فرما دیتا ہے لیکن دین صرف اپنے پسندیدہ و محبوب بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

بی، ایس، سی انجینئرنگ سے فارغ ہوکر صاحب زادہ مولوی عبدالحفیظ زاد شر فہٗ کی آرزوئیں کچھ بھی رہی ہوں وہ کیسے ہی اونچے اونچے دنیاوی پلان بنائے ہوئے ہوں لیکن اللہ والے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی ایک نگاہ فیض اثر نے صاحب زادے کی دنیا ہی بدل ڈالی، انھیں یکایک علم دین کی تکمیل کا شوق پیدا ہوا، حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی زیر سرپرستی علوم عربیہ کی تحصیل کی، متعدّد اسباق وکتبِ احادیث والد محترم سے ہی پڑھیں اور الحمدللہ! کہ فارغ التحصیل ہوئے اور اسی دارالعلوم میں حضرت کی جگہ سربراہ اعلیٰ ہیں، اس طرح اب اس متیقن بشارت میں داخل ہوگئے کہ «لا يعطي الدين إلا لمن يحبه» اللہ تبارک وتعالیٰ دین اسی بندے کو عطا فرماتا ہے جو اس کا محبوب ہو۔

میری نگاہ میں حضرت حافظ ملت استاذ الاساتذہ مولانا الحاج عبدالعزیز علیہ الرحمۃ بانی الجامعۃ الاشرفیہ کا یہ وہ ایثار اور وہ کردار ہے جو ہمیں موجودہ دور میں نظر نہیں آتا۔

وذلك فضل الله يوتيه من يشاء — فجزاه الله خير الجزاء واعلىٰ الله درجاته في جنّات النعيم.

مبارک پور کیسے فتح ہوا؟

حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب بیت الانوار گیا، بہار

تعارف مقالہ نگار:

سراج ملت مولانا شاہ سراج الہدیٰ گیاوی، حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے، جامعہ اشرفیہ کے اولین فارغین میں شمار ہے، ولادت ۱۱ر ربیع الاول ۱۳۳۲ ہجری میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم حکیم مولانا محمد ولی حسن مونگیری سے حاصل کی، پھر صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی درسگاہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف حاضر ہوئے وہاں حضور حافظ ملت بھی زیر تعلیم تھے، جب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو معین المدرسین بنایا تو زیادہ تر کتابیں حضور حافظ ملت سے پڑھیں اور جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو مبارک پور بھیجا تو آپ بھی مبارک پور چلے آئے اور یہیں سے ۱۳۵۵ء/۱۹۳۶ء میں فراغت حاصل کی، فراغت کے دو ماہ قبل آپ کے والد محترم حضرت مولانا شاہ نورالہدیٰ عینی قادری سجادہ نشین خانقاہ بیت الانوار گیا کے وصال کے بعد ان کے جانشین ہوئے اور رشد وہدایت کے امور انجام دینے لگے۔

آپ کی تصانیف میں (۱) السراج الکامل (۲) سراج ہدایت (۳) صدائے حق (۴) السراج الوہاج بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

۸۰ر سال کی عمر میں ۵ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ/۱۱ مارچ ۱۹۹۲ء کو رحلت فرماگئے۔

مبارک پور میں حافظِ مِلّت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ابتدائی ایام انتہائی صبر آزما اور حوصلہ شکن تھے، ان ایام میں تن تنہا حافظ ملت کو ایک ایسی جنگ لڑنی پڑی جسے فتح کرنے کے لیے مختلف صلاحیتوں کے بے شمار افراد کی ضرورت تھی، اس دور کے چشم دید راویوں کی بہت بڑی تعداد دنیا سے رخصت ہوگئی، خدا کا شکر ہے کہ

ان بچے کھچے لوگوں میں یہ فقیر بھی شامل ہے، جنھیں اس دور میں حافظ ملت کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہے، پرانا مدرسہ (مدرسہ اشرفیہ لطیفیہ مصباح العلوم) جو آج بھی مبارک پور کی پرانی بستی میں موجود ہے یہی حافظِ مِلّت کی وہ درس گاہ تھی جہاں بیٹھ کر انھوں نے اہل سنّت کے ایک عظیم مستقبل کا نقشہ تیار کیا تھا، آج روے زمین کے دور دراز خطوں میں اہل سنّت کے جو ہزاروں مدارس سرگرم عمل نظر آ رہے ہیں یہ اُسی نقشے کے خطوط اور خوب صورت نقش و نگار ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ (علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی) علیہ الرحمہ والرضوان کے حکم پر حافظِ مِلّت اپنے وطن سے تن تنہا مبارک پور تشریف لائے، میں اس وقت مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں پڑھتا تھا، اجمیر مقدس دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے دوران قیام حافظِ مِلّت سے میں بہت مانوس اور متاثر تھا، مبارک پور تشریف لانے کے بعد سلسلۂ درس و تدریس کا آغاز کرنے کے لیے حافظِ مِلّت کو چند منتہی طلبہ کی ضرورت پیش آئی۔

چناں چہ حضرت نے از راہ شفقت و دل نوازی جن چند طلبہ کو خطوط لکھ کر اپنے پاس بلوایا تھا، ان میں سے ایک میں بھی تھا، میرے بعد قاری اسد الحق صاحب، مولوی محمد خلیل، مولوی محمد عثمان ممبئی والے اور مولوی محمد عباس کٹکی بھی یکے بعد دیگرے حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے جیسے ہی تعلیمی کام شروع ہوا اور مبارک پور میں اہل سنّت کے ایک معیاری دارالعلوم کے قیام کا غلغلہ قرب و جوار میں بلند ہوا، مذہبی حریفوں میں ایک کھلبلی سی مچ گئی، اس تحریک کو ناکام بنانے اور تخریبی کاروائیوں کا سلسلہ شروع کرنے کے لیے پورے ضلع سے ائمۂ شر و فساد مبارک پور میں سمٹ کر آ گئے وہ اپنے زعم باطل میں سمجھے ہوئے تھے کہ ایک تنہا اور نو وارد مسافر کو جس کے ہم نواؤں اور حامیوں کی تعداد بھی صفر کے برابر ہے تنگ کر کے مبارک پور سے باہر کر دینا کیا مشکل ہے، چناں چہ انھوں نے اپنی شرارتوں کا آغاز کرتے ہوئے ایک جلسے کا انعقاد کیا اور مذہب اہل سنّت کی مذمت اور مدرسے کی مخالفت میں اشتعال انگیز تقریریں کیں، مبارک پور میں اکثریت ان کے ساتھ تھی اس لیے اس جلسے سے لوگ بہت زیادہ متاثر ہوئے، لیکن دوسرے دن جب جوابی جلسہ ہوا اور حافظِ مِلّت کی معرکۃ الآرا تقریر ہوئی تو غلط فہمیوں کے بادل چھنٹ گئے، مبارک پور کے عوام کو بھی عرفان حق کی ایک نئی روشنی ملی اور حزب مخالف کو بھی دن میں تارے نظر آنے لگے۔ پہلے تو وہ اپنے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر وہاں کے عوام کو ہتھیار کے طور پر حافظِ مِلّت کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے، لیکن اب خود ان کے عوام ان سے ٹوٹتے نظر آنے لگے؛ اس لیے اپنے عوام کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے پھر انھیں جلسہ کرنا پڑا۔

اسی طرح دونوں طرف کم وبیش چھ مہینے تک جلسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری رہا اور دونوں طرف تقریروں کے تبادلے ہوتے رہے۔ حافظ ملّت اور ان کے تلامذہ کی تقریروں کا مبارک پور کے عوام پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ مبارک پور کی مسلم آبادی کا تین چوتھائی حصہ ٹوٹ کر حافظ ملّت کے ساتھ ہوگیا، چھ مہینے کا یہ زمانہ حافظ ملّت کے لیے انتہائی مصروفیات کا زمانہ تھا، صبح سے شام تک تنہا اٹھارہ کتابوں کا درس، افتا کا کام، عوام کی روحانی مذہبی اور معاشرتی ضرورتوں کی تکمیل اور شب میں روزانہ تقریروں کا سلسلہ، ایک لمحے کے لیے بھی سکون واطمینان کا موقع دستیاب نہیں تھا۔

عصر سے مغرب تک جو خالص تفریح کا وقت تھا وہ بھی جوابی تقریروں کی تیاری کے لیے مخصوص ہوگیا تھا، ہم چند منتہی طلبہ تفریح میں حضرت کے ساتھ ہوجاتے تھے اور راستہ چلتے ہوئے حضرت کو شب گزشتہ ہونے والے حزب مخالف کے جلسے کی رپورٹ سناتے اور حضرت اسی وقت برجستہ ان کے اعتراضات کے جوابات مرحمت فرماتے اور ہمارے درمیان اس دن کے جلسے کے لیے الگ الگ موضوع بھی تقسیم فرمادیتے، اس چھ مہینے کی مدّت میں حضرت حافظ ملت کے علمی تبحر، فکر وبصیرت کی گہرائی اور ان کے اخلاص واستقلال کا قوم نے جتنا سخت امتحان لیا اس دور میں مشکل ہی سے اس کی مثال مل سکے گی۔

آج مبارک پور کے مسلمانوں کی یہ خصوصیت عالم گیر شہرت حاصل کرچکی ہے کہ دین کے لیے ایثار وقربانی میں وہ ایک منفرد کردار کے حامل ہیں، لیکن تصویر کا یہ رُخ اب تک مؤرخین کی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ گوشت اور پوست کے ڈھانچوں میں جذبۂ اخلاص کا یہ تلاطم کس کی نظر نے برپا کیا، دنیا سے انصاف کا چراغ اگر گل نہیں ہوگیا ہے تو ماننا پڑے گا کہ علم وحکمت کے عروج وارتقا کا جو کارواں پرانے مدرسے کے کھنڈر سے روانہ ہوکر اشرفی روڈ کی دو منزلہ عمارت (دارالعلوم اہل سنّت اشرفیہ مصباح العلوم) تک پہنچا اور ۳۵؍ سال کے بعد بالواسطہ اور بلاواسطہ ہزاروں فرزندوں کو اپنے جلو میں لیے ہوئے آج عربی یونیورسٹی کی شکل میں مبارک پور کے باہر ایک کھلے میدان میں فروکش ہے، یہ چالیس سال کی پوری کہانی تنہا حافظ ملّت کی ایک ذات کے گرد گھوم رہی ہے۔

پھر ایک بے آب وگیاہ ویرانہ تاحد نظر علوم ومعارف کے شاداب گلشن میں یوں ہی نہیں تبدیل ہوگیا ہے بلکہ اس کے مسکراتے ہوئے لالہ زاروں اور مہکتے ہوئے غنچوں کے پیچھے جہاں حافظ ملّت کے پسینے کی خوش بو اور ان کے خون جگر کی سرخی کار فرما ہے وہیں ان کا بے مثال ایثار واخلاص، ناقابل تسخیر عزم واستقلال اور قلوب کو پگھلا دینے والا ان کا زہد وتقویٰ اور سفر میں، حضر میں، خلوت میں، جلوت میں، اندھیرے میں، اجالے

میں، دیس میں، پردیس میں، صحرامیں، آبادی میں، ملکوتیوں کی طرح ان کے کردار کا تقدس مبارک پور کی عظیم تاریخ کا نقطۂ اول بھی ہے اور حرف آخر بھی۔ مولائے غافر و قدیر کی بے پایاں رحمتیں اس شہید وفا کی تربت پر ہمیشہ برستی رہیں جس کی برستی ہوئی آنکھوں کا آبشار آج بھی مبارک پور کی شاہ راہ سے گزرنے والوں کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

ہرگز نمیرد

مولانا عبدالعلیم بقائی

تعارف مقالہ نگار:

علامہ عبدالعلیم بقائی حافظ ملت کے ساتھیوں میں سے تھے۔

ولادت: ۱۹۰۴ء بمقام آسیون، ضلع اناو، صوبہ اتر پردیش۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ آسیون ضلع اناو میں حاصل کی اس کے بعد اناو کے ڈگری کالج سے بی-اے اور ایم-اے کی تعلیم حاصل کی۔

روحانی تربیت: شہر کان پور میں اپنے پیرو مرشد کی بارگاہ میں ساڑھے تین سال تزکیۂ نفس اور روحانی تربیت حاصل کی۔

تدریس: گونڈہ انٹر کالج میں آپ کو پڑھانے کے لیے بلایا گیا اور اسی دوران ایک مدرسہ، یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج کے نام سے قائم کیا جو آج بھی موجود ہے۔

وفات: ۷ر شوال ۱۳۹۹ھ۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کُجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است
ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

امام المتاطین، جلالۃ العلم، استاذ العلما، حافظ الملّت الحاج حضرت مولانا حافظ و قاری محدث وفقیہ جناب محمد عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی حیاتِ ظاہری کا مقصد بدرجہ اتم پورا کر کے ۳۱ر مئی (۱۹۷۶ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اس جہان فانی سے عالم جاودانی کا سفر فرما کر اس مقصدِ عظیم کو حاصل کر لیا جس کے لیے انھوں نے اپنی

ساری زندگی جدوجہد و مجاہدات صادقہ وریاضات شاقہ میں گزاری تھی، یعنی ۳۱؍ مئی کو واصل الی اللہ ہوگئے نیز دنیائے سنّیت میں ایسا خلا پیدا کر گئے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اور حضور نبی اکرم تاجدار دوعالم ﷺ اپنی رحمت سے بھر دیں تو یقیناً بھر سکتی ہے۔ دنیاوی طریقوں سے تو بھرتی نظر نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ و نور مجسم رحمتِ دوعالم ﷺ ان کانعم البدل عطا فرمادے تو بے شک و شبہہ مل جائے گا ورنہ دنیاوی اعتبار سے ان کانعم البدل ملنا تو در کنار ان کا بدل کوئی نظر نہیں آتا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. افسوس صد ہزار افسوس!

عالم سنیت کا یہ حادثہ جاں کاہ سننے کے بعد راقم الحروف نے اس وقت سے پہلے کئی بار قلم اٹھایا کہ اس حادثۂ عظیم کے متعلق کچھ لکھے اور اس عظیم المرتبت ہستی کے حضور میں نذرانۂ عقیدت پیش کرے، جو حضراتِ علمائے سلف اور حضراتِ مرشدان طریقت قدس اللہ اسرارہم کی زندہ نشانی تھی، مگر ہر بار ایسا ہوا کہ کبھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر قلم رک گیا اور کبھی نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم لکھ کر ٹھہر گیا اس کی وجہ کچھ تو مجھ حقیر کی علمی بے بضاعتی تھی اور زیادہ اُس عظیم ہستی کی گوناں گوں صفاتِ حمیدہ و اوصافِ پسندیدہ جو ذاتِ مقدس، پیکرِ سنت و شریعت ہو، سراپا علم و عمل صالح ہو، نمونۂ حضراتِ علمائے سلف و مرشدان طریقت ہو، جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد احیائے علوم دینی و دنیاوی بنایا ہو۔ جو سنیت کا سچا و صحیح علم بردار ہو جن کے دل میں دنیائے سنیت کی ترقی اور عروج ہی نہ ہو بلکہ جو انسانوں کو صحیح قسم کا انسان بنانے کی جدوجہد کرنا اپنا فرض سمجھے جو ملک و قوم کا مخلص ترین اور اور پختہ کار اور تجربہ کار رہبر ہو، جن کا قلم حد درجہ محتاط اور جامع ہو جن کی تحریر حد درجہ دل نشیں اور دل میں اُتر جانے والی ہو، جن کی تقریر درس ہو، جو آواز کے اتار چڑھاو سے الفاظ کے صحیح مفہوم بحسن و خوبی سمجھاتا ہو، جو اپنے ہر وقت کے اعمال و کردار سے رہبری کر کے سچی تعلیم دیتا ہو، جو نام و نمود اور شہرت سے قطعی متنفر ہو، جو اللہ تعالیٰ کا انتہائی فرماں بردار بندہ اور حضور نبی اکرم رحمتِ دوعالم ﷺ کا سچا عاشق اور احکاماتِ نبوی ﷺ کا ہر حال میں پابند ہو، جو سفر میں، حضر میں، تندرستی میں، بیماری میں، سکون میں اور دنیاوی الجھنوں میں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی کریم ﷺ سے وابستہ رہتا ہو، ایسی عجیب ذاتِ گرامی کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے:

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

لاریب کہ حضور حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اب بظاہر ہمارے درمیان میں نہیں ہیں مگر اُن کا نام نامی اسم

گرامی اُن کے عشق خداوندی و محبت نبوی ﷺ کی وجہ سے بقول حافظ شیرازی:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کا حامل ہے اور رہے گا۔ بے شک حضور حافظِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ بظاہر ہم میں موجود نہیں ہیں مگر جو یادگار عظیم نشانی عربی یونیورسٹی کی شکل میں وہ چھوڑ گئے ہیں وہ قائم رہے گی اور اُن کی روحانی طاقت اُس کی امداد کر کے اُس کو اس مقام پر پہنچائے گی جہاں وہ لے جانا چاہتے تھے:

اگر گیتی سراسر باد گردد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

میں کیا اور میری دعا و تمنا کیا، مگر میری دل سے دعا ہے اور دلی تمنا ہے کہ جو عظیم کام حضور حافظ الملت علیہ الرحمۃ نے شروع فرمایا تھا اور اُس کے لیے اتنا کچھ کر دیا تھا جو وطنِ عزیز کی سنیت کی دنیا میں بے مثال ہے۔ وہ ضرور پورا ہو گا اور ان کے تلامذہ و مخلصین و متوسلین و مریدین اور وطن عزیز کے اہل خیر حضرات ان کی ظاہری موجودگی سے زیادہ توجہ دیں گے اور یونیورسٹی کو مکمل کر کے ان کی مبارک رُوح کی برکتیں حاصل کریں گے۔ ان شاء اللہ

اخیر میں میری دعا ہے کہ عزیزِ ملّت حضرت مولانا عبدالحفیظ اور اُن کے خاندان والوں کو اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور جناب عزیزِ ملّت کی زیر سرپرستی وہ تمام کام پورے ہو جاویں جو ان کے بزرگ ترین عظیم المرتبت حضرت والد بزرگوار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمائے تھے۔

محروم زیارت آخری
(مولانا شاہ) محمد عبد العلیم بقائی آسیونی ثم گونڈوی

قابل قدر

قاری عبد المجید رضوی، مولانا سلیم اختر شمسی

جب ہم دنیاے ہست و نیست کی انسانی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو عظیم شخصیتوں کے عظیم کارناموں سے متاثر ہوتے ہیں اور اپنے دل کو ان کی از حد محبت سے وارفتہ پاتے ہیں اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ ہستیاں بلند ہمتی و عزم محکم کا پیکر بن کر انسان کو انسانیت عطا کر گئی ہیں، ساتھ ہی اپنے بعد آنے والی نسل کے لیے اتنا کچھ چھوڑ گئی ہیں، جن سے وہ اکتساب کرتی رہے، انھیں کارناموں کی وجہ سے ان مقدس ہستیوں کو جاودانی زندگی حاصل ہو گئی اور ان کی موت کو موت آگئی، ان قابل قدر و معزز ہستیوں میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی بھی آتا ہے، انھوں نے ایک پر آشوب و پر خطر دور میں اسلام و سنیت کے قلعہ الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام کی آواز بلند فرمائی۔ (قاری عبد المجید رضوی، افریقہ)

امن کے پیامی:

حضرت موصوف [حافظ ملت علیہ الرحمۃ] نے بھول کر بھی دولت و شہرت، اقتدار و قوت کی طرف نظر نہیں کی، بلکہ خود دولت و شہرت اقتدار و قوت ان کے آگے کنیزوں کی طرح دست بستہ کھڑی رہیں، لیکن حضرت کو اس سے کیا مطلب؟ ان کو زیادہ سے زیادہ انسانوں تک درس راست بازی، سبق امن و آشتی اور پیغام خلوص و محبت پہنچانے کی فکر تھی، اس مہم میں انھوں نے نمایاں کام یابی بھی حاصل کی۔ (مولانا سلیم اختر شمسی)

کیا انسان تھا

ڈاکٹر نسیم قریشی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

بخدمت شریف ایڈیٹر [ماہ نامہ] اشرفیہ عربک یونیورسٹی، مبارک پور اعظم گڑھ

گذشتہ عرس عزیزی کے موقع پر ماہ نامہ اشرفیہ نے مئی، جون ۱۹۷۷ء مشترکہ شمارہ شائع کیا تھا جو اکثر حضور حافظ ملّت کی شخصیت اور ناموس ہی پر مشتمل تھا، اس پر ملک و ملت کی مایۂ ناز شخصیت اور اردو شعر و ادب کے عظیم نقاد عالی جناب ڈاکٹر نسیم قریشی صاحب مدظلہ شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علیگ) نے ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ کے نام جن تاثرات کا اظہار فرمایا ہے وہ بذات خود حافظ ملت علیہ الرحمہ سے موصوف کی گہری وابستگی اور ان کے ملی کارناموں کو ملی نظر کی گہرائیوں سے دیکھنے کا بین ثبوت ہے۔ (اسلم بستوی)

محترم من............................ سلام نیاز

امید ہے آپ بہ عافیت تمام، خدمت دینی میں مصروف ہوں گے، آپ کا کرم کہ ماہ نامہ اشرفیہ برابر ملتا رہتا ہے، مجھے یہ کہتے ہوئے دلی مسرت ہو رہی ہے کہ آپ بڑے خلوص اور ذہنی استعداد کے ساتھ کار خدمت انجام دے رہے ہیں، میری دلی مبارک باد قبول فرمائیے، اللہ کرے آپ کو اور آپ کے معاونین کو زیادہ وسیع میدانوں میں موقعِ خدمت میسر آئے۔ آمین

خلد آشیاں حضرت حافظ ملّت کے حضور، آپ کی مختصر نذر عقیدت ایک قابل قدر قلمی تحفہ ہے، پورا نمبر پڑھا، خوابیدہ ایمانی جذبات کو گویا زندگی کی حرارت مل گئی، کیا انسان تھا؟ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت ایک کرشمۂ قدرت، یہ عزم واسخ، یہ جوش بے پایاں، یہ شب و روز کی لگن، دین اور کار دین کے لیے زندگی کو عمل مجسم بنائے رکھنے والی یہ تڑپ، ایک عطیۂ ربانی تھا، دائرہ اکتساب کو یہ وسعتیں، یہ گہرائیاں کہاں نصیب، زندگی خیر و برکت کا نمونہ تھی اور زندگی کے بعد مسافر راہ حق کے چھوڑے ہوئے نقش قدم، ایثار و

سرفروشی کے آسمان پر، ستاروں کے مانند جگمگا رہے ہیں، سرور کائنات کے ایسے ہی شیدائی ہیں جن کے افکار و اعمال پکار پکار کر دنیا والوں کو یہ مژدۂ جاں فزاں سناتے رہتے ہیں:

دینِ حق زندہ ہے دین حق زندہ رہے گا

جنت مکانی، مجھے التفات بزرگانہ اور دعاے خیر کے لائق سمجھتے تھے، یہ ان کا اتنا بڑا کرم تھا کہ مجھ جیسا چاک گریباں، دامن دریدہ، جہانِ تصور میں ان کی نگاہ لطف وکرم کے فیض بے پایاں سے سرشار، عجیب روحانی لذتوں سے ہمکنار ہو جاتا تھا، والہانہ شوق تھا کہ آستانۂ خیر و برکت پر حاضری کا شرف حاصل ہوگا، چہرہ مبارک دیکھنے کی تمنا بر آئے گی، انداز کلیمی رکھنے والے کا کلام سننے کو ملے گا، ایک طرف فیضان جلوۂ نور ہوگا دوسری طرف نگاہ شوق کی خیر گی، ہاے! موت کے ہاتھوں نے وہ بطل جلیل چھین لیا جس کی پیشانی پر نشان غلامیِ فخر انبیا، مثال مہر درخشاں روشن تھا، جو صاحب عزم راسخ تھا، صاحب فکر بلیغ تھا، اب تمنا حسرت بن چکی ہے، جب اس کا غلبہ ہوتا ہے گھنٹوں کچھ عجیب سی کیفیتوں میں مبتلا رہتا ہوں، تمنا میں کھوٹ تھا، بر نہ آئی، حسرتیں جاندار ہیں تو دل کہتا ہے کہ ذہنی سرشاریاں جوان سے جوان تر ہوتی جائیں گی۔

مجھ جیسا کم نصیب جس نے جنت مکانی کو دیکھا نہیں، جو ان کے کام کی قدر و قیمت کو پہچانتا نہیں، علم دین سے یکسر بے بہرہ، علم دنیا میں لغزیدہ قدم، من کی خلوتوں سے فراری، تن کے ہنگامۂ لایعنی کا پجاری، ایسے عالی مرتبہ بزرگ کے متعلق کچھ کہنے کی جرأت کیسے کرے، اور جرأت کر بھی لے تو کہے تو کیا کہے؟ بارہا خواہش نمود نے جھنجھوڑا، کاغذ سامنے رکھ دیا، قلم لا کر دے دیا، لیکن زندگی کی سپاٹ بے رنگ صورت پر نظر گئی تو قلم ہاتھ سے چھوٹ گیا، کہنے والے نے غلط نہیں کہا تھا کہ نیکوں کی بات وہ کریں جنھیں نیکی سے فطری رغبت ہو، اپنا ظرف جانتا ہوں؛ اس لیے ارباب ظرف کی بزم فروغ کمال میں، دراندازی کی جرأت کبھی نہ کر پایا، دور ہی سہا سہا کھڑا رہتا ہوں، کچھ یہی کیفیت اس وقت بھی ہے، آپ کا شکریہ ادا کرنے چلا تھا، جنون شوق اپنی کہانی لے بیٹھا، کیا ستم ڈھاتا ہے یہ جنون بھی، جنت مکانی کے کم سواد، کم نظر عقیدت مندوں میں شمار کرتے ہوئے کبھی کبھی صاحب زادہ عبدالحفیظ صاحب، آپ اور دوسرے خواصِ بزم عزیز اگر مجھے دعاے خیر میں یاد کر لیں تو مجھ پر احسان ہوگا اور حضرت خلد مکانی کی پیروی سنت۔

امانت عظمیٰ

مولانا شبنم کمالی

حضور حافظ ملّت کا اسم گرامی یوں تو میں بچپن ہی سے سنتا تھا اور ہوش و حواش کی دنیا میں آکر ان کے فضائل و کمالات اور مقامات رفیعہ سے واقفیت حاصل کرتا رہا، اس طرح دل میں ان کے دیدار کی خواہش بھی دن بدن پروان چڑھتی رہی، اتفاق کی بات ہے کہ میرے مولد و مسکن پوکھریرا ضلع سیتا مڑھی بہار میں، جلسۂ سیرت مقدسہ کے موقع پر، آج سے دس سال قبل حضرت کی تشریف آوری ہوئی اور تین دن قیام رہا لیکن میں تشریف آوری کے عدم یقین کی وجہ سے نہ شریک جلسہ ہو سکا اور نہ دیدار سے مشرف اور اپنی محرومی پر افسوس کرتا رہ گیا۔

پھر ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ میں " سنگ بنیاد کانفرنس" کے موقع پر میری حاضری پٹنہ ہوئی، جس میں ملک کے مقتدر سنی علمائے کرام کے علاوہ حضور حافظ ملّت بھی تشریف فرما ہوئے اور خدا کے فضل و کرم سے حضرت سے ملاقات ہوئی اور تقریر سننے کا موقع ملا جواب تک ذہن میں محفوظ ہے۔

آئینۂ سلف صالحین

ذاکر مصطفیٰ ایم، ایل، بی، ایڈیٹر نظام سلطنت مراد آباد

مولانا الحاج حافظ شاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی قدس سرہ العزیز، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ جس طرح یاد الٰہی میں، اتباع رسول پاک میں، خدمت دین میں گزارا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، آپ کو اگر اس دور کا مجاہد اعظم کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، میں پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ خدمت دین کا یہ سچا جذبہ کہ نہ اپنی صحت و تندرستی کی کوئی فکر ہو، نہ آرام وراحت کی کوئی پرواہ، میں نے اپنے آقا و مولا حضرت صدر الافاضل استاذ العلما قدس سرہ العزیز کے بعد صرف حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز میں بدرجہ اتم دیکھا۔

ضعیف العمری اور شدید علالت میں، جب کہ عام طور پر لوگ چلنا پھرنا تو در کنار، اٹھنے بیٹھنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے، آپ نے آخر وقت تک پوری مستعدی، کامل تندہی، کے ساتھ، دین کی خدمات انجام دیں اور شدید بیماری، انتہائی کمزوری میں بھی آپ نے کبھی رمضان المبارک کا کوئی روزہ نہیں چھوڑا، نہ کوئی فرض نماز بیٹھ کر پڑھی، یہاں تک کہ عمر کی آخری عشا بھی آپ نے کھڑے ہو کر ہی ادا کی۔

ایک عظیم آدمی

حضرت مولانا انتخاب قدیری صاحب مراد آبادی

اسی نیلگوں آسمان کے تلے اور اسی زمین پر شب وروز کتنے افراد جنم لیتے ہیں اور کتنے موت کی آغوش میں آرام کرتے ہیں، یہ ایک قدیمی سلسلہ ہے جو چلا آرہا ہے، مگر بعض افراد اس دھرتی کے سینے پر ایسے بھی جنم لیتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے بلکہ اپنے کردار وعمل کی بنیاد پر اپنے ممتاز کارناموں کی وجہ سے اپنے کو زندہ جاوید بنا لیتے ہیں۔

موجودہ صدی میں اس کی مثال سیدنا امام احمد رضا مجدد بریلوی، سیدنا صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، سیدنا صدر الشریعہ اعظمی وغیرہم ہیں۔

انھی مرکر بھی نہ مرنے والی جماعت کی ایک کڑی سیدی واستاذی حضور حافظ ملت شاہ عبد العزیز صاحب محدث مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی ذات گرامی ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا علم:

آپ کے علم کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ فراغت کے بعد سے آخری وقت تک آپ نے ہر علم وفن کی کتاب بے تکلف پڑھائی اور شیخ الحدیث کے منصب کو زینت بخشتے رہے اور انتہائی بیماری، جسے مرض الموت کہا جائے اس میں بھی شہزادۂ محترم کو علمی انوار سے نوازا۔

مجاہدانہ صفات

عبدالحکیم عزیزی بنارس

حضرت عالم وبزرگ ہوتے ہوئے نہایت چست اور مجاہد بھی تھے، اس عمر والے شخص کو میں نے اس قدر چست اور تیز نہیں دیکھا، ایک مرتبہ" مغل سرائے "کے پاس "شکور آباد" ایک موضع ہے، وہاں پر میلاد النبی کا جلسہ تھا، حضرت نے رات کو تقریر فرمائی اور جلسہ ختم ہونے پر فرمادیا کہ "میں صبح پانچ بجے والی بس سے جاؤں گا"۔ لوگوں نے کہا عجلت کی وجہ سے حضرت کہہ رہے ہیں، اتنے سویرے جانے کا کیا سوال؟ حضرت صبح اٹھے فجر کی نماز ادا فرمائی اور فوراً بس اسٹاپ کی طرف چل پڑے، لاکھ لوگوں نے روکا مگر حضرت رکے نہیں اور فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ سویرے بس سے جانا ہے تاکہ تعلیم کا زیادہ نقصان نہ ہو، مجھے جاکر ابھی پڑھانا ہے، غرض حضرت تشریف لے گئے اور کوئی انھیں روک نہ سکا، قیام گاہ سے بس اسٹینڈ تقریباً تین میل تھا مگر حضرت نے پیدل ہی راستہ طے فرمایا اور رفتار اتنی تیز تھی کہ ہم تمام ساتھ چلنے والے حضرت کے ساتھ ساتھ چلنے میں دقت محسوس کرتے تھے، غرض حضرت جب اس ڈھائی تین میل کے راستے کو طے کر کے مین روڈ پر بس اسٹاپ کے پاس آئے تو کوئی بس نہیں، دیر تک انتظار کرنے کے بعد مغل سرائے سے ایک بس آئی جس میں بے پناہ رش تھا ہم لوگ بس پر نہ چڑھ سکے مگر حضرت اس پر سوار تھے۔

فضائل وکمالات

حافظ ملت بحیثیت مفسّر

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی، صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ

تعارف مقالہ نگار:

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ محلہ کریم الدین پور، گھوسی، اعظم گڑھ (مئو) میں ۱۱ر شعبان ۱۳۳۹ھ/۲۰ر اپریل ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔

محلہ باغیچہ گھوسی کے مقامی مکتب میں ناظرہ پڑھا صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے منجھلے بھائی حکیم احمد علی صاحب سے گلستان اور بوستان کی تعلیم لی اور ۱۰ر سوال المکرم ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا، اور آٹھ سال حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی درس گاہ سے علم کے جوہر چنتے رہے، اس کے علاوہ کئی جگہ سے تعلیم حاصل کی، ۱۹۴۲ء میں دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا یہیں سے فراغت ہوئی۔

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی قادری علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا قدس سرہ سے فتویٰ نویسی سیکھی۔

متعدّد اہم تصنیفات یادگار ہیں، ۹ جلدوں پر مشتمل نزہۃ القاری شرح بخاری بہت مشہور ہے۔ اخیر عمر تک جامعہ اشرفیہ میں شعبۂ افتا کے صدر رہے۔

۶ر صفر ۱۴۲۱ھ/۱۱ مئی ۲۰۰۰ بروز جمعرات صبح پانچ بج کر چالیس منٹ پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں وصال ہوا، آخری آرام گاہ گھوسی محلہ برکات نگر میں مسجد برکات سے متّصل ہے۔

ماہ نامہ اشرفیہ کے ارباب حل وعقد نے جب حافظ ملّت نمبر نکالنے کا ارادہ کیا تو اس خادم کے ذمہ یہ سپرد ہوا کہ سیدی سندی جلالۃ العلم استاذ العلما حضرت حافظ ملّت قُدس سرہ کی تفسیر میں مہارت کے بارے میں کچھ لکھوں، یہ ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے، میں نے اس عنوان پر اپنی یادداشت کے مطابق چند باتیں ایک کاپی

پر نوٹ کرلیں، خیال یہ تھا کہ اسے ایک مناسب تمہید کے ساتھ پوری توجہ سے لکھوں گا، مگر جب یہ معلوم ہوا کہ امسال حافظ مِلّت نمبر نہیں نکلے گا تو میں سست پڑ گیا اور وہ کاپی کہیں رکھ دی درمیان میں کئی بار خیال آیا کہ لاؤ اُسے مکمل کرڈالوں مگر یہ سوچ کر کہ ابھی بہت وقت ہے رک جاتا — امسال جناب ایڈیٹر [بدرالقادری] صاحب نے ایسے وقت یاد دہانی کرائی کہ مجھے نجی خطوط کے بھی جواب کی فرصت نہ تھی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے معرکۃ الآرا حاشیہ شامی جدالممتار کی تصحیح ہورہی تھی دوسری طرف حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ کے فتاوی کی تصحیح اور تحشیہ کا کام جاری تھا، تیسری طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر ریسرچ کرنے کے لیے مولانا حسن رضا صاحب سلمہٗ مشورے کے لیے تشریف فرماتے اور دارالافتا کی ڈیوٹی اپنی جگہ، اسی میں کاپی تلاش کیا تو وہ مفقود الخبر پھر سفر در سفر کا سلسلہ

یوماً بحزوَی و یوماً بالعقیق

جدالممتار کی تصحیح سے یوں چھٹی ملی کہ مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی اور مولانا محمد احمد بھیروی مدرس ندائے حق، جلال پور نے بریلی شریف جاکر اصل سے مطابقت کرلی اور عزیزم مولانا حسن رضا سلمہ بھی اپنے متعلقین کے دباؤ سے مجبور ہوکر سفر کرنے لگے اور ان کے کام کے اہم حصے کو حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مدظلہ العالی نے اپنے سر لے لیا۔

مگر فتاویٰ امجدیہ کا کام اپنی جگہ، خوش قسمتی سے کاتب ایسا مل گیا جو کاتب تو ہے مگر ابھی تک اُس نے اسے پیشہ نہیں بنایا، کام بہت تیزی سے کررہا ہے، دارالافتا سے جو وقت بچتا وہ اس کی نذر ہوجاتا، رات میں کام نہ ہونے کے برابر، اوّل تو بجلی کی لائن غائب اور اگر کبھی بھولے بھٹکے آجاتی تو چراغ سحر کی طرح جس میں خونی دیو کی آنکھوں کی طرح بلب تو نظر آتے ہیں مگر اور کچھ نظر نہیں آتا، لیکن اب وقت ختم ہے اگر میں دو ایک دن بھی تاخیر کروں تو میں شامل نہیں ہوسکتا، اس لیے صرف بہ نیت شمولیت یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں، اگرچہ مجھے خود احساس ہے کہ اس ہونے سے نہ ہونا بہتر تھا، لیکن اگر خریداران یوسف کی صف میں ایک بے مایہ بڑھیا شامل ہونے کی جرأت کرسکتی ہے تو میں ان سطور کو حافظ ملّت نمبر میں داخل کرنے کی جرأت کررہا ہوں۔

قرآن مجید ایک بحر ناپیداکنار ہے، الفاظ تو محدود ہیں، مگر ان کے معانی غیر متناہی بالفعل ہیں۔

حدیث میں ہے:

"عجائبه لاتنقضي لكل آية منها ظهرو بطن ولكل حد مطلع."

کتاب اللہ کے معانی کا حال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سب سورۂ فاتحہ میں ہے اور فرمایا: اگر میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کروں تو اتنی کتابیں لکھ دوں کہ ستر اونٹ بوجھل ہو جائیں، علمائے اسلام نے قرآن مجید کی تفسیر پر اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ میرا ایک اندازہ ہے کہ اگر پوری دنیا کے جملہ مذاہب کی کل مذہبی کتابیں ایک پلّے میں ہوں اور تفسیر کی کتب ایک پلّے میں تو تفاسیر کی کتب بھاری ہوں گی، قرآن مجید کی تفسیر میں خطا سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کتب تفاسیر کا مطالعہ کامل ہو ورنہ آدمی بغیر ٹھوکر کھائے نہیں رہ سکتا، اگرچہ وہ اہل زبان ہو اگرچہ لغت عرب پر عبور کامل رکھتا ہو۔

صحابۂ کرام اہل زبان تھے ان کے زمانے میں قرآن نازل ہوتا تھا، مگر وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کے محتاج تھے، ارشاد ہے:

"وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ."

حضور اقدس پر قرآن نازل ہوا مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم الٰہی کے محتاج تھے، ارشاد ہے:

"ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ."

اس لیے قرآن کریم کی صحیح تفسیر جاننے کے لیے ضروری ہے کہ زبان عرب کی مہارت کے ساتھ ساتھ معانی قرآن کی تفسیر میں جو کچھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ وائمہ مجتہدین نے بیان فرمایا ہے سب پر نظر ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ کتب تفسیر قدیم و جدید کا کامل مطالعہ ہو، ان کے مضامین مستحضر ہوں، اس کو یوں ذہن نشین کیجیے، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کا بیان ہے کہ جب میں قرآن مجید کی تفسیر لکھنے بیٹھا تو بہت ایسا ہوا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمے پر شبہات وارد ہوئے جب کتب تفسیر کی طرف مراجعت کی تو کبھی کبھی کئی کئی دن صرف ہوئے، مگر کسی نہ کسی تفسیر میں ترجمۂ رضویہ کی تصحیح مل جاتی اس طرح کہ اس کے سوا دیگر جملہ تراجم کا ضعف دلائل سے موجود ملتا۔

یہ سب اس لیے لکھ رہا ہوں کہ درسِ نظامی میں عام طور پر جلالین، مدارک اور بیضاوی کے ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں اور تقریباً سبھی مدارس کا یہی دستور ہے، جلالین اور بیضاوی پر کثیر حواشی اور شروح مطبوعہ ملتے ہیں، جس کی مدد سے ایک متوسط آدمی بھی ان کتابوں کو پڑھاتا ہے اور حضور حافظ مِلّت قُدِّس سرہ کی تفسیر میں مہارت کا جو سرمایہ مل سکتا ہے وہ درس ہی سے مل سکتا ہے، تو اگر میں یہ کہہ دوں کہ حافظ مِلت ان کُتب تفسیر کو بہت عمدہ پڑھاتے تھے تو اہل علم اس کے کھوکھلے پن پر ہنس دیں گے، اس لیے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ

حافظ مِلّت قدس سرہ ان کتابوں کو خوب بہت خوب، عمدہ اور بہت عمدہ تو پڑھاتے ہی تھے، حافظ مِلّت کا کمال یہ تھا کہ ایک ذی استعداد طالبِ علم کو یہی کتابیں پڑھا کر مفسر بنا دیتے تھے۔

اپنی طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ کے بڑے صاحب زادے مولانا حکیم شمس الہدیٰ مرحوم جنھیں ہم لوگ بھائی جان کہتے تھے حضرت حافظ مِلّت قدس سرہ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے، ان دنوں ان کے ایک عزیز جلالین شریف پڑھتے تھے، اس زمانے میں یہ التزام تھا کہ جلالین حضرت حافظ ملت خود اپنے یہاں رکھتے تھے، دوسرا پارہ ہو رہا تھا، بھائی جان کے عزیز نے عبارت پڑھی، ترجمہ کیا، تقریر کا جب وقت آیا تو حضرت آج تقریر کرنے کے بجائے اس طالب علم سے سوالات کرنے لگے: مفسر نے یہ کیوں نکالا، یہ کیوں نکالا؟ غالبًا نصف صفحہ کا سبق تھا، اسی طالب علم نے ہر جگہ بتا دیا، حضرت بے حد مسرور ہوئے اور بھائی جان مرحوم حیران و ششدر، سبق کے بعد متعدّد طلبہ اور بعض مدرسین سے انھوں نے یہ واقعہ بار بار بیان فرمایا اور اس طالب علم کی بہت تعریف کی، مگر انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ سب فیض ہے اس کیمیا صفت مردِ حق آگاہ کا جو اس خام کو کندن بنانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔

کیا جلالین و بیضاوی کے شروح و حواشی دیکھ کر سب پڑھانے والوں میں یہی تاثیر ہے کہ صرف ایک پارہ کی تفسیر پڑھا کر متعلم میں اتنی صلاحیت پیدا کر دے کہ وہ پورا سبق مطالعہ میں حل کر لے، یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ہی پارہ پڑھنے کے بعد طالبِ علم میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی یا ہو گئی تھی تو اُسے سال بھر تک جلالین پڑھانے کی کیا ضرورت تھی، وہ مطالعہ سے حل کر لیتا، اسے جلالین پڑھانا تضییعِ اوقات تھا، بجائے جلالین کے اسے اور کوئی کتاب پڑھانی چاہیے تھی؟

یہ سوال اگر اسی طالبِ علم سے کیا جاتا تو وہی جواب دے سکتا تھا کہ کیوں اس نے سال بھر تک یا اکثر سال جلالین پڑھی جب کہ جلالین حل کرنے کی اسے قوت ہو گئی تھی۔

بات یہ ہے کہ جلالین سمجھ لینا، سمجھا لینا اور بات ہے اور قرآن مجید کی تفسیر پر حاوی ہونا اور بات ہے، جلالین سمجھنا، سمجھانا تفسیر کا الف با ہے اور قرآن مجید کی تفسیر پر حاوی ہونا اخیر منزل، درمیان میں کتنے مراحل ہیں، اس کو وہی جانتا ہے جو علم تفسیر سے مس رکھتا ہے، اس طالب علم میں جلالین حل کرنے کی استعداد تو پیدا ہو گئی تھی، مگر دیگر مراحل باقی تھے، انھیں طے کرنے کے لیے سال بھر جلالین پڑھتا رہا۔

اس کو یوں سمجھیے کہ جلالین سمجھ لینے سے یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ جلالین نے فلاں فلاں آیت کی کیا

تفسیر کی ہے، مگر یہ ضروری نہیں کہ جو جلالین نے تفسیر کی ہے وہی صحیح راجح مختار ہو، بہت سی جگہ بتقاضاے بشری ان حضرات سے بھی لغزش ہوئی ہے، وہاں صحیح کیا ہے؟ یہ جلالین کے مطالعہ سے کیسے معلوم ہوگا؟ علاوہ ازیں تفسیر میں جگہ جگہ احناف وشوافع کے اختلافات کی معرکہ آرائیاں ہیں اور دونوں جلال شافعی ہیں، احناف کا موقف اور اس کے دلائل جلالین دیکھنے سے نہیں معلوم ہوں گے یہ یا تو دیگر کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوں گے یا کسی ماہر مشفق استاذ کے بتانے سے، ہمارے زمانے میں مولوی محمد عثمان بمبئی ایک بہت ہی عظیم ذہین وفطین، وقادر الکلام، نقاد ذہن کے طالب علم تھے، ان کو پڑھانا آسان نہیں تھا، ہم نے دیکھا ہے کہ کبھی کبھی درس گاہ میں مناظرے کا شبہہ ہوجاتا تھا، مگر حافظِ مِلّت کے یہاں ان کو بھی ہمیشہ کم سخن ہی پایا، ان کے تفسیر جلالین پڑھنے کے زمانے کا ایک مشہور واقعہ ہے، ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اعلیٰ درجے کے ذہین وفطین ہوتے ہوئے بھی انھوں نے جلالین شریف دو سال میں مکمل حافظ ملت سے پڑھی ہے حالاں کہ جلالین بمشکل آٹھ دس پارے لوگ پڑھاتے ہیں اور عام طور پر یہ آسان کتاب مانی جاتی ہے، لیکن اس کا اصل اشکال اس واقعے سے ظاہر ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مولوی عثمان نے کیوں تیس پارہ پڑھا اور یہ بھی عقدہ حل ہوگا کہ نفس مطلب حل کرنے کے بعد کیوں پڑھنے کی ضرورت تھی۔

سورہ نور کی آیۂ کریمہ: " اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ " کا سبق تھا، آیۂ کریمہ کے ظاہر مفہوم پر بادی النظر میں بہت سے اعتراضات پڑتے ہیں، مولوی عثمان کے نقاد ذہن نے اس پر سولہ شبہات تیار کیے، ان کا بیان ہے کہ میں نے اس رات سوائے جلالین کے اور کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، ان شبہات کو اچھی طرح ذہن میں بٹھایا ان کے جو جوابات ان کی سمجھ میں آئے اُن پر بھی غور کیا، جب سبق پڑھنے بیٹھے تو اس دن عبارت نہیں پڑھی جتنی دیر عبارت خوانی اور ترجمہ ہوتا رہا اتنی دیر وہ انھیں شبہات پر غور کرتے رہے۔

ترجمے کے بعد حافظِ ملت نے تقریر کی تو دم بخود ہوکر سُنتے رہے، پینتالیس منٹ تک حافظ مِلّت تقریر کرتے رہے، یہ ہمہ تن گوش مہر برلب سنتے رہے، جب تقریر پوری ہوگئی تو حافظ مِلّت نے مولوی عثمان سے پوچھا کیا بات ہے عثمان! بالکل خاموش ہو، آج کچھ نہیں بولے؟ انھوں نے عرض کیا: آج تو سولہ شبہات تھے اور ان سب کو پیش کرنے کی پوری تیاری کرکے آیا تھا، مگر حضور نے ایسی تقریر کی کہ وہ سب شبہات کافور ہوگئے، میں کیا پوچھتا۔

تدریس کا یہ انداز ایک عظیم خرق عادت اور عظیم کرامت سے کیا کم ہے، کیا اس کی مثال عام مدرسین کے یہاں مل سکتی ہے؟ کاش کہ مولوی عثمان نے اپنے ان شبہات کو اور پھر حافظ ملت قدس سرہ کی اس تقریر کو قلم بند کرلیا ہوتا تو آج ایک عظیم یادگار باقی ہوتی۔

میں نے یہی مضمون حافظ ملت قدس سرہ کے عرس چہلم میں بیان کیا تو ایک حاسد نے جو بزعم خویش اپنے آپ کو ہمہ داں اور بے مثل و یکتا جانتے ہیں، اس کا مذاق اڑایا کہ اس میں کیا کمال ہے؟ وہ تو خود صاحب جلالین نے نور کی تفسیر "منورھا بالشمس والقمر" سے کر کے بہت سے شبہات کا ازالہ کر دیا ہے، میں نے عرض کیا۔

اوّلاً خود اس تفسیر پر کئی شبہات میرے ذہن میں ہیں نور مصدر نہیں کہ اسے اسم فاعل کے معنی میں لے لیں اور مبالغۃً حمل کا قول کریں۔

ثانیًا اس میں بھی ایک استبعاد ہے، نور اگر مصدر ہوتا بھی تو مجرد ہوتا اور منور مزید فیہ، تو اس تفسیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجرد بمعنی مزید فیہ پھر مصدر بمعنی اسم فاعل، (اگر چہ یہ شبہہ لا ینحل نہیں) مگر میں نے ان کا مبلغ علم معلوم کرنے کے لیے عرض کر دیا۔

ثالثًا یہ جواب ہے تو اس کا کہ مصدر کا حمل غیر مصدر پر درست نہیں، نیز مصدر کا معنی انتزاعی ہے، معنی انتزاعی قائم بالغیر ہوتا ہے اور اللہ عزّوجل کی صفات قائم بالغیر نہیں پھر معنی انتزاعی حقیقتِ ثابتہ نہیں انتزاع منتزع پر موقوف ہے اور اللہ عزوجل کی ہر صفت حقیقت واقعیہ ثابتہ ہے، اعتبار معتبِر پر موقوف نہیں، نیز نور عرض ہوتا ہے اور عرض قائم بالغیر ہوتا ہے، نیز یہ کہ عرض کسی ماہیت کا جُز ہوتا ہے اور صفات باری ان دونوں سے منزہ، ان شبہات کا جواب تو منور سے ہو سکتا ہے مگر سولہ کے سولہ شبہات جب تک معلوم نہ ہوں آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سب کا جواب اس تفسیر سے ہو گیا، بلکہ آپ یا ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان میں کسی ایک کا جواب اس تفسیر سے ہوا۔

حافظِ مِلّت کے درسی تفسیر کی ایک جھلک دیکھتے چلیں۔

جلالین کا پہلا سبق (الٓمٓ) الله أعلم بمراده بذلك . الٓمٓ سے اللہ کی جو مراد ہے وہ اسے خوب جانتا ہے، فرماتے ہیں: الٓمٓ مقطعات قرآنیہ میں ہے، مقطعات قرآنیہ متشابہات میں ہیں، متشابہات کے بارے میں تین مذہب ہیں: اَسلم سالم زائغ

مذہب اَسلم یہ کہ ان کی تاویل نہ کی جائے اور ان کے معنی کو علم الٰہی پر محمول کیا جائے۔

مذہب سالم یہ کہ حقیقی مراد علمِ الٰہی پر محمول کی جائے اور ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی اور معارض نہ ہوں، جیسے: یَدُاللّٰہِ میں ید بہ معنی قدرت۔

مذہب زائغ یہ کہ ان کی ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے منافی و معارض ہو، جیسے: یَدُاللّٰہِ میں ید

بمعنیٰ ہاتھ عضو مراد لیا جائے، یہ تینوں مذاہب سورۂ آل عمران کی اس آیت میں مذکور ہیں۔

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ﴾[آل عمران: ۷]

وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں، گمراہی چاہنے اور اس کی تاویل ڈھونڈنے کو اور اس کی تاویل اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت سے دو مذہب بالکل ظاہر ہیں زائغ اور اسلم، مگر آگے وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ پر اگر وقف کیا جائے تو مذہب اسلم ظاہر ہے اور اگر اللہ پر وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کو معطوف مانا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہات کی تاویل صرف اللہ اور علم میں پختہ کار علما جانتے ہیں، یہ مذہب سالم ہے، مفسر نے الله اعلم بمراده بذلك تفسیر کر کے مذہب اسلم کو اختیار فرمایا۔

(ذلك) هذا (الكتاب) الذي يقرؤه محمد (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) ذٰلك کی تفسیر هذا سے اس لیے کی کہ ذٰلك دور کے اشارے کے لیے آتا ہے اور هذا قریب کے لیے، ذلك سے شبہہ ہوتا ہے کہ اس سے قرآن کے علاوہ کسی اور کتاب مثلاً توراۃ یا انجیل کی طرف اشارہ ہے، اس لیے ذلك جزو قرآن ہے، جزشئے سے قریب ہوتا ہے، مفسر نے هذا نکال کر بتایا کہ مراد قرآن ہی ہے جس کا جزیہ ذلك بھی ہے، والإشارة بذٰلك للتعظيم کہ کے یہ نکتہ بتایا کہ مراد بُعد رتبی ہے، یعنی یہ کتاب ہے قریب مگر اتنی عظیم المرتبت ہے کہ اس سے عظیم تر کوئی دوسری کتاب نہیں۔

الذي يقرؤه محمد (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) سے اشارہ کیا کہ الکتاب میں الف لام عہد کا ہے، اس سے مراد یہ مخصوص کتاب ہے جسے محمد ﷺ پڑھتے ہیں، جس کا علم مخاطبین کو بخوبی ہے۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں یُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر یصدقون سے کر کے یہ بتایا کہ صحیح یہی ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، علما کا ایمان کے بارے میں مختلف مذہب ہے بعض محدثین شوافع جن میں امام بخاری بھی ہیں، اس کے قائل ہیں کہ ایمان تصدیق بالقلب، اقرار باللسان وعمل بالارکان کے مجموعے کا نام ہے، بعض حضرات تصدیق اور اقرار کے مجموعے کو ایمان کہتے ہیں، احناف اور محققین اس کے قائل ہیں کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اجرائے احکام کی شرط ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں متعدد جگہ

ایمان کا عمل پر عطف ہے اور عطف میں اصل مغایرت ہے، خود اسی آیت میں: "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پر یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ" کا عطف ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل دو مغایر چیزیں ہیں، نیز اگر اعمال جزءِ ایمان ہوں تو محض تصدیق کرنے والے مومن نہ ہوں گے کافر ہوں گے، پھر اس آیت کریمہ: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ" کا محمل کیا ہوگا، اسی طرح کے چند عام فہم استدلالات بیان فرماکر بڑے مزے سے فرماتے، علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ شافعی مذہب ہیں، مگر مذہب احناف کو یہاں اختیار فرمایا، یہ مذہب احناف کی حقانیت کی دلیل ہے۔

اسی طرح ایک ایک لفظ پر طالب علم کے مناسب افادات بیان فرماتے: حفظ من حفظ و نسي من نسي آیت کریمہ: وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا. پر افادہ فرماتے کہ "ان" شک کے لیے آتا ہے اور کفار کو شک نہیں یہ یقین تھا کہ قرآن خدا کی کتاب نہیں، پھر اس کو بہ صیغۂ شک کیوں بیان فرمایا، پھر نکتہ ارشاد فرماتے کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل اتنی قوی ہے کہ اسی کے آگے کفار کا یقین شک کی طرح کمزور و بودا ہے۔

جہاں جہاں مفسر سے لغزش ہوئی ہے وہاں تنبیہ فرماتے مثلاً: آیت کریمہ: لَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ ۚ وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ. اس کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی زلیخا کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے ارادہ معصیت کیا ہی نہیں، مگر مفسر نے یہ لکھا ہے و جواب لو لا لجا معھا. اس تقدیر پر مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف نے بھی معصیت کا ارادہ کر لیا تھا، اگر برہان الٰہی نہ دیکھتے تو معصیت کے مرتکب ہوجاتے۔ فرماتے کہ گناہ کا ارادہ انبیاے کرام کے شایانِ شان نہیں، اس لیے یہ تفسیر صحیح نہیں، لولا کا جواب محذوف ضرور ہے، مگر وھم بھا مقدم اس جواب محذوف پر دال ہے اور لجا معھا محذوف ماننے پر شرعی قباحت کے علاوہ ایک شناعت یہ بھی ہے کہ محذوف پر دال کوئی نہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ اس حذف پر قرینۂ عقلی قائم ہے، یہ قرینۂ عقلی دلیل شرعی کے مزاحم ہوکر ساقط ہوگیا، نیز قرینۂ ملفوظ جب موجود ہے تو عقلی قرینہ لینے کی کیا حاجت؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ ایسی شناعت لازم آتی ہو۔

یہ تو چند نمونے درس کے ہیں علاوہ اسباق کے تقریروں میں، علمی مذاکرات میں ایسے تفسیری نکات بیان فرماتے کہ ایمان تازہ ہوجاتا۔

جب دیوبندیوں نے اپنا بازار چمکانے کے لیے مدح صحابہ کی تحریک چلائی تو اس کے بالمقابل رافضیوں نے تبرا کی تحریک چلائی، اس وقت مبارک پور کی فضا بہت مکدر تھی، روافض اپنے اجلاس میں علانیہ تبرا بکتے انھیں دنوں میں ایک تبرائی دشنام طراز نے یہ کہا کہ "جگر جگر ہے دگر دگر"، یعنی حضرت علی حضور اقدس ﷺ کے بمنزلہ جگر کے ہیں اور دوسرے صحابہ نسبتاً اتنے قریب نہیں، لہذا وہ سب سے افضل ہوئے۔

اس پر حافظِ ملّت کو جلال آگیا، فرمایا: یہ شاعری ہے، شاعری پر شاعروں کے مذہب کی بنیاد ہوتی ہے، اسلام کی بنیاد شاعری پر نہیں، اولاً تو حضرت علی رسول اللہ ﷺ کے جگر نہیں یعنی جز نہیں، جز اولاد ہوتی ہے اور اگر یہ درست مان لیا جائے تو لازم کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت علی سے بھی افضل ہوں حالاں کہ یہ رافضیوں کے مسلمات کے خلاف ہے اور جمہور امت کے بھی، حضرت سیدہ ہی نہیں لازم کہ حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم، حضرت زینب وصاحب زادگان حضرت علی سے افضل ہوں یہ بھی روافض اور پوری امت کے خلاف ہے۔

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام امت پر افضلیت مطلقہ قرآن مجید سے یوں ثابت فرمائی، اللہ نے سورہ حجرات میں فرمایا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اللہ کے حضور تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو تم میں اتقیٰ (سب سے زیادہ متقی) ہے اور سورہ واللیل میں فرمایا: وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ يُؤْتِیْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۚ﴿۱۸﴾ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۚ﴿۲۰﴾ اور جہنم سے وہ بہت دور رہے گا جو اتقی (سب سے زیادہ پرہیز گار) ہے جو مال اس لیے دیتا ہے کہ پاک صاف ہو اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلا چکایا جائے، صرف اپنے بلند وبالا رب کی رضا چاہتا ہے۔

جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں اتقی سے مراد صدیق اکبر ہیں، بعد کا ارشاد بھی اس پر دلیل ہے، سوائے صدیق اکبر کے کوئی ایسا نہیں جس پر حضور اقدس ﷺ نے مالی احسان نہ کیا ہو، اس لیے متعیّن ہے کہ یہاں اتقیٰ سے مراد صدیق اکبر ہی ہیں، اب دونوں آیتوں کو ملاؤ تو ترتیب یہ ہوگی، ابوبکر اتقی ہیں اور یہ اتقیٰ عند اللہ پوری امت سے بزرگ واکرم، تو ثابت کہ صدیق اکبر ساری اُمت سے بلا استثنا بزرگ واکرم ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب حافظ ملّت قدس سرہ نے یہ استدلال تقریر میں بیان فرمایا تو مجمع پر سحر کی سی کیفیت تھی، پورا مجمع جھوم رہا تھا اور سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعروں سے گونج رہا تھا، اس قسم کے ایک نہیں سیکڑوں افادات ہیں، اگر اُسی وقت قلم بند ہو گئے ہوتے تو آج ہی نہیں قیامت تک لوگ اس سے متمتّع ہوتے مگر یہ ہم نالائقوں کی کوتاہی ہے کہ سب ضائع ہو گئے۔

جو چند نمونے میں نے پیش کیے ہیں انھیں سے اہل علم اندازہ لگالیں کہ حضور حافظ ملت قدس سرہ کا علم کتنا وسیع تھا اور ذہن کتنا نکتہ رس اور مطالعہ کتنا عمیق اور تام تھا اور کتنی کوشش فرماتے تھے کہ طالب علم کے ذہن میں جلا پیدا ہو، جودت پیدا ہو، ذکاوت پیدا ہو، قوت اخذ و مطالعہ پیدا ہو، انھیں کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ حضور حافظ ملّت قدس سرہ کے تلامذہ میں ایسے ایسے باکمال ہیں کہ آج اہل سنّت کے اساطین میں شمار ہوتے ہیں۔

ایک شخصیت ساز استاذ

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب مہتمم فیض العلوم جمشید پور (بہار)

تعارف مقالہ نگار:

ولادت سید پور ضلع بلیا یوپی میں ۱۹۲۴ء میں ہوئی، والد ماجد نے غلام رشید نام رکھا، بعد میں ارشد القادری کے نام سے مشہور ہوئے۔

ابتدائی تعلیم والد ماجد سے لی اس کے بعد آٹھ سال تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں محنت وجاں فشانی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۲ء میں سند فراغت اور دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ ناگ پور میں ۱۹۴۴ء تا ۱۹۵۲ء تدریسی خدمات انجام دیں پھر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم سے جمشید پور تشریف لے گئے جمشید پور کی فضا دین و سنیت کے اعتبار سے بڑی ناہموار تھی اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو اسے ہموار بنانے کے لیے ہی بھیجا تھا اور یقیناً آپ نے اسے ہموار بنایا اور دار العلوم فیض العلوم کی بنیاد رکھی جو آج ملک کے مشہور تعلیمی اداروں میں شمار کی جاتی ہے۔

۱۲/ مئی ۱۹۶۸ء میں ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار کی بنیاد ڈالی، آپ کے قائم کردہ اداروں کی تعداد ۱۸/ ہے اور مسجدوں کی تعداد ۸ ہے، متعدّد ایشائی، یوروپی، افریقی اور امریکی ممالک کے تبلیغی اسفار فرمائے، آپ کے سیال قلم سے متعدّد کتابیں وجود میں آئیں، ۲۸ کتابوں کا ایک سیٹ ان کے صاحب زادے مولانا زرقانی نے "الموسوعۃ الاسلامیہ" کے نام سے شائع کیا ہے، متعدّد ماہ نامے بھی جاری کیے جن میں "جام کوثر" اور "جام نور" بہت مشہور ہیں۔

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابل قدر فرزند تھے، تحریک اشرفیہ میں آپ کا بہت بڑا حصہ تھا۔

۱۹/ اپریل ۲۰۰۲ء کو چار بج کر پینتیس منٹ پر اللہ کو پیارے ہوگئے۔

اپنی فکر کی حیرانی کا عالم کیا بتاؤں، جب بھی حافظ مِلّت پر کچھ لکھنے کے لیے قلم اٹھایا ان کی ہمہ گیر زندگی کے بے شمار عنوانات نگاہوں کے سامنے بکھر گئے، لوگ کہتے ہیں کہ نور کی کثرت بھی کبھی کبھی نظر کے لیے

حجاب بن جاتی ہے، بالکل اسی کیفیت کا میں بار بار شکار ہوا اور ہر بار عنوان کے انتخاب کا مرحلہ کسی اور موقعے کے لیے ٹلتا رہا، ادھر شب و روز کے پیہم اسفار اور کثرت مشاغل کے باعث ذہن اتنا پراگندہ ہوگیا ہے کہ بکھرے ہوئے افکار کو سمیٹنے کے لیے جس فرصت اور سکون کی ضرورت ہے وہ میسر نہیں، پھر بھی ادارۂ اشرفیہ کے کار پرداز حضرات کے اصرار پر حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی مبارک و مسعود زندگی کے صرف ایک رُخ پر اپنے منتشر خیالات قلم کے سپرد کر رہا ہوں۔

حافظ مِلّت کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر اپنے تلامذہ کی پُرسوز تربیت اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر ہے، اپنے اس وصف خاص میں وہ اتنے منفرد ہیں کہ دور دور تک کوئی ان کا شریک و سہیم نظر نہیں آتا، شخصیت سازی کے فن میں کوئی مستقل کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری لیکن اپنی معلومات و تجربات کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس فن کے امام تھے، شخصیت سازی سے میری مراد اپنے تلامذہ کو ان اوصاف کا حامل بنانا ہے جو ایک "مرد مومن" کی زندگی کے لیے ضروری ہے، درس و تدریس کی دنیا میں اس فن کے نام سے اگر کوئی فن پہلے سے موجود تھا تو بلا شبہہ انھوں نے اس فن میں گراں قدر اضافے کیے ہیں، بلکہ یہاں تک میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب فکر و قلم حافظ ملت کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرے تو اسے شخصیت سازی کے فن پر اتنے مواد مل جائیں گے کہ وہ آسانی سے اس فن پر ایک ضخیم کتاب تیار کر سکتا ہے۔

تاج محل کی تعمیر آسان ہے لیکن شخصیتوں کی تعمیر کا کام بہت مشکل ہے، حافظِ مِلّت کو اس کام سے عشق کی حد تک تعلق تھا، سفر میں، حضر میں، حلقۂ درس میں، مجلس خاص میں، کہیں بھی وہ ایک لمحے کے لیے اپنے فریضۂ عشق سے غافل نہیں رہتے تھے، تاریخ میں مصلحین و اساتذہ کی زندگیوں کے جو بے شمار واقعات محفوظ ہیں ان میں شخصیت سازی سے متعلق بکھرے ہوئے جزئیات کا اگر آپ گہرا مطالعہ کریں تو آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ شخصیت سازی کے لیے کسی معلم و مصلح میں ان پانچ اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

۱-شفقت ۲-ذہانت ۳-تدبّر ۴-علم ۵-تقویٰ

اور حقائق و واقعات شاہد ہیں کہ یہ پانچوں اوصاف حافظ مِلّت کی زندگی میں ابھرے ہوئے نقوش کی طرح نمایاں ہیں۔

جہاں تک شفقت کا تعلق ہے وہ اپنے تلامذہ پر باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے، باپ کی محبت بھی اپنے چند بیٹوں کے درمیان کبھی کبھی غیر متوازن ہو جاتی ہے یہاں تک کہ باپ کے خلاف بعض اولاد کو امتیازی

سلوک کا شکوہ ہونے لگتا ہے، لیکن اپنے ہزاروں تلامذہ کے ساتھ حافظ ملّت کا مشفقانہ سلوک اتنا عجیب وغریب تھا کہ ہر شخص اس خیال میں مگن رہتا تھا کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں، محبت کی متوازن تقسیم یوں بھی ہوسکتی تھی کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب کو مساوی طور پر چاہتے ہیں، لیکن ہر شخص کی یہ خوش عقیدگی کہ حضرت مجھی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں، بلاشبہہ شفقت ہی کا نہیں بلکہ ذہانت وتدبّر کا بھی کمال ہے اور حیرت دوچند ہوجاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تلامذہ کی یہ خوش عقیدگی عارضی نہیں تھی جسے کسی وقتی التفات کا نتیجہ قرار دیا جائے اور پھر نئے تجربات کے بعد ان کا احساس بدل جائے بلکہ یہ خیال ایک بار جس کے دل میں جاگزیں ہوا رگ جاں کی طرح زندگی بھر کا رفیق ہوگیا۔

اور یہ بھی نقش ہی کی پختگی کہی جائے گی کہ سیرت وکردار کی تربیت اور تحصیل علم وکمال کے ذیل میں ہر شخص کو ایسے مواقع بار بار پیش آئے جب کہ حافظ ملّت کے زجر وتوبیخ اور خفگی وتعزیر کا انھیں نشانہ بننا پڑا لیکن اس کے باوجود احساس کا وہ آبگینہ جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتا ہے زمین پر پٹک دیے جانے کے بعد زخمی تک نہیں ہوا اور عطاؤں پر مگن رہنے والے خطاؤں پر سزاؤں کو بھی شفقت ومحبت ہی کا حاصل سمجھتے رہے۔

اور پھر اپنے شاگردوں پر حافظ ملّت کی شفقت کسی خارجی محرک کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ ایسا لگتا ہے کہ ان کی پاکیزہ سرشت ہی شفقت ومحبت کے خمیر سے تیار ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ہر استاذ صرف اپنے ذہین، محنتی اور وفاشناس شاگردوں پر شفیق ہوتا ہے، لیکن حافظ ملّت کی خصوصیت یہ ہے کہ غبی سے غبی، بدھو سے بدھو اور بے گانہ سے بے گانہ شاگرد بھی انھیں اتنا ہی عزیز تھا جتنا ذہین سے ذہین قابل سے قابل اور قریب سے قریب شاگرد۔

اور وہ مقام جہاں ہم حافظ ملّت کو ایک ”منفرد شفیق استاد“ کے پیکر میں دیکھتے ہیں یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص بھی اپنے باغی، نافرمان اور بدخواہ کے حق میں اپنی محبت وشفقت کے توازن کو برقرار نہیں رکھ سکتا، لیکن حافظ ملّت کی کتاب زندگی کا آپ مطالعہ کریں ورق ورق پر جہاں آپ انھیں نیازمندوں اور وفاشناسوں کو خلعت کریمانہ سے شاد کام کرتے ہوئے دیکھیں گے وہیں وہ نافرمانوں اور ناعاقبت اندیشوں پر بھی پھول برساتے ہوئے آپ کو نظر آئیں گے۔

اور اسے بھی ہم جذبۂ شفقت ومحبت ہی کا داعیہ کہیں گے کہ بڑے سے بڑے قصور پر مدرسہ سے طلبہ کا اخراج حضرت کی طبیعت پر بہت شاق گزرتا تھا، فرماتے ہیں: مدرسہ سے طلبہ کا اخراج بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی باپ اپنے کسی بیٹے کو عاق کردے یا جسم کے کسی بیمار عضو کو کاٹ کر الگ کردیا جائے۔

انتظامی مصالح کے پیش نظر اگرچہ یہ شرعاً مباح ہے لیکن میں اسے بھی ابغض مباحات کے قبیل سے سمجھتا ہوں۔

ایک بار ارشاد فرمایا: نیکو کار، صلاح پزیر اور اچھے طلبہ کو چاہنا استاد کا کمال نہیں، بلکہ شاگرد کا کمال ہے کہ اس نے اپنے آپ کو چاہے جانے کے قابل بنایا، اُستاد کا کمال تو یہ ہے کہ جو چاہے جانے کے قابل نہ ہو اُس کی اصلاح کر کے اُسے چاہے جانے کے قابل بنادے۔

ایک دن مجلس درس میں ارشاد فرمایا کہ استاد اپنے شاگردوں کے فکر و ذہن کا معمار اور ان کی سیرت و کردار کا معالج ہوتا ہے اور ایک معالج کی بہترین جگہ بیماروں کا حلقہ ہے، تندرستوں کی انجمن نہیں ہے، جو معالج بیماروں کا قرب برداشت نہ کر سکے اسے کچھ اور تو کہا جائے گا لیکن معالج نہیں کہا جائے گا۔

استاد شاگرد کا تعلق عام طور پر حلقۂ درس تک محدود ہوتا ہے، لیکن اپنے تلامذہ کے ساتھ حافظ مِلّت کے تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ پوری درس گاہ اس کے ایک گوشے میں سما جائے یہ انھی کے قلب و نظر کی ناپیدا کنار وسعت اور ان ہی کے جگر کا بے پایاں حوصلہ تھا کہ اپنے حلقۂ درس میں داخل ہونے والے طالب علم کی بے شمار ذمہ داریاں وہ اپنے سر لیتے تھے، طالبِ علم درس گاہ میں بیٹھے تو کتاب پڑھائیں، باہر رہے تو اخلاق و کردار کی نگرانی کریں، مجلس خاص میں شریک ہو تو ایک عالم دین کے محاسن واوصاف سے روشناس فرمائیں، بیمار پڑ جائے تو نقوش و تعویذات سے اس کا علاج کریں، تنگ دستی کا شکار ہو جائے تو مالی کفالت فرمائیں، پڑھ کر فارغ ہو جائے تو ملازمت دلوائیں اور ملازمت کے دوران کوئی مشکل پیش آئے تو اس کی بھی عقدہ کشائی فرمائیں، طالبِ علم کی نجی زندگی شادی بیاہ، دکھ سکھ سے لے کر خاندان تک کے مسائل میں دخیل و کار فرما، طالبِ علم زیر درس رہے یا فارغ ہو کر باہر چلا جائے ایک شفیق باپ کی طرح ہر حال میں سرپرست اور کفیل —— اس طرح کی ہمہ گیر اور ہم وقتی شفقت ایک باپ سے تو ضرور متوقع ہے لیکن آج کی دنیا میں ایک استاد سے ہرگز متوقع نہیں ہے، یہی ہے وہ جوہر منفرد جس نے حافظ ملت کو اپنے اقران و معاصرین کے درمیان ایک معمار زندگی کی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں کر دیا ہے۔

اور یہ لطیف نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ دل کے کسی ایوان میں شفقت و محبت تنہا سکونت پذیر نہیں ہوتی بلکہ اپنے بے شمار اعوان و انصار کے جھرمٹ میں رہتی ہے، تحمل، ایثار، اخلاص، بلند ہمتی، حلم و درگزر، استقامت و استقلال، ہم دردی و غم گساری، احسان و کرم، سخاوت و فیاضی، بے غرضی و استغنا، مشقت و پُرسوزی، خیر خواہی

وخوش اندیشی اور صبر وضبط یہ کل کے کل شفقت ومحبت ہی کی انجمن کے حاشیہ نشیں اور ارکان مجلس ہیں، اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ حافظ مِلّت اپنے دور کے ایک بے مثال شفیق استاد تھے تو اسی کے ذیل میں ہم اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ان محاسن میں بھی وہ اپنے عہد کے ایک منفرد معلم تھے، ایک منفرد مربّی تھے اور اسی کے ساتھ ایک منفرد مرشد ومزکی بھی تھے اور بلا شبہہ یہ سارا کمال حافظ مِلّت کے استاد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہے کہ ایسا نادر الوجود اور عبقری شاگرد انھوں نے پیدا کیا، جب تک آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہیں خدائے حی وقیوم استاد اور شاگرد دونوں کی تربتوں پر رحمت وانوار کے بادل برسائے۔

(بہت عجلت میں سفر کے دوران اس مضمون کی ترتیب عمل میں آئی، شخصیت سازی کے باقی اوصاف پر اشرفیہ کے شماروں میں یہ ناتمام مضمون مکمل کروں گا۔ (قادری)

آئینِ جواں مرداں

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ

تعارف مقالہ نگار:

ریشمی نگری مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کے ایک محلہ پورہ رانی میں ۱۹۲۰ء کو ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم محلے میں حاصل کرنے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا، فارسی اور ابتدائی عربی کے بعد مظہر اسلام بریلی چلے گئے پھر اشرفیہ واپس آئے اور یہیں سے ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں فراغت ہوئی۔

بعد فراغت ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ انوارالعلوم تلسی پور گونڈہ میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے، تقریباً سات سال تک بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۳۷۳ھ میں بحیثیت صدر المدرسین دارالعلوم شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) خدمات پر مامور ہوئے، پھر تین سال بعد جامعہ اشرفیہ میں مسند تدریس اور مسند افتا کو رونق بخشی اور جب جامعہ اشرفیہ کے نظام عمل میں تبدیلی ہوئی تو آپ کو جامعہ اشرفیہ کا ناظم تعلیمات اور نائب ناظم اعلی منتخب کیا گیا، بعد میں آپ ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔

مصروفیات کے بعد بھی قلمی خدمات جاری رہیں "الوسیلۃ السنیۃ الی حضرۃ رب البریۃ" آپ کے رشحات قلم کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

۱۹۹۰ء میں وصال ہوا، محلہ پورہ رانی میں آخری آرام گاہ ہے۔

مذہب خواہ خود ساختہ ہو یا اُس کی بنیاد ہدایت ربانی پر ہو، ہر مذہب وملت نے راست بازی وحق گوئی، مہر و مروت، حلم وبردباری، عدل وانصاف، ایفاے عہد، حسن سلوک اور اس طرح کی دیگر اخلاقی قدروں کو بہ نظر استحسان دیکھا اور ان لوگوں کو سراہا ہے جنھوں نے ان اوصاف کو اپنایا، اسی طرح حکما و دانش وروں نے بھی ان اوصاف کو انسانیت کی تکمیل کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

اسلام نے اس باب میں بہت زیادہ پیش رفت کی ہے، اسلام نے جہاں تاریک دلوں کو نور ایمان سے منور کیا وہیں اخلاقِ حسنہ کو لازمۂ ایمان قرار دے کر اخلاقی قدروں کو چار چاند لگادیا، عرب کی درندہ صفت قوم جس کی اخلاقی حس مرچکی تھی، شقاوت وبربریت جس کا شعار بن چکا تھا، ظلم وعدوان جس کا معمول زندگی تھا، جو انتہائی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہوچکی تھی، ہادی اسلام روحی فداہ رسول انام ﷺ نے اخلاق حسنہ سے آراستہ کرکے اس قوم کو فرش سے اٹھاکر عزت وو قار کے عرش پر بٹھادیا۔

اسی قوم نے اخلاق وکردار کے ایسے ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ آفتاب وماہتاب کی طرح ہمیشہ تاریخ عالم میں جگمگاتے رہیں گے، یہ معلم اخلاق، رسالت مآب ﷺ کے فیض صحبت کی کارفرمائی اور آپ کے خلق عظیم کی پرتوافشانی تھی، ورنہ یہ اتنی سنگلاخ وادی ہے کہ اس کا طے کرنا آسان کام نہیں۔

انسانی برادری میں عموماً اخلاقی قدروں کی جو ناقدری ہے اس دعوے کا بین ثبوت ہے، یوں تو صفاتِ حسنہ واخلاقِ فاضلہ کے جتنے شعبے ہیں، تمام شعبوں پر عمل پیرا ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے، لیکن تمام اصناف اخلاق میں حق گوئی وجرأت حق، زندگی کی کٹھن منزل اور زہرہ گداز مرحلہ ہے اس کا اندازہ آزمائش کی گھڑی میں ہوتا ہے، بڑے بڑے سورما کا پتا پانی ہوجاتا ہے، ہمتیں چھوٹ جاتی ہیں، حق گوئی کی طاقت جواب دے جاتی ہے، تملق اور چاپلوسی کے سوا چارۂ کار نظر نہیں آتا؛ اسی لیے زبان وحی ترجمان نے فرمایا:

"أفضلُ الجهادِ من قال كلمةَ حقٍ عندَ سلطانٍ جائر." [1]

بہترین جہاد وہ ہے جس نے کوئی حق بات کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کہی ہو۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والا کون سا انسان ہے جو نہیں جانتا کہ حجاج بن یوسف کی تلوار خون ناحق کے لیے ہمیشہ بے نیام رہا کرتی تھی اس ظالم شخص کے نام ہی سے لوگ لرز جاتے تھے۔

ایک دن یہ سیر وتفریح کے لیے صحرا کی طرف نکلا اپنے ہم راہیوں سے بچھڑ کر یکہ وتنہا رہ گیا، اسی عالم میں قبیلہ بنی عجل کے ایک شخص سے اُس کی ملاقات ہوگئی، پوچھا اے شیخ! کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا: اسی قریبی بستی کا رہنے والا ہوں، پھر حجاج نے دریافت کیا: حکام شہر کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ شیخ نے جواب دیا: سب کے سب اُچکّے ظالم اور نہایت بُرے لوگ ہیں، پھر حجاج نے سوال کیا: حجاج کے بارے میں کیا خیال ہے؟ شیخ نے جواب دیا: وہ سب میں نجس ترین انسان ہے، اللہ تعالیٰ اسے اور جس نے اس کو

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۳۲۲-

ان شہروں پر حاکم مقرر کیا ہے دونوں کو سیاہ کرے، حجاج نے کہا: تمھیں معلوم ہے میں کون ہوں؟ شیخ نے کہا: بالکل نہیں، اس کے بعد حجاج نے کہا: تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ہی حجاج ہوں، اتنا سننا تھا کہ شیخ کے سامنے موت کی بھیانک تصویر پھرنے لگی، فوراً بول اٹھا، اے امیر! آپ کے اوپر میری جان نچھاور، کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں کون ہوں، میں بنی عجل کا مجنون زید بن عامر ہوں، مجھے ہر روز اسی وقت مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔

ناظرین! اپنی نوعیت کا یہ ایک واقعہ نہیں، تاریخ کے صفحات میں اس طرح کے بیش تر واقعات ملتے ہیں کہ معاملہ جب دار و رسن تک پہنچتا ہے تو جرأت حق کا مزاج یکسر بدل جاتا ہے، لیکن تاریخ اسلام میں ایسے صفاکیش مردان خدا کی لمبی فہرست ہے جو ظلم و ناحق کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے، نہ صرف اپنے خلوت کدہ میں بلکہ سنگینوں کے سایہ میں اور تختہ دار پر وہی کہتے رہے جسے حق جانا اور اپنے کردار سے ثابت کر دکھایا کہ حق گوئی کا مزاج حالات کی سنگینی کی بنا پر بدلا نہیں کرتا۔

حضرت قیس بن خرشنہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ وہ تمام امور جو آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ان پر اور خصوصیت کے ساتھ حق گوئی پر آپ سے بیعت کروں، سرکار نے فرمایا: قیس! حق گوئی انتہائی مشکل معاملہ ہے، ممکن ہے تمھاری عمر وفا کرے اور ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے جن کے روبرو اسے نبھا نہ سکو، حضرت قیس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ سے قول و قرار کر لینے کے بعد مجال نہیں ذرہ برابر اس میں فرق پیدا ہو۔

قیس کو سولی پر لٹکا دیا جائے، اس کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیے جائیں، قیس کی زبان سے وہی نکلے گا جو حق ہوگا، اس کے بعد حضرت قیس کو زبان رسالت سے خوش خبری دی گئی۔

”إذًا لا يضرك شيئ.“

(قیس جاؤ اب کوئی بھی انسان تمھارا بال بیکا نہیں کر سکتا)

نگاہِ نبوت دیکھ رہی تھی کہ حضرت قیس کا کس ظالم و بدباطن شخص سے پالا پڑنے والا ہے، بالآخر وقت آیا اور عبید اللہ بن زیاد گورنری کے عہدے پر فائز ہوا، کچھ لوگوں نے اسے بتایا کہ قیس تمھارے اور تمھارے باپ کے عیوب برملا بیان کرتے ہیں، عبید اللہ بن زیاد نے قاصد بھیج کر حضرت قیس کو بلایا، جب یہ اس کے دربار میں پہنچے تو عبید اللہ نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر افترا کرتے ہو، حضرت قیس نے نہایت متانت سے جواب دیا: میں تو افترا نہیں کرتا، ہاں تمھیں معلوم کرنا ہے تو میں بتائے دیتا ہوں، وہ تم ہو اور تمھارا باپ زیاد، اس جملے

نے عبید اللہ کے تن بدن میں آگ لگادی، کہنے لگا: قیس! تمھیں یہ بھی گمان ہے کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا، آپ نے فرمایا: گمان نہیں، ایمان وایقان ہے، عبید اللہ نے کہا: اچھا میں دیکھتا ہوں، فوراً جلاد کے حاضر ہونے کا حکم دیا۔

عجیب منظر ہے، حاضرین دربار پر سکتہ کا عالم ہے، ایک طرف یقین کا امتحان ہے، دوسری طرف ظلم کی تلوار سونتی ہوئی ہے صرف حکم کی دیر ہے، اسی اثنا میں حضرت قیس جھکے اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی دنیا نے دیکھا کہ یقین غالب آیا، ظلم کی تلوار کچھ بگاڑ نہ سکی اور حق گوئی پوری آن بان کے ساتھ مسکراتی رہی۔

موجودہ دور انحطاط میں جب کہ بے عملی کا دور دورہ ہے، اخلاقی قدروں کی پامالی ہورہی ہے، منصب اور کرسیوں کے لیے ضمیر کا نیلام ہورہا ہے، اس دور میں بھی حق پسند وحق گو بندگان خدا کی کمی نہیں، گو ان کے افعال وکردار سے دنیا کما حقہ آشنا نہ ہو مگر تجسس کی نگاہ سے اوجھل بھی نہیں، انھیں بندگان خدا میں حافظ ملّت کی ذات تھی، جن کی پوری زندگی اخلاق فاضلہ ملکات نفسانیہ کی ایک انجمن تھی، کسی نے زہد وتقویٰ کو دیکھا تو ریجھ گیا، کسی نے توکل وشان استغنا دیکھی تو گرویدہ ہوگیا، کسی نے سادگی میں سطوت شاہانہ دیکھی تو دامن سے وابستہ ہوگیا، کسی نے اخلاص وللہیت کا مطالعہ کیا تو اسیر بن گیا، کسی نے خوردوں پر شفقت اور پیار کی برکھا دیکھی تو وارفتہ ہوگیا، کسی نے دینی سرگرمیوں کے لیے زندگی وقف کی تو فدائی بن گیا، الغرض آپ کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اور حیات کا ایک ایک گوشہ اس قابل ہے کہ اس پر سیر حاصل بحث کی جائے اور قوم کے لیے آپ کے کردار کی ایک دستاویز مہیا کی جائے۔

زیر نظر مضمون میں آپ کے دیگر اخلاقِ حسنہ اور علمی کارناموں سے ہٹ کر صرف آپ کی حق گوئی و جرأتِ حق کے جوہر کا ایک جائزہ پیش کرنا ہے کہ اس کٹھن منزل میں آپ نے کیا رول ادا کیا ہے۔

دارالعلوم اشرفیہ کی صدر مدرسی سے لے کر سربراہ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہونے تک آپ کی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز آئے اور آزمائش کی راہ سے گزرنا پڑا، لیکن ہر منزل میں وہی کیا جسے حق سمجھا اور اسی موقف پر ہمالیہ کی طرح جمے رہے۔

ذیل کا واقعہ آپ کی زندگی کی جہاں بہت بڑی ٹریجڈی ہے، حق گوئی کے باب میں شاہ کار کردار ہے، کچھ غلط اندیشوں نے، اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر جیل کی کوٹھری تک پہنچانے کا سیاہ کارنامہ انجام دیا، تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان کا قیام عمل میں آگیا تو جمعیت علماے ہند جو ہمیشہ سے گورنمنٹ کی نمک خوار جماعت رہی ہے، جس کے پاس کبھی تعمیرِ ملّت کا کوئی پروگرام نہیں رہا، اس کا صرف یہ کام رہ گیا کہ غلط یا صحیح مسلم لیگیوں کی

نشان دہی کرتی اور ان کی گرفتاری عمل میں آتی، اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے عام طور پر سیاسی بازی گر جمعیۃ العلما کا سہارا ڈھونڈتے اور اُس کے ممبر بنتے اسی خیال کے پیش نظر مبارک پور کے کچھ سیاسی لوگوں نے مولانا شاہد فاخری، مولانا ابوالقاسم، ابوالوفا شاہ جہاں پوری کو مبارک پور آنے کی دعوت دی، یہ لوگ مبارک پور آئے تو ان کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے بساط سیاست کے مہرے اول الذکر دو صاحبان کو دارالعلوم اشرفیہ میں لاکر دارالعلوم کا معائنہ کرایا، اور رات کو یہیں ٹھہرایا۔

دوسرے روز جمعہ کا دن تھا مولانا شاہد فاخری سنیوں کی جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنے گئے بعد نمازِ جمعہ دارالعلوم کے دو تین طالبِ علموں نے دارالعلوم کو سیاسی داؤں پر لگانے اور توہینِ رسالت کے مرتکب اکابرِ دیوبند کو پیشوا ماننے والے مولوی ابوالقاسم کو دارالعلوم میں ٹھہرانے پر اپنی بیزاری اور اس کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کیا، اخیر میں ایک طالبِ علم نے اپنی تقریر میں نہایت تلخ لب ولہجہ میں مولانا شاہد فخری صاحب کو خطاب کیا، چوں کہ اندازِ بیان شائستگی سے گرا ہوا تھا، پھر مہمان کے ساتھ اس طرح کا اندازِ کلام کسی طرح مناسب نہیں تھا، اس لیے حافظ مِلّت نے برہمی کا اظہار کیا اور اس کو ڈانٹا، اسی درمیان کچھ لوگ مجمع سے کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب تہذیب سے بات کیجیے، اس پر شور وغوغا ہوا جس کے نتیجے میں تمام لوگ مسجد سے باہر نکل آئے۔

دوسرے روز کچھ لوگوں نے کلکٹر ضلع کے وہاں شکایت پہنچائی کہ مولانا عبدالعزیز صاحب، حاجی محمد عمر ومولوی باقر علی لیگی ہیں ان لوگوں کی وجہ سے مبارک پور کا امن وامان درہم برہم ہونے کا سخت اندیشہ ہے، اس لیے ان کو حراست میں لینا ضروری ہے تا کہ امن وامان قائم رہے، چناں چہ شکایت کے نتیجے میں کلکٹر صاحب کی طرف سے ان حضرات کی گرفتاری کا پروانہ جاری ہوا۔

قصبہ میں اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ پورے قصبہ میں بھونچال آ گیا، ارادت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھانے پہنچ گیا، جہاں پولیس والے حیلہ بہانہ بتاکر آپ کو لے گئے تھے اور وہاں پہنچنے پر وارنٹ دکھایا جب جیپ پر بٹھا کر اعظم گڑھ روانہ ہونے لگے اس وقت تک تھانے پر ہزاروں مسلمان پہنچ چکے تھے، آپ نے جیپ ہی پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امن وامان برقرار رکھنے کی نصیحت فرمائی، سب کو صبر وضبط کی تلقین کی اور فرمایا: سنّت سجاد پر عمل باقی رہ گیا تھا اس کی ادائگی کے لیے جارہا ہوں، آپ لوگ اطمینان رکھیں اللہ تعالیٰ حافظ وناصر ہے۔

حافظِ مِلّت جیل میں: حافظ مِلّت اعظم گڑھ لے جائے گئے اور قصبہ میں کہرام برپا تھا، کتنی آنکھیں اشک

بار تھیں، کتنے دل سسک رہے تھے، کتنے گھروں میں آگ نہیں جلی، پورے قصبہ پر غم واندوہ کا تاریک سایہ چھایا ہوا تھا، صلاح الدین صاحب وکیل، مولوی عبدالباقی صاحب ایڈوکیٹ جیل میں ملاقات کی غرض سے تشریف لے گئے، گہرے رنج وغم کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا پھر سیدھے کلکٹر صاحب کے بنگلے پر پہنچے، کلکٹر سے کہا کہ ہم لوگ اچھی طرح واقف ہیں، مولانا ایک عالم دین مذہبی رہ نما ہیں، مولانا کو کبھی بھی سیاست سے دور کا واسطہ نہیں رہا ہے، ان کے بارے میں غلط شکایت پہنچائی گئی ہے۔

مولانا کے مبارک پور قیام سے نہیں بلکہ ان کی گرفتاری سے بہت ہیجان ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مبارک پور کی فضا میں امن وامان قائم نہ رہ سکے، کلکٹر صاحب نے کہا کہ آپ لوگوں کی باتوں پر مجھے اعتماد ہے، مگر چھوڑنے کے لیے کوئی وجہ ہونی چاہیے، مولانا سے اس مضمون کی ایک درخواست دلا دیجیے کہ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ مذکور الصدر وکیل صاحبان نے کہا کہ ہمیں مولانا کا مزاج معلوم ہے وہ اس طرح کی تحریر پر دستخط کے لیے تیار نہ ہوں گے، کلکٹر نے کہا پھر میرے لیے معذوری ہے، بالآخر وکیل صاحبان درخواست مرتب کر کے حضرت کے پاس لے گئے اور کہا کہ کلکٹر صاحب کا موڈ ٹھیک معلوم ہوتا ہے، اس درخواست پر دستخط کر دیجیے آپ کو کہیں جانے اور بیان دینے کی ضرورت نہ ہوگی ہم لوگ سارا کام کر لیں گے، آپ چھوڑ دیے جائیں گے، حضرت نے مضمون پڑھوا کر سُنا اور فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے کچھ کیا ہے، اب ضمانت دوں کہ آئندہ نہیں کروں گا، ایسی غلط بات پر میں کبھی دستخط نہیں کروں گا، اس پر وکیل صاحبان نے کہا کہ پھر آپ کیسے رہا ہوں گے؟ حضرت نے فرمایا: میں رہا ہوں نہ ہوں اس کی پرواہ نہیں مگر خلاف واقعہ درخواست پر دستخط نہیں کروں گا۔

وکیل صاحبان جب جیل کے گیٹ سے باہر ہوئے تو صلاح الدین صاحب وکیل نے لوگوں سے کہا کہ میں وکیل ہوں ہر طرح کے لوگوں سے میرا سابقہ پڑتا رہتا ہے، مگر آج تک میں نے اپنی زندگی میں اتنے اونچے کردار کا انسان نہیں دیکھا۔

دارالعلوم کا داخلی مسئلہ رہا ہو یا خارجی، جو مسئلہ بھی سامنے آیا اپنے حسنِ تدبر سے اس کی گتھی سلجھائی اور کسی مسئلہ میں بھی حق پسندی وحق گوئی کے موقف سے سر مو پیچھے نہیں ہٹے، اس سلسلے میں متعلقہ لوگوں کی طرف سے خواہ ستائش وحمایت کی سوغات ملی ہو یا مخالفت کی تلخی۔

ابھی چند برسوں کی بات ہے، ایک معزز خاندان کے طالبِ علم کی وجہ سے قصبہ میں زبردست ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی، آپ نے خاندانی وجاہت کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے سرپرست کو لکھا کہ ان کی وجہ سے قصبہ

کے امن وامان اور خود دارالعلوم کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا ہے، اس لیے دارالعلوم میں موصوف کا قیام مناسب نہیں ہے، آپ انھیں فوراً بلالیں۔

چوں کہ قصبہ کی فضا نہایت گرم ہو چکی تھی، طالبِ علم مذکور کے مکان چلے جانے کے باوجود مخالف جماعت کا جوش انتقام ٹھنڈا نہیں ہوا، جلسہ کا اعلان کر کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پر سب وشتم کی بارش کی، اس جماعت کی اس حرکت سے پورا قصبہ شعلۂ جوالہ بن گیا، مشتعل سنی نوجوانوں کی طرف سے شدید مطالبہ ہوا کہ بلاغت کا تقاضا ہے کہ انھیں طالبِ علم سے تقریر کا جواب دلایا جائے، بالآخر کمیٹی کا اعلان ہوا کمیٹی کے ارکان کے علاوہ قصبہ کے نوجوانوں کا طبقہ کمیٹی میں شرکت کے لیے امڈ پڑا، کمیٹی کی کاروائی شروع ہوئی تو نوجوانوں نے طالب علم مذکور کے داخلہ کا مطالبہ کیا، نوجوانوں کے جوش کے سامنے کمیٹی کے ارکان نے گھٹنے ٹیک دیے، مگر حافظِ ملّت نے فرمایا ان کا داخلہ دارالعلوم کے حق میں زہر قاتل ہے، میں داخلہ کی صورت میں دارالعلوم کی تباہی دیکھتا ہوں؛ اس لیے داخلہ کرنے سے معذور ہوں، اساتذہ کے علاوہ تقریباً پوری کمیٹی داخلہ کے لیے زور لگاتی اور اصرار کرتی رہی اور حضرت ہر ایک کی تفہیم فرماتے ہوئے بار بار داخلہ سے معذوری ظاہر فرماتے، اسی طرح تقریر کے جواب کے سلسلے میں فرماتے: آپ حضرات اطمینان رکھیں ہمارے اساتذہ میں آل انڈیا سطح کے مقرر ہیں ان شاء اللہ مدلل اور بھرپور جواب دیں گے۔

سوال وجواب کا سلسلہ ایک بجے تک قائم رہا جب داخلہ کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہوئی تو ایک محلہ کے لوگ یہ کہتے ہوئے طیش میں کھڑے ہو گئے کہ داخلہ نہیں ہوتا تو ہم لوگ جا رہے ہیں، گویا یہ وارننگ تھی کہ دارالعلوم کی امداد سے ہم لوگ دست کش ہو جائیں گے چوں کہ طلبہ کی بہت بڑی تعداد کی جاگیر اسی محلہ سے وابستہ تھی، اس لیے جاگیریں بند ہونے سے دارالعلوم کی مالیات پر بہت بڑا بار پڑے گا جس کا متحمل دارالعلوم نہ ہو سکے گا، لازمی طور پر مالیات کا توازن برقرار نہیں رہ سکے گا، اس سنگین صورتِ حال میں بھی حافظ ملّت کے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہوئی نہ آپ کی حق گوئی ذرہ برابر متاثر ہوئی، آپ نے فرمایا: آپ حضرات داخلہ کے حق میں ہیں تو کمیٹی کو اختیار ہے داخلہ کرے، لیکن اس کے جو اثرات مرتب ہوں گے ان کی ذمہ دار کمیٹی ہوگی عبدالعزیز ذمہ دار نہیں ہوگا۔

مبارک پور کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ حافظِ ملّت کا تدبر یا آپ کی دور بین نگاہیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں وہ حرف بحرف پورا ہوا، جس شخص کے داخلے کا اصرار تھا بالآخر کیا گیا، طرفین سے اشتعال انگیز تقریروں کا تبادلہ ہوا، تین آدمیوں کا قتل ہوا، لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح پکڑ پکڑ جیلوں میں بھر دیے گئے، کچھ لوگوں نے سزائیں کاٹیں

بے پناہ سرمایہ خرچ ہوا، مگر الحمد اللہ دار العلوم کے اسٹاف اور دار العلوم پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

اس باب میں یہ واقعہ بھی آپ کے اس وصف خاص کا بہت بڑا آئینہ دار ہے، ایک صاحب نکاح پڑھانے کے لیے آپ کو لے گئے، آپ نکاح پڑھاکر فارغ ہوئے مسجد سے باہر تشریف لا رہے تھے، قابل اعتماد ایک دوسرے شخص نے بتایا کہ حضرت لڑکی سُنّی گھرانے کی ہے مگر لڑکا دیوبندی مسلک کا ہے اس علم کے بعد افسوس کیا اور پلٹ کر فرمایا نکاح نہیں ہوا، اس بات میں دیوبندی حلقہ میں چرچا ہوا تو ان لوگوں میں بہت زیادہ برہمی پیدا ہوئی۔

ایک نوجوان نے اپنی ثروت کے زعم میں یہاں تک کہا کہ میں حافظِ مِلّت کو چاقو مار دوں گا، اس کی اطلاع جب ہمارے دار العلوم کے اہم رکن جناب سیٹھ حاجی محمد عمر صاحب کو ہوئی تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت اس وقت آنے جانے میں ذرا احتیاط برتیں یا کسی کو ساتھ لے لیا کریں، حضرت نے دریافت فرمایا ایسا کیوں کروں؟ حاجی صاحب نے ماجرا بیان کیا۔

آپ نے فرمایا حاجی صاحب! مومن کی شان ہونی چاہیے کہ اپنے رب پر بھروسا کرے اس کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ [الحدید:۴] (اور وہ تمھارے ساتھ ہے تم کہیں ہو۔ کنزالایمان)

الحمد للہ مجھے اپنے رب پر کامل اعتماد ہے کہ وہ میرا حافظ و ناصر ہے، میں جس حال میں جہاں بھی رہوں، ان شاء اللہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

حافظِ ملّت استقلال کا کوہِ گراں

علامہ مشتاق نظامی

تعارف مقالہ نگار:

علامہ مشتاق احمد نظامی خطابت کی دنیا کا بہت اونچا نام ہے۔

ولادت: ۱۵؍ اگست ۱۹۲۹ء کو پھول پور، ضلع الہ آباد میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کر کے مدرسہ سبحانیہ الہٰ آباد میں داخلہ لیا، اور یہیں سے تعلیم کی تکمیل کر کے سند فراغت کا اعزاز پایا۔

فراغت کے بعد تدریس کی جانب توجہ مبذول کی، مدرسہ سبحانیہ، مدرسہ مصباح العلوم اور جامعہ حبیبیہ میں اپنی تدریسی صلاحیتوں کے جوہر بکھیرے۔

متعدّد کتابوں کے مصنف بھی تھے جن میں "خون کے آنسو" "شیش محل" وغیرہ مشہور ہیں۔

وفات: ۳۱؍ دسمبر ۲۰۲۰ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

حافظ ملّت: جسم ضعیف و ناتواں مگر عزم واستقلال کا کوہِ گراں۔

یہی وہ قدسی نفوس ہیں جن کے نقش پا آنے والی نسل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔

سچ ہے یہ اپنے لیے نہیں بلکہ دنیا کی ہدایت کے لیے جیتے ہیں —— یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق میں اکثر یہ کہتا ہوں کہ یہ دین دار ہی نہیں بلکہ چلتا پھرتا دین ہیں، جنھیں دیکھ کر اور ان کی اتباع کر کے لوگ دین دار بنتے ہیں، بعض نگاہوں نے انھیں **"استاذ العلماء جلالۃ العلم"** ہی سمجھا لیکن وہ میری نظر میں —— عارف باللہ اور اللہ کے ولی ہیں، علم ظاہر و باطن کے ایسے سنگم جہاں پر ہر پیاسے کو پانی ملے وہ استاذ العلما کی ذاتِ گرامی ہے۔

ایک ایسا عابد شب زندہ دار کہ زہد و تقویٰ و پارسائی جس کے دامن کی حسین جھولی میں زمین پر آنکھیں

بچھائے اس طرح گزر جائیں کہ فرش کی کائنات انھیں دیکھے، لیکن ان کی خدا شناس نگاہوں کو کوئی کچھ نہ کہہ سکے، لباس میں ایسی سادگی، جس سے عالمانہ وقار پھوٹ پھوٹ کر برستا ہو، گفتار میں ایسی نرمی اور مٹھاس گویا ہونٹوں سے پھول جھڑ رہے ہوں، ایسے کریم وشفیق کہ بچے انھیں پاکر ماں کی گود بھول جائیں، اپنے بزرگوں کے ایسے ادب شناس کہ اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا وصدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی علیہما الرحمۃ والرضوان کا نام سنتے ہی اپنی گردن جھکالیں۔

تاجدار اہلِ سنّت حضور مفتیِ اعظم ہند (دامت برکاتہم القدسیہ ولازالت شموس افاضاتہم العالیہ) ودیگر اکابر اہلِ سنّت کے تذکرہ پر اپنی والہانہ مسرت کا اظہار، یہ حافظ ملت کی خصوصی ادائے محبت ہے۔

بعض دلوں کے شکوک وشبہات کا رینگتا کیڑا دور کر دینا مناسب جانتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج کی دنیا میں حضرت حافظِ ملّت کا سفر حجاز خود ان کی ایک زندہ کرامت ہے، مدتوں کی آرزو تھی کہ دیار مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثنا) میں حاضر ہوں لیکن فوٹو کا مسئلہ سد راہ تھا، دل کی لگن رنگ لاکے رہی بغیر فوٹو کے پاس پورٹ بن گیا، دنیائے توہُّب میں صف ماتم بچھ گئی ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مادی طاقتوں نے روحانیت کے سامنے سر جھکالیا، پھر دُنیا آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی، وہ گئے اور آئے لیکن دشمن ان کی گرد راہ تک نہ پاسکا، یہ پاس پورٹ ایک ایسا عجوبہ ہے جس نے دشمنوں کا بھی دل جیت لیا ہے، کوئی بتائے اسے کرامت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

رب کریم! استاذ العلما کے فیضانِ کرم کو دنیائے سنّیت پر دراز فرمائے اور ان کے علم اور روحانی فیوض وبرکات سے عالمِ اسلام کو متمتّع فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

حافظ ملت کا مرکزی کردار

حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب، مہتمم الجامعۃ الاشرفیہ

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۸ر محرم الحرام ۱۳۴۳ھ/ مطابق ۱۹ر اگست ۱۹۲۴ء قصبہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم جوار کے مکتب سے حاصل کی اور ۱۹۴۳ء میں دار العلوم اشرفیہ آکر ۱۹۴۶ء میں درس نظامی مکمل کیا۔

خدمات: فراغت کے بعد حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز نے درجہ قراءت و عالمیت کی تدریسی خدمات کے لیے منتخب فرمایا اور سیکڑوں تشنگانِ علم نے آپ کے بحر علم سے پیاس بجھائی۔ تقریباً یہ سلسلہ ۱۷ر سال تک جاری و ساری رہا۔ بعد میں اشرفیہ کے مہتمم اور نائب صدر منتخب ہوئے۔

وصال: ۱۵ر مئی ۱۹۹۶ء بعمر ۷۲ سال، مشہور قبرستان نوغازی پیر بابا میں آخری آرام گاہ ہے۔

عہد صحابہ سے لے کر اب تک تاریخ اسلام کے ہر قرن اور ہر عہد میں ایسی شخصیتیں افق اسلام پر طلوع ہوتی رہی ہیں، جن کی عبقریت کا لوہا دنیا والوں نے مانا اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے، اس منتہاے کمال خصوصیت کا حاصل ہونا کچھ آسان کام نہیں کہ ہر کس و ناکس کو حاصل ہو جائے، اس کے لیے آزمائش کی کسوٹی پر چڑھنا پڑتا ہے، طوفان حوادث سے گزرنا پڑتا ہے، وقت کے غلط افکار و خیالات سے ٹکر لینی پڑتی ہے۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

سوال یہ ہے کہ اس وصف کی حامل ملت اسلامیہ کی ان عظیم شخصیتوں کا سرچشمہ کمال کیا ہے؟ جس کی بدولت ان کی عبقریت کا سکہ چلتا رہا، ان حضرات کی سیرت و کردار کی گہرائی میں جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمام بزرگوں میں قدر مشترک اتباع سنت و تحفظ اسلام کا پاکیزہ جذبہ کار فرما تھا، جس نے انھیں گنجینۂ خیر و منارۂ ہدایت بنایا۔

اسلامی روایات کے مطالعہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جس جس نے اس جوہر کو اپنایا سپہر عظمت کا آفتاب بن کر چمکا اور اسلام کا بطل جلیل قرار پایا۔

خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق، امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس خون کا ایک ایک قطرہ، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ کی حیات کا ایک ایک گوشہ پکار رہا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ، تحفظ اسلام واتباع سنت کی بہترین نمونہ ہیں۔

موجودہ صدی میں مسند علم و دانش سے کتاب و سنت کی نقیب ایک ایسی شخصیت ابھری جو ابھرتی ہی گئی یہاں تک کہ آسمان سنیت پر چھا گئی، پھر وہ وقت آیا کہ اس ہستی کی عبقری شان دن کے اجالے کی طرح دنیا کے سامنے اجاگر ہوگئی اور قوم نے حافظ دین و ملت کا موقر خطاب دے کر اعتراف حقیقت کیا، آپ کی فیض بخش ذات بابرکات اگرچہ مجمع کمالات تھی، لیکن ان تمام کمالات کا تجزیہ کیا جائے تو دین کے فروغ کے لیے تمام تر جدوجہد اور اتباع سنت آپ کا مرکزی کردار ٹھہرے گا اور سارے کمالات اسی محور پر گردش کریں گے۔

واقعات کی روشنی میں دیکھنے والی نگاہیں اس دعوت کی تصدیق کریں گی، آپ کی متنوع شخصیت سے ہر طبقے کے لوگ فیض یاب ہوتے، فیض حاصل کرنے والے طلبہ کی جماعت رہی ہو یا عوام الناس کا ہجوم، طبقۂ خواص رہا ہو یا ارادت مندوں کی انجمن، حاجب مند محتاج آیا ہو یا صاحب ثروت، ہر ایک کے ساتھ مہر و مروت اور حسن اخلاق کا یکساں برتاو رہتا، طلبہ کو احساس ہوتا کہ حافظ ملت کی محبت و مہربانیاں صرف ہمارے لیے ہیں، عوام سمجھتے کہ حافظ ملت کی زندگی صرف ہمارے لیے وقف ہے، خواص و مخلصین کو خیال گزرتا کہ حافظ ملت کی ساری توجہات صرف ہمارے حصے میں ہیں:

ہر کس بہ خیال خویش خوش است

در اصل بات یہ ہے کہ حافظ ملت کے اس یکساں حسن سلوک و مساویانہ برتاو کا رشتہ سرچشمۂ مہر و مروت تاج دار مدینہ آقاے کائنات ﷺ کی ذات مقدس سے ملتا ہے، یعنی اس رحمت عالم، داعی مساوات کے اتباع کا ثمرہ ہے جس کے اخلاق کی نورانی کرنوں سے اگر ایک طرف کا شانۂ امیر منور ہوتا تو دوسری طرف مفلس کی جھونپڑی بھی۔

دربار مصطفیٰ ہے کہ خالق کی بارگاہ
جو مرتبہ فقیر کا وہ شہر یار کا

آپ کے معمولات زندگی میں عمل بالسنۃ اس طرح رچ بس گیا تھا کہ سیرت و کردار کے ہر گوشے سے اس کا مظاہرہ ہوتا، مجال نہیں کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر کوئی قدم سنت کے خلاف اٹھ جائے خلوت ہو یا جلوت، دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی، ہر لمحہ آپ کی زندگی سُنت کی عملی تفسیر تھی۔

سفر، حضر میں جب بھی راقم سطور کو معیت کا شرف حاصل ہوا، یہی دیکھا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں ہاتھ گٹے تک دھوتے اور لقمہ خوب چبا کر کھاتے، کھانا خواہ مزاج کے موافق ہو یا ناموفق، اس میں عیب نہ نکالتے، کھانے کے بعد فوراً پانی نہ پیتے بلکہ کچھ وقفہ کے بعد پیتے، اسی طرح پانی جب بھی پیتے چوس کر تین سانس میں پیتے۔

ستر سال سے عمر متجاوز ہو چکی تھی اس وقت کا واقعہ ہے ٹرین سے سفر کر رہے تھے جس برتھ پر تشریف فرما تھے اتفاق سے اس پر ایک ڈاکٹر صاحب بھی بیٹھے تھے، ڈاکٹر صاحب نے سلسلۂ کلام شروع کیا تو آپ کی جلالت علمی سے بہت متاثر ہوئے، منزل سفر و ہم سفر کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور بار بار آپ کی طرف حیرت سے دیکھتے رہے، بالآخر ڈاکٹر صاحب نے کہا: مولانا صاحب! میں آنکھوں کا ڈاکٹر ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ اس عمر میں بھی آپ کی بینائی میں کوئی فرق نہیں، بلکہ آپ کی آنکھوں میں بچوں کی آنکھوں جیسی چمک ہے، مجھے بتائیے کہ کیا چیز استعمال کرتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں کی صحت و بینائی کا یہ عالم ہے، آپ نے فرمایا: ڈاکٹر صاحب میں کوئی خاص دوا وغیرہ تو استعمال نہیں کرتا، ہاں ایک عمل ہے جسے میں بلا ناغہ کرتا ہوں، رات کو سونے کے وقت سنت کے مطابق سرمہ استعمال کرتا ہوں اور میرا اذعان ہے کہ اس عمل سے بہتر آنکھوں کے لیے دنیا کی کوئی دوا نہیں ہو سکتی۔

حافظ ملت کے کردار کی جزئیات میں سے ہر ایک میں آں حضرت ﷺ کی سیرت مقدسہ کا عکس جھلکتا ہوا نظر آئے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں ہر ایک کی دلی خواہش ہوا کرتی کہ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کاش رحمت عالم ﷺ نماز جنازہ پڑھا دیں تو سکون و طمانیت کا بہت بڑا ذریعہ ہوگا اور رحمت الٰہی آغوش میں لے لے گی، کیوں نہ ہو خود خلاق کائنات نے فرمایا ہے: وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ . (التوبۃ:۱۰۲)

اے حبیب! اپنے فدا کار صحابہ کی نماز جنازہ پڑھائیے آپ کا جنازہ پڑھانا ان کے راحت و سکون کا باعث ہے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی رسول کا انتقال ہوا، رات کا وقت تھا تاریکی پورے طور پر مسلط تھی، لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ اس وقت اگر سرکار کو اطلاع دی جائے تو ضرور تشریف لائیں گے، اگر تشریف لائے تو تکلیف ہوگی اس بنا پر بغیر اطلاع دیے تجہیز وتکفین کر دی گئی، صبح کو رحمت مجسم سرکار کائنات ﷺ کو اطلاع ہوئی تو بے حد تکلیف ہوئی، بار بار فرماتے مجھے کیوں نہیں اطلاع دی گئی؟ اس کے بعد ان صحابی کی قبر پر تشریف لے گئے، فاتحہ پڑھی اور دعاے مغفرت فرمائی۔

اس خصوص میں حافظ ملت کے کردار کا جائزہ لیجیے، خواہ تکلیف ہو یا آرام، دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی، اپنی تکلیف کی پرواہ کیے بغیر ہر شخص کی خواہش کی تکمیل آپ کی زندگی کا معمول تھا، محلہ پورہ باغ کے ایک شخص حاجی سلامت صاحب کا انتقال ہوا، جاڑے کا موسم جاڑے کی سخت تاریک رات تھی، آپ شدت کے بخار میں مبتلا کروٹیں بدل رہے تھے، کچھ لوگ تقریباً ایک بجے رات کو آئے اور بتایا کہ حاجی صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے جنازہ پڑھانے کے واسطے حضرت کے لیے وصیت کی ہے، یہ سننا تھا کہ گویا ساری تکلیفیں کافور ہو گئیں، اسی عالم میں لوگوں کے ہم راہ تشریف لے جا کر نماز جنازہ پڑھائی۔

افضل العلما حافظ ملت

مولانا سید الزماں حمدوی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا سید الزماں حمدوی علیہ الرحمہ ایک سادگی پسند، عالم دین تھے۔ ۱۹۲۱ء میں بمقام پوکھریرا، ضلع مظفر پور بہار میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عالمیت تک کی تعلیم مدرسہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ، دربھنگہ سے اور فضیلت جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے کی۔

خدمات: تعلیم سے فراغت کے بعد عابدہ ہائی اسکول مظفر پور میں ہیڈ مولوی کے عہدے پر تقرر ہوا اور تاحیات اسی ادارے میں خدمات انجام دیتے رہے۔

وفات: ۳۱؍ جنوری ۱۹۹۶ء میں بمقام مظفر پور وفات پائی۔

حضرت حافظ ملت مولانا عبد العزیز صاحب قدس سرہ العزیز سے مجھے چند بار دامودر پور، مظفر پور کے مدرسہ انوار العلوم کے سالانہ دستار بندی کے جلسوں میں نیاز حاصل ہوا، "مقامات مصطفیٰ" ﷺ کے عنوان پر تقریر بھی فردوس گوش ہوئی، ان کے علاوہ تحریری لباس میں حضرت والا کی زیارت پرچوں کے توسط سے ہوتی رہی اور آج بھی ہو رہی ہے، "معارف الحدیث" کے عنوان سے حدیثی تشریحات فردوس نگاہ رہی ہے اور آج کل مجلہ اشرفیہ میں "انوار السنہ" کے تحت حدیثی تشریحی روشنی سے ایمانی نگاہ فیض یاب ہو رہی ہے، مستقل تصنیف کے لحاظ سے صرف ایک کتاب "المصباح الجدید" کے اندر اپنی ان آنکھوں سے آپ کی جلوہ فرمائی کا مشاہدہ کیا ہے، ان باتوں کے تذکرے سے محض اتنا مقصود ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ سے میرے روابط کے یہی کمزور دھاگے ہیں اور یہی ان کی بارگاہ عالی کے قرب و باریابی کے چھوٹے سے پیمانے ہیں، جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ میں ان کی فعال اور متحرک جامع کمالات ذات کے متعلق اجمال کے سوا تفصیل کا سرمایہ کہاں سے لا سکتا ہوں، یہ تو انھیں خوش نصیبوں کی قسمت میں ہے جنھوں نے حافظ ملت کی صبح و شام، لیل و نہار، جلوت و خلوت، درس و تدریس، رشد و ارشاد کی نورانی فضاؤں میں اپنی زندگی کے لمحات و سکنات گزارے ہیں،

ہمارے لیے تو دور کے جلوے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اگر یہ سچ ہے کہ پروانے کا طواف شمع فروزاں کی دلیل ہے، وحوش وطیور، مور وملخ انسان وحیوان کا عالم تشنگی میں کسی ایک جگہ ہجوم اور بھیڑ، چشمۂ شیریں کے وجود پر قطعی نشان دہی ہیں، تو ماننا پڑے گا کہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کتاب وسنت کے سرچشمۂ شیریں تھے اور ہیں جبھی تو ایک دنیاے سنیت ان کے دامن میں آباد ہے، جبھی تو طالبان علم ودین ومہمانانِ اسلام ان کے سفرۂ درس وتدریس سے خوان یغما کا لطف اٹھائے ہیں اور اٹھا رہے ہیں اور آج ایک دینی یونیورسٹی کے قیام کا تاجِ زریں ان کے فرق اقدس پر تاباں ودرخشاں نظر آرہا ہے، اشرفیہ یونیورسٹی ایک ایسا گل زار علم ودین ہے، ایک ایسا گلشن سنیت ہے کہ جس کے خوش گوار نسیمی جھونکوں سے مشام دین وایمان معطر ہورہا ہے، اگر اور کچھ نہ ہوتا صرف یہی ان کا ایک کارنامہ ہوتا تو ان کے فضل وکمال کی خطبہ خوانی اور ان کی دینی خدمت کی قصیدہ سرائی کے لیے کافی بلکہ بہت کافی تھا، چہ جائے کہ ان کے صحیفۂ کمالات کا یہ کارنامہ صرف ایک باب ہے، ان کی کتاب زندگی کا دیباچہ ہے۔

اس کے بعد مجملاً ان عمومی بشارات نبوت کا مختصر تذکرہ کرتا ہوں جن کے دامن میں حافظ ملت قدس سرہٗ کی ذات بابرکات بھی نمایاں طور سے وابستہ نظر آتی ہے۔

حافظ ملت بے مثال حافظ قرآن تھے، حافظ قرآن کی عزت وحرمت عند اللہ وعند الرسول "جل وعلاو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے:

حدیث پاک میں منقول ہے:

من حفظ القرآن فقد ادرجت النبوة بين جنبيه إلا أنه لا يوحىٰ إليه.[۱]

ترجمہ: جس نے قرآن کریم کو حفظ کیا بے شک اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان یعنی دل میں نبوت درج فرمادی گئی ہے مگر یہ بھی بالکل سچی حقیقت ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی۔

یہ استثنا فرما کر اس احتمال کو زائل فرمادیا گیا ہے کہ کوئی اس کو حقیقت نبوت پر محمول نہ کردے، یہ محض آثار نبوت اور فضیلت حفظ قرآنی کا بیان ہے۔

دوسری حدیث پاک میں آیا:

كاد حملة القرآن أن يكونوا أنبياء إلا أنهم لا يوحىٰ إليهم.[۲]

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی، علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، خطبۃ الکتاب، ص:۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) حاشیۃ الطحطاوی، علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، خطبۃ الکتاب، ص:۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

اس حدیث پاک کا بھی تقریبی مفہوم وہی ہے جو پہلی حدیث کا ہے۔

اس قسم کی فضیلتوں والی حدیثوں کے مصداق کامل ہونے کے لیے جن شرطوں اور قیدوں کا شریعت میں لحاظ ہے اس کی روشنی میں ببانگ دہل کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حافظ ملت قدس سرہٗ اس کے مصداق کامل تھے، پوری زندگی قرآن وحدیث کی خدمات میں گزار دی۔

حافظ ملت عالم باعمل تھے، سرکار مدینہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

العماء ورثة الأنبياء إن الأنبياء لايورثون درهماً ولا ديناراً و إنما ورثوا العلم فمن أخذه أخد بحظٍ وافر.[1]

علما نائبین انبیا ہیں "علیہم صلوات اللہ وسلامہ اجمعین اور انبیا کے وارثین کو درہم و دینار کا ترکہ نہیں ملتا بلکہ وہ وارث علم نبوت ہوتے ہیں ترکہ میں دینی علم کا سرمایہ ملتا ہے، پس جس نے وراثتاً علم نبوت کو لیا اس نے وافر اور بھرپور حصہ حاصل کیا، دوسری حدیث میں مروی ہے:

"يحبهم أهل السماء و تستغفر لهم الحيتان فى البحر وإنما العالم من عمل بعلمه"[2]

ترجمہ: جس عالم نے علم دین کے مطابق عمل کیا اس سے اہل آسمان و ساکنین بالا محبت کرتے ہیں اور سمندر کی تہوں میں مچھلیاں ان کے لیے دربار خداوندی میں دعاے مغفرت کرتی ہیں۔

تیسری حدیث میں ہے:

أقرب الناس من درجة النبوة أهل العلم و أهل الجهاد.[3]

ترجمہ: درجۂ نبوت سے قریب تر درجہ رکھنے والے مسلمان اہل علم واہل جہاد ہیں۔

علم وعلما کی فضیلتوں میں بہت سی حدیثیں وآیتیں ہیں سب کا احصا مقصود نہیں ہے، مذکورہ بالا احادیث طیبہ کی روشنی میں نہ معلوم چودہ سو برس کی لمبی مدت میں کتنے علماے ربانیین قافلہ در قافلہ، کارواں در کارواں گزر چکے ہیں، جن کے سرہاے مقدس پر ان فضیلتوں کے تاج زر نگاہ درخشاں ہیں اور کتنے اس پر آشوب دور میں بھی بقید حیات مسند وراثت نبوت پر فائز ہیں، یقیناً حافظ ملت کی للّٰہیانہ زندگی، نشر علوم نبوت کی خدمتیں دلیل بین ہیں کہ آپ بھی فضل الٰہی سے ان فضیلتوں کے جامع ہیں، اس سے زیادہ ان کی سچی مدحت سرائی اور کیا ہوسکتی ہے۔

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی، علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، خطبۃ الکتاب، ص:۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۲) حاشیۃ الطحطاوی، علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، خطبۃ الکتاب، ص:۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) حاشیۃ الطحطاوی، علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، خطبۃ الکتاب، ص:۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت

حافظ ملت آج بھی زندہ ہیں، سلطان طیبہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

العلم حياة الإسلام و عماد الايمان و من علم علماً أتم الله له أجره و من تعلم فعمل به علّمه الله علم مالم يعلم وأوحىٰ الله تعالىٰ إلى ابراهيم عليه السلام يا إبراهيم! أنا عليم أحب كل عليم.(۱)

مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ علم دین اسلام کی زندگی وحیات اور ایمان کے ستون ہیں، جس نے علم دین سیکھا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو کامل اجر سے نوازتا ہے اور جس نے علم سیکھا اور اس کے مطابق عمل کیا تو مولیٰ تعالیٰ اس عمل کی وجہ سے ان پر علموں کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جس کا علم حاصل نہیں تھا وہ بھی من جانب اللہ تعالیٰ اس کو سکھا دیا جاتا ہے، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے ابراہیم! میں علم والا ہوں اور علم والوں کو محبوب رکھتا ہوں۔

جب علم دین و وحی نبوت سراپا روح وحیات ہے تو جو اس روح کا حامل ہو تو اس میں حیات و زندگی کیسے نہ ہوگی؟ اور وہ "لا يموتون ولٰكن ينتقلون من دارٍ الى دار" کے مصداق ہوتے ہیں یعنی ایسے حضرات مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو جاتے ہیں۔

رخصت ہوتے ہوتے ایک اور حدیث سماعت فرمالیجیے:

العلم خزائن ومفاتيحها السؤال ألا فاسألوا فإنه يوجر فيه أربعة: السائل، والعالم، و المستمع، والمحب لهم.(۲)

مطلب خیز مفہوم یہ ہے کہ علم ایک مقفل خزانہ ہے اس کی کنجی پوچھنا اور دریافت کرنا ہے تو لوگو! تمھیں متوجہ کیا جاتا ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھیں، اس دینی پوچھ پاچھ میں چار آدمیوں کو اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے، ایک مسئلہ پوچھنے والے، دوسرے مسئلہ کا جواب دینے والے عالم، تیسرے اس سوال و جواب کے سننے والے، چوتھے ان حضرات سے عقیدت و محبت رکھنے والے۔

اس حدیث کی روشنی میں علماے کرام سے نہ معلوم کتنے سوالات دینیہ ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں وہ حضرات بھی جوابات صحیحہ سے امت کو آشنائے دین کرتے رہے ہیں، حضرت حافظ ملت کی پوری زندگی مسائل دینیہ کے بیان میں گزری، درس و تدریس میں سوالات و جوابات کے لمحات گزرے اور آپ نے کتنے اُجور بے

---

(۱) حاشية الطحطاوي، على مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، خطبة الكتاب، ص:۱۱، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) حاشية الطحطاوي، على مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، خطبة الكتاب، ص:۱۱، دار الكتب العلمية، بيروت

پایاں کے خزینہ دار ہوکر اس دنیا سے کوچ فرمایا، صرف آپ ہی کے لیے یہ فضیلت نہیں مانتا ہوں بلکہ ایسے تمام اہل حق علماے کرام کے لیے تسلیم کرتا ہوں، چوں کہ "حافظ ملت نمبر" نکل رہا ہے، اس میں رنگا رنگ کے مضامین ہوں گے، منقبتیں ہوں گی، مدائح جلیلہ ہوں گے، میرے نزدیک حافظ ملت اور بڑے سے بڑے علماے دین و اولیا کی بڑی شاگری یہی ہے جو اس گروہ مرتاض کے لیے لسان نبوت کے مبشرات میں ہیں اور اس میں بے جا کسی غالیانہ تصور کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

حافظ ملت کا فیض عام:

علما فرماتے ہیں "والعلم نفعه متعد بخلاف العمل"[1] دینی علم کا فائدہ عام ہے، علم شمع فروزاں و سراج منور ہے، جس کی روشنی سے بے شمار دلوں کے اندھیرے اجالے سے بدل جاتے ہیں، خود روشن اور دوسروں کو بھی نور وضیا سے نوازتا ہے، علم متعدّی ہے، عمل کی طرح لازم نہیں، عمل کا فائدہ واجر وثواب عامل کی ذات تک ہی محدود رہتا ہے مگر علم کی نشر بخشی متحرک ہوتی ہے، منجمد نہیں، نفع کی تعریف ہی یہ ہے کہ "النفع إيصال الخير إلى الغير" یعنی غیر کی طرف خیر کو پہنچانا، اس علمی کمال کے معیار پر بھی حافظ ملت کی شخصیت کو پرکھیے صاف "ايصال الخير إلى الغير" کا نمونہ ہیں۔

فوج در فوج شاگردوں کا کارواں حفاظ، علما، واعظین، مدرسین کا لشکر بے کراں، پھر ایک مذہبی قلعہ کی تعمیر محکم جس کا نام "اشرفیہ عربی یونیورسٹی" ہے، جس سے رہتی دنیا تک جنود اللہ، حزب اللہ تربیت پاکر رزم گاہ حق و باطل میں حمایت حق کی خاطر تقریراً، تحریراً، تدریساً اسلام و مذہب اہل سنت وجماعت کا پھریرا لہراتے رہیں گے، ان سب کارہاے نیک کے اجر وثواب حافظ ملت کے نامۂ اعمال میں تادم حشر ثبت ہوتے رہیں گے، ان کی زندگی کے یہ نقوش انمٹ ہیں، جن کو تغیرات زمانہ کے پنجۂ استبداد بھی نہیں مٹا سکتے۔

آپ تلامذہ و اہل ارادت کے اشباح و ارواح دونوں کا تزکیہ فرماتے تھے اور یہ بات کچھ ڈھکی چھپی بھی نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی آپ بکثرت یاد کیے جاتے رہیں گے، مشائخ کرام کے لیے شریعت کا یہ جزئیہ مسلم ہے، "والدعاء لهم مطلوب لانهم أباء الارواح كما ان الوالدين أباء الاشباح" دینی پیشواؤں کے لیے دعائیں کرنا یہ ایک شرعی مطالبہ ہے، اس لیے کہ اساتذۂ کرام و پیران عظام روحوں کے آبا ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ ہر مومن اپنے ماں باپ کے حق میں دعاے خیر کرنے پر مامور ہے، حالاں کہ ماں

---

(۱) حاشیۃ الطحطاوی، علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، خطبۃ الکتاب، ص:۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت

باپ تو صرف ظہور جسم کے لیے واسطہ بنائے گئے ہیں، مگر مشایخ واساتذہ تو روحانی کمالات کے مظہر بنائے گئے ہیں، لہٰذا اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ جو فرق جسم وروح میں ہے وہی فرق دونوں کے مربیین اور ان کے درجات و حقوق و دعاے خیر کرنے میں ہے، اس لحاظ سے حافظ ملت بہت ہی خوش نصیب ہیں کہ دن رات ان کی روحانی بارگاہ میں نہ معلوم دعاؤں، ایصال ثوابوں کے کتنے تحائف وہدایا پیش ہوتے ہوں گے، مولیٰ تعالیٰ اس کثیر السیئات کو اپنے صالحین وابرار بندوں کے طفیل میں حسن خاتمہ ومغفرت ونجات کی دولتوں سے معمور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حافظ ملت بحیثیت مرشد کامل

مولانا قاری محمد عثمان اعظمی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا قاری محمد عثمان اعظمی ماضی قریب کے ایک قلندر صفت عالم دین تھے۔

پیدائش گھوسی محلہ حسین پور میں ۱۹۸۱ء کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم گھوسی میں حاصل کی پھر دارالعلوم مئو میں متوسطات تک، اس کے بعد جامعہ عربیہ سبحانیہ الہ آباد میں درس نظامی کی کتابیں پڑھیں اور یہیں سے استاذ القراء حضرت مولانا قاری محب الدین الہ آبادی علیہ الرحمہ سے تجوید وقراءت کی تعلیم مکمل کی دورۂ حدیث کے لیے ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اسی سال دارالعلوم میں قراءت کا شعبہ قائم ہوا تو اعزازی استاذ کی حیثیت سے تدریسی ذمہ داریاں دی گئیں، فراغت کے بعد مستقل استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا اور کئی سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

پوری زندگی تعلیم و تعلم میں گزری، بڑے غیرت مند اور خود دار شخصیت کے مالک تھے جہاں کہیں معاملہ نرم گرم ہوا فوراً کوچ کر گئے، جہاں جاتے لوگوں کو اپنے حسنِ اخلاص سے گرویدہ بنا لیتے۔ آپ مدرس، مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے، متعدّد کتابیں یادگار ہیں، ”سیرت النبی“ اور ”مصباح التجوید“ آپ کی مشہور کاوش ہیں۔ ۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۶ء/۱۱؍ اگست ۱۹۹۵ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

ارادت و عقیدت، یعنی مریدی اور پیری کا رشتہ اپنے بنیادی مقصد کے لحاظ سے بہر حال مبارک اور مسعود رشتہ ہے، یعنی طہارت قلب اور تزکیۂ نفس جو قرآن و حدیث کا منشا اور سیرت رسول ﷺ کا کھلا ہوا تقاضا ہے، پیری مریدی کا یہی مقصد ہے؛ اس لیے پیری مریدی کو ہم ہرگز اجتہادی مسئلہ نہیں کہہ سکتے، بلکہ دین و

شریعت کے اور مسائل کی طرح یہ بھی کھلا ہوا اور مطلوب مسئلہ ہے، چناں چہ قرآن پاک میں جہاں اور بہت سی آیات اس باب میں موجود ہیں وہاں ایک آیت کا یہ ٹکڑا "وَیُزَکِّیۡهِمۡ" ہمیں صاف صاف بتا رہا ہے کہ تزکیہ قلب قرآن کا مطلوب حکم ہے اور اس مبارک و مسعود مقصد کے لیے رسول کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔

اسی طرح احادیث کریمہ میں جہاں اس باب میں واضح بیانات موجود ہیں وہاں "بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" سے بھی صاف صاف پتا چل رہا ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل سیرت رسول ﷺ کا واضح پہلو ہے، لہٰذا تزکیۂ نفس اور مکارم اخلاق سے تطہیر قلب کرنا قرآن و حدیث کا محکم حکم ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ پیری اور مریدی کا مقصد در حقیقت تطہیر قلب اور تزکیۂ نفس ہے، پس اس مبارک اور مسعود مقصد کے تحت پیری اور مریدی کا مسعود اور مبارک ہونا غیر اجتہادی مسئلہ ہے اور اس سے وہی شخص انکار کرے گا جو قرآن و حدیث کے ان واضح بیانات سے نابلد ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ بحیثیت پیر و مرشد:

حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ کی عالمانہ و فاضلانہ حیثیت جو ہر موافق و مخالف کو مُسَلَّم ہے اسی طرح آپ کی عارفانہ حیثیت بھی واضح اور غیر مبہم ہے، جس طرح آپ کی عالمانہ و فاضلانہ حیثیت آفتاب کی طرح روشن ہے، عارفانہ حیثیت سے آپ کے لیل و نہار شاہد ہیں کہ اگرچہ آپ اپنی خاندانی کوئی خانقاہ نہیں رکھتے تھے نہ ہی بعض خانقاہوں کے مشہور و معروف سجادہ نشینوں کی طرح خود کو آراستہ کر کے لوگوں کے لیے باعث کشش تھے، نہ ہی زرق برق لباس میں ملبوس ہو کر لوگوں کی عقیدت و ارادت کو شہ دے کر اپنی طرف مائل کرنے کا بیش از بیش سامان رکھتے تھے، بلکہ خشک چہرہ، سادہ لباس اور کم گو ہونے کی وجہ سے آج کی دنیائے ارادت و عقیدت کے لیے آپ بالکل بے کشش تھے۔

لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ اس قسم کی بے سرو سامانی کے باوجود حافظ ملت علیہ الرحمۃ اپنی باطنی زیب و زینت میں اتنی کشش رکھتے تھے کہ بہت سے خانقاہی اور نورانی چہروں والے پیروں کے لیے باعث رشک ہی نہیں بلکہ باعث حسد بھی بن گئے، یہ در حقیقت حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی وہ تقویٰ و طہارت اور تعلق باللہ و بالرسول کی قوت تھی جو لوگوں کو ظاہری ساز و سامان کے بغیر ان کی طرف جھکنے پر مجبور کرتی تھی۔

ارشاد و ہدایت کی قلیل مدت:

دنیائے اہل سنت کا باخبر حلقہ اس سے خوب واقف ہے کہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ اپنی باطنی اور

عرفانی حیثیت کو پوری طرح چھپائے ہوئے مریدوں کی جماعت پیدا کرنے کے بجائے علما کی فوج تیار کر رہے تھے اور الحمدللہ اس خصوص میں آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور علما کی فوج کے ساتھ ساتھ علم و دانش کا اتنا بڑا قلعہ اپنی یادگار میں چھوڑا ہے کہ مخلصین اہل سنت کو ہمیشہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور رکھیں گے اور ہمیشہ آپ کی شاہ راہ علم وہدایت کو اپنے لیے مینارۂ دین وہدایت پاکر ان شاء اللہ تا قیامت ترقی ہی ترقی کے جویاں رہیں گے، یعنی آپ کی یادگار "الجامعۃ الاشرفیہ عربک یونیورسٹی مبارک پور" کو مخلصین اہل سنت کبھی فراموش کریں گے نہ ہی اس کی ترقی کی شان دیکھ کر غفلت وفراموشی کو راہ دیں گے۔

اس خصوص کے ساتھ حافظ ملت نے جب لوگوں کے اصرار پر ارشاد وہدایت کا ہاتھ عمر کے آخری حصے میں بڑھایا تو عقیدت وارادت کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں نے آپ کی عالمانہ شان کے ساتھ آپ کی عارفانہ آن بان کو بھی اسی طرح لبیک کہا جس طرح الجامعہ الاشرفیہ کی طرف ہزاراں ہاتھ بڑھے اور آن کی آن میں گویا ایک شان دار خواب کو شان دار تعبیر دے دی، بالکل اسی طرح حافظ ملت کی باطنی اور عرفانی حیثیت کو بھی جن لوگوں نے تاڑا تو آپ کی ظاہری بے سروسانی کے باوجود وہ آپ کے باطن کی طرف بھی لپکے اور آپ کے تقویٰ و طہارت، تعلق باللہ اور اتباع سنت رسول کی شان کو اس دور میں فقید المثال دیکھ کر آپ کو اپنا مرشد بنانے پر مجبور ہوئے، چناں چہ قلیل مدت میں آپ نے جن لوگوں کو وابستہ فرمایا وہ بھی ان لوگوں کے لیے فقید المثال بن گئے، جو شان دار خانقاہوں کے سازوسامان سے لدے پھندے مرشدوں سے وابستہ ہیں۔

میں حافظ ملت کا مرید نہیں ہوں:

ہوسکتا ہے کسی کو شبہہ ہو کہ میری ان سطور میں میری عقدت وارادت بول رہی ہو، یعنی میں اس لیے حافظ ملت کی باطنیت کے گن گا رہا ہوں کہ میں آپ سے ارادت کا رشتہ رکھتا ہوں تو آپ یقین کیجیے کہ میں حافظ ملت کا مرید نہیں ہوں اس لیے ان سطروں میں میری ارادت نہیں بول رہی ہے، بلکہ حقیقت پسندی کی عادت اپنا کام کر رہی ہے۔

میں خانقاہوں کے ہمیشہ چکر لگاتا رہتا ہوں اور مشہور ومعروف پیروں کے آستانوں پر بھی حاضری دیتا رہتا ہوں، لیکن اس کو کیا کہیے کہ میری حقیقت پسندی نے حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے تقویٰ وطہارت اور آپ کے تعلق باللہ اور اتباع سنت رسول کی فقید المثالی سے متاثر ہو کر یہ سطریں قلم بند کرائی ہیں۔

انمول موتی

بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی، شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

تعارف مقالہ نگار:

حضرت بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کی ولادت ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ مبارک پور میں ۷ر ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کو ہوئی، تعلیم شروع سے آخر تک دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے حاصل کی، ۲۲ر سال کی عمر میں شعبان ۱۳۶۶ھ ر جون ۱۹۴۷ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ۱۳۶۶ھ میں ہی مدرسہ ضیاء الاسلام گورکھ پور میں صدر المدرسین کے عہدے پر رہے۔ ۱۳۶۸ھ میں مدرسہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ (موجودہ ضلع بلرام پور) میں سات سال تک تدریسی فرائض سے منسلک رہے، ۱۳۷۵ھ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے یہاں درس و تدریس کے ساتھ افتا کی ذمہ داری بھی سونپی گئی، جسے آپ نے بخوبی انجام دیا، ۱۳۹۶ھ میں صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے ۱۴۰۸ھ سے تاحیات جامعہ شمس العلوم گھوسی کے شیخ الحدیث رہے، حضرت کا قلم بہت ہی سیال تھا، آپ کے نوک قلم سے بہت سی کتابیں وجود میں آئیں، ”فتاویٰ بحرالعلوم“ اور ” الشاہد“ مشہور کتابیں ہیں۔

۱۴ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ/۲۹ر نومبر ۲۰۱۲ کو مالک حقیقی سے جا ملے

مرشد برحق آقاے نعمت حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علمی، عملی، اخلاقی، روحانی اعلیٰ درجے کی خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا، اور محاسن وہبی و کسبی، ذاتی اور عرضی سے مزین کیا تھا، انھیں خوبیوں میں ایک خوبی یہ تھی کہ قدیم صوفیہ اور حکما اور اخلاقیین کی طرح آپ کی زبان فیض ترجمان سے بھی موقع بموقع ایسے کلمات صادر ہوئے ہیں، جو ضرب المثل بنائے جانے کے لائق ہیں اور ان میں اختصار اور ایجاز کے ساتھ معانی وحکم کے سمندر موجزن ہیں، جن میں کسی نہ کسی قسم کی علمی یا لسانی طرفگی ہے، اور لطافت و حکمت ضرور پائی جاتی ہے، زندگی کے کسی اہم مسئلے پر پر لطف انداز میں رہ نمائی اور ہدایت موجود ہے۔

اس مختصر مضمون میں ہم آپ کے چند ایسے ہی کلمات، مواقع استعمال کے ساتھ تحریر کرتے ہیں اور جن لوگوں کو بھی آپ کے فیض صحبت سے حصہ ملا ہے، اگر کوشش کرکے آپ کے ایسے فیض آثار جملے جمع کر دیں تو حکم و امثال کا ایک بہترین مجموعہ قوم کی نگاہ میں آجائے۔

ضلع دیوریا کے مشہور قصبہ لار سے قریب ایک موضع جمسڑا نام کا ہے، اسی موضع کے مخیر اور دین دار رئیس جناب مقبول احمد انصاری، جن کا بہت بڑا کاروبار برجو نالہ کلکتہ میں ہے، اور جو اپنی دولت کا معتد بہ حصہ مذہب حق اہل سنت و جماعت کی نشر و اشاعت و اعانت و نصرت میں صرف کرتے ہیں، کلکتہ کے اسی علاقے میں شمع نیازی نام کے ایک جاہل نے اناپ شناپ بکواس لکھ کر شائع کی اور کچھ جاہل مسلمان اس کے فیور میں آگئے، یہ فتنہ اس قرب و جوار میں بڑا شدید ہو گیا تھا، اس کے خلاف تحریر، تدبیر ہر طرح کی مؤثر جدوجہد اور اس کے فرو کرنے کا سہرا بڑی حد تک مقبول صاحب کے سر ہے، سنیت کے عاشق اور رضویت کے شیدائی ہیں۔

حضور حافظ ملت کے نام، کام اور ان کی ذات سے مقبول صاحب بے حد متأثر ہیں، اور مبارک پور میں سنیت کے لیے جو کام ہو رہا ہے، اس کے بے حد مداح اور معاون بھی ہیں، انھیں مقبول صاحب نے ایک اجنبی جگہ کارخانہ لگایا، جس میں کافی سرمایہ خرچ کیا، مگر کلکتہ میں مصروفیت ہونے کی وجہ سے خود وہ وقت نہ دے سکے، اور منیجر ان کو قاعدے کا کوئی مل نہ سکا، کارخانہ گھاٹے سے ہی چلتا رہا، آخر تلاش بسیار کے بعد ایک ایسے شخص کو انھوں نے منتخب کیا جو سنی صحیح العقیدہ اور ایک عالم دین کا لڑکا اور خود بھی کافی دینی معلومات رکھتا تھا، مقبول صاحب بے حد مسرور تھے کہ اب کارخانہ کما حقہ فائدہ دینے لگے گا، مگر سال دو سال کے بعد جب حساب ہوا، حسب سابق پھر کئی ہزار کا نقصان ہوا۔

حساب کے فوراً ہی بعد انصاری صاحب حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، انھیں سخت تعجب تھا کہ ایک دین دار گھرانے کا فرد اور سنی عالم بھی ایسا فراڈ کر سکتا ہے، حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں وہ اسی مسئلے پر بار بار اظہار تعجب کر رہے تھے اور بار بار ان کی زبان سے اسی قسم کے جملے ادا ہو رہے تھے، حضور میں نہیں سمجھ رہا تھا کہ ہمارے "ہم مذہب" ہو کر ایسا کریں گے، حضرت میں کہتا ہوں یہ میرے ساتھ ایسا کرتے ذرا خدا سے نہیں ڈرے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ خاموش سنتے رہے، جب بار بار انھوں نے "ہم مذہب" کا لفظ دہرایا، تو آپ نے فرمایا انصاری صاحب آج کل آدمی ہم مطلب پہلے ہوتا ہے اور ہم مذہب بعد میں" آپ

کو اس قدر حیرت کیوں ہے؟

"سیٹھ صاحب" پر اس جملے کا جو اثر ہوا ہو، لیکن میرا حال یہ ہے کہ جب جب اس کی یاد آتی ہے، لطف ولذت سے ہوش گوش کے ساتھ ساتھ دل ودماغ بھی سرشار ہو جاتے ہیں۔

(ا) ہم مطلب:

کلمہ ہم مطلب کو مطلبی اور خود غرض کے معنی میں میرے کانوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ سنا، اور عجب نہیں اردو زبان میں پہلی دفعہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال بھی کیا گیا ہو، لیکن موزونیت اور برجستگی کا یہ عالم ہے کہ زبان کے پورے ذخیرے میں اس موقع پر اس کو ادا کرنے کے لیے شاید اس سے زیادہ موزون کوئی لفظ ملے، مخاطب کے کلام کو اس کی مراد کے خلاف طریق استعمال میں ادنیٰ تغیر کر کے پلٹ دینا معانی وبلاغت کی انوکھی دست کاری ہے۔

حجاج ابن یوسف، ثقفی کے دربار میں عرب کا مشہور فصیح اور شاعر ورئیس قبعثری پکڑ کر لایا گیا، حجاج نے اس کو دھمکاتے ہوئے کہا:

لأحملنك على الأدهم. (میں تم کو ادہم [بیڑی] پر سوار کروں گا۔)

یعنی بیڑی پہناؤں گا، قبعثری نے جواب میں کہا:

نعم، مثل الأمير يحمل على الأدهم والأ شهب.

ہاں، امیر سیاہ اور سفید گھوڑوں پر سوار کرا سکتا ہے۔

یہاں شاعر نے ادہم کے ساتھ اشہب کا لفظ زیادہ کر کے ادہم کے لفظ کو بیڑی کے بجائے سواری اور گھوڑے کے معنی میں متعین کر دیا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مذکورہ بالا جملے میں اسی نوع کی لگ بھگ ایک لطیف سی صنعت کار فرما ہے کہ مقبول صاحب کے کلام میں صرف دو لفظ کے رد وبدل سے اس جملے کو ایک بالکل نیا معنی دے دیا اور بولنے والے کے حیرت واستعجاب کا ازالہ فرما دیا، بلکہ قبعثری نے تو ایک زائد لفظ کا پیوند لگا کر لفظ ادہم کو دوسرے معنی (سواری) میں لیا اور یہاں ایک ادنیٰ تغیر سے ہی وہ کام لے لیا ہے کہ جملے کا ساز وآہنگ تک تبدیل نہیں ہوا ہے، پھر یہ جملہ ایجاز وابلاغ کی ایک اعلیٰ مثال ہے اور اپنے چھوٹے سے دامن میں ایک دریاے معانی سمیٹے ہوئے ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ مذہب کو تمام علائق واسباب پر تفوق حاصل ہونا چاہیے اور خود غرضی تو فی نفسہ

ایک عیب ہے، عام انسانوں کے ساتھ بھی یہ عقلاً و اخلاقاً بے حد بری اور معائب قبیحہ میں شمار ہوتی ہے، چہ جائے کہ اپنے عزیز قریب کے ساتھ خود غرضی برتی جائے اور اس سے بری بات یہ ہے کہ اپنے مذہبی بھائی کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھاکر فریب دیا جائے اور اس کے حسن ظن کو تہ وبالا کیا جائے، کچھ اپنے فائدے کے لیے اس کو نقصان پہنچایا جائے، یہ مذہب پرستی نہیں بلکہ مذہب سے بغاوت ہے۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ یہی قبیح و ناسزا فعل آج ہر آدمی کا شعار بنا ہوا ہے، مستثنیات کو چھوڑ کر کون ہے جو خود غرضی سے دامن بچا سکا، حضور حافظ ملت کا یہ مختصر جملہ ”آج کل آدمی ہم مطلب پہلے ہوتا ہے، ہم مذہب بعد میں“ ان پورے مطالب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اور حسن ادا اور طرز کلام کی ندرت اس پر مستزاد ہے، پھر آپ چاہیں تو اس بلیغ جملے کو آج کی رستی ہوئی سوسائٹی کے زخم پر ایک بھرپور نشتر اور موجودہ معاشرے پر ایک چبھتا ہوا طنز بھی قرار دے سکتے ہیں۔[۱]

(۲) اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت:

یہ جملہ آپ نے اپنے وعظ و تذکیر اور ہدایت وارشاد کی مجالس میں بے شمار مرتبہ ارشاد فرمایا، جس کے سننے والے بے شمار ہیں، بلکہ اسی جملہ کے علوم و معارف نے مولوی قمر الزماں صاحب خطیب شہیر کو ایک نہایت عظیم تقریر کی تیاری کے لیے روشنی عطا کی، جس کا عنوان ہے ”موت“ اس جملے کی مزید تشریح بھی آپ خود حافظ ملت کی زبان سے سنیے، وہ فرماتے ہیں:

موت اور زندگی میں کیا فرق ہے؟ مطلب یہ کہ ایک اچھا بھلا آدمی دیکھتے ہی دیکھتے لقمۂ اجل بن گیا، وہ تمھارا کتنا ہی عزیز، دل آرام اور قریب ہی کیوں نہ ہو اب اس لائق نہیں کہ دو دن بھی اس کو اپنے پاس رکھ سکو، اس پر جان چھڑکنے والے بھی جلد از جلد اس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کبھی تم نے غور کیا کہ آدمی میں مرتی کیا چیز ہے؟ کیا جسم مرتا ہے؟ نہیں؛ کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں، جسم کا ہر عضو اپنی جگہ ویسا ہی ہے، جیسا زندگی میں تھا، نہ کان میں خرابی ہوئی، نہ آنکھ میں نقصان آیا، نہ ہاتھ پاؤں ٹوٹے نہ دیگر اعضا میں شکست و ریخت ہوا، تو جسم کہاں مرا؛ موت سے جسم میں کون سا تغیر آیا کہ کہا جائے کہ جسم پر موت طاری ہوئی؟ رہ گئی روح تو روح کے بارے میں مسلم ہی نہیں غیر مسلموں کا بھی یہی خیال ہے کہ روح امر ہے اور روح زندہ رہتی ہے، پس جب آدمی کے ان دونوں حصوں میں سے کوئی مرا نہیں تو موت کس پر طاری ہوئی؟ بات دراصل

(۱) راوی قاری محمد یحیٰی، ناظم الجامعۃ الاشرفیہ

یہ ہے کہ جب تک جسم کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے، یایوں کہیے کہ روح وبدن میں اتفاق رہتا ہے، آدمی زندہ رہتا ہے، اور جب یہ تعلق ختم ہوجاتا ہے، ساتھ چھوٹ جاتا ہے، جسم و روح الگ الگ ہوجاتے ہیں اور دونوں میں اختلاف ہوجاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ آدمی مرگیا، پس کیا یہ حقیقت نہ ہوئی کہ جسم و روح کا ”اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت۔“

پس اس طرح دنیا کی ہر چیز میں اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت ہے، جس گھر کے سب افراد باہم متحد ہوں اور جس گھر کے افراد میں اختلاف و شقاق ہے وہ گھر وہ ہے کہ ایک محلہ کے لوگ باہم اتفاق و اتحاد سے رہ رہے ہوں تو وہ محلہ زندہ ہے اور اگر اختلاف ہو کہ یہ اس کی پگڑی اچھال رہا ہے اور وہ اس کی ٹانگ گھسیٹ رہا ہے، پس یہ اختلاف ہی اس محلے کی موت ہے، یہی حال شہر کا ہے، ملک کا ہے اور قوم وملت کا ہے، وہ ملک زندہ ہے جس کے باشندوں میں اتفاق ہے اور وہ ملک جلد ہی ختم ہوجاتے ہیں جس کے باسیوں میں خانہ جنگی ہے، وہ قوم زندہ قوم ہے جس کے افراد میں باہم ہمدردی، غم گساری اور اتحاد آراو خیال ہے اور وہ قوم زندہ رہ کر مردوں سے بدتر ہے جس کے افراد میں خود غرضی، نفس پرستی اور دوسرے بھائی کی ترقی دیکھ کر بغض و حسد کی آگ میں جلنا پایا جائے، نفاق وافتراق کی شناعت اور اتفاق واتحاد کی فضیلت پر آج تک نہ جانے کتنا کہا گیا اور نہ جانے کیا کچھ لکھا جا چکا، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ اس سے زیادہ عمدہ کسی نے نہیں کہا ہوگا، لیکن ایجاز و ابلاغ، جامعیت و وسعت، حسن ادا، حسن مبالغہ میں یہ جملہ بلاغت کی انتہائی سرحدوں کو چھو رہا ہے اور اپنی مثال آپ ہے، اتفاق اور یکجہتی کی تعبیر قوت و توانائی کے سرچشمہ سے بھی کی جاتی ہے، اتحاد و وداد کو شان و شکوہ اور شوکت و حشمت کا نام بھی دیا جاتا ہے اور سچ پوچھیے تو خواب جوانی کی طرح اس کی تعبیریں ہیں بھی بہت۔

لیکن غور سے دیکھیے تو مذکورہ بالا اسالیب بیان، حقیقت کے چہرے کا کوئی ایک روپ ہی بے نقاب کرتے ہیں، اور اتحاد و اتفاق کے بے شمار فوائد میں سے کسی ایک فائدے ہی کی نشان دہی کرتے ہیں، اس کے برخلاف مذکورۃ الصدر جملے میں اتفاق کو زندگی اور اختلاف کو موت کہہ کر مجاز و مبالغہ کا ایک دل کش امتزاج پیش کیا جارہا ہے، پھر تشبیہ کی گہرائیوں میں اتریے تو زندگی کی گوناگوں وسعتوں میں تیرتے چلے جائیے سب آپ کو اتفاق کے جلوے اور محبت کی رعنائیوں کے مظہر ملیں گے۔

پھر لطف یہ ہے کہ استعارے کا یہ نادرۂ کار نمونہ اپنی وسعتوں میں اس درجہ پہناور ہے کہ خود حقیقت بھی اس کا ایک فرد بن گئی ہے؛ کیوں کہ اتفاق جس کو مجازاً زندگی کہا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اتفاق ہی کی ایک فرد ہے، اور

موت اختلاف کی، الغرض آپ جتنا غور کریں حسن معنی اور اسلوب بیان کے جلوے نکھرتے چلے جائیں گے۔

ہزار کام لیا ہم نے خوش بیانی سے
جمال یار کی رعنائیاں ادا نہ ہوئیں
(جام نور)

(۳) "امامت کوئی کام ہے"

"نماز تو پڑھنا ہی ہے، پھر کیا سب سے آگے کھڑا ہونا کیا سب سے پیچھے کھڑا ہونا۔"

یہ جملہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے ہمارے ایک نہایت دل چسپ رفیق اور سعدی علیہ الرحمۃ کی زبان میں یار شاطر نہ بار خاطر، حضرت مولانا الحاج حافظ قاری رحمت اللہ صاحب زید مجد ہم سے فرمایا تھا۔

حافظ صاحب موصوف گورے چٹے بھاری بھرکم وجیہ و پروقار مردانہ حسن کا ایک کامل نمونہ ہیں۔ مجھے بھولتا نہیں ایک دفعہ ہماری کمشنری کے حاکم اعلیٰ اشرفیہ کے معاینے کے لیے تشریف لائے، اشرفیہ میں طلبہ کی لائبریری اس زمانے میں بھی ہر چند کہ مختصر تھی مگر دیکھنے کی چیز تھی، کمشنر صاحب کی وجہ سے ذرا اہتمام خصوصی ہو گیا تھا، پوری لائبریری عمدہ قسم کی قالینوں سے مزین تھی اور چھوٹے سے کمرے میں تیز پاور کے کئی گلوب جس سے غیر معمولی چکا چوند پیدا ہو گئی تھی اور پورا کمرہ جگ مگ، جگ مگ کر رہا تھا، طے یہ تھا کہ قاری رحمت اللہ صاحب کو لائبریری کی کرسی پر بٹھا دیا جائے گا اور کتابوں کی نمائش اور لوگوں سے تعارف کا فریضہ میں ادا کروں گا، میں اس موقعے سے چند سکنڈ کی تاخیر سے پہنچا، کمشنر صاحب آچکے تھے، میں کیا عرض کروں بالکل سامنے کرسی پر قاری صاحب موصوف الصدر تشریف فرما تھے، لیکن میں پہچان نہ سکا، خیال ہوا کہ یہی کمشنر صاحب ہیں کیا؟ پھر فوراً ہی ازالہ ہوا کہ ارے یہ تو قاری صاحب ہیں، کالی شیروانی، سیاہ ٹوپی مجسمہ کے مثل ساکت و صامت، ایک حسین وجمیل فانوس کی طرح وہ بھی دمک رہے تھے اور کمرے کے رنگ و نور کا ایک جز معلوم ہو رہے تھے۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے ان کی شخصیت سے متعلق بھی ایک لاثانی جملہ ارشاد فرمایا ہے: "ماشاء اللہ ہمارے قاری صاحب علیہ الرحمۃ کسی بڑی سے بڑی کانفرنس میں بھی پگڑی باندھ، عبا پہن کر کرسی پر بیٹھ جائیں اور بالکل خاموش رہیں کچھ نہ بولیں، تب بھی عوام محسوس کریں گے کہ بڑی شان دار تقریر ہو رہی ہے۔"

ایک دفعہ ان کو ٹاٹا نگر برمامائنس کی عظیم و وسیع مسجد کی محراب میں نماز پڑھاتے دیکھا تو فرمایا کہ الحمد للہ امام

ایسا ہی ہونا چاہیے، قاری صاحب مصلے پر کھڑے ہوتے ہیں تو محراب بھر جاتی ہے اور مصلی پر رونق ہو جاتا ہے۔

خود ہمارے قاری صاحب بھی برجستگی اور بدیہہ گوئی میں لاجواب ہیں، کسی موقعے پر جب بھی آدمی کو شان وگمان بھی نہ ہو، یک بیک ان کی زبان سے ایک ایسا جملہ سرزد ہو جاتا ہے کہ لوگ سر دھننے لگتے ہیں، اور یہ اپنی اس خوبی سے بے خبر بچوں کی طرح خوش ہو کر ایک ایک کا منہ تکتے ہیں کہ کیا میں نے کوئی بڑی اچھی بات کہہ دی کیا؟ ایک دفعہ تلشی پور ضلع گونڈہ کے دوران قیام میں ہم لوگ ساتھ ہی کہیں جا رہے تھے، ایک نہایت تندرست اور کم عمر گائے کو دیکھ کر آپ فرماتے ہیں: "مولانا اس گائے کو دیکھیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پٹک دوں تو پھوٹ جائے گی۔" الغرض مولانا صاحب موصوف عجیب بارباش اور رونق محل قسم کے آدمی ہیں، اب تو مدتوں سے وہ علاحدہ ہو گئے ہیں، لیکن جب تک ساتھ رہے، ہردم مسرتوں کے چراغ جلاتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کو خوش وخرم رکھے۔

تو یہی حافظ صاحب ہیں جس زمانے میں اشرفیہ کے درجہ حفظ وقراءت کے سربراہ تھے، ٹاٹا نگر سے ان کے لیے امامت وخطابت کے لیے بڑا زور ہوا۔

مسجد کی خطابت وامامت کی ملازمت ایک ایسا مشغلہ ہے کہ نئے تعلیم یافتہ حضرات تو اسی نام کو لے کر لوگوں کو دینی تعلیم سے عار دلاتے ہیں، مثلاً دینی تعلیم حاصل کر کے کیا ہوگا لڑکے کی عمر برباد ہوگی، دینی تعلیم میں بڑی ترقی ہوئی تو کسی مسجد کا ملا ہو جائے گا زندگی بھر لوٹے چٹائی کا حساب اور لوگوں کی خیرات کی روٹیوں پر یلغار اور کیا حاصل ہے دینی تعلیم کا۔

نامناسب نہ ہوگا، اگر اس سلسلے میں الٰہ آباد کے مولوی عبد الکافی صاحب کے دو عدد مکالمے ذکر کر دیے جائیں جو آپ نے نئی تعلیم کے ترجمان سے کیے۔

حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شہر الٰہ آباد میں کسی رئیس کے یہاں کوئی تقریب ہوئی، جس میں صاحب خانہ نے جدید وقدیم دونوں ہی گروپ کے لوگوں کو بلا بھیجا، اس موقعے پر پروفیسر امجد علی بھی آئے تھے جو اس عہد نیچریت کے اقانیم ثلاثہ میں سے ایک گردانے جاتے تھے۔

پروفیسر صاحب موصوف مولانا عبد الکافی صاحب کو ممکن ہے غائبانہ جانتے رہے ہوں، لیکن ملاقات یا گفتگو کی نوبت اس سے قبل کبھی نہیں آئی تھی، ملاقات ہوئی تو تعارف میں مولانا نے یہ ذکر فرمایا کہ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتا ہوں، بس پھر کیا تھا؟ پروفیسر صاحب چالو ہو گئے، اس تعلیم میں کیا فائدہ ہے؟ قوم کا کیا بھلا ہوگا؟ آپ حضرات مسلمان قوم کو خراب و خستہ کر رہے ہیں، مولانا خاموش سنتے

رہے، جب پروفیسر صاحب اپنی تقریر ختم کر چکے تو آپ نے فرمایا: بات تو ٹھیک ہی ہے کہ آپ لوگوں کو نہ دین سے مطلب ہے اور نہ خدا اور رسول سے غرض، تو آپ کو دینی تعلیم سے کیا فائدہ؟ اور کیا نسبت مگر صرف دو باتیں آپ لوگوں میں بھی ایسی ہیں کہ ان کی خاطر ہم کو دینی تعلیم جاری رکھنا پڑ رہا ہے، ایک اسلامی نام رکھنا، دوسرے مرنے کے بعد اسلامی طریقے پر کفن دفن کرنا، جس دن آپ لوگ یہ دونوں کام چھوڑ دیں گے، ہم بھی دینی مدارس بند کر دیں گے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ یہ سن کر پروفیسر صاحب بالکل ہی خاموش ہو گئے اور کچھ بھی نہ بولے۔

ایک دفعہ اسی قسم کے ایک اور بزرگ سے مولانا کا سامنا ہوا، انھوں نے تعارف چاہا تو مولانا نے نام اور مقام کے بعد یہی جملہ ارشاد فرمایا کہ سبحانیہ میں بچوں کو دینی تعلیم بھی دیتا ہوں، اس پر انھوں نے اپنی دانست میں بھرپور طنز کیا اور واقعی صاحب! آپ حضرات کا ایثار، قربانی اور قناعت حیرت ناک اور قابل رشک ہے کہ دنیا پر لات مار کر آخرت کو اختیار کیا، مولانا نے نہایت سادگی اور بھولے پن سے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا: نہیں صاحب! ہم کو تو آپ حضرات کے ایثار اور قناعت پر حیرت ہے، غیر معمولی ایثار ہے آپ لوگوں کا، اس پر اپ ٹو ڈیٹ صاحب کے ساتھ تمام موجودہ حضرات کو سخت حیرت ہوئی اور بے ساختہ انھوں نے کہا وہ کیسے؟ آپ نے اس سادگی اور سنجیدگی سے فرمایا کہ یہی کہ آپ نے جو آخرت کو جو باقی ہے چھوڑ رکھا ہے اور دنیا جو ختم ہونے والی ہے اس کو اختیار کر لیا ہے، آپ لوگ ہم سے بڑے قناعت پیشہ ہوئے یا نہیں؟ یہ سن کر ان کا حال بھی وہی ہوا کہ جیسے غبارے سے ہوا نکال دی گئی ہو، الغرض دینی تعلیم اور نماز کی امامت جدیدیین کے نزدیک ایک بڑا گھناونا مسئلہ ہے، لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ خود دینی تعلیم پانے والے یہی لوگ بھی امامت سے کچھ کم گریزاں نہیں ہیں اور انھیں بھی اس ملازمت سے اس طرح انقباض ہوتا ہے جیسے جدت پرستوں کو، یہ اور بات ہے کہ ان کے تنفر کی وجہ کچھ اور ہے، ان کے خیال میں امامت کی ملازمت بے حد ذمہ داری، انتہائی مصروفیت اور غیر معمولی پابندی کا کام ہے، آدمی ایک طرح سے گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔

مولانا رحمت اللہ صاحب کو بھی برماما ئنس کی امامت و خطابت سے اسی وجہ سے انقباض و انکار تھا اور حضور حافظ ملت سے اسی سلسلے میں کچھ عرض کیا کہ حضور اس میں بڑی پابندی اور نہایت مصروفیت ہے۔

اسی موقع پر حضرت نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: "امامت بھی کوئی کام ہے، نماز تو پڑھنا ہی ہے پچھلی صف میں نہ کھڑے ہوئے اگلی میں کھڑے ہو گئے۔" آپ غور کریں تو اس مختصر سے جملے میں پورا وعظ پوشیدہ ہے،

یعنی امامت کے نام پر آدمی جس پابندی سے بھاگ رہا ہے، کیا مقتدی بن کر اس سے نجات حاصل ہو سکتی ہے؟ نہیں! اگر مسلمان ہے تو اسے نماز پڑھنا ہی ہے، اور ہر وقت کی اس کے وقت پر پڑھنا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ (النساء)

نماز اہل ایمان پر وقت در وقت فرض کی گئی۔

پھر نماز پڑھنی ہے تو مسجد ہی میں پڑھنی ارشاد نبوی ہے:

لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد.

مسجد کے پڑوسی کی نماز تو مسجد میں ہی ہوتی ہے۔

اور نماز وقت پر مسجد میں پڑھنے والا، اکیلا پڑھے تو نماز تو ہو ہی جائے گی، لیکن جیسی نماز کا مطالبہ ہے ویسی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو ترک جماعت آدمی کو فاسق بنا دے گی کہ بلا ضرورت جماعت چھوڑنا گناہ اور مکروہ ہے، جماعت شعار اسلام ہے، اگر کسی جگہ کے سبھی لوگ جماعت چھوڑ دیں تو ان سے جہاد کیا جائے گا، پس مسلمان تو نماز، نماز تو وقت اور جماعت و نماز مسجد میں، اب آپ غور فرمائیے کہ مقتدی بننے اور امام بننے میں کیا فرق رہا، سوائے اس کے کہ امام آگے مصلے پر کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی پیچھے، تو جس پابندی اور ذمہ داری کے احساس سے آپ گھبرا رہے ہیں وہ شرعاً اور عقلاً آپ پر پہلے سے ہی عائد ہے اور اس صورت میں تو امامت کا مزید فائدہ ہوا کہ اس کے ذریعے ایک اہم ذمے داری سے عہدہ برا ہوئے اور تنخواہ منافع میں رہی، جو وقت کی پابندی کے عوض آپ کے لیے مباح ہوئی۔

مخاطب کے دماغ سے کسی چیز کی شدت کو کم کرنے کے لیے ایسا پیرایۂ بیان اختیار کرنا، جس سے شے مذکور اپنی اصلی مقدار سے کم محسوس ہو، ایک محبوب اور مقبول اسلوب بیان ہے۔

ایک مہینے تک مسلسل دن بھر کھانے پینے، خواہشات نفس سے رکنا ایک مشکل کام ہے، اللہ پاک جل جلالہ وعم نوالہ نے اہل اسلام کو اس کڑی محنت کا حکم دیا تو پیرایۂ بیان حکم الٰہی کو دلوں سے کس درجہ قریب کرنے والا اختیار کیا گیا، ارشاد الٰہی:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ.

(بقرہ ۱۸۲-۱۸۳)

ترجمہ: تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا جیسے اور امتوں پر فرض کیا گیا تھا، گنے چنے دن۔

یہیں سے مخاطب کے ذہن پر ایک خوش گوار اثر مرتب ہوا، یہ کوئی ایسی محنت نہیں جس میں ہم تنہا مبتلا کیے گئے ہوں، یہ تو ساری قوموں پر فرض تھا، بالفرض بلا بھی ہوتی تب بھی آسان ہوتی کہ "مرگ انبوہ جشنے دارد" آگے حکم الٰہی ہوتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ تم متقی ہو جاؤ گے، یعنی یہ اگر کچھ محنت کا کام ہے تو فائدہ بھی کتنا عظیم ہے کہ ع

بقدر الکد تکتسب المعالي

ومن طلب العلی سهر اللیالي

مشقت کے برابر ہی بلندی ملتی ہے، بلندی طلب کرنے والوں کو رات رات بھر جاگنا پڑتا ہے۔

یہ عظیم فائدہ دیکھ کر محنت خود سستی معلوم ہونے لگتی ہے اور مشقت آسان ہو جاتی ہے، یہ اشارے اور کنایے ہی اتنے کافی تھے کہ مخاطب ہزار جان سے روزے کی بجا آوری کے لیے آمادہ ہو جائے، آگے پھر وہی بات صراحت سے دہرائی گئی: "اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ" وقت بھی کتنا مختصر ہے مہینے بھر کے گنے چنے دن۔

قرآن کا اعجاز اپنی جگہ پر ہے، بندے کا کلام وہاں تک کہاں پہنچ سکے، لیکن اس آخری اسلوب کی اتباع میں "حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اس کلام میں بھی ایک حقیقت واقعیہ کی صحیح تصویر کھینچی گئی۔"

جس کو غلطی سے لوگوں نے نہایت مشکل اور دقت طلب کام سمجھ لیا تھا، گویا ایک مصنوعی شدت کو سہل الحصول بنا کر پیش کیا گیا ہے، اس طرح مذکورہ بالا خوبی کے ساتھ ساتھ یہ ایک حقیقت نما مجاز بھی ہے، اور آگے پیچھے کھڑے ہونے میں الفاظ سے صنعت تضاد کے استعمال نے کلام میں مزید دل کشی پیدا کر دی ہے۔

(راوی قاری رحمت اللہ)

(۴) "ملنا مشکل ٹلنا مشکل"

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ مکارم اخلاق کی اس بلندی پر فائز تھے، جس کو بلا شبہہ انبیا اور اولیا کی اتباع کبریٰ کا مقام دیا جا سکتا ہے، چناں چہ اگر مستثنیات سے قطع نظر کر لی جائے تو آپ سے تعلق رکھنے والے ہزار ہا شاگردوں، کئی ہزار مریدوں اور بے شمار معتقدوں اور متعلقین میں یہ ایک عام خیال ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ جس سے بھی ملتے وہ یہ سمجھتا کہ حضرت مجھ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں اور جناب والا مجھ پر خاص نظر کرم فرماتے ہیں، لیکن میرے خیال میں اس خیال کی خاص وجہ یہ تھی کہ آپ ہر شخص سے اس کے منصب کے مطابق برتاو کرتے تھے، خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

مولانا عبد اللہ صاحب سلمہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں آپ (راقم الحروف) کے ساتھ حضور حافظ

ملت کی خدمت میں گیا تو آپ کو کرسی پر بٹھایا اور مجھے فرش پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور جب میں مولانا غلام حسین سلمہ کے ساتھ گیا تو مجھے کرسی پر اور انھیں فرش پر بیٹھے کا حکم فرمایا، راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ ایسا موقع بھی ضرور آیا ہو گا، جب مولانا غلام حسین صاحب زید مجد ہم کو کرسی پر بیٹھایا اور ان سے کم درجہ کوئی آدمی ان کے ساتھ رہا ہو تو اس کو فرش پر بیٹھنے کا حکم دیا ہو، یعنی ہر شخص کی قرار واقعی تکریم حضرت کا وطیرہ تھا۔

چناں چہ ایک صاحب جو حضرت کے بہت قریبی شاگرد، انتہائی زیرک اور ذی علم آدمی تھے، میں بھی ان کی ذہانت طباعی اور علم سے بے حد متاثر تھا، انھوں نے بدقسمتی سے حضرت سے اختلاف کیا اور اس کو آخری سرحدوں تک پہنچا دیا جس سے پوری قوم میں انتشار اور برہمی ہوئی اور حضرت کو اس سے کافی دکھ پہنچا۔

ایک روز حضرت وضو فرما رہے تھے، موقع کچھ ایسا ہی مناسب تھا، میں نے عرض کیا: ”حضرت! اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے اور بزرگوں کی دعاؤں کی تاثیر برحق“ خاص اوقات میں آپ فلاں صاحب کے لیے دعا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا دل پھیر دے، قوم کو ان کے علم وفضل کی بڑی ضرورت ہے، آپ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا: مفتی صاحب! نہ جانے کیوں اب وہ ہمارے دل سے نکل گئے، یہ سن کر مجھے ان صاحب کی محرومی پر بڑا دکھ ہوا، تو یہ تھا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تکدر کا عالم ان صاحب کے ساتھ لیکن عام برتاؤ حضرت کا ان کے ساتھ اس کے بعد بھی یہی رہا کہ دیکھنے والے محسوس کرتے تھے کہ شاگردوں کی اس بھیڑ میں جو حضرت کے ارد گرد ہمیشہ رہتی تھی سب سے زیادہ مقرب ومحترم یہی ہیں۔

یہ جملہ معترضہ ذرا طویل ہو گیا، کلام زیر عنوان ”ملنا مشکل ٹکنا مشکل“ کے سلسلے میں تھا، المختصر عرض کرنا مجھ کو یہ تھا کہ حضرت کی عنایت سارے ہی متعلقین پر ایسی ہوتی تھی کہ وہ اس کو خصوصی نوازش تصور کرتا، پھر بھی کچھ لوگ ایسے ضرور تھے جو الطاف خسروانہ اور مراحم خاص کے مورد تھے، جیسے علامہ ارشد القادری دام بالفضل، اب میں جن کا ذکر کرنے جا رہا ہوں وہ کچھ اس قسم کے بزرگ ہیں، جن کو حضرت کی بارگاہ میں قرب خاص کا مقام حاصل تھا اور حضرت ان کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے تھے، اور وہ خود بھی ذی علم، ملنسار ذہین اور صاحب کمالات بزرگ ہیں، لیکن ان کی یہ ایک اخلاقی کمزوری ضرور ہے کہ ملازمت کے سلسلے میں کہیں ایک جگہ جم کر کام کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے، اور یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ اس کی وجہ سے نہ تو آدمی کی شخصیت بنتی ہے، نہ کام میں جماو پیدا ہوتا ہے، پھر ہر جگہ سے علاحدگی کے کچھ نہ کچھ اسباب تو ضرور ہوں گے جو ظاہر ہے خوش گوار تعلقات کے نتیجے میں تو پیدا ہو نہیں سکتے، جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ہر علاحدگی کے بعد

طرفین کے شکوے اور شکایت، قطع تعلق بلکہ بغض و عداوت تک نوبت پہنچتی ہے، مزید برآں جتنی جگہ چھوڑی کم از کم وہاں کے لوگ ان کو نااہل و ناکارہ قرار دیں گے، حضور حافظ ملت بھی اس سیماب وشی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور اکثر فرماتے "میاں! بدمذہبوں کا حال یہ ہے کہ جنگل میں پہنچ جائیں تو جگہ بنا لیتے ہیں، اور ہمارے لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم انھیں جگہ دیتے ہیں اور یہ اس کو خراب کر دیتے ہیں۔" کبھی فرماتے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے سازگار ماحول میں کام کر رہے ہیں، لیکن قریب سے دیکھنے والے ہی جانتے ہیں کہ یہاں کن حالات میں نباہ کیا جا رہا ہے، بات پھر طویل ہوتی جارہی ہے، کہنا یہ تھا کہ حضور حافظ ملت کے ایک نہایت ہی مخلص معتقد جن کا دینی اخلاص شک و شبہہ سے بالاتر ہے، جو ایک دینی ادارے کے سرگرم رکن ہیں، ایک عرصہ سے اپنے اس ادارے کے لیے ایک اچھے صدر مدرس کی تلاش میں تھے، حضور حافظ ملت سے بھی اس کے لیے بار بار گزارش کی تھی، اور حضرت بھی کسی مناسب آدمی کی جستجو میں تھے، ہم لوگوں سے بھی اس کے لیے بار بار تاکید کر چکے تھے، مگر اس وقت تک کوئی مناسب آدمی ان کو مل نہ سکا تھا، اتفاقاً ان کی ملاقات حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مذکورہ بالا شاگرد عالم صاحب سے ہوگئی اور باہمی بات چیت سے معاملات طے پا گئے، مولانا نے رہنا قبول کر لیا، بات اس مرحلے تک پہنچ جانے کے بعد انھوں نے حافظ ملت علیہ الرحمہ سے بھی مشورہ و اجازت ضروری سمجھا، اور عرض کیا حضور اگر ہمارے مدرسہ کے لیے حضرت مولانا صاحب مل جائیں تو کیسے رہیں گے، انھیں توقع تھی کہ حضرت سنتے ہی مسرور ہوں گے، اور دعائیں دیں گے اور اس انتخاب پر ہم لوگوں کو سراہیں گے، مگر ان کی ساری امنگوں پر پانی پڑ گیا، جب انھوں نے حضرت کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا "اول یہ کہ ملنا مشکل، مل جائیں تو ٹکنا مشکل۔"

راوی کا بیان ہے کہ میں نے تو حضرت کی خدمت میں یہ معاملہ اس حوصلے اور اس خیال سے پیش کیا تھا کہ خود حضرت کو اس مسئلے سے ذاتی دل چسپی ہے، اور مولانا کو بھی حضرت بے حد محبت و عنایت سے نوازتے ہیں، اس لیے یہ بات سنتے ہی حضرت فرمائیں گے، صاحب ان کی کیا بات ہے، اگر وہ آپ کو مل جاتے ہیں تو آپ کے مدرسہ کو چار چاند لگ جائیں گے اور وہ ثریا کی بلندی تک پہنچ جائے گا، پھر میں کہوں گا کہ حضرت! مولانا صاحب سے ہمارے معاملے طے ہو چکے ہیں، پھر حضرت اپنی عادت کریمہ کے موافق بے ساختہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیں گے اور مجھے مبارک باد دیں گے، لیکن ہوا یہ کہ "ملنا مشکل ٹکنا مشکل" حضرت کا جواب سن کر میں اس تردد میں پڑ گیا کہ میں ان کو کس طرح یہ خبر دوں کہ حضرت ہم نے آپ کی بیان کردہ دو مشکلوں میں سے

پہلی حل کر لی ہے، کیوں کہ اب یقین ہو گیا تھا کہ دوسری والی مشکل سے ہم ضرور دوچار ہوں گے اور بعد کے تجربات نے تو یہ ثابت کر دیا کہ اگر مولانا ہم کو نہ ملے ہوتے تو اچھا تھا، مل کر نہ ٹکنے میں جن جن زحمتوں سے پالا پڑا وہ بے حد تکلیف دہ ہیں وہ تو اپنے زور بیان میں اس پوری داستان کو حضرت کی ایک کرامت بنا کر پیش کر رہے ہیں اور میرے دماغ میں خیالات کی ایک دنیا آباد ہونے لگی تھی۔

سب سے پہلی بات تو یہ آج کل دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں کی بارگاہ میں بھی بہت سارے معاملات کا فیصلہ تعلقات کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہاں تو علمی وجاہت، اخلاقی برتری، ملنساری کا لحاظ اگر کیا جائے تو بلا تامل حضور حافظ ملت کو مشورہ دے دینا چاہیے تھا کہ یہ انتخاب نہایت موزوں ہے لیکن حضور سید عالم ﷺ کے ارشاد گرامی "المستشار موتمن" جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار کی طرح ہے، جس کو امانت صحیح صحیح ادا کرنا چاہیے، مشورے کا اس درجہ پاس کرنا کہ حق مشورہ کو تعلقات کی آمیزش سے بالکل پاک کرنا، دلی انس اور قلبی لگاو کا مطلق خیال نہ کرنا اور ٹھیک ٹھیک رائے ظاہر کر دینا اس زمانہ میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا ہی کام تھا۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى.

(بات انصاف کی بولو چاہے قرابت دار کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔)

دوسری بات یہ کہ مولانا موصوف کی عام کمزوری عدم استقامت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ملنا مشکل کہہ کر دوسری کوتاہیوں یا اسباب کی طرف بھی اشارہ کر دیا، جب کہ اس خوش اسلوبی سے اس کو ظاہر کیا کہ عیب جوئی بھی نہ ہونے پائی، مثلاً یہ کہا جا سکتا تھا کہ ان کا ملنا مشکل ہے؛ کیوں کہ انھیں پیسے کی بھی لالچ ہے، ان کا ملنا مشکل ہے کیوں کہ ان میں فلاں خرابی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن ظاہر ہے، اس تشریح سے سوائے عیب جوئی کے اور کیا حاصل ہوتا، اس لیے سارے اسباب کا حاصل بتا دیا کہ "ملنا مشکل ہے" اسباب و وجوہ کیا ہیں، اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

تیسری بات یہ کہ حضرت نے اس جملہ میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی کیا کہ "نہ ہر مردے بہر کارے" کہ ہر آدمی ہر کام کے لیے نہیں ہوتا، آدمی لاکھ قابل ہو، فاضل ہو، علامہ ہو اس کے انتخاب میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جو کام اس کو دیا جائے اسے وہ کس قابلیت سے ادا کر سکتا ہے، اگر کچھ کم استعداد آدمی ہی ہو لیکن مقصد کے ساتھ لگن، کام کا شوق، ذمہ داری نبھانے کا جذبہ ہو تو اس کو انتخاب کرنا چاہیے اور کامل و فاضل کو رد کر دینا چاہیے۔

چوتھی عجیب و غریب بات یہ ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ شاعر نہیں تھے، کبھی آپ نے کچھ اشعار

کہے ان کی فنی حیثیت کیا تھی، زبان و بیان اور اسلوب نگارش کیا تھا، معلوم نہیں تو اگر کہا ہو تب بھی نہ کہنے کے برابر ہے لیکن طبع رسا اتنی موزوں فطرت و قار اتنی سلیم واقع ہوئی تھی کہ برجستہ بھی جو کلام آپ کی زبان سے ادا ہوئے، نظم کا لطف اور شعر کا مزادے جاتے تھے، آپ ان دونوں جملوں کی تقطیع کر کے دیکھ لیجیے، دونوں حرف حرف برابر اور حرکت و سکون تک میں بالکل یکساں اسی لیے دونوں جملوں کا آہنگ بالکل کلام موزوں کا مزا دیتا ہے اور قافیہ و ردیف کے اضافہ نے اس نثر کو شعر کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔ ملاحظہ ہو

اوول یہ کہ مل نا مش کل　　مل جائیں تو ٹک نا مش کل

(۵) ”زمین کے اوپر کام اور قبر میں آرام“

حضور حافظ ملت سراپا علمی انسان تھے، آپ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ایک ساتھ اتنے کام کیے ہیں کہ آج سوچ کر آدمی کی عقل حیران ہو جائے۔

اپنے عنفوان شباب میں جب آپ کا قیام وطن میں تھا، گو آپ ایک مدرسہ میں ملازمت کرتے تھے، ایک مسجد میں باقاعدہ امامت فرماتے تھے اور گھر کا کام روزانہ اتنا کر لیتے تھے کہ جو لوگ صرف اس دھندھے میں لگے ہوئے تھے ان سے زیادہ ہوتا اور ان سب پر مستزاد روزانہ ایک ختم قرآن عظیم کی تلاوت تھی۔

مبارک پور تشریف لائے تو روزانہ تیرہ سبق پڑھاتے تھے، جس میں سب سے نیچے درجہ کی کتاب شرح ملا جامی تھی، رات میں ایک دن ناغہ سے ایک ایک بجے تک مناظرہ و تقریر کرتے تھے، مخالف کیمپ کی تقریروں کے نوٹ کو پڑھ کر اس کے جواب کی تیاری اور مختلف طلبہ و مدرسین کو اس کی تلقین و تدریس کرتے، باہر سے آئے ہوئے فتووں کے جواب بھی خود ہی دیتے۔

۱۳۸۱ھ میں فارغ ہونے والے طلبہ کی کثرت کی وجہ سے مدرسہ کی کمیٹی نے یہ طے کیا کہ امسال طلبہ کو جلسۂ فراغت میں صرف دستار دی جائے جبہ نہ دیا جائے تاکہ غیر معمولی مصارف سے بچا جائے، مگر یہاں کے مقامی طلبہ میں کچھ ایسے بھی تھے، جن کے مربی حضرات مدرسہ میں بڑا رسوخ رکھتے تھے، انھوں نے اتنا ہنگامہ مچایا کہ مدرسہ کی کمیٹی ہوئی اور یہ طے ہوا کہ جبہ دیا جائے، لیکن اس کے اخراجات کے لیے قصبہ میں چندہ کیا جائے اور مدرسہ کے فنڈ پر بار نہ ڈالا جائے، تمام ممبران نے چندہ وصول کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، لیکن وقت پر ایک آدمی بھی نہیں آیا اور تنہا حضور حافظ ملت نے مدرسین کو لے کر یہ وصولی کی، ایک دن میں ساتھ تھا، صبح آٹھ بجے سے وصولی جاری تھی، خیال ایسا ہے کہ دوپہر میں کھانے کے لیے بھی مہلت نہیں ملی، جہاں جہاں گئے ناشتہ چائے

کا بھی انتظام رہا، اس لیے دوپہر میں کھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، دن بھر وقت پر نماز پڑھنا اور لوگوں کے یہاں جانا، چندہ کے لیے کہنا اور پیسے وصول کرنا مسلسل جاری رہا، رات نو بجے تک سلسلہ جاری رہا، اور اب ہم وصول کرتے کرتے حضرت کے محلہ کی مسجد تک پہنچ گئے تھے، نماز عشا پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے تو یہ عالم تھا کہ جسم کی بوٹی بوٹی درد کر رہی تھی، ظاہر ہے کہ وہ توسترّ سال کے لگ بھگ کے تھے، عزم وارادہ کا جو عالم ہو لیکن جسم تو ان کا بھی درد تھکن کے مارے فریاد کر رہا ہوگا، کھڑے کھڑے اپنی چھڑی پر زور دے کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور فرمایا: مفتی صاحب! مدرسہ چلانا آسان کام نہیں ہے، روح اور جسم گھلانا پڑتا ہے۔

الغرض کام، مسلسل کام، رات دن کام، امتیاز کیے بغیر کام کرنا ان کا شیوہ تھا، الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے سرمایہ کی فراہمی کا سوال پیدا ہوا تو آپ ہی نے کمر ہمت باندھی اور ٹاٹا نگر، بھیونڈی، ممبئ کا سفر ضعف و نقاہت کے باوجود کیا، محنت اتنی کرتے تھے کہ آپ کے جواں سال ساتھی ہمت ہار جاتے تھے، دن بھر روزہ مسلسل گشت اور شام کو تراویح پھر رات کو اٹھ کر تہجد میں کئی پارے کی تلاوت اور آرام کا یہ عالم کہ سونے میں بھی پیر سمٹا ہوا، کسی دن اس صورت حال سے گھبرا کر ہمارے ہم سفر حضرت مولانا قمر الزماں صاحب زید مجد ہم نے عرض کیا کہ حضور اتنی محنت فرماتے ہیں کچھ تو آرام فرمالیں، اس قسم کے جملے اور بزرگوں سے بھی مروی ہیں۔

سید ایوب علی رضوی کا بیان ہے کہ فاضل بریلوی اعلی حضرت مولانا احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر فتاویٰ لکھتے رہے، رات میں بھی بارہ بجے تک یہی شغل جاری رہا جب بستر پر سونے کے لیے تشریف لے گئے تو داہنی کروٹ پاؤں سمیٹ کر اور اپنے ہاتھ اس طرح سر کے نیچے رکھا کہ "محمد" کی تحریر بن گئی، میں نے دونوں پاؤں پکڑ کر پھیلا دیا کہ حضور دن بھر بیٹھے رہے اب آدھی رات کو بھی اپنے پاؤں سمیٹ کر لیٹے ہیں، فرمایا: سید صاحب مسلمان دنیا میں پاؤں پھیلا کر سونے کے لیے نہیں آیا ہے اور پاؤں سمیٹ لیا۔ یہ جملہ بھی ایک ایسی شان رکھتا ہے اور اپنے موضوع پر نہایت بلیغ اور جامع انداز میں روشنی ڈل رہا ہے اور عجب نہیں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے اسی سے متاثر ہو کر مذکوہ بالا جملہ ارشاد فرمایا اور اپنی طبیعت کے مطابق اس مفہوم کو ایک نئے اسلوب میں بیان فرمایا ہو، ایک شاعر نے بھی اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سایہ تلے

مگر اس شعر میں صوتی وغنائی اور خاک کے سایہ اور افلاک کے سایہ تلے کی صدائے موزوں کے علاوہ

مقصد تعقید کے پردے میں نہاں ہے؛ کیوں کہ جاگنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آدمی کام ہی کرے اور کام کرے بھی تو ضروری نہیں کہ مفید اور کار آمد ہی کام کرے اس لیے یہاں یہ ٹکڑا پوشیدہ ماننا پڑے گا کہ جاگ کر وقت مفید کام میں صرف کرو اور شاید اوزان کی پابندی نے ہی شاعر کو ایہام اور اشاروں میں بات کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس کے برخلاف حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا جملہ اپنے مضمون پر صاف اور صریح دلالت کرتا ہے، اور الفاظ بھی مذکورہ بالا شعر سے مختصر استعمال ہوئے ہیں، پھر اس شعر میں کام کے لیے جاگنے کا حکم صرف اس مجبوری کے تحت ہے کہ قبر میں آدمی سونے پر مجبور رہے، جب کہ حضرت کے اس جملے میں کام اور آرام کا تقابل کسی چیز کا پتا نہیں چلتا بلکہ جہد مسلسل کے لیے ایک تازہ جواز فراہم ہوتا ہے، اس پر مزید صناع لفظی کا اہتمام بھی ہے، فاصلہ اور قافیہ ان دونوں جملوں کے حسن کو دوبالا کر رہا ہے۔

حافظ ملت کی قربانیاں الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے

حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

تعارف مقالہ نگار:
حضرت گھوسی ضلع اعظم گڑھ موجودہ مئو میں ۲؍ شوال المکرم ۱۳۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔
والد ماجد حضرت صدر الشریعہ قدس نے ضیاء المصطفیٰ محمد واجد علی نام رکھا۔
ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد اور مدرسہ شمس العلوم ناگ پور سے حاصل کی۔
شوال المکرم ۱۳۶۹ھ میں درس نظامی کی تکمیل کے لیے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور اپنی ذہانت وفطانت سے ہمیشہ رفقاے درس میں ممتاز رہے۔
۱۳۷۷ھ میں اشرفیہ سے دستار فضیلت حاصل کی، فراغت کے بعد دار العلوم فتحیہ فرفرہ شریف ضلع ہگلی (بنگال) بحیثیت شیخ الحدیث گئے، ہوڑہ میں دار العلوم ضیاء الاسلام قائم کیا، ۱۳۹۲ھ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور بلائے گئے، بعد میں ایک عرصے تک جامعہ کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث رہے، گھوسی میں جامعہ امجدیہ رضویہ قائم کیا، محدث کبیر آپ کا معروف خطاب ہے۔

حافظ ملت اپنی اجتماعی زندگی میں جدوجہد اور اخلاص وایثار کا مرقع تھے، ان کی زندگی کے اس رخ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: (۱) تعلیم دینی، اور (۲) خدمت خلق۔

حافظ ملت نے دینی تعلیم کے لیے اپنی ذات کو اس طرح وقف کر دیا تھا کہ گویا آپ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے، ان کا ذہنی پلان بھی اسی زمین پر تیار ہوتا تھا، آپ کی علمی زندگی بھی تعلیم وارشاد کا پیکر تھی، بعض اوقات اپنے قریبی تلامذہ کے سامنے اپنی عملی زندگی کے بعض زاویوں کی نشان دہی بھی فرماتے اور ان کی نقل اتارنے کی ترغیب بھی دیتے۔

حافظ ملت کا اخلاقی کردار اگرچہ ایک مستقل عنوان ہے، لیکن اندازہ یہ ہے کہ آپ کی خدمت خلق بھی تعلیم وارشاد ہی کی ایک اہم کڑی تھی، جس وقت قوی الاعصاب انسانوں کی ہمتیں چھوٹ جاتی ہیں آپ اس وقت

بھی خدمت خلائق میں مصروف نظر آتے ہیں، اس لیے مشکل ترین مراحل سے گزرنا انھیں کچھ دشوار نہ تھا، آپ وعدہ خلافی پسند نہ کرتے، ایک بار آپ مدرسہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ جاے قیام کے قریب ایک صاحب پہلے ہی سے منتظر تھے اور انھوں نے اپنی ضرورت پیش کردی، حضرت نے ان سے ٹھہرنے کو کہا اور اندر پہلا ہی قدم رکھا تھا کہ بایاں قدم جو باہر تھا اس کی پنڈلی میں کسی کتے نے دانت جمادیے اور وہ ضرورت مند انسان عالم حیرت میں تماشا ہی دیکھتے رہے کہ حضرت نے خود ہی کتے کا جبڑا پکڑ کر اسے الگ کیا پھر سب سے پہلے ان صاحب کی ضرورت پوری فرمائی اس کے بعد زخم کی تدبیروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

ایسے وقت اگر انسان کسی ضرورت مند کی طرف سے غافل ہو جائے تو تقاضاے فطرت کے خلاف نہیں، لیکن حافظ ملت اس معاملے میں بھی عام انسانوں سے مختلف تھے۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی ایسی ہی پر خلوص خدمتوں کا عوام و خواص کی زندگیوں پر خاصا اچھا اثر مرتب ہوا اور اشرفیہ کی ترقی کی راہیں بھی ہم وار ہوئیں۔

حضرت حافظ ملت کی دینی و علمی خدمات کا مرکز اشرفیہ ہی تھا، آپ نے تقریباً چوالیس سال تک یہاں تعلیم و تدریس کی بزم قائم رکھی اور وہ بھی اس شان سے کہ ہر دور میں اشرفیہ ہزار انجمن علم و فن پر بھاری رہا، حضرت صدر الشریعہ کے بعد حافظ ملت ہی کے لیے یہ خصوصیت مقدر ہوئی کہ آپ سے سب سے زیادہ بہتر کثیر التعداد علما پیدا ہوئے۔

حافظ ملت کی علمی وجاہت کا خطبہ آج نہیں بلند ہوا بلکہ آپ جامعہ معینیہ اجمیر مقدس میں زیر تعلیم تھے تو وہاں کا امتحان لینے اس دور کے علماے کبار کا قافلہ تشریف لایا جس میں محقق معقولات حضرت مولانا فضل حق رام پوری محشی امور عامہ بھی تھے آپ نے تمام علما و مشایخ کے محضر میں حافظ ملت اور ان کے رفقاے درس کا امتحان لیا، حافظ ملت سے باقاعدہ شرح مواقف امور عامہ کا امتحان لے کر اظہار تاثر فرمایا کہ ہندوستان میں اس استعداد کے طلبہ تو کیا علما بھی نہیں پائے جاتے، پھر فرمایا کہ ایک ہی کتاب سے ان کی ہر کتاب کا امتحان ہو گیا، پھر آپ نے باقی کتابوں کے نمبر آپ کو امتحان کے بغیر مرحمت فرمادیے، ساتھ ہی بطور انعام ایک جلد شفا شریف کی عطا فرمائی۔

ایسے وجیہ عالم و فاضل کو اس زمانے میں اونچے سے اونچے مشاہروں پر کون سا ادارہ نہ لیتا، لیکن ہوا یہ کہ جب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے آپ کو طلب کر کے فرمایا کہ ”حافظ صاحب آپ کو خدمت دین کے لیے مبارک پور جانا ہے، یہ نہ دیکھیے گا کہ کیا ملتا ہے۔“ تو آپ بطیب خاطر پینتیس روپے کے قلیل مشاہرے پر

مبارک پور تشریف لائے، جب کہ اس سے پہلے جامع مسجد آگرہ کے منصب خطابت وافتا کے لیے آپ کو ایک سو روپے ماہ وار پر مدعو کیا گیا تھا تو آپ نے رد فرما دیا تھا، پھر آپ نے مبارک پور تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزار دیا، لیکن کسی دور میں بھی آپ کا مشاہرہ دو سو پچاس تک نہ پہنچا اور اس بیچ میں نہ تو آپ نے کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست گزاری اور نہ کبھی کوئی خواہش ہی ظاہر کی اور نہ کبھی اونچی تنخواہ والے مدرسوں کی طرف توجہ مبذول کی، حالاں کہ چھ سو روپے ماہ وار پر بھی آپ مدعو کیے گئے، لیکن آپ نے ہر پیش کش کو رد فرما دیا۔

یہ صحیح ہے کہ مدرسوں کے لیے بڑی بڑی رقموں کا عطیہ پیش کرنا عظیم سعادت اور دین کی بہت بڑی خدمت ہے، لیکن دین کی اس خاموش خدمت کی قیمت لگانا بہت مشکل ہے کہ لگاتار نصف صدی تک ہر ماہ مدرسے کے لیے ایک خطیر رقم اس طور پر چھوڑ دی جائے کہ کسی زبان پر اس عطیہ کا ذکر تک نہ آئے۔ یہی ہے وہ بخشش کہ جس کی خبر بائیں ہاتھ کو بھی نہیں ہوتی۔

وفات سے چند روز پیش تر آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے طفیل اشرفیہ کو مجھ سے بلا واسطہ کتنا مالی فائدہ پہنچا ہے! ایک لمحہ کے لیے ایک اجمالی تخمینہ کی طرف توجہ کی یہ فائدہ لاکھ روپے سے متجاوز نظر آیا۔

اور یہ گراں قدر علما کی جو صفیں اشرفیہ میں حافظ ملت نے بچھا دی ہیں ان میں کا ہر ایک دوسری جگہ دوگنا پا سکتا ہے، حافظ ملت نے اپنی قربانیوں میں ایک باب کا مزید اضافہ فرما دیا کہ اپنے ان منتخب تلامذہ کو بھی ایثار کا سلیقہ دیتے گئے اور قلیل ترین مشاہروں پر آپ نے اشرفیہ کے لیے مثالی علما فراہم کر دیے، حافظ ملت کے ذریعہ جو اشرفیہ کو مالی فائدہ پہنچا ہے ان میں یہ حصہ بھی بہت وقیع ہے۔

اس ضمن میں حضرت کے وہ زریں عطیات بھی شمار کیے جا سکتے ہیں جو اشرفیہ کی تاسیس و فراہمی زر کے لیے راہ بر ثابت ہوئے۔

بات یہیں پر بس نہیں ہوتی بلکہ قربانیوں کا ایک اہم گوشہ یہ بھی ہے کہ جب اہل مبارک پور نے باتفاق رائے آپ کو دار العلوم اشرفیہ کی باگ ڈور سپرد کر دی اور آپ سربراہ اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب کر لیے گئے تو اس کے بعد ۱۹۷۲ء سے آپ نے اشرفیہ سے مشاہرہ لینا بھی موقوف فرما دیا، اراکین نے الاؤنس مقرر کرنے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ لفظ بدلنے سے معنی نہیں بدلتا، اور الاؤنس قبول کرنے سے بھی آپ نے صاف انکار فرما دیا، ایام مرض میں صاحب زادہ گرامی قدر مولانا عبد الحفیظ صاحب سے فرمایا: ”لوگ الاؤنس کے لیے مجھ سے

اصرار کر کے کام یاب نہیں ہو سکے، لیکن تم خیال رکھنا کہ کہیں تم کو کچھ نہ دے دیں۔"

سبحان اللہ !قربانیوں کا یہ سلسلہ کتنا دراز ہے کہ خود تو قربانی کے نذر ہوتے ہی رہے اپنی نسل کو بھی اسی شاہ راہ پر چلنے کی ہدایت فرمادی۔

حافظ ملت کے بعد جب مولانا عبد الحفیظ صاحب کو باتفاق رائے اشرفیہ کا سربراہ اعلیٰ چن لیا گیا تو سمجھا گیا کہ حضرت کا اشارہ کس مستقبل کی طرف تھا، خدا کا شکر ہے کہ لائق فرزند نے قربانیوں کی وراثت باقی رکھی اور آپ نے بھی مشاہرہ والاؤنس کا قضیہ نہیں پالا، انکار کی قوت اصرار پر بھاری ثابت ہوئی، زندگی بھر تو حافظ ملت اشرفیہ کے لیے قربانیاں دیتے ہی رہے اس پر بھی قرار نہ آیا تو خون کا آخری قطرہ بھی اشرفیہ کے لیے نچوڑ دیا اور اپنا مدفن بھی اشرفیہ کو سونپتے گئے۔

مقدر سے ملا کرتی ہے دولت عشق کی ورنہ ہر اک دل اس جہاں میں عشق کے قابل نہیں ہوتا

جس کی نگاہ کرم نے تقدیریں بدل دیں
لوگ ان کو حافظ ملت کہتے ہیں

مولانا سید اسرار الحق صاحب، صدر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ، کوٹہ راجستھان

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۵؍ جون ۱۹۲۷ء مقام شاہ جہاں پور یوپی، میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم وتربیت ہوئی۔

تبلیغ دین کے غرض سے شہر کوٹہ راجستھان کا رخ کیا، مسلسل کوششوں سے شہر کی فضا میں سنیت کا رنگ گھولا، جلوس محمدی بموقع میلاد النبی کا آغاز کیا، اس سلسلے میں آپ کو سیاسی طور پر ہراساں کیا گیا جھوٹے مقدمے لگائے گئے جس کے باعث آپ کو جیل جانا پڑا، پھر سیاست میں داخل ہوئے، اچھے خطیب تھے، شہر کوٹہ کے کانگریس صدر بنائے گئے، بعد میں راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہے، اسی دوران آپ نے عید میلاد النبی پر سرکاری چھٹی کی منظوری دلائی، آپ پارلیامنٹ میں پہنچنے والے پہلے سنی عالم تھے، پیغام امن کے فروغ کے لیے آل انڈیا قومی ایکتا کمیٹی قائم کی اور اس کے قوی صدر رہے۔

۱۶؍ جولائی ۱۹۹۲ء بمقام دہلی وفات پائی۔

بہت دنوں کی بات ہے کہ بھوج پور ضلع مرادآباد کے غیر معروف گاؤں نے ایک بچہ کو جنم دیا، دادا جان نے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ کے نام پر اس کا نام عبد العزیز رکھ دیا یا یوں کہیے کہ مشیت ربانی مستقبل کی تاب ناکی اور بے مثالی کے لیے والدین کی رہبری فرمار ہی تھی، بچے نے پرورش پائی، نامناسب ماحول نے کبھی یہ تخیل بھی ذہن میں پیدا نہیں ہونے دیا کہ ہماری آغوش کی دولت حدود ایشیا کو پار کر کے یورپ وافریقہ تک کے لیے سرچشمۂ ہدایت بنے گی۔

دن بیتتے گئے، زمانہ گزرتا گیا، یہ بچہ تعلیمی میدان میں آیا، منزل عروج وارتقا کی خشت اول حفظ قرآن سے رکھی گئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہونہار طفل نوخیز بے مثال حافظ قرآن ہو گیا، قرائن نے بتایا کہ کل تک جس کے پاس کچھ نہ تھا آج اس کا سینہ خداے ذوالجلال کے محبوب کا مدینہ بن گیا، یہ وہ نعمت عظمیٰ تھی جس نے

بہاروں کے لیے رستہ صاف کیا اور کامیابیوں کے لیے میدان ہموار کیا، تاریخ شاہد ہے کہ قرون اولیٰ میں بھی ان ہی سعادتوں کی سرفرازی نے عرب کے بادیہ نشینوں کو صحراے عرب سے نکال کر قیصر وکسریٰ کی حکومتوں کا مالک بنادیا تھا۔

عبد العزیز نام نیا نہیں تھا، کان آشنا تھے، تاریخ کا ذریں ورق اس نام کے ساتھ علم وفضل، حدیث و تفسیر کا انمول ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کیے ہوئے تھا، غیر منقسم ہندوستان کی تمامی درس گاہیں، دارالعلوم اس نام کی ہیبت وجلال کے سامنے سرنگوں تھیں، آج پھر اچانک وہی نام ان ہی خصوصیات کے ساتھ رونما ہو رہا ہے، مگر ہر جاذب نظر اور بے مثال کامیاب رونمائی کے لیے مقام کی اہمیت اور معلم کی آفاقیت لازمی ہے۔

چناں چہ کارساز مطلق کی عنایت بے پایاں ملاحظہ ہو، یہ طفل نوخیز حافظ قرآن بغیر کسی سہارے وسفارش کے اپنی پیدائشی ولایت اور مکین گنبد خضرا کی بے پایاں عنایت کی بدولت روحانیت ومعرفت کے سرتاج سلطان الہند حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ بےکس پناہ میں پہنچ گیا، مقام ایسا جو سارے ایشیا وافریقہ کے لیے مرکز توجہ اور فیض رساں ہے اور سونے پہ سہاگا یہ ہوا کہ معلم اور استاد وہ ملا جس کی زبان فیض ترجمان سے علم وفضل، فقہ و حدیث، حکمت وتفسیر، معرفت وروحانیت کے چشمے ابل رہے تھے، یعنی فقیہ اعظم، محدث کبیر، مفسر بے نظیر، راہبر راہ طریقت، حامل انوار معرفت صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی رضوی نور اللہ مرقدہٗ مصنف بہار شریعت کی تعلیم وتربیت خاص نے سونے کو کندن اور عبد العزیز کو حافظ ملت اور علم وفضل کا بحر ناپیدا کنار بنادیا۔

قرون اولیٰ میں جس طرح حضرات صحابہ کرام دین کی دولت لازوال سے سرفراز ہوکر عشق سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سہارے مختلف مقامات پر شمع ایمان فروزاں کرتے ہوئے کسی ایک مقام پر متمکن ہوکر عظمت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پرچم لہرایا کرتے تھے اور اس مقام کو اپنی خداداد صلاحیتوں سے علم وفضل اور دین وشریعت کی تبلیغ واشاعت کا مرکز بنادیتے تھے، بالکل اسی طرح چودہ سو برس کے بعد دیکھنے والوں کو قرون اولیٰ کی جھلک نظر آئی، ایک سیدھا سادھا چھریرے بدن والا نورانی داڑھی، معمولی لباس زیب تن کیے ہوئے، عمامہ سر پہ باندھے، بغل میں رومال دبائے، ہاتھ میں معمولی عصا لیے، نظریں جھکائے، بغیر کسی کروفر اور بلا شان وشوکت جتائے، مختلف مقامات سے گزرتا ہوا رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت تمام کے سہارے، مبارک اقدام کرتا ہوا مبارک پور پہنچ گیا، نہ جانے کس نے پہلے ہی سے مستقبل کی نشان دہی کرتے ہوئے اس قصبہ کا نام مبارک پور رکھ دیا تھا، کب نام رکھا گیا تھا اور کب برکتوں کے ظہور کا زمانہ آیا، یہ سب باتیں عقل وخرد سے نہیں بلکہ عقیدت

و محبت سے سمجھی جاتی ہیں۔

مرد مومن یادگار سلف مظہر قرون اولیٰ یعنی حافظ ملت مبارک پور میں ٹھہر گئے، جیسے پیاسے کو چشمہ مل گیا اور چشمہ کو اپنے بہاو کا راستہ مل گیا، دونوں کی مرادیں برآئیں، گنبد خضرا سے رحمت کی پھواریں آئیں، بریلی سے ٹھنڈی ٹھنڈی خوش گوار ہوائیں آئیں، موسم سہانا ہوگیا، ایسے میں ولی کامل عاشق رسول (ﷺ) حافظ ملت نے شریعت و معرفت کا ایسا پرکشش حسین و مسحور کن راگ چھیڑا جو ہوا میں تحلیل ہو کر جہاں جہاں ٹکرایا اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہا، عشاق و طالبین کے جھنڈ کے جھنڈ پروانہ وار مبارک پور کی جانب کھینچے چلے آئے۔

ایک معمولی مدرسہ جس کو اشرفیہ کہتے تھے، مدرسہ کے اعتبار سے اس کی کوئی اہمیت نہ تھی، لیکن اس مبارک مدرسے کی بنیاد ایک ایسے قطب دوراں، ولی کامل، شہ زادۂ غوث الوریٰ صاحب سجادہ کچھوچھہ مقدسہ سیدنا حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے رکھی تھی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ درس گاہ پروان چڑھے گی، اس درس گاہ کی ترقی و فروغ کے لیے پردۂ غیب سے سامان فراہم ہوں گے، کیوں نہ ہو سید زادے کی دعا ہے، مخدوم کچھوچھہ کا لاڈلا اور سرکار غوث کا شہ زادہ اس کا بانی ہے۔

آخر کار قطب دوراں کی دعاؤں نے قبولیت کا شرف پایا اور کوئی حافظ ملت کی شکل میں عالم ظہور میں آیا، سونے پہ سہاگا یہ ہوا کہ شریعت و طریقت کے سنگم ایک معمولی سے گاؤں میں بیٹھ کر پوری دنیا میں اپنی علمی و روحانی طاقت سے مسلک اہل سنت کی روح پھونکنے والے صدر الشریعہ علامہ شاہ امجد علی صاحب قبلہ نے حافظ ملت کو مدرسہ اشرفیہ میں تعلیم دینے اور مبارک پور رہنے کی ہدایت فرمائی تھی، اس وجہ خاص نے بھی حافظ ملت کو چمکنے اور منزل سے ہم کنار ہونے میں مدد دی۔

مژدہ باد، اے دل! کہ وہ اٹھی نقاب
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

حافظ ملت نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، دو چار سال تو خاموشی میں گزرے، مگر اس کے بعد جانے کس نے ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر ملک اور بیرون ملک میں مبارک پور کے لیے جذب و اثر تسخیر و کشش پیدا کی، اب جو دیکھا تو ایشیا و افریقہ کے تشنگان علم دور دراز سے آئے ہوئے طلبہ کے ہجوم در ہجوم حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر زانوے تلمذ تہ کر رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلی میں پیدا ہوئے، علم و معرفت کا چشمہ بریلی سے جاری کیا، مگر عجب مظاہرۂ قدرت

ہے کہ سیراب ہونے کے لیے لوگ مبارک پور آرہے ہیں۔

حافظ ملت کے تلامذہ نہیں بلکہ حقائق وتجربات کا ٹرانسمیٹر ساری دنیا کے طالبان علم کے لیے ہر روز پیغام نشر کر رہا ہے کہ امام احمد رضا کو سمجھنا ہے تو مبارک پور آؤ، مسلک اعلیٰ حضرت اور سنیت کے مشن کو دل ودماغ کی گہرائیوں میں اتار کر پروقار طور پر ساری دنیا میں اشاعت دین کی صلاحیت پیدا کرنا ہے تو مبارک پور آؤ، روحانیت کے ریڈیو اسٹیشن سے ہر دن یہ نشریات شہروں، قصبوں اور ملکوں میں پہنچ رہے تھے مگر لوگوں کو جو صرف ظاہری دنیا پر نظر رکھتے ہیں، یقین نہیں آتا تھا کہ پارچہ بافی کا صنعتی مرکز، علم وفضل، شریعت وطریقت کا سینٹر کیسے ہو گیا ہے، نگاہ ظاہر حقائق ومعارف کا اندازہ نہیں لگا سکتی:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مرد مومن عارف باللہ فدائے امام احمد رضا حافظ ملت کے فیض کا دریا رواں ہوا اور مبارک پور کی سنگ لاخ وناہموار زمین دیکھتے ہی دیکھتے سبزہ زار میں بدل گئی، حافظ ملت دانائے راز سے فیض کی پہلی قسط علامہ مفتی حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمۃ والرضوان، حضرت علامہ فاضل علوم مشرقیہ مفتی ظفر علی صاحب کراچی، پیر طریقت رہ نمائے ملت مولانا سید عبد الحق اعظمی، فاضل گرامی نائب مفتی اعظم ہند شیخ الحدیث حضرت علامہ شریف الحق صاحب وغیرہم کی شکل میں رونما ہوئی، ایشیا وافریقہ کی آنکھیں کھل گئیں، اب معلوم ہوا کہ عارف باللہ حافظ ملت کیا ہیں، ساری دنیا میں دھوم مچ گئی، کوہ ساروں، سبزہ زاروں علم وفضل کے مرکزوں ہی نہیں بلکہ مشرق ومغرب نے آواز دی کہ حافظ ملت جلالۃ العلم ہیں، سب نے مل کر حافظ ملت کو استاذ العلماء کا خطاب دیا۔

اللہ اکبر! یہ علم وفضل کا بحر ناپیدا کنار جس نے مشرق ومغرب کو ہلا کر رکھ دیا، مبارک پور جاکر دیکھو تو سیدنا حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد تازہ ہو جائے، مبارک پور میں کھڑے ہو کر مدینہ کی زیارت ہو جائے، یہ جلالۃ العلم، استاذ العلماء، علم وفضل کا انمول ہیرا، مبارک پور کی ایک انتہائی معمولی کھپڑہ پوش، ویران اور گہوارۂ احیاوالے مکان میں مونج کے باندھوں کی ایک کھاٹ پر معمولی اور بہت معمولی کپڑے زیب تن کیے بیٹھا ہے، عقل ودانش محو حیرت ہے کہ تلامذہ میں مفتی ظفر علی جیسے بنکر لاکھوں روپے کی بلڈنگوں میں شاہانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، مولانا شریف الحق نائب مفتی اعظم اور پیر طریقت مولانا سید عبد الحق لکھ پتیوں کے جھرمٹ میں عزت وافتخار کے ساتھ سرداری کر رہے ہیں اور ان کو شعور وزندگی کی دولت عطا کرنے والا ہر شے سے بے نیاز

فقیرانہ زندگی کا شیدائی ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قطرے کو دریا اور ذروں کو آفتاب بنتے دیکھ کر شمع علم شریعت و معرفت کے گرد پروانوں کی بھیڑ لگ گئی، جلالۃ العلم کی نگاہ فیض رساں کا ظہور شیخ الحدیث بحر العلوم علامہ عبد المنان، فاتح یورپ و ایشیا مناظر اسلام، علوم مشرقیہ کا بحر ناپید کنار علامہ ارشد القادری، محدث کبیر فاضل گرامی فقیہ بے مثال علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی، خطیب یورپ و ایشیا فاضل علوم مشرقیہ علامہ قمر الزماں جوائنٹ سکریٹری "ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ" کی شکل میں ہوا۔

حافظ ملت کی نگاہ کرم نے مبارک پور کی دنیا بدل ڈالی اور اس کو ساری دنیائے اسلام کا مرکز توجہ بنا دیا، آپ کے تلامذہ جب یورپ و ایشیا اور افریقہ کے علاقوں میں پہنچتے اور عظمت سرور کونین ﷺ کے پرچم لہرائے تو مسلمانوں میں ایک عظیم دینی و مذہبی بے داری پیدا ہوئی۔

دانائے راز نے جب اپنی صلاحیتوں، خدمات و کردار سے تمام مسلمانوں کے دلوں میں جگہ پیدا کر لی اور مدرسہ اشرفیہ کو کامیاب دار العلوم بنا کر ملت اسلامیہ کو چار چاند لگا دیے اور شرق و غرب سے خراج تحسین وصول کر لیا یا یوں کہیے کہ بے مثال ایثار و قربانی ایمان افروز جہد مسلسل کے ذریعے زمین ہموار کر لی فضا ساز گار بنا لی تو اس محسن ملت اسلامیہ، دانائے راز نے صبح قیامت تک کے لیے مسلک اعلیٰ حضرت اور عشق مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مشن کو کامیابی کے ساتھ ارض عالم کے چپا چپا پر پہنچانے کے لیے اور ملت اسلامیہ کے نونہالوں کو مذہبی و ملی و ایمانی قدروں سے سرفراز کرنے کے لیے مبارک پور میں "الجامعۃ الاشرفیہ" کا سنگ بنیاد رکھا۔

کمزور و نحیف یکہ و تنہا کھپریل کی کوٹھریوں میں زندگی کے ایام گزارنے والا حافظ ملت جو افتاد زمانہ کا شکار ہو کر احد و بدر جیسی دل ہلا دینے والی وادیوں سے دار و رسن پر مسکرا کر گزرنے والا اور گاہے کربلا جیسی دل گداز صبر آزما منازل سے دوچار ہو کر بھی حوصلہ نہ ہارنے والا عشق سرور کونین ﷺ کے سہارے ایسا بڑھا جیسے کہ بکریوں کا ریوڑ ہانکنے والے اور اونٹوں کا گلہ چرانے والے غلامان سرکار مدینہ ﷺ عشق نبی کریم ﷺ سے سرشار ہو کر گلّے اور ریوڑ چھوڑ کر قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان محلات پر چڑھ دوڑے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ناتواں اور کمزور لوگوں نے صرف اپنی ایمان و یقین کی طاقت سے طاقت و حکومت، بادشاہت و سلطنت کے پرخچے اڑا دیے، چشم بینا نے کل دیکھا اور عقل و شعور آج بھی اقرار کر رہی ہے کہ صحرائے عرب کے بادیہ نشینوں

نے ناممکن کوممکن بنادیااور کفر کے اعزاز واقتدار کویقین محکم، عمل پیہم کے اسلحہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملیامیٹ کردیا، اقبال نے اسی منظر سے متاثر ہوکر کہا تھا:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

دانائے راز حافظ ملت نے قدم بڑھایا، بندھنوں نے بھی پیش قدمی کی، یہ ہماری تاریخ ہے جب مدینہ سنوارا جائے گا تو بدر واحد سے گزرنا پڑے گا، جب بھی یزیدیت کا خاتمہ کرنا ہوگا تو کربلا کا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کرنا پڑے گا، ولی کامل حافظ ملت مبارک پور کی گلیوں میں گھومے اور دروازے دروازے دستک دی جس طرح ایثار قربانی کا نعم البدل آسمان کی بلندیوں سے منیٰ کی وادی پر اترا تھا، ملت کا باپ اپنے بیٹوں کے لیے نشان منزل قائم کر گیا تھا۔

فداکاروں کے جھنڈ کے جھنڈ نکلے اور مبارک پور کا ہر فرد مومن، ہر عاشق مصطفیٰ پروانوں کی طرح زر و مال لے کر حافظ ملت کے حضور حاضر ہوگیا، مجھے یاد ہے دانائے راز حضور حافظ ملت نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اس منظر کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس موقع پر مسلمانان مبارک پور کا جذبۂ ایثار وقربانی دیکھ کر دورِ صحابہ یاد آگیا، جب کہ حضور سرور کونین علیہ الصلاۃ والسلام کے حضور ہر صحابیِ معظم اپنی قربانی اور ایثار میں دوسرے صحابی سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہا تھا، اس مہم نے حافظ ملت کا حوصلہ بڑھایا اور ہمت میں توانائی پیدا کی۔

خوشا نصیب مجھ جیسے حقیر پر تقصیر کو اس پہلے سفر میں محبوب الہ دانائے راز حضور حافظ ملت کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا جو الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کے سلسلے میں بسڈیلا ضلع بستی سے جمشید پور، بھیونڈی اور بمبئی کے لیے شروع فرمایا تھا، بحر العلوم مفتی عبد المنان بھی شریک سفر تھے، میری آنکھوں نے حضور حافظ ملت کا سفر دیکھا، حضر دیکھا، رات دیکھی، دن دیکھا، اکیلے میں دیکھا اور انجمن میں دیکھا بے ساختہ زبان سے نکلا:

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

چودھویں صدی میں اگر دور صحابہ کا نظارہ کرنا ہے تو حافظ ملت کو دیکھ لو، ولی کامل جمشید پور پہنچے علامہ ارشد سمیت سارا جمشید پور بیس ہزار چندے سے زیادہ کا تصور بھی نہیں قائم کر رہا تھا مگر یہ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ حافظ ملت کی ایک نگاہِ خاص نے جمشید پور والوں میں دین وملت کی وہ تڑپ پیدا کردی کہ صرف چند مختصر افراد نے لاکھوں کا چندہ لکھا دیا، یہی کام بمبئی اور بھیونڈی میں ہوا، لوگوں نے اپنے مال وزر کو حافظ ملت کے قدموں

میں نچھاور کر دیا، عقل محو تماشہ تھی کہ نہ کوئی تقریر ہے، نہ کوئی سفارش، نہ کوئی کوشش خاص ہے، نہ لوگوں کا اثر و دباو ہے مگر کامیابی ہے کہ قدم چوم رہی ہے، آمد ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں ہو رہی ہے، دل پکار اٹھا:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس اس کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

میں بد قسمت عدیم الفرصتی کے باعث واپس آگیا، علامہ ارشد اور مفتی عبد المنان صاحبان رہ گئے، خوب کام ہوا، سلسلہ جاری ہو گیا اور دیکھتے دیکھتے لاکھوں روپیے کی عظیم الشان عمارت آج کوہ ہمالیہ کی طرح مبارک پور میں کھڑی ہے، یہ سب کچھ صدقہ ہے حضور حافظ ملت کا، بانیِ الجامعۃ الاشرفیہ کا۔

چالیس سال اس ادارے میں درس حدیث دینے کے بعد اور مسلمانان عالم کی تعلیم و اصلاح کے لیے لاکھوں روپیے کی عظیم الشان فلک بوس دو منزلہ عمارت تیار کرنے اور اس کو آباد رکھنے کے لیے بے نظیر و بے مثال علماے کرام مفتی شریف الحق صاحب، مفتی عبد المنان صاحب اور علامہ ارشد القادری وغیرہ وغیرہ کو پیدا کر کے اور محفل میں وجدانی کیف پیدا کرنے کے لیے بیکل کو ایک نگاہ کرم ڈال کر عالمی بیکلؔ بنانے والے حضور حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنی آغوش میں لے کر آنکھ موند لیں یا یوں کہیے کہ الجامعۃ الاشرفیہ نے اپنی زندگی و تابانی کے لیے حضور حافظ ملت کو اپنے قلب و جگر میں سمو لیا تاکہ حضور حافظِ ملت نگاہوں سے دور نہ ہو سکیں، سامنے رہ کر اپنی نگاہِ کرم سے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کو مکمل کرا سکیں اور ہر طالب علم کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے نوازتے رہیں۔

کرامات اولیا کی ہر کتاب میں اللہ تعالیٰ کے ولیوں کی ہزاروں لاکھوں کرامتیں تحریر ہیں، ان کی دعاؤں سے بیماروں کو شفا، غریبوں کو دولت، پریشان حال لوگوں کو مصائب سے رستگاری ملی، مگر یہ فائدے انفرادی یا ذاتی حیثیت سے آگے نہ بڑھ سکے، حافظ ملت کی انمول اور زندۂ جاوید کرامت یہ ہے کہ پوری حیات اقدس کی کمائی اور انتہائی فعال زندگی کا پس ماندگان کے لیے جو سرمایہ چھوڑا وہ دنیاوی جائیداد کے اعتبار سے نہ کھیت، نہ مکان، نہ زر نہ مال کی شکل میں ہے، لے دے کر صرف افلاس و غربت چند میلے پرانے کپڑے، مگر اللہ تعالیٰ کے اس محبوب بندے نے قوم و ملت کے لیے لاکھوں لاکھ روپے کی فلک بوس دو منزلہ عمارتوں پر مشتمل الجامعۃ الاشرفیہ اور اس کی رکھوالی کے لیے اخلاق و دیانت کے گوہر بے بہا ایمان داری و احتیاط کے سرچشمہ مولانا محمد شفیع صاحب نائب ناظم الجامعۃ الاشرفیہ، قاری محمد یحییٰ صاحب ناظم الجامعۃ الاشرفیہ، بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان

صاحب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، نائب مفتی اعظم ہند علامہ شریف الحق مفتی الجامعۃ الاشرفیہ، علامہ ارشد القادری سکریٹری آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ رکن الجامعۃ الاشرفیہ، حسان الہند شاعر اسلام بیکل اتساہی، شہ زادۂ حافظ ملت مظہر اعلیٰ حضرت پیکر اخلاص و دیانت علامہ عبد الحفیظ بی. ایس. سی علیگ سرپرست الجامعۃ الاشرفیہ، سراپا اخلاص وایثار مولانا محمد بدر القادری ایڈیٹر الجامعۃ الاشــرفیہ، مولانا محمد عبد المبین مصباحی جیسے لائق فخر افراد اپنے پیچھے چھوڑے، جن کی نگرانی میں الجامعۃ الاشرفیہ روز بروز ترقی کی منازل کی جانب نہایت کامیابی کے ساتھ گام زن ہے، لاکھوں روپے کے آمد و خرچ کا حساب آئینہ کی طرح قوم وملت کے سامنے ہے، جسے بغیر حیل وحجت کے ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے، جب ہی تو یادگار حافظ ملت میں چار چاند لگ رہے ہیں۔

ہر عاشق حافظ ملت اسی فکر میں ہے کہ کیسے جلد سے جلد الجامعۃ الاشرفیہ کو اس لازوال ارفع واعلیٰ مقام پر پہنچایا جائے جو حافظ ملت کی خواہش کے عین مطابق اور آپ کی وصیت خاص کے موافق ہو۔

خدارا آپ ہی بتائیے کہ اس نظارۂ حسن وجمال اور مشاہدۂ علم وکمال کے بعد حافظ ملت دانائے راز کے ارفع واعلیٰ مقام کو فکر ودانش اور عقل وشعور کے کسی فیتے سے بھی آپ ناپ سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، حافظ ملت اپنے عدیم المثال زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت، ایثار وقربانی، اخلاص ودیانت کے سبب وہاں ہیں جہاں عقل وشعور کا گزر نہیں، ہاں عقیدت ومحبت اس راہ سے روشناس ہے، حافظ ملت اس باکمال، انمول، ولی کامل کا نام ہے جس کے لیے اقبال نے کہا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہائے افسوس! ہم نے زندگی میں حافظ ملت کو پہچانا نہیں، بعد وصال ظہور کرامات، حقائق ومعارف کا انکشاف اب ہم کو آٹھ آٹھ آنسو رلا رہا ہے، مگر دوستو! وقت اب بھی نہیں گیا ہے۔

ہر گز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مومن مرتا نہیں زندہ جاوید ہوتا ہے، حافظ ملت اب ایسی جگہ آرام فرما ہیں جہاں سے وہ اپنا گھر اور اپنے اعزّہ کو نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ ان کے سامنے ان کی زندگی کی کمائی الجامعۃ الاشرفیہ کی عمارت، اس کی عظیم درس گاہ

اور انمول دارالاقامہ ہے۔

لہٰذا الجامعۃ الاشرفیہ کا استحکام اور اس کی تعمیر کی تکمیل، اس کے محکم نظام تعلیم کی افادیت، ولی کامل، حافظ ملت کی روح پاک کی طمانیت و سکون کا ذریعہ ہوگی، آئیے ہم سب مل کر حافظ ملت کی ایمان افروز نجات دہندہ خواہشات اور آرزوؤں کی تکمیل کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کی تکمیل اور تعلیم و تعلم کے سنوارنے میں جی جان سے جٹ جائیں۔

رب قدیر ہم سب کو حافظ ملت کے مشن کو پورا کرنے کی صلاحیت تمام عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین.

مرشد کامل کی عظیم شخصیت

حضرت مولانا عبداللہ خاں عزیزی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

تعارف مقالہ نگار:

شیخ علامہ عبداللہ خاں عزیزی علیہ الرحمہ حافظ ملت کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ایک تھے۔

ولادت: ۱۵؍ نومبر ۱۹۳۵ء بمقام موضع ناوڈیہ پیچپڑوا، ضلع بلرام پور

تعلیم و تربیت: متوسطات تک مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم آگئے جہاں ۴؍ سال تک باکمال اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔

تدریس: فراغت کے بعد دارالعلوم ربانیہ باندہ اور دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۷۳ء میں حافظ ملت کے حکم پر دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم آگئے، ۱۳؍ سال تک کامیاب تدریس کے بعد ۱۹۸۴ء میں دارالعلوم جمد اشاہی کے پرنسپل بنائے گئے، ۱۹۹۶ میں ریٹائرڈ ہوکر الجامعۃ الاسلامیہ روناہی فیض آباد تشریف لے گئے، پھر ۲۰۰۸ء میں دوبارہ دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی کو رونق بخشی اور تاحیات علمی فیضان لٹایا۔

وفات: ۱۷؍ جولائی ۲۰۱۱ء بعمر ۷۶ برس۔

مدفن: احاطہ دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی

تصنیفات: معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل (اردو)، مسائل سود، سفر نامۂ حجاز، انوارِ نبوت وغیرہ۔

اصناف انسانی کے لحاظ سے عزت و کرامت عظمت و بڑائی کے معیار مختلف مانے جاتے ہیں، سرمایہ پرستوں میں مکرم و معظم وہ ہے جس کے پاس دولت و ثروت کا انبار ہو، سیاست کاروں میں عظیم انسان وہ ہے جو نظام مملکت کے چلانے میں اپنے حسن تدبر، نظم و ضبط کا مظاہرہ اکمل طور پر کر رہا ہو، فلاسفہ و حکما کے گروہ میں

اونچا وہ ہے جو اس جہانِ کون وفساد کی گرہ کشائی اور اس کے علل واسباب کی سراغ رسانی میں فائق تر ہو، دل دادگان شعر وسخن کے اعتقاد میں سربلندی اس کا نصیب ہے جو مظاہر فطرت کی عکاسی وتخیل کی بلند پروازی، جذبات انسانی کی صحیح ترجمانی میں اپنے ہم نواؤں میں بلند مقام پر فائز ہو، اس طرح سیکڑوں طبقات میں بٹے ہوئے افراد انسانی کے لیے اپنے اپنے مزعومات وخیالات کے مطابق عظمت وکرامت کے الگ الگ معیار ٹھہرا لیے گئے ہیں، لیکن خالص دینی نقطۂ نگاہ سے انسان کی عظمت کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ اس میں طہارت نفس، پاکیزگیِ قلب وبالیدگیِ روح پیدا ہوجائے، یہی وجہ ہے کہ جملہ صحف آسمانی نے واضح طور پر اعلان کیا کہ انسان کی عزت وشرافت کا معیار تقویٰ وپاکیزگیِ نفس ہے، انبیاے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ انسان اپنے کو مومن صالح ونکوکار بنائے، اس لیے کسی انسان کی عظمت وبڑائی کے ناپنے کا یہ پیمانہ سراسر غلط ہے کہ وہ کتنے علوم وفنون کا جامع ہے؟ وہ سیاست کاری میں کتنا ماہر ہے؟ اس کے پاس دولت وثروت کے کتنے خزانے ہیں؟ وہ فلسفہ ودانش، شعر وسخن میں کتنی جودت دماغ ومہارت رکھتا ہے؟ بڑائی کے یہ تمام اسباب انسان کو اس وقت بڑا بناتے ہیں جب اس میں نیکی وپارسائی کا عنصر غالب ہو۔

دنیوی امور سے قطع نظر صرف دینی امور پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت زیادہ آشکارہ ہوکر سامنے آئے گی کہ اگر کوئی شخص علم حدیث، فقہ وتفسیر وکلام واصول میں عبقری شخصیت کا حامل ہو، لیکن ان علوم سے اس کی روح متاثر نہ ہوئی ہو، دین داری، دیانت داری، تقویٰ وخشیت الٰہی اس میں نہ پیدا ہوئی ہو تو اس کے یہ سارے کمالات ادنیٰ درجہ کی وقعت وحیثیت نہیں رکھتے، پس ثابت ہوا کہ انسان کے اندر لازوال عظمت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کمالات انسانی کے ساتھ ساتھ طہارت نفس ونکوکاری کا جذبہ غالب ہوجائے، شمائل کریمہ وخصائل حمیدہ کے انوار وتجلیات سے اس کا ظاہر وباطن جگمگا اٹھے۔

اس نقطۂ نظر سے جب میں غور کرتا ہوں تو مرشد کامل، آقاے نعمت، نائب رسول مولانا وماؤانا حضرت حافظ ملت نور اللہ مرقدہٗ کی ذات ستودہ صفات کو میں ایک عظیم انسان قرار دیتا ہوں، وہ اعلیٰ درجے کے ایسے محدث تھے جنھوں نے چالیس سال کی طویل مدت تک درس حدیث دیا اور اس کے نکات اور باریکیوں سے اپنے سیکڑوں تلامذہ کو مستفیض فرمایا، وہ قرآن حکیم کے معارف وحقائق کے ایسے محرم اسرار تھے جنھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس کی تلاوت وتفسیر وبیان میں صرف کیا، وہ بڑے پر خلوص خطیب ومقرر تھے، جن کے خطبہ وتقریر کے اثرات عرصہ تک دلوں کو گرماتے رہیں گے، وہ اگرچہ اہل تصوف کے ایسے گروہ میں نہیں شمار

کیسے جاتے تھے جنھوں نے حیات کے ہنگاموں سے قطع تعلق کر کے تجرد کی زندگی اختیار کرلی ہو تاہم ان کا باطن یاد الٰہی اور رضائے حق میں مصروف عمل تھا، وہ علم وعمل کا ایسا پیکر مجسم تھے کہ دور دور تک نگاہ ڈالنے سے ایسے انسان کم نظر آتے، وہ خلوص ومحبت کی ایسی دنیا اپنے دل میں آباد رکھتے تھے جہاں اپنے پرائے کا امتیاز نہیں تھا، غرض ان کی خوبی وکمال کی داستان بہت لمبی ہے لیکن جس کی وجہ سے میں ان کو ایک عظیم انسان تصور کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دیگر کمالات انسانی کے ساتھ ان میں طہارت نفس، تقویٰ وخشیت ربانی کے پاک عناصر غالب تھے، ان کا ظاہر عام انسانوں جیسا ظاہر نہیں تھا، بلکہ شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، ان کا باطن معمولی انسانوں جیسا باطن نہیں تھا بلکہ اس میں خلوص وللّٰہیت کا بحر بےکراں تلاطم خیز تھا، ان کے اطوار وعادات کے آئینے میں پیغمبر اسلام ﷺ کے اخلاق عالیہ کی جھلکیاں صاف دیکھی جاسکتی تھیں، ان کی روحانی قوت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہزاروں موانع کے سیل رواں کے باوجود ملت اسلام کے اس بلند مینارہ کو پستی کی طرف مائل نہ ہونے دیا بلکہ طوفان حوادث سے ان کے عزم وہمت میں استحکام پیدا ہوا اور باغ فردوس کو ایک عظیم دانش گاہ میں تبدیل کردیا، ان کی زبان مبارک کی قوت تاثیر کی یہ برکت تھی کہ کتنے معصیت کار عفت مآب، کتنے سیہ کار نکوکار و پارسا ہوگئے، کتنے گم گشتہ راہ نجات وہدایت کی راہ پاگئے۔

خدائے قدوس کی طرف سے بندے پر لازوال عظمت کا فیضان اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے ظاہر و باطن کو تمام آلائشوں و آلودگیوں سے پاک وصاف کرائے اور اچھے عمل وکردار سے سنوار کر اس کے نزدیک محبوبیت کا اونچا مقام حاصل کرلے اسی کو شریعت کی زبان میں تقویٰ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی تقویٰ تمام خوبیوں کی بنیاد ہے، اسی کے بلند درجے پر جب انسان پہنچ جاتا ہے تو اس کی عظمت و سطوت کے آگے کائنات خلقت کی ساری بلندیاں ہیچ نظر آتی ہیں، اسی کے مراتب و درجات کے فرق سے نوع انسان کے افراد میں بڑائیوں کا فرق ہوتا ہے اور اسی سے بُعد و دوری کی صورت میں وہ ذرّہ بے مقدار اور خاک حقارت سے کم تر ہوتا ہے، مگر اس کا اعلیٰ مقام حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بڑی جانکاہی و جگر سوزی کے بعد یہ گوہر گراں مایہ حاصل ہوتا ہے، بہ الفاظ دیگر اس رتبۂ بلند کے حاصل کرنے کے لیے تلوار کی تیز دھار پر چلنا پڑتا ہے، ذرا سی لغزش سے اعتدال کی راہ سے بھٹک جانے کا خطرہ شدید لگا رہتا ہے، اس لیے اس رتبہ کے انسانوں کی تعداد ہر زمانے میں کم رہی، قحط الرجال کے اس دور میں ان پاک نفس انسانوں کی کمی کا احساس ہر اس شخص کو ہوگا جو زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر نہ سمجھتا ہو، نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی کی شکل میں دیکھنے کا عادی نہ ہو، اس لیے میرا

وجدان شہادت دے رہا ہے کہ مرشدی حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے جامع صفات، برگزیدہ، اللہ والے انسان عصر جدید میں بہت کم پائے جاتے ہیں، آپ کی زندگیِ پاک کی کھلی کتاب میرے اس دعوے کا بیّن ثبوت ہے جس کے ایک ایک ورق کے مطالعہ سے یہ یقین حاصل کیا جاسکتا ہے کہ تقویٰ وطہارت نفس کے پُر پیچ اور دشوار گزار راستے کو آپ نے بڑی آسانی کے ساتھ طے کیا، ملت بیضا کے اوامر ونواہی کی بجاآوری تو آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی لیکن اس سے بڑھ کر آداب وسنن میں بھی سیرت نبویہ سے سر مو تجاوز کرنے کا کوئی سلیم الطبع ثبوت فراہم نہیں کر سکتا ہے، اٹھنا بیٹھنا، سفر وحضر، بات چیت، باہمی معاشرت، معاملات دین ودنیا، عوامی روابط وتعلقات، اپنے پرائے سے سلوک وبرتاو سب میں آپ نے طریقۂ مصطفوی کا دامن اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا، حسان العجم خاقانی نے اپنے مرشد کے متعلق یہ دعویٰ کیا تھا:

رقم ہائے کہ مرموز است اندر خرقہ از بخیہ
رقوز لوح محفوظ است گرخوانی بایقانش

یعنی میرے مرشد کی گدڑی میں لوح محفوظ کے اسرار ورموز پوشیدہ ہیں اگر تم ان کو علم وایقان کی روشنی میں پڑھو۔

میں اپنے شیخ کے بارے میں اتنے بڑے شاعرانہ دعوے کی جسارت نہیں کر سکتا لیکن یہ کہنے کی جرأت ضرور کر سکتا ہوں کہ ان کی کتاب زندگی میں رسول اکرم نور مجسم ﷺ کی سیرت پاک کی تحریریں مرقوم تھیں۔

مرشد کامل کا دربار ایسا دربار تھا جہاں کسی کو بری باتوں کا یارائے کلام نہیں تھا، غیبت، چغل خوری، فحش کلامی، کسی کے متعلق غلط خیال کا اظہار، آپ کی طبیعت سلیمہ کو گوارا نہ تھی، انسانی فطرت کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ اپنے معاصر کی خوبیوں کا اعتراف صدق دل سے نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی اس کے معاصر کے اچھے اوصاف وکمالات کا ذکر کرتا ہے تو اس کو یک گونہ انقباض وتکلیف ہوتی ہے اور دل ہی دل میں پیچ وتاب کھاتا ہے اور سوچتا ہے کہ ایسا نقص وعیب ڈھونڈ نکالے جس سے وہ لوگوں کی نگاہ میں حقیر نظر آئے اور اس کی اچھائیاں دب کر رہ جائیں لیکن میرے مرشد کا طرۂ امتیاز ووصف خصوصی تھا کہ اگر ان کے سامنے ان کے معاصر کا ذکر خیر کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ کشادہ دلی کے ساتھ سماعت فرماتے بلکہ خود بھی اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوجاتے یعنی اپنے حسن ظن کا ایسا مظاہرہ فرماتے جو مومن کا شعار ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے پیروانِ اسلام کو یہ حکم دیا ہے کہ عام حالت میں کسی کے متعلق برا خیال نہ رکھیں؛ کیوں

کہ اگر وہ خلاف واقع ہے تو گناہ وعذاب کا باعث ہوگا، علاوہ ازیں یہ امراض نفسانی میں سے ایک ایسی بیماری ہے جس سے دائمی مناقشت کی وباعام ہوجاتی ہے، اس سے نفرت وحقارت کا جذبہ ابھرتا ہے، اس کے برعکس حسن ظن، مودت والفت اور خوش گوار روابط کا ذریعہ ہوتا ہے، اس وجہ سے جس پاک باطن میں یہ خوبی پائی جائے سمجھو اس کا میلان نیکی کی طرف ہے اور اس کا دل آئینے کی طرح صاف وشفاف ہے، اس اعتبار سے بھی جب ہم حضرت حافظ ملت کی عظیم شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو یقین محکم ہوتا ہے کہ آپ کا آئینۂ قلب مجلّی ومصفّٰی تھا، یہ یقین محض دعویٰ نہیں ہے بلکہ ٹھوس شہادتوں پر مبنی ہے، جن سے پتا چلتا ہے کہ خدائے پاک نے آپ کی طبع سلیم کو ایسا سنوار کر بنایا تھا کہ اس پر بدگمانی، سوئے ظن وغیرہ کے امراض نفسانی کا اثر نہیں پڑ سکتا تھا، بلکہ بعض سادہ لوحوں، نیاز مندوں کو تو یہ محسوس ہوتا تھا کہ جس طرح خود حضرت دنیا کی آلائشوں سے ستھرے ہیں ایسا ہی سب کے بارے میں خیال رکھتے ہیں، خود نیک ہیں سب کو نیک سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات والا تبار فطری طور پر اس قسم کی باطنی بیماریوں سے پاک وصاف تھی ہی، اس پر احکام الٰہی کی بجاآوری کے جذبے نے سونے پر سہاگا کا کام کیا۔

آقائے نعمت نور اللہ مرقدہ "الحب في الله والبغض في الله" کا کامل نمونہ اور سچی تصویر تھے، ان کو مذاہب باطلہ والوں اور شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں سے بیر تھا تو وہ محض خوش نودیِ الٰہ کے لیے تھا، اللہ کے نیک بندوں کی بارگاہ میں بےجا جسارت کرنے والا، انسانوں کو گم راہ کرنے والا، مسلمانوں میں غلط نظریات وعقائد کی تبلیغ کرنے والا، خدائے پاک کی ذات وصفات کے متعلق گمراہ کن تصورات کا پرچار کرنے والا ان کا بڑا مبغوض تھا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے فرقۂ باطلہ کی تردید میں المصباح الجدید جیسی لاجواب کتاب تحریر فرمائی، امر معروف اور نہی منکر کا فریضہ بجالانے والا، اسلام کی دعوت وتبلیغ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے والا، بدعت وعقائد فاسدہ سے بندگان خدا کی حفاظت وصیانت کرنے والا، آپ کا بڑا محبوب وپیارا تھا، وہ منظر بڑا پرکیف ہوتا تھا جب کوئی نیاز مند آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اپنی دینی خدمات وتبلیغی کارناموں کو بیان کرتا تھا اور خوشی ومسرت سے آپ کا روئے مبارک چمک اٹھتا تھا، حالت وجد میں داد وتحسین کے ایسے الفاظ ارشاد فرماتے تھے کہ جن سے اس نیاز مند کا دل جوش عمل سے لبریز ہوجاتا تھا اور ہمت شکن حالات میں بھی دین کے کاموں کے لیے اس میں حوصلہ پیدا ہوجاتا تھا۔

ایک مرتبہ غریب خانے پر تشریف لے گئے، مجلس مولود منعقد ہوئی، عقیدت کیشوں اور نیاز

مندوں کا ازدحام تھا، جلسۂ وعظ میں اس وقت رونق افروز ہوئے جب برادر محترم مولانا عبد الرحیم خان صاحب عزیزی بڑے پر جوش انداز میں تقریر فرمارہے تھے، حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان بہجت وسرور کے ساتھ ان کی تقریر سماعت فرماتے رہے اثنائے تقریر میں آپ کی زبان مبارک سے بار بار سبحان اللہ! ماشاء اللہ! کے کلمات ادا ہوئے، میں خوف محسوس کر رہا تھا کہ تقریر سے محظوظ ہونے کے علاوہ مولانا موصوف کی ہمت افزائی اس لیے فرمارہے ہیں کہ آپ کی عظیم شخصیت سے مرعوبیت کے باعث تقریر کی روانی و جوش بیانی میں خلل نہ واقع ہوجائے، برادر مکرم کی تقریر ختم ہوئی اور حضرت والا پند ونصائح کے لیے کرسی پر جلوہ افروز ہوئے، تقریباً آدھا گھنٹہ تک ان کی تقریر پر گراں قدر تبصرہ فرماتے رہے، تبصرہ کیا فرمارہے تھے رائی کو پہاڑ کی بلندی عطا فرمارہے تھے، ذرہ کو آفتاب کی تابانی بخش رہے تھے، پھر فرمایا کہ سنو! یہ بڑے صالح نوجوان، جید عالم ہیں اس دور میں اتنے نیک اور اچھے عالم کم ملتے ہیں، ان کی قدر پہچانو! اور غور سے سنو! جب تک اس دنیا میں عالم ہیں، اس وقت تک یہ عالَم ہے، جب عالِم نہیں رہیں گے تو یہ عالَم بھی نہیں رہے گا، پھر تفنن طبع کے لیے یہ لطیف نکتہ ارشاد فرمایا کہ عالم اور عالم میں صرف زبر اور زیر کا فرق ہے، اس لفظ کے لام کو زبر دے کر پڑھو عالَم اور زیر دے کر پڑھو عالِم ہے اس سے اشارہ مل رہا ہے کہ جب تک عالم کا وجود ہے اس وقت تک دنیا برقرار رہے گی اور جب یہ دنیا عالم کے وجود سے خالی ہوجائے گی تو یہ زیروزبر ہوجائے گی یعنی نظام ہستی تہ وبالا ہوجائے گا، حضرت نے اس نکتے کو ایسے حسین انداز میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے علاقے کے لوگوں کے زبان پر بہت دنوں تک اس کا تذکرہ رہا کہ عالِم ہیں تو عالَم ہے، عالِم نہیں تو عالَم نہیں، یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ لفظ کے زیروزبر سے نظام ہستی کے زیروزبر ہونے پر حضرت نے استدلال نہیں کیا تھا بلکہ اس حقیقت پر حدیث کریم کی ٹھوس شہادت پیش فرمائی تھی، افسوس کہ مجھے یاد نہ رہی۔

اس واقعے کو گزرے ہوئے تقریباً دس سال ہوگئے لیکن جب کبھی حضرت کی قدر افزائی، ذرہ نوازی، ہمت افزائی کا خیال آتا ہے تو میرے اوپر کیف طاری ہوجاتا ہے اور میں خوشی ومسرت سے جھوم اٹھتا ہوں:

نہیں ہے پیر مے خانہ مگر فیضان باقی ہے
ابھی تک مے کدہ سے بوئے عرفانی نہیں جاتی

حافظ ملت کے علمی افادات

مولانا محمد احمد بھیروی مصباحی، مدرس دارالعلوم ندائے حق، جلال پور، فیض آباد

حضرت کا شمار ان فرزندان اشرفیہ میں ہے جن پر اشرفیہ کو ناز ہے۔
۹ر ستمبر ۱۹۵۲ء میں بھیرہ ولید پور اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو) یوپی میں پیدا ہوئے۔
ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کی اور درجۂ سوم تک مدرسہ رحیمیہ بھیرہ سے، ۸ر اپریل ۱۹۶۲ء کو مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد میں داخلہ لیا اور متوسطات تک تعلیم حاصل کی، ۲۲ر جنوری ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور ۲۳ر اکتوبر ۱۹۶۹ء میں علماء و مشایخ کے ہاتھوں دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔
مختلف مدارس میں تدریسی فرائض کی انجام دہی کے بعد ۹ر شوال ۱۴۰۶ھ/جون ۱۹۸۴ء جامعہ اشرفیہ مبارک پور آئے اور درس و تدریس سے منسلک رہے، ایک عرصے تک جامعہ اشرفیہ میں مسند صدارت پر فائز رہے اور ریٹائر ہونے تک اسے بخوبی نبھایا، فی الحال جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات، مجلس برکات کے نگراں، تنظیم المدارس کل ہند اور مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے صدر ہیں۔
حضرت ایک ذمے دار قلم کے مالک ہیں، مواهب الجليل لتجلية مدارك التنزيل، حدوث الفتن و جهاد اعيان السنن اور تدوین قرآن آپ کی بیش تر تصنیفات میں اہم مقام رکھتی ہیں۔
اللہ کریم حضرت کا سایہ دیر تک ہمارے سروں پر قائم رہے۔

حافظ ملت نے پوری زندگی درس و تدریس اور تقریر و تبلیغ کا شغل رکھا، مصروفیات بہت زیادہ تھیں مبارک پور تشریف لائے تو تیرہ اسباق روزانہ پڑھاتے جس میں سب سے چھوٹا سبق شرح جامی کا تھا، آپ کے بڑھتے ہوئے اثرات اور علمی وجاہت دیکھ کر دیوبندی مکتب فکر کے مولوی شکر اللہ مبارک پوری نے تقریروں کے ذریعے مذہبی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور پھر دونوں طرف سے مقابلے کی تقریریں شروع ہوگئیں، ایک دن حضرت کی تقریر ہوتی اور ایک دن مولوی شکر اللہ کی، اُس وقت حضرت کے طلبہ بھی بڑی محنت و مستعدی کے

ساتھ حضرت کی معاونت کرتے، حافظ ملت فرمایا کرتے کہ ”وہ طلبہ میرے لیے قوت بازو تھے“ مخالف مقرر کی پوری تقریر نوٹ کرتے اور شام کو سارے مشاغل سے فراغت کے بعد حضرت اُسے سنتے، عصر سے مغرب تک کی درمیانی مدت جوابی تقریر کی سماعت اور جواب الجواب کے لیے طلبہ کی تیاری میں صرف ہوتی، اگر چہ یہ سلسلہ مسلسل ساڑھے چار ماہ تک تھا، مگر تدریسی مشاغل، غیر درسی اوقات میں کچھ کتابوں کی تدریس، اہل محلہ اور ملاقاتیوں کی دل داری اور اس طرح کے بہت سے مشاغل کا ہجوم رہتا، غالباً ۱۳۹۴ھ میں ایک بار بزم امجدیہ عزیزیہ (واقع محلہ جگسلائی، جمشید پور) کی دعوت پر حضرت جمشید پور تشریف لے گئے تھے، میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا بعد ملاقات، نماز مغرب جگسلائی جامع مسجد میں حضرت کے پیچھے ادا کی، حضرت نماز پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، میں امام جامع مسجد حضرت مولانا محمد حسین صاحب اعظمی سے گفتگو اور حضرت کے حالات پر تبادلۂ خیال میں مصروف ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ حافظ ملت نے کوئی خاص تصنیفی سرمایہ نہیں چھوڑا جس کے باعث ان کے افادات اور علوم سے آنے والی نسل محروم رہ جائے گی۔

کثرت تصنیف سے موانع:

اس گفتگو کے بعد میں حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا:

بفضلہٖ تعالیٰ تصنیفی صلاحیت مجھے ضرور ملی اور قلم کی قوت بھی، یہ کہہ کر فرمایا: کیا کہوں، بہر حال مجھے لکھنے پر قدرت تھی، جس کا نمونہ المصباح الجدید، ارشاد القرآن، اور معارف السنہ وغیرہ ہیں۔

لیکن قوت تصنیف کے باوجود ہمیشہ عوائق و موانع در پیش رہے، مصروفیات نے گھیرے رکھا، جس کے باعث میں کچھ لکھ نہ سکا، ایک طالب علم نے (حضرت نے نام بتایا تھا، مگر مجھے یاد نہ رہا[1]) مرقات (علامہ فضل امام خیر آبادی) کی شرح (مصنفہ مولانا عبدالحق خیر آبادی، جس کا درجہ قاضی مبارک کے مساوی ہے) پڑھنا شروع کی تو ان کے اصرار پر میں نے شرح مرقات کا حاشیہ لکھنا شروع کیا، مگر طالب علم موصوف فراغت حاصل کر کے چلے گئے، جس کے باعث یہ حاشیہ ناتمام رہ گیا اور پھر کوئی ایسا باذوق طالب علم مذکورہ کتاب پڑھنے والا نہ ملا کہ اس کے لیے حاشیہ کی تکمیل ہو سکے۔“

(۱) بمبئی کے مولوی محمد عثمان مرحوم

اس میں شبہہ نہیں کہ حضرت کی جو کچھ بھی تحریریں، مقالے اور خطوط وغیرہ پیشِ نظر ہیں وہ انشا پردازی کا بہترین نمونہ ہیں اور ان کی مصروفیات سے سبھی اہل تعلق باخبر ہیں، ورنہ یقیناً وہ ہمارے لیے عظیم تصنیفی سرمایہ بھی ضرور چھوڑ جاتے، مگر یہ حقیقت ہے کہ حافظ ملت نے اگرچہ زیادہ تصنیفات نہ چھوڑیں، مگر بے شمار مصنفین ضرور پیدا کر دیے، طلبہ کے اندر تحریری ذوق پیدا کرنے میں ہمیشہ ان کا زبردست ہاتھ رہا، خصوصاً جس طالب علم کے اندر تصنیفی صلاحیت اور تحریری ذوق دیکھتے اُسے اُسی طرف لگا دیتے جس کے باعث آج حافظِ ملت کے تلامذہ میں اُردو، عربی، فارسی کے جیّد اہل قلم دیکھے جا سکتے ہیں، مولیٰ تعالیٰ تمامی حضرات کی کاوشیں بروے عام لائے اور انھیں افادہ عامہ کے اجر سے نوازے۔ وهو الموفق و خير معين.

درسی افادات:

حضرت کی تقریر، تحریر اور گفتگو کی طرح تعلیم بھی حسنِ ایجاز اور کمالِ تفہیم دونوں کی جامعیت کا بے مثال نمونہ تھی، بعض مقامات پر خصوصی بسط اور تفصیل سے کام لیتے، اگرچہ اس بسط کے الفاظ اور ان کے معانی کا تناسب دیکھا جائے تو اسے بھی ایجاز ہی سے موسوم کرنا پڑے گا، الغرض حضرت کا اطناب ہو یا ایجاز بہت جان دار اور باریک تحقیقات کا حاصل ہوتا، مگر یہ ہماری ناقابل تلافی کوتاہی اور لاپروائی ہے کہ حضرت کے خطبات، ملفوظات اور واقعات کی طرح ہم نے یہ افادات بھی قید تحریر سے آزاد رکھے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت غور و خوض اور حافظہ پر زور ڈال کر بھی صرف چند افادات آج قلم کی گرفت میں لا سکا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے قوی الحافظہ حضرات کا بھی یہی حال ہوگا کہ سو ڈیڑھ سو سے زیادہ جمع نہ کر سکے ہوں گے، خیر اس طرح بھی اگر متعدّد تلامذہ نے کوشش کی تو افادات کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔

سوال سے زیادہ جواب دیا جا سکتا ہے:

بخاری شریف کی حدیث ہے:

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أن رجلا سأله مايلبس المحرم؟ فقال: لايلبس القميص ولا العمامة ولا السراويل ولا البرنس ولا ثوبا مسه الورس والزعفران فإن لم يجد النعلين فليلبس الخفين وليقطعهما حتى يكونا تحت الكعبين (ج:۱، ص:۲۵)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضور سے دریافت کیا: احرام باندھنے والا کیا پہنے؟ فرمایا: کرتا، عمامہ، پاجامہ اور ٹوپی نہ پہنے، نہ ہی وہ کپڑا جس میں ورس اور

زعفران لگا ہو، اگر جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور انھیں کاٹ دے تاکہ ٹخنوں کے نیچے ہو جائیں۔

اس حدیث پر دوسرے افادات اور مکمل تقریر کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

آخری حصہ فإن لم یجد النعلین (اگر جوتے نہ پائے الخ) سائل نے دریافت نہیں کیا تھا، جواب میں ذکر فرمایا گیا تاکہ یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے۔

اس پر فرمایا: ایک بار محمد آباد گوہنہ (مبارک پور سے تقریباً ۸ر میل پورب واقع ہے) سے ایک استفتا آیا، رافضی کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب میں دوسرے مباحث کے ساتھ لکھا: رافضی، قادیانی، وہابی، دیوبندی سب کی نماز جنازہ حرام، سخت حرام ہے۔

بعد میں معلوم ہوا یہ استفتا دیوبندی مکتبِ فکر کے کچھ لوگوں نے بھیجا تھا اور اس سے اُن کا مقصد سُنی شیعہ فساد و اختلاف برپا کرنا تھا، مگر اس جواب سے اُن کی ساری اسکیم فیل ہو گئی۔

یہ تھا حافظِ ملت کا حسن تدبر اور ان کی سیاسی بصیرت جسے ان کی سوانح کا مستقل موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

قانون اصول فقہ:

بخاری شریف میں یہ حدیث متعدّد روایات وطرق سے بفرق اجمال وتفصیل مختلف مقامات پر آئی ہے:

عن أنس أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أُتی بلحم تصدق بہ علی بریرۃ فقال ھو علیھا صدقۃ وھو لنا ھدیّۃ. (ج:۱، ص:۲۰۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک گوشت حاضر کیا گیا، جو حضرت عائشہ کی کنیز حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ کیا گیا تھا، فرمایا: اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

اس کی تفہیم کے لیے حضرت نے بجائے لمبی چوڑی تقریر کے اصول فقہ کا ایک ایسا قاعدہ بتا دیا جو آج تک یاد رہا اور بہت سے مواقع پر مفید ثابت ہوا، فرمایا: ”تبدّل ملک سے تبدُّل عین ہو جاتا ہے حکماً۔“

جب وہ گوشت حضرت بریرہ کے قبضہ میں پہنچا تو صدقہ ہوا اور جب انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو اب صدقہ نہ رہا بلکہ ہدیہ ہو گیا، اس لیے ہاشمی کے لیے اسے تناول کرنا جائز ہو گیا، اسی حدیث سے فقہا نے یہ اصول مستنبط کیا کہ ملکیت بدل جانے سے حکماً اصل حقیقت بدل جاتی ہے، فقہ کے بہت

سارے مسائل اسی اصل اور قانون پر مبنی ہیں۔

ایک تاویل کا رد بلیغ:

ترمذی شریف پڑھنے کے زمانہ میں یہ حدیث بھی آئی:

"أبردوا بالظهر فإن شدة الحرّ من فيح جهنم"۔

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو اس لیے کہ سخت گرمی جہنم کی تپش سے ہے۔

توکسی سے اس حدیث کی تاویل یوں سننے میں آئی کہ اگر سخت گرمی جہنم کی تپش کے باعث ہے تو ہر جگہ گرمی ہونی چاہیے جب کہ کشمیر اور نینی تال میں ٹھنڈک ہوتی ہے، اس لیے یہ حدیث بر سبیل تفہیم وتمثیل ہے جیسے کہ جب خوش گوار ہوا چلتی ہے تو کہا جاتا ہے "جنت سے ہوا آرہی ہے۔"

مولانا فضل حق غازی پوری وغیرہ چند ساتھیوں نے حافظ ملت کے سامنے یہ تاویل پیش کرتے ہوئے استصواب کیا تو آپ نے فرمایا: "نیچریت ہے۔" (یہ طریقہ نیچریوں ہی کا ہے کہ صریح نصوص کو ظاہر سے منحرف کر دیتے ہیں اور بالکل بے سروپا تاویلات اڑاتے ہیں) اور اس کا رد بلیغ فرمایا، اگلے سال جب بخاری شریف میں یہ حدیث آئی تو خود میں نے بھی سنا کہ حضرت نے تاویل مذکور پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> "یہ تاویل کسی طرح صحیح نہیں، گرمی کے موسم میں کشمیر اور نینی تال میں بھی وہ ٹھنڈک نہیں رہ جاتی جو موسم سرما میں وہاں ہوتی ہے، بلکہ نسبتاً وہی فرق ہوتا ہے جو ہمارے یہاں جاڑے اور گرمی میں ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ وہاں بعض عوارض کی وجہ سے وہ موسم نہیں ہوتا جو ہمارے یہاں ہوتا ہے، حدیث کو بلا دلیل اس کے ظاہر سے پھیرنا ہرگز درست نہیں۔

اپنی بڑائی کرنا بھی ایک موقعے پر جائز ہے:

درس گاہ میں ایک بار حضرت نے اس مسئلے سے متعلق افادہ فرمایا تھا جسے میں نے اسی دن لکھ رکھا تھا خوش قسمتی سے یہ تحریر مل گئی جو یہاں نقل کر رہا ہوں۔

۱۵ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ/ ۳۰ر اگست ۱۹۶۹ء شنبہ، درس بخاری شریف میں حضور حافظ ملت نے فرمایا:

> "مومن عزت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب اعدائے دین کی تذلیل کرے،

اور بوقت مقابلہ انھیں حقیر و ذلیل ثابت کر دے، اگر ان کے سامنے انکسار و تواضع سے پیش آئے تو اس میں اس کی ذلت ہے، محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ (علامہ سید محمد صاحب کچھوچھوی شاگرد اعلیٰ حضرت متوفی ۱۳۸۱ھ) کا بیان ہے کہ میرا عبد الشکور کاکوروی سے مناظرہ ہوا جس میں اس نے "صرفی مسئلے" پر بحث کرتے ہوئے مجھ سے بطور طنز کہا کہ آپ نے شرح مائۃ بھی نہیں پڑھی، اس پر میں نے اس کی بھر پور تذلیل وتحقیر کی اور اپنے کو اس کے مقابلے میں بہت کچھ بڑھایا جس سے وہ رسوا ہو کر شکست خوردہ ہو گیا، میں نے مناظرہ میں فتح تو حاصل کر لی، لیکن میرے دل میں اپنے ان جملوں سے جو اپنی بڑائی میں کہہ ڈالے تھے، انقباض پیدا ہو گیا کہ میں کبر و عجب کا مرتکب ہوا جو قطعاً مذموم ہے، طبیعت میں ایک تکدّر رہا کرتا تھا، جس کے باعث میں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی طرف رجوع کرنا چاہا، حاضر بارگاہ ہوا، وہاں تو دل کی دھڑکنیں دیکھی جاتی تھیں اور سطح دماغ پر ابھرتے ہوئے اعتراضات کا بچشم بصیرت مشاہدہ ہوا کرتا تھا پہنچنے کے بعد فرمانے لگے "فقیر کو کبھی اپنی بڑائی پسند نہیں آتی، خدا کا فضل ہے جو کچھ ملا ہے کچھ اپنے کو اس پر غرور و ناز نہیں، تکبّر و عُجب بہت ہی مذموم ہے، آدمی کسی بھی بلند مرتبے پر پہنچ جائے اسے فخر نہیں کرنا چاہیے۔" محدث اعظم بیان فرماتے ہیں: اتنے جملے سننے کے بعد میں دم بخود رہ گیا اب تو کچھ پوچھنے کی بھی مجال نہ رہی اور میں اپنے نفس پر بہت زیادہ ملامت کرنے لگا لیکن اعلیٰ حضرت نے پھر اس کے بعد فرمایا:

"مگر دشمنان رسول اور اعدائے دین کے مقابلے میں کبھی انکساری نہیں برتنا چاہیے، وہاں تو یہ شخص دین حق کا ذمہ دار ہوتا ہے، اسے مذہب کو بلند و برتر ثابت کرنا ہوتا ہے اور حمایت رسول ﷺ میں ان کی عظمت شان کا اظہار اس کا فریضہ ہوتا ہے، وہاں تواضع و انکسار سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے اُن کے مقابلے میں اپنے کو بلند و بالا کہنا جائز اور دین متین کی حمایت ہے۔"

محدث صاحب فرماتے ہیں: میں اتنا سننے کے بعد بہت مسرور ہوا، دل کا انقباض اور تکدُّر دور ہوا اور انشراح صدر ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذلک.

حلوا اور مٹھائی:

بخاری شریف پارہ ۲۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے:

کان رسول اللہ ﷺ یحب الحلواء والعسل. رسول اللہ ﷺ کو حلوا اور شہد پسند تھا۔

رفیق گرامی مولانا عبد الستار پرولیاوی ذکر کرتے ہیں (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں) یہ حدیث پڑھاتے وقت حضرت نے فرمایا:

> اس سے حلوا کا مرغوب اور رسول اللہ ﷺ کا بھی پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مولانا عبد الرحمٰن پورنوی نے عرض کیا: حلوا کا معنی تو مطلق "میٹھی چیز" ہے معروف حلوا مراد نہیں، فرمایا:

> جب بھی تو حلوا کی پسندیدگی اور استحباب ثابت ہے کہ یہ بھی اسی مطلق کا ایک فرد ہے (بلا تخصیص) مطلق کا استحباب اُس کے فرد خاص کے استحباب کو مستلزم ہے۔

دیگر افادات

جمعہ کی اذان ثانی اور حضرت کی فقہی بصیرت:

ایک بار درس گاہ میں حضرت نے فرمایا: بنارس سے کچھ لوگ آئے، انھوں نے کہا: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شہر سے فرمایا: "جب بین یدی الخطیب اذان ہو اس وقت نہ چلو بلکہ جب پہلی اذان ہو اسی وقت چلو۔" اس میں بین یدی الخطیب کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے یہاں اذان ثانی خطیب کے قریب ہوا کرتی تھی۔ میں نے کہا:

> اس سے اذان ثانی کا بیرون مسجد ہونا ثابت ہوتا ہے کوفہ جیسے شہر کے لوگ اذان ثانی سن کر اپنے گھروں سے مسجد چلتے، یہ لوگ اذان ثانی اُسی وقت سن سکتے تھے جب بیرون مسجد ہوتی رہی ہو۔ اندرون مسجد کی اذان بھلا اس وسیع شہر میں لوگوں کے گھروں کے اندر تک کب پہنچتی کہ وہ سن کر آتے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن:

نیچریوں کا عقیدہ ہے کہ رام، کرشن وغیرہ بھی نبی تھے اس پر ''وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ'' سے استدلال کرتے ہیں کہ ہر قوم کے لیے ایک ہادی اور رسول ہے تو آخر ہندی قوم کے لیے بھی کوئی ہادی اور رسول ہوگا اور وہ یہی سب ہیں، حالاں کہ کسی شخص کو بھی نبی ماننے کے لیے نصِ یقینی ضروری ہے، رام، کرشن وغیرہ کا تو کسی اسلامی دلیل سے وجود بھی ثابت نہیں اور جن غیر اسلامی ناقابل التفات کتابوں سے ان کا وجود معلوم ہوتا ہے خود ان ہی کتابوں سے ان کے وہ حالات بد بھی معلوم ہوتے ہیں جو کسی نبی تو کیا، کسی میں بھی نہ ہوں گے، بہر حال، حافظِ ملت نے ایک بار فرمایا: نیچریوں کے قول کی ساری بنیاد ''لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ'' پر قائم ہے، مگر اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمے ہی سے ان کا سارا قصر استدلال بالکل منہدم کر دیا ہے، آیت کریمہ ہے: ''اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ'' اعلیٰ حضرت نے ترجمہ فرمایا: تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔

یعنی یہ فرمان صرف ہمارے رسول گرامی ﷺ سے متعلق ہے کہ تم تو ہر قوم کے لیے ہادی اور نذیر ہو، اب ''وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ'' سے نیچریوں کے استدلال کی گنجائش ہی نہ رہی۔

حاضر و گواہ:

انجمن امجدیہ، بھیرہ ولید پور، اعظم گڑھ کے اجلاس میں ایک بار حضرۃ الاستاذ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ دام ظلہ نے آیت کریمہ ''اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا'' پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہد کا معنی حاضر ہے، نماز جنازہ کی وہ دعا جس میں ہے لشاھدنا و غائبنا (مغفرت فرما) ہمارے حاضر کی اور ہمارے غائب کی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہد بہ معنی حاضر آتا ہے لہذا آیۂ کریمہ سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حاضر و ناظر بنا کر بھیجا، بعدہ حافظِ ملت نے تقریر کی تو حضرت نے مفتی صاحب قبلہ کی تحسین کے ساتھ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> یہی مان لو کہ شاہد کے معنی گواہ ہیں، تو بتاؤ گواہ کون ہوتا ہے؟ کیا وہ شخص گواہ ہو سکتا ہے جو واقعہ کے وقت موجود نہ ہو، یا موجود ہو مگر بہ چشم خود دیکھا نہ ہو، ہرگز نہیں، گواہ وہی ہوتا ہے جو واقعہ کے وقت حاضر بھی ہو اور ناظر بھی، لہذا ''اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا'' میں شاہد کے معنی گواہ لینے پر بھی حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا اپنی جگہ بعینہ ثابت

ہے۔ وللہ الحمد.

نماز نصف شعبان:

شب براءت ۱۳۹۴ھ میں اختلاف رہا، بعض اضلاع میں ۲۹ر رجب کو ہلال شعبان کی رویت ہوگئی تھی لیکن جمشید پور میں کوئی شرعی ثبوت نہ ملنے کے باعث ۳۰ کے حساب سے شب براءت تھی۔

حافظ ملت نے پندرہویں شعبان کے اجلاس (منعقدہ جمشید پور) میں شب براءت کی فضیلت پر تقریر فرمائی اور اس میں حاشیہ جلالین للعلامۃ احمد الصاوی المالکی علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہ حدیث پیش کی:

> من صلى فيها مائة ركعة أرسل الله تعالىٰ إليه مائة ملك: ثلاثون يبشرونه بالجنة وثلاثون يؤمنونه من عذاب النّار وثلاثون يدفعون عنه اٰفات الدنيا وعشرة يدفعون عنه مكائد الشيطان. (صاوی سورۂ دخان پ:۲۵)
>
> جس نے اس شب میں سو رکعت نماز پڑھی، خدائے تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے بھیجتا ہے، تیس اسے جنت کا مژدہ سناتے ہیں، تیس اس کو عذاب دوزخ سے مامون رکھتے ہیں، تیس آفات دنیا سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں اور دس فرشتے شیطان کے مکروفریب اس سے دور کرتے ہیں۔

حافظ ملت نے فرمایا:

> ”ان عظیم فوائد کے پیش نظر شب براءت میں نماز پڑھ لینی چاہیے، سو رکعت پڑھنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی، بس ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے، میں اس نماز کا پابند ہوں، امسال شب براءت میں اختلاف رہا، تو میں نے کل بھی سو رکعتیں پڑھیں اور آج بھی پڑھیں۔“

حافظ ملت ایک زمانے سے بلا ناغہ، شب براءت جمشید پور میں کیا کرتے، اسی شب میں مدرسہ فیض العلوم کا جلسۂ دستار بندی منعقد ہوتا ہے، جس میں حضرت کی شرکت لازمی سمجھی جاتی، میں نے چار سال تو خود مشاہدہ کیا کہ حضرت جلسہ گاہ تشریف لے جانے سے پہلے بعدِ مغرب فوراً اور کبھی ذرا دیر بعد یہ نماز ضرور پڑھتے، آخری سال ۱۳۹۵ھ جس میں حضرت کی طبیعت مضمحل اور نقاہت زیادہ تھی، اُس سال بھی یہ نماز فوت نہ ہونے دی حدیث پاک أفضل الأعمال أدومها، (بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ رہے) کا جلوہ اگر دیکھنا ہو تو کوئی حافظ ملت کے صبر آزما اور مشقتوں سے لبریز اعمال زندگی دیکھے۔

نشانِ سجدہ اور داغِ جبیں:

اسی سال ۱۴؍ شعبان کو جب حافظ ملت مدرسہ فیض العلوم میں تشریف فرما تھے، علامہ رشد القادری صاحب نے ایک صاحب کا ذکر کیا کہ یہ نمازوں کے تو پابند نہیں، مگر پیشانی پر ایک نمایاں داغ بنا رکھا ہے حضرت نے فرمایا:

”بہت بری چیز ہے، قرآن میں اُس علامتِ سجدہ کی تعریف کی گئی ہے جو چہرے میں نمایاں ہوتی ہے، قرآن فرماتا ہے: ”سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ“ ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے، قرآن کریم میں ” فِيْ جِبَاهِهِمْ “ (اُن کی پیشانیوں میں) نہیں ہے، حضرت کے پاس تفسیر صاوی شریف رکھی ہوئی تھی، فرمایا: اسی صاوی میں داغ سجدہ کی مذمت میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔“

یہ سن کر فوراً میں نے صاوی شریف سے یہ مقام نکالا۔

(سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ) وهو نور وبياض يعرفون به في الأخرة أنهم سجدوا في الدنيا۔(جلالین)

(ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے) وہ ایک نور اور سفیدی ہے جس سے آخرت میں اس کی شناخت ہوگی کہ انھوں نے دنیا میں سجدے کیے ہیں۔(جلالین)

علامہ احمد صاوی فرماتے ہیں:

اختلف في تلك السيما فقيل: إن مواضع سجودهم يوم القيمة ترى كالقمر ليلة البدر وقيل! هو صفرة الوجه من سهر الليل وقيل: الخشوع الذى يظهر على الأعضاء حتى يرى أنهم مرضىٰ وليسوا بمرضى وليس المرادبه ما يصنعه الجهلة المرائين من العلامة في الجبهة. فإنه من فعل الخوارج. وفى الحديث ”إنى لأبغض الرجل وأكرهه إذا رأيت بين عينيه أثر السجود.“ (صاوی شریف، سورہ فتح، پ:۲۶)

اس علامت میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کے اعضاے سجدہ روز قیامت چودھویں کے چاند کی طرح روشن نظر آئیں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ چہرے کی

زردی ہے جو شب بیداری کے باعث پیدا ہو جاتی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ خشوع مراد ہے جو اعضا پر نمایاں ہوتا ہے، جس سے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ وہ بیمار ہیں حالاں کہ بیمار نہیں، اس سے وہ "داغ" مراد نہیں جسے بعض ریاکار جاہلین اپنی "پیشانیوں" میں بنا لیتے ہیں، یہ تو خارجیوں کا فعل ہے، حدیث شریف میں ہے: میں تو اُس شخص کو دشمن اور ناپسند رکھتا ہوں جس کی آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) نشان سجدہ دیکھتا ہوں۔

حضور حافظ ملت کی توجیہ، علامہ احمد صاوی کی تصریح اور اس حدیث پاک سے ہم لوگوں کو ایک عجیب انشراحِ صدر ہو گیا، مولانا ارشد القادری صاحب نے کہا: میرے دل میں ایک انقباض رہتا تھا کہ قرآن علامتِ سجدہ کی تعریف کرتا ہے اور ہم لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں، بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا داغِ سجدہ قرآن کا پسندیدہ اور محمود ہے، مگر آج شرح صدر ہو گیا کہ "داغ پیشانی" تو مذکورِ قرآن ہی نہیں، بلکہ اس میں تو نور چہرہ کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

موت کیا ہے؟

حافظ ملت نے تقریروں میں بارہا اس پر روشنی ڈالی۔ فرماتے:

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے، جب کہا جاتا ہے: فلاں آدمی مر گیا تو بتاؤ جسم و روح میں سے کون سی چیز ہے جو مر گئی یا فنا ہوئی، کیا روح مر جاتی ہے؟ ہرگز نہیں، اہل اسلام ہی نہیں بلکہ فلاسفہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ روح نہیں مرتی، پھر کیا جسم مر جاتا ہے؟ یہ بھی نہیں، اُسے تو تم آنکھوں سے دیکھتے ہو، ہاتھوں سے ٹٹولتے ہو، تمام اعضا اپنی جگہ سلامت ہیں کوئی عضو فنا نہیں ہوا، پھر موت کیا ہے؟ میں کہتا ہوں: موت جسم اور روح کے اختلاف کا نام ہے، جب تک روح اور جسم کا اتصال و اتفاق تھا، آدمی زندہ تھا، جب دونوں میں اختلاف اور جدائی ہو گئی کہ دیا انسان مر گیا۔

معلوم ہوا اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت، ایک جسم و روح کا اختلاف شخص کی موت ہے، افراد خانہ کا اختلاف گھر کی موت ہے، ایک محلے، ایک گاؤں، ایک شہر، یا ایک ملک کا اختلاف اُس محلے، گاؤں، شہر یا ملک کی موت ہے۔

مدرسہ اور مسجد:

حضرت کو مدرسہ اور تدریس سے پوری زندگی شغف رہا، بہت سارے مدارس کی بنیاد رکھی، کسی مدرسے کے جلسۂ تاسیس کی دعوت حتی الامکان رد نہ فرماتے اور ایسے اجلاس میں مدرسے کی اہمیت پر خصوصی تقریر کرتے، مسجد اور مدرسہ کی عمومی افادیت کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت سے ہم نے بار بار سنا:

اگر کسی نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا تو اسے اس مسجد میں ہر نماز پڑھنے والے کا ثواب ملے گا، لیکن اگر وہی شخص دوسری مسجد یا کسی دوسری جگہ نماز پڑھے تو اس کے نماز پڑھنے کا ثواب پہلی مسجد تعمیر کرانے والے کو نہ ملے گا اور اگر کسی نے مدرسے کی تعمیر میں حصہ لیا تو اس مدرسے سے نماز و روزہ، احکام شرع، اور علوم دینیہ سیکھ کر جانے والا ہر ایک طالب علم جہاں بھی رہے، جس جگہ نماز پڑھے، روزہ رکھے، اور کوئی کار خیر کرے، اس مدرسے کی تعمیر میں حصہ لینے والا اس طالب علم کے ہر کار خیر کا ثواب پائے گا اور خود اس مدرسے کے اندر اساتذہ و طلبہ یا دیگر حضرات کے تعلّم و تعلیم اور عملِ خیر کا ثواب مزید برآں ہے۔

حافظ ملت کے یہ افادی جملے معانی کثیرہ کا گنجینہ، حسن ایجاز کا بہترین نمونہ، فقہی دقت نظر اور ان کی نکتہ شناسی کی شاندار مثال ہیں، ان مختصر جملوں کی اگر تفصیل کی جائے تو ایک مبسوط اور لمبی تقریر ہو سکتی ہے۔

خدا کے نافرمان سے متارکت اور دعاے قنوت:

حافظِ ملت فرماتے ہیں: مجھے دور طالب علمی ہی میں تقریر کی پوری مشق ہو گئی تھی اور کسی بھی موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کر سکتا تھا، میں نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا: مجھے کوئی بھی موضوع دے دیا جائے ایک گھنٹہ تقریر کروں گا، لوگوں نے معروف ”دعاے قنوت“ میری تقریر کا عنوان تجویز کیا، میں نے اُس پر ایک گھنٹہ برجستہ تقریر کی۔

”اس دعاے قنوت میں توکل، ایمان، شکر، کفرانِ نعمت، عبادت، نماز وغیرہ کا مضمون تو ہے ہی مگر میں نے ”ونخلع ونترك من يفجرك“ پر خاص روشنی ڈالی، بتایا کہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہو کر روزانہ اقرار کیا جاتا ہے کہ ”ہم جدا ہوتے ہیں اور اُس شخص کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے“ لیکن اس اقرار کے مطابق عمل کہاں تک ہوتا ہے، یہ تو ہر فاجر اور خدا کے نافرمان سے قطع تعلق کا اقرار ہے اور کافر و مرتد تو سب

سے بڑا فاجر اور نافرمانِ خدا ہے اُس سے تعلق اور دوستی بھلا کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟"

یہ چند افادات میں نے بہ عجلت پیش کر دیے ہیں۔

اشرفیہ کے حافظِ ملت نمبر کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، افسوس کہ میں نے یہ کام پہلے شروع نہ کیا، ورنہ اس طرح کے اور بھی افادات ذہن میں محفوظ ہیں، خدا کرے انھیں جلد ہی کہیں لکھ کر پیش کر سکوں، آمین۔

ملفوظات و واقعات

حضرت مولانا عبد الحق خیر آبادی:

معقولات میں حافظ ملت کا سلسلۂ تلمذ بواسطۂ صدر الشریعہ (م ۱۳۶۷ھ) از مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری (م ۱۳۲۶ھ) حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۲۸۷ھ) علیہم الرحمہ سے ملتا ہے ان کے صاحب زادے مولانا عبد الحق خیر آبادی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جامعۂ ازہر مصر پہنچے، وہاں ایک جگہ منطق کی مشکل و اہم اور معرکۃ الآرا کتاب "افق المبین" پڑھائی جا رہی تھی، مولانا عبد الحق صاحب بھی اس درس گاہ میں پہنچے اور طلبہ کی صف میں بیٹھ گئے، استاذ کی ان سے کوئی شناسائی نہ تھی، دوران درس استاذ نے ایک تقریر کی اُس پر مولانا نے اعتراض کیا، استاذ نے اس کا جواب دیا، اس جواب پر مولانا نے سات اعتراضات قائم کر دیے، استاذ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا: آپ مولانا عبد الحق خیر آبادی ہیں، افق المبین کے اس سوال پر میرے مذکورہ جواب کے بعد سات اعتراضات قائم کرنے والا آج دنیا میں مولانا عبد الحق خیر آبادی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

طریقۂ اصلاح اور ظرافت طبع:

(۱) ایک بار ایک طالب علم نے ہدایۃ النحو پڑھتے وقت عبارت یوں پڑھی، "من حیث الإعراب و البَناءِ" فرمایا: بنائے کیا؟ بگاڑ دیا۔ ہونا چاہیے تھا: و البِناء.

(۲) مدراک شریف ج:۳ ص:۲ (سورۂ کہف) کی عبارت ہے: "یعنی أن قولھم ھذا لم یصدر عن علم ولکن عن جَھل مفرط" اُسے میں نے یوں پڑھا "عن جِھْلٍ" فرمایا: جِہل پڑھنا خود جَہل ہے، اب عبارت درست کر کے میں نے پڑھ دیا "عن جَھلٍ مفرط"

(۳) ایک بار کہیں نماز پڑھی، امام صاحب کو اس نماز میں بہت زیادہ کھانسی آتی رہی یا کہا جائے کہ

کھانستے رہے، بعد نماز حضرت نے فرمایا: "امام صاحب کی کھانسی کھانسیوں کی امام ہے۔"

(بروایت مولانا یٰسین اختر مصباحی)

عیادت:

حافظ ابراہیم صاحب مبارک پوری مرحوم رشتے میں والد صاحب کے بھائی ہوتے ہیں، اکثر ہمارے گھر ان کی آمد ہوتی، بڑی محبت رکھتے تھے، ایک بار والد صاحب بیمار ہوئے، اور حافظ ابراہیم صاحب سے کہا کہ مبارک پور جاکر حافظ ملت سے دعاے شفا کرائیں اور ہو سکے تو حضرت سے ایک تعویذ لے کر بھیج دیں، موصوف نے حضرت سے پیغام عرض کیا اور تعویذ بھیج دیا، اس کے چند دنوں بعد حضرت کا محمد آباد گوہنہ ایک اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لانا ہوا، (مبارک پور سے براہ ابراہیم پور محمد آباد جانے کے لیے راستے میں خیر آباد سے پہلے دھریرا گھاٹ پڑتا ہے جہاں سے اتر کر ٹونس ندی پار کر کے ہمارے وطن بھیرہ تک رسائی ہوتی ہے، ندی سے بھیرہ تک پیادہ تقریباً ۲۰؍ منٹ کا راستہ ہے) اس دن اچانک حافظ ملت اور حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحب غریب خانے پر پہنچتے ہیں، اس وقت میں خیر آباد مدرسہ ضیاء العلوم میں زیر تعلیم تھا، آواز دی تو ننگے سر باہر نکلا حضرت کو ناگہاں دیکھ کر سخت تعجب ہوا، ملاقات کی اور حضرت اندر تشریف لائے، فوراً والد صاحب بھی ملے، والد صاحب کو دیکھ کر فرمایا: آپ کو صحت یاب دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، عیادت کے لیے محمد آباد کا رِکشا چھوڑ کر یہاں آگیا۔

سادگی اور محنت کی قدر:

والد صاحب نے کچھ مٹھائی منگائی اور وہی پیش کی، یہ قریباً تین بجے کا وقت تھا، چاے کے لیے میں دودھ کی تلاش میں نکلا، اُس وقت بھیرہ میں چائے کا کوئی ہوٹل بھی نہ تھا، پورب محلہ سے پچھم محلہ اور دکھن محلہ تک میں نے دوڑ لگائی، بہ مشکل تمام دکھن پورہ میں لعل محمد صاحب کے یہاں دودھ ملا، وہ بھی دہی جمانے کے لیے رکھا جاچکا تھا، موصوف کے لڑکے محمد رفیق نے اُسی سے ایک پاؤ دودھ نکال کر دیا، اُدھر سے واپس آیا تو طول انتظار کے باعث سادی چاے حضرت کے سامنے رکھی جاچکی تھی، اب دودھ لے کر حاضر ہوا تو فرمایا: دودھ کی ضرورت نہیں، سادی چاے پی جاسکتی ہے، والد صاحب نے عرض کیا: "بڑی محنت سے ملا ہے" فرمایا: "جب اس پر محنت صرف ہوئی ہے تو لاؤ"، یعنی محنت کی قدر ضروری ہے اور محنت رائگاں نہیں کی جاسکتی۔

چند منٹ مزید قیام رہا، دعائیں دیں، مولانا سید حامد اشرف صاحب قبلہ سے بھی دعائیں کرائیں اور پھر پیادہ پا محمد آباد کے لیے روانہ ہوگئے، محمد آباد گھاٹ تک میں نے مشایعت یا متابعت کا فریضہ انجام دیا، اس سنت

عیادت پر حیرت ہوتی ہے کہ دھریرا گھاٹ سے بھیرہ پیدل آنا اور پھر وہاں سے محمد آباد پیدل جانا "کارے دارد" میں وہاں کا باشندہ ہوں مگر جوانی میں بھی یہ مسافت طے کرنے کے لیے مجھے بڑی ہمت کرنی پڑتی ہے، ایک بار برادر محترم مولانا بدر القادری نے میرے ساتھ محمد آباد سے بھیرہ پہنچتے وقت کہا: اگر یہ آپ کا وطن نہ ہوتا تو شاید آپ بھی ایسی زحمت پیادہ پائی برداشت نہ کرتے، میں نے کہا: بالکل، مگر حضور حافظ ملت کے لیے صرف سنت عیادت کی ادائگی میں یہ ساری زحمتیں گوارا تھیں، درحقیقت ان کے نزدیک ہر ایسے شخص کی بے پناہ قدر تھی جو سنیت سے سچی ہمدردی رکھتا ہو اور مذہب کا سچا خادم ہو، یہی جذبۂ قدر شناسی و محبت انھیں اپنے خدام کی دل جوئی کے لیے ایسی مشقتیں جھیلنے پر بلا تکلف آمادہ کر دیا کرتا تھا۔ اللهم ارزقنا نصيبا منه۔

مہمان بحیثیت مہمان کی خاطر و تواضع:

بارہا سیکڑوں اور ہزاروں افراد کو حافظ ملت کی قیام گاہ مدرسۂ قدیم میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہوگا، وہاں جانے والے مہمانوں کے لیے حضرت بنفس نفیس چولھا جلاتے، چاے بناتے اور پلاتے، گرمی کا موسم ہوتا تو شربت کا اہتمام کرتے، چاہے یہ حاضر ہونے والا، اپنا مرید و شاگرد ہی کیوں نہ ہو اور کمال تو یہ ہے کہ مہمان اگر ان کے کام میں ہاتھ بٹانا، یا کوئی خدمت کرنا چاہتا تو ہرگز گوارا نہ کرتے، مولوی عبد الحلیم صاحب بھیروی کے والد عبد الشکور صاحب جو حضرت کے مرید ہیں ایک بار حاضر خدمت ہوئے، چاہا کہ پنکھا جھلیں، گوارا نہ کیا اور فرمایا: "آپ مہمان ہیں۔"

رفیق گرامی مولوی عبد الستار صاحب پرولیاوی بیان کرتے ہیں کہ بقر عید کی چھٹی میں جو طلبہ مدرسہ میں رہ جاتے، بعد نماز حضرت ان سب کی دعوت کرتے، سویاں، چاے اور بسکٹ سے ضیافت فرماتے پھر سب کو عیدی دے کر واپس کر دیتے، یہ ان کا لازمی معمول تھا، میں چوں کہ بھیرہ کا ہوں اس لیے بقر عید کے دن مبارک پور میں گذارنے کا اتفاق نہ ہوا (بھیرہ مبارک پور سے ۶/میل دوری پر ہے) قریبًا ہر ہفتہ گھر پہنچ جاتا تھا، تعطیل عید الاضحیٰ میں رکنے کا سوال ہی نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ منظر بچشم خود دیکھنے کا موقع نہ ملا، مولانا عبد الستار صاحب بیان کرتے ہیں حضرت خود اپنے ہاتھوں تمام طلبہ کے سامنے پیالیاں اور ماحضر پہنچاتے، ایک بار میں نے چاہا کہ ذرا ہاتھ بٹاؤں اور پیالیاں طلبہ کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں، فرمایا: بیٹھو، میں میزبان ہوں، ان گرامی الفاظ سے کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ مزید کوئی ہمت نہ کر سکا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ہم نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ امام مالک کے یہاں امام شافعی علیہ الرحمہ تحصیل علم کے لیے حاضر ہوئے

تو انھوں نے امام شافعی کو مہمان کی جگہ رکھا اور بحیثیت میزبان خود اُن کی خدمت انجام دی، امام شافعی فرماتے ہیں: میں اس وقت سخت شرمندہ ہو گیا، جب نماز صبح کے وقت میرے استاذ امام مالک نے اپنے ہاتھوں وضو کا پانی حاضر کیا، مگر حافظ ملت کے یہاں بارہ سو برس بعد اس کا عملی نمونہ مشاہدے میں آتا ہے، یہ ہے رسول گرامی وقار ﷺ کی سنت پر عمل اور اسلاف کرام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی، دور حاضر میں جس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے، اعزا و اقربا اور احباب و رفقا کے ساتھ تو کسی حد تک بعض لوگ اس کی پابندی کر لیتے ہوں گے، مگر ان مریدین اور تلامذہ کی خدمت جو سامنے زانوے ادب تہ کرنے کے عادی اور دست بوسی، قدم بوسی اور اکرام و تعظیم کے مشتاق ہوتے ہیں، انتہائی نادر بلکہ نایاب ہے اور زیادہ مشکل اس کا التزام اور دوام ہے، دو چار بار، دس بیس آدمیوں کے ساتھ کوئی شخص چاہے تو ایسا کر سکتا ہے مگر پوری زندگی سختی سے اس پر عمل در آمد، یہی ہے حافظ ملت کا وہ نمایاں اور امتیازی کردار جس کی نظیر ڈھونڈھے نہیں ملتی۔

قلت وقت کے باعث اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، توفیق الٰہی نے یاوری کی تو مزید واقعات جلد ہی کسی رسالے میں نذر قارئین کروں گا۔ واللہ الموفق لکل خیر وھو المستعان وعلیہ التکلان.

مکتوبات

(۱) ۱۰/ شعبان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو اشرفیہ سے میری فراغت ہوئی، تعطیل کلاں کے بعد ۲۰/ شوال ۱۳۸۹ھ کو خالص پور ادری ضلع اعظم گڑھ کے کچھ لوگ آئے، وہ اپنے مدرسہ بیت العلوم خالص پور میں خدمتِ تدریس کے لیے مجھے لے جانا چاہتے تھے، والد صاحب نے ان کے اصرار پر اجازت دے دی، مگر میں نے حضور حافظ ملت کو اجازت طلبی کا خط لکھا اور اپنی کوتاہیوں، تقصیر اور غلطیوں سے معافی بھی طلب کی، جس کے جواب میں حضرت نے مندرجہ ذیل کرم نامہ تحریر فرمایا:

۷۸۶

از: دار العلوم اشرفیہ مبارک پور
محب محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم ....دعاے خیر وسلام مسنون
محبت نامہ ملا، آپ کی سعادت مندانہ زندگی اور مخلصانہ، محبانہ روش اس منزل پر

ہے کہ میرے حاشیۂ خیال میں بھی غلطی اور ناراضگی کا کوئی گوشہ نہیں، میں آپ کا مخلص دعا گو ہوں، مولائے کریم ہمیشہ بصحت و سلامتی شاد و آباد رکھے، دین متین کی نمایاں و ممتاز خدمات انجام دلائے، آمین۔

آپ کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ ابھی آپ اشرفیہ کو کچھ وقت اور دیں تو آپ اور زیادہ قیمتی ہو جائیں گے، چناں چہ آپ کے والد صاحب سے میں نے کہا تھا۔

آپ کی اور آپ کے متعلقین کی جو رائے ہو اگر آپ کو خالص پور کی جگہ پسند ہے اور جانا چاہتے ہیں تو میری اجازت ہے، اپنے والد صاحب کو سلام کہہ دیجیے۔

فقط عبد العزیز عفی عنہ

۲۱ر شوال ۸۹ھ

اس کے بعد ۲۱ر شوال ہی کو تحصیلِ تعلیم مزید کی خاطر اشرفیہ پہنچ گیا، میرے ہم سبق برادر محترم مولانا بدر عالم صاحب بدر القادری زید مجدہ کو بھی یہی حکم ہوا تھا، وہ مجھ سے چند دنوں پہلے پہنچ چکے تھے، ہم دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا: آگئے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: میں نے بھی ایک بار ترک تعلیم کا ارادہ ظاہر کیا تھا، صدر الشریعہ کا حکم ہوا کہ ابھی آپ کو مزید پڑھنا ہوگا، میں نے تعمیلِ حکم کی تھی، تم لوگوں نے بھی کی۔

اس سے پہلے کسی موقع پر حضرت نے بیان فرمایا تھا کہ گھریلو پریشانیوں کے باعث میں نے بہت ساری کتابیں پڑھنے سے پہلے ہی دورۂ حدیث لینا چاہا، صدر الشریعہ نے فرمایا: تعلیم پوری کرو، خدا حافظ ہے، تو خدا نے ایسی حفاظت فرمائی کہ مزید تین سال اجمیر شریف میں گذرے اور اس کے بعد حضرت بریلی تشریف لے گئے تو وہاں بھی حاضر خدمت ہو کر اور ایک سال تعلیم حاصل کی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلك.

(۲) ۱۷ر اگست ۱۹۷۰ء/۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ کو بحکم حافظ ملت اشرفیہ چھوڑ کر استاذان محترم حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اور قاری محمد یحییٰ صاحب قبلہ کی ہم رکابی میں دار العلوم فیضیہ نظامیہ باراہاٹ، اِشی پور، ضلع بھاگل پور برائے تدریس حاضر ہوا، حضرت حافظ جی قبلہ اور قاری صاحب دو تین دن بعد اشرفیہ واپس ہو گئے، پھر میں نے حافظ ملت کی خدمت میں اپنی خیریت وغیرہ پر مشتمل ایک عریضہ لکھا، جس کے جواب میں منقولہ ذیل کرم نامہ موصول ہوا۔

محب محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم ...... دعاے خیر وسلام مسنون!

آپ کا خط ملا تھا، مصروفیات زیادہ ہیں، جواب میں تاخیر ہوئی، آپ کی سعادت مندی، سلامت روی، دین پروری سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آپ دینِ متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے، دعا ہے خداوند کریم آپ کی عمر میں برکت دے، علم و فضل میں وسعت دے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ والدّعا

عبد العزیز عفی عنہ

۴ر جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ

(۳) ۱۰ر شوال ۱۳۹۰ھ کو حضرت کی ملاقات کے لیے اشرفیہ حاضر ہوا مگر ۱۰ر تاریخ کو جمعہ تھا، اس لیے محرومِ لقا رہا، ۱۱ر شوال کی صبح کو دار العلوم فیضیہ نظامیہ پہنچ گیا، پھر حضرت ۱۱ر کو مبارک پور تشریف لائے، ملاقات نہ ہو سکی، میں نے بھی حضرت کو ایک اطلاعی عریضہ لکھ دیا جس کا یہ جواب موصول ہوا۔

از اشرفیہ، مبارکپور ۲۲ر شوال ۱۳۹۰ھ

محب محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم .... دعوات وافرہ وسلام مسنون!

آپ کا خط ملا، ملاقات نہ ہوئی، مجھے خوشی ہوئی کہ آپ وقت پر مدرسہ پہنچے، مولاے کریم بہ صحت و سلامتی شاد و آباد رکھے، زیادہ سے زیادہ دینی خدمات انجام دلائے، مخلصانہ دینی خدمات آخرت کا بہت بڑا سرمایہ ہیں، سب سے بڑی بنیادی چیز احساس ذمہ داری ہے، جس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگا وہ ہمیشہ کامیاب رہے گا، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، خداوند کریم ہمیشہ کامیاب فرمائے، آمین۔ محب محترم جناب مولانا شاہدی صاحب و جناب حاجی صاحب وغیرہ سب احباب کو سلام و دعا۔

فقط عبد العزیز عفی عنہ

(۴) شعبان ۱۳۹۰ھ میں تعطیل کلاں کے بعد مکان پہنچا، اُس وقت دار العلوم فیضیہ نظامیہ کے حالات کچھ ایسے دیکھے کہ میں نے وہاں مزید رہنا مناسب نہ سمجھا، اس وقت حافظ ملت محمد آباد گوہنہ ایک جلسے میں تشریف لائے تھے، اُن سے ماجرا کہہ سُنایا اور اپنا خیال ظاہر کر دیا، پھر اسی موضوع سے متعلق رمضان شریف میں حضرت کے وطن بھوجپور، ضلع مراد آباد کے پتے پر ایک خط لکھا، جس کے جواب میں یہ گرامی نامہ وصول ہوا۔

محب محترم جناب مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم.. دعوات وافرہ وسلام مسنون!

آپ کا خط ملا جس میں مدرسہ فیضیہ سے مستعفی ہونے کی اجازت طلب کی ہے، جواباً تحریر ہے آپ نے وہاں کے حالات اور مستقبل میں مزید خرابی کا اندازہ بتایا تھا، اس وقت میں نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کو اختیار ہے، وہی اس وقت کہتا ہوں کہ آپ مختار ہیں۔

میں مدرس کا تقرر کرتا ہوں، ہٹاتا نہیں ہوں، مدرس اپنی خوشی سے خود چھوڑ دے اُسے اختیار ہے، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اپنے والد صاحب و دیگر احباب سے سلام مسنون کہہ دیجیے، والدعا والسلام۔

فقط عبدالعزیز عفی عنہ

⑤ بھاگلپور میں مولانا فضل حق غازی پوری بھی میرے ساتھ مدرس تھے، وہ رمضان شریف میں تراویح پڑھانے جمشید پور جاتے تھے، مولانا ارشد القادری صاحب سے انھوں نے میری تدریس کے لیے گفتگو کرلی، اور اپنے اصرار سے مجھ کو جمشید پور لے گئے، چند ہی دنوں کے بعد حافظ ملت کا ٹیلی گرام موصول ہوا کہ مولانا عبد الرؤف صاحب انتقال کر گئے، اس سانحہ کی خبر پاکر دوسرے تیسرے دن علامہ ارشد القادری مبارک پور پہنچے، غالباً انھیں کے ذریعے مجھے حضرت کا یہ گرامی نامہ ملا۔

محب محترم جناب مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم.. السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب تشریف لائے، فرمایا: مولوی محمد احمد، مولوی عبد الستار فیض العلوم میں مدرس رکھ لیے گئے، مجھے یہ معلوم ہوکر بڑی خوشی ہوئی، فیض العلوم بھی اپنا ادارہ ہے، اپنا ہی سمجھ کر محنت سے کام کرنا چاہیے، بار بار مدرس اور مدرسہ کی تبدیلی مضر ہے، وثوق واعتماد جاتا رہتا ہے اور کام بھی نہیں ہوتا، بزرگوں نے بتایا ہے "یک درگیر محکم گیر" بہرحال آپ جم کر محنت سے کام کریں، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

عزیز مکرم جناب مولوی عبد الستار صاحب کو بہ مضمون واحد سلام ودعا۔

فقط عبدالعزیز عفی عنہ

⑥ میں نے بذریعہ ڈاک فیض العلوم میں کارِ تدریس منظور کرلینے کی خبر حضرت کو دی تھی اور عرض کیا تھا کہ مولانا عبد الستار صاحب پرولیاوی بھی یہیں ہیں، مولانا حافظ فضل حق غازی پوری بھی شہر کے مدرسہ

دارالقرآن، ذاکر نگر میں مدرس ہیں، اس کے جواب میں یہ کرم نامہ دستیاب ہوا۔

از: اشرفیہ، مبارک پور ۱۹/ ذوالقعدہ ۱۳۹۱ھ

محب محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم.........السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط ملا، اس کا جواب تو جو ہو سکتا تھا میں نے لکھ دیا ہے، بہر حال میں آپ کے اور مولوی حافظ فضل حق اور مولوی عبد الستار صاحب سب کے لیے دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ دین کی خدمت کی توفیق بخشے، آپ حضرات کی مقبولہ خدمت سے فیض العلوم کو ترقی ہو، بامِ عروج پر پہنچے، آمین۔ سب کو سلام و دعا۔

فقط عبد العزیز عفی عنہ

⑦ میں نے اپنے ادبی ذوق اور عربی جدید کی تحصیل سے متعلق حضرت کو ایک خط لکھا تھا، جس کا یہ جواب موصول ہوا۔

۸/ ذی القعدہ ۱۳۹۲ھ

محب محترم مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ صادر ہو کر مسرت بخش ہوا، حصولِ کمال کا ذوق معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی، مولائے قدیر پورا فرمائے، ہر فن میں کمال عطا فرمائے، عربی ادب کی خود ہی کوشش کرتے رہیے، باہر جانے کا بھی انتظام ہو جائے گا، اپنی سعی سے کم از کم قدیم عربی پر قدرت ہو سکتی ہے، اس کے بعد جدید کے لیے بھی کوئی سبیل نکل آئے گی، میری دعائیں شامل حال ہیں اور رہیں گی، مدرسین و طلبہ اور علامہ ارشد القادری صاحب کو سلام و دعا۔

فقط عبد العزیز عفی عنہ

⑧ میرے لڑکے محمد احمد مرحوم عرف غلام جیلانی شمیم رضا کی طبیعت عرصہ سے خراب رہتی تھی، اس کے لیے میں نے رمضان شریف ۱۳۹۳ھ میں حضرت سے تعویذ کی درخواست کی، اسی خط میں اپنی علمی مصروفیت اور حصولِ کمال کے لیے اپنی سعی و محنت کا بھی ذکر کر دیا، اس کے جواب میں ذیل کا گرامی نامہ اور تعویذات موصول ہوئے۔

۲۴؍ رمضان ۱۳۹۳ھ

محب محترم جناب مولوی محمد احمد صاحب زید مجدکم.........السلام علیکم ورحمۃ اللہ

یہ جملہ بڑا ہی پیارا تھا کہ حصولِ کمال کی کوشش کر رہا ہوں، خداوند کریم آپ کو باکمال کرے، عمر میں برکت، علم و فضل میں وسعت عطا فرمائے، آمین۔ پینے کا تعویذ روانہ ہے، بچے کے لیے بھی تعویذ ہے جس پر تاگہ بندھا ہے، تاخیرِ جواب کا سبب میری علالت و مصروفیت ہے۔

عبدالعزیز عفی عنہ

باغ فردوس

۱۳۵۳ھ

ازنتیجۂ فکر! عالی جناب مولانا فقیر اللہ، اسعد سیمابی، مبارک پوری

دالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کی پرشکوہ عمارت کے سنگ بنیاد کے موقع پر جناب مولانا اسعدؔ سیمابی شاگرد زماںؔ مبارک پوری نے باغ فردوس تاریخ نکالی تھی، اس پر ان کی ایک مشہور ولولہ انگیز نظم بھی ہے، جس کا مقطع یہ ہے:

اس کی چوٹی جو اسعد فلک بوس ہو
کیوں نہ تاریخ پھر باغ فردوس ہو
۱۳۵۳ھ

حافظ ملت کا گوشۂ تنہائی اور میدان عمل

مولانا سید شمیم گوہر، ایڈیٹر نمائندہ، الہ آباد[1]

ایک ایسا آفاقی انسان، ایک ایسا عظیم محسن و مونس اور ایسا بے خوف مرد مجاہد جس کی تاریخ ساز شخصیت اور شاہین نما پرواز کی ابتدا نے پہلے تو ایک معمولی سی درس گاہ سے رشتہ جوڑا پھر اپنے تمام کردار کا قرض ادا کیا، مقصدِ حیات کی تاریخ نکھاری اور آخر میں طویل مسافت کے بعد فلک بوس عمارت کے سایے میں اپنا دم توڑ دیا، ”مَوتُ العالِمِ مَوتُ العالَمِ“ فضاؤں میں ہنگامہ مچ گیا، زندگی کا ساز خاموش ہو چکا تھا، سنیت کا سر تاج اٹھ گیا تھا، قوم کا غم خوار رخصت ہو گیا، دنیا ایک سربراہ اعلیٰ سے محروم ہو گئی، اس کے ہم عصر علما پھوٹ پھوٹ کر اشکِ فرقت بہانے لگے، اپنا سر دھننے لگے، ہاتھ آسمان کی جانب اٹھ گئے ”اے خدا! نعم البدل سے محروم مت رکھیو“ پیروں کے نیچے خار مغیلاں کی دنیا آباد کرنے والا کوئی دکھائی نہیں دیتا، بے شمار علمائے کرام کے حصۂ نیابت کو خود اپنی ذمہ داری سے منسوب کرنے والی شخصیت نظر نہیں آتی، کتنی عظیم دولت چھن گئی، ”انا للہ وانا الیہ راجعون“، سفرِ حیات کی ہزاروں صبح و شام کے بیکراں تلخ تجربات کو سمیٹ کر مکمل ایک تاریخ مرتب کرنے والے سراپا انسان کے حضور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آج یہ بندۂ ناچیز جس قدر روحانی کرب کا احساس کر رہا ہے اس کی تفصیل کے لیے نہ زبان میں حوصلہ ہے نہ قلم میں روانی، دعا ہے پروردگار صبر جمیل مرحمت فرمائے۔ آمین

میں جیسے ہی دارالحدیث میں داخل ہوا تھرّا کر رہ گیا، احساس کی شاہ رگ میں کساد پیدا ہونے لگا، جذبات کی سطح پر ہنگامہ مچلنے لگا، مقناطیسی طاقت تھی کہ مجھے لحہ لحہ تبدیل کرتی چلی گئی، گویا تاثرات کا نشتر کلیجے میں اترنے لگا، میں نے دیکھا کہ حسنِ کشش کے سانچے میں ڈھلا ہوا بوڑھا مگر بارعب چہرہ نگاہوں کے سامنے ہے، ”سبحان اللہ“ نور برساتی ہوئی سفید داڑھی پر رحمت کے جلوے مچل رہے تھے، چمکتی ہوئی جبین نیاز پر ہمت و

---

(۱) تعارف ص:۲۷ پر دیکھیں۔

استقلال اور صبر و رضا کا سورج اگا ہوا تھا، حقیقت شناس آنکھ عجز و نیاز کی دولتیں لٹا رہی تھیں، میری نگاہوں کی بینائی تڑپ کر رہ گئی، تاثر کا پہلا اتفاق موجیں مارنے لگا، وفورِ شوق اپنی حد سے آگے بڑھ چکا تھا، احساس نے سرگوشی کی اور بہتے ہوئے جذبات نے قدم چوم لیے، عمامہ، شیروانی اور شلوار میں ڈھکا ہوا یہ بوڑھا پیکر اس وقت بخاری کا درس دینے میں مصروف تھا، میں ایک عظیم شخص کا پہلا دیدار تدریسِ بخاری کے موقع پر کر رہا تھا، میں سوچنے لگا کہ نیت کی سلامتی کتنی عظیم شے ہوا کرتی ہے، اچھی چیز ہر موقعے پر اچھی ہی نظر آتی ہے، دارالحدیث میں داخل ہوتے وقت جامعہ کے ناظم اعلیٰ حضرت قاری الحاج محمد یحییٰ صاحب بھی میری رہ نمائی کو میرے ہم راہ تھے، ہم دونوں نے مودبانہ سلام عرض کیا اور درس گاہ کے ایک خالی گوشے میں بیٹھ گئے، چند لمحے پہلے مدرسِ اعظم کی وہ نگاہیں جو بدستور بخاری کی عبارتوں پر چھائی ہوئی تھیں سلام کا جواب دینے کے بعد میری جانب ملتفت ہو چکی تھیں، یہ بھی پہلا اتفاق تھا جہاں رعب و دبدبے کے بار سے میرا سارا وجود دبا جا رہا تھا، آنکھ ملانے کی جسارت نہ ہوئی، احترام و ادب نے سکوڑ کر رکھ دیا تھا، چند لمحوں کے بعد میری طرف اشارہ کرتے ہوئے قاری صاحب فرمانے لگے: "یہ سید صاحب" شاہ عزیز میاں قبلہ اللہ آبادی کے صاحب زادے ہیں اور برائے داخلہ حاضر ہوئے ہیں، موصوف بھی تشریف لائے تھے مگر کل ہی واپس ہو گئے، حضور سے ملاقات کرنے کی بہت خواہش تھی، قاری صاحب کے اتنا فرمانے کے بعد اب مکمل سکوت طاری ہو چکا تھا، چند لمحے تک یہی عالم رہا، حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی، یک بارگی سر بلند کیا اور فرمانے لگے: "اللہ تعالیٰ سید صاحب کو علم مرحمت فرمائے، امتحان لینے کے بعد بہ لحاظ جماعت داخلہ منظور کر لیا جائے" یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

شہنشاہِ علم و حکمت، محافظِ نورِ سنت، پاسبانِ لالہ و نکہت اور محب اہل مملکت، یعنی حضور حافظ ملت کی ممتاز اور ہمہ گیر شخصیت زمانے پر منکشف ہے، قیمتی زندگی کے ایک ایک لمحے کا قرض چکا دینے والا یہی وہ بے لوث مجاہد تھا کہ جس کے قدم ناز ویرانے میں پڑ گئے تو شہر تمنا آباد ہو گیا، خامہ فرسائی کے شوق میں صرف مبالغہ آرائی نہیں بلکہ کھلی ہوئی آنکھوں نے دیکھا ہے کہ اس پیکر خاکی نے سواد شام کے سینے پر اسلام کے چمکتے ہوئے چہروں کا کارواں آباد کر دیا ہے، شب دیجور کے پر ہول سناٹوں کو نکہت و نور میں بدل ڈالا ہے، ملک و ملت کا دل جیتنے اور حق وفا ادا کرنے کے لیے کس قدر بھرپور کردار کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے، یہ وہی شخص جان سکتا ہے جو بے تکان ذمہ داریوں کی تہہ میں سما کر اپنے آپ کو فنا کر دیا کرتا ہے، حق کا خدمت گار بننا آسان ہوتے ہوئے بھی انتہائی مشکل کام ہے، خون پسینے کے دریا میں ڈوب جانا پڑتا ہے، آلام و مصائب کے نیزوں پر زبان رکھ دینا پڑتا

ہے، راہ صداقت پر چلنے والے ہمیشہ آزمائے جاتے ہیں، ظرف و توفیق کی باریابی ہر ایک کا مقدر بھی نہیں ہے، نگار خانے کے مقابلے میں میدانِ عمل کا ماحول بہت جداگانہ ہوتا ہے، ایسے جاں باز بہت کم دکھائی دیتے ہیں جو جمال وکمال کی بے شمار منزلوں سے گزر جانے کی بخوبی صلاحیت رکھ سکتے ہوں، لوگ عموماً دو تین شعبوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد تکان کا اعلان کر دیتے ہیں، کردار کا محاسبہ کرتے ہوئے دور تک جانے کی ہمت نہیں پڑتی، ناکامیِ فردا کا احساس جاگنے لگتا ہے، مگر واہ رے! دیوانگی کا بے لوث فرزانہ پن، اسی ہندوستان پر جہاں غازی و مجاہد کے طرح دار خطابات خون کے آنسو رو رہے تھے، جہاں جبہ و دستار کی رمق شخصیت سے جدا ہونے پر آمادہ ہو چکی تھی، ایک ایسا بھی انسان دکھائی دے گیا جس کی بے نیازانہ شہنشاہی فکر و عمل کے بیش تر شعبوں پر عقاب کی طرح چھاپ کر بیٹھ گئی، میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ مکمل چالیس سال تک حدیث وفقہ اور منطق وفلسفہ کا درس دینے اور ہزاروں کو بادۂ عرفان پلانے والے ایک بوڑھے ساقی کی خدمت گزاری کی بھرپور حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے بہت کافی تھا کہ مطمئن ہو کر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا اور مزید اسلامی کتابیں مرتب کرتا رہتا مگر

تنہا نہیں ہوں، خون پسینہ ہے میرے ساتھ
تم تھک کے بیٹھ جاؤ کہ مجھ میں ہے دم ابھی
(گوہر)

کے مصداق احساسِ عزم کا بارِ گراں سنگِ میل کی طرح دوش پر سوار رہا، جذبات واستقلال کے پائدار رشتے حد بندی پر راضی نہ ہوئے اور پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی سرحد سے نکل کر اس طرح وادی پر خار میں کود پڑے کہ وقت حاضر کے سبب چنگیز و ہلاکو تھرا کر رہ گئے، سب جانتے ہیں کہ مدرس و مقرر کی صورت میں خادمان سنیت کی کبھی کمی نہیں رہی اور اب تو مقررین گلی گلی پائے جانے لگے، مگر جسم و جاں کو نیزے کی انی پر رکھ کر کفر کا چہرہ نوچنے والے مجاہد ہمیشہ کم رہے ہیں، حقیقت سے انکار کرنا سب سے بڑا جرم ہے، دنیا نے دیکھا ہے کہ تدریس و تقریر کے بسیط ماحول میں ذہن کے انقلاب نے جیسے ہی دیوانہ پن اختیار کیا فرزانگی کی دنیا بدل کر رہ گئی، ایک خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے ہڈیوں سے گوشت تک الگ کر دینا پڑا ہے، جوان سے بوڑھا ہو جانا پڑا ہے، تب کہیں جا کر وہ روپ سامنے آیا ہے جس کے در و بام سے آج پوری جماعت اہل سنت لپٹ کر رہ گئی ہے، حضور حافظ ملت کا سب سے عظیم ظاہری کارنامہ، سب سے مستحکم یادگار اور اوصاف حسنہ کی کرامت

الجامعۃ الاشرفیہ کی فلک بوس اور مرکزی عمارت ہے، جس کو خدا ہمیشہ قائم وآباد رکھے۔ آمین

گھر کے اندر اور گھر کے باہر کی فضاؤں میں یقیناً فرق ہوتا ہے، لوگ میدان عمل کے تصور کو اس وقت تک مکمل نہیں سمجھتے جب تک کہ عامل کو درونِ خانہ کی آب و ہوا پار نہیں دیکھ لیتے، اس مروجہ نظریے پر میرا کوئی اتفاق نہیں، غیر معمولی حیثیت دونوں کی یکساں ثابت ہے، عظمت دونوں کی برابر ہے، درونِ خانہ کے ماحول نے فضائی میدان کو بارہا شرمندہ کر کے دکھایا ہے، کردار وعمل اور عزم وارادہ بنیادی چیزیں ہیں، یہ نعمتیں جہاں بھی پائی جائیں گی وہ ماحول ہمیشہ مقدس کہلائے گا، اگر لوگ اپنے نظریات وتجربات کا صحیح محاسبہ کر کے محسوس کرنے لگیں تو بالکل صاف اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے تخت پر تنہا بیٹھا ہوا اسلام کا غم خوار، اسلام کا ایک ذمہ دار اور ملک وملت کا سچا محسن کس قدر شدید مشکلات میں گھر سکتا ہے، جس کے نزدیک میدان جنگ کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی، ذہنی کش مکش اور اعداے اسلام کی فکر میدانِ کار زار سے کہیں زیادہ بھیانک بن جاتی ہے، حافظ ملت کی ایمان داری اور ثابت قدمی دونوں ماحول پر یکساں حاوی رہی، دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی ہو، عظیم انسان کی عظمت ہر منزل پر بلندی پر رہی، حافظ ملت کی گھریلو زندگی سے میں نے خصوصیت کے ساتھ دلچسپی رکھی تھی، ہمیشہ گہری نگاہ رکھنے کی کوشش کی، خدمت میں حاضر ہونے کے بعد جب بھی لوٹا ہوں ایک نہ ایک قیمتی تاثر کی دولت ضرور لے کر لوٹا ہوں، مسلسل حاضر باشی کی ابتدا میں ذہن نے ٹھوکر کھائی تھی کہ ممکن ہے جذبات کا یہ جوشیلا بہاو آئندہ سلامت نہ رہ سکے مگر شب وروز کے دائرے جیسے جیسے پھیلتے گئے احساس و تاثیر میں روز بروز گرمی سرایت کرتی گئی، حاضر باشی کے مشغلے میں ایک پاکیزہ لذت سی محسوس ہونے لگی، جس کی داستان شروع تو کر سکتا ہوں مگر ختم کرنا بساط قلم سے باہر ہے، مجھے محاسبہ آرائی سے کبھی شغف نہیں رہا، زندگی بھر ساتھ رہنے والوں کے جب قلم ٹوٹ سکتے ہیں، تو پھر چار سال کا وقفہ کہاں تک جسارت کر سکتا ہے۔

حضور حافظ ملت کی شفقت وعنایت کے زیر سایہ میں زیادہ نہیں صرف چار ہی برس رہ پایا ہوں اور اس عرصے میں میں نے شاید انھیں ہر مختلف مقام پر دیکھا ہے، میں نے انھیں کتب اسلامیہ کا درس دیتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور تخت خطابت پر بیٹھے ہوئے، قوم سے خطاب فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں رات کے سناٹے میں بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز بھی دیکھا ہے اور دن کے اجالے میں مجاہدانہ تیور کے شعلے برساتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں ہم عصر علما کی صف میں تبادلۂ خیال کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور دارالحدیث

میں کسی اہم مسئلے پر گفت و شنید کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں تعمیر نو (الجامعۃ الاشرفیہ) کی خاطر گرد و غبار میں ڈوبتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور مالی تعاون کے لیے گلی گلی، شہر شہر خاک چھانتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں پہلی منزل مکمل ہونے پر شکر خدا ادا کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور دیدار فردا کی تمنا لیے ہوئے صدر دروازے سے باہر نکلتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں سربراہ اعلیٰ کے لباس میں بھی دیکھا ہے اور سہ روزہ دینی کانفرنس کے دوران اپنے تمام مہمانوں کے آگے نظریں بچھاتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں سادات کرام کا احترام کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور علمائے کرام کی خبر آمد پر اپنی رہائش گاہ میں جھاڑو لگاتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں دشمنوں پر نظر عنایت ڈالتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور بیمار پڑنے پر بار بار عیادت کو جاتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں عاشقان رسول کو سینے سے لگاتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور دشمنان رسول کو پارٹ دار آواز میں للکارتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں طلبہ کے درمیان لطیف طنز و مزاح کے موتی بکھیرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور استعارہ و کنایہ کی تہذیب کو نکھارتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں اپنے شاگرد علما کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے، اور اپنے مریدوں کے سروں پر دست شفقت رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں گوشۂ تنہائی میں کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور حاجت مندوں کے لیے کئی کئی گھنٹے تعویذات لکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں مہمانوں کی حیثیت سے بھی دیکھا ہے اور میزبانی فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے، میں نے انھیں محلے کے بچوں سے محبت کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور ان کی سلامتی و کامیابی کے لیے دعا کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے، الغرض میری ان دو آنکھوں نے بہت کچھ دیکھا ہے، یہ ہر مقام پر جیتی جاگتی رہیں، شوق دیدار ہمیشہ شباب پر رہا، میرے نزدیک یہ چار سال کا عرصہ کئی حیثیتیں رکھتا ہے، میں نے کردار و عمل، اخلاق و محبت اور اعلیٰ ظرفی کے بے شمار جلوے دیکھے ہیں اور ان جلووں کی سرگوشیاں بھی سنی ہیں، مجھے کہنے دیجیے کہ نہ مجھے بے جا مبالغہ آرائی کا کوئی شوق و جذبہ ہے نہ حسرت اور نہ ہی میں اپنے تاثرات کی حد متعین کر کے اپنے ذہنی دیوالیہ پن کا انکشاف ہی کرنا چاہتا ہوں، خود ایسے مقدس ماحول کا پروردہ ہوں جہاں بفضلہٖ تعالیٰ کردار و عمل، روحانیت اور تزکیۂ نفس کی تابندگی ہمیشہ خنداں و تاباں رہی ہے مگر تنگ دلی کی نسبت چوں کہ کبھی راس نہ آسکی اور جذبۂ فراخ دلی رونق حیات ہے، اس لیے قلم کو ایمان دار سمجھتا ہوں اور حضور حافظ ملت کو تاریخ کردار کی مکمل کتاب تصور کرتا ہوں جو نہ صرف ہزاروں افراد

کے پیر و مرشد بلکہ ہزاروں ممتاز عالموں کے استاذ و رہنما بھی ہیں۔

حضور حافظ ملت اپنی رہائش گاہ میں:

حافظ ملت کی رہائش گاہ میں میری حاضری ان آخری ایام میں ہونا شروع ہوئی تھی جب وہ اپنی فیملی کی غیر موجودگی میں بالکل یکہ و تنہا رہا کرتے تھے، آمد و رفت میں پردہ نشینانِ حرم کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، تاہم غنیمت موقع و محل کا اندازہ کرنے کے بعد ہی جایا جاسکتا تھا، میں جب بھی خدمت میں حاضر ہوا ہوں چار صورتوں میں زیادہ تر پایا ہے، یا تو مطالعۂ کتب فرماتے ہوئے، یا نماز و وظائف پڑھتے ہوئے، یا تعویذات و خطوط لکھتے ہوئے، یا پھر کسی شخص سے تبادلۂ خیال کرتے ہوئے، اگر ان چار صورتوں سے فرصت مہیا ہو جاتی تھی تو پھر چار پائی پر دراز ہو جایا کرتے تھے، چند طلبۂ حاضر باش کے نزدیک یہ موقع بہت خوش گوار ہوا کرتا تھا، اسی درمیان خدمت گزاری کا مختصر سا موقع ہاتھ آجاتا تھا، سر میں تیل ڈالنا حافظ ملت کی ایک مخصوص عادت بن گئی تھی، مگر انھیں خود یہ زحمت اٹھانے کی کم ہی مہلت مل پاتی تھی بلکہ کوئی نہ کوئی طالب علم حاضر ہو کر ضرور سر میں تیل ڈال دیا کرتا تھا، یہی روز کا معمول تھا اور ہر طالب علم اپنے اپنے موقعے کا شدت سے انتظار کرتا تھا، اس خواہش کا اظہار میں بھی کئی بار کر چکا تھا، مگر حضرت نے ہر بار سختی سے منع فرما دیا تھا، مجھے بے پناہ احساس ہوا لیکن ایک بار میری جوش مارتی ہوئی خواہش کا اندازہ لگانے کے بعد حضرت نے اجازت تو دے دی مگر پھر جلدی ہی منع فرما دیا اور اٹھ کر بیٹھ بھی گئے، انھوں نے ایسا کیوں کیا میں کوئی وضاحت نہیں کر سکتا، میں اس میں شک کرنا جرم سمجھتا ہوں کہ حافظ ملت جہاں ہر طالب علم کو اپنا بچہ گمان کرتے تھے مجھ سے بھی بے پناہ شفقت فرمایا کرتے تھے، نمایاں ثبوت یہ ہے کہ ایک روز درس گاہ میں آپ نے ارشاد فرمایا:

سید صاحب! آپ کتاب کی عبارت پڑھنے میں کچھ مطمئن نہیں نظر آتے، لہٰذا کل سے بعد نماز مغرب گھر پر جلالین شریف لے کر آجایا کیجیے میں بہت جلد عبارت کو صاف کرادوں گا۔

حافظ ملت کا یہ کرم و احسان میری ساری زندگی پر بھاری ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا، چار سال کی مدت کے دوران شاید میں ہی ایک خوش بخت فرزند اشرفیہ تھا جسے حضرت نے چھ ماہ تک خصوصیت کے ساتھ درس دیا اس قدر شفقت و عنایت کے ساتھ پڑھایا کہ آج بہت کچھ نہیں تو ''ا'' ''ل'' کی تعریف سے تو واقف ہو ہی گیا، دوسری محبت کا ثبوت تقسیم تعویذات کے سلسلے میں ہے، حضرت کا اصول تھا کہ بعد نماز جمعہ مدرسہ

قدیم کے کسی گوشے میں بیٹھ کر حاجت مندوں میں تعویذات تقسیم فرمایا کرتے تھے، اگر ارادۂ سفر در پیش ہوتا تو پہلے سے کسی طالب علم کے حوالے کر جاتے تاکہ بروز جمعہ تقسیم کیا جاسکے اور کوئی محروم نہ جاسکے، میری موجودگی میں یہ ذمہ داری اشرفیہ کے پرانے طالب علم اور وقت موجودہ کے ذہین وزیرک استاد مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی ہی کو سونپی جاتی تھی اور اگر وہ موجود نہ ہوتے تھے تو یہ ذمہ داری میرے حصہ میں آجاتی تھی، اگرچہ اس طرح کی ذمہ داری میرے لیے کوئی خاص بات نہ تھی مگر نظر التفات میرے نزدیک یقیناً مقدس رہا کرتی تھی، یہ وضاحت بھی حیثیت سے خالی نہیں کہ ہم چند طالب علم حافظ ملت کی رہائش گاہ سے بالکل قریب رہا کرتے تھے یعنی مکانیت ایک ہی تھی، رہائش گاہیں مختلف تھیں، حافظ ملت ہم طلبہ کی مزاج پرسی یا تنبیہ و تاکید کی غرض سے جب بھی تشریف لاتے تھے زیادہ تر میری ہی (چارپائی، بستر) پر بیٹھا کرتے تھے، میں اس اتفاق کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، حافظ ملت کے علاوہ دیگر تمام اساتذۂ کرام بھی میرے ہی بستر پر تشریف رکھتے تھے، کبھی آرام بھی فرمایا لیا کرتے تھے، شفقت و کرم سے وابستہ کرنے کے بعد حافظ ملت جب بھی الہ آباد تشریف لائے میرے ہاں ضرور تشریف لاتے اور قیام بھی فرمایا کرتے تھے، میری دعوت و درخواست پر حافظ ملت متعدّد بار غریب خانے پر تشریف لا چکے تھے، ابی المکرم حکیم الحاج علامہ سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ زیب سجادہ خانقاہ حلیمیہ ابوالعلائیہ الہ آباد سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، سہ روزہ تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لیے خصوصیت کے ساتھ خط لکھا تھا اور سنگ بنیاد رکھنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔

حضرت کی گھریلو زندگی انتہائی سادہ شستہ اور پرسکون ہوا کرتی تھی، نہ سامان تعیش، نہ اہتمام و زیبائش، معمولی سی رہائش گاہ میں ہر چیز معمولی نظر آتی تھی، ایک دو بکس چند جوڑے کپڑے، چادروں اور چند برتنوں کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا تھا، گھر کے ذاتی امور زیادہ تر خود ہی اپنے ہاتھوں سے انجام دیا کرتے تھے، طلبۂ کرام سے بہت کم کوئی کام لیا کرتے تھے، کسی مہمان کی آمد پر کبھی کبھی چاے ناشتہ وغیرہ منگوا لیا کرتے تھے، بعض اوقات اپنے کپڑے بھی خود ہی دھو لیا کرتے تھے یا پھر دھوبی لے جایا کرتا تھا، روزانہ غسل کرنے کی عادت سے پرہیز فرماتے تھے اور غسل کے درمیان بہت کم پانی کا استعمال کیا کرتے تھے، صابن وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے، طبیعت ناساز ہونے پر احتیاط کو ضروری سمجھتے تھے، آپ کا تجربہ تھا کہ آمد بخار پر پیٹ کو بالکل خالی چھوڑ دیا جائے، ان شاء اللہ بہت جلد آرام مل جائے گا، حافظ ملت بخار، کھانسی یا کسی بھی دوسرے مرض میں مبتلا ہونے پر انگریزی دواؤں سے قطعی پرہیز

کرتے تھے، ہمیشہ حکیمی دوائیں استعمال فرمایا کرتے تھے، اسی طرح حضرت تصویرکشی کے معاملے میں بھی بالکل مبرا رہے، آپ کی ایک تصویر بھی موجود نہیں ہے، حتیٰ کہ حج بیت اللہ بھی بغیر تصویرکشی کے میسر آیا، سبحان اللہ، حافظ ملت اپنی پسند کی جب بھی کوئی چیز پکاتے یا کوئی عقیدت مند پیش کرجاتا تو اس میں سے مختصر سا نکال کر باقی سب طالب علموں میں تقسیم فرمادیتے، بطور تبرک ایسی نعمت جب بھی ہاتھ آتی طلبہ میں بے پناہ خوشیاں جاگ جاتی تھیں، ہر طالب علم یہی کہنے لگتا کہ میں اتنی دور رہ کر بھی اپنے والدین کی شفقت سے محروم نہیں ہوں۔

ایک سال متعدّد طالب علموں کی طرح بقرعید کی تعطیل میں، میں بھی گھر نہیں گیا تھا اس سال بے پناہ لطف آیا، اساتذہ و طلبہ اور حضور حافظ ملت کے زیر سایہ یوم قربانی کی مقدس ساعتیں گزارنے میں جو دائمی مسرت حاصل ہوئی ہے اس موقعے پر کبھی نہیں حاصل ہوئی تھی، ہم لوگ نئے نئے لباس پہن کر جامع مسجد گئے نماز واجب ادا کی اور پھر بعد میں سب سے مصافحہ و معانقہ بھی کیا، لیکن آج کے روز جس وقت حافظ ملت کے سینے سے سینہ ٹکرایا تھا ایک ایسی لطیف سی لذت کا احساس بیدار ہوا تھا کہ بیان نہیں کرسکتا، حضرت جتنی دیر مجھے سینے سے لگائے رہے میں محسوس کررہا تھا جیسے آغوش مادر میں سمایا جارہا ہوں، عید الاضحیٰ کے روز حضرت کا یہ معمول بھی انتہائی مشفقانہ تھا کہ موجودہ تمام طالب علموں کو دعوت دے کر خود ان کی ضیافت فرماتے تھے اور چاروں طرف ٹہل ٹہل کر کھلانے پلانے کا خود کام انجام دیا کرتے تھے، چیزیں ختم ہونے پر دوبارہ پھر دینے کی کوشش کرتے، اس ضیافتی سرگرمی کے موقعے پر حضرت طلبہ کو کوئی زحمت نہیں دیتے تھے، سرپرستی کا ایک نمایاں انداز یہ بھی تھا کہ حافظ ملت آج کے روز تمام طلبہ میں ایک ایک روپیہ بھی تقسیم فرمایا کرتے تھے تاکہ طلبہ کے ذہن اس معمول کی یاد سے پریشان نہ ہوسکیں جسے ان کے والدین نبھائے رکھتے ہیں، خلاصہ یہ کہ حافظ ملت کی اس طلبہ نوازی خلوص و محبت اور حسن اخلاق کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت کی موجودگی میں کسی کو احساس نہیں ہوپاتا کہ میں اپنے والدین سے دور وادیٔ غربت میں یوم عید کے لمحات گزار رہا ہوں، الغرض حضور حافظ ملت کے گوشۂ تنہائی میں جمال وکمال اور قوت برداشت کی ایک دنیا آباد تھی، احتیاط و پاکیزگی کی کائنات زندہ تھی، قربت سے روزانہ فیض یاب ہونے والا بھی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے ایک بار کانپ جاتا تھا، چہرے کا رعب و دبدبہ کبھی ضائع نہ ہونے پایا، کہنے کو نگاہوں کے سامنے موم کا پیکر رہتا تھا، مگر عام انسان جلووں کی تاب نہیں سہہ سکتا تھا، حضرت کی انکساری اور عجز نوازی کا یہ عالم تھا کہ کسی قابل قدر اور معزز

شخصیت کی خبر آمد پر میں نے خود گھر کو سنوارتے اور جھاڑو لگاتے دیکھا ہے، جب کہ یہ کام کوئی بھی طالب علم انجام دے سکتا تھا، مگر یہی وجہ ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہیچ مدانی کے تصور نے حضرت کو آسمان کی بلندی تک پہنچا کر رکھ دیا ہے، اس موقعے پر میں موجود تھا میں نے کوشش کی تھی کہ جھاڑو ہاتھ سے لے کر میں خود یہ کام انجام دے دوں مگر حضرت نے صاف انکار کر دیا، فرمانے لگے آج کی باری میری ہے، بہر کیف حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی عظیم شخصیت سے متعلق میں نے جو کچھ بھی عرض کرنے کی کوشش کی ہے محض قطرۂ دریا کے سوا اور کچھ نہیں، محاسبہ آرائی کا خیال میری بساط قلم سے بالاتر ہے، یہ حصہ ان کے ہم عصروں کا ہے۔

حافظ ملت ایک غیر معمولی شخصیت

ڈاکٹر شکیل اعظمی

تعارف مقالہ نگار:

ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی مصباحی علیہ الرحمہ ذہین وفطین، وسیع المطالعہ، حالات شناس، انتہائی حساس اور حد درجہ دور اندیش تھے، آپ بیک وقت کہنہ مشق شاعر، محقق، نقاد اور بہترین مصنف تھے۔

آپ ۱۹۴۲ء میں گھوسی، ضلع مئو میں پیدا ہوئے، متوسطات تک کی تعلیم مدرسہ شمس العلوم گھوسی اور مدرسہ فضل رحمانیہ پچپڑوا بلرام پور میں حاصل کی پھر دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۱ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

اس کے بعد یونانی میڈکل کالج الہ آباد سے .F.M.B.S کی ڈگری حاصل کر کے اپنے آبائی وطن گھوسی میں مطب کھول کر آخری دم تک عوام الناس کی خدمت میں مصروف رہے۔ آپ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بھی معالج رہے، ۱۷ر رمضان ۱۹۴۲ء ۳۰/ اپریل ۲۰۲۱ء کو ۷۹ر برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

تصنیفات (۱) گل قدس (نعتیہ مجموعہ) (۲) حرف ثنا (مناقب کا مجموعہ) (۳) عکس خیال (غزلوں اور نظموں کا مجموعہ) (۴) شعور نظر (علمی وادبی تنقیدی مقالات کا مجموعہ)

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

استاذ العلما، زبدۃ العرفا، خیر الاذکیا، حضرت الحاج علامہ حافظ شاہ عبد العزیز صاحب محدث مرادآبادی، بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی گوناگوں خوبیوں اور علمی و اخلاقی عظمتوں کے اعتبار سے بالکل منفرد اور یکتائے روزگار تھے، آپ نہ صرف ایک متبحر عالمِ دین، حافظِ قرآن اور متقی و پرہیزگار بزرگ تھے بلکہ اپنی غیر معمولی فکری صلاحیتوں کی بنیاد پر اپنے ہم عصروں میں زبردست امتیازی شان بھی رکھتے تھے، علم و

حکمت کے اسرار و غوامض ہوں یا دنیوی پیچیدہ و ادق مسائل، آپ اس آسانی کے ساتھ ان کی عقدہ کشائی فرماتے اور اتنا معقول اور قابلِ قبول حل پیش فرماتے کہ اچھے سے اچھا مفکر اور دانش ور بھی انگشت بدنداں رہ جائے، شب و روز کی ذہنی کاوشوں کے باوجود جن مسائل کے مضمرات و عواقب کے جاننے اور ان کے خوب صورت منطقیانہ حل کی تلاش میں اصحاب فکر و نظر اور ارباب حل و عقد درماندہ و ناکام ہو جاتے، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ادنیٰ غور و فکر اور معمولی توجہ سے ان کے تمام گوشوں کا تنقیدی جائزہ لے کر آسان فرما دیا کرتے۔

بہ ظاہر محض درس و تدریس، عبادت و ریاضت سے تعلق رکھنے والا دنیاوی معاملات سے بے نیاز انسان جب اپنی خداداد عبقری و فکری صلاحیتوں کا اظہار فرماتا تو دنیا حیرت میں پڑ جاتی اور تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی کہ ایک مرد مومن کی نگاہِ دور رس دین و دنیا کی جن باریکیوں اور گہرائیوں تک پہنچ سکتی ہے، اس کا ذہن رسا جن حقائق و معارف کا ادراک کر سکتا ہے، عام اذہان ان کے مبادیات تک بھی پہنچنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کئی بار ایسا ہوا کہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے کسی مخصوص معاملے سے متعلق کوئی رائے ظاہر فرمائی جو بادی النظر میں اس وقت بہتر اور مناسب نہیں معلوم ہوئی، لیکن پیش آنے والے حالات و واقعات نے آپ ہی کی اصابتِ فکر پہ مہرِ تصدیق ثبت کی اور انجامِ کار اختلاف رائے رکھنے والوں کو آپ ہی کے نقطۂ نگاہ سے متفق اور آپ ہی کی رائے کی صحت و اصابت کا قائل ہونا پڑا۔

حکایات و روایات کا ایک دراز سلسلہ ہے جن سے حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بالغ نظری، مآل اندیشی، فکری برتری اور ذہنی توانائی کا اظہار ہوتا ہے، کیا کوئی صاحب عقل و خرد اس سے انکار کی جرأت کر سکتا ہے کہ اس مرد دانا و بینا کی فکری صلاحیت جب درس و تدریس کے انداز میں ظاہر ہوتی ہے تو دینی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ علما و فضلا کے ایک عظیم الشان گروہ کو وجود بخشتی ہے، جن میں سے اکثر و بیش تر اپنی اپنی جگہ چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں، یہی فکری صلاحیت جب تعمیری امور میں ظاہر ہوتی ہے تو مدرسہ اشرفیہ اپنے دشوار گزار مراحل اور بے شمار حالات و موانع کے باوجود انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا ایک عظیم الشان درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" (عربک یونیورسٹی) کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، یہی فکری صلاحیت جب مذہبی بصیرت کے ساتھ باب العقائد میں ظاہر ہوتی ہے تو مناظرانہ و متکلمانہ شان کے ساتھ "المصباح الجدید"

اور ”العذاب الشدید“ کے ذریعے عقائد سخیفہ وافکار باطلہ کی دھجیاں اڑاتی نظر آتی ہے، یہی فکری صلاحیت جب تاریخِ ہند کے ایک انتہائی پر آشوب دور میں استقامت وعزیمت کے جذبات کو اکساتی اور مذہبی وسیاسی آویزش کے دوران افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ دکھاتی ہے تو ”ارشاد القرآن“ میں اہل ملک وملت کو نجات و فلاح کی روشن ضمانت نظر آتی ہے، یہی فکری صلاحیت جب ”معارف الحدیث“ اور ”انوار السنہ“ کے جلووں کو عام کرتی ہے تو امت مسلمہ اپنے مضمحل قویٰ میں برقی توانائی محسوس کرنے لگتی ہے، خوابیدہ روحِ عمل جاگ اٹھتی ہے، یہی فکری صلاحیت جب شریعت وطریقت کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کرتی ہے تو رشد وہدایت کی شمعیں فروزاں ہوجاتی ہیں، تصوف کے صحیح خد وخال شریعت کے آئینے میں ابھر آتے ہیں، یہی فکری صلاحیت جب افراد قوم کی فطری استعداد و صلاحیت اور طبعی رجحانات و میلانات کو بر انگیختہ کرتی ہے تو ان سے ایسے کارہائے نمایاں انجام دلاتی ہے کہ وہ افراد خود حیرت واستعجاب کا مرقع بن جاتے ہیں، یہی فکری صلاحیت جب اخلاقی قدروں کو اجاگر کرتی ہے تو جذباتی داعیوں کو نظر انداز کرتی ہوئی بلا تفریق اپنوں اور غیروں پر لطف وکرم کے پھول برساتی اور ان کو اپنا گرویدہ وشیفتہ بناتی ہے، یہی فکری صلاحیت جب خود شناسی وخود اعتمادی کا رنگ اختیار کرتی ہے، تو زندگی کے انتہائی نازک اور حوصلہ شکن مرحلوں میں بھی ہزار طوفانِ آلام ومصائب کے باوجود آپ کے پائے صبر واستقلال میں لغزش بھی نہیں آنے دیتی۔

اب آئیے ذرا اجمالی خاکوں سے گزر کر تفصیلی واقعات کی دنیا میں ہم حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی فکری صلاحیتوں کا جائزہ لیں۔

ابتدائی دور:

آپ نے حفظِ قرآن کی تکمیل اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ خانگی دشواریوں کے باعث سلسلۂ تعلیم منقطع فرمادیا، انھیں دنوں مراد آباد کے ایک انتہائی قابل اور حاذق طبیب حکیم مولانا محمد شریف صاحب شاگرد رشید حضرت علامہ عبد الحق صاحب خیر آبادی بہ سلسلۂ علاج ومعالجہ بھوج پور تشریف لائے اور مسجد میں حافظ ملت کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی، آپ کی تجوید اور صحت قرآن خوانی سے کافی متأثر ہوئے، اختتام نماز پر دوران گفتگو حکیم صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب! آپ مراد آباد آکر ہم سے فن طب پڑھ لیں، آپ کا ذہن حکمت کے لیے بہت مناسب ہے، آپ نے اپنی اقتصادی پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے معذرت پیش کی، مگر حکیم صاحب نے اس جوہرِ قابل کی تعلیم وتربیت کا پورا بار اپنے ذمہ لے لیا، چناں چہ حافظ ملت بغرض تحصیل

علم مراد آباد تشریف لے گئے، حکیم صاحب نے گلستاں کا امتحان لے کر فرمایا کہ حافظ صاحب! آپ عربی تعلیم حاصل کریں میں آپ کے اندر فکر و نظر کی بڑی صلاحیت پاتا ہوں اور مستقبل میں آپ کی فطری استعداد اور ذہنی صلاحیتوں سے اہم نتائج بر آمد ہونے کی توقع کرتا ہوں، چناں چہ آپ نے عربی کی تعلیم شروع کی، پندرہ روز میں میزان و منشعب اور ایک ماہ میں نحو میر و پنج گنج یاد فرمالیں، پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ لے لیا اور اس طرح حکیم صاحب نے اس جوہرِ قابل سے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں بحمدہ تعالیٰ بدرجۂ اتم پوری ہوئیں۔

صدر الشریعہ کے سایۂ کرم میں:

جامعہ نعیمیہ میں تین سال تک تحصیلِ علم کے بعد مراد آباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر حافظ ملت نے جب حضرت صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان سے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت صدر الشریعہ نے از راہِ شفقت و عنایت آپ کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اگرچہ حافظ ملت اس وقت ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھ رہے تھے اور حضرت صدر الشریعہ اونچی جماعت کی منتہی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، مگر حافظ ملت کی تشنگیِ علم اور ذہانت و طباعی کا اندازہ فرماتے ہوئے آپ نے خارج از درس اوقات میں تعلیمی سلسلے کا آغاز فرمادیا، ملا حسن وغیرہ تک پڑھنے کے بعد حافظ ملت نے خانگی مشکلات کے باعث دورہ لے لینے کی خواہش کا اظہار کیا، مگر حضرت صدر الشریعہ نے آپ کی علمی لیاقت اور فکری صلاحیت کے پیش نظر منظور نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ زمین پھٹ جائے، آسمان ٹوٹ پڑے، یہ تو ممکن ہے، مگر آپ کی یہ ایک کتاب بھی چھوٹ جائے یہ ممکن نہیں، آپ کو بہر صورت درسِ نظامیہ کا پورا کورس مکمل کرنا ہے اور بالآخر مشفق استاذ نے اس جوہر فام کو علم و کمال کا مخزن و معدن بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا، جنھیں آج دنیا بجا طور پر جلالۃ العلم اور استاذ العلما کے القاب سے یاد کرتی ہے۔

اشاعت دین کا جذبۂ بے کراں:

درسِ نظامیہ کی تکمیل کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ نے آگرہ کی جامع مسجد میں خطابت و افتا کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے آپ کو مبلغ سو روپے ماہانہ پر متعین کرنا چاہا، لیکن آپ نے یہ گراں قدر پیش کش قبول نہیں کی اور فرمایا کہ میں تجارت کروں گا اور حتی الوسع فی سبیل اللہ دینی خدمات بھی انجام دیتا رہوں گا، لیکن اسی سال آپ کے استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے آپ کو بریلی

شریف طلب فرمایا اور آپ کی علمی لیاقتوں کے پیش نظر ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ اپنے ضلع سے باہر رہا جس کی وجہ سے پورے ضلع پر بدمذہبیت و گمراہیت کا تسلط ہوتا جا رہا ہے، اس لیے دین حق کی تبلیغ و اشاعت اور بد عقیدگی و گم راہی کے انسداد و استیصال کے لیے آپ کو مبارک پور بھیجنا چاہتا ہوں، آپ نے مودبانہ عرض کیا: حضور میں ملازمت نہیں کروں گا، حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا: میں نے ملازمت کے لیے کب کہا ہے؟ میں نے تو دین کی خدمت انجام دینے کے لیے کہا ہے، آپ نے استاذ محترم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے مبارک پور بھیجتے وقت ارشاد فرمایا کہ حافظ صاحب میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں، اس معنی خیز جملے پر ہونہار اور ذہین و فطین شاگرد نے عرض کیا کہ حضور پھر داو پیچ بھی سکھا دیجیے، جواب ملا، جاؤ خدا حافظ و ناصر ہے۔

اس واقعے سے جہاں حافظ ملت کی اپنے استاذ کے تئیں اطاعت و فرماں برداری ظاہر ہوتی ہے وہیں مشفق استاذ کی اپنے چہیتے شاگرد کی صلاحیت و لیاقت اور ذہانت و فراست پر اعتماد کلی کی کیفیت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ حافظ ملت کے ایثار و اخلاص کا بیکراں جذبہ اور دینی و ملی شعور کا قابل رشک مظاہرہ ہی تو تھا کہ مبلغ ایک سو روپے ماہانہ کی گراں قدر پیش کش مسترد فرماتے ہوئے بے دینی و گم راہی کے تیرہ و تار ماحول پر حق و صداقت کی شمع فروزاں کرنے کے لیے صرف ۳۵ روپے کے حقیر مشاہرے پر مبارک پور جانا منظور فرما لیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حافظ ملت نے فضل خداوندی اور رحمت مصطفوی کے سہارے اپنے بزرگ و محترم استاذ کی نیک دعاؤں کے سایے میں تعلیم و تدریس اور مناظرہ و مباحثہ کے دوران اپنی علمی و فکری صلاحیتوں سے کام لے کر دین حق کی وہ عظیم الشان خدمات انجام دیں کہ جس کی مثال عہد حاضر میں کوئی بڑے سے بڑا مفکر و مبلغ بھی انفرادی طور پر پیش کرنے سے قاصر و عاجز نظر آتا ہے۔

استقامت و عزیمت:

اگر حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے دراز تر سلسلۂ علالت اور ضعف و نقاہت کے باوجود اپنی غیر معمولی قوت ارادی اور استقامت و عزیمت سے کام نہ لیا ہوتا تو آج ہم الجامعۃ الاشرفیہ (عربک یونیورسٹی) اور دارالاقامہ (Hostal) کی عظیم الشان عمارت دیکھنے کی سعادت حاصل نہ کر پاتے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تجدیدی کارناموں کے بعد نہ جانے کتنے مخلص بزرگوں نے ایسے تعمیری منصوبے بنائے مگر خواب و خیال کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکے اور "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" مشیت الٰہی کو حافظ ملت ہی کے مقدس ہاتھوں

سے یہ مہتم بالشان کام انجام دلاتا تھا اور دلایا، آپ اکثر وبیش تر یہ فکر انگیز جملہ فرمایا کرتے تھے ”الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل کا مجھے جنون ہے، جسے جنون ہوا سے کب اپنا خیال رہتا ہے“ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

ایسا جنوں بھی دیکھا ہے ہم نے
جس نے سیے ہر تقدیر کے چاک

اس جنون پر کل متاع ہوش و خرد قربان، اس دیوانگی پہ لاکھ فرزانگی صدقے، جو اپنی ذاتی کلفتوں اور اذیتوں کو بھول کر خود کو قوم و ملت کی صلاح و فلاح کے لیے وقف کر دے اور از خود رفتہ ہو کر بڑے سے بڑے شدائد و مصائب کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لے لیکن آبروے ملتِ بیضا پر حرف نہ آنے دے، یہ دیوانہ اپنی پوری فراست و دانائی کے ساتھ رحمت الٰہی اور کرمِ احمدی کے سہارے اپنی پیرانہ سالی اور ضعیف العمری کے باوجود باطل قوتوں سے ٹکراتا اور انھیں شکست فاش دیتا ہوا زندگی کی آخری سانس تک پرچم اسلام کو لہراتا اور دینِ مصطفوی کا ڈنکا بجاتا رہا۔

یہ دیوانہ تھا فرزانوں سے بہتر
خرد قربان اس دیوانگی پر

جاہلانہ طلسم خطابت اور حافظ ملت کا رویہ:

جن دنوں عربی یونیورسٹی کی تعمیری سرگرمیاں شباب پر تھیں، شر پسندوں نے ایک جاہل واعظ ”حقانی“ کو مبارک پور بلایا اور مسلسل کئی جلسوں میں اہل سنت و جماعت کو سب و شتم اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا، جس سے سنیوں میں اضطراب و اشتعال کی کیفیت پیدا ہو گئی، چناں چہ سنیوں کا ایک نمائندہ وفد حافظ ملت کی بارگاہ میں پہنچا اور آپ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور مطالبہ کیا کہ ان جہالت آمیز بیانات اور گم راہ کن خیالات کی تردید و تکذیب کے لیے فی الفور جوابی جلسے منعقد کیے جائیں، لیکن حافظ ملت نے انتہائی متانت و فراست کے ساتھ وفد کو سمجھایا کہ اس وقت ہمارے سامنے ”الجامعۃ الاشرفیہ“ کی تعمیر و تشکیل کا عظیم الشان منصوبہ ہے، ہمیں اپنے بنیادی مقاصد پر ہی نظر رکھنی چاہیے، معاندین کا دلی مقصد یہ ہے کہ ہم غیر ضروری مسائل میں الجھ کر اپنے تعمیری منصوبوں سے غافل ہو جائیں، علاوہ ازیں یہ واعظ محض جاہل انسان ہے اس کے جواب کے لیے جلسے کرنا خواہ مخواہ اس کی حیثیت و اہمیت کو بڑھا وا دینا ہے، اس جماعت کے مقتدر علما کے جوابات تو ہم برابر اپنی تحریروں اور تقریروں میں دیتے رہے ہیں اور آئندہ بھی جب کبھی ضرورت پیش آئے گی ان کی علمی بے مائیگی اور مذہبی بے راہ روی کا پردہ

چاک کرتے رہیں گے، لیکن ہمارے لیے یہ وقت کام اور صرف کام کا ہے، ہمیں اپنے کام ہی سے کام رکھنا چاہیے، خدانہ خواستہ اگر سنیوں پر اس کی تقریروں سے کوئی وسوسہ یا شبہہ پیدا ہو تو اس کے ازالے کے لیے میں اور الجامعۃ الاشرفیہ کے اساتذۂ کرام ہمہ وقت موجود ہیں، جب جہاں اور جس وقت جو بھی چاہے ہم سے مسائل کی تحقیق کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتا ہے، ویسے ہر جمعہ کو ہم خطبہ سے قبل مختلف فیہ مسائل اور جواب طلب امور پر روشنی بھی ڈالتے رہیں گے، تاکہ سادہ لوح مسلمان گم راہ کن افکار و خیالات سے متاثر نہ ہو سکیں۔

حافظ ملت کے اس دانش مندانہ و مدبرانہ طرز عمل کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ مخالفین و معاندین کی ساری سازشی کاروائیاں بے سود ہو گئیں اور آں جناب چند روز طوفانِ جہالت و حماقت برپا کرنے کے بعد مبارک پور سے بے نیل مرام واپس ہو گئے، ورنہ واقعات شاہد ہیں کہ حقانی صاحب جہاں جہاں بھی تشریف لے گئے اور سنیوں نے ان کی جہالتوں کا نوٹس لیا، وہاں وہاں ایک ہنگامۂ کارزار برپا ہو گیا؛ جس کے باعث ان کی شخصیت کو سستی شہرت حاصل ہو گئی۔

قاری طیب کا اعتراف حقیقت:

حافظ ملت نے جب عربی یونیورسٹی کا عظیم الشان پروگرام بنایا تو چند دیوبندی خیال کے لوگوں نے قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے بطور استہزا حافظ ملت کے اس پروگرام کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنے محدود ترین وسائل کے باوجود اتنا اونچا خواب دیکھ رہے ہیں، ان کا تبصرہ سن کر قاری طیب صاحب نے کہا کہ میں حافظ عبد العزیز صاحب کی شخصیت سے واقف ہوں، ان کے غیر معمولی تدبر، تفکر اور جوش عمل سے آگاہ ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے مقصد میں ایک نہ ایک دن ضرور کام یاب ہو جائیں گے۔

اور الحمد للہ! انتہائی قلیل مدت میں عربی یونیورسٹی کی پر شکوہ عمارت نے دنیا کے سامنے حافظ ملت کی غیر معمولی شخصیت کا ناقابل تردید ثبوت پیش کر دیا۔

حافظ ملت کی نظر میں نشر و اشاعت کی اہمیت:

حافظ ملت نے اپنے پورے تنقیدی شعور کے ساتھ عصرِ حاضر کے تقاضوں پر سنجیدگی سے غور و فکر فرمایا: اخلاقی و معاشرتی فساد کی مضرتوں کا سراغ لگایا اور اپنی تدریسی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف زاویوں اور مختلف سطحوں سے دینی و ملی تبلیغ، ذہنی و فکری تطہیر اور اخلاقی و معاشرتی اصلاح کے موثر ذرائع فراہم کیے۔

پوری جماعتِ اہل سنت کو شدت سے احساس تھا کہ ہم میں اچھے سے اچھے محدث و مفسر، بہتر سے

بہتر واعظ و خطیب، عمدہ سے عمدہ مفکر و مناظر، لائق سے لائق مدرس و معلم، قابل سے قابل مفتی و فقیہ تو کثیر تعداد میں موجود ہیں، لیکن اصحاب قلم اور انشا پرداز معدودے چند ہی ہیں، ایسی بات نہیں تھی کہ ہم قلم کاری اور انشا پردازی کی صلاحیتوں سے محروم تھے، ادبی و انتقادی شعور سے عاری تھے، بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ ہم نے سنجیدگی کے ساتھ اس طرف توجہ ہی نہیں کی تھی، اپنے ہم عصروں اور نئی نسلوں پر مضمون نگاری کا شوق ہی نہیں پیدا کیا تھا، انشا پردازی کے جذبات کو برانگیختہ کرنے اور ان کی اصلاح و تربیت کے لیے کوئی ٹھوس پروگرام ہی نہیں مرتب کیا تھا، اس زبردست کمی کو محسوس کرتے ہوئے حافظ ملت علیہ الرحمہ نے عربی یونیورسٹی میں نشریات کا ایک مستقل شعبہ قائم فرمایا، مختلف اسلامی موضوعات پر (Literaturs) لٹریچرس کی اشاعت کا معقول انتظام فرمایا اور مستقل ماہ نامہ "اشرفیہ" کا اجرا فرمایا جس سے نہ صرف جماعتی نصب العین کو فروغ حاصل ہوا بلکہ علم نواز اور ادب پرور حلقوں میں انشا پردازی کا ذوق بھی بیدار ہوا، انتہائی تیزی کے ساتھ نئے نئے باصلاحیت قلم کار سامنے آنے لگے، جن سے بجا طور پر مستقبل قریب میں اچھی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں، اس طرح ان شاء اللہ العزیز ہم بہت جلد جماعتی سطح پر مختلف زبانوں میں اپنے مشن (Mission) اور کاز (Cause) کو دنیا کے سامنے انتہائی م= ثرانداز سے پیش کرنے کے قابل ہوجائیں گے اور ایسے صالح لٹریچرس کے ذریعہ اسلام کی اشاعت اور امت مسلمہ میں شریعت محمدی کی حفاظت وصیانت کا جذبہ پیدا کرسکیں گے، فرقہاے باطلہ کے فاسد اور گم راہ کن خیالات کا بطلان پیش کرسکیں گے۔

حافظ ملت کا جذبۂ اخلاص و حمیت:

حافظ ملت جب الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ مقرر فرمائے گئے تو آپ نے اراکین جامعہ کے پیہم اصرار کے باوجود کسی قسم کا حق المحنت اور مشاہرہ لینے سے صاف انکار فرمادیا کہ جب تک مدرس تھا ماہانہ تنخواہ لیتا تھا اب جب کہ باضابطہ مدرس نہیں رہا، تو تدریسی خدمات انجام دینے کے باوجود تنخواہ لینا میرے ضمیر کے خلاف ہے، اس طرح اس مرد دانا و بینا نے اپنے قول و عمل سے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو ضبطِ نفس اور ایثار و اخلاص کا ناقابل فراموش درس دیا اور آخری ایامِ حیات میں اپنے صاحب زادۂ گرامی مولانا عبد الحفیظ سلمہ سے فرمایا کہ اراکین جامعہ مسلسل مجھے ماہانہ وظیفہ قبول کرنے پر مجبور کرتے رہے، لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے، تم خیال رکھنا کہ مستقبل میں ارکانِ جامعہ اگر تم سے اس قسم کا معاملہ کرنا چاہیں تو ہرگز ہرگز قبول نہ کرنا، چناں چہ

حضور حافظ ملت کے معًا بعد ارکان جامعہ نے مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ الجامعۃ الاشرفیہ کی خدمت میں ماہانہ وظیفہ کی پیش کش کی، لیکن غیور وسعادت مند بیٹے نے والد گرامی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے شانِ بے نیازی کے ساتھ یہ گراں قدر پیش کش مسترد فرمادی، اگر حافظ ملت نے انتہائی فراست و دانائی کے ساتھ یہ طریقۂ عمل نہ اختیار کیا ہوتا یا اپنی مآل اندیشی سے کام لے کر صاحب زادۂ محترم کو یہ نصیحت نہ فرمائی ہوتی تو آج حافظ ملت کی شانِ استغنا اور ولد صالح کی تربیت ذہن وفکر دنیا پر آشکار نہ ہوتی اور عام انسانوں کی طرح آپ پر بھی حرص، شکم پروری اور زر اندوزی کے الزامات عائد کیے جاسکتے تھے، لیکن اس مرد حق آگاہ کے سامنے اپنے پیارے رسول محترم ﷺ کا ارشاد گرامی تھا "إنما الغنى غنى القلب" حافظ ملت ہمیشہ ابتغاے رزق حلال کے لیے محنت ومشقت اور نفس امارہ کے خود سر تقاضوں سے نفرت وبراءت کی تلقین فرماتے رہے:

زہد و تقویٰ چیست؟ اے مرد فقیر!
لا طمع بودن ز سلطان و فقیر
گر بدست آید ترا گنج نقود
ورنہ داری ہمت عالی چہ سود

حقیقی شادمانی:

الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی کے جشنِ تاسیس کے زریں موقعے پر دار العلوم اشرفیہ میں ابنائے قدیم کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انتہائی موثر اور رقت انگیز لہجے میں ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کوئی کاغذی اخبار واشتہار تو نہیں شائع کیا لیکن حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی، مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، علامہ ارشد القادری، علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری، مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی اور دیگر موجود ممتاز شاگرد وعلما کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ہیں میرے وہ زندہ جاوید اخبارات واشتہارات جنھیں میں نے بڑے اہتمام کے ساتھ خون جگر کی سرخیوں سے شائع کیا ہے، کاغذی اخبارات واشتہارات تو پڑھ کر ردی کی ٹوکریوں یا گندی نالیوں میں ڈال دیے جاتے ہیں، یا پھاڑ کر راستوں میں بکھیر دیے جاتے ہیں جو قدموں کے تلے آکر پامال ہوجاتے ہیں، لیکن یہ میرے وہ اخبارات واشتہارات ہیں جو نہ کسی کے پھاڑے سے پھٹ سکتے نہ راہوں میں پامال کیے جاسکتے اور نہ بادوباراں کی یورشوں سے معدوم ہوسکتے، نوٹ کرلو کہ عام کاغذی اخبارات و اشتہارات تو اپنے عارضی وجود کے ساتھ وقتی افادیت ہی کے حامل ہوتے ہیں، لیکن یہ میرے شائع کردہ

اخبارات واشتہارات تواپنے قیمتی وجود سے اور پھر اپنے تلامذہ کے تسلسل و توسط سے رہتی دنیا تک خلقِ خدا کے لیے صحیح معلومات کا ذریعہ اور رشد و ہدایت کا وسیلہ بنتے رہیں گے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

ع شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

نظریۂ بیعت وارادت:

حافظ ملت نے عشق و عرفان اور رشد و ہدایت کی شمعیں بھی فروزاں کیں اور نہ جانے کتنے طالبان حق و معرفت کو سلسلۂ بیعت میں داخل فرمایا، لیکن پیری و مریدی کو شکم پروری اور کسبِ معاش کا ذریعہ نہیں قرار دیا، یوں ہی پیشہ ور پیروں کی عام روش سے ہٹ کر شدید علالت کے دوران خیر خواہوں اور جاں نثاروں کے پیہم اصرار پر بھی صاحب زادۂ گرامی مولانا عبد الحفیظ سلمہ کو اپنا خلیفہ، جانشین نہیں نامزد فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اس منصب کے لائق ہوں گے، ان کی ذات میں ایسے اوصاف و محاسن پیدا ہو جائیں گے جو اس عہدۂ جلیلہ کے لیے درکار ہیں تو طالبانِ رشد و ہدایت خود ہی ان کی جانب متوجہ ہو جائیں گے اور حقیقت تو یہی ہے کہ

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر لائق میراث پدر کیوں کر ہو

اسلام میں پدرم سلطان بود کا زعم کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ذاتی فضائل و محاسن ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے:

پسر نوح با بداں بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد

اسی طرح عربی یونیورسٹی کی سربراہی کے سلسلہ میں بھی اختیار کلی کے باوجود حافظ ملت نے اپنے بعد کسی فرد کو متعین نہیں فرمایا، بلکہ اس کارِ اہم کو عوام و خواص کی صواب دید پر چھوڑ دیا کہ وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں کہ یہی اسلامی طریقۂ انتخاب اور صحتِ فکر و نظر کی دلیل ہے۔

مسائل شرعیہ کی وضاحت کا انداز:

آپ بیش تر مسائل شرعیہ کو نقلی دلیلوں کے ساتھ ساتھ عقلی دلیلوں سے بھی حل فرمایا کرتے تھے، چناں چہ قصبہ بھوج پور میں ماسٹر ابرہیم صاحب نے (جو نیکر پہننے کے عادی تھے) حضرت سے استفسار کیا کہ گھٹنے کھولنے کی ممانعت کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "الرکبۃ عورۃ" ماسٹر صاحب مطمئن نہیں ہوئے، فرمایا: کیا حدیث رسول پر ایمان نہیں؟ کہا: ضرور ہے، لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا،

عقل قبول نہیں کرتی۔ فرمایا کہ اچھا اب دل و دماغ کا اطمینان بھی حاصل کر لیجیے، بتائیے! اگر کوئی عضوِ بدن یا ہڈی ایک ہی ہو تو اس کا حکم یکساں ہونا چاہیے یا مختلف، کہا: یکساں، پوچھا کہ گھٹنے سے لے کر کولھے تک ایک ہی ہڈی ہے یا مختلف، کہا ایک ہی ہے، تو فرمایا کہ گھٹنے کے حصہ کو کھولتے ہوئے جب کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی تو آخر کولھے کے حصہ کو کھولنے میں عار کیوں ہے؟ اس عقلی استدلال پر ماسٹر صاحب جھوم اٹھے اور پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔

اصلاح ارباب حکومت:

موضع بجرڈیہا ضلع بنارس ایک جلسے میں ایک شعلہ بیاں مقرر نے حکومتِ وقت کے خلاف ایک پر جوش تقریر فرمائی، اربابِ حکومت کو یہ تقریر ناگوار ہوئی، سی. آئی. ڈی نے برہمی کے ساتھ تقریر نوٹ کی، سخت اندیشہ تھا کہ فی الفور گرفتاری عمل میں نہ آجائے اور جلسہ کا نظام درہم برہم نہ ہو جائے، اختتامِ تقریر پر حضور حافظ ملت مائک پر تشریف لائے اور حمد و ثنا کے بعد اپنی تقریر میں فرمایا کہ مجھ سے پہلے فاضل مقرر نے جو تقریر فرمائی ہے، میں اس کی مکمل تائید کرتا ہوں، خطیبِ محترم کا یہ کوئی باغیانہ اقدام نہیں ہے، بلکہ سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ حکومت کا مخلص اور ہم درد صحیح معنوں میں وہی ہے جو بے کم و کاست اس کے محاسن و معائب کی نشان دہی کرے اسقام و معائب پر سختی سے تنقید کرے تاکہ حکومت وقت جلد سے جلد ان نقائص کی اصلاح کر کے جمہوری قدروں کا تحفظ کر سکے اور عوام میں اعتماد و اطمینان کی کیفیت پیدا کر سکے، اس طرح حکومت کو استحکام حاصل ہوگا، اس کا وقار اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بڑھے گا اور جو لوگ محض خوبیوں ہی کو اجاگر کرتے ہیں، خامیوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں در اصل وہ مفاد پرست اور وطن دشمن ہیں، کیسے ممکن ہے کہ ایک مخلص اور بہی خواہ دوست خامیوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کرے اور صداقت کی بنیادوں پر حکومت کی استواری سے غفلت برتے۔

اس دانش مندانہ اور مدبرانہ طرزِ سخن کا یہ اثر ہوا کہ جلسہ پورے سکون کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، کسی طرح کی بدنظمی نہیں پیدا ہوئی اور شعلہ بیاں مقرر پیش آنے والے متوقع خطرات سے بھی ہر طرح محفوظ و مامون ہو گئے۔

جذبۂ ایمانی کی دائمی قوت و طاقت:

ایک بار اپنے برادر خرد جناب مولانا حکیم عبد الغفور صاحب سے آپ نے برجستہ یہ بصیرت افروز جملہ ارشاد فرمایا: (جب انھوں نے مشورہ دیا کہ اب آپ بڑھاپے کی منزل میں آگئے ہیں کچھ آرام کیجیے، یہ وقت آرام کا

ہے)"میاں مؤمن کبھی بوڑھا نہیں ہوتا" حکیم صاحب نے کہا کہ جب میں نے اس جملہ کی معنویت پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ مومن کا اصل جوہر ایمان ہے اور جب اصل جوہر ضعیف اور کم زور نہیں ہوتا تو واقعی مومن کیسے بوڑھا ہو سکتا ہے۔

حافظ ملت اور قید و بند:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو عملاً سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن تقسیم ہند کے انتہائی پر آشوب دور میں جب معاندینِ اسلام نے سیاسی لبادہ اوڑھ کر مذہبی اصولوں کو پامال کرنا چاہا تو آپ نے انتہائی ہمت و جرأت سے کام لے کر پورے سیاسی شعور کے ساتھ مذہبی اقدار کا تحفظ فرمایا جس کے نتیجے میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا، گرفتاری کے وقت آپ نے متبسم انداز میں فرمایا کہ الحمدللہ میں حق گوئی اور حق پرستی کے باعث گرفتار کیا گیا، چوری، شراب خوری یا کسی دوسرے اخلاقی جرم میں نہیں ماخوذ ہوا، ماضی میں ہمارے اسلافِ کرام بھی اس قسم کے مظالم کا شکار ہو چکے ہیں، دنیا نے دیکھ لیا کہ جیل خانے کی سلاخیں اور قید و بند کی صعوبتیں بھی اس مرد مجاہد کے افکار و خیالات کے رخ کو نہ موڑ سکیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ دورِ ابتلا و آزمائش ہی میں انسان کے گفتار و کردار کی صداقت کا امتحان ہوتا ہے، وہی شخص ہنگامہ دار و گیر میں ثابت قدم رہ سکتا ہے، جو عزم و استقلال کے ساتھ ساتھ تدبر و تفکر کی بھی بے پایاں صلاحیت رکھتا ہو، استقامت و عزیمت کے جذبات در اصل فکر راست اور عقل سلیم ہی کی بدلت پیدا ہوتے ہیں، وہ شخص کبھی بھی ثابت قدم اور مستقل مزاج نہیں رہ سکتا جو اپنے کاز کے لیے مخلص نہ ہو حالات و عواقب کا تجزیہ کر کے صحیح منطقی نتائج اخذ کرنے کی فکری صلاحیت اور ان پر عمل کرنے کا مجاہدانہ عزم نہ رکھتا ہو۔

انکساری و جفاکشی:

قصبہ گھوسی میں ایک عزیز خاص کی شادی کی تقریب میں شرکت کے بعد مئی کی انتہائی تیز اور چلچلاتی دھوپ میں شعلہ بار ہواؤں کے تھپیڑوں کو برداشت کرتے ہوئے دوسری میٹنگ میں درس کے وقت مبارک پور پہنچنے کے لیے پورے سازو سامان (جن میں ایک بستر، ایک ٹوکری اور ایک بیگ شامل تھا) کو خود ہی اٹھا کر بغیر کسی سواری کے پاپیادہ وہ بس اسٹیشن کے لیے روانہ ہوگئے۔ (یاد رہے کہ حافظ ملت ہر طرح کی صعوباتِ سفر برداشت کرتے ہوئے تعلیم کے اوقات میں مدرسہ پہنچ جانے کی سعی بلیغ فرمایا کرتے تھے)۔

اتفاق سے اسی عالم میں گھوسی کے ذمہ دار وہابی نے آپ کو دیکھا اور آپ کی سادگی و منکسر المزاجی سے اس

قدر متاثر ہوا کہ آج تک دیگر علما کے علی الرغم آپ کی اس خوبی کردار کو خراج عقیدت و محبت پیش کیا کرتا ہے۔

نوٹ: ناظرین کرام مذکورہ بالا واقعہ پر اہل گھوسی کو بد خلقی وقدر ناشناسی کا طعنہ دیں گے، لیکن یاد رہے کہ حافظ ملت کی قبل از وقت اور خلاف قیاس بلا اطلاع پاپیادہ روانگی پر احباب ومخلصین کو بے حد ملال ہوا، اور بوقت ملاقات راقم الحروف نے انتہائی خجالت کے ساتھ حضرت سے اس طرح اچانک روانہ ہوجانے کا سبب دریافت کیا، حضرت نے انتہائی محبت آمیز لہجے میں ارشاد فرمایا کہ شادی بیاہ کا معاملہ تھا، میں نے سوچا کہ آپ لوگ ضرورت سے زیادہ مصروف ہوں گے یا کثرت کار کے باعث تھک کر تھوڑی دیر کے لیے آرام کر رہے ہوں گے، اگر میں اطلاع دوں گا تو آپ لوگوں کو میری وجہ سے خواہ مخواہ زحمت اٹھانی پڑے گی، اس کا قطعی خیال نہ کریں، میں نے آپ لوگوں کو اپنا سمجھ کر ہی ایسا کیا، حضرت کے اس ارشاد گرامی کے بعد بھلا اور کیا عرض کیا جا سکتا تھا، ہمیں اس موقعے پر بے ساختہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت مقدسہ کے چند گوشے یاد آجاتے ہیں، خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے بھی جب آپ خادموں کے بے حد اصرار کے باوجود اپنے دوش مبارک پر سامان رسد لاد کر رعایا کے گھروں تک پہنچادیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کا تازیانہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑتا ہے جس کو اٹھانے کے لیے آپ بنفس نفیس اونٹ کی پشت سے نیچے اتر پڑتے ہیں اور اپنے معمولی سے کام کے لیے بھی کسی کا احسان لینا گوارا نہیں فرماتے۔

حافظ ملت کے اس طرز عمل کو ہم کسر نفس و جفاکشی اور اتباع اسوہ حسنہ کا نام دیتے ہیں، غور فرمائیے کہ ایسے موقعوں پر انسان اپنے کمالات و درجات کا پاس ولحاظ کرتا ہوا نمود و نمائش کا مظاہرہ کرتا ہے، بر سر عام ایسے امور کی انجام دہی کو کسر شان تصور کرتا ہے، اظہار شان و شوکت کے لیے عقیدت مندوں اور خادموں کا قافلہ ساتھ لے کر چلتا ہے، لیکن قربان ایک مرد بے ریا کے جو تمام آسائش و راحت کے ذرائع ہوتے ہوئے غرور و تکبر کے سفلی جذبات اور نفسانی خواہشات کو کچل کر ضبط نفس کا شان دار مظاہرہ کرتا ہے۔

حافظ ملت کی حقیقت بیں نظروں سے یہ نکتہ پوشیدہ نہ تھا کہ جھوٹی شان وشوکت تو ظاہری رکھ رکھاو پر ہی منحصر ہوتی ہے، لیکن اصل عزت وعظمت تو خلوت و جلوت میں خوبی کردار اور حسن عمل سے ظاہر ہوتی ہے، یہ تو شاہ راہ عام کی بات تھی جہاں بعض عیار و مکار سادہ لوح عوام کو متاثر کرنے اور ان کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کے لیے ایسے حربے استعمال کر لیا کرتے ہیں، لیکن حقیقت واصلیت کی شناخت تو جلوت کی زندگی کے ساتھ

ساتھ خلوت کی زندگی کے کارناموں کو دیکھ کر ہوتی ہے اور ہم پورے دعوے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حافظ ملت کی ظاہری و باطنی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا، خلوت میں بھی آپ اسی طرح سادگی پسند اور منکسر المزاج تھے جتنے جلوت میں تھے، خلوت کی زندگی کا حال یہ تھا کہ انتہائی ضعف و نقاہت کے عالم میں بھی آپ ساری ضرورتیں خود سے پوری کر لیا کرتے، اہل خانہ منع کرتے اور اصرار کرتے کہ جب کوئی ضرورت پیش آئے حکم فرمادیا کریں، ہر ضرورت بلا تاخیر پوری کر دی جائے گی، لیکن آپ فرماتے کہ جب تک کام کرنے کے لائق ہوں دوسروں کو زحمت دینا پسند نہیں کرتا، جب اس لائق نہ رہ جاؤں گا تو تم لوگ خدمت کر لینا، حد تو یہ ہے کہ شدت ضعف کے باعث بہ مشکل پانی کی مشین چلا پاتے، لیکن جب پانی کی ضرورت محسوس کرتے خود ہی مشین سے پانی نکالتے۔

خانگی زندگی کا نقشہ یہ تھا کہ جب کوئی مہمان آتا، خواہ آپ سے بزرگ ہو، ہم عصر ہو یا چھوٹا ہو، بلا استثنا ہر ایک کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے سامانِ خورد و نوش لاتے اور حق ضیافت ادا فرماتے، اگر اہل خانہ موجود نہ ہوتے تو اپنے ہی ہاتھوں سے بتقاضائے موسم چائے یا شربت تیار کرتے اور مہمانوں کی خدمت میں پیش کرتے، شاگرد یا مہمان شرمندگی کے ساتھ اس زحمت فرمائی سے منع کرتے اور خود اپنے ہاتھوں سے ہر کام انجام دینے کی کوشش کرتے، لیکن آپ بہ حیلۂ لطیف انھیں باز رکھتے۔

غور فرمائیے کہ حافظ ملت نے کس تدبر و مآل اندیشی کے ساتھ قدم قدم پر اپنے طرز عمل سے اہل خانہ و دیگر لواحقین کے دلوں میں خود نمائی و تن آسانی کے سطحی جذبات کے بجائے منکسر المزاجی و جفاکشی کے پاکیزہ و مقدس جذبات و احساسات کو برانگیختہ فرمایا۔

ایجاز بیانی:

ایک مرتبہ چند ذی علم احباب کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ جب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان کی اپنی مشہور و معروف کفریہ عبارت میں ترمیم و تنسیخ کر دی اور اپنی مراد بھی متعین کر دی اور اہانت رسول سے اپنی براءت و بے زاری بھی ظاہر کر دی اور "بسط البنان" و "تغیر العنوان" نامی رسائل لکھ کر اپنی صفائی بھی پیش کر دی تو مولوی اشرف علی تھانوی کی تکفیر و تضلیل کیوں کی جاتی ہے؟ یہ بحث طول اختیار کر گئی اور تا دیر ہم لوگ اس کے مختلف گوشوں پر الجھتے رہے لیکن کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکے، حسن اتفاق سے حضور حافظ ملت، صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے عرس مبارک میں شرکت کی غرض سے گھوسی تشریف لائے، بڑا گاؤں بازار کی مسجد میں نماز مغرب ادا فرمائی اور ناچیز کے مطب میں تشریف لائے، ہم لوگوں نے

موقع غنیمت جانا اور متنازعہ فیہ مسئلے کے بارے میں حضرت سے استفسار کیا گیا، آپ نے سر جھکائے ہوئے پورا اعتراض بغور سماعت فرمایا اور پھر سر کو قدرے اوپر اٹھاتے ہوئے ہم لوگوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور مخصوص لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ عنوان کے بدلنے سے معنون نہیں بدلتا، ہم لوگ اس جملہ کی معنوی گہرائی تک پہنچنے سے قاصر رہے، میں نے مؤدبانہ عرض کیا: حضور! اس جملے کی توضیح وتشریح فرمادیں، مفہوم سمجھ میں نہیں آیا، فرمایا کہ جس عبارت اور جملے پر حکم کفر عائد کیا گیا ہے، جب اس کی کوئی صحیح تاویل وتوجیہ ممکن نہیں تو جب تک قائل اپنے سابقہ قول سے رجوع نہ کرے، توبہ کا اعلان نہ کردے، حکم کفر باقی رہے گا، چاہے بعد میں ان عبارتوں میں لاکھ ترمیم وتنسیخ کرتا رہے، بعد از توبہ ہی عبارتوں کی جائز ترمیم وتنسیخ معتبر ہو سکتی ہے، اس معقول ترین توجیہ وتشریح پر ہم لوگ کلیتہً مطمئن ہوگئے اور دل ہی دل میں حافظ ملت کی ذہنی بالیدگی وایجاز بیانی کی داد دیتے رہے۔

تصویر کا مسئلہ:

حضور مدت مدید سے حرمین شرفین کی زیارت کے لیے مشتاق ومضطرب تھے لیکن تصویر کشی کا مسئلہ مانع ہوتا رہا، آپ کا خیال تھا کہ کسی فرض، واجب یا سنت کی ادائگی کے لیے فعل حرام کا ارتکاب کسی طرح بھی درست نہیں، حج بیت اللہ شریف بشرط استطاعت فرض ہے، لیکن فوٹو کھنچوانا شرعاً حرام ہے؛ اس لیے آپ بغیر فوٹو کے حج کے مقدس فریضے کو انجام دینے کی کوشش فرماتے رہے، آخر کار کافی تگ ودو کے بعد بفضلہٖ تبارک وتعالیٰ آپ کو اپنے نیک مقصد میں کامیابی حاصل ہوگئی اور بغیر کسی فوٹو کے آپ نے دیار مقدسہ کی زیارت سے دیدہ ودل کی تشنگی بجھائی، کاش حافظ ملت کے اس رویۂ فکر ونظر کو مشعل راہ بنا کر مسلمانان عالم حج کی ادائگی کے لیے اپنی اپنی حکومتوں اور حکومت سعودیہ عربیہ سے فوٹو کی غیر اسلامی وغیر شرعی پابندی کو ختم کردینے کا مطالبہ کرتے۔

آج جب کہ مختلف بلاد اسلامیہ مذہبی واقعات وشخصیات پر مبنی فلمیں بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ناروا جسارت کر رہے ہیں اور اسلامیان عالم کے شدید احتجاج واشتعال کے باوجود اپنی ناشائستہ حرکتوں سے باز نہیں آرہے ہیں اور برملا فریضۂ حج کی ادائگی کے لیے تصویر کشی کے جواز سے اپنی فلموں کا جواز پیدا کر رہے ہیں تو ہمیں حافظ ملت کی بے پناہ فکری صلاحیتوں کی داد دینی پڑتی ہے، جنھوں نے اپنے قول وعمل سے اس قسم کے مذہبی فتنوں کے خلاف شدید احتجاج فرمایا۔

حرف آخر اور اظہار حقیقت:

حافظ ملت کی غیر معمولی شخصیت کے یہ چند مظاہر محض تیمناً ہدیۂ ناظرین کرنے کی جسارت کی ہے،

ورنہ حق تو یہ ہے کہ آپ کی ذکاوت وفراست، شخصی گہرائی وگیرائی کا صحیح اندازہ لگانا، آپ کے تدبر و تفکر پر مبنی واقعات کا احاطہ کرنا اور آپ کی فکری صلاحیتوں کو کما حقہ اجاگر کرنا مجھ جیسے کم فہم و بے بضاعت انسان کے بس کی بات نہیں۔

گمان مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ نا خوردہ در رگ تاک است

حافظ ملت ایک عظیم انسان

عاصم گونڈوی، ایڈیٹر: تاج ور، گورکھ پور

تعارف مقالہ نگار:

عاصم گونڈوی صاحب ایک اچھے قلم کار اور شاعر ہیں۔

ولادت: یکم جولائی ۱۹۴۹ء بمقام نوادہ ضلع گونڈہ۔

تعلیم: حفظ و قراءت کے بعد ادیب، ماہر، کامل، جامعہ اردو علی گڑھ، منشی و کامل الہ آباد بورڈ اور میٹرک پٹنہ بہار سے کیا۔

خدمات: فراغت کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم پرانا گورکھپور میں تدریسی خدمات پر معمور ہوئے اور بہترین خدمات انجام دے کر ۲۰۰۹ء میں سبکدوش ہو گئے، تدریس کے علاوہ موصوف کو قلم سے خاص شغف ہے، صحافت سے بھی دلچسپی رکھتے تھے، موصوف کے کئی دیوان اب تک منظر عام پر آچکے ہیں۔

غالباً ۱۹۶۱ء کی بات ہے، اپنے محترم دوست قاری عبد الحکیم صاحب کی وساطت سے حضور حافظ ملت علامہ الحاج شاہ عبد العزیز صاحب قبلہ (علیہ الرحمۃ) کی بارگاہ تک میری رسائی ہوئی اور اسی وقت مجھے بھی شرفِ بیعت سے سرفراز فرما کر حافظ ملت نے فلاح دارین کی دعائیں دیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اس وقت حافظ ملت کو ایک "عام پیر" سمجھ کر میں مرید ہوا تھا کیوں کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی خاص جان کاری نہ تھی، لیکن بیعت ہو جانے کے بعد جیسے جیسے ان سے قربت بڑھتی گئی، ان کے ظاہر و باطن کی یکسانیت کا یقین پختہ ہوتا گیا اور آخر میں، میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسی شخصیت صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

حافظ ملت ایک عظیم انسان تھے، انھوں نے جس دیانت داری، سچائی، نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ دین وملت کی خدمت کی اس کی مثال ملنا مشکل ہے، اگر آپ کی جگہ پر کوئی دوسرا ہوتا تو کم از کم اپنے آخری ایام میں اپنے ورثا کے دنیاوی مفاد کے پیش نظر اتنی تو وصیت کر ہی جاتا کہ اس کو کسی ایسی جگہ سپرد خاک کیا جائے جو گھر والوں کے لیے قریب ہو، لیکن حافظ ملت کے ضمیر نے اس کو گوارا نہ کیا کہ "عرس" کی آمدنی سے ان کے

جانشین اور وارثان کی پرورش ہو، چناں چہ حضرت کو "الجامعۃ الاشرفیہ" کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں سپرد خاک کیا گیا، جہاں ہر سال عرس کی تمام آمدنی اس قومی ادارے اور ملکیت کے کام آیا کرے گی، جسے عربی یونیورسٹی یا الجامعۃ الاشرفیہ کہتے ہیں اور جس کے قیام ترقی میں حضرت حافظ ملت کا خون جگر شامل ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ اس طرح حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنا وارث وجانشین بنادیا، اس ادارے کا قیام حافظ ملت کا وہ قومی وملی کارنامہ ہے جس کو تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا۔

حق وباطل کی جنگ ہمیشہ اور ہر دور میں رہی ہے اور ہر قوم کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مصلح بھی پیدا فرمایا ہے، اس اصولِ فطرت کے مطابق حافظ ملت بھی باطل کی تیز وتند آندھیوں سے نبرد آزما رہے اور آپ نے عمر بھر حق کے اس چراغ کی لو مدھم نہ ہونے دی جس کو سرور کائنات ﷺ نے روشن کیا تھا، ذرا تصور فرمائیے، مدرسہ اشرفیہ سے لے کر دارالعلوم اشرفیہ اور پھر الجامعۃ الاشرفیہ تک کیسے کیسے ہمت شکن حالات پیدا ہوئے، کتنی مصیبتیں اور رکاوٹیں سامنے آئیں، مالی بحران کے ساتھ اپنوں اور غیروں کی بے جا مداخلت ہوئی اور دیگر طرح طرح کی دقتوں او پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن یہ حافظ ملت جیسے اولوالعزم مرد مجاہد کی ذات گرامی تھی کہ جس نے راہِ ترقی کی ہر دشواری کو خندہ پیشانی سے نہ صرف جھیلا بلکہ ان پر قابو حاصل کر کے دنیا کو یہ درس دے گئے کہ

عزم صمیم ہو تو نظر آئے کوہ کاہ
راسخ نہیں ارادہ تو تنکا پہاڑ ہے

حضرت علیہ الرحمہ زندگی کے ہر شعبے میں بہت محتاط رہے، احتیاط پسندی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ بغیر فوٹو کے سفر حج وزیارت کا عہد کیے ہوئے تھے اور قدرت نے ایسا موقع فراہم بھی کر دیا کہ آپ بغیر فوٹو کے حج وزیارت کا شرف حاصل کر آئے، جب سے فوٹو لازم ہوا شاید یہ پہلا واقعہ ہے جب کسی مرد نے بغیر فوٹو کے حج کیا ہو۔

حضرت حافظ ملت کم سخن تھے، لیکن جب بات کرتے تو نہایت سنجیدہ اور نپی تلی، فضول باتوں میں وقت گزاری کرنے کی مطلق عادت نہ تھی، مجلس میں لوگوں سے گفتگو کے دوران وقفہ یا اس کے بعد کے وقتوں میں ہمیشہ قرآن کی تلاوت کرتے رہتے، ہر ملنے والے سے اس خندہ پیشانی سے ملتے کہ اس کو یہ گمان ہونے لگتا کہ حافظ ملت مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے، سفر ہو کہ حضر ان کے معمولات میں کوئی فرق نہ آتا تھا، وہ تہجد کی نماز ہمیشہ پڑھتے تھے، اکثر دیکھا جاتا کہ تقریری پروگراموں میں دور دراز کا سفر کر کے پہنچتے اور ڈیڑھ دو بجے جلسہ

ختم ہونے کے بعد بستر استراحت پر جاتے اور اس کے بعد تین بجتے بجتے مصلے پر کھڑے پائے جاتے، وعدے کے ایسے پابند کہ بخار کی حالت میں بھی سفر سے گریز نہیں کرتے، جب کوئی دینی مبلغ یا مدرس اپنے اس کام کو ترک کر کے تجارتی ذریعۂ معاش اختیار کرنے کی بات کہتا تو حضرت اس کے اس خیال اور اارادے کی پر زور تردید کرتے اور فرماتے کہ "دنیا میں تجارت پیشہ لوگوں کی کمی نہیں، لیکن دینی مبلغین و مدرسین کی تعداد بہت کم ہے، دنیا کو آپ جیسے دین کے سچے خادم کی سخت ضرورت ہے؛ اس لیے اپنا کام صبر وضبط سے اللہ پر بھروسا کر کے کرتے رہیے۔"

آپ کی مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ میں دار العلوم اشرفیہ پہنچا، حضرت سے ملاقات ہوئی، اس وقت ایک میزبان کی حیثیت سے جس خندہ پیشانی، جس خلوص و محبت اور شفقت و عنایت کا مظاہرہ فرمایا میں اس کے بیان سے قاصر ہوں، مجھے وہاں سے مہراج گنج ضلع گیا جانا تھا، دوسرے دن صبح میں قاری عبد الحکیم صاحب کے کمرے میں تھا کہ حافظ ملت اپنے ہاتھ میں ایک بنڈل لیے ہوئے تشریف لائے اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ لیجیے راستے کا توشہ ہے" یہی حسن سلوک ان کا ہر ایک کے ساتھ تھا۔

حافظ ملت حسن اخلاق کے پیکر، علم کے دریا، عزم کے پہاڑ تھے اور چوں کہ عملی راہ زندگی کو سختی سے اپنائے ہوئے تھے؛ اس لیے ان کی تدریس، تحریر، تقریر میں لوگوں کے لیے بے انتہا کشش تھی، میانہ روی اور طبیعت کی نرمی نے ان کو ہر دل عزیز بنا دیا تھا، جہاں نکلتے، جس طرف جاتے ساتھ میں عقیدت مندوں اور شاگردوں کا ایک ہجوم ہوتا، آپ کے شاگردوں اور حلقۂ ارادت میں شامل لوگوں کی ایک بہت بڑی فہرست ہے، آپ کے شاگردوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو شیخ الحدیث اور مفتی جیسے اہم عہدوں پر فائز ہیں اور دوسرے بے شمار حضرات ہند و بیرون ہند میں دینی تعلیمی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

کہتے ہیں کہ اللہ کا ولی جب واصل بحق ہو جاتا ہے تو اس کی روحانیت درجۂ کمال کو پہنچتی ہے، حافظ ملت اب ہم میں نہیں ہیں، لیکن ہمارے دلوں میں اگر خلوص ہے، ان کی محبت ہے، تو یقیناً ہم آج بھی ان کے فیوض و برکات سے محروم نہیں رہ سکتے۔

آبروے قوم وملت

مولانا حافظ محمد عبید اللہ خاں خالص پور، ضلع اعظم گڑھ

تعارف مقالہ نگار:

مولانا عبید اللہ خان اعظمی حضور حافظ ملت کے تربیت یافتہ اور میدان خطابت کے درخشندہ ستارے کا نام ہے۔

ولادت: ۱۱؍مارچ ۱۹۴۹ء بمقام خالص پور ضلع اعظم گڑھ

تعلیم: ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کر کے بقیہ تعلیم جامعہ اشرفیہ میں حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد میدانِ خطابت میں قدم رکھا اور اپنے بے باک انداز سے مذہب اسلام وسنیت کی بہترین تبلیغ کی، خطابت کے ساتھ سیاست کو بھی اپنی جولان گاہ بنایا اور اٹھارہ سال تک مسلمانان ہند کی پارلیمنٹ میں کامیاب نمائندگی کی، موصوف ایک زبردست قلم کار بھی ہیں سالوں سے روزنامہ انقلاب کے کام نگار ہیں۔

حضرت مولانا!　　　　ہدیۂ سلام واحترام

عدیم الفرصتی ہمیشہ مانع رہتی ہے، بہرحال حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں چند حروف خراج عقیدت کے بطور پیش ہیں، حافظ ملت نمبر میں اس طرح خادم کو بھی شریک کر لیں خریدار یوسف بن کر صرف مصر کے بازار میں قدم رکھا ہے تاکہ غلاموں کے زمرے میں اور ان کے ثنا خوانوں میں چہرہ لکھ لیا جائے، ورنہ حضور حافظ ملت کی تعریف و توصیف ہم جیسوں کے لیے چھوٹا منہ بڑی بات ہے، ایسے درویش صفت رہ نما کی زندگی کی عکاسی کوئی حکیم الامت ہی کر سکتا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

احباب کو خصوصاً حضور عزیز ملت اور حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ کو سلام سنت پیش ہے۔

والسلام

عبید اللہ خاں اعظمی، مٹیابرج، کلکتہ ۲۴

آبروے قوم و ملت پیکر صدق وصفا

یاد کر کے تم کو ساری قوم روئے گی صدا

رہ نمائے ملت، معمارِ قوم، شیخ الحدیث، فقیہ بے بدل، مشائخ کے امیر و سلطان، شہریار علم و حکمت، مطلع فکر و نظر، پیکر اخلاص و الفت، سادگی کے مجسمہ، مرد کامل، تقویٰ شعار، بیعت کے تاج دار حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز شیخ الجامعۃ الاشرفیہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

یعنی وہ شمع خاموش ہو گئی جس کی روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کا درماندہ کارواں بہت تیزی سے اپنی منزلیں طے کر رہا تھا، افسوس! وہ انسانی سہارا جاتا رہا جو حالات کی تاریکیوں میں امید کا سورج بن کر چمکتا تھا، لوگوں کی مصیبتوں کو سن کر تڑپ جانے والا ایک دل تھا جو ٹھہر گیا، آزادی اور بے باکی کی ایک آواز تھی جو ڈوب گئی، فکر و عمل کا ایک آفتاب تھا جو غروب ہو گیا، حضو حافظ ملت کا جنازہ جسے قوم اپنے کاندھوں پر اٹھا کر عربی یونیورسٹی کے وسیع میدان میں لائی اور علم و فضل، شعور و آگہی کے اس تابناک شہر میں سپرد خاک کر دیا جس شہر نگارش کی بنیاد خود حافظ ملت نے ڈالی تھی:

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ہزاروں انسانوں کا ایک ہجوم اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو معمار قوم، محسن اہل سنت حضور حافظ ملت نیز قومی رہنما کو دل کی تمام سوگواریوں کے ساتھ رخصت کرنے آیا تھا اور اس ہجوم میں میری نظر تصور یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ حافظ ملت کے جنازے کے ساتھ مبارک پور کی چالیس سالہ تاریخ بھی تھی جو انھیں بصد حسرت و یاس پرانے مدرسے سے الجامعۃ الاشرفیہ کے وسیع میدان تک رخصت کرنے آئی تھی، علم و فضل کا شہر سنسان سوگوار تھا، الجامعۃ الاشرفیہ کی فلک بوس عمارت اپنے محسن کا جنازہ دیکھتے ہی وفور غم میں ڈوب گئی، یہ اس لیے کہ حافظ ملت اس عہد میں اس سلسلے کی ایک کڑی تھے جو اعلیٰ حضرت تاج دار اہل سنت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے افکار و خیالات سے شروع ہوتا ہے اور جس کا دامن ان گنت انقلابی، سیاسی، تعلیمی اور مذہبی تحریکوں پر پھیلا ہوا ہے۔

حافظ ملت کی شخصیت ایک ایسی شخصیت تھی جسے دور قدیم و جدید کا سنگم کہا جائے، ان کی شخصیت دین و دنیا مذہب اور عقل یعنی دوسرے لفظوں میں جام شریعت اور سندان عشق کا ایک ایسا خوش گوار امتزاج پیدا ہو گیا تھا جو اس زمانے میں خال خال اشخاص کے یہاں ملتا ہے، انھوں نے ایک طرف علماے اہل سنت کی پر وقار مجاہدانہ روایات کے ساتھ دشمنان مصطفی ﷺ کی بغاوت کو کچلا اور دوسری طرف قوم و ملت کے تحفظ کے لیے اپنی زندگی وقف کی اس طرح وہ بیک وقت مختلف النوع مذہبی، تعلیمی، ثقافتی، لسانی، تصنیفی، انجمنوں، اداروں کے فعال رکن تھے، ملک و ملت کی تاریخ پر ان کی شخصیت ان کی انتھک جدوجہد، ان کی ذہانت، ان کی معاملہ فہمی اور ان کی گہری و اثر آفریں انسانیت کی چھاپ ہے اس درد کا مطالعہ ان کی شخصیت کے مطالعے کے بغیر نامکمل رہے گا، حضور حافظ ملت کی شخصیت کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی جرأت اور بے خوفی تھی، حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے تھے، ہم سب مذہبی انسان یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم خدا کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے لیکن لگتا یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا سب سے ڈرتے ہیں۔

اس طرح مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی یہ خصوصیت نئی تعلیم والوں کے لیے ایک لمحۂ فکریہ مہیا کرتی ہے کہ اب تک اس قوم کی کوئی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے تو انھیں لوگوں نے دی ہے جنھوں نے مکتبوں اور مدرسوں میں چٹائیوں پر بیٹھ کر تحصیل علم کیا تھا، حافظ ملت ایک غریب اور گم نام خاندان کے چشم و چراغ تھے، ابتدائی تعلیم اپنے بھوج پور ضلع مرادآباد میں پائی، تعلیم بھی انھوں نے پرانے طرز کی پائی تھی مگر کام وہ کر گئے جو کالج اور یونیورسٹی کی فلک بوس عمارتوں میں تعلیم پانے والوں سے نہ ہو سکا، کیا اسے ہم مکتب کی کرامت کہہ سکتے ہیں؟ یا بلاشبہہ یہ فیضان نظر تھا۔

حافظ ملت کی طبیعت میں فقرا جیسی سادگی اور بوریہ نشیں بزرگوں جیسا انکسار و وقار تھا، وہ ایک ایسے درویش تھے جس کی خانقاہ میں کوئی دربان نہیں ہوتا، پرانا مدرسہ اس درویش کی خانقاہ تھی جس کے دروازے موافق اور مخالف، امیر و غریب، مسلم و غیر مسلم، مقیم و مسافر سب پر ہر وقت کھلے رہتے تھے، حافظ ملت نے اپنی امنگوں کو قوم کی امنگوں سے، اپنی ضرورتوں کو قوم کی ضرورتوں سے کچھ اس طرح ہم آہنگ کر دیا تھا کہ ان کی انفرادی زندگی، جماعتی زندگی اور جماعتی زندگی، انفرادی زندگی بن گئی تھی، مبارک پور کا ذرہ ذرہ اس بات کا گواہ ہے، بقول شخصے: (لوگ اپنے لیے ہوتے ہیں، حافظ ملت سب کے لیے تھے) دیکھنے والوں نے حضور حافظ ملت کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی، بڑھاپا دیکھا، تندرستی و بیماری میں دیکھا، ایک

کچے مکان میں چند بچوں کو پڑھاتے بھی دیکھا، ایک عظیم دارالعلوم کی تعمیر کرتے بھی دیکھا یہی نہیں بلکہ ایک فلک بوس پر شکوہ عمارت جسے عربی یونیورسٹی کے عظیم الشان نام سے ہم یاد کرتے ہیں جو حقیقت میں ہم ہندوستانیوں کی ناک کہی جاسکتی ہے، علما کے جھرمٹ میں دیکھا، اکابر کے حضور میں دیکھا، تلامذہ کے اجلاس میں دیکھا، معاصرین کے زمرے میں دیکھا، واردین و صادرین سے ملتے جلتے دیکھا، خلوت و جلوت میں دیکھا، سفر و حضر میں دیکھا، عابدوں میں دیکھا، زاہدوں میں دیکھا، شیوخ طریقت کی پرنور انجمنوں میں دیکھا، غرض ان کی زندگی کے ہر ہر گوشے سے درویشی و بزرگی کی شان ٹپکتی نظر آتی، درویش صفت عوامی رہنما کی یہی شان ہوتی ہے اور یہی شان دائم و قائم رہتی ہے، کتنی سچی بات کہی ہے علامہ اقبال نے:

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خدا کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

حافظ ملت کے بعد بھی وہی اشرفیہ ہے، وہی عربی یونیورسٹی ہے، وہی زمین اور وہی آسمان ہے، آفتاب اسی طرح چمکے گا اور چاند اپنی چاندنی سے فضا کو اسی طرح روشن و منور کرتا رہے گا، دیکھنا یہ ہے کہ اب اس آب و گل سے پھر کسی حافظ ملت کی تخلیق ہوتی ہے یا نہیں۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حافظ ملت کا عزم وثبات

مولانا حبیب الزماں امجدی

مبارک جیسے ایک چھوٹے سے قصبے میں دارالعلوم اشرفیہ کی تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری خدمات کے سلسلے میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی زندگی کے جو لمحات گزارے وہ سراسر آزمائش اور امتحان کے لمحات تھے، آپ نے بغور دیکھا کہ ایک جماعت کی تاریخ بن اور بگڑ رہی ہے، جس کے نتائج و اثرات آپ کی مغلوب نہ ہونے والی فکر میں جذب ہوتے رہے اور آپ عملی طاقت کا ایک ایسا کوہ گراں بنتے جا رہے تھے، جسے مخالفت کی کوئی طاقت متزلزل نہ کر سکے، آپ کی شخصیت عزم وثبات کا ایسا مہ کامل بن کر افقِ عالم پر ابھرنے والی تھی جس کی تابندہ ضیاؤں کو چھپایا نہ جا سکے، طرفہ یہ کہ غیروں سے زیادہ اپنوں نے آپ کی عملی زندگی کے ہر نازک مرحلے میں آپ کے عزم وثبات کو اپنی منظم سازشوں اور غیر اخلاقی حرکتوں سے شکست دینے کی ناکام کوششیں کیں اور ہر راہ سے آپ کی قوت عمل کو مفلوج کرنے کی انتھک کوششیں کرتے رہے، لیکن زندگی کو بامقصد بنانے میں علت و معلول کے جو رشتے قائم ہیں اور اسباب و نتائج کی جو غیر مرئی زنجیریں پھیلی ہوئی ہیں ان کا آپ نے بھرپور لحاظ فرمایا اور ان کی اخلاقیت کو اپنا لیا؛ اسی لیے آپ نے اپنی مبارک و مسعود زندگی میں وہ سارے دکھ، درد، مصائب و آلام برداشت فرمائے، اور اذیتوں، صعوبتوں، پریشانیوں کی وہ ساری راہیں طے فرمائیں جو نامساعد حالات اور اہل زمانہ کی ستم ظریفیوں کی بنا پر وجود میں آ گئی تھیں اور آپ نے یہ تمام اوصاف و کمالات اپنے اعلیٰ کردار پر بھرپور اعتماد اور اپنے عزم وثبات کی بلندیوں سے جو شعوری اور غیر شعوری طور پر آپ کی پرکشش شخصیت کا جزء لاینفک بن گئے تھے حاصل کیے تھے؛ اسی لیے آپ کا جو اقدام عمل واقع ہوا اس میں کسی قسم کی کوئی نمائش اور ظاہر داری کو کوئی دخل نہ ہوا بلکہ آپ کی تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری سرگرمیوں سے خیر وبرکت کے وہ نمایاں گوشے اجاگر ہوئے جو اپنوں اور غیروں کے لیے نمونۂ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ کے عزم وثبات، جہدِ مسلسل کی یہی وہ بلند خوبیاں تھیں کہ دارالعلوم کی غیر معمولی شہرت اور ترقیوں کے بعد

جب آپ نے "الجامعۃ الاشرفیہ" کی تعمیر نو اور منزل کی جانب پیش قدمی کا مژدۂ جاں فزا سنایا اور اس ایک وسیع خاکو قوم کے سامنے پیش فرمایا تو اس موقعے پر بھی اگر چہ حاسدوں نے راہ میں روڑے اٹکائے، مگر آپ کا عزم وثبات محکم ہر گام پر آپ کا معاون ثابت ہوا، آپ کے اندر جو خداداد قوتیں اور عملی صلاحتیں کار فرماتھیں وہ اپنی ذات کے مفاد کے لیے نہ تھیں بلکہ آپ کے کارخانۂ حیات میں جو کچھ تھا وہ الجامعۃ الاشرفیہ کے تمام تر تعمیری پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تھا تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے یہ عظیم علمی درس گاہ مشعلِ علوم وفنون ثابت ہو سکے؛ چناں چہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کے سلسلے میں سخت علالت، خرابی صحت اور حد درجہ ناتوانیوں کے باوجود فراہمی سرمایہ کے لیے آپ کا ہمہ وقت سرگرم رہنا اس امر کی غمازی کر رہا ہے کہ آپ کی حیثیت دیوان گان عشق کی سی تھی جو اپنے لیے نہیں بلکہ اپنے مقصود کے لیے جیتے ہیں اور فی الحقیقت الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کے لیے یہ دیوانگی صرف آپ ہی کی تنہا ذات تک محدود نہیں تھی بلکہ آپ کے ان سارے افراد میں بھی یکساں سرایت کر گئی تھی جو آپ کے ساتھ ساتھ تھے اور وہ بھی آپ کے دوش بدوش اس عظیم مقصد کی کامیابی کے لیے اپنی اپنی قربانیاں پیش کر رہے تھے، گویا وہ افراد آپ کی اس نمایاں تحریک عمل کے جز بن گئے تھے۔

الغرض الجامعۃ الاشرفیہ کے مبارک سنگ بنیاد کے سلسلے میں جب آپ نے مسلمانوں کو آواز دی تو اگر چہ آپ کی یہ نحیف آواز کم زور تھی لیکن اپنے آفاقی اثرات ونتائج کی حیثیت سے یک گونہ ہمہ گیر تھی، جس کی سحر انگیزیوں نے لوگوں کے دل ودماغ کو اس طرح مسحور کر لیا کہ ہر فرد واحد بے ساختہ پکار اٹھا کہ زندہ باد اے ارض مبارک پور! بے شک ہم آقاے نعمت حضور حافظ ملت کی اس ایک صداے بازگشت پر تیری مقدس و پاکیزہ آغوش میں جملہ علوم وفنون کا ایک شہر آباد کریں گے، دنیا نے دیکھا کہ مبارک پور جیسے ایک الگ تھلگ حلقۂ ارض پر ایک بوڑھے مرد مجاہد کی ایمانی توانائیوں اور چالیس سالہ کام یاب زندگی کی مسلسل جاں فشانیوں کی بدولت یادوں کے سہارے طلب گاران علوم وفنون کے لیے الجامعۃ الاشرفیہ جیسے مرکز علم وادب کی بنیاد ڈال دی گئی اور شب وروز اس کار عظیم کو بام ارتقا تک پہنچانے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔

ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم سے آتش

طوق و زنجیر سے ہوتا نہیں زنداں آباد

اب زمانے کو چاہے اس کا یقین ہو یا نہ ہو کہ ایک فرد حق آگاہ حافظ ملت کے عزم وثبات ایمانی توانائیوں اور چالیس سالہ جاں فشانیوں کا مقصود صرف الجامعۃ الاشریہ کا قیام تھا، لیکن مبارک پور کے وسیع و

عریض خطۂ ارض پر علوم وفنون کا یہ جیتا جاگتا شہر جب تک آباد رہے گا آنے والا مورّخ کبھی اس کو فراموش نہیں کر سکتا، یہی اس کی زندگی کا آخری نصب العین تھا، آج بھی الجامعۃ الاشرفیہ کی مقدس آغوش میں آپ کا مرقد پرانوار ہے، جامعہ میں نکہت ونور کا نمودار ہوتا ہوا ہر سویرا گواہ اور بے قرار دلوں کی ایک مخفی کائنات زبان حال سے اس بات کی شاہد ہے کہ آپ عالم برزخ میں رہ کر بھی الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنی روحانی توانائیوں سے بھرپور مستفیض فرمارہے ہیں۔

اے خدا! گنبد خضرا کے مکیں کا صدقہ
مالک ارض و سما سرورِ دیں کا صدقہ
سیر فرمائے سرِ عرش بریں کا صدقہ
قاسمِ نعمت ہر خلد بریں کا صدقہ
مرقدِ حافظ ملت پر ہو رحمت کا نزول
خالق کون و مکاں ہو یہ دعا میری قبول

نکتہ آفرینی

بدرالقادری - قاری محمد اسماعیل خان - ڈاکٹر محمد قاسم خاں مصباحی، اناؤ،
مولانا نعیم اعجاز مصباحی - مولانا احمد رضا مصباحی

مقالہ یا منہ کالا:

صوبۂ بہار کے کسی جلسے میں ایک صاحب نے اپنا مقالہ پیش کیا، جلسہ حضرت کی صدارت میں ہو رہا تھا اور ماحول ایسا تھا کہ دو مختلف گروہوں کے آپسی اختلافات کی فضا تھی، مقالہ نگار نے ابتداءً اتحاد کے نظریہ کو اجاگر کیا اور آخیر تک پہنچتے پہنچتے ایک گروہ کی وکالت اور طرف داری کا رنگ اختیار کر لیا، جس سے بجائے اس کے کہ میل ملاپ کی کوئی شکل نکلتی اور کشیدگی ہو گئی، حضرت کی حیثیت ثالث کی تھی، جنھیں دونوں طرف کے لوگوں سے تعلق تھا اور دونوں کے خیر خواہ تھے، وہ لوگ بھی حضرت کو ایک دوسرے سے کم نہ چاہتے تھے، اس مقالے سے دوسرے گروہ کی دل شکنی ہوئی اور بات سلجھنے کے بجائے اور الجھنے لگی، حضرت نے فوراً مائک ہاتھ میں لیا اور فرمایا: **ایک ہوتا ہے مقالہ پیش کرنا اور ایک ہوتا ہے منہ کالا پیش کرنا،** آں جناب نے منہ کالا پیش کیا ہے۔

حلقہ یا ہلکا:

ہندوستان کے بعض خطوں میں حضور حافظ ملت کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہونے والوں کی خاصی تعداد موجود ہے، بالخصوص جمشید پور، (بہار) اور بلرام پور تو اس اعتبار سے حافظ ملت کی راجدھانی کہی جاتی ہے، حضرت کبھی جب سال میں ان مقامات سے گزرتے اور قیام کا موقع ملتا تو حضرت خود حلقہ کی محفل میں شرکت کرتے تھے اور مریدین کو توجہ اور تعلیم سے نوازتے تھے، ایک بار اسی قسم کی محفلوں کا ذکر آیا تو لوگوں کی عدم توجہی اور غیر مخلصانہ طریقہ کار پر نکتہ چینی کرتے ہوئے فرمایا: **میاں یہ حلقہ ہے یا ہلکا؟** یعنی خلوص و محبت اور دل کی لگن کے ساتھ ذکر کی مجلسوں سے حلقہ کا مقصد پورا ہوتا ہے، ورنہ صرف خانہ پری کے لیے گاہے ماہے کی محض حاضری کا نام حلقہ نہیں ہے، حلقہ کو اتنا ہلکا سمجھ لیا ہے۔

فرشتوں کی ٹرین:

۱۹۶۸ء میں حضرت کے سفرِ بمبئی میں، میں ہم راہ تھا، بمبئی مرغی محلہ میں عبدالمجید سیٹھ کے مکان کی دوسری منزل پہ قیام تھا، بھیونڈی سے جناب سیٹھ عبدالشکور صاحب نے ایک آدمی بھیجا کہ حضرت کو فرصت ہو تو چند گھنٹوں کے لیے دعوت قبول کریں اور بھیونڈی تشریف لائیں، حضرت کا یہ خاص مزاج تھا کہ رؤوسا اور سیٹھوں سے زیادہ قریب نہ ہوتے تھے، مگران رئیسوں کی بہت قدر و منزلت فرماتے تھے، جن سے دین کا کام ہو رہا ہو، سیٹھ عبدالصمد مرحوم رئیس بھیونڈی اور ان کا خاندان بھیونڈی میں دینی خدمات کے معاملے میں ممتاز ہے؛ اس لیے حضرت ان لوگوں کا بہت خیال فرماتے تھے، دعوت منظور کرلی وہ شخص اجازت لے کر بھیونڈی جانا چاہ رہا تھا اس نے کہا کہ وہاں جاکر اطلاع بھی کردوں اور گاڑی لیتا آؤں، حضرت نے کہا نہیں میں لوکل سے چلوں گا، روانگی ہوئی لوکل فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں بیٹھے، راستے میں آپ نے شیروانی اتاری اور اپنی سیٹ سے اٹھ کر چلے، میں سمجھ گیا کہ استنجا کی حاجت ہے، میں نے عرض کی حضور! یہ لوکل ٹرین ہے اس میں استنجاخانہ نہیں ہوتا، حضرت نے متبسم ہوکر فرمایا: **تو کیا لوکل ٹرین میں فرشتے سفر کرتے ہیں؟۔**

منہ صفا:

علما اور بزرگوں سے مصافحہ کرتے وقت ان کی دست بوسی کی جاتی ہے، ان کے مبارک ہاتھ آنکھوں سے لگائے جاتے ہیں، حضرت کے ساتھ مصافحہ کرنے والے بھی ایسا کیا کرتے تھے، مگر بعض لوگ اس طرح، اپنے ہونٹ، آنکھیں اور چہرہ ہاتھ پر ملنے لگتے تھے کچھ دیکھنے میں بھی اچھا نہ معلوم ہوتا، مگر حضرت اس وقت ان لوگوں سے کچھ نہ کہتے، ایک بار نہایت نرم انداز میں فرمایا: **مصافحہ کا مطلب منہ صفا کرنا نہیں ہوتا۔**

بنا نہیں بگڑ گیا:

ہدایۃ النحو کا سبق شروع ہو رہا تھا، ایک طالب علم نے عبارت پڑھی لفظ تھا، "بِنَاءً" اس نے پڑھا "بَنَاءً" آپ نے کمالِ شفقت سے تبسم ریز ہوکر فرمایا: **ارے بے وقوف! بنا نہیں یہ تو بگڑ گیا۔**

چلنا اور چالنا:

پتلا ناہموار راستہ تھا، ارد گرد کیچڑ پڑی تھی اور ہم لوگوں کو جلدی میں کہیں پہنچنا تھا، مگر ایک شخص ٹانگیں لہراتا ہوا، جھومتا جھامتا پورے راستے کو گھیرے ہوئے چلا جا رہا تھا، ہم لوگ اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح

آگے نکل جانے کا راستہ دے دے تو تیز تیز چل کر جلد اپنی منزل پر پہنچ جائیں، مگر ایسا نہ ہو سکا، منزل پر پہنچنے کے بعد حضرت نے فرمایا: **بعض لوگ چلتے ہیں اور کچھ لوگ چالتے ہیں۔**

دیکھنا اور دکھنا:

نامحرموں کو بالقصد دیکھنا اسلام میں گناہ بتایا گیا ہے، اگر اضطراراً راستہ چلتے ہوئے کسی نامحرم پر نظر پڑ جائے تو پہلی نظر قابل معافی ہے مگر کسی کو بار بار اور قصداً دیکھنا حرام اور ناجائز ہے، حضرت فرماتے تھے: ایک ہے دیکھنا اور ایک ہے دکھنا (نظر آجانا) یہ جرم نہیں مگر دیکھنا (ارادتاً نظر ڈالنا) گناہ ہے۔

تقیہ اور تبرّا:

رات میں دو بجے جلسہ ختم ہوا، منتظمین نے سونے کے لیے ایک لمبا چوڑا پرانا پلنگ بچھا دیا، حضرت لیٹے اور تھوڑی دیر بعد نماز تہجد کے لیے اٹھے نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے دراز ہو گئے مگر پھر بھی نیند نہ آسکی، صبح کو فجر بعد میزبان نے پوچھا، حضرت! لگتا ہے آپ سو نہ سکے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! آپ خود فرمائیے میں سنی آدمی ہوں، مجھے ایسی جگہ کیسے نیند آسکتی ہے جہاں نیچے سے تقیہ اور اوپر سے تبرّا ہو رہا ہو؟ یعنی پلنگ میں سے نکل نکل کر کھٹملوں نے یلغار کر دی تھی، اور اوپر سے مچھروں کا حملہ تھا۔

زیادہ نہیں بولتے:

حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے اندر اور بہت سے محاسن کے ساتھ حوصلہ افزائی بھی بے حد تھی، آپ کی اسی خوبی نے کتنے ذروں کو آفتاب کی تابناکی اور قطروں کو سمندر کی وسعت عطا کر دی، مگر جب کوئی شخص خود ستائی اور ڈینگ کی منزل میں آجاتا تو آپ نہایت لطیف کنایے سے طنز بھی فرماتے اور اسے باز رکھنے کی کوشش کرتے، ایک صاحب مہینے میں کئی بار آکر حضرت کے پاس اپنی کارستانیاں پیش کرتے، فلاں جگہ گیا، یہ تقریر کی اس طرح بحث ہوئی، یوں جواب دیا، حضرت سنتے جاتے اور شاباشی و واہ واہی کرتے جاتے، ایک بار حسب معمول وہ صاحب اپنی تقریر شروع کیے ہوئے تھے، حضرت میں نے فلاں مقام پر بدمذہبوں سے یوں مقابلہ کیا، وہ اس طرح بھاگے، میں نے یوں پیچھا کیا، اس کے بعد حضرت! لوگوں کے اصرار پر میں نے چار گھنٹے تقریر کی، حضرت نے نہایت ناگواری کے باوجود نہایت اطمینان سے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا! مولانا تقریر کرنا اور دین کی تبلیغ کرنا بہت بڑا کام ہے، مگر **"زیادہ نہیں بولتے"** سمجھے آپ، انھوں نے کہا جی ہاں۔

قیلولہ یا لیلولہ:

دوسرے وقت کی پہلی گھنٹی تھی، جماعت کے کچھ لڑکے موجود نہیں تھے، حضرت نے ان کے بارے میں پوچھا، فلاں فلاں کہاں ہیں؟ دوسرے لڑکے اس بارے میں ابھی جواب دے نہ پائے تھے کہ وہ لڑکے آگئے، حضرت نے ان کے چہروں پر جلد بے داری کے آثار دیکھ کر فرمایا: **قیلولہ کرنا ہمارے حضور کی سنت ہے، مگر سنت وہیں تک ہے کہ قیلولہ طویل ہوکر لیلولہ نہ بنے۔**

مِیلا نہیں مَیلا:

حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمۃ کے آستانۂ مبارکہ پر عرس کی تقریب تھی، ہر طرف سے لوگ جوق در جوق حاضری کے لیے جارہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے کہا: حضرت مخدوم صاحب کا میلا لگا ہے، میں جائے چاہت ہوں اور بابو کی امّوں تیار ہے، حضرت نے نہایت شدت سے اظہار ناراضگی فرمایا اور کہا: **عرس کی مبارک تقریب میں لہو ولعب اور عورتوں کی شرکت نے اس کو مَیلا بنادیا، ایسا مِیلا دراصل مَیلا ہے، معاذاللہ**

اصل اونچائی:

ایک متعلق شخص جامعہ کی فلک بوس عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گفتگو کررہا تھا، اس کا روے سخن حضرت کی طرف تھا، حضرت! اب تو مدرسہ بہت اونچا ہوگیا ہے، ماشاء اللہ کیا کہنا، حضرت نے فرمایا: **میاں صاحب! اس کے اونچا ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی عمارتیں اونچی ہوگئی ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کا نظام تعلیم وتربیت اونچا ہوگیا ہے۔**

زیر وزبر:

گونڈہ ضلع کے ایک جلسے میں "موتُ العالِمِ موتُ العالَمِ" کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: عالم اور عالم میں زیر وزبر کا فرق ہے، مطلب یہ کہ اگر عالِم ہے تو عالَم ہے، عالِم نہیں تو عالَم نہیں، بلکہ جب عالِم کی موت ہوتی ہے تو عالَم زیروزبر ہوجاتا ہے۔

سیرت وسوانح

حافظ ملت، تعلیم کا ابتدائی دور

حضرت مولانا عبدالعزیز خاں صاحب فتح پوری، استاذ حافظ ملت

عزیز محترم مولانا بدرالقادری سلمہ المولیٰ الاکرم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

آپ کا ملفوف وصول ہوا، یہ معلوم ہوکر کہ ماہ نامہ اشرفیہ "حافظ ملت نمبر" شائع کر رہا ہے، مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کی محنت قبول فرمائے۔ آمین

حافظ ملت رحمہ المولیٰ تعالیٰ کے ابتدائی حالات کا علم ہے انھیں بہ اختصار لکھ رہا ہوں۔

عبدالعزیز خاں عفی عنہ

لالہ کی بازار فتح پور، یوپی

پہلے "جامعہ نعیمیہ" کا نام "مدرسہ اہل سنت" تھا اور ایک عالی شان مکان میں بہ مشاہرہ سات روپے قائم ہوا، چند سال کے بعد مدرسہ کے لیے زمین خریدی گئی، خریدنے کے بعد تعمیری کام شروع ہوا، جب ایک کمرہ اور مسجد تعمیر ہوگئی تو مدرسہ کرایہ کے مکان سے منتقل ہوکر اپنی عمارت میں آگیا، اور اس میں درس و تدریس ہونے لگی، شہر اور اطراف شہر میں "مدرسہ اہل سنت" کی کافی شہرت تھی، جب لوگوں نے سنا کہ مدرسہ کی عمارت بن رہی ہے تو اسے دیکھنے کے لیے اپنے پرائے آنے لگے، اسی سلسلے میں ایک دن حافظ صاحب بھی آئے اور میں گلستاں پڑھا رہا تھا، وہ دیوار سے ٹیک لگا کر سننے لگے، جب میں پڑھا کر فارغ ہوا اور وہ کھڑے ہیں تو میں نے اپنے پاس بلایا اور گفتگو شروع ہوئی، حالات دریافت ہوئے، پھر اس پہلی ملاقات کے بعد میرے پاس برابر آنے لگے، چند روز کے بعد میں نے پڑھنے کے لیے کہا تو جواب دیا کہ وقت نہیں ہے کہ میں ملازم ہوں، میں نے کہا: عصر و مغرب کے درمیان، یا مغرب وعشا کے درمیان، یا بعد عشا، بہر حال اس پر بخوشی راضی ہوئے۔

تعلیمی سلسلہ شروع ہوگیا، محنت و رغبت سے پڑھنے لگے، جب صرف و نحو کی چند کتابیں ختم ہوئیں تو

میں نے ملازمت چھوڑ دینے کے لیے کہا تو اپنی غریبی کا حال بیان کر کے کہا کہ والد صاحب سے اجازت لینی پڑے گی اور اجازت کے لیے آپ کو بھوج پور چلنا پڑے گا، میں نے کہا کہ مناسب ہے، میں ضرور چلوں گا، تاریخ اور دن مقرر ہو گئے، مراد آباد سے روانہ ہو کر بھوج پور پہنچے، حافظ صاحب کے والد ماجد سے ملاقات ہوئی، حافظ صاحب کے پڑھنے کے حالات اول سے آخر تک سنائے، سن کر خوشی ظاہر کی، پھر اپنی مفلسی اور پریشانی سنائی، میں نے کہا پڑھائیے ان شاء المولیٰ غیبی کرم ہوگا۔

بہر حال میری درخواست بطیب خاطر منظور کی اور مستقل پڑھنے کی اجازت دی، روانگی کے وقت مجھے دو روپے پیش کیے، میں نے لینے سے انکار کیا تو میرے نہ لینے سے رونے لگے، میں نے ان کے رونے کی وجہ سے پھر لے لیا، یہ میرے لیے پہلی نذر تھی، مراد آباد پہنچ کر جامعہ نعیمیہ میں داخل ہو کر روز و شب پڑھنے میں مشغول ہوئے اور یوماً فیوماً ترقی کرنے لگے، حسن اتفاق کہ جتنے ہم سبق تھے، سب ہی صاحب عقل و فہم تھے، جیسے: مولانا مولوی سید غلام جیلانی صاحب علیہ الرحمۃ، مولانا شمس الدین صاحب جون پوری وغیرہما۔

صرف، نحو، منطق اور فقہ میں ہوشیار ہوئے، پھر حافظ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مراد آباد سے اجمیر شریف کا قصد کیا میری رائے اور اجازت سے جامعہ نعیمیہ سے رخصت ہو کر اجمیر شریف پہنچے اور وہاں تحصیل علوم میں، جب تک رب العزت تبارک و تعالیٰ نے چاہا مشغول رہے، بالآخر اسی کے فضل و کرم سے عالم باعمل، فاضل بے بدل ہوئے۔

فله الحمد والمنة

حیات حافظ ملت کے چند اہم گوشے

مولانا حکیم عبد الغفور صاحب قبلہ مدظلہ العالی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا حکیم عبد الغفور علیہ الرحمہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے چھوٹے بھائی اور صورت وسیرت میں ان کے عکس جمیل تھے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم قصبہ بھوج پور میں ہوئی درس نظامی کی کئی کتابیں حافظ ملت سے پڑھیں اور طب کی تعلیم لکھنؤ سے حاصل کی۔

خدمات: آپ قصبہ بھوج پور ضلع مراد آباد میں دار الشفا کے نام سے مطب چلاتے تھے ساتھ ہی ساتھ محلہ کی مسجد میں بلا معاوضہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے، "حافظ عبد الغفور صاحب نماز تہجد میں زیادہ تلاوت کرتے تھے" ان کی پوری زندگی پابندی شریعت وسنت رسول کی آئینہ دارتی تھی۔

وصال: ۷/ نومبر ۱۹۹۹ء کو قریب دو بجے اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے چند روز بعد، میں نے حضرت کے برادر خُرد مولانا حکیم عبد الغفور صاحب مدظلہ العالی سے، حافظ ملت کے متعلق چند استفسارات کیے تھے، موصوف نے کرم فرما کر جوابات سے نوازا جنھیں ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ (محمد عبد المبین نعمانی)

اساتذۂ کرام:

سوال: کیا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی (م: ۱۳۶۷ھ) سے تعلیم حاصل کی ہے؟ نیز دیگر اساتذۂ حافظ ملت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے حضرت صدرالافاضل سے شرف تلمذ حاصل نہیں کیا؛ اس لیے کہ جب حضرت جامعہ نعیمیہ میں داخل ہوئے تو مولانا وصی احمد، مولانا محمد عمر نعیمی صاحبان مدرس تھے اور حضور حافظ ملت کی بالکل ابتدائی تعلیم تھی، صدرالافاضل علیہ الرحمۃ مدرسہ میں باضابطہ معلم نہیں تھے، بلکہ بعض طلبہ کو کبھی کبھی اوپر کی کتب کے اسباق پڑھا دیتے تھے، حافظ ملت نے کافیہ تک جامعہ میں پڑھا، پھر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ کے پاس اجمیر شریف میں تعلیم مکمل کی۔

"حمداللہ" کے بعد عرض کیا کہ گھر کی ضرورتیں مجبور کرتیں ہیں؛ لہٰذا "دورۂ حدیث" میں شامل کرلیں، اس پر حضرت صدرالشریعہ نے فرمایا: آسمان زمین بن جائے، پہاڑ ہل جائے، یہ ہوسکتا ہے، لیکن تمھاری ایک کتاب بھی رہ جائے یہ نہیں ہوسکتا ہے، کتابیں سب پڑھنی ہیں، آخری امتحان میں امور عامہ کے محشی مولانا فضل حق رام پوری نے امتحان لیا اور خارج از امتحان بھی سوالات کیے، حضرت نے تمام سوالات کے نہایت تسلی بخش جوابات دیے تو ممتحن صاحب نے کتاب بند کرکے فرمایا کہ "اب ہم ان کی کسی کتاب کا امتحان نہیں لیں گے، ان کی قابلیت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔"

والد گرامی:

سوال: کچھ والد گرامی سے متعلق معلومات فراہم کریں؟

جواب: والد ماجد کا نام حافظ محمد غلام نور تھا، ان کی زندگی خدمت دین میں گذری، خصوصًا تعلیم قرآن میں، پیپل سانہ، ضلع مرادآباد میں ایک مدرسے کے مدرس تھے، نہ معلوم کتنے حافظ قرآن پیدا کیے، ہر سال محراب سناتے اور متعدّد شبینے پڑھے، ایک شبینہ میں بندہ بھی شریک تھا، تین پختہ حافظ اور دوسرے لوگ بھی سامع کی حیثیت سے پیچھے تھے، لیکن پورا قرآن پڑھ گئے، نام کو کہیں متشابہ نہیں لگا، حیدرآباد میں (ستر سال عمر تھی) اکیلے مصلیٰ پر کھڑے ہوگئے اور پورا ختم کرکے ہٹے، لوگ حیرت میں تھے، ایسا صاف پڑھتے کہ ایک ایک حرف سامع کو صاف معلوم ہوتا۔

ٹونک کے ایک جید فاضل مشہور قاری آیا کرتے مگر رمضان شریف میں اکثر یہیں قیام فرماتے، ایک کلام پاک تراویح میں اور دوسرا تہجد میں سنتے، فرماتے: "ٹونک میں ساڑھے تین سو حافظ ہیں اور ٹونک کے حفاظ دنیا میں مشہور بھی ہیں، مگر حافظ نور جیسا حافظ، ایک بھی نہیں" آپ حافظ قرآن ہی نہیں بلکہ عاشق قرآن تھے، اکثر سوتے میں پڑھتے دیکھا گیا، بڑے حافظ جی کے لقب سے مشہور تھے۔

حافظ ملت نے جواب الجواب میں کتاب لکھی، تو چاہتے تھے کہ سرورق پر جو آیت مقامع الحدید پر ہے اس کا جواب بھی آیت سے دیا جائے، خود بھی غور کیا، حفاظ سے بھی معلوم کیا، مگر آیت نہ ملی، والد صاحب سے معلوم کیا: ابّا جی! کوئی آیت ایسی بھی ہے جس کا ترجمہ ہو "ان پر اللہ کا غضب ہو اور عذاب شدید؟" تو والد صاحب نے بلا تامل، برجستہ آیت پڑھی: وَعَلَیۡهِمۡ غَضَبٌ وَّ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ (سورہ شوریٰ تیسرا رکوع ۲۵واں پارہ)

حضور حافظ ملت نے یہی آیت سرورق کتاب میں لکھی، فرمایا: میں اسی تلاش میں تھا مدعا مل گیا۔

والد صاحب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، مراد آباد تک پیدل سفر کیا، واپسی میں خرچہ ختم ہو گیا، مزدوری کی، تب واپس آئے۔

ایک مسجد جو خام تھی، اپنے اہتمام سے پختہ تعمیر کرائی، اسی میں امامت بھی کرتے اور "مدرسہ تعلیم القرآن" میں قرآن پاک حفظ کراتے، یہاں بھی بہت حافظ پیدا کیے، ایک مرتبہ سفر میں تھے، روٹی بلا سالن کھا رہے تھے، دوسرے لوگوں نے کہا: حافظ جی! ہمارے پاس ساگ ہے، اس سے کھالو، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ چنے کا ساگ جنگل سے بچے توڑ لائے، آپ نے کہا: بلا اجازت مالک کے لائے ہیں، میں ہر گز نہ کھاؤں گا۔

رات کے باسی کھانے کو صبح ناشتے میں پسند کرتے، وجہ دریافت کرنے پر بتایا کہ اس کا زمانہ حضور ﷺ کے زمانے سے قریب ہے۔ اس لیے مجھے یہ پسند ہے، عربی لوگ آتے ان سے عربی زبان میں ایسی گفتگو فرماتے جیسے کوئی عربی بولتا ہے اور قرآن پاک کا ترجمہ ایسا کرتے جیسے کوئی عربی کا عالم، حالاں کہ صرف ونحو سے واقف نہ تھے۔

آخری عمر میں رمضان شریف جیٹھ کے مہینے میں آیا، چودہ گھنٹے کا دن، سخت لو کی تپش، مگر روزہ ترک نہ فرمایا۔

قریب سو سال عمر تھی، دو مہینے بعد ۲۸/ ذی قعدہ جمعرات ۱۳۷۰ھ میں وصال ہو گیا

جدامجد:

سوال: کچھ اپنے دادا حضور کے حالات بیان فرمائیں؟

جواب: دادا میاں ملا عبد الرحیم صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی اسلامی زندگی بہت محتاط گزاری، نہایت درجہ پابندِ صوم وصلات تھے، آخر وقت میں، وقتِ وصال فرماتے: وعلیکم السلام! آئیے تشریف لائیے، ان کو جگہ دو، وعلیکم السلام! آئیے، قریب بیٹھنے والے بولے: ملا جی کیا ہے؟ فرمایا: تم نہیں دیکھتے یہ باوقار باعزت لوگ چلے آرہے ہیں، ان کو جگہ دو، یہی فرماتے فرماتے وصال ہو گیا۔

حسنِ سلوک:

سوال: حضور حافظ ملت کا گھر والوں اور پڑوسیوں کے ساتھ برتاو کیسا تھا؟

جواب: سعدی صاحب کا قول:

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بر دشمناں نظر داری

یا بیکل اتساہی کا وہ شعر ترجمان ہے:ے

علم کا دریا، پیار کا ساگر، ناز کرے جس پر اخلاق
پیکرِ شفقت، حافظ ملت، فیض مجسم زندہ باد

محلے والے اور پڑوسیوں سے وہ سلوک فرماتے جو دوسرے مسلمان، گھر والوں سے نہیں کر سکتے، ہر کسی کی ضرورت کا، تکلیف کا، پورا خیال رکھتے، بے مثال ہم دردی سے پیش آتے، ساری ضرورتیں پوری کرتے، ایک آپ بیتی سناؤں اس سے آپ اندازہ لگائیں۔

احقر حافظہ کے بعد گھریلو زندگی گزار رہا تھا، ایک دو بچے بھی ہو گئے، تقریباً پچیس سال عمر بھی ہو گئی، آپ نے نہایت کریمانہ شفقت سے علمِ دین کے حصول کے لیے فرمایا، یہ حضرت کا بالکل ابتدائی دور مبارک پور جانے کا تھا، مجھے اور میری اہلیہ کو مبارک پور اپنے بچوں کے ساتھ لے آئے، تمام اخراجات میرے اور بچوں کے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے، یہاں تک کہ جاگیر کا کھانا بھی نہ کھانے دیا، جیسا کپڑا خود پہنتے ویسا ہی ہمیں اور بچوں کو پہناتے، اپنے ہم راہ کھانا کھلاتے، غرض کہ مبارک پور کی تعلیمی زندگی میں، آمد و رفت اور قیام کے تمام مصارف، خود کرتے، بعدہ گھر والوں کی خواہش کے مطابق لکھنؤ "تکمیل الطب" میں داخلہ دلا دیا، وہاں کے مصارف بھی سب اپنی طرف سے پورے فرماتے، ماہانہ منی آرڈر بھیجتے، وہاں کی تعلیم پوری ہونے پر دہلی حکیم اجمل خان صاحب کے مطب میں رکھا، وہاں کا بھی برابر خرچہ برداشت کرتے، اس کے بعد جب میں گھر مقیم ہو گیا، مطب کامیابی سے چلتا رہا، قضاے الٰہی، اہلیہ کا انتقال ہو گیا، فاتحہ میں تشریف لائے، ہدایت فرمائی: مجھے ان کی تکلیف گوارا نہیں، جلد کوئی رشتہ تلاش کرو، پھر چہلم میں تشریف لائے، اس وقت تک کوئی رشتہ نہیں ملا، فرمایا: تم کچھ نہیں کرو گے، اور پھر اپنے ایک شاگرد مولانا علاء الدین صاحب ادری (ضلع مئو) کے یہاں پیغام بھیجا، انھوں نے منظور فرما لیا، تمام ضروری انتظام کپڑے وغیرہ کا خود کیا، مجھے لکھ دیا کہ فلاں تاریخ کو آؤ، پھر شادی کرا کے ولیمہ بھی اپنے خرچے سے کیا، واپسی میں میں نے عرض کیا: حضرت پانچ سو روپے لایا ہوں، فرمایا: ان کو

رکھو میں نے خرچہ لینے کے لیے نہیں بلایا ہے، بہت اصرار پر بھی ایک پیسہ نہیں لیا، میرے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی (اپنے فرزند) عبد القادر جیلانی کو چھ ماہ کی عمر میں مجھے دے دیا کہ تم اس کی پرورش کرلو، عید کے روز نیا جوڑا مع عمامہ و جوتا مجھے عنایت فرماتے، پڑوس والوں کو بلا کر کھانا کھلاتے، بچوں کو روپے پیسے دیتے، یہ بے مثال عزیز نوازی تھی، کہ آج کے دور میں جس کو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

برادران:

سوال: آپ اور حافظ ملت کل کتنے بھائی تھے اس کے متعلق بھی آگاہی بخشیں؟

جواب: ہم چار بھائی تھے، ایک میرے ساتھ پیدا ہوئے جن کا نام عبد الشکور تھا، انھوں نے دو تین روز کی عمر میں، شیر خوارگی میں وفات پائی، تیسرے حافظ عبد الرشید صاحب مدظلہ العالی اور چوتھے حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ۔

ارشادات:

سوال: حضرت کے کچھ اقوال زریں جو یاد ہوں ارشاد فرمائیں؟

جواب فرمایا:

(۱) زندگی کام کا نام ہے اور بے کاری موت کا۔

(۲) اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت۔

(۳) مسلمان بوڑھا نہیں ہوتا۔

(۴) فرمایا: ایک روز ایسا بھی آیا کہ ایک باسی روٹی رکھی تھی، مغرب بعد ہم لے کر کھانے بیٹھے، فقیر نے دروازے پر آواز دی، ہم نے آدھی اسے دے دی آدھی خود کھائی کیوں کہ ہم نے پڑھا تھا:

نیم نانے گر خورد مردِ خدا
بَذلِ درویشاں کند نیم دگر

ہم نے خیال کیا کہ اس پر عمل ہم نہ کریں تو کون کرے گا۔

(۵) مسجد بنانا ثواب، سرائے بنانا ثواب، یتیم خانہ بنانا ثواب، مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ اگر علما نہ پیدا ہوں گے تو ان سب کو کون آباد کرے گا؟ کون حفاظت کرے گا؟ میں نے مدرسہ کو بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔

حافظ ملّت کے چند آخری ایام

عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ جانشین حافظ ملت علیہ الرحمہ

تعارف مقالہ نگار:

عزیز ملت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند اور لائق جانشین ہیں۔

ولادت: ۶؍جمادی الاولی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء بروز چہار شنبہ بمقام بھوجپور ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی، جونیر اسکول تک بھوجپور اور ہائی اسکول اور انٹر شبلی کالج اعظم گڑھ، بی-ایس-سی سال اول ڈگری کالج مراد آباد سے پاس کیا، بی ایس سی فائنل اور انجینئرنگ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے کی، پھر والد ماجد نے جامعہ اشرفیہ بلالیا اور یہیں درس نظامی کی تکمیل کی،

خدمات: فراغت کے بعد حافظ ملت ہی کی بارگاہ میں رہے اور حافظ ملت کے وصال کے بعد ان کے جانشین اور جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ منتخب ہوئے، آپ کی سربراہی میں جامعہ اشرفیہ نے چہار سو ترقی کی اور اس وقت سے لے کر تاحال بلا معاوضہ مکمل اخلاص و تن دہی کے ساتھ جامعہ اشرفیہ کو بام عروج تک پہنچانے میں سرگرداں ہیں۔

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

شاعر کا یہ مصرع خود شناسی اور عرفان ذات کی کتنی سچی تصویر ہے، جاہ و حشمت، اثر و اقتدار، فضل و کمال اور بے پناہ مقبولیت کی صحیح عکاسی کرتا ہے، شاعر اپنے تخیلات کو بہت سی پابندیوں سے آزاد رکھتا ہے اور اس کی شاعری کا محور کوئی ایک ہی ذات نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی شخصیت اور اس کی صفات کو سامنے رکھتا تو ہے، لیکن اس کے ذہن کی بلند پروازی، اتنی وسعت لیے ہوئے ہوتی ہے کہ اس کے اندر ایک دنیا آباد رہتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ شخصیت جس پہ ہم نے قلم اٹھایا ہے، حقیقت میں وہ اتنے اوصاف و کمالات اور خوبیوں کی مالک ہے جو ایک عالم کے لیے باعث رشک ہو، یا نہیں؟

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آج جب وہ شخصیت ہمارے بیچ نہیں ہے اور اس کی جدائی نے جو المناک ماحول

پیدا کر دیا ہے، اس سے اس مصرع کو جان مل گئی اور ایک ایک شخص اس کا صحیح مفہوم سمجھنے لگا، وہ دن کتنی خوشی کا رہا جب اس شخصیت نے ایک غریب مگر گاؤں کے معزز گھرانے میں جنم لیا تھا، ماں باپ کی خوشی تو فطری ہے لیکن پاس پڑوس کی مسرت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ پڑوس کی ایک بوڑھی عورت دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے مزاج کے مطابق کہنے لگیں: "پیرا آیا ہے" کیوں کہ پیر (دوشنبہ) کو آپ کی پیدائش ہوئی اس کی مناسبت سے انھوں نے یہ نام دیا، لیکن آپ کے دادا ملا عبدالرحیم مرحوم اس وقت صاحب فراش تھے خفگی کے انداز میں کہا: نہیں! اس بچے کا نام میں نے عبدالعزیز رکھا ہے، اسی نام کے، دہلی میں ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں، میرا یہ بچہ عالم دین ہوگا، کسے معلوم تھا کہ آج کا یہ بچہ کل علم ودانش کا مرکز بنے گا، جس سے تشنگان علم و ادب اپنی پیاس بجھائیں گے، باطل ایوانوں میں جس کے تذکرے سے زلزلہ آجائے گا، گھریلو حالات سے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا، مگر اللہ والے کے منھ سے نکلی ہوئی بات پوری ہوتی تھی، پوری ہوئی۔

گفتۂ اوگفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

غربت نے ہمیشہ دین کی حفاظت کے لیے اپنی آغوش سے مجاہدین کو جنم دیا ہے، اللہ والوں کا ہر موڑ پر امتحان ہوتا ہے، غربت وافلاس میں آنکھیں تو کھولیں، لیکن آغوش رحمت ملی تو ایسے والدین کی، جو توکل علی اللہ کے پیکر تھے، استغنا جن کا شیوہ تھا، لیل ونہار جن کے، یاد الٰہی کے لیے وقف تھے، امامت کی، جو مل گیا اسی پر صبر کیا، مدرسے میں تعلیم دی، تنخواہ کا کوئی حساب نہیں، ایسے ماحول میں جب بچہ سن شعور کو پہنچا تو گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ کاندھے پر آگیا، یہیں سے ذمہ داریوں کی ابتدا ہوتی ہے اور آخری وقت تک الگ نہیں ہوتی، والد سے تعلیم شروع کرتے ہیں، ساتھ ہی گھر کے اخراجات کے لیے کسب معاش بھی کرتے ہیں، ابھی یہ سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ والد صاحب علیہ الرحمہ زیارتِ بیت اللہ شریف کے لیے، پیدل تشریف لے جاتے ہیں، گھر میں سب سے بڑے آپ ہیں، اپنے ماموں کے زیر سایہ ایام گزارتے ہیں، ماموں صوم وصلات کے پابند، بڑے دین دار تھے، غرض یہ کہ بچپن آپ کا دین داروں کی دیکھ ریکھ میں گزرا، عنفوان شباب ہے، حفظ مکمل ہو چکا ہے، اردو بھی پڑھ لی ہے، گھریلو حالات کے پیش نظر تعلیم کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، عمر کا یہ وہ دور ہوتا ہے جب انسان مختلف خواہشات رکھتا ہے، کچھ تمنائیں جنم لیتی ہیں، عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے، لیکن یہاں اس کے برعکس خدمت دین وملت کا جذبہ سینے میں ابھرتا ہے، لیکن مجبوریاں زنجیر بنتی ہیں، آخر اس کا انکشاف والدۂ محترمہ سے کر ہی دیتے ہیں کہ:

"اماں! آپ تو کہا کرتی تھیں کہ تیرے دادا نے کہا ہے کہ تو عالم دین بنے گا لیکن میں تو نہیں بنا"

اس جملے کو سن کر ماں کا کلیجہ تڑپ جاتا ہے، آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں اور ہاتھ بارگاہ ایزدی میں ملتجی ہوتے ہیں، اس جملے سے کتنی تڑپ کا احساس ہوتا ہے، کتنی یاس ٹپکتی ہے، دن گزرتے گئے لیکن یہ کیسے

گزرے، اس کی مثال کم ہی ملے گی بلکہ بے مثال ہی کہنا چاہیے۔

روزانہ ایک ختم قرآن مجید، پانچوں وقت قصبہ کی سب سے بڑی مسجد میں امامت کرنا، دونوں وقت مدرسے میں درس حفظ قرآن دینا، خالی اوقات میں محلہ والوں سے زیادہ، گھر کا کام کرنا، چاروں کام مستقلاً پانچ سال تک کیے، (قرآن مجید سے لگاو وانس کا نتیجہ، وصال کے بعد ظاہر ہوا، ہندوستان تو ہندوستان، انگلینڈ، افریقہ، پاکستان، عراق، بنگلہ دیش، وغیرہا ممالک میں بے حساب ختم قرآن کا ایصال ثواب کیا گیا،) اتنی مدت گزرنے کے بعد رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی زبان سے نکلے ہوئے جملے **"میرا یہ بیٹا عالم ہوگا"** کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ذرائع پیدا کیے، ان ذرائع نے ایک گمنام قصبے کے ایک غریب خاندان کے ایک فرد کو عالم گیر شہرت کا مالک بنا دیا جس نے دینی خدمات کے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے جو رہتی دنیا تک یاد کیے جائیں گے اور ملت کے لیے وقار کا سامان مہیا کرتے رہیں گے، اسی شخصیت نے ہندوستانی مسلمانوں پر لگائے گئے الزام کو "الارشاد" نامی رسالہ لکھ کر ختم کر دیا، جس نے مختلف تحریکوں کی کھلی مخالفت کر کے علما پر عائد شدہ اعتراضات کو دھویا، جس کا سیاسی پہلو ملک وقوم کا ہم درد و وفادار رہا، جس کی روشن عبادتوں نے اتحاد و اتفاق کو زندہ کیا، آج اسی شخصیت کی واضح تفسیر "دارالعلوم اشرفیہ" بلکہ "الجامعۃ الاشرفیہ" کی صورت میں، قوم وملت کے سامنے ہے، آپ نے اس کو بیالیس سال تک خون جگر سے سینچا مدرسہ "اشرفیہ" کو "دارالعلوم اشرفیہ" پھر الجامعۃ الاشرفیہ کے روپ میں نکھارا، آج سب سے زیادہ سوگوار اشرفیہ کے در و دیوار ہیں، جس سے یہ روشنی پاتے تھے وہی سو گیا، لیکن اس کا لگاو بھی تو دیکھیے کہ "سویا" تو کہاں سویا، اپنے وطن مالوف میں نہیں، جس کی آغوش میں پروان چڑھا، جہاں عزیز و اقربا انتظار میں آنکھیں بچھاتے تھے، سب کو تڑپتا چھوڑ کر انھی دیواروں کے سایے میں، تاکہ یہ تعلق کبھی منقطع نہ ہو۔

وصال سے پہلے رمضان میں آپ مکان پر سخت بیمار ہو گئے تھے، ہم اپنے محسن سے ناامید ہو گئے تھے، آنسو بہاتے تھے، بارگاہ ایزدی میں التجا کرتے تھے کہ الہ العالمین! ہماری عمروں میں سے سالوں کاٹ کر، کشتی ملت کے اس کھیون ہار کو دے دے، اس حالت میں ہمیں دلاسا دیتے تھے کہ میں ان شاء اللہ ابھی زندہ رہوں گا، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اس سے وقتی طور پر آنسو تھم جاتے تھے، لیکن حالت دیکھ کر مایوسی اپنے چنگل میں دبوچ لیتی تھی، ایک ہفتہ تک غذا بند رہی، علاج ہوتا رہا، ایسی حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑا، درخواست پیش کی گئی کہ شریعت نے ایسی حالت میں رخصت دی ہے، فرمایا: ہاں! لیکن جو ثواب رمضان میں ملتا ہے وہ تو نہیں ملتا، ایسا مسکت جواب سن کر ہم لوگ منھ تکتے رہ گئے، اس پر مزید پنج وقتہ کھڑے ہو کر نماز

ادا کرنا، تہجد کے وقت اٹھ کر وضو کرنا اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا، کسی سے مدد طلب نہ کرنا، خود ہی سارا کام کرنے کی کوشش کرنا، یہ اور بات ہے، ہم میں سے جو موجود ہوتا وہ خدمت بجالاتا۔

رب تبارک وتعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا، تھوڑی صحت ہوئی، معالجین کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود مبارک پور کا سفر کیا، بحمدہ تعالیٰ خیریت سے مبارک پور تشریف لائے، نقاہت کا یہ عالم تھا کہ چلتے ہوئے پیر لڑکھڑائیں، زیادہ دیر گفتگو نہ کر سکیں، آواز سے صاف نقاہت کا پتا چلتا، پھر بھی بخاری شریف کا درس دینا شروع کر دیا، شعبان میں نظر کی کمزوری ظاہر ہونے لگی تھی، موتیابند کا حملہ شروع ہو گیا تھا جس کی جانچ کے لیے بیکل صاحب نے بہرائچ میں انتظام کیا، بہرائچ شوال میں تشریف لائے، ڈاکٹر نے بتایا کہ آپریشن ہوگا، لیکن کھانسی کے سبب اس وقت آپریشن نہ ہو سکا، ایک مہینے کا وقت دیا، اس درمیان میں بخاری شریف پڑھاتے رہے، ایک پارہ پڑھانے کے بعد سبق بند کر دیا اور آپریشن کے لیے تشریف لے گئے، میں ہم راہ تھا، احباب بلرام پور کے ساتھ بہرائچ پہنچے، جس روز آپریشن ہونا تھا اس کی صبح مجھ کو بلایا اور دلائل الخیرات شریف پڑھنے لگے جب فارغ ہوئے تو فرمانے لگے کہ آپریشن کے بعد میں دلائل الخیرات شریف نہ پڑھ سکوں گا؛ اس لیے تم روزانہ پڑھ کر سنا دیا کرنا، تاکہ ناغہ نہ ہو، آپریشن کی تیاری ہوئی، ڈاکٹر نے آپ کو لٹایا، آپ درود شریف کا ورد کرتے رہے، آپریشن ہو گیا، آپ کو کچھ احساس تک نہیں ہوا، آپ کو کمرے میں لا کر بستر پر لٹایا تو آپ سمجھے کہ اب آپریشن ہوگا، لیکن جب حرکت نہ کرنے کے لیے ہدایات کی گئیں تب سمجھے کہ آپریشن ہو گیا، بعد میں خود فرمانے لگے: یہ سب درود شریف کی برکت ہے کہ مجھے پتا تک نہیں چلا، ڈاکٹر اپنا کام کر رہے تھے اور میں اپنا کام کر رہا تھا، عشق نبی کی شمع دل میں جو روشن تھی اس نے ساری تکلیفوں کو ختم کر دیا تھا، نو بجے دن میں آپریشن ہوا، ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے بے چین نظر آنے لگے، لیٹے ہی لیٹے تیمم کیا، اشارے سے نماز ادا کی، عصر میں کرسی کے سہارے بیٹھ کر نماز ادا کی، سر سے رکوع وسجدہ کا اشارہ کرتے، اس کا خیال ذرا بھی نہیں کہ میرے اس طرح حرکت کرنے پر آنکھ کا زخم خراب ہو سکتا ہے، ہم خدام اس کیفیت کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں دعا کرتے، نماز کا جب بھی وقت ہو جاتا خود ہی تیمم کے لیے کہتے اور نماز ادا کرتے، ڈاکٹر آتے، یہ کیفیت دیکھ کر مسکراتے، حضرت پر کسی طرح کی کوئی پابندی عائد نہ کرتے۔

ہم لوگ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر کچھ پابندی لگائے، لیکن وہ جواب دیتے جو کرتے ہیں کرنے دیجیے، جیسے وہ غیر مسلم ڈاکٹر بالکل مطمئن تھا کہ ان کو کچھ نہیں ہوگا، جب کہ آپریشن کے بعد حرکت نہ کرنا بھی پرہیز میں داخل ہے؛ کیوں کہ آنکھ کا ٹانکا اگر ٹوٹ گیا تو آنکھ خراب ہو جاتی ہے، یہاں ان سب سے بے نیاز، اپنے مولا کی یاد میں مصروف، رات کو ہم لوگوں کو سلا دیا، تہجد کے وقت خود ہی تیمم کر کے نماز ادا کی، اس نماز کو دیکھ کر اپنی نماز یاد آئی

کہ ہم لوگ کس طرح نماز ادا کرتے ہیں، نہ وہ کیف ہے، نہ سرور ہے، بس نماز ادا کر لیتے ہیں۔

اس طرح دن گزرتے گئے نماز بیٹھ کر ادا کرتے رہے، میں عرض کرتا: بیٹھ کر نماز نہ ادا کریں، شریعت نے رخصت دی ہے، فرماتے: جب میں بیٹھ سکتا ہوں تو بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہوں، یہ سن کر ہم لوگ خاموش ہو جاتے، آنکھ کی پٹی کھلنے کے بعد میری عدم موجودگی میں خود ہی دلائل الخیرات پڑھنے لگے۔

ایک روز میں گونڈہ جلسے میں شرکت کر کے بہرائچ واپس آیا، رات بھر جاگنے کی وجہ سے دماغ کام نہیں کر رہا تھا، دن میں بھی سونے کا موقع نہیں ملا تھا، عصر کے وقت حکم ہوا: دلائل الخیرات شریف پڑھ کر سناو، میں پڑھنے لگا، آنکھیں کبھی بند ہوتیں، کبھی کھلتیں، دماغ حاضر نہیں، ایسی صورت میں صحیح طور پر پڑھ نہیں پا رہا تھا، بہت ناراض ہوئے، دلائل الخیرات شریف مجھ سے لے کر خود پڑھنے لگے اور حزب کو مکمل کیا، کمرے میں اتنی روشنی بھی نہیں تھی کہ ہم لوگ آسانی سے پڑھ سکتے، لیکن خود بغیر کسی تکلف کے پڑھتے رہے اور میں اپنی حالت پر افسوس کرتا رہا، اسی طرح دوسرے اوراد بآسانی پورے کرتے رہے۔

اسپتال سے نکلنے کا وقت آگیا ہم لوگ پریشان تھے کہ اپنے مزاج کے مطابق حضرت ہم لوگوں کی التجاؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے، دینی سرگرمیوں میں مصروف ہو جائیں گے، احتیاط کو بالائے طاق رکھ دیں گے، انھی وجوہ کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے جب احتیاط و پرہیز کا پرچہ، ہمارے ہاتھوں میں دیا تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ خود ان کے بارے میں حضرت سے کہہ دیں، شاید آپ کے کہنے کا کچھ اثر ہو، انھوں نے حضرت سے کہا: میں آپ کو اسپتال سے اس شرط پر رخصت کروں گا کہ آپ ابھی مبارک پور کا سفر نہ کریں، بلکہ بلرام پور میں پندرہ روز آرام کریں، اس کے بعد جانچ کے لیے پھر بہرائچ تشریف لائیں، اس تاکید کو جبراً منظور کیا، بلرام پور آئے ڈاکٹر عبد المجید صاحب کے یہاں قیام فرمایا، پندرہ روز بعد خود ہی فرمایا: اب بہرائچ جانچ کے لیے چلیے۔

جانچ کرانے کے بعد بلرام پور نہیں ٹھہرے، بلکہ مبارک پور کا سفر کیا، حالاں کہ یہ سفر تکلیف کا باعث ہوا، راستے میں ٹھنڈک لگنے کی وجہ سے کھانسی کی شکایت ہو گئی جو آنکھ کے لیے بہت ہی مضر ہے، یہاں آکر مدرسے کی ضروریات پوری کرنے کی تدبیر کرنے لگے، لوگ آتے، دیر تک گفتگو کرتے، کسی کو مایوس واپس نہ کرتے، حالاں کہ ان سب سے ڈاکٹر نے منع کیا تھا، لیکن اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے اپنی تکلیف کا خیال نہ کرتے، ہر وقت دینی جذبہ کار فرما رہتا۔

کلکتہ سے اسی دوران حاجی قاسم صاحب نے اپنے یہاں جلسے کی دعوت دی، جس پر علامہ ارشد القادری صاحب کی سفارش تھی، بس تیار ہو گئے، مجھ کو ہم راہ لیے کلکتہ روانہ ہوئے، ایک ہفتے وہاں مختلف جلسوں میں

شرکت کر کے مبارک پور واپس آئے، دارالعلوم محمدیہ بمبئی کے جلسے کی دعوت حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحب کے اصرار پر منظور کرلی تھی، اسی کا حوالہ دے کر علامہ نظامی صاحب نے شہید اعظم کانفرنس کی دعوت دی، موصوف سے حضرت بے پناہ محبت کرتے تھے؛ اس لیے آپ کی دعوت بھی منظور کرلی، یہاں ایک خاص بات توجہ کی ہے کہ آپ ہر اس شخص سے جو دین کی خدمت کرتا، بے پناہ محبت کرتے تھے، حضرت علامہ نظامی صاحب کی طبیعت خراب ہوتی، آپ کو معلوم ہوجاتا، ان کے لیے دعائیں کرتے، خیریت معلوم کرتے، فکر مند رہتے، فرماتے: نظامی صاحب جو دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، کم ہی لوگ ایسی خدمت کر رہے ہیں، بارہا فرمایا کہ نظامی صاحب خطابت کے بادشاہ اور تفہیم کے شہنشاہ ہیں، یہ وہ فرمارہا ہے جس کی ساری زندگی تفہیم میں گزری۔

کھانسی کی شکایت ہے، بخار بھی کبھی کبھی آجاتا ہے، کمزوری بھی بڑھتی جارہی ہے، لیکن دینی خدمت کا جذبہ ان سب پر حاوی ہے اور بمبئی کھینچے لیے جارہا ہے، بمبئی پہنچتے ہیں، شہید اعظم کانفرنس کی صدارت فرماتے ہیں، یہ کانفرنس بمبئی کی تاریخی کانفرنس ہوتی ہے جو سنی جمعیۃ العلما کے زیر اہتمام منعقد ہوتی ہے، بمبئی کے دور دراز علاقوں سے عشاق، اپنے محبوب علما کی زیارت کے لیے، اس میں شرکت کرتے ہیں، اس میں تین بجے شب تک شرکت فرما کر قیام گاہ پر واپس آئے، دوسرے روز بھیمڑی (بھیونڈی) جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، اسی طرح مختلف جلسوں کانفرنسوں میں شرکت فرماتے رہے بمبئی کے دوران قیام میں اتنی مصروفیتیں، لیکن بیماری کا کچھ احساس نہیں، معلوم ہوتا تھا دینی سرگرمیاں ہی حضرت کا علاج ہیں۔

ہفتہ عشرہ قیام کے بعد بمبئی سے واپسی ہوئی، آپریشن کے بعد سے اب تک آنکھ میں روشنی نہیں بڑھی، اب آنکھ کی جانچ کے لیے بہرائچ جانا طے کیا، بہرائچ تشریف لے گئے، ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد بتایا کہ پتلی کے اوپر خون جم گیا ہے، بڑے صدمے کی بات تھی، ڈاکٹر نے آپریشن کر کے اس کو دور کیا، ایک ہفتہ تک اسپتال میں قیام رہا، اسپتال سے واپسی پر پہلے سے منظور شدہ جلسوں میں شرکت شروع کی، اس دوران کئی مرتبہ سفر نہ کرنے کی گزارش کی گئی، مگر وعدہ خلافی کا عذر سامنے رکھتے ہوئے مجبور ہو کر خاموش ہوجانا پڑتا، بخار میں کمی ہوئی تو سفر شروع کردیتے۔

بیماری کا سلسلہ جاری رہا، کبھی کمی ہوجاتی تو کبھی زیادتی، مارچ کے مہینے میں طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی، پروگرام منسوخ کردیے، مبارک پور کی مصروفیت سے زیادہ بار پڑا، فرمانے لگے: مجھے آرام کی ضرورت ہے، یہاں سے کہیں اور چلو، آج وہ شخص یہ بات کہہ رہا ہے جس نے کبھی آرام کے بارے میں سوچا ہی نہیں، آرام اس کو اسی وقت ملتا تھا جب وہ دینی مصروفیات اور تبلیغی سرگرمیوں میں رہتا۔

یہ آرام صرف اس لیے کہ شاید اس وجہ سے بیماری میں کمی ہو تو میں الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے کوشش کروں؛ کیوں کہ بیماری رکاوٹ بن رہی تھی، طے ہوا کہ بلرام پور تشریف لے چلیں، تشریف لے گئے، وہاں پہنچا کر میں واپس آگیا، وہاں استغراقی کیفیت شروع ہوگئی، اس کے باوجود بھی نماز کا ہر وقت خیال رہتا تھا، چند روز کے بعد اس میں تخفیف ہوئی تو ہر وقت الجامعۃ الاشرفیہ کا تذکرہ کرتے، اس تذکرے سے کچھ سکون ملتا، جب مجھے مبارک پور اس کی اطلاع ملی تو میں بے چین ہوگیا، فوراً بلرام پور کے لیے روانہ ہوا، میرے ہم راہ مولانا بدرالقادری ایڈیٹر "ماھنامہ اشرفیہ" بھی تھے، بلرام پور پہنچنے پر بہتر حالت میں پایا، قدم بوسی کی اور رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا، ایڈیٹر صاحب کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا، دعائیں دیں، احباب کی مجلس میں ان کی خدمات کو سراہا، تعریف کی اور ماہ نامہ کی اشاعت پر زور دیا، کچھ مخلصین وہیں خریدار بن گئے، یہ سب وہی جذبہ تھا جو کبھی بچپن میں مچل کر پوچھتا تھا کہ: ماں! تم تو کہتی تھیں کہ داداجان کا فرمان ہے" میرا بیٹا عالم بنے گا" لیکن میں تو عالم نہیں بنا؟ اس وقت کے مچلتے ہوئے جذبات آج عملی جامہ پہنے قوم کے سامنے تھے۔

مجھ سے فرمایا تم ٹاٹانگر چلے جاو، میں بیماری کی وجہ سے نہیں جاسکوں گا (حضرت ہمیشہ انھی تاریخوں میں وہاں گیارہویں کے جلسے میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے تھے، وہاں کے معتقدین، حضرت کی زیارت کے بہت زیادہ مشتاق تھے، علالت کی خبر پاکر چند حضرات مبارک پور کے لیے روانہ ہوگئے، لیکن ان ایام میں حضرت بمبئی میں تھے، بلرام پور جانے سے چند روز پیش تر حاجی عبدالستار صاحب آئے تھے وہ علاج کے سلسلے میں ٹاٹانگر لے جانا چاہتے تھے) دن میں مجھ سے یہ فرمایا اور رات میں پتا نہیں کب یہ طے کر لیا کہ ٹاٹانگر جانا ہے، صبح فرمانے لگے ٹاٹانگر چلنا ہے، تیاری کرلو، اور خود سامان ٹھیک کرنے لگے، معلوم کرنے پر بتایا کہ میں بھی چلوں گا، اب سب لوگ پریشان ضعف اتنا کہ چلنا مشکل، بیماری نے ساتھ ابھی چھوڑا نہیں اور ٹاٹانگر کا مشکل ترین، تکلیف دہ سفر کرنے کو تیار، منت سماجت کی، فرمانے لگے: بیکل صاحب ہم راہ رہیں گے تو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

مبارک پور سے آتے ہوئے الحاج محمد حسین صاحب اور خود جناب ڈاکٹر عبدالمجید صاحب نے کم زوری اور نقاہت کا خیال کرتے ہوئے، نہ صرف جانے سے منع کیا، بلکہ ڈاکٹر صاحب نے حضرت کا سامان اٹھا کر گھر ہی بھیج دیا اور کہا حضرت! اس وقت چاہے اس کے لیے آپ ناراض ہوجائیں مگر میں جانے نہ دوں گا اور بہت سے جاں نثار بلرام پور تھوڑی دیر میں جمع ہوگئے، ان تمام کے اصرار اور جناب بیکل صاحب کی حکمت عملی سے مجبور ہوئے، تو جمشید پور جانے کا پروگرام منسوخ کیا، مگر بار بار اظہار افسوس کرتے رہے کہ وہاں میرے پہنچنے سے ہزاروں مسلمانوں کو خوشی ہوتی، افسوس! آپ لوگوں نے بلاوجہ روک لیا، حقیقت یہ ہے کہ حضرت اس وقت

جتنے کم زور اور لاغر تھے، سفر کسی طرح مناسب نہیں تھا، مگر اس جذبۂ دینی کا کیا کیجیے گا جس نے انھیں عمر بھر سیماب صفت رکھا۔

بلرام پور میں حافظ ملّت کی موجودگی:

جب ڈاکٹر صاحب وغیرہ نے ٹاٹا نگر جانے سے روک لیا تو برہمی کا اظہار کیا اور فرمانے لگے کہ میرے رب نے مجھے صحت بخشی، شب سے پہلے کسی قدر کھانسی آرہی تھی، لیکن پوری رات اور اب تک کھانسی نہیں آئی، میں نے اپنے رب سے صحت کے لیے التجا کی تھی، اس نے مجھے صحت بخشی، آپ لوگوں نے روک کر اچھا نہیں کیا، یہ الفاظ جب عقیدت مندوں نے سنے تو اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ کوئی بھی مزید گفتگو کی ہمت ہی نہیں رکھتا تھا اور یہ طے کیا کہ اگر حضرت جانے کے لیے فرمائیں گے تو روکا نہیں جائے گا، بلکہ جانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔

حاجی محمد حسین صاحب نے حضرت سے جناب عبد الحکیم صاحب و حاجی غلام یٰسین صاحب بنارسی کا پیغام کہا، عبد الحکیم صاحب ہر سال گیارہویں کے مہینے میں سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کی نیاز کے سلسلے میں میلاد شریف کا انعقاد کرتے تھے جس میں حضرت شرکت فرمایا کرتے تھے، امسال بھی شرکت کرنی تھی، حاجی غلام یٰسین صاحب کے یہاں شادی تھی جس میں شرکت کے لیے موصوف کا اصرار تھا، ان حضرات کی دل جوئی کرتے ہوئے حضرت نے بنارس جانے کا عزم کیا اور بلرام پور سے بنارس کے لیے روانہ ہوئے، چلتے وقت حافظ محمد حنیف صاحب سے فرمایا کہ اب بلرام پور نہیں آنا ہے، حافظ جی موصوف سمجھے کہ ناراضگی کی بنا پر حضرت ایسا کہہ رہے ہیں، حافظ جی گھبرائے اور ہمت کر کے اس سلسلے میں دریافت کیا، حضرت نے کہا ہر بات معلوم نہیں کرتے ہیں، عقیدت مندوں کو کیا معلوم تھا کہ واقعی یہ آخری سفر ہے اور حضرت ہمیشہ کی جدائی کا پیغام دے رہے ہیں۔

صبح بلرام پور سے روانہ ہو کر سخت دھوپ اور گرم ہواؤں کا سامنا کرتے ہوئے شام کو ۵/ بجے کے قریب بنارس پہنچے، وہاں عبد الحکیم صاحب سے ملاقات کے بعد معلوم ہوا کہ گیارہویں کی تقریب اس تاریخ کو نہیں ہے، بلکہ دوسری تاریخ کو ہے، حاجی غلام یٰسین صاحب کے یہاں شادی میں شرکت کر کے مبارک پور واپس آگئے، یہاں کے حالات کچھ اچھے نہیں تھے، حضرت شمس العلما قبلہ [علامہ قاضی شمس الدین احمد جعفری جون پوری، مصنف قانون شریعت] جو اس وقت دار العلوم اشرفیہ کی مسند شیخ الحدیث پر فائز تھے، اشرفیہ کو خیرباد کہہ کر چلے گئے تھے، جس سے تعلیمی نقصان ہو رہا تھا، اراکین ادارہ کو طلب فرما کر مشورہ ہوا، ایک وفد حضرت شمس العلما قبلہ کی خدمت میں گیا، پھر بھی موصوف تشریف نہیں لائے، حضرت موصوف کی درسی کتب کا انتظام ہو گیا، لیکن بخاری شریف کا انتظام نہیں ہو پایا تھا، چوں کہ میں بھی دورہ کا ایک طالب علم تھا اور حضرت ہی نے بخاری شریف شروع کرائی تھی، آپریشن و بیماری کی وجہ سے حضرت شمس العلما قبلہ بخاری

شریف پڑھانے لگے تھے، میں نے حضرت علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ بخاری شریف کا درس بند ہے نقصان ہو رہا ہے، یہ سن کر چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا، دلی تاثرات ان الفاظ میں ادا ہوئے۔

عبدالعزیز کے ہوتے ہوئے اشرفیہ کی تعلیم پر حرف آئے، یہ نہیں ہو سکتا، جلسے والوں کو خط لکھ دو کہ مدرسے کی ضرورت کے تحت میں شرکت کرنے سے مجبور ہوں۔

پروگرام کی منسوخی بیماری کی بنا پر بھی ہو سکتی تھی مگر آپ نے بیماری اور تکلیف کو، دین کی خدمت جو ان جلسوں سے وابستہ تھی، اس پر قربان کر دیا تھا لیکن جب مدرسے کے نقصان کی بات آئی تو سارے پروگرام منسوخ کر دیے، اس سے حافظ ملت کی نگاہ میں تعلیم کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

حافظ ملّت کے اس نظریے سے علماے ملّت اسلامیہ کو سبق حاصل کرنا چاہیے اور درس گاہوں سے زیادہ جلسوں کو اہمیت نہیں دینی چاہیے، ویسے تو آپ کی پوری زندگی درس ہے، ذمہ داروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت نے ایسی حالت میں یہ عزم کر لیا ہے تو گھبرائے اور آرام کرنے کا مشورہ دینے لگے، لیکن وہ مرد مجاہد اپنے ارادے سے نہیں ہٹا، بعد میں حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے بخاری شریف شروع کرا دی ہے، اس خبر سے حضرت کو سکون حاصل ہوا اور مطمئن ہو گئے۔

بیماری ہچکولے لیتی رہی کبھی زیادہ، کبھی کم، وقت گزرتا گیا، اس درمیان جلسوں میں شرکت بھی کرتے رہے، لیکن جب سفر نا قابل برداشت ہو گیا تو ملتوی کر دیا، اسی دوران ایک خط کپتان گنج ضلع دیوریا سے آیا کہ اگر آپ جلسہ میں شرکت نہ فرمائیں گے تو یہاں کی سنیت کو عظیم نقصان پہنچ جائے گا۔ جس نے سنیت کے فروغ کے لیے اپنی زندگی قربان کر دی، اپنی ساری صلاحیت صرف کر دی، وہ کیسے اس جملے کو سن کر خاموش رہ سکتا تھا؟ اپنی نقاہت وکم زوری، جو اس درجہ تھی کہ چند قدم چلنا مشکل تھا، چلتے تو قدم لرزتے، اس کے باوجود فرمایا کہ خط لکھ دو کہ میں شرکت کروں گا۔

سفر شروع کیا، تیز بخار کھانسی اپنے شباب پر تھی، اسی حالت میں مبارک پور سے گورکھپور تک بس سے سفر کیا، پھر وہاں سے ٹرین کے ذریعے کپتان گنج پہنچے، ٹرین میں بیٹھ نہیں سکتے تھے، لٹا دیا گیا، بخار نے مزید شدت اختیار کر لی، کھانسی بھی پیچھے نہ رہی، بلغم کافی مقدار میں خارج ہونے لگا، کپتان گنج اسٹیشن پر چند لوگ رکشا لیے منتظر تھے، رکشا کے ذریعے اسٹیشن سے قصبہ کے اندر جانا تھا، سڑک حکومتِ وقت کا شکوہ کر رہی تھی، اسی سڑک سے تقریباً ایک میل رکشا کے ذریعہ جانا تھا، مزید برآں مئی اور دھوپ کی تمازت، ۱۲ بجے دن کی گرم ہواؤں کا تھپیڑا، ایک بیمار کے لیے کتنا مضر ہوگا، اس کا اندازہ آج کل مشکل نہیں، ان سب کا مقابلہ کرتے ہوئے آبادی میں پہنچے، نعرۂ تکبیر و رسالت سے لوگوں نے استقبال کیا۔

ہمارے میزبان ایک ڈاکٹر صاحب تھے، بہت ہی خلیق، نیک طبیعت، جب حضرت کی یہ کیفیت دیکھی توانھوں نے مکمل آرام کا انتظام کیا، کھانسی میں کچھ کمی ہوئی، بخار کچھ نرم ہوا، دن گزرا، رات آئی، کھانسی زیادہ ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے کھانے اور مالش کے لیے دوادی، جب تخفیف ہوئی تو جلسے میں تشریف لے گئے، باوجود عقیدت مندوں کے منع کرنے کے، اوّلِ وقت تقریباً ایک گھنٹے اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو فیض یاب کرتے رہے، تقریر کے بعد فوراً آرام گاہ تشریف لے آئے، آنے کے بعد کھانسی کا سلسلہ پھر شروع ہوا دوا، مالش اور سینکائی کا سلسلہ ڈھائی بجے رات تک چلتا رہا سکون ملنے کے بعد نیند آگئی۔

فجر کی نماز کے لیے بیدار ہوئے نماز ادا فرمائی، تھوڑا ناشتہ کیا، حافظ عبد الحکیم صاحب نے نچلول بازار کے جلسے میں شرکت کے لیے استدعا کی، بیماری کی وجہ سے معذرت کی، لیکن موصوف نے مدرسے کے نقصان کی بات سامنے رکھی جس کی وجہ سے شرکت کے لیے تیار ہو گئے، صبح ہی وہاں کے لیے روانگی، بس سے ہوئی، سڑک کے ہچکولے جو اچھوں کے لیے ورزش تھی، مگر مریضوں کے لیے سوائے سوہان روح کے کچھ نہیں، اس پر بس بھی پرائیوٹ، کسی طرح سسوا بازار پہنچے، عقیدت مند، ڈاکٹر حسام الدین صاحب کی قیادت میں استقبال کے لیے موجود تھے، چند گھنٹے وہاں رکنے کے بعد گرم ہواؤں اور چلچلاتی دھوپ میں نچلول بازار کے لیے بس کے ذریعہ روانہ ہوئے۔

تقریباً چار بجے شام کو نچلول بازار پہنچے، عقیدت مندوں کا میلا لگ گیا، ان کو نعمت غیر مترقبہ مل گئی تھی، اپنے مکانوں پر بھی لوگ لے گئے، باوجود نقاہت و بیماری کے، ہر شخص کی خواہش کی تکمیل کرتے رہے، جیسے معلوم ہوتا تھا کہ زبان خاموش سے کہہ رہے ہوں: اے لوگو! یہ آخری سفر ہے، پھر کہاں پاؤ گے، بعد نماز عشا جلسے کا افتتاح ہوا، حضرت نے اپنی نقاہت کی بنا پر پہلے تقریر کی تقریباً ایک گھنٹہ تقریر کی، تقریر کے اختتام پر ” ماہنامہ اشرفیہ “ کا اعلان شروع کیا اور اس کی موجودہ کاپیوں کو فروخت کرنے لگے، چند لوگوں نے ماہنامہ کی کاپیاں خریدیں، کچھ کاپیاں بچ گئیں، فرمانے لگے کہ جب تک یہ تمام پرچے فروخت نہیں ہو جائیں گے میں کرسی سے نہیں اتروں گا، ایک تو نقاہت و بیماری، اس پر تقریباً ایک گھنٹے کی تقریر، اور وہ بھی پوری آواز سے جو حضرت کی عادت تھی، اس کے بعد ” ماہنامہ اشرفیہ “ کا اعلان، لوگ پریشان ہو گئے اور فوراً تمام کاپیاں بک گئیں، اسی سے حضرت کی خواہش کا پتا چلتا ہے کہ وہ اس ماہنامے کی اشاعت کو کہاں تک چاہتے تھے، اس کے فروغ میں کس قدر ہماری کوششوں کے خواہش مند تھے۔

عقیدت کا دم بھرنے والے حضرات کو، حضرت کی خواہش کا ہر لحاظ سے احترام کرنا چاہیے، زبانی عقیدت کا دم بھرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ عملی جامہ پہنانے سے کام چلتا ہے، حافظ ملّت ایک عملی شخصیت تھے،

ان کی بارگاہ کا بہترین نذرانۂ عقیدت، عملی صورت ہی میں ہو سکتا ہے، آج حافظ ملّت اپنے مرقد میں ملاحظہ فرماتے ہوں گے کہ ماہنامہ اشرفیہ جو میرا رسالہ ہے، اس کی طرف لوگ کتنے متوجہ ہیں، اس کی اشاعت میں کس قدر کوشاں ہیں، ہمیں اس مرد مجاہد نے تعمیری ذہن دیا تھا، تعمیر ہی ہمارا نصب العین ہونا چاہیے، ان کی پیرانہ سالی ہمارے ذہنوں کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے بشرطے کہ اپنے محسن سے صحیح معنوں میں عقیدت رکھیں۔

جلسہ ختم ہونے سے قبل ہی حضرت آرام گاہ تشریف لے آئے، صبح ۸ بجے گورکھپور کے لیے پسنجر بس کے ذریعہ روانہ ہوئے، یہ بس، جگہ جگہ اپنے بہی خواہوں کو آداب کرتی، کورنش بجالاتی، دوسروں کی تکلیف کا احساس کیے بغیر، ساڑھے بارہ بجے گرم ہواؤں اور دھوپ کا مقابلہ کرتے ہوئے گورکھپور پہنچی، پیاس کی شدت، بھوک کا غلبہ بے قرار کر رہا تھا، اسی حالت میں ایک بجے گورکھپور سے اعظم گڑھ کے لیے بس کے ذریعے روانہ ہوئے، ۴ بجے اعظم گڑھ پہنچے طبیعت نڈھال ہو رہی تھی، بخار تیز ہو گیا تھا، پانی وغیرہ سے کچھ سکون ملا، مگر وقتی، ۵ بجے کے قریب مبارک پور بس سے پہنچے، اس طرح ۹ گھنٹے مسلسل بس کے سفر میں گزرے، جس نے جسم کو بے جان سا کر دیا تھا، اچھا آدمی اس سفر کے بعد اپنے کو بیمار سمجھ بیٹھے گا چہ جائے کہ ایک نحیف و کمزور انسان، جو مسلسل بیماریوں کا مقابلہ کرتا چلا آ رہا ہو، اس کا کیا حال ہو گا خود اندازہ کریں، مبارک پور آنے کے بعد کمزوری بے حد بڑھ گئی، اٹھنا بیٹھنا مشکل، یہاں تک کہ لیٹنا بھی تکلیف دہ ہو گیا، اس پر بھی کسی کی مدد کے خواہش مند نہیں، سارا کام خود کرنا، یہ اور بات ہے کہ کوئی کام کر دے، پھر بھی اپنے اوپر کبھی بیماری کا نفسیاتی اثر نہ پڑنے دیتے، جیسے دوسرے لوگ بیماری کا احساس کر کے اپنے کو مزید بیمار کر لیتے ہیں، یہاں اس کی جھلک بھی نہیں ملتی، وقت پر ہر نماز ادا کرنا، وہ بھی کھڑے ہو کر، دیگر معمولات میں بھی فرق نہیں پڑتا۔

نچلول بازار سے واپسی پر دوسرے روز "سکٹھی" جو مبارک پور کا ایک حصہ ہے، عبدالاحد خان صاحب کے یہاں شب میں موصوف کی دل جوئی کی خاطر دعوت میں شریک ہوئے، موصوف سے ادارہ کو بڑی امیدیں ہیں، ایسے حضرات کی جن سے ادارہ کو فائدہ پہنچتا، ہمیشہ دل جوئی فرماتے رہے، آج بھی اسی جذبہ کے تحت اپنی بیماری و کمزوری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سکٹھی پہنچے، حالاں کہ وہاں پہنچنے پر بخار تیز ہو گیا، وہاں سے بہت جلد واپس ہوئے مگر اپنی آرام گاہ نہیں آئے، بلکہ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کے مکان واقع حیدر آباد (مبارک پور کا ایک محلہ) تشریف لائے، آپ کے صاحبزادے جناب شبیر احمد صاحب نے میلاد کا انتظام کیا تھا، اس میں شریک ہوئے اور دعا کر کے واپس مکان تشریف لائے، بخار بہت تیز ہو گیا، رات کے کسی حصے میں نیند آئی، پھر اس حصے میں بیدار ہوئے جب ہمیشہ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے اور اپنے رب سے التجا کیا کرتے تھے، تیمم پر اکتفا کر کے نماز ادا کی پھر صبح فجر کے لیے بیدار ہوئے، بخار کچھ کم ہو گیا تھا مگر نقاہت ویسی ہی

برقرار رہی، جمعہ کا دن، نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جامع مسجد پیدل تشریف لے گئے، گرمی شباب پر، ہوائیں جسم کو جھلسا دینے والی، ان سب کی پرواہ کیے بغیر اپنے رب کا سجدہ کرنے مسجد پہنچ گئے، نماز کے بعد عقیدت کیشوں کا ہجوم اپنے محسن کی زیارت کے لیے بے تاب، ہر شخص یہی چاہتا کہ میں دست بوسی کی سعادت حاصل کرلوں، اپنی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے ہجوم حضرت کے جلو میں مسجد کے باہر آیا، یہاں دو رویہ حاجت مندوں کا اجتماع، اپنی ضرورتوں کو اللہ کے اس نیک بندہ کی بارگاہ میں، خاموش التجاؤں کے ساتھ پیش کر رہا تھا اور حضرت دعا کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، مکان تشریف لائے، عقیدت مندوں کا ہجوم اپنے کرم فرما کو حسرت بھری نگاہوں سے مکان کے اندر جاتا دیکھ رہا تھا، اندر تشریف لائے، ہجوم پر ایک محبت بھری نگاہ ڈالی اور خاموش نگاہوں سے ہی جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اندر تشریف لائے اور بے پناہ تکان دور کرنے کے لیے لیٹ گئے، بخار کا شدید دورہ پڑا جس نے ہماری امیدوں کے چراغ کو گل کر دیا، مگر قدرت نے سہارا دیا، دورہ کا اثر ختم ہوا، آنکھیں کھولیں، ہمت بندھائی، خاموش زبان کہہ رہی تھی کہ ابھی زندگی کی شمع گل نہیں ہوئی، ہاں البتہ مدھم پڑ گئی ہے، معالج کو بلایا گیا، وقتی سکون کے لیے دوا دی، اس سے کچھ سکون نہیں ہوا، گھوسی سے ڈاکٹر شکیل صاحب کو بلایا گیا، ان کے ہمراہ ڈاکٹر ایوب صاحب بھی آئے، رات کو دو بجے ان دونوں ڈاکٹر صاحبان نے حضرت کا معاینہ کیا، انکشاف بھیانک تھا، ہم لوگوں کے دل ٹوٹ گئے، بارگاہ رب العزت میں دعائیں کرتے رہے، مرض کا باقاعدہ علاج شروع ہوا۔

غیر شرعی چیزوں سے جیسے زندگی بھر محفوظ رہے، اس آخری علاج میں بھی محفوظ رہے، ڈاکٹر صاحب نے انھی دواؤں کا انتخاب کیا جن کی اجازت شریعت مطہرہ دیتی ہے، دواؤں کا استعمال ہوا، صحت بہتر ہوتی گئی، جہاں دو قدم چلنا مشکل، اب اپنی ضرورتوں کو آسانی سے پورا کرلیتے، اسی درمیان مجھ سے فرمانے لگے۔

میاں! یہاں لوگ آتے ہیں، کوئی رہتا نہیں، تکلیف ہوتی ہے، تم مدرسہ سے چھٹی لے لو اور بخاری شریف مجھ سے پڑھ لیا کرو۔

میں نے اپنے تئیں پڑھنے والی بات کو مناسب نہیں سمجھا، لیکن جب اصرار زیادہ فرمایا تو مجبوراً بخاری شریف کے اسباق پڑھتا رہا، دونوں وقت سبق پڑھاتے رہے اور مقدار بھی کافی ہوتی رہی، پڑھاتے وقت محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی بیماری نہیں ہے، بلکہ صحت مند استاد سبق دے رہا ہے، صحت اتنی جلدی عود کر رہی تھی کہ ایک ہفتہ علاج ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب آئے تو دور سے دیکھ کر شبہے میں پڑ گئے کہ حضرت ہیں یا حضرت کے چھوٹے بھائی؟ نزدیک پہنچنے پر پتا چلا کہ حضرت ہیں، اس کا اظہار موصوف نے حضرت سے بھی کیا اور خوشی کا اظہار بھی کیا۔

دن گزرتے گئے، صحت بھی بہتر ہوتی گئی، کچھ بھی آثار جدائی کے نظر نہیں آرہے تھے حالات بہتر نظر

آرہے تھے، اسی حالت میں وہ دن بھی آگیا جو میری زندگی کا سب سے المناک اور حوصلہ شکن دن تھا، دوپہر کا کھانا تناول کیا، حسب معمول قیلولہ کے بعد نماز ظہر ادا کی، پھر بخاری شریف کا درس دینے لگے، کتاب الجنائز تک سبق پڑھایا، درمیان سبق دریافت فرمایا کہ آج کون سا دن ہے، میں نے عرض کیا آج دوشنبہ ہے، فرمانے لگے: آج ہی کے روز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا، میں سوچنے لگا اس گفتگو کا درس کی حدیث شریف سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر ایسا کیوں فرمارہے ہیں؟ ذہن نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، پھر اس کی طرف سے دھیان ہٹ گیا، کیا پتا تھا کہ اس کے پردے میں اپنی جدائی کا تذکرہ فرمارہے ہیں؟ مجھ کو شام کی ٹرین سے گھوسی ہوتے ہوئے خلیل آباد جلسے میں جانا تھا، اجازت لے کر محب گرامی مولانا سید اصغر امام صاحب کے ہمراہ روانہ ہوا، لیکن گھر سے باہر نکلتے وقت حضرت کی نگاہیں میرا تعاقب کرتی رہیں، اس تعاقب کے بارے میں جب آج سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ عبد الحفیظ! تو کتنا نادان ہے، اپنے مشفق و مہربان والد کو چھوڑ کر باہر جارہا ہے، جو چند ساعت کے بعد دنیا کو خیر باد کہنے والے ہیں۔

دروازے سے باہر نکلنے سے قبل اس محسن کا آخری دیدار کیا، چہرہ پُر سکون لیکن قوم کا درد لیے ہوئے، آنکھیں ملّت کے غم میں ڈوبی ہوئیں، اطمینان سے ہم لوگ گھوسی روانہ ہوئے، گھوسی پہنچ کر ہم لوگوں نے آرام کیا، رات کو ایک بجے مولانا عبد المنان کلیمی صاحب نے مجھے جگایا اور کہنے لگے کہ مبارک پور سے دو آدمی آپ کو لینے آئے ہیں، میرے منہ سے برجستہ انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا، نہ میں نے کچھ پوچھا، اور نہ انھوں نے ہی کچھ بتایا، باہر آکر دیکھا واقعی دو آدمی موٹر سائیکل لیے میرا انتظار کر رہے ہیں، خاموشی سے موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا، موٹر سائیکل روانہ ہوئی اور ہوا سے باتیں کرتی ہوئی منزل کی طرف بڑھتی رہی، راستہ بھر سوچتا رہا آخر ایسی کیا بات ہوگئی کہ یہ لوگ مجھے لینے کے لیے آئے ہیں، کیا بچے کی طبیعت خراب ہوگئی؟ والد صاحب قبلہ کی کیسی حالت ہے؟ میرے وہم وگمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ ایسا حادثہ ابھی ہوسکتا ہے، معلوم کرنے کی ہمت بھی نہیں تھی۔

خاموشی کے ساتھ راستہ طے ہوتا رہا، مبارک پور پہنچنے پر ایک کثیر مجمع نظر آیا، سسکیوں کی صدائیں سنائی دیں، تب احساس ہوا کہ آج میں اکیلا رہ گیا ہوں، پدرانہ شفقت کا سایہ اٹھ چکا ہے، اندر پہنچا، حالت ناقابل برداشت، پیروں کی طاقت سلب ہو چکی تھی، لرزتا ہوا زمین پر آگیا، چارپائی کا پایہ پکڑ کر اکیلے پن کا شکوہ آنسوؤں کی شکل میں کرنے لگا، لوگ دلاسا دیتے رہے دلاسا دینے والے خود بے قابو، ان کو خود سہارے کی ضرورت، آنکھیں خشک ہوگئیں، دل بے قرار اور چین مفقود ہوگیا، در و دیوار حسرت سے تک رہے تھے یا الٰہ العالمین! تیرا وہ بندہ ہم سے جدا ہو رہا ہے جس کی راتیں تیرے لیے وقف تھیں، جو تنہائی میں تجھے یاد کیا کرتا تھا، تیری یاد میں اس کے لیے آرام تھا، تیرا ذکر ہی اس کی زندگی تھی، اب وہ پر کیف راتیں ہم کو کہاں ملیں گی؟ اب وہ رحمت کی

بارش کا کیف بار منظر کہاں نظر آئے گا؟ یارب العالمین!

مبارک پور کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا اپنے اور غیر کی تمیز مشکل ہوگئی تھی، وہ لوگ جو زندگی میں جانی دشمن تھے آج وہ اشکبار تھے، محسوس ہو رہا تھا کہ ہر گھر سے جنازہ اٹھنے والا ہے اور کیوں نہ ہو؟ حافظ ملّت اب ایک قوم کا نام تھا، پوری ملّت کی آبرو کا نام تھا، مسلمانوں کے احساسات کا نام تھا، رب کی بے بہا نعمت کا نام تھا، حافظ ملّت نے پوری قوم کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا، وہ جدا ہو گئے تھے، لیکن ہر قلب پر اپنی یاد کو ثبت کر دیا تھا، اپنے اور بیگانے سبھی اللہ کے اس نیک بندے کا آخری دیدار کرنے، غم واندوہ کے فطری جذبات کے ساتھ آتے اور زیارت سے شرف یاب ہوکر لوٹتے، آج ان کے چہرے پر سکون تھا، آنکھیں مطمئن تھیں، اس ذات سے ملاقات ہوئی تھی جس کی یاد اور جس کا عشق ہی متاع زندگی تھا، جس کا قول وفعل ہی مشعل راہ تھا۔

آج پھولے نہ سمائیں گے، کفن میں آسی
ہے شب گور بھی، اس گل سے ملاقات کی رات

جدا ہوتے ہوئے اپنے غلاموں کو سبق دے رہے تھے۔

ہمیں کرنی ہے، شہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے، تو رحمت پرور دگار اپنی

حافظ ملّت کا پُر سکون چہرہ اپنے عقیدت مندوں سے کچھ کہہ بھی رہا ہے کہ اے قوم! جب میں ظاہری طور پر تمہارے درمیان تھا تو تم سب کچھ لٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے بلکہ قربانیاں دے کر "الجامعۃ الاشرفیہ" کی تعمیر شروع کی، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری عدم موجودگی کی بنا پر تمھارے وہ جذبات سرد پڑ جائیں اور میرا سرمایۂ حیات "الجامعۃ الاشرفیہ" اپنی ناتمام منزل ہی پر رہ جائے، نہیں، ایسا نہ ہونے دینا، میں نے ہمیشہ تمھاری بھلائی کے بارے میں سوچا ہے، آج بھی تمھاری بھلائی ہی کے لیے تم سے کہہ رہا ہوں: اس کو ہمیشہ ترو تازہ رکھنا، باد سموم سے اس کی حفاظت کرنا، اس کی تکمیل کی طرف قدم بڑھاتے رہنا، اگر تم نے ایسا کیا تو رحمت الٰہی ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے گی، تم زندہ رہو گے، اور آنے والی نسلوں کے لیے زندگی کا شعور مہیا کرو گے، تم نے ہمیشہ میری خواہش کی تکمیل کی ہے، الجامعۃ الاشرفیہ بھی میری خواہش ہے۔

منزل راہرواں، دور بھی، دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں، قافلہ سالار بھی ہے

اقبال

حافظ ملّت بحیثیت ایک سعادت مند شاگرد

بدر القادری[1]

حافظ ملت علیہ الرحمہ کو حضرت صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی صاحب علیہ الرحمہ سے، استاذ و مرشد اور مربی ہونے کے ناطے، نہایت درجہ محبت اور شیفتگی تھی، اس لیے کہ انھی کی نگاہ کرم نے انھیں خزف سے کیمیا بنایا تھا، حضرت صدر الشریعہ نے حافظ ملت کو علم و فضل سے بھی نوازا تھا اور ان پر اپنے کردار و اعمال کا پورا پورا اثر بھی ڈالا تھا، اس طرح حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ علم و عمل میں ثانی صدر الشریعہ بن گئے تھے، استاذ گرامی سے آپ کی والہانہ عقیدت و محبت کا اظہار قدم قدم پر ہوتا تھا، ایک بار خود فرمانے لگے کہ جب میں اجمیر شریف میں طالب علم تھا تو حضرت صدر الشریعہ عصر کی نماز کے بعد مجھے اور مولانا سردار احمد صاحب کو ایک کتاب (غالبًا قطبی) کا درس دیتے تھے، ہم لوگ حضرت کی درسگاہ سے نکل کر، جب باہر ہونے لگتے تو ہم میں کا ہر ایک صدر الشریعہ کے نعلین درست کرنے میں سبقت کرتا حتیٰ کہ کبھی کبھی ہم لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے، چناں چہ کچھ روز بعد آپس میں یہ طے پایا کہ ہم دونوں ایک ایک پاؤں کا جوتا سیدھا کر دیا کریں تاکہ دونوں برابر فیض اٹھائیں اور کوئی محروم نہ رہے، یہ وارفتگیِ شعور کی پختگی اور علم کی کاملیت کے ساتھ ہی پختہ ہوتی گئی، اپنے مکتوبات میں اکثر یہ القابات استعمال فرماتے:

”سیدی و مولائی، مرشدی و ملجائی دامت معالیہم“ پتا اس طرح تحریر فرماتے:

”بہ شرف ملاحظۂ اقدس حضرت عظیم البرکت، مولائے نعمت، عالی جناب، معلّیٰ القاب، حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب قبلہ زید فیضانہ“

اور بالاستقلال خط کے تمام پر اپنے نام سے پہلے ”کفش بردار“ کا لفظ تحریر فرماتے، جو صرف کاغذی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اس غایت محبت کا یہ اثر تھا کہ حافظ ملت صدر الشریعہ کے متعلقین اور عزیزوں پر بھی اپنی جان چھڑکتے تھے اور ان کی خوش نودی تلاش کرتے تھے، حضرت صدر الشریعہ کے پوتے مولوی قمر الہدیٰ

(۱) تعارف ص:۴۲ پر دیکھیں۔

صاحب کی تعلیم اور خورد و نوش کے انتظام سے متعلق لکھتے ہیں:

خارج وقت میں ان کو لکھنے کی مشق بھی جلد ہی شروع کرادوں گا، ان کا خورد و نوش میرے ساتھ ہے اور میں حضور ہی کا کھاتا ہوں اس لیے حضور اس کا قطعاً خیال نہ فرمائیں، حضور کی دعا کافی ہے۔ (محررہ ۲/صفر ۱۳۶۶ھ از مبارک پور)

مقبول عوام مقولہ " تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے" کے مصداق حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ بھی حافظ ملت پر بے حد شفیق اور باپ سے زیادہ مہربان تھے، ان کے دل میں بھی اپنے اس ہونہار شاگرد کے لیے بے حد وقعت اور محبت تھی اور کامل وثوق تھا کہ حافظ ملت سے ملک میں میرے علوم کو فروغ ہوگا، اسی اعتماد کا نتیجہ تھا کہ صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مولوی عطاء المصطفیٰ صاحب اور قاری رضاء المصطفیٰ صاحب سے لے کر بعد کے تقریباً تمام فرزندان گرامی اور پوتوں کو حافظ ملت کی سرپرستی میں دے دیا اور لائق شاگرد نے اپنے باوقار استاذ کی عطا کی ہوئی علمی امانت اس کے وارثین تک پہنچانے میں ذرہ برابر کسر نہ اٹھا رکھی، محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ حضور صدر الشریعہ کے کرم سے مجھے علم کا جو کچھ حصہ مرحمت ہوا تھا وہ سب میں نے مولوی ضیاء المصطفیٰ کو دے دیا، حضرت حافظ ملت اپنے ان مخدوم زادوں کے ساتھ بے حد محبت کا برتاو کرتے تھے اور ان کی دل جوئی کے لیے بھرپور شفقت فرماتے تھے، چناں چہ حضرت صدر الشریعہ نے کسی کے لیے دوا طلب کی، حافظ ملت نے دوا ارسال فرمائی، حضرت نے دوا کی قیمت اور روانگی کی لاگت دریافت فرمائی، اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"پارسل پر ٹکٹ ۱۱/ کا لگا تھا اور ۱۲/ کی دوا تھی، پیسہ وصول کر کے میرے پیارے بھائی حافظ رضاء المصطفیٰ سلمہٗ (حضرت صدر الشریعہ کے صاحبزادے جو اس وقت کراچی جامع مسجد کے خطیب ہیں) کو دے دیے جائیں، امید کہ اس گزارش کو قبول فرمائیں گے۔ (مکتوب)

مگر تعلیمی سلسلہ میں ہمیشہ پابندی وقت کے ساتھ پڑھنے ہی پہ متوجہ رکھتے تھے، ایسا نہیں کہ غایت درجہ شفقت و محبت تعلیم کے راستہ میں کسی طرح حائل اور حارج ہو سکے، بلکہ معلمانہ اصولوں کی پابندی فرماتے ہوئے موقع بموقع تنبیہ کو بھی لازمی قرار دیتے تھے۔

حضور حافظ ملت اپنے اوقات کے بے حد پابند، اس کی قیمت آشنا تھے اس لیے فضول وقت گذاری اور تضییع اوقات کو سمِ قاتل تصور فرماتے تھے، رخصت کے لیے گھوسی سے بھیجی ہوئی قاری رضاء المصطفیٰ صاحب کی درخواست کا جواب دیتے ہوئے انھیں لکھتے ہیں:

"ضروری کاموں کی فراغت تک رخصت منظور ہے مگر جلد فارغ ہونے اور جلد پہنچنے کی کوشش کرو، اب آپ کو بڑی جدوجہد سے تکمیل کرنی ہے، وقت کی قدر کرنا اور اس کو غنیمت جاننا آپ کا فرض ہے۔" (محررہ ۱۱/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ)

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں کہ مبارک پور کی سرزمین پر اشرفیہ جیسا علمی مرکز بنانے میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کی کامل توجہ شامل حال تھی، آپ حافظ ملت کو اپنا نائب مطلق تصور فرماتے تھے، اس لیے اس وادیِ پرخار میں علوم وعرفان کی چمن بندی کے لیے انھیں منتخب کیا اور روانہ فرمادیا، مبارک پور روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ " حافظ صاحب! میں آپ کو اکھاڑے میں بھیج رہا ہوں"

اس پر حافظ ملت نے عرض کیا:

حضور اکھاڑے میں اترنے کے لیے کچھ داو پیچ جاننا ضروری ہے۔

ارشاد ہوا:

خدا آپ کا حافظ و ناصر ہے (کمارواہ)

خدا کا نام لے کر حافظ ملت نے مبارک پور میں قدم رکھا اور اس اکھاڑے سے کامیاب و کامراں گزرے، اشرفیہ کے پرپیچ حالات میں وہ حضرت صدر الشریعہ سے ہمیشہ مشورہ فرماتے رہے اور اشرفیہ کے لیے تگ وتاز میں، انتظام وانصرام سے لے کر تعلیم وتعلم تک ہر معاملہ میں ان کی رائے گرامی بہرحال حاصل کرتے، انتظامیہ کے دانش مند لوگ بھی حضرت صدرالشریعہ کے مشوروں کو ہمیشہ مقدم رکھتے تھے، حافظ ملت کا تو یہ حال تھا کہ ان کی مرضی ہی سے ہر کام کرتے تھے، اس کے خلاف کچھ بھی نہیں۔

حضرت مولانا شمس الحق صاحب مدرس اشرفیہ کو ناگ پور سے تحریر فرماتے ہیں:

" حضرت ممدوح مدظلہ میرے مالک ہیں ان کے حکم کے خلاف میں کہیں بھی نہیں رہ سکتا"

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ ہمارے ضلع میں اسلام وسنیت کے کام کی سخت ضرورت ہے اور مبارک پور کی سرزمین اس کے لیے ایک مناسب مقام ہے چناں چہ ۱۳۵۳ھ میں حافظ ملت کی آمد کے بعد یک بیک ماحول کی کایا پلٹی اور قوم نے بیداری کی کروٹ کے بعد تعمیری کاموں کی جانب توجہ کی، حافظ ملت کی روشن خدمات نے مبارک پور اور ضلع کی پوری توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اور تعلیمی نظام شہرت پذیر ہوچکا تھا؛ اس لیے ادارہ کے انتظامی امور کی درستگی بھی ضروری تھی، مگر ایک مدرس کو کسی ادارہ کے انتظامی امور میں بھی دخیل بنالیا جائے اور اس کے تجربات وعلمی گہرائی سے اس راہ کو بھی آسان کرلیا

جائے، مبارک پور اس وقت اتنا بالغ نظر نہ ہو سکا تھا، حالاں کہ عامۃ الناس کی ادارہ سے وابستگی اور آمدنی کے سارے ذرائع حافظ ملت کی شخصیت سے وابستہ تھے، مگر انھوں نے کبھی از خود یہ پسند نہ فرمایا کہ انتظامیہ میں کسی طرح دخل اندازی کی جائے، مگر جب حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں اور کسی کی شبانہ روز مساعی کا خرمن آنکھوں کے سامنے تاراج ہو رہا ہو تو وہ اسے کس طرح گوارا کر سکتا ہے؟ حافظ ملت علیہ الرحمہ پر بھی ایسے ہی حالات آئے، اشرفیہ کے لیے دن رات مشقتیں اٹھانے والوں کو چار چار ماہ تک تنخواہیں نہ مل سکیں، صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے نام لکھتے ہیں:

> ”مدرسہ کی انتظامی حالت ابھی اسی رفتار پر ہے، آج چوتھے مہینے کی چار تاریخ ہوگئی، لیکن تنخواہ تقسیم نہیں ہوئی، سفارت کی آمدنی بھی سال گزشتہ کے برابر ہوئی“۔

مگر اس کے باوجود ان لوگوں کی پیشانیاں شکن آلود نہ ہوئیں بلکہ نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ لگے رہے اور ان تمام پریشانیوں کے ہوتے ہوئے اپنے فرائض میں کوئی کوتاہی نہ کرتے، ایک دوسرے مکتوب میں ہے:

> ”غلام نہایت خاموشی سے مدرسہ کا کام کرتا ہے اور اسی طرح ارشاد عالی کے مطابق جب تک منظور رب ہے، خدمت کرتا رہے گا، حضور سے التجا ہے کہ اس ناکارہ غلام کے لیے دعاے خیر فرمائیں“

اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ کام کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ راہ کے روڑے قدموں کے پھول بن جاتے ہیں، ادارہ کی بدنظمی سے مبارک پور کے عوام بدظن ہوگئے اور انھوں نے اپنے غم وغصے کا اظہار کیا، اس پر مستزاد سر پر چڑھتی ہوئی گرانی، لوگوں نے اپنے گھروں سے دونوں وقت کھانے والے طلبہ کو ہٹانا شروع کر دیا، ایسی صورت میں حالات کو قابو میں رکھنا نہایت مشکل امر تھا۔ مگر

> ”مدرسہ کی بدنظمی سے قصبہ کے لوگ بہت بددل ہیں، طلبہ کی جاگیر کا انتظام سب سے ضروری اور سب سے مشکل ہے جس کو کئی سال سے اراکین نے چھوڑ دیا ہے، اس سال بڑی دقت پیش آئی، اول تو مدرسہ کے اس رویہ سے لوگ بددل ہیں، دوسرے روزگاری حالت خراب ہے، جاگیریں چھوٹیں اور نئی جاگیر کی ایسی صورت میں کیا امید، جب کہ اراکین اپنے اس فریضہ سے سبکدوش ہوگئے تاہم میں نے خود ہی قصبہ میں کوشش کی، حضور کی دعا سے

مشکل حل ہوگئی اور سال گزشتہ سے کئی جاگیریں زیادہ ہوگئیں"۔(مرسلہ ۱۲/ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ)

ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ کے اس مکتوب نے مبارک پور کے جن حالات کی تصویر کشی اور مدرسین کی جس مظلومی کو بیان کیا، اس کے پیش نظر بہت ہی خاراشگاف حوصلوں کی حاجت تھی، جو انتظامی امور کو بھی اصول کاری سے آگاہ کرے اور پیٹ پہ پتھر باندھ کر تبلیغ دین اور علوم اسلامیہ کے فروغ میں سروتن کی بازی لگادے، حافظ ملت کو حضرت صدر الشریعہ نے حالات کی ناسازگاری کے باوجود مبارک پور سے الگ نہ ہونے دیا اور پامردی سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے کام کرنے کی تاکید فرماتے رہے جس کے نتیجہ میں مبارک پور اور اشرفیہ کے حالات میں پھر انقلاب آیا اور ادارہ ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا، مذکورہ بالا مکتوب کے سوا ماہ بعد کے ایک خط سے اس وقت کے حالات پہ روشنی پڑتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"مدرسہ کی حالت اچھی ہے، اہل شہر کی توجہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، اگر ملکی حالت کی نزاکت نہ ہوتی تو مدرسہ فوری ترقی کر جاتا"۔(مرسلہ ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ)

مبارک پور میں حافظ ملت کی آمد کے بعد ہی عوام میں تو کافی حد تک بیداری آگئی تھی، مخالفین سے آویزش کے بعد اہل علم طبقہ بیدار ہوا اور شدید پریشانیوں کے مقابلہ میں حافظ ملت کی جرأت وعزیمت دیکھنے کے بعد قصبہ کی اکثریت دل وجان سے آپ کی شیدائی بن گئی، آپ نے اس جوش وخروش کا احسن استعمال فرماتے ہوئے تعمیر دارالعلوم کا کام شروع کر دیا، اس وقت مسلمانوں کے جوش وخروش کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں:

اس وقت بفضلہ حضور کی دعاوں سے مبارک پور کی فضا اچھی ہے مسلمان بڑے جذبے کے ساتھ مدرسہ کا تعمیری چندہ جمع کر رہے ہیں، تقریبًا دس ہزار [روپئے] کی وصولی ہوچکی ہے، ابھی اور امید ہے، دعا فرمائیں مولیٰ تعالیٰ اور زیادہ توفیق دے۔

(مرسلہ ۲/اگست ۱۹۳۸ء)

حافظ ملت نے مبارک پور کے مسلمانوں کو جینے کی ایک نئی راہ دکھائی تھی، ان کی کامیاب تعمیری کار کردگی کا نتیجہ تھی، آپ نے مخلص اور دیانت دار اراکین وممبران کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی، ان کے کاموں کو سراہا، آپ کی بارگاہ میں دین کے بے لوث خدمت گزاروں کو ہمیشہ عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھا گیا، جس دور میں مدرسہ کے انتظامی حالات خراب تھے اور اخراجات کی فہرست آمدنی سے طویل ہو رہی تھی، مدرسہ کے ناظم اعلیٰ جناب حاجی محمد عمر صاحب مرحوم وغیرہ کی انتھک جدوجہد نے گردش ایام کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور مدرسہ کی تعمیر شدہ دیواروں پہ چھتیں ڈلوادیں، حافظ ملت نے اس کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ

علیہ الرحمہ کے پاس لکھا:

”امسال مدرسہ کے اخراجات میں زیادتی، اور آمدنی میں قلت رہی، کام کرنے والوں کی کم توجہی کو دخل ضرور ہے، باہر سے کوئی معتدبہ آمدنی نہیں حتیٰ کہ کوئی سفیر بھی نہیں، نہ کوئی وثوق کا آدمی دستیاب ہوتا ہے، موجودہ روش پر مدرسہ کی موجودہ حالت کی بقا بھی مشکل ہے، چہ جائے کہ ترقی، صرف ناظم صاحب کی کوشش سے چھتیں درست ہوگئیں، غنیمت ہے، ورنہ بیٹھنے کا ٹھکانہ بھی نہ تھا“۔

دارالعلوم کی شکل اختیار کرنے کے بعد اشرفیہ کے اخراجات بڑھنے لگے، اس وقت حافظ ملت کو ایسے ذرائع کی تلاش ہوئی جن سے پورا عملہ بحسن وخوبی اپنا کام انجام دے سکے، مقامی آمدنی سے اتنے عظیم منصوبہ کی تکمیل دشوار تھی، اس کا اظہار کرتے ہوئے صدر الشریعہ کو گوش گزار فرماتے ہیں:

”مدرسین کی کئی ماہ کی تنخواہیں بقایا ہیں، روزگاری حالت کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ مبارک پور سے مدرسہ کا بار اٹھانا دشوار ہے، جین پور سے کلکتہ، رنگون وغیرہ سفیر جائیں گے، مولوی محمد صدیق بھی جائیں گے، مبارک پور سے بھی سفیر بھیجنا ضروری ہے، سوائے مدرسین کے کوئی آدمی نظر نہیں آتا، اس لیے اگر اوائل شعبان میں امتحان ہوجائے تو وقت مل سکتا ہے۔“(مرسلہ یکم رجب ۱۳۵۹ھ)

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ملت کے اس مکتوب کے جواب میں غالباً باہر کے لیے تمام مدرسین کے علاوہ حافظ ملت کو کچھ اہم مقامات پہ چندہ کی وصولی کے لیے جانے کا اشارہ فرمایا، مکتوب کے جواب الجواب سے سراغ ملتا ہے کہ حافظ ملت نے حضرت کے اس اشارہ کو حکم تصور فرماتے ہوئے چند ایسے مقامات کا انتخاب کیا جہاں حضرت صدر الشریعہ کے بہت زیادہ اثرات تھے اور وہ بھی اس طور پر مشروط کیا کہ میں ان جگہوں پہ اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہوں جب آپ خود وہاں کے لوگوں کو ترغیب دلائیں گے، لکھتے ہیں:

”آداب نیاز مندانہ وغلامانہ کے بعد گزارش کہ کرم نامہ تشریف لاکر کاشف حالات ہوا، غلام تعمیل ارشاد کے لیے ہر طرح حاضر ہے، مولوی شمس الحق صاحب رنگون جائیں گے، غلام کو اگر یہ خدمت سپرد کی جائے تو اجمیر شریف، کاٹھیاواڑ، بمبئی کے لیے، نیز ان مقامات پہ جن لوگوں سے کوشش کی امید ہو ان کو جب تک حضور توجہ نہ دلائیں گے،

کامیابی ناممکن ہے‘‘۔

مدرسہ اشرفیہ کو دارالعلوم بنانے میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی زبردست مساعی کا دخل ہے، آپ ہندوستان گیر طور پہ شمار کیے جانے والے ممتاز علما میں سے ایک تھے، تعلیمی معاملات اور مدارس کے قیام و بقا کی ساری راہیں آپ کی دیکھی بھالی تھیں؛ اس لیے آپ کے مشوروں سے اشرفیہ کے فروغ میں استفادہ کیا گیا، دین کے کاموں میں دشواریاں بھی آتی ہیں اور پریشانیاں بھی، موافق بھی ملتے ہیں، مخالف بھی، اخلاص سے کام کرنے والے بھی دستیاب ہوتے ہیں اور غرض مند بھی، اشرفیہ کو بھی ان مراحل سے گزرنا پڑا اور کچھ لوگوں نے حضرت صدرالشریعہ کے تعمیری مشوروں کو درخوراعتنا نہ سمجھا اور نتیجۃً انتظامی حالات کی خرابیاں بار بار رنگ لاتی رہیں، کچھ ایسے ہی دشوار گذار حالات نے حافظ ملت کو اشرفیہ چھوڑنے پر مجبور کردیا، آپ ۱۳۶۱ھ میں جامعہ عربیہ ناگپور چلے گئے، حافظ ملت کا اشرفیہ سے قدم نکالنا تھا کہ انتشار و بدحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا، اور ترقی کی منازل کو نشانۂ عمل بنانے والے ذہن اپنے تحفظ وامان کی فکر میں لگ گئے۔

ادھر حافظ ملت کے ناگپور پہنچتے ہی وہاں ایک نئی روح دوڑ گئی جس کا ذکر فرماتے ہوئے قلم طراز ہیں:

> ’’ناگپور کی آب و ہوا اگرچہ کچھ خراب ہے مگر ناقابل برداشت نہیں، مدرسہ نے چند ماہ کی محنت سے کافی شہرت حاصل کرلی اور صوبہ بھر میں نیک نامی کے ساتھ مشہور ہو گیا، طلبہ ذی استعداد پہنچے، جن سے مدرسہ چمک گیا، اہل شہر مدرسہ کی طرف متوجہ ہو گئے مگر یہ بات زبان زد ہے کہ مدرسہ کئی سال سے تھا، کوئی جانتا بھی نہ تھا، مکتب کی حیثیت میں تھا، جب سے عبدالعزیز آیا اس وقت سے اس بلندی پہ پہنچا، بفضلہٖ حضور کی دعا سے، اہل شہر حضور کے کفش بردار کو، خوب جان گئے، اس کا اظہار بھی کرتے ہیں، اگر اسی طرح کام جاری رہا تو اگرچہ ناگپور علم کی جگہ نہیں لیکن ضرور ہو جائے گی۔
>
> میرا خیال یہ ہے کہ کام ٹھوس کرنا چاہیے، پائدار تبلیغ اسی سے ہو سکتی ہے مجھے ناگ پور میں مکان کی تنگی کے سوا کوئی تکلیف نہیں ہوئی، اگر وہ عمارت جو زیر تجویز تھی خرید لی گئی تو یہ دفع ہو سکتی ہے۔‘‘

مگر حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ، حافظ ملت کی اس کارکردگی پر خاموش نہ رہے، بلکہ بار بار اسی بات پر زور دیتے رہے کہ آپ کو مبارک پور کی سرزمین پر رہ کر کام کرنا ہے، مبارک پور نے جب حافظ ملت کو کھو

دیا اس وقت ان لوگوں کو احساس ہوا کہ ہم نے بڑی ناقدری کی اور ناقدری کا اثر یہ ہوا کہ مدرسہ، جو کل تک ترقیاتی منصوبوں کی راہ طے کر رہا تھا، مائل بہ تنزل ہونے لگا، شدید آویزشیں رونما ہوئیں، مبارک پور کے باہوش مسلمانوں نے حافظ ملت سے رشتہ نہیں توڑا، بلکہ خط وکتابت اور آنے جانے والوں کے ذریعہ حضرت کو مبارک پور آنے کی دعوت دیتے رہے، حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے ناگپور میں حافظ ملت کی مقبولیت اور کامیابی پہ مبارک پور کے حالات کی درستگی اور اشرفیہ کے استحکام کو مقدم سمجھا اور حافظ ملت کو مبارک پور واپس آنے کا حکم مرحمت فرمایا، حافظ ملت نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

”دوسرا گرامی نامہ تشریف لایا، جسب ہدایت عمل کروں گا، مولوی شمس الحق صاحب نے کچھ حالات لکھے ہیں اور مجھ سے راز داری کے طور پر دریافت کیا ہے کہ کیا مبارک پور مدرسہ کی درستگی کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟ وہ خط حاضر ہے، میں نے ان لوگوں (مخلصین مبارک پور) کو لکھ دیا ہے کہ مدرسہ کی ترقی حضرت صدر الشریعہ قبلہ مدظلہ العالی کی کریمانہ توجہ سے ہوئی۔

ذمہ دار لوگوں نے انتظامی بدعنوانیوں سے حضرت ممدوح کو ناراض کردیا، اس کی ترقی ختم ہوگئی، میرا ذاتی خیال تو مبارک پور کا نہیں، البتہ حضرت ممدوح مدظلہ میرے مالک ہیں، ان کے حکم کے خلاف میں کہیں بھی نہیں رہ سکتا، مبارک پور والے اگر مدرسہ کی ترقی چاہتے ہیں حضرت صدر صاحب قبلہ کو راضی کرکے مدرسہ کے اہم امور، ان کے سپرد کردیں، مجھے قوی امید ہے کہ مدرسہ پھر ترقی کرجائے گا، میرا وجود صرف واسطہ تھا، ترقی تو موصوف کی نظر کرم سے ہوئی، وہ اپنے جس خادم سے چاہیں گے کام لیں گے۔

ہزار اظہار اطمینان کے باوجود حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے حافظ ملت کو دوبارہ مبارک پور چلے آنے کے لیے تحریر فرمایا اور مستقبل شناس استاذ کے، سعادت آثار تلمیذ نے، تعمیل حکم میں پھر مبارک پور کا رخ کیا، اس وقت مبارک پور کے ارادات مندوں نے راہ میں پلکیں بچھائیں، عقیدت کے پھول نچھاور کیے، بارگاہ خداوندی میں شکر کے سجدے لٹائے، ایک گوہر نایاب کی بازیافت پر۔

حافظ ملت مبارک پور آکر تحریر فرماتے ہیں:

”کل بروز یکشنبہ، بوقت عصر، مبارک پور آگیا، آج مدرسہ جاکر کام شروع کردیا،

مولوی محمد سلیمان صاحب [بھاگل پوری] ہفتہ کے روز مکان گئے ہیں، سنا ہے آٹھ روز میں آئیں گے، باقی حالات بدستور ہیں۔"

مری نگاہوں نے، جھک جھک کے لے لیے بوسے
جہاں جہاں سے، تقاضائے حسن یار ہوا

حافظ ملت کا قدم مبارک پور میں پہنچا اور پھر سے انتظامی امور کی ترتیب ہوئی اور مدرسہ نے باقاعدگی سے کام کرنا شروع کر دیا، اساتذہ اختلافات سے الگ ہو کر درس و تدریس میں منہمک ہو گئے، طلبہ حافظ ملت کا سایہ کرم پاکر پھر اپنی علمی پیاس بجھانے لگے، پورا نظام عظیم مقصد " فروغ علم " کی طرف تیز گامی سے رواں دواں ہو گیا۔

حضرت حافظ ملت کے ایک مکتوب بنام قاری رضاء المصطفیٰ صاحب سے، اشرفیہ کی ترقی کا پورا رخسار سامنے آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

میرے آنے سے قبل، مبارک پور رشک نجد تھا، وہابیت کا غلبہ، بے دینی کا زور تھا، اِس وقت بفضلہ تعالیٰ مرکز سنیت ہے، وہابیت مردہ اور مدرسہ کو نمایاں ترقی ہوئی کہ ہندوستان میں دھوم ہے، مدرسہ کی جدید عمارت زیر تعمیر ہے، جس کی تیاری کا تخمینہ پچیس تیس ہزار روپیہ ہے، یہ عمارت وسط قصبہ، بازار میں لب سڑک ہے، صدر دروازہ کی طرف دس دکانیں ہیں، دو منزل کا نقشہ تیار کرایا ہے، ایک منزل قریب الختم ہے، ان شاء المولی تعالیٰ ایک مہینہ بعد اس میں درس شروع ہو جائے گا، طلبہ کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے، فوقانی جماعت کے طلبہ ہندوستانی اور عموماً محنتی اور ذہین ہیں، جن کی تقریر اور علمی لیاقت کا اعظم گڑھ اور دیگر اضلاع میں شہرہ ہے۔

عزیز محترم ماشاء المولی آپ عقیل و فہیم ہیں، آپ کو کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے، مگر محبت قلبی اتنا عرض کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے، حضرت والد صاحب دامت برکاتہم کے طرز عمل کو اپنا معمول بہ رکھیں۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کسی مدرسہ میں تعلیم دینے والے صرف معلم ہی نہ تھے، بلکہ حسب ضرورت فارغ شدہ علما کو مناسب مقامات پر تدریس اور خطابت وغیرہ کی جگہ مقرر کرنے میں بھی پوری کوشش

فرماتے تھے،اس بارے میں ہمیشہ آپ کا نظریہ یہ رہا کہ " جگہ کے لحاظ سے آدمی،اور آدمی کے لحاظ سے جگہ، منتخب کی جائے " تقرری کے مراحل طے کرنے میں آپ کی جوہر شناسی،اور تجربات، نیز رائے مشورہ رہنما تھے؛اسی لیے آپ کی درس گاہ سے فارغ شدہ علما،اکثر بر سرِ کار ہوئے،اس طرح علما کے طلب گاروں کے مطالبات بڑھنے لگے اور بعض اوقات تو دورۂ حدیث کی جماعت سے،سال پورا ہونے سے قبل ہی،طلبہ کو بھیجنا پڑتا ایک مکتوب میں ہے:

مولوی خلیل احمد صاحب کے لیے اگر کوئی جگہ ہو تو ان کا خیال رکھیں، مولوی ثناء اللہ صاحب سے مئو کے لیے معلوم ہوا تھا، اگر وہ صورت ہوجاتی تو قریب ہے، مولوی محبوب کلکتہ جگدل گئے، وہاں جدید مدرسہ قائم ہوا ہے، مولوی حاتم خیرآباد، جدید مدرسہ میں ہیں، مولوی علی احمد صاحب کو مصباح العلوم ہی میں ایک مختصر سی جگہ مل گئی ہے۔(مرسلہ ۲۳/اگست ۱۹۳۹ء)

تعلیمی خدمات کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضرت اپنے مدرسین کو دوسرے مدرسوں میں بھیج دیا کرتے تھے اور یہ طریقہ تاہنوز اشرفیہ میں باقی ہے،جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ تمام دینی مدارس کی ترقی کو،ایک مذہبی ذمہ داری تصور فرماتے تھے اور مدارس کے درمیان معاندانہ تعلقات سے اجتناب رکھتے تھے۔

حضور حافظ ملت شہر جون پور کی عظیم " شاہی مسجد اٹالہ " سے متعلق لکھتے ہیں:

"میں عشرہ محرم میں جون پور گیا تھا، اٹالہ کی مسجد میں دو روز جلسہ تھا، بفضلہ تعالیٰ بڑی زبردست کامیابی ہوئی، وہاں مولوی اسد الحق صاحب کو رکھنا طے پایا تھا، میں نے خود وہاں کی ضرورت کو محسوس کیا مگر کیا کیا جائے سر دست کوئی قاری نظر نہیں آتا کہ ضرورت رفع ہو، جون پور کی ضرورت پر میں اس کو ترجیح دینے کے لیے تیار ہوں کہ اپنے مدرسہ کے ایک مدرس کو بھیج دوں، اگرچہ دشواری ہو، اگر وہ لوگ تیار ہوجائیں تو کیا مولوی غلام محی الدین صاحب کو بھیجنا مناسب ہوگا۔؟"

آپ کی یہ ہمدردیاں صرف اپنے تلامذہ ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ اپنے ہم عصر علمائے کرام پہ بھی، اگر مدرسوں میں پریشانیاں آتیں تو ان سے بھی آپ متردد ہوجاتے اور ان پریشانیوں کو دفع کرنے کی پوری کوشش فرماتے تھے اور اپنے وطن جون پور سے بریلی کے مدرسہ کا تذکرہ فرماتے ہیں:

”مکرمی جناب مولوی سردار احمد صاحب نے بریلی کی نازک حالت تحریر کی، امسال مالی نقصان بہت ہوا، آئندہ کے لیے بھی کوئی اطمینان نہیں، ظاہر ہے ایسی حالت میں قیام دشوار ہے، حضور کی نظر کرم کے متمنّی ہیں۔“(مرسلہ ۲۴/رمضان ۷ ۱۹۵ھ، دسمبر ۷ ۱۳۲ء)

جماعتی معاملات:

حافظ ملت علیہ الرحمہ فطری طور پر ایک احساس مند شعور کے انسان تھے، جن کا دل دینی مدارس کی بدحالی اور دشواریوں پر کافی ملول ہوتا تھا، نہ صرف یہ کہ آپ جس ادارہ سے متعلق ہوتے اسی کی فکر اور اسی کا خیال رہتا، بلکہ شعور بخشی کے ان تمام کارخانوں پر ان کی برابر نگاہ رہتی تھی جہاں سے دین و دانش کا کام ہو رہا ہو، اپنی علالت کے دوران جب آپ نینی تال میں بسلسلہ علاج تشریف فرما تھے، اس زمانہ میں بھی آپ ان حالات سے غافل نہیں تھے، چناں چہ نینی تال سے ہمالیہ ہوٹل کمرہ ۲۳ سے مرسلہ مکتوب میں، بریلی شریف کے حالات پہ جس انداز سے لکھتے ہیں اس سے ان کی ذہنی وسعت اور جماعتی انتشار سے اندرونی تکالیف کا اندازہ ہوتا ہے، غالبًا یہ وہی دور ہے جب مدرسہ مظہر اسلام عالم وجود میں آیا تھا، حضرت حافظ ملت متحد و متفق ہو کر کوئی کام کرنا کامیابی کی ضمانت، اور منتشر و متفرق کوششوں کو اس کے بالمقابل ہمیشہ غیر مؤثر تصور فرماتے تھے، اس لیے ان کو اس حالت سے بے حد تکلیف ہوئی جس کی غماز ان کی یہ تحریر ہے:

”موصوف (مولانا سردار احمد صاحب) نے تحریر فرمایا ہے کہ بی بی جی کی مسجد میں درس جاری کر دیا ہے سب طلبہ وہیں آتے ہیں، بریلی کے اور واقعات کا کچھ علم نہیں، کیا قضیہ ہوا اور مدرسہ ایک جگہ ہو کر پہلی حالت پر آیا یا نہیں، مولا تعالیٰ رحم فرمائے، بے دینوں کو ہنسی کا موقع نہ ملے۔“

حافظ ملّت اور دیارِ حبیب

بدرالقادری [1]

حافظ ملت کی کتابِ زندگی میں کئی ابواب اتنے اہم ہیں جن میں کوئی ایک باب کسی بھی شخص کو غیر معمولی ثابت کرنے کے لیے بہت ہے، غور کیجیے، چالیس سالہ خاموش خدمت تدریس، الجامعۃ الاشرفیہ کا قیام، سیکڑوں لائق علما کی جماعت تیار کرنا، یہ سب ایسے کارنامے ہیں جو ناقابل فراموش ہیں اور اگر حضرت کی نجی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو بیاسی (۸۲) سالہ حیات میں صرف سفر حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ حبیب کی داستان ہی ان کی بلند وقد آور روحانیت کے ثبوت کو ازبس ہے۔

ویسے تو حافظ ملت، اپنے اخلاق واطوار، رفق ومروت، خداترسی وفرض شناسی، جود وسخا، ایثار وقربانی، غیرت وحمیت، خودداری ومصلحت اندیشی، حسن تدبیر وکمال شناسی تمام صفات کے جامع تھے۔ مگر آئیے ملاحظہ فرمائیے کہ:

ایک مومن کامل، کشاکش حیات میں محصور ہونے کے باوجود، گنبد خضرا کی حسین جالیوں کے نظارہ کو، حیات انسانی کی تکمیل کا کتنا اہم جز سمجھتا ہے اور ایک محب صادق، محبوب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دھرتی پر، کس شانِ انفرادیت سے قدم رکھنا چاہتا ہے، چودھویں صدی کے اِلبم میں حافظ ملت کی ذات سے اس کا پورا ثبوت مل جاتا ہے، آپ کا واقعۂ سفر حج، عشق رسول کے باب میں اتنا اہم ہے جو قرنہا قرن تک عرفان محبت کی فیروز مندیوں کا ثبوت فراہم کرتا رہے گا، جس دور میں آپ کے عشق مصطفیٰ کا دریا موجزن تھا، محبت کی لگن تیز تیز تھی، اشرفیہ کے نیاز مندوں نے درخواست کی، حضور! اب اس پاک سرزمین کے لیے آپ بھی عزمِ سفر کیجیے آپ نے جواب دیا:

> ”سرکار کی بارگاہ میں اُن کے احکام کی خلاف ورزی کرکے جانا، میرے بس کی بات نہیں، اگر انھیں بلانا ہے تو کوئی جائز ومستحسن سبیل پیدا فرمادیں گے، پھر حاضر ہوجاوں گا

(۱) تعارف ص:۴۲ پر دیکھیں۔

سر کے بل۔

یعنی فوٹو کھنچوا کر حج کے لیے جانا مجھے پسند نہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تصویر کی مذمت میں ارشاد فرماتے ہیں:

انّ اصحابَ هٰذه الصُور يُعَذّبُونَ يَوم القِيٰمةِ يُقَالُ لَهُم اَحيُوا مَاخَلَقتُم (بخاری ومسلم)

ان تصاویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا، کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا اس میں جان ڈالو۔

کتب احادیث میں جاندار کی تصویر کی بہت مذمتیں آئی ہیں، انھی حدیثوں سے استنباط کرتے ہوئے علماے اسلام نے اس کی حرمت کے احکام بیان فرمائے ہیں حضرت ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغيرهم من العلماء: تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر؛ لأنة يتوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فى الاحاديث. (مرقاۃ ص ۸۳ ج ۴)

ہمارے اور دیگر علما نے بیان فرمایا کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے سخت حرام اور یہ گناہ کبیرہ ہے اس لیے کہ اس پر بہت سخت وعیدیں آتی ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔

فرماتے ہیں:

اگر انھیں بلانا مقصود ہوگا تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ نہ بلائیں تو ساری دنیا کوشش کر ڈالے، پہنچنا ممکن نہیں۔

لوگوں نے اسی قسم کے جواب پر ایک بار کہا: حضور! آج پاسپورٹ کے زمانے میں، بلا فوٹو حج، یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مشرق کے بجائے مغرب سے سورج کا طلوع ہونا۔

اس جملہ پر حضرت کے چہرہ پر جلالِ محبت کی طغیانی دیکھی گئی تھی اور آپ نے فرمایا تھا:

کیا پورب کے بجائے پچھم سے سورج کا نکلنا محال ہے۔؟

اب تو سب لوگ خاموش ہو گئے، آپ نے فرمایا ناممکن و محال نہیں، بلکہ ایسا واقعہ ہو چکا ہے اور دنیا جانتی

ہے کہ ایک بار پچھم سے سورج بلند ہوا تھا، کیا یہ بھی کوئی غیر معروف حقیقت ہے کہ مقام صہبا میں حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے زانو پر سر رکھ کر اللہ کے پیارے حبیب سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے تھے اور حضرت علی کی نماز عصر قضا ہو رہی تھی، سورج غروب ہو رہا تھا، مگر احترامِ مصطفیٰ پر شیر خدا نے اپنی نماز نچھاور کر دی اور حضور کے آرام میں ذرہ برابر خلل نہ آنے دیا، سرکار کی چشم مبارک اس وقت کھلی جب سورج ڈوب چکا تھا، سرکار نے حضرت علی کا اضطراب دیکھا، حضور کو جب معلوم ہوا کہ آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی اور سورج ڈوب گیا تو مالک کونین نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی:

"الٰہ العالمین! علی تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے، تو ان کے لیے سورج کو لوٹا دے۔"

چناں چہ اس روز مشرق کے بجائے مغرب سے سورج ابھرا، بلند ہوا، اور نماز عصر کا وقت ہو گیا، تو جس مالک کونین کے اشارہ پر ایک بار مغرب سے سورج نکلا اگر وہ چاہیں تو ایک ہزار مرتبہ اور یہی واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔

اس وقت حافظ ملت کی بات کیسا تاثر دیتی رہی ہوگی، مگر جب مبارک پور کے ہزاروں مسلمانوں نے اپنے مرجع عقیدت کو بلا فوٹو حج کے سفر پر روانہ کیا، اس وقت اس کرامت آثار جملے کی اہمیت واضح ہوئی، حضور حافظ ملت نے کسی اور در کی جبیں سائی نہیں کی تھی، محبت و عقیدت کے ساتھ اپنے عقیدہ و ایمان کی جان، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے آس لگائی تھی، اس در سے کوئی واپس لوٹ جائے، یہ کیسے ممکن؟ وہ تو ایسے دیالو ہیں کہ اپنے گداؤں کو اس انداز سے نوازتے ہیں:

خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دنیا اور اہل دنیا کے در پر، نیاز مندی اور امید و رجا کا دامن پھیلانا، توہین عشق ہے، مگر ان کی بارگاہ کی گداگری اور کاسہ لیسی، معراج عشق۔

ان دنوں حضرت کی عجیب کیفیت تھی اکثر دیار پاک بطحا کا ذکر فرماتے، ہر رات ان کا جذبۂ عقیدت، دل کے نہاں خانے میں تصویر جاناں کی زیارت سے مشرف ہوتا، صبح ہوتی تو منتظر نگاہیں، وادی حجاز کی طرف امید و آس میں اٹھی رہتیں:

دیار طیبہ سے کاش لے کر، صبا نوید بہار آئے
مہک اٹھیں میرے دل کی کلیاں، گلوں کے رُخ پر نکھار آئے

یہ کسی حرماں نصیب سودائی کی آہیں نہ تھیں جو برباد ہو جاتیں، یہ کسی شوریدہ سر کے نالے نہ تھے جو صدا بصحرا ثابت ہوتے اور وہ زبان حال سے یہ کہنے پر مجبور ہوتا:

گلشن یاس سے، کچھ پھول اکٹھا کر کے
اے غمِ دوست! میں اک ہار بنا لیتا ہوں

اور ہر رات یوں ہی صبح سے پہلے پہلے
اپنی نا کام تمنا کو پنھا دیتا ہوں

یہ کسی ناکام تمنا عاشق کی صدائیں نہ تھیں، بلکہ یہاں دل کے پھپھولے پھوٹے، وہاں دوعالم کے طبیب روحانی نے دست شفا بڑھایا، یہاں آنکھوں کے پرنالے بہے، وہاں مونس بے کساں کی کالی کملی، اشک شوئی کے لیے لپکی، یہاں صبر وضبط کی کشتی نے ہچکولے کھائے، وہاں سے کشتی دوعالم کے کھیون ہار کا دست ناخدائی دراز ہوا، حضور حافظ ملت کا جذبۂ حب رسول اس بلند منزل پر تھا کہ دستور زمانہ اور قانون حکومت جس جگہ پہنچ کر جبیں سائی کرے۔

قانون حکومت ہو، کہ دستور زمانہ
مذہب کا مخالف ہو، تومومن نہیں پابند
اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش
اوہام سے آزاد ہے، مذہب کا گلوبند

عشق کا آتش فشاں، صبر وشکیب کا سارا اثاثہ پھونک چکا تھا، رحمۃ للعالمین کے فضل خاص کی طرف سراپا نیاز متوجہ تھے، آنسو کا ہر قطرہ یہی صدا لگا رہا تھا:

ہند میں بیٹھ کر دے رہا ہوں ندا
ہے یقیں سن رہے ہیں مرے مصطفیٰ
یہ سلامت رہے عشق کا رابطہ
میں نے مانا مدینہ بہت دور ہے

سچ ہے محبت کی تپش، بُعدِ مسافت بھی، لذت قرب سے سرفراز کر دیتی ہے، زمین کے فاصلے، سمندر کی موجیں، آبادیوں کے سلسلے، دشت وجبل کی فصیلیں حائل نہیں ہوتیں۔

کسی شب پچھلے پہر، ٹوٹی ہوئی چٹائی پر سر جھکائے محو نازو نیاز رہے ہوں گے کہ نسیم سحری کا مقدس جھونکا آیا ہوگا، مدینے والے کا پیامی بن کر، دل کی امنگیں آنکھوں میں عود کر آئی ہوں گی، عمر عزیز کی متاع گراں

بہا، جس کے جلووں کی تمنا میں لٹائی، فکر و عمل کی ساری توانائیاں جس نورانی گنبد والے کے لیے صرف کیں، جس کے در کا منادی بن کر سالہا سال سے۔

صدا دے رہا ہوں کہ آواز آئے

لگتا ہے آج آہوں نے بابِ اجابت تک رسائی پائی، میرے اشکوں کی فراوانی نے ان کی دہلیز تر کر دی۔ عجیب پر کیف احساس ابھرا ہوگا، نغمۂ روح کا نشاط بخش سماں کھنچ گیا ہوگا، عاشق صادق سراپا اشتیاق زبان حال سے کہہ رہا ہوگا:

روح کیوں، گوش بر آواز ہوئی جاتی ہے
مجھ کو سرکار دوعالم نے پکارا تو نہیں؟

بندہ نواز رسول نے، اپنے دیوانے کی سن لی، دریائے رحمت کی بے قرار موجیں امنڈیں، فیض رسالت کا سحاب کرم اٹھا اور کشت زار محبت کو سر سبز و شاداب کر گیا، اب وادی ام القرا میں پہنچنا ہے، تصور ہی میں میزاب رحمت تلے پہنچ کر، رحمت کے چھینٹوں سے جیب و گریباں تر کر رہے ہیں، مدتوں کا سلگتا دامن قرار پا رہا ہے۔ ع

مانگی مراد مل گئی بزم حبیب سے

آہیں اثر انداز ہوئیں، نالہائے شبینہ عرش سے انعامِ اجابت مانگ لائے اور آقائے نعمت کو دیار پاک بطحا سے حاضری کا پروانہ مل گیا، دل کی کلیاں کھل گئیں، آرزوؤں کے چمنستان میں بہار آگئی، اب تصور محبوب و دیار محبوب، کچھ اور ہی لطف دینے لگا، ان آنے والے لمحوں کے کیف میں ڈوب ڈوب کر ابھرتے اور شاد کام ہوتے ہوئے بھی سنے تو پڑھ رہے ہیں:

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاک در رسول کو سرمہ بنائیں ہم

جذب و شوق کی طغیانی جب سبز گنبد کے جلووں کی یاد میں ڈھلتی اور دل و دماغ، وہاں کے فردوس بداماں مناظر کے لیے تڑپتے تو زبان پر یہ شعر ہوتا:

مدینے، دل و روح و جاں لے کے جاؤں
محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں

عاشقان مصطفیٰ کو باد نسیم سے بڑی رسم و راہ ہے؛ کیوں کہ اس کا رخ اس مقدس سرزمین کی جانب ہوتا

ہے جو آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہے، اہل تعلق اسی کو اپنا پیامبر اور دل پر گزرنے والی واردات بھیجنے کے لیے قاصد بناتے ہیں، حضور حافظ ملت بھی کبھی یوں ترنم ریز ہوتے:

صبا! حضور سے کہنا مرے سلام کے بعد
تمھارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

اور نسیم سبک خرام کبھی ان کے پاس سے ہو کر گزرتی، تو محسوس ہوتا کہ محبوب دل نواز کا پیامی کچھ سنا گیا، اس وقت کی اندرونی کیفیات زبان پر اس طرح برآمد ہوتیں:

آئی نسیم کوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کھنچنے لگا دل سوے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اور کبھی تو ایسا ہوتا کہ ہوا کا کوئی جھونکا آتا اور جسم و روح کی پوری صلاحیت کے ساتھ محبوب دل آرا کے تصور میں کھو جاتے، ارد گرد کا ماحول ان کے واردات قلبی سے ناآشنا ہوتا مگر وہ کسی اجنبی خوشبو سے خوب خوب لذت اندوز ہوتے اور گنگنا اٹھتے:

باد نسیم آج بہت خوش گوار ہے
شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

مدینے جانے والوں کو تاسف بھری نگاہوں سے دیکھتے، آہیں بھرتے، آنسو بہاتے اور اپنے جانے کے لمحات کا انتظار کرتے رہتے، ہر جانے والے سے کہتے: دیار پاک میں پہنچ کر میرا غلامانہ سلام عرض کیجیے اور عرض کیجیے کہ سرکار اپنے اس بندۂ عاجز کو کب طلب فرما رہے ہیں؟ مشایعت سے لوٹتے تو یہ شعر نوک زبان پہ ہوتا:

جب مدینے کا مسافر، کوئی پا جاتا ہوں
حسرت آتی ہے یہ پہونچا، میں رہا جاتا ہوں

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا قول ہے مگر ہماری آنکھوں نے اس کا ایک چلتا پھرتا ترجمہ دیکھا ہے جو حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شکل میں سالہاسال مبارک پور کی گلیوں میں چلتا پھرتا رہا، عشق حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شخصیت کو خوب خوب نکھار دیا تھا، درحقیقت عشق مصطفیٰ کا امانت دار، دامن زیست کو تار تار رکھتا ہے، مگر ہزاروں تعمیریں انھی گدڑیوں کے خستہ دھاگوں سے وابستہ ہوتی ہیں، اس بحر سلسبیل و کوثر کا غوطہ خور، کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یہ دولت لازوال ہاتھ سے جائے بلکہ خواہش ہوتی ہے کہ لذت درد میں مست و بے خود رہے، جذب و عشق کی ہزار سالہ بے خودی، اس ایک آرزو پر قربان، اللہ اللہ! جل رہے ہیں، بھن رہے

ہیں، تڑپ رہے ہیں، بلک رہے ہیں، کسی کے ہجر میں، کسی کی یاد میں، کسی کے تصور میں، مگر سوزش کا علاج، درد کی دوا، تپش کا مداوا، سامنے آتا ہے تو اس کا ناز اٹھانا بھی گوارا نہیں؛ کیوں کہ وہی سوز و تپش تو عشق کا سرمایہ اور محبت کا انعام ہے، لیجیے امام احمد رضا کا وہ قول حافظ ملت کی زبان سے ملاحظہ فرمائیے اور تصور کیجیے کہ ایک درویش خرقہ پوش شب تار میں اشکوں کے دیپ جلائے گریہ وزاری کے ساز میں کہہ رہا ہے:

جان ہے عشق مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، ناز دوا اٹھائے کیوں

کبھی بہت سادے اور صاف لہجے میں یوں بھی کہتے سنا گیا۔

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

محبت رسول کے رشتۂ محکم کو بنیاد بنا کر رحمت کونین کے در سے، طلب کرم کا سبق، عمر بھر دیتے رہے اور خود بھی اسی پر کاربند تھے۔

مانگنے والے نے جس خلوص وگم شدگی کے جذبہ سے مانگا، عطا فرمانے والے رحمت کونین نے اسی کے مطابق بخشش وکرم اور جود و نوال کا برتاو فرمایا، بلا لیا، اپنے دیار میں، اپنے حرم میں، روانگی کے ایام میں زبان سے یہ شعر بھی سنا گیا:

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

حضرت مولانا محمد حنیف الاعظمی اور الحاج بیکل اتساہی کی روایت کے مطابق آپ نے اس دیار مقدس میں قدم رکھا تو زیادہ تر خاموشی کی کیفیت دیکھی گئی، رات کا بیشتر آخری حصہ، حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت کی معیت میں کسی نامعلوم جگہ گزرتا، زمین حرم اور مدینہ طیبہ میں کبھی جوتا پہن کر نہیں چلے، ہمیشہ ننگے پاوں چلتے، محبین نے کنکریلی زمین کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ظاہر کیا تو روک کر فرمایا: عزیزو! ممکن نہیں ہے ورنہ۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے!

حرم میں ایک روز بیکل صاحب سے متوجہ تھے اس وقت کہا، بیکل صاحب آپ نے درست فرمایا۔

یہ کعبہ ہے، یہاں دیوانگی تو عین ایماں ہے
اگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا، تو سب چھوٹا

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے اب عشق و عرفان کی معراج کا وقت قریب تھا اعلیٰ حضرت کی زبان میں گویا ہوئے:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

مدینہ طیبہ کے دلکش اور جانفزا نورانی مناظر، تصور کے کینوس پر ابھرنے لگے، صحاح ستہ کے اوراق پر چالیس سال تک جن پُر نور وادیوں، بیابانوں اور کہستانوں کا تذکرہ پڑھتے پڑھاتے رہے، جن راہوں میں، اونٹوں کی لمبی لمبی قطاروں میں، صدیق وفاروق، عثمان وحیدر، صہیب و عمار، بلال و یاسر کی جلو میں ایک ماہِ تاباں کا سفر پڑھتے پڑھاتے آئے تھے، جن رہ گزاروں کی مقدس جھاڑیوں کے عشق آشنا کانٹوں نے دامن مصطفیٰ کا بوسہ لے لیا تھا اور اس کے بعد انھی جھاڑیوں میں ابن عمر نے، اپنی چادر از خود الجھا کر، عشق رسول کی چنگاریوں کو کریدا تھا، انھی برکت و عظمت، سطوت و مرتبت والی راہ سے چلتے ہوئے، تصور نے قبا کا سماں کھینچا تو کہہ اٹھے:

اجالی رات ہوگی اور میدان قبا ہوگا
زبان شوق پر یا مصطفیٰ یا مصطفےٰ ہوگا

اور جب خلد بداماں، سرزمین مدینہ طیبہ پر پہنچے تو نہ پوچھیے، زبان گنگ، آنکھیں جاری اور چہرہ کا رنگ متغیر، لگتا ہے سارے جذبات نے آنکھوں کی شکل اختیار کر لی، حسرت و یاس کے سارے فسانے اشک وآہ میں ڈھل گئے۔ گویا

سوچا تو بہت کچھ تھا، پر کچھ بھی نہ کام آیا
ہم نطق ہی کھو بیٹھے، جب وقت کلام آیا

جناب بیکل صاحب کے بیان کے بموجب، حرم مدینہ میں جب تک قیام رہا، کھانا بہت ہی قلیل تناول فرماتے، میں نے اس پوری مدت میں رفع حاجت کے لیے جاتے نہیں دیکھا کہ کب جاتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں، اکثر ایسا ہوتا کہ رات کے اَخیر لمحات میں جگاتے اور فرماتے، اٹھیے نصیبہ بیدار ہے اور آپ سو رہے ہیں؟

مزار انور کے پاس پاسبان، اور لوگوں کو تو قریب جانے سے منع کرتے مگر حضرت جب بھی گئے کبھی کسی نے نہیں روکا، بلکہ نہایت احترام کا برتاو کرتے رہے۔

مواجہہ شریف میں حضرت جس طرح مودب اور فدویانہ انداز سے رہتے اور سکوت خموشی نیز انابتِ خود سپردگی کا جو حال ہوتا وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا، وہاں رہنے کے محدود ایام مکمل ہوئے اور واپسی ہوئی۔

مدینے کی زمیں بھی کیا حسیں معلوم ہوتی ہے
زمیں کی گود میں خلد بریں معلوم ہوتی ہے

سفرحج سے مبارک پور واپس تشریف لائے روانگی کے وقت ہی کی طرح ہزاروں شیدائیوں نے استقبال کیا اور حصول فیض کیا۔ اپنے شرف حاضری پر فرمایا کرتے:

ان کے دریاے کرم میں موج اٹھتی ہے ضرور
مانگنے والا کوئی دل سے پکارے تو سہی

کوثر وزمزم کے ساقی نے حافظ ملت کو مئے عشق وعرفاں سے اس طرح سیراب کر دیا کہ اس کی مستی و سرور تادم آخر قائم رہی، ہم دیکھتے ہیں کہ آقاے مدنی کا مے کدۂ ناز جس طرح آمادۂ کرم ہے، حافظ ملت کا اخلاص اور عشق رسول میں ان کی وارفتگی بھی پورے عروج پر ہے، اسی خود سپردگی میں وہ تاثیر و تاثر اور اچھوتا پن ہے، جسے فراوانیِ عشق کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔

تیرے مے کدے میں کمی ہے کیا، جو کمی ہے ذوق طلب میں ہے
جو ہوں پینے والے تو آج بھی، وہی بادہ ہے وہی جام ہے

حافظ ملت کا سفرحج

مرتبہ مولانا اسلم بستوی، انوار القرآن عربک کالج بلرام پور

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۹۴۶ء میں تحصیل خلیل آباد کے ایک گاؤں "ریالال" میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم درجہ پنجم تک موضع بسڈیلہ میں حاصل کی پھر وہیں کے مدرسہ تدریس الاسلام سے ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور میں حاصل کر کے ۱۹۶۶ء میں فراغت پائی۔

خدمات: فراغت کے بعد بحکم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ جامعہ انوار العلوم تلسی پور ضلع گونڈہ بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ عربیہ انوارالقرآن بلرام پور تشریف لے گئے اور یہیں دوران ملازمت ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ مطابق ۳/ اپریل ۲۰۰۶ء کو وصال ہوگیا۔ آپ ایک اچھے مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ مقرر، صحافی، مصنف اور شاعر بھی تھے، آپ نے تقریباً دس کتابیں تصنیف فرمائیں۔

دنیا کے تمام متمدن ممالک نے، دوسری عالمگیر جنگ کی تباہی و بربادی کے اسباب میں جو اسپیس کی اہمیت کے پیش نظر، ایک بین الاقوامی قانون وضع کر کے، باتفاق آرا منظور کر دیا کہ کسی ملک کا باشندہ بغیر ویزا پاسپورٹ (بقید تصویر) کے دوسرے ملک کی سرحد میں داخل نہیں ہوسکتا، شاید امن عالم کے برقرار رکھنے کے لیے یہ ایک ضروری اور مستحسن اقدام ہو، لیکن اس سے ارکان اسلام بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے؛ اس لیے کہ جہاں یہ قانون بین الممالکی سفر کے لیے ناگزیر ہوگیا، وہیں سفرحج کی شرط "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا" سے مزاحم ہوگیا، چاہیے تو یہ تھا کہ سفرحج کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا جاتا اور اگر مستثنیٰ نہیں کیا گیا تھا تو عالم اسلام کے تمام مفتیان کرام، علما و دانش وران اسلام اس کے خلاف احتجاج کر کے رائے عامہ ہموار کرتے، اس طرح اپنی اپنی

مملکتوں کو اقوام متحدہ تک اس مسئلے کو پہنچانے کے لیے مجبور کرتے تاکہ اس کا کوئی مثبت حل نکل آتا۔

لیکن افسوس کہ ایسا نہ کر کے بعض اہل علم سفر حج کے لیے فوٹو کا جواز تلاش کرنے لگے جب کہ تصویر کشی کی ممانعت احادیث متواترۃ المعانی سے ثابت ہے اور اس پر شدّ و مد کے ساتھ جو وعیدیں آئی ہیں، وہ اسے حرمت قطعی تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں، یہی وجہ ہے کہ علما کا ایک طبقہ سفر حج کے لیے بھی تصویر کشی کے جواز کا قائل نہیں ہے اور علما کے اسی طبقہ سے عالم اسلام کی جلیل القدر شخصیت حضور حافظ ملّت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث مرادآبادی علیہ الرحمہ، بانی الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی، مبارک پور کا بھی تعلق ہے، اسی لیے ان کے سامنے جب بھی ان کے اپنے حج کرنے سے متعلق بات پیش ہوئی تو انھوں نے مروجہ تصویر کشی کو اپنے سفر حج سے متعلق رخنہ قرار دیا اور ساتھ ہی اس رکن کی ادائیگی اور بارگاہ رسالت کی حاضری کی لگن ان کے دل میں اس درجہ تھی کہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ یہی فرماتے رہے کہ میں سفر حج اور حاضری بارگاہ رسالت کے لیے بے قرار ہوں، تصویر کھنچوانے کو ناجائز سمجھتا ہوں، اگر بغیر تصویر کے مجھے اجازت مل گئی تو میں ضرور جاؤں گا اور میری یہ دیرینہ آرزو ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ یہ میری آرزو ضرور پوری ہوگی، اگرچہ بادی النظر میں اس طرح میرا جانا امر محال معلوم ہوتا ہے لیکن ان کا بلوانا تو محال نہیں!

ع ہمیں محال ہے لیکن انھیں محال نہیں

اگر میری آرزو اور لگن سچی ہے تو ایک نہ ایک دن مدینے والے سرکار، میرے لیے کوئی سبیل پیدا کر کے مجھے ضرور بلوالیں گے، بالآخر ہوا بھی ایسا ہی، ایک دیوانۂ رسول کی دیوانگی، ایک عاشق صادق کی بے قراری، رنگ لا کر رہی، مدینے والے سرکار نے کرم فرمائی کی، بلاوا آ ہی گیا، اس عاشق رسول نے کوئی اشارہ ہی پا کر اپنے مرید خاص، حسان الہند حضرت بیکل اتساہی کو حکم دیا کہ میرے لیے بغیر فوٹو کے حج کی درخواست دی جائے، بیکل صاحب کا بیان ہے کہ حکم پاتے ہی میں نے یہ درخواست بڑھائی اور میں نے اس کو چیف پاسپورٹ افسر مسٹر وراثت حسین قدوائی اور صرف ایک دفتر تک بڑھایا تھا اور دوسرے تمام دفاتر تک یہ خود بخود بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ اپنی آخری منزل تک پہنچ گئی اور بین الاقوامی قانون پیچھے منھ دیکھتا رہ گیا، آگے بیکل صاحب کہتے ہیں ویزا و پاسپورٹ کے دفاتر سے لے کر سفارت خانوں کے دفاتر تک، حکام اسفل سے لے کر حکام اعلیٰ تک، وزیر اعظم ہند اندرا گاندھی سے لے کر فرماں روائے سعودی عربیہ شاہ فیصل تک، ایک حکومت سے لے کر دوسری مملکت تک کی یہ جملہ مہربانیاں بے سبب نہ تھیں بلکہ

ع کوئی معشوق تھا اس پردۂ زنگاری میں

لیکن یہ کام اتنی آسانی سے نہیں ہو گیا جتنا مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ بے شمار دشوار گزار مراحل سے گزرنا ہوا ہے اور اس موقع پر یہ مرحلے بھی مصلحت سے خالی نہیں رہے اس لیے کہ بنام مسلم ایک مکتب فکر، جو اپنی ذہنی، لسانی اور قلمی آوارگی کی بدولت '' اختیار مصطفیٰ'' کو ہر محاذ پر چیلنج کرتا رہتا ہے، یہاں خاموش نہ رہ سکا بلکہ '' اختیار مصطفیٰ'' کے اس معمولی سے عملی پہلو کے خلاف عملی اقدام کی ہر امکانی کوشش کر ڈالی تاکہ اس کی خانہ ساز '' توحید پرستی'' کا بھرم باقی رہ جائے۔

یہ اور بات ہے کہ ان کے موضوعہ عقیدے کا شیش محل '' اختیار مصطفیٰ'' کی ایک ہلکی سی ٹھوکر سے پاش پاش ہو گیا، غالباً سرکار مدینہ کو اس معمولی سے واقعے کے ذریعہ اپنی سلطنت (جو دونوں جہاں کی ہے) میں مختار کل ہونے کا عملی ثبوت بھی پیش فرمانا مقصود تھا کاش! اس مکتب فکر کے لوگ اس واقعے سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنے مخصوص عقیدے سے تائب ہوکر '' خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ '' کی صفوں سے الگ رہتے، لیکن وہ ایسا نہ کر کے '' فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا'' کا مصداق بن گئے، البتہ اہل ایمان اس واقعے سے '' وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا'' کے مژدۂ جاں فزا سے سرفراز ہوئے، اس واقعے کی تفصیل کا اندازہ خود صاحب واقعہ (حافظ ملّت) کے درج ذیل بیان سے لگائیں:

انسانی تمناؤوں، آرزووں کی دنیا بڑی وسیع و عریض ہے، مختلف الخیال لوگوں کی مختلف الانواع آرزوئیں ہوتی ہیں، کسی کا مطمح نظر دین ہے، کسی کا دنیا، کسی کے دل میں آل و اولاد کی خواہش پرورش پاتی ہے، تو کوئی مال و دولت چاہتا ہے، کوئی جاہ وحشمت کا طالب ہے، تو کوئی عزت وعظمت کا جویاں، اور ہر ایک اپنے مقصود و مطلوب کے حصول میں کوشاں و سرگرداں ہے، مگر ایک مسلمان کے نزدیک سب سے بڑی قلبی آرزو، بارگاہ خداوندی و بارگاہ رسالت کی حاضری ہے، ایک مرد مومن کا یہی جذبۂ ایمانی بھی ہونا چاہیے اور یہی جذبۂ ایمانی مجھے بھی بے چین کر رہا تھا، حاضری حرمین طیبین کا والہانہ جذبہ بے تاب کر رہا تھا اور مدت دراز سے یہی دعا کرتا رہتا تھا۔

دکھا دے یا الٰہی! وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے

اور کبھی اس طرح دعا کرتا تھا

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاک درِ رسول کا سرمہ لگائیں ہم

مگر بظاہر میری حاضری سخت مشکل اور انتہائی دشوار تھی، کیوں کہ جب آزادی تھی تو میں اس قابل نہ تھا

اور جب سے استطاعت ہوئی فوٹو لازم کر دیا گیا، اس قانونی پابندی سے سخت مجبوری تھی، اگرچہ علماے کرام و مفتیان اسلام نے فریضۂ حج کی ادائگی کے لیے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا، لیکن میری سمجھ میں مسئلہ نہیں آیا تھا، اس لیے میں بلا فوٹو کے حاضری کا طالب تھا، بارگاہ رسالت میں میری یہی درخواست تھی کہ حضور والا اپنے اس غلام کو بلا فوٹو کے حاضریِ بارگاہ عالی کا شرف بخشیں۔

سالہا سال مختلف ذرائع سے اس مقصد کے حصول میں کوشش بھی کی، مگر کامیابی نہ ہوسکی، بڑی پریشانی، نہایت مایوسی تھی کہ میرے مخدوم زادے حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب خلف الرشید حضرت صدر الشریعہ قبلہ علیہ الرحمہ ایک سال قبل حاضر بارگاہ رسالت ہوئے، ان کے ذریعے میں نے سرکار کی بارگاہ میں درخواست بھیجی، موصوف نے پورے الحاح کے ساتھ درخواست پیش کی، یقیناً بارگاہ رسالت میں یہ درخواست قبول ہوگئی جبھی تو سرکار نے مجھے بغیر فوٹو بلا لیا۔

عشق کی بات تھی ہوگئی ہوگئی
ورنہ میں اور حبیب خدا کا وطن

میری بلا فوٹو حج کی درخواست جو بیکل صاحب نے دی تھی، اس کو حکومت ہند نے اس تعلیق کے ساتھ منظور کیا کہ اس درخواست پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، بشرط یہ کہ حکومت سعودیہ عربیہ اسے منظور کرلے اور حکومت سعودیہ عربیہ نے یہ درخواست منظور کر کے حکومت ہند کو بھیجی اور حکومت ہند نے بیکل صاحب کو، یہ سرکار کا کرم ہی تھا اور بس۔

مجھے اپنے اس مقصد کی تکمیل میں کس قدر دشواریاں پیش آئیں، کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کے بیان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

بیکل صاحب نے میرے اس خصوص میں کوشش کی تو حالات سے مجھے مطلع کرتے رہے میں نے اس کو صیغۂ راز میں رکھا، میں خوب سمجھتا تھا کہ اگر یہ راز فاش ہوا تو مخالفین نیش زنی کریں گے اور پوری طاقت کے ساتھ رخنہ اندازی کر کے مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کی کوشش کریں گے؛ اس لیے میں نے کسی سے ذکر تک نہیں کیا، مگر عجیب اتفاق ہوا کہ بیکل صاحب کا خط دار العلوم اشرفیہ کے دفتر میں آگیا، دفتر میں خط کا آنا تھا گویا آل انڈیا ریڈیو پر اعلان ہوگیا، ہر جگہ خبر پہنچ گئی، سب کو معلوم ہوگیا، اب کیا تھا مخالفین تیار ہوگئے، طاقتوں، ریشہ دوانیوں اور منظم سازشوں سے میری مخالفت شروع کردی، مبارک پور سے دہلی اور بمبئی تک ساری طاقتیں، پوری قوتیں خرچ کردیں، خاص مبارک پور کا واقعہ ہے کہ محلہ پورہ صوفی میں ایک قاضی صاحب اپنے دو ہم خیال

ساتھیوں کے ساتھ، میرے بلا فوٹو حج کا تذکرہ آپس میں کرتے ہوئے، جا رہے تھے، قاضی صاحب موصوف اپنے ساتھیوں سے کہہ رہے تھے: میں دیکھوں وہ بلا فوٹو کیسے جاتے ہیں، مولوی محمد حنیف ساکن محلہ کٹرہ مبارک پور ان کے پیچھے جا رہے تھے، انھوں نے سنا اور مجھ سے بیان کیا کہ قاضی صاحب مذکور کی چوں کہ حج کمیٹی اور مغل لائن میں رسائی ہے انھیں ناز تھا کہ وہ وہاں مخالفت میں کامیاب ہو جائیں گے جبھی تو کہا" میں دیکھوں وہ بلا فوٹو کیسے جاتے ہیں"۔

میرے بلا فوٹو سفر حجاز کی اطلاع پورے ہندوستان کے طول و عرض میں تھی ہندوستان کے باشندے ہندو، سکھ، عیسائی یہودی وغیرہ کثیر التعداد مذاہب کے ہیں سیاسی حیثیت سے کانگریسی، جن سنگھی، مہاسبھائی وغیرہ کافی پارٹیوں کے لوگ ہیں، مگر نہ کسی ہندو نے میری مخالفت کی، نہ کسی عیسائی نے، نہ کسی یہودی نے، اسی طرح کسی سیاسی جماعت یا پارٹی نے میری مخالفت نہ کی، بلکہ غیر مسلموں نے تو تائید بھی کی، ہاں میرے حج بیت اللہ کو بغیر فوٹو جانے کی مخالفت کی تو ایک نام نہاد مکتب فکر کے مولویوں نے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے اور اسلام کے سب سے بڑے دشمن اسی مکتب فکر کے لوگ ہیں، جنھوں نے اخیر دم تک پوری قوت سے مجھے روکنا چاہا اور اس نشہ میں ایسے مدہوش ہوئے کہ مسئلہ شرعیہ کی نوعیت بھی بھول گئے۔

ادائے فریضۂ حج کے لیے علمائے کرام نے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس کی وجہ تو صرف یہی ہے کہ حج فرض ہے اور اہم فرض ہے، فوٹو اگر چہ حرام ہے لیکن قانونی مجبوری ہے کہ بغیر فوٹو کے حج ادا نہیں کیا جا سکتا، لہذا اس مجبوری کی بنا پر ادائے حج فرض کے لیے فوٹو جائز ہے، لیکن جو شخص اس قانون سے مستثنیٰ کیا جا رہا ہے، دونوں حکومتیں بغیر فوٹو کے اجازت دے رہی ہیں وہ تو مجبور نہیں ہے، اس کے لیے فوٹو قطعاً بے ضرورت ہے، حرام ہے، اس پر یہ فتویٰ کہاں لاگو ہے، مگر اس مکتب فکر کے مولوی لوگ اس کو بھی فوٹو کھنچوانے پر مجبور کرتے ہیں اور اس سے بلا ضرورت ارتکاب حرام کروا رہے ہیں، ان کی یہ کوشش مسئلہ شرعیہ کے تحت حرام ہے۔

لیکن ان کو حرام وحلال سے کیا بحث "بُغضُك الشيَ يُعمِي و يُصِم" کی بنا پر وہ برابر مخالفت کرتے ہی رہے، مجھے جب مخالفین کی کوششوں کی رپورٹ ملتی تھی اور اپنے لوگ مایوس ہوتے تھے تو میں یہی کہتا تھا کہ مدینے والے سرکار مالک و مختار ہیں، وہ جس طرح چاہیں بلائیں کوئی روک نہیں سکتا، چناں چہ یہی ہوا کہ ساری قوتیں، تمام طاقتیں، میدان مخالفت میں ناکام ہوئیں، سرکار نے بلایا میں حاضر ہو گیا، بلا فوٹو بلایا، بلا فوٹو حاضر ہو گیا، جب حکومت ہند حکومت حجاز نے میرا اسپیشل کیس بلا فوٹو منظور کر لیا اور کاغذات مرتب ہو کر میرے پاس آ گئے تو میں نے برادر عزیز مولوی حکیم عبد الغفور صاحب کی درخواست کے ساتھ اپنی درخواست

مغل لین روانہ کی، مغل لین نے ہماری دونوں درخواستوں کو نامنظور کر کے کینسل کر دیا اور مجھے واپس بھیج دیا، یہ خیال ہوا کہ جس طرح دوسرے حجاج کی درخواستیں نا منظور ہو کر واپس ہوئی ہیں ویسے ہی ہماری درخواست بھی نامنظور ہوئی ہوگی، سیٹوں کا انتظام نہ ہو سکا ہوگا، اس لیے درخواست کینسل کر دی گئی۔

اس پر بیکل صاحب نے دہلی سے کوشش کی، تو حکومت ہند نے اپنی مخصوص سیٹوں میں سے مظفری جہاز کی دو سیٹیں ہمیں دے دیں، اس منظوری کے ساتھ ہم نے پھر مغل لین کو دوبارہ درخواستیں بھیجیں، بھائی صاحب کی درخواست فوٹو کے ساتھ تھی، میری درخواست بلا فوٹو تھی۔

اس مرتبہ مغل لین نے میری درخواست پھر کینسل کر کے واپس کر دی اور اس پر لکھ دیا کہ " آپ فوٹو بھیجئے تب درخواست منظور ہوگی اور مطلوبہ سیٹ مل سکے گی"، مغل لین کا یہ جواب مخالفین کی بھر پور کوششوں کا نتیجہ تھا (قاضی صاحب مبارک پوری تو پہلے ہی کہہ چکے تھے "میں دیکھوں وہ بلا فوٹو کیسے جاتے ہیں" میں نے مغل لین کو اس کا کوئی جواب نہیں دیا، البتہ بیکل اتساہی صاحب کو لکھ دیا کہ مغل لین نے فوٹو طلب کیا ہے، اس کے جواب میں بیکل صاحب نے مجھے لکھا کہ میں بمبئی جا رہا ہوں، مغل لین سے فیصلہ کن گفتگو کروں گا، بیکل صاحب بمبئی پہنچے اور مغل لین کے کارکنوں سے مطالبہ کیا کہ جب حکومت ہند نے بلا فوٹو درخواست منظور کی ہے تو آپ کو فوٹو طلب کرنے کا کیا حق ہے، آپ کس قانون سے فوٹو مانگتے ہیں؟ آپ نے درخواست کینسل کر کے کیوں واپس کر دی؟ آپ کو صرف جہاز کی سیٹوں کا اختیار ہے اور وہ بھی اپنی سیٹوں کا، حکومت ہند نے جب کہ مخصوص سیٹیں دی ہیں تو آپ روکنے والے کون ہوتے ہیں، ؟ تب مغل لین کا دفتر مجبور ہوا اور فوراً میرا پاسپورٹ مکمل کر کے بیکل صاحب کو دے دیا، بیکل صاحب نے بذریعہ رجسٹری میرے نام روانہ کر دیا وصول ہو گیا بات ختم ہوگئی، اطمینان ہو گیا۔

اعلان کے بموجب جہاز کی روانگی سے پانچ روز قبل ہم لوگ بمبئی پہنچے، بیکل صاحب میرا پاسپورٹ بلا فوٹو لے کر حکومت سعودیہ کے سفیر کے پاس ویزا کے لیے پہنچے اس نے پاسپورٹ دیکھا کہ بلا فوٹو ہے، بلا فوٹو منظوری کے کاغذات ہم رشتہ تھے، ویزا دینے سے انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ آپ کل آئیے میں ویزا دیدوں گا، دوسرے روز پہنچے تو تیسرے روز پر ٹالا، تیسرے روز پہنچے تو چوتھے روز پر ٹالا، اسی طرح ٹالتا رہا یہاں تک کہ جہاز کی روانگی میں چند گھنٹے باقی رہ گئے تو ویزا دینے سے انکار کر دیا کہ بلا فوٹو کے ویزا نہیں دوں گا، پوری دنیا میں یہی ایک شخص ہیں جو فوٹو کو حرام کہتے ہیں، ساری دنیا فوٹو کے ساتھ حج کے لیے آرہی ہے، حج کے لیے فوٹو جائز ہے، بیکل صاحب نے جواب دیا کہ حکومت ہند و حکومت سعودیہ نے بلا فوٹو اسپیشل کیس منظور کیا ہے، یہ کاغذات

موجود ہیں، سفیر نے کہا میں کاغذات نہیں دیکھتا، مجھے اوپر سے آرڈر نہیں ہے جب تک اوپر سے آرڈر نہیں ہوگا میں ویزا نہیں دوں گا، یعنی سفیر حکومت سعودیہ جس کا ہیڈ کوارٹر دہلی ہے اسی کا یہ بمبئی میں نائب ہے اس کا آرڈر مانگتا ہے اب مظفری جہاز کی روانگی میں چار گھنٹے باقی ہیں یہی آخری جہاز ہے، حجاج کرام جہاز پر سوار ہو چکے ہیں میرے لیے یہ رکاوٹ ہے کہ میں بلا فوٹو نہیں جا سکتا اور میں فوٹو کھینچوا نہیں سکتا یہ ایسی مایوسی کا وقت تھا کہ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آرہی تھی، اپنے لوگ بے حد پریشان تھے، نہایت مایوس تھے اور کسی کی جرأت تو نہیں ہو سکی مگر حاجی حفیظ اللہ صاحب کلکتہ والے جو بمبئی میری ملاقات کو آئے تھے، انھوں نے مجھ سے دبے لہجے میں کہا کہ حضور اب تو فوٹو کھینچوا لینا چاہیے، بڑی مجبوری ہے، میں نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا، اپنے رب کو یاد کیا اور اس کے حبیب اکرم محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں عرض کیا۔

یا رسول اللہ انظر حالنا　　　　یا حبیب اللہ اسمع قالنا

اننی فی بحر ھمّ مغرق　　　　خذ یدی سھل لنا اشکالنا

سرکار، مختار کل کا وہ کرم ہوا کہ چند ہی منٹ میں وہ عقدۂ لاینحل حل ہو گیا کہ سفیر حجاز نے بلا فوٹو ہی ویزا دے دیا، ایک گھنٹہ کے اندر ہی بیکل صاحب ویزا لے کر میری قیام گاہ پر آگئے، اس وقت بیکل صاحب کی عجیب کیفیت تھی اس قدر متاثر تھے کہ جس کی تعبیر سے الفاظ قاصر ہیں، اس وقت حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی نیاز کی گئی، والہانہ جذبات عقیدت سے قیام وصلات وسلام بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا اس عقدہ کشائی کی ظاہری صورت یہ ہوئی کہ جب سفیر حجاز نے آخری انکاری جواب دے دیا تو عین اسی موقعے پر مان سنگھ صاحب! جو محکمہ پاسپورٹ کے بڑے آفیسر تھے پہنچ گئے، موصوف بیکل صاحب کے ملاقاتی ہیں، انھوں نے دریافت کیا، حالات بتائے، مان سنگھ صاحب نے کاغذات دیکھے اور سفیر سے کہا کہ دونوں حکومتوں نے بلا فوٹو منظور کر لیا ہے آپ ویزا دیجیے، سفیر نے وہی جواب دیا کہ مجھے اوپر سے آرڈر نہیں ہے جب تک اوپر سے آرڈر نہیں ملے گا میں ویزا نہیں دوں گا یہ سن کر مان سنگھ صاحب فون پر بیٹھے، پانچ منٹ میں بمبئی سے دہلی فون مل گیا اور عجیب اتفاق جن سے گفتگو کرنا تھی وہ اس وقت فون پر موجود تھے، مان سنگھ صاحب نے بتایا کہ شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کو آپ کی حکومت نے بلا فوٹو اجازت دی ہے، کاغذات موجود ہیں، مگر آپ کا نائب ویزا نہیں دیتا، تو دہلی والے سفیر نے بمبئی والے سفیر کو فون کیا کہ ویزا دے اس پر بھی اس بمبئی والے سفیر نے دہلی والے سفیر کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے پندرہ بیس منٹ گفتگو کی کہ بلا فوٹو ویزا دینے میں بین الاقوامی قانون کی مخالفت ہے، لہٰذا بلا فوٹو اجازت نہیں دینا چاہیے، ساری دنیا کے علما و مشایخ عوام و خواص سب فوٹو کے ساتھ حج کر رہے ہیں، حج کے لیے

فوٹو جائز ہے ان سے بھی فوٹو لیا جائے، ایک شخص کو فوٹو سے مستثنیٰ کرنے میں حکومت کی سبکی ہے تب دہلی والے سفیر نے بمبئی والے سفیر کو ڈانٹا اور کہا کہ حکومت کی سبکی اجازت دینے میں نہیں ہے بلکہ حکومت کی سبکی اس میں ہے کہ حکومت بلا فوٹو منظور کر چکی ہے اور اب اپنی منظوری کو رد کرے لہذا ویزا دو، تب اس بمبئی والے سفیر نے ویزا دیا۔

فله الحمد والمنة والصلوة والسلام على حبيبه المصطفىٰ

یہ امر ضرور قابل غور ہے کہ بمبئی والے سفیر نے پہلے دن بلا فوٹو ویزا دینے سے انکار نہیں کیا، نہ دوسرے دن، نہ تیسرے دن، نہ چوتھے دن، بلکہ ٹالتے ٹالتے اخیر وقت تک لے گیا تب انکار کیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ سفیر کی ذاتی رائے نہیں تھی ورنہ پہلے ہی روز فوٹو طلب کرتے، بلا فوٹو ویزا دینے سے انکار کرتے، پہلے سے ویزا کا وعدہ کرتے چلے آئے اور عین وقت روانگی انکار کر دیا۔

یہ تمام کاروائی مخالفین کی سازش اور اسکیم کے ماتحت تھی، معلوم نہیں کن اثرات سے سفیر حجاز کو اپنایا، اور تیار کیا تھا؟ سوچا یہ تھا کہ عین وقت پر کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکے گی، مجبوراً فوٹو کھینچانا ہی پڑے گا، یا سفر ملتوی کریں گے؛ کیوں کہ اس کے بعد کوئی جہاز بھی نہیں ہے، مگر اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ مختار دوعالم، مالک کونین، حضور پُر نور رسول اللہ ﷺ جب بلا فوٹو بلائیں تو کوئی طاقت روک نہیں سکتی، چناں چہ یہی ہوا، سرکار نے مجھے بلا فوٹو بُلایا میں حاضر ہو گیا، اللہ عزوجل اور اس کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کا مجھ پر وہ احسان عظیم ہے کہ پوری عمر اس کا شکر ادا کروں تو یکے از ہزار بھی ممکن نہیں فله الحمد والمنة والصلوة على حبيبه المصطفىٰ.

میرے اس سفر حجاز میں سرکار کی بندہ نوازی کا کیا اندازہ کیا جائے، میں نے جو درخواست کی، منظور فرمائی، جو مانگا وہ عطا فرمایا، میں نے بلا فوٹو حاضری طلب کی، عطا فرمائی، آخری جہاز مظفری طلب کیا، وہی دیا، اس میں میری مصلحت یہ تھی کہ ابتدائی سال ہے، ماہ شوال اور ذوالقعدہ کا کچھ وقت مل جائے، تو دارالعلوم اشرفیہ کا تعلیمی نظام درست کر دوں، کام جما دوں، تاکہ میرے جانے کے بعد کام بحالہ جاری رہے، چناں چہ بحسن وخوبی تعلیم جاری ہوئی اور اسی نہج پر جاری رہی، واپسی میں بھی وہی مظفری جہاز عطا فرمایا، حج کے بعد میں نے مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت نہیں کی، بلکہ عرض کیا کہ سرکار جلد مدینہ طیبہ بلائیے، تو جلد ہی بلا لیا، اور گیارہ روز حاضری کا شرف بخشا، بارہویں دن واپس کر دیا، ۱۵/ اپریل ۱۹۶۷ء شام کو جدہ پہنچے اور ۱۶/ اپریل صبح کو بمبئی کے لیے مظفری جہاز پر سوار ہو گئے، صرف ایک ماہ حرمین طیبین کی حاضری رہی۔

۱۶/ مارچ بذریعہ مظفری جہاز، حج سے دو روز قبل، جدہ پہنچے اور ۱۶/ اپریل کو اسی مظفری جہاز سے واپس ہو گئے، آمد و رفت کا پورا سفر، مبارک پور سے جانا اور واپس مبارک پور آنا، آغوش رحمت ہی میں رہا، کسی

جگہ، کسی مقام پر کوئی تکلیف نہیں ہوئی، نہ ریل میں، نہ جہاز میں، نہ اس کے بعد، آمد و رفت کا پورا سفر، سفر معلوم ہی نہ ہوا ہر جگہ نہایت ہی راحت و آرام سے رکھا، شاہی مہمان کی حیثیت عطا فرمائی، یہ سب سرکار کی بندہ نوازی ہے جس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا"۔

مبارک پور سے روانگی:

مبارک پور سے روانگی کا جب وقت آیا تو آپ سب سے پہلے دارالعلوم اشرفیہ تشریف لے گئے، وہاں مدرسین و طلبہ سے خطاب کر کے درج ذیل ہدایات دیں:

" آپ حضرات پوری توجہ اور ذوق و شوق کے ساتھ تعلیم و تعلم میں مصروف رہیں، اپنے فرائض منصبی کا پورا پورا خیال رکھیں، کوئی شکایت نہ ہونے پائے، طلبہ پورے طور پر تحصیل علم میں منہمک رہیں، اساتذہ و اراکین کا احترام کریں، ان کے احکام کی پوری پابندی کریں، مدرسین پابندیِ اوقات کے ساتھ محنت سے تعلیمی فرائض انجام دیں، طلبہ پر شفقت کریں، ان کی تربیت کا خاص لحاظ رکھیں، میری عدم موجودگی میں ان پر، اور زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس کا بھی خیال کریں۔

اخیر میں دارالعلوم اشرفیہ کے استحکام وبقا کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

مولائے کریم اس دینی درسگاہ کو استحکام بخشے، اس کی حفاظت فرمائے، عروج و ترقی عطا فرمائے۔ آمین! بجاہ حبیبہ سیدالمرسلین."

اس کے بعد یہ عاشق رسول، عازم حرمین طیبین، جب مبارک پور سے روانہ ہوتا ہے تو مبارک پور اور قرب و جوار کے مسلمانوں کی پوری آبادی، پروانوں کی طرح ایک شمع کے گرد اکٹھا ہو جاتی ہے، عجیب کیف و مستی کا عالم ہے، ایک دیوانے کے لیے ہزاروں دیوانے ہو رہے ہیں، رخصت کرنے والوں کا ایک عظیم اجتماع تھا جو مبارک پور کی تاریخ میں اپنی مثال آپ تھا، انسانوں کا یہ جم غفیر اپنے عظیم رہنما کو دنیا کے سب سے عظیم سفر کے لیے رخصت کر رہا تھا، فرط مسرت سے آنکھیں اشکبار ہو رہی تھیں، دل بے قابو ہو رہے تھے، اہل عقیدت دست بوسیوں کے لیے بے تاب ہو ہو کر ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے، جانے والے کی حفاظت کے لیے چند جوشیلے نوجوانوں نے حلقہ بنا رکھا تھا جو آہستہ آہستہ تنگ ہو کر ٹوٹ گیا، سیل عقیدت کسی بند کا پابند نہیں ہوتا، مجمع قابو سے باہر ہو گیا، مجبوراً حافظ ملّت کو ایک کھلی کار، پر سوار کرنا پڑا، لیکن اہل عقیدت کے مصافحوں کا

وزن ہی، کار کو بے کار کرنے کے لیے کافی تھا، کار کا ایک تختہ ٹوٹ گیا مگر مصافحوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹا، عقیدت مندوں اور نیاز مندوں کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے دوش پر جب آبادی سے باہر تشریف لائے تو پورے مجمع سے مندرجہ ذیل خطاب فرمایا:

" امابعد! عزیزان گرامی! اللہ عزوجل اور اس کے حبیب جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری کے لیے جارہا ہوں، حکومت ہند، حکومت حجاز نے میرا اسپیشل کیس " بلافوٹو جانا" منظور کرلیا ہے۔

یہ میرے رب کا احسان عظیم ہے کہ مجھے قباحت شرعیہ سے بچادیا اور بلا فوٹو حج و زیارت کی اجازت دے دی فله الحمد و المنة و الصلوة علی حبیبه المصطفیٰ.

عزیزان گرامی! یہ وہ منزل ہے جس میں صرف جانا ہے، اور جانے ہی کے لیے جانا ہے یہ وہ سفر ہے جس میں واپسی کا ارادہ نہیں کیا جاتا، مجھ سے بہت سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کب تک واپس آئیں گے؟ میں نے جواب یہی دیا کہ زندگی کے ہر سفر سے، پہلے ہی سے میں واپسی کا وقت متعین کرتا تھا، اگر اس سفر میں بھی واپسی متعین کروں تو ساری زندگی کے دوسرے سفر، اور سفر حجاز میں کیا فرق ہوگا؟ لہذا مجھے جانا ہے، اور صرف جانا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مختار ہیں، وہ جو چاہیں کریں، مجھے صرف جانا ہے اور صاف ہو کر جانا ہے، میں ایک گنہ گار انسان ہوں، مبارک پور کے طویل دوران قیام میں ہوسکتا ہے کہ کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف و اذیت پہنچی ہو، میں اس کی معافی چاہتا ہوں، للہ! معاف کردے، میں اپنی طرف سے معاف کرچکا، حاجی محمد عمر صاحب نے بھی صفائی کرلی، اب میرے اور ان کے درمیان کوئی خلش باقی نہیں، حاجی صاحب کے لیے دعاے خیر کرتا ہوں، خداوند کریم ان کو صحت دے اور تندرست کردے۔ آمین۔

برادران اسلام! میری زندگی کا اہم مقصد " دارالعلوم اشرفیہ " ہے، میں نے اس کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا ہے، ۳۵ سالہ زندگی کا بڑا قیمتی وقت، اس کی خدمت میں صرف کیا ہے، آپ حضرات کی مخلصانہ خدمات اور بے مثال قربانیوں سے یہ دارالعلوم اس منزل پر پہنچا کہ اپنی خصوصیات میں امتیازی شان رکھتا ہے، پورے ہندوستان پر اس کی خدمات کا سکہ ہے، ملک کے طول و عرض سے خراج تحسین وصول کرتا ہے، یہ مذہب وملّت

کا قلعہ ہے، بڑی وزنی اور شاندار درس گاہ ہے، اب یہ خادم جارہا ہے، آپ کے اشرفیہ کو آپ کے سپرد کرتا ہے، آپ اس کو اپنا مقصد زندگی قرار دیں اور اپنی زریں خدمات سے ہمیشہ اس کی آبیاری کرتے رہیں، پورا خیال رکھیں کہ اشرفیہ کے کسی شعبہ میں تنزل وانحطاط نہ ہونے پائے، بلکہ آپ کی خدمات سے یہ آگے بڑھتا رہے، ترقی کرتا رہے، خداوند کریم آپ حضرات کو جزائے خیر دے، شادوآباد رکھے، آمین۔

ان دعائیہ کلمات پر خطاب عام ختم ہوا، جلوس آگے بڑھنے لگا، فضا تکبیر ورسالت کے فلک شگاف نعروں سے گونجنے لگی، جلوس بڑھتا ہی رہا، یہاں تک کہ سٹھیاوں اسٹیشن آگیا، مجمع اپنی کثرت کی وجہ سے اسٹیشن کے پلیٹ فارم میں نہیں سماسکا، اس لیے مجمع کا یہ سلسلہ پلیٹ فارم کے باہر بھی دور تک پھیل گیا تھا، اس پرشکوہ مجمع کو دیکھ کر ایک غیر مسلم مسافر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے مبارک پور بہت بڑا شہر ہے، اسے کیا معلوم کہ مبارک پور کوئی بڑا شہر نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کے جذبات بہت بڑے ہیں، مرجع عقیدت سے اپنی وابستگی کے جذبات میں سیلاب بن کر آمڈ آئے ہیں۔

کچھ دیر کے بعد ٹرین آئی، اس ابنوہ کثیر میں ٹرین پر سوار ہونا سخت مشکل تھا، بدقت تمام مجمع کو ہٹا کر آپ کو ٹرین پر سوار کرایا گیا، پھر بھی ملنے والے مصافحہ کرتے ہی رہے اور ٹرین چل پڑی، ٹرین کی تیز رفتاری کے ساتھ مصافحے کی رفتا بھی تیز تر ہوگئی۔

یہاں سے ٹرین پر آپ کے ہم راہ مولانا علی احمد صاحب انچارج دفتر دارالعلوم اشرفیہ، حضرت مولانا محمد کاظم علی صاحب، مولانا نعمان صاحب وغیرہم حضرات سوار ہوگئے، ٹرین محمد آباد پہونچی، یہاں کے اسٹیشن پر بھی استقبال کرنے والوں کا کافی مجمع تھا، یہاں بھی مسلمانان محمد آباد، خیر آباد وغیرہ نے استقبال کے سلسلے میں اپنی بھرپور عقیدت ومحبت کا پورا پورا ثبوت دیا، ٹرین وہاں سے روانہ ہوکر مئو پہونچی مئو کے اسٹیشن پر بھی مئو اور ادری کے لوگوں کا اجتماع تھا پلیٹ فارم پر نماز مغرب ادا کی گئی، امامت کے فرائض حضرت ہی نے انجام دیئے، پیچھے مقتدیوں کی کثیر جماعت تھی، عازم حرمین کو اب براہ بلرام پور، بھوجپور پھر بمبئی پہنچنا ہے، بلرام پور اسٹیشن پر ٹھیک صبح ۷ بجے ٹرین سے اترے، یہاں اسٹیشن پر اترتے ہی پلیٹ فارم تکبیر ورسالت اور زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا، مبارک پور کی طرح یہاں بھی عقیدت مندوں، ارادت مندوں، نیاز مندوں کا ایک کثیر مجمع، شاعرِ اسلام حضرت بیکل اتساہی کی قیادت میں استقبال کے لیے موجود تھا، خود بلرام پور ریلوے کے اسٹیشن ماسٹر نے بڑھ کر آپ کا استقبال کرتے ہوئے آپ کو پھولوں کا ہار پہنایا، یہاں بھی آپ نے مجمع سے خطاب فرمایا، حضرت بیکل اتساہی، جناب ڈاکٹر عبدالمجید صاحب، وکیل مظفر حسین صاحب ودیگر حضرات کی دینی وملّی خدمات

کا تذکرہ کرتے ہوئے سب کے لیے دعاے خیر فرمائی۔

اب یہاں سے مجمع آپ کو گلوں سے آراستہ ایک کھلی ہوئی کار پر لے کر، استقبالیہ نعرے لگاتا ہوا، پاپیادہ چل پڑا، دومیل کی مسافت آدھے گھنٹے میں طے کرتے ہوئے، آپ مجمع کے ساتھ بلرام پور کے خاص شہر میں داخل ہورہے ہیں، شہر کی سڑک پر آپ کے استقبال کے لیے دکان داروں نے جگہ جگہ گیٹ بنا رکھے تھے، قادری گیٹ، رضوی گیٹ، امجدی گیٹ، عزیزی گیٹ تمام گیٹوں سے گزرتے ہوئے، شہر بلرام پور اور ضلع گونڈہ کی سب سے عظیم دینی درس گاہ "جامعہ عربیہ انوار القرآن" میں تشریف لائے، یہاں دن بھر قیام فرمایا، رات کو آپ کے اعزاز میں اہل بلرام پور نے ایک عظیم الشان جلسہ کیا، اس اجلاس کو سب سے پہلے جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی نے خطاب کیا، اس کے بعد حج کے موضوع پر آپ نے نہایت ہی موثر تقریر فرمائی، جلسہ صلاۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا (اس جلسے اور استقبال میں راقم الحروف بھی موجود تھا)

صبح کے وقت آپ کو رخصت کرنے کے لیے پھر ایک عظیم الشان مجمع، پاپیادہ، استقبالیہ نعرے لگاتا ہوا، اسٹیشن پہنچا، آپ ٹرین پر سوار ہوئے، یہاں سے آپ کے ہم راہ مولانا غلام محمد صاحب عزیزی بھوجپور تک گئے، راستے میں لکھنؤ اسٹیشن پر حضرت مولانا قاری محب الدین صاحب شیخ التجوید مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ، اور آپ کے صاحبزادے جناب مولانا قاری احمد ضیاء صاحب ازہری اور ان کے رفقا نے استقبال کیا، قاری صاحب موصوف آپ کو اپنے گھر لے گئے، تواضع کی، پھر واپس اسٹیشن آکر سیالدہ اکسپریس پر سوار ہوئے، ۵ بجے مرادآباد پہنچے، مرادآباد اسٹیشن پر بھی آپ کے برادر خرد حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کی قیادت میں، بہت سے لوگ استقبال کرنے کے لیے موجود تھے، یہاں سے آپ اپنے مکان بھوجپور تشریف لائے، یہاں بھی آپ کا استقبال کیا گیا، مکان پر آپ نے تین دن قیام فرمایا، چوتھے دن حضرت بیکل اتساہی بھوجپور پہنچے، اسی دن حضرت کے برادر زادہ جناب محمد قاسم نعیمی کا عقیقہ تھا، شب میں میلاد شریف ہوا جس میں حضرت بیکل اتساہی اور آپ کے بستی صاحب زادے حضرت ممتاز واصف بھوجپوری نے نعتیہ کلام پیش کیا، اور حضرت مولانا غلام آسی صاحب و جناب مولانا محمد رفیق صاحب نے تقریریں کیں اور اخیر میں حضرت نے نہایت شاندار اور بلیغ خطاب فرمایا، مزید بیکل صاحب نے آپ کے سفر حج سے متعلق ایک بہترین منقبت پیش کی جسے کافی پسند کیا گیا مطلع درج ذیل ہے:

مدینہ جانے کا عزم، سفر مبارک ہو
طواف کعبہ حسیں، رہ گزر مبارک ہو

یہ جلسہ بھی صلاۃ وسلام پر اختتام پذیر ہوا۔

دوسرے دن صبح نو بجے کی ٹرین سے بھوجپور سے بھی روانگی ہوئی، یہاں بھی بوقت رخصت شاندار مجمع تھا، بھوجپور کے مسلمانوں نے بھی کافی جذبات عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا، اسٹیشن کا پلیٹ فارم بھرا ہوا تھا، ٹرین چلنے پر بھی لوگ دوڑ دوڑ کر مصافحہ کر رہے تھے، یہاں سے مراد آباد جنکشن پہنچے جہاں قائد اہل سنت رئیس العلما حضرت مولانا محمد نذیر الاکرم صاحب مراد آبادی، ان کے والد بزرگوار جناب حاجی ظہور احمد صاحب، ماسٹر عبد الغفور صاحب، مولانا محمد رفیق صاحب، محمد الیاس صاحب مراد آبادی، محمد شفیع صاحب طالب چندوسی، ماسٹر ظہور الاسلام صاحب امروہوی وغیر ہم حضرات پر مشتمل ایک اچھا خاصا مجمع، استقبال کے لیے موجود تھا، یہاں آپ کے برادر عزیز جناب مولوی حکیم عبد الغفور صاحب (عازم حرمین) حضرت بیکل اتساہی، جناب حافظ ممتاز واصف و جناب حافظ عبد الرشید صاحب وغیر ہم حضرات کے ساتھ شاندار استقبال کیا، گل ہائے عقیدت کے گراں قدر ہار پیش کیے اور شب میں قیام کے لیے اپنے مکان لے گئے اور صبح کو فرنٹیر میل سے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں کوٹہ (راجستھان) کے احباب اہل سنت نے بھی شاندار استقبال کیا، بے پناہ عقیدت و محبت کے جذبات کا اظہار کیا، گل ہائے عقیدت اور نفیس ناشتے سے تواضع بھی کی۔

دوسری صبح کو ٹرین ساڑھے سات بجے عروس البلاد بمبئی پہنچی، یہاں اسٹیشن پر آپ کے شیدائیوں کا، ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لیے، اس قدر ہجوم تھا جس کا اندازہ اس طرح لگائیے کہ آپ کی گل پوشی کی گئی تو آپ کا سر تک چھپ گیا، ضرورتاً اتارا گیا تو دوبارہ دس بارہ پھر وہی صورتیں پیش آئیں، مسلمانان بمبئی نے نہایت ہی جوش مسرت کا اظہار کیا اگرچہ یہاں آپ کے استقبال کے لیے بمبئی کے علاوہ جمشید پور، ہوڑہ، کلکتہ، گیا، مبارک پور، گونڈہ، بلرام پور وغیرہ کے حضرات، سفر کر کے پہلے سے آموجود ہوئے تھے، خود آپ کے خلیفہ حافظ محمد حنیف صاحب بلرام پوری جو کئی روز پہلے بمبئی پہنچ چکے تھے، اس استقبال میں موجود تھے اور بمبئی کی اہم ترین ہستیوں میں جناب سیٹھ سعید احمد (عرف سعید و بھائی) سیٹھ عبد المجید، سیٹھ مشتاق حسین وغیرہ حضرات خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

پلیٹ فارم سے باہر آپ کے استقبال کے لیے قطار در قطار کاریں کھڑی تھیں، ان میں سب سے آگے سیٹھ سعید و بھائی کے فرزندار جمند کی " امپالا" (اس زمانے کی ایک اچھی کار) پھولوں سے سجی ہوئی آپ کا انتظار کر رہی تھی اور پچھلی کاروں کے ارادے بھی "گر قدم رنجہ کنی" کا مظہر تھے، کار مالکان میں سے ہر ایک کی آرزو تھی کہ حضرت ہمارے یہاں قیام کریں، مگر چوں کہ حضرت بیکل اتساہی نے پہلے ہی بذریعہ ٹیلی گرام، سیٹھ سعید احمد و سیٹھ عبد المجید صاحب کو حضرت کے قیام سے متعلق مطلع کر دیا تھا، اس لیے حسب وعدہ حضرت نے انھی حضرات

کے یہاں قیام کیا اور یہاں قیام کے لیے سیٹھ صاحبان نے نئے سرے سے آراستہ، اپنا ایک فلیٹ ہی مخصوص کر دیا تھا اور یہ ضروری بھی تھا؛ اس لیے کہ مریدین، متوسلین اور نیاز مندوں کا روزانہ کثیر تعداد میں آنا جانا، ملنا ملانا، رہتا تھا، حاصل کلام سیٹھ صاحبان نے حضرت کی مہمان نوازی کا شرف ہر حیثیت سے حاصل کیا۔

بمبئی قیام کے دوران جگہ جگہ آپ کے اعزاز میں جلسے ہوتے رہے جن میں مصطفیٰ بازار کے اعزازی جلسے کو خصوصی حیثیت حاصل ہے، اس جلسے کا اہتمام جناب سیٹھ شمس الحق علیمی و سیٹھ غلام مصطفیٰ رضوی و دیگر ساکنان مصطفیٰ بازار نے نہایت شاندار طریقے سے کیا تھا، اس اجلاس میں عینی شاہدین کا بیان ہے کہ تقریباً دس ہزار کا مجمع رہا ہوگا اور مقررین میں آپ کے علاوہ جن علما اور شعرا نے شرکت کی ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مجاہد ملّت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رئیس اڑیسہ۔

۲۔ پیر طریقت حضرت مولانا طفیل شاہ صاحب۔

۳۔ فاضل جلیل حضرت مولانا محمد خلیل صاحب شافعی جامع مسجد ماہم شریف۔

۴۔ حضرت مولانا تجمل ہدیٰ صاحب گیاوی۔

۵۔ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب [مبارک پوری] اعظمی۔

۶۔ حضرت مولانا حکیم عبد الغفور صاحب بھوجپوری۔

۷۔ حضرت حافظ عبد الرشید صاحب بھوجپوری۔

۸۔ حضرت حافظ محمد حنیف صاحب بلرام پوری۔

۹۔ حسان الہند حضرت بیکل اتساہی۔

۱۰۔ شاعر اسلام حضرت ممتاز واصف بھوجپوری وغیرہم

اسی طرح کے اعزازی جلسوں اور نشستوں میں بمبئی کا قیام اختتام پذیر ہوا، جس دن کے جہاز سے روانہ ہونا تھا اس کی صبح ہی حضرت بیکل اتساہی، سفیر حجاز کے پاس ویزا لینے کے لیے گئے، سفیر پہلے تو ویزا دینے میں لیت و لعل کرنے لگا اور جب دن کے ۱۲ بج گئے اور جہاز کی روانگی میں صرف چند گھنٹے باقی رہ گئے تو اس نے حسب سازش یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ " میں بلا فوٹو کے ویزا نہیں دوں گا" اس پر بیکل صاحب نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی کہ تمھیں ویزا روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن وہ ایک نہ مانا، اس کی ہٹ تھی کہ جب تک اوپر سے آرڈر نہیں ہوگا میں ویزا نہیں دوں گا بیکل صاحب کا بیان ہے کہ میں بڑی مایوسی کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حالات بیان کیے، اس وقت حضرت کے چہرے پر میں نے ایک خاص رنگ دیکھا ارشاد

فرمایا: بیکل صاحب! ایک بار پھر جائیے اور حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا:

"آپ حضرات براہ کرم باہر تشریف لے جائیں، میں تھوڑی دیر تخلیہ چاہتا ہوں، اندر سے کمرے کا دروازہ بند کرلیتا ہوں اور خبردار! اس وقت تک کوئی دروازہ نہ کھلوائے جب تک بیکل صاحب ویزا لے کر واپس نہ آجائیں۔"

بیکل صاحب آگے کہتے ہیں: متعلقہ حاکم سے پہلی گفتگو کی روشنی میں میں جانے کی ہمت تو نہیں کرتا لیکن حضرت کا حکم واجب التعمیل تھا، ایک بار پھر چلا گیا لیکن اس بار کچھ اسباب ووسائل ایسے مہیا ہوگئے (جن کا پہلے ذکر آچکا ہے) کہ میں ناکام واپس آنے کے بجائے، اپنے ساتھ ویزا لے کر کامیاب و کامران واپس ہوا، تو میں نے حضرت کے کمرے کا دروازہ بدستور بند پایا، میں نے دروازے پر دستک دے کر، باہر ہی سے، جذباتی لہجہ میں عرض کیا: "حضور دروازہ کھولیں ویزا مل گیا"۔ اندر سے گریہ کے لہجے میں آواز آئی الحمد اللہ! دروازہ کھلا حضرت پسینے میں شرابور، اور داڑھی آنسوؤں سے تر تھی، اس کے بعد کے واقعات خود صاحب واقعہ کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

"مخالفین کا یہ آخری حربہ بڑا سنگین تھا، مگر سرکار مدینہ کے بے پایاں کرم کی موسلا دھار بارش میں، ہر حربے اور مکر و فریب خس و خاشاک کی طرح بہ جاتے ہیں، یہاں بھی سرکار کا خاص کرم ہوگیا بیکل صاحب جس وقت ویزا لے کر کامیاب واپس ہوئے ہیں اسی وقت حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیاز کی گئی۔

احباب خوشی و مسرت سے شاداں فرحاں تھے، خوشی میں بڑے بڑے قیمتی اور وزنی ہار پیش کئے گئے، اس سلسلہ میں جناب سیٹھ سعید احمد صاحب و جناب سیٹھ عبدالمجید صاحب ساکنان بمبئی و جناب سیٹھ الحاج حفیظ اللہ صاحب، ساکن کلکتہ و جناب ماسٹر ریاض احمد صاحب اعظمی حال مقیم بمبئی و جناب و مولانا خلیل صاحب خطیب جامع مسجد ماہم شریف و جناب مولانا تجمل ہدیٰ صاحب گیاوی و جناب مولانا صاحب حسین صاحب بہاری و جناب الحاج سیٹھ حیات محمد صاحب، خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، جناب حافظ ممتاز حسین صاحب واصف نے منقبت اور کامیاب نعت پیش کی، حضرت بیکل صاحب نے بارگاہ رسالت میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیا۔

بڑا ہی پر کیف و پر لطف سماں تھا، احباب کے ہجوم میں مسرت و شادمانی کے ساتھ ۴

بجے قیام گاہ سے روانہ ہوئے، جہاز کے بندر گاہ پر پہنچے، قدرے انتظار کے بعد آفس میں داخل ہوئے، پاسپورٹ کی جانچ کے بعد جہاز پر سوار ہوگئے، ساڑے پانچ بجے نماز عصر ادا کی، وہ عجیب منظر تھا، ہم جہاز کی چھت سے رخصت کرنے والے احباب کو دیکھ رہے تھے، وہ حضرات اشاروں سے سلام پیش کر رہے تھے اور" الوداع" و" خداحافظ" کہہ رہے تھے، یوں توسبھی احباب اپنی محبت میں اشک بار تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ برادر عزیز حافظ عبدالرشید صاحب اور حافظ ممتاز حسین صاحب واصف کا عجیب حال تھا، یہ دونوں نہایت ہی زیادہ اشکبار تھے، واصف صاحب ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہی رہے، آنکھوں سے آنسوؤں کا تسلسل جاری تھا ساڑھے چھ بجے دن تک یہی منظر رہا، بعدۂ یہ ملاقات نظارہ بھی ختم ہوگئی۔

وہ حضرات تشریف لے گئے ہم لوگ اپنی سیٹوں پر آگئے، اپنی جماعت سے نماز مغرب ادا کی، اس کے بعد کھانا کھایا، عشا کے وقت اپنے درجہ میں باجماعت نماز ادا کی، اس کے بعد امیرالحج صاحب مع اپنے دوساتھیوں کے، تشریف لائے، اور فرمایا کہ جماعت ایک ہونا چاہئیے، امامت آپ کے سپرد ہے، فجر سے نماز آپ پڑھائیں، میں نے منظور کرلیا، اوپر کے درجہ میں وسیع جگہ جماعت قائم ہوئی نماز فجر ساڑھے چھ بجے میں نے پڑھائی، مگر ایک عجیب لطیفہ ہوا، وہ یہ کہ میں فجر میں وقت سے پہلے ہی پہنچا، دیکھا کہ ایک تبلیغی مولوی مصلے پر بیٹھا ہے، معلوم نہیں رات سے آکر مصلے پر قابض ہوگیا تھا، میں نے اس سے کچھ نہیں کہا، صف میں بیٹھ گیا، اذان ہوئی، سنت پڑھی، جب تکبیر کا وقت ہوا تو نمازیوں نے اس مولوی سے کہا: آپ پیچھے آئیے نماز حافظ صاحب پڑھائیں گے، تو پیچھے دیکھتا ہے، مگر اٹھتا نہیں، پھر کہا گیا: آپ مصلے چھوڑیے، پیچھے آئیے، نماز حافظ صاحب پڑھائیں گے، تب اٹھ کر پیچھے آیا، میں نے نماز پڑھائی کثیر جماعت ہوتی تھی، دو مکبر تکبیر کہتے تھے، ساحل جدہ تک میں پانچوں وقت نماز پڑھاتا رہا۔

ہم لوگ جہاز میں نہایت آرام و سکون اور اطمینان کے ساتھ ہیں، آج ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ ۸/ مارچ ۱۹۶۷ء کو ۷ بجے صبح، مظفری جہاز ساحل بمبئی سے روانہ ہوا، تقریبًا دس بجے ایک عجیب اعلان ہوا کہ تبلیغی جماعت کے استاد گم ہوگئے، راہ بھول گئے ہیں،

وہ امیر الحج صاحب کے دفتر میں موجود ہیں ان کو امیر جماعت لے جائیں۔

بعد نماز ظہر حضرت مجاہد ملّت مولانا حبیب الرحمن صاحب سے ملاقات ہوئی، امامت میرے سپرد ہونے پر حضرت موصوف بہت خوش ہوئے، اسی خوشی میں حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی فاتحہ کے لیے سنترہ اور انگور نذر کیا گیا۔

۸/ مارچ بروز چہار شنبہ ساڑھے تین بجے دن میں حیدر آباد (دکن) وغیرہ کے مقتدر و معزز حضرات تشریف لائے، مجھ سے مسائل دریافت کئے اور عقلی دلیل کی روشنی میں سمجھانے کی فرمائش کی بفضلہ تعالیٰ تفہیم کی گئی، بہت خوش ہوئے، اظہار مسرت و عقیدت کے بعد تشریف لے گئے، نماز میں سُترہ قائم کرنے پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ عقلی طور پر سُترہ بے فائدہ معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے کہ سُترہ قائم کرنے کے بعد بھی نمازی گزرنے والے کو ایسا ہی دیکھتا ہے جیسے بغیر سُترہ کے، لہذا سُترہ بے کار، بے فائدہ ہے، میں نے جواب دیا کہ سُترہ نمازی کے لیے حدِ نماز ہے، سُترہ سے جب حد بندی ہوگئی تو حد نماز اور خارج نماز میں فرق ہوگیا، اب اگر سُترہ کے باہر گزرنے والا، نمازی کو نظر آئے تو اس کا دوسرا حکم ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ غیر محرم نے عورت پر نظر کی، ایک تو اپنے قصد و ارادہ سے غیر محرم عورت پر نظر ڈالنا ہے، یہ حرام ہے، دوسرے بلا قصد و ارادہ نظر پڑ جانا ہے، یہ جائز ہے، کوئی حرج نہیں، نمازی نے سُترہ قائم کر کے حد بندی کر دی کہ وہ گزرنے والے کو دیکھنا نہیں چاہتا، یوں دکھ جائے تو اور بات ہے اس جواب کو سب نے پسند کیا، اور خوش ہو کر واپس ہوئے۔

۸/ مارچ میری قیام گاہ پر عشا کی نماز کے بعد میلاد شریف ہوا، نعت خوانی و صلاۃ و سلام کا طویل سلسلہ جاری رہا، احباب کے اصرار پر میں نے صلاۃ و سلام کی خصوصیت و افادیت پر مختصر تقریر کی، جلسہ کامیاب رہا، ۹/ مارچ بعد نماز فجر بڑی شان و شوکت کے ساتھ صلاۃ و سلام کا سلسلہ بحالت قیام دیر تک رہا، نہایت موثر و رقت آمیز، پُر کیف نذرانۂ عقیدت تھا، حاضرین سبھی متاثر تھے، ۹/ مارچ ۱۰ بجے دن میں کئی شخص آئے اور یہ کہا کہ بمبئی مسافر خانہ میں تبلیغی جماعت نے اپنی کارکردگی سے حجاج پر اثر ڈالا ہے؛ لہذا اس کے ازالہ کے لیے یہاں سُنی علما کی تقریریں ہونی چاہیے، میں نے اس کی تائید کی،

حضرت مجاہد ملّت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عشا بعد تقریری پروگرام طے فرمالیا، اسی روز بعد نماز عشا فرسٹ کلاس کے ہال میں اجلاس منعقد ہوا، حضرت مجاہد ملّت دامت برکاتہم نے بڑی پر مغز اور موثر تقریر فرمائی، اس کے بعد مجھے حکم دیا، میں نے مختصر بیان کیا، مجمع کافی محظوظ ہوا قیام وصلات وسلام پر ۱۱ بجے جلسہ ختم ہوا۔

بعد مغرب سپرنٹنڈنٹ جہاز جناب عبدالمجید خاں صاحب کشمیری تشریف لائے کھانا فرسٹ کلاس کا بھیجنے کے لیے اصرار کیا اور دس مارچ صبح سے جاری کر دیا، موصوف بڑے ہی خلیق اور خوش مزاج اور تجربہ کار شخص ہیں، حجاج کرام کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں، ہر طرح حجاج کرام کو آرام پہنچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

۱۰/ مارچ بعد نماز فجر پوری جماعت نے بارگاہ رسالت میں، نہایت جوش و خروش کے ساتھ، بحالت قیام، صلات وسلام کا نذرانہ پیش کیا، ابھی ناشتہ سے فارغ ہوئے تھے کہ رام پور کے ایک صاحب تشریف لائے اور نیچے کی منزل میں امامت کی درخواست کی، برادر عزیز مولوی عبدالغفور صاحب نے منظور فرمائی، آج ظہر سے اس درجہ میں امامت کی، اور ساحل جدہ تک برابر نماز پڑھاتے رہے، بروز جمعہ بعد نماز ظہر بڑے جوش و خروش کے ساتھ، بحالت قیام، بارگاہ رسالت میں صلاۃ وسلام پیش کیا گیا۔

۱۱/ مارچ شنبہ بعد نماز فجر پورے جوش و خروش سے، بحالت قیام، بارگاہ رسالت میں، صلاۃ وسلام پیش کیا گیا، بعد نماز ظہر احرام کے احکام میں نے بیان کیے، بعد نماز عشا فرسٹ کلاس کے ہال میں میلاد شریف ہوا، حضرت مجاہد ملّت دامت برکاتہم نے بڑی موثر تقریر فرمائی، قیام وصلات وسلام پر جلسہ ختم ہوا۔

۱۲/ مارچ بعد نماز عصر میں نے بھی احرام کے احکام بیان کیے، ممنوعات احرام بیان کرتے ہوئے عظمت و مقبولیت کا عجیب و غریب انکشاف ہوا، ممنوعات احرام کا ارتکاب بالقصد ہو یا بلا قصد بے عذر ہو یا بلا عذر، دانستہ ہو یا نادانستہ ہو، سوتے میں ہو یا جاگتے میں، ان کا جرم ہونا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، بہر حال کفارہ دینا ہے، مثلاً مرد کو بحالت احرام سر ڈھکنا منع ہے، اگر ایک دن کامل، یا ایک رات کامل، یا اس سے زائد، سر ڈھکا رہا اور کوئی عذر نہ ہو تو خاص حرم

میں ایک قربانی واجب ہوگی، اس کے سوا اور کوئی کفارہ نہیں اور اگر کسی عذر سے ہو تو اسے اختیار ہے ایک قربانی کرے، خواہ حرم میں خواہ کہیں اور، یا تین صاع گیہوں یا چھ صاع جو صدقہ دے، یا تین روزے رکھے اور اگر ایک دن کامل یا ایک رات کامل سے کم چھپا رہا اور بلا عذر ہو تو کفارہ صدقہ فطر کی مقدار واجب ہے، دوسرا اور کوئی کفارہ نہیں اور اگر عذر کے سبب ہو تو اختیار ہے، صدقۂ فطر کی مقدار غلہ دے یا ایک روزہ رکھے، بہر حال اس محرم کو کفارہ دینا ہے، اس حکم سے ثابت ہے کہ محرم کی اس عاشقانہ دھج کی مقبولیت اور بارگاہ الٰہی میں اس کی عظمت، کس بلندی پر ہے کہ احرام کی اس خصوصی دھج کو بہر حال باقی رکھنا ہے، یہاں کوئی عذر عذر ہی نہیں، کسی طرح بھی اس کے خلاف گنجائش نہیں، یہ ہیئت معبود حقیقی کو کس درجہ پیاری اور محبوب ہے کہ اس کو بہر حال باقی رکھنا ہے، اس میں ذرا بھی فرق نہ آئے۔

۱۳/ مارچ بعد نماز فجر نہایت پُر جوش طریقہ پر، بحالت قیام، صلاۃ و سلام پیش کیا گیا، پورے جہاز کی فضا گونج رہی تھی، ۹ بجے دن میں جہاز، عدن پہنچا، محب مکرم جناب حاجی محمد خلیل صاحب مبارک پوری مع احباب عدن سے جہاز میں ملاقات کے لیے پہنچے، کافی فروٹ لائے، دیر تک محبتانہ گفتگو رہی، اس کے بعد چلے گئے، ۱/ بجے محب محترم جناب عبد الغفور صاحب عدن سے تشریف لائے، مجھے عدن لے جانے کے لیے بہت اصرار کیا، مگر وقت کی قلت کی وجہ سے ان کی خواہش پوری نہ ہو سکی، موصوف نے محبانہ جذبۂ عقیدت سے پانچ دینار نذر پیش کی، ان کے اصرار سے قبول ہی کرنا پڑا، میرے عدن نہ پہنچنے پر بہت ہی اظہار افسوس کیا، ۲/ بجے واپس ہو گئے، مولائے کریم ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

حجاج کرام میری قیام گاہ پر آتے رہے، مسائل دریافت کرتے رہے، بفضلہ تعالیٰ تسکین بخش تفہیم کی گئی، جو آئے خوش ہو کر گئے، بڑی خوشی و مسرت کا اظہار کرتے تھے، کہتے تھے کہ ہمیں بڑی سہولت ہے، جس مسئلہ کی ضرورت پڑتی ہے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے، خوب سمجھ میں آتا ہے، ۱۴/ مارچ کو بعد نماز فجر بڑے جوش و خروش سے، بحالت قیام، صلاۃ و سلام عرض کیا گیا، شافعی حجاج حیدر آبادی جو عربی النسل تھے، وہ عربی میں صلاۃ و سلام پڑھتے تھے، خوب پڑھتے تھے، دوسرے حضرات اردو میں پڑھتے تھے، اکثر اعلی

حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کا یہ سلام پڑھا جاتا تھا:

مُصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

بہت ہی موثر ہوتا تھا، سامعین سبھی جھوم جھوم کر پڑھتے تھے، فرط مسرت سے مگن رہتے تھے، آواز سنیت سے جہاز کی پوری فضا گونجتی تھی، بار بار میلاد شریف ہوتا تھا، صلاۃ وسلام وقیام میں، بڑا مجمع شریک رہتا تھا، غیروں کی آواز ہی نہ تھی، جہاز میں تبلیغی معلوم ہی نہ ہوتے تھے، حالاں کہ ان کی پوری جماعت تھی جیسا کہ ۸؍ مارچ کے اعلان سے ثابت ہے، ان کی خاموشی کی وجہ یہی ہے کہ فضائے سنیت نے ان کو مرعوب کر دیا تھا، ۸؍ مارچ کے اس اعلان کا اثر تھا کہ "تبلیغی جماعت کے استاد گم ہوگئے ہیں، راہ بھول گئے ہیں" ظاہر ہے کہ جب استاد ہی راہ بھول گئے تو شاگرد کا کیا ٹھکانہ۔

۱۴؍ مارچ بعد نماز عصر احرام و طواف کے احکام بیان کیے بہت سے حجاج نے احرام و طواف و حج کے مختلف مسائل دریافت کیے، جوابات سے مسرور ہوئے، بڑی خوشی کا اظہار فرمایا، شب میں بعد نماز عشا محترم جناب امیر الحج صاحب مع احباب تشریف لائے، بڑی محبتانہ گفتگو رہی، گراں قدر الفاظ میں اظہار مسرت فرمایا، ان کے ساتھ ان کی بیگم صاحبہ بھی تھیں، محترمہ نے اپنے سر پر ہاتھ رکھنے کی درخواست کی، میں نے ان کے لیے صرف دعا کر دی، خوش ہو کر تشریف لے گئے، قبل مغرب ہوا تیز ہونے کی وجہ سے جہاز میں حرکت محسوس ہونے لگی، یہی کیفیت رات بھر رہی، مگر کوئی خاص پریشانی نہیں ہوئی۔

۱۵؍ مارچ صبح پانچ بجے سے احرام کی تیاری کے لیے میٹھا پانی عام کر دیا، جو دن کے ۳ بجے تک برابر جاری رہا، ۳ بجے تک میقات یلملم پہنچنے کی اطلاع ہوئی، آج بھی بعد نماز فجر نہایت جوش و خروش سے صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا گیا، بعد نماز ظہر احرام باندھا، بعد نماز عصر، جناب سپرنٹنڈنٹ عبدالمجید خاں صاحب کشمیری نے مختصر ہدایات کے بعد، اپنے ایمانی جذبات کی روشنی میں، بڑی جامع تقریر فرمائی، جو محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی تھی، حجاج کرام کو حُبِ رسول کی دعوت دی، فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء.

۱۶؍ مارچ عصر کے وقت جہاز جدہ بندرگاہ پر پہنچا، اترنے میں تاخیر ہوئی، نماز

مغرب جہاز ہی پر ادا کی، بعد نماز جہاز سے اترے، بس کے ذریعہ کسٹم میں پہنچے، عشا کے وقت سامان کی تلاشی میں تھے کہ جناب بیکل صاحب و جناب مولوی محمد حنیف صاحب مبارک پوری سے ملاقات ہوئی، یہ حضرات اور جناب معلم سید احمد شیخ جمال اللیل صاحب ہمیں لینے کے لیے تشریف لائے تھے، معلم صاحب کار سے اپنے دفتر لے گئے وہاں نماز عشاء ادا کی کچھ دیر آرام کیا، معلم صاحب اسی کار سے مکہ مکرمہ لائے، نماز فجر حرم شریف میں اپنی جماعت سے ادا کی، بعد نماز، عمرہ کیا، بے پناہ ہجوم تھا مگر بفضلہ تعالیٰ بحسن و خوبی ارکان ادا ہوئے، مکہ مکرمہ میں قیام گاہ خاص معلم صاحب ہی کے مکان پر ہے حرم شریف کے قریب ہی نہایت وسیع کمرہ ہے، قالین کا فرش ہے، ہر چہار جانب نشست کے لیے مخملی تکیے لگے ہیں، برقی روشنی اور پنکھا اور ضروریات کے تمام سامان مہیا ہیں، علمائے کرام و احباب اہل سنت ملاقات کے لیے تشریف لاتے رہے۔

۱۷/ مارچ بعد نماز عصر حضرت مولانا سید اظہار اشرف صاحب کچھوچھوی تشریف لائے، ان کی ملاقات سے بڑی مسرت ہوئی، دیر تک تشریف فرما رہے، اور اپنا خواب جو مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا بیان فرمایا کہ " حافظ صاحب سے مدینہ طیبہ میں ملاقات ہوئی" اس کی تعبیر میری حاضری ہے، حضرت موصوف قبل رمضان آئے تھے، اس وقت سے آپ کا قیام مدینہ طیبہ میں ہی رہا، بہت کافی وقت ملا، وہیں یہ خواب ہوا تھا۔

بعد مغرب حضرت مولانا مصلح الدین صاحب حیدر آبادی تشریف لائے، ان کے ہمراہ کراچی سِیلَون وغیرہ کے احباب تھے، بڑی پُر لطف بحث رہی جس میں مولانا قاری مصلح الدین صاحب کی قراءت اور حضرت بیکلؔ کی نعت سے سرفرازی حاصل ہوئی، عشا کے وقت وہ حضرات تشریف لے گئے۔

۱۸/ مارچ شنبہ ۹ بجے دن کو ناشتہ کے بعد طواف کے لیے حرم شریف حاضر ہوئے، اس وقت شاہ فیصل کی خاص حاضری تھی، وہ کعبہ معظمہ کے اندر تھے، مطاف خالی تھا، پولیس کا انتظام تھا، مجمع بے پناہ تھا، شاہ فیصل کی فراغت کے بعد، مطاف پر، مجمع ٹھیک پروانہ بن کو ٹوٹ پڑا، مجمع اپنی مثال تھا، حرم شریف باوجود اپنی قدیم و جدید وسعتوں کے

"جاے تنگ ست، مرداں بسیار" کا صحیح مصداق تھا، مجمع میں ترکی، مصری، حبشی، یمنی حجاج ہی کی بڑی اکثریت تھی، ہر شخص گاما معلوم ہوتا تھا، ہم نحیف وضعیف کمزوروں کا کہاں گذر، چوں کہ وہ حضرات اپنی توانائی، کافی جسامت وقد و قامت کے باوجود اپنی پوری قوت و طاقت کا مظاہرہ کر رہے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کی شکل میں طوفانی سیلاب ہے، ہم جیسے خس و خاشاک بنے ہوئے ہیں، لیکن ایسے ماحول میں رب جلیل نے وہ کرم فرمایا کہ ہم نے سلامتی کے ساتھ طواف کر لیا۔

اس کے بعد سعی کے لیے مسعیٰ پہنچے صفا پر حاضر ہوئے باوجود اپنی قدیم و جدید وسعتوں کے مسعیٰ لبریز تھا وہاں بھی انسانی سیلاب نظر آرہا تھا، وہاں بھی مولاے کریم نے توفیق دی، ہم نے بخیریت سعی کری، طواف وسعی میں تقریباً ۴ گھنٹے صرف ہوگئے، میرے ساتھ مولوی عبدالغفور صاحب، بیکل صاحب، حاجی محمد خلیل صاحب تھے، ایک بار حاجی محمد خلیل صاحب بچھڑ گئے، دوسری مرتبہ مولوی عبدالغفور صاحب بچھڑ گئے، کافی تلاش کے بعد بھی نہ مل سکے، بہت دیر کے بعد قیام گاہ پر پہنچے، اس ہنگامی ہجوم میں ۴ گھنٹے ہم لوگ خوب کچلے گئے اور کافی دوڑ دھوپ رہی، لیکن مولائے کریم کا فضل عظیم کہ اس کا کوئی اثر طبیعت پر نہ معلوم ہوا، ذرا تکان بھی محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ہم لوگ قیام گاہ تک ننگے پیر آئے، دوپہر کا وقت تھا، زمین آگ بنی ہوئی تھی، مگر پیروں میں کوئی اثر نہ ہوا، ایسی صورت کہیں دوسری جگہ پیش آتی تو پیروں میں ضرور آبلے پڑ جاتے اور ہم لوگ اتنی دوڑ دھوپ میں اس درجہ کچلے جانے کے بعد ضرور بیمار پڑ جاتے، یہ صرف دربار الٰہی کی برکت ہے کہ نہ تکان معلوم ہوئی، نہ طبیعت میں گرانی محسوس ہوئی، قیام گاہ پہنچنے کے بعد ہم چاروں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، یہیں بیٹھے رہے۔ فله الحمد والمنة

۱۹؍ مارچ یکشنبہ ناشتہ کے بعد منیٰ پیدل روانہ ہوئے حالاں کہ سرکاری بس کا کرایہ ہم لوگ دے چکے تھے، قبل ظہر منیٰ پہنچے، کھانا کھانے کے بعد نماز ظہر ادا کی، معلم صاحب نے حجاج کرام کے قیام کا معقول انتظام کیا تھا، عمدہ کھانا، خیمے کافی تعداد میں نصب تھے، استنجا وغیرہ کا پورا انتظام تھا، ساری ضروریات بآسانی پوری ہوتی رہیں، بعد نماز عشا احباب

اہل سنت کا کافی اجتماع ہوا جس میں شاعرِ اسلام حسان الہند حضرت بیکل نے نعتیہ کلام پیش کیا اور مولانا محمد حنیف صاحب مبارک پوری نے ارکان حج بیان کیے، بڑی پر مغز مدلل موثر تقریر فرمائی، میں نے بھی مختصر بیان کیا۔

مولوی سالم صاحب نے مسئلہ دریافت کیا: اگر عرفات میں حنبلی امام مقیم ہو، وہ قصر کرے تو حنفی کو اس کی اقتدا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواز کی دلیل یہ بیان کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قصر کیا تھا اور صحابہ مقیم تھے انھوں نے بھی قصر کیا تھا؛ لہذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عرفات میں بہر حال قصر ہے، مقیم ہو یا مسافر، خصوصیت عرفات قصر ہی ہے۔

میں نے جواب دیا کہ اول تو یہ صحیح نہیں کہ مقیم صحابہ نے قصر کیا تھا اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قصر کا حکم دیا تھا، یہ ان کا خود کا فعل ہے جو خلفاے راشدین اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل کے خلاف ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اتمام کرتی تھیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مکہ شریف اور منیٰ اور عرفات میں اتمام کرتے تھے، چار رکعت فرض پڑھتے تھے، ان کا یہ عمل اس پر دلیل ہے کہ عرفات میں مقیم کے لیے اتمام ہے، لہذا چار رکعت کی نماز، چار رکعت ہی پڑھنا ہے اگر مقیم قصر کرے گا تو مسلک حنفی پر اس کی نماز نہیں ہوگی، لہذا اقتدا صحیح نہیں۔

اس پر مولوی سالم نے کہا کہ حرم شریف میں اس مسئلے پر بہت زور دیا گیا ہے اور حدیث مذکورہ سے ثابت کیا گیا ہے؛ اس لیے میں نے منیٰ کے احکام بیان کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا کہ حدیث پر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی عمل کرتے ہیں، رمی جمار، قربانی، حلق میں حنفیہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے حالاں کہ بے ترتیبی کے سوال پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لا حرج فرمایا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان افعال میں ترتیب واجب نہیں، اور خلاف ترتیب عمل پر دم لازم نہیں، لیکن حنفیہ کا مسلک ہے کہ دم لازم ہے وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے مَن قَدمَ

واخّر فَلیُھرِق لذالك دماً، اس حدیث کی روشنی میں لاحرج کے معنی یہ ہیں کہ حج میں کوئی حرج نہیں، مگر دم لازم ہے، دم دیا جائے تو حج بدستور صحیح ہے، حنفیہ کا دونوں حدیثوں پر عمل ہے، لیکن اگر دم لازم نہ کیا جائے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل نہ ہوگا، اس کے بعد صلاۃ وسلام پر جلسہ ختم ہوا۔

۲۰؍ مارچ دوشنبہ کو بعد نماز فجر، چائے پی کر، عرفات کو بس کے ذریعہ روانہ ہوئے، عرفات میں بھی معلم سید احمد شیخ جمال اللیل صاحب نے قیام کا معقول انتظام کیا تھا، عمدہ قسم کے خیمے نصب تھے، عرفات پہنچ کر ہم لوگ ذکر الٰہی، درود شریف، تلاوت قرآن مجید میں مصروف ہوگئے، اذان کے بعد اپنے خیمے کے سامنے جماعت کی، میں نے ظہر کی نماز پڑھائی، بعد نماز وقوف میں مصروف ہوگئے، عصر تک ذکر و دعا، درود شریف، لبیک میں برابر مصروف رہے، عصر کی نماز کے بعد دعاے عرفات جناب مولانا اسماعیل جانی صاحب نے پڑھائی، دعا کے ختم پر بڑی پُر خلوص دعا کی، سارے مجمع پر گریہ طاری تھا، بعدہٗ صلاۃ و سلام وقیام پر ختم کیا گیا۔

بعد غروب مزدلفہ میں مغرب وعشا باجماعت ادا کی، ذکر الٰہی میں مصروف رہے، فجر کی نماز باجماعت، اوّل وقت پڑھ کر، وقوف کیا اور بذریعہ بس منیٰ روانہ ہوئے، ہزاروں بسوں، کاروں، ٹرکوں سے وادی مزدلفہ بھری ہوئی تھی، بس کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ اس کی حرکت اور سکون میں ۹۹ فی صدی کا بھی تناسب نہ تھا کہ ۹۹ درجہ سکون کے بعد ایک درجہ بھی حرکت کر سکے، تین گھنٹہ بس میں بیٹھنے کے بعد، عاجز ہوکر ہم لوگ پیدل چل پڑے، تو تقریبًا ۹ بجے منیٰ پہنچ گئے، لیکن وہ بس شام تک بھی نہ پہنچی، بلکہ رات کے دس بجے پہنچی، چار میل کی مسافت پندرہ گھنٹہ میں طے کی، جو لوگ بس میں بیٹھے رہ گئے تھے ان کا بہت ہی برا حال ہوگیا، بے چارے سخت بخار میں مبتلا ہوگئے، بعض بے ہوش ہوگئے، عورتیں اور بچے زار زار روتے تھے، ان کی مصیبت دیکھی نہ جاتی تھی، ہم لوگ منیٰ قیام گاہ پہنچ کر رمی جمار کے لیے روانہ ہوئے اور دس بجے رمی سے فارغ ہوگئے، بعد نماز ظہر مَنحَر پہنچے، بکرے خرید کر قربانی اپنے ہاتھ سے کی۔

افسوس کہ حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی روداد سفر، ڈائری کے چند اوراق میں یہیں تک آکر ختم ہوجاتی ہے، آگے ڈائری پر حضرت ہی کا ایک تحریری نوٹ اس طرح ہے:

"نوٹ: مزید واقعات، مدینہ طیبہ کی حاضری کے بعد لکھنا ہے"۔

اس روداد سفر کا یہ آخری نوٹ بار بار میرے ذہن کے پردے پر سوالیہ نشان بن کر ابھرتا رہا کہ ایسا کیوں ہوا؟ بمبئی سے لے کر مکہ مکرمہ تک کے حالات تو حضرت نے باضابطہ تاریخ وار اپنی ڈائری میں نوٹ فرمائے لیکن اس کے بعد مدینہ طیبہ کی حاضری میں یہ التزام کیوں نہ رکھا؟

اس کا جواب بھی بفضلہٖ تعالیٰ نوٹ کے اس حصے " مدینہ طیبہ کی حاضری کے بعد لکھنا ہے" سے مجھے مل گیا اور وہ اس طرح کہ ایک عاشق رسول جو دیار ہند میں مدینے کی آرزو لیے، غیر شرعی قانون کی قید میں پڑا ہوا، بے قرار ہو ہو کر، نہ جانے کب سے یہ آرزو کرتا رہا کہ ؏

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے

آخر سرکار مدینہ کو اپنے اس دیوانے پر ترس آہی گیا، دونوں جہان کے مالک و مختار نے، اپنے اختیار بالا سے، اسے غیر شرعی قانون کی قید و بند سے آزاد کر کے، پروانۂ حاضری دے دیا، تو اب اس دیوانے کو اپنے اسی محبوب کے دیار میں، دیوانہ وار عشق و محبت سے سرشار، سر کے بل حاضر ہونا ہے تو بھلا دیار حبیب کی اس حاضری کا کوئی لمحہ، تحریر واقعات یا دیگر کاموں کی نذر کہاں کر سکتا ہے؟ یہاں تو ادب ہر ہر لمحہ، ہر ہر ساعت، ہر ہر آن، بلا شرکت غیر، وصال یار ہی کی نذر ہو سکتی ہے:

عشق اعجاز، شرکت کا قائل نہیں
یا محمد کا بن، یا زمانے کا بن

اور پھر ایسا عاشق اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچ کر، اپنے محبوب کے ماسوا کی طرف دھیان ہی کب دے سکتا ہے؟ اسی لیے تو وہاں جانے سے قبل ہی ڈائری میں نوٹ لگا دیا جاتا ہے کہ

"مزید واقعات مدینہ طیبہ کی حاضری کے بعد"

یقیناً یہ حافظ ملّت علیہ الرحمہ کے سچے عاشق رسول ہونے اور آداب عشق رسالت سے پوری واقفیت رکھنے کا بین ثبوت ہے۔

خیر! یہ تو وقت حاضری کی بات تھی، لیکن وہاں کی واپسی کے بعد حسب نوٹ، بعد کے واقعات معرض تحریر میں آنے تھے، لیکن مجھے اس ڈائری میں نہیں ملے اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

ایک تو یہ کہ حضرت وہاں سے واپسی کے بعد، الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونیورسٹی کے تعمیری کاموں میں، اس قدر مصروف و مشغول رہے کہ ان اہم ترین واقعات کو زینت تحریر بنانے کے لیے، فرصت و سکون کے جو اوقات درکار تھے، وہ میسر نہ آسکے اور حضرت واصل بحق ہو گئے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ڈائری مجھے حسان الہند حضرت بیکل اتساہی کے یہاں سے ملی، جو غالبًا حج کی واپسی کے بعد ہی بیکل صاحب کے سپرد ہو گئی تھی؛ اس لیے ہو سکتا ہے کہ حضرت نے دوسری کاپی پر تحریر فرمایا ہو جو مجھے متعلقین سے رابطہ قائم کرنے کے باوجود نہ مل سکی، اس لیے کہ ان کے علم میں حضرت کی اس طرح کی کوئی کاپی ابھی تک نہیں مل سکی، درآں حالے کہ اس کی جستجو میں، میں نے بھوج پور سے لے کر مبارک پور تک کے سفر کیے، لیکن کامیاب نہ ہو سکا، اس لیے بعد کے واقعات کے لیے میں نے حضرت کے شریک سفر، حضرت بیکل اتساہی سے رابطہ قائم کیا، موصوف نے کچھ بتایا (اور کچھ یاد کر کے قسطوں میں بتانے کا وعدہ فرمایا ہے) اور کچھ مخدوم محترم، جامع معقول و منقول، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب قبلہ اعظمی و حضرت مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی نے (حضرت کے روایت کردہ) واقعات بتائے جو درج ذیل ہیں:

بروایت محدث کبیر:

دوران قیام مکہ، ایک اہل علم آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ "میں نے حدیث پاک کی کئی کتابوں میں یہ حدیث تلاش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ہمارا صلات و سلام سنتے ہیں" مشکات سے لے کر بڑی سے بڑی کتابوں کو دیکھ ڈالا مگر ناکامی ہوئی"۔

آپ نے فوراً ارشاد فرمایا کہ حوالہ نوٹ کر لیجیے مطالع المسرات شریف میں یہ حدیث پاک اس طرح مذکور ہے: "صحابۂ کرام نے عرض کیا" أرأیت صلوٰۃ المصلین علیك ممن غاب عنك أو یأتي بعدك ما حالهما عندك؟فقال: اسمع صلاۃ أهل محبتي و أعرفهم وتعرض علي صلاۃ غیرهم عرضاً

بروایت مولانا نصیر الدین:

مدینہ طیبہ جب حاضر ہوئے تو مسجد نبوی میں باب جبریل کے قریب، بڑی مشکل سے کچھ گرد پاک ہاتھ آئی تو انھیں حضرت نے اپنی آنکھوں میں لگایا اور اس کی توجیہ یہ بیان فرمائی کہ " یہ دن نصیب ہونے سے پہلے

میں دعا میں یہ شعر بھی پڑھا کرتا تھا:

وہ دن خدا کرے کہ مدینے کو جائیں ہم
خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

لہٰذا مدینہ طیبہ پہنچ کر میں نے اپنی یہ آرزو تو پوری ہی کر لی اور اس کی تصدیق بھی ہو گئی کہ میرا، مذکورہ بالا شعر دعا میں پڑھنا محض شاعری نہ تھا۔

تحریکِ جامعہ کے لیے بارگاہ رسالت سے دعا کی تو اس کا فوری اثر یہ ظاہر ہوا کہ مدینہ طیبہ سے بے طلب چندہ مل گیا، حضرت اس واقعے کو کبھی نہایت مسرت سے جھوم جھوم کر، اور کبھی آنکھوں میں مسرت کے آنسو لے کر، یوں بیان فرماتے تھے کہ: " الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) کی یہ، بارگاہ رسالت میں مقبولیت کی دلیل ہے گویا سرکار نے مدینہ طیبہ سے جامعہ اشرفیہ کے لیے سب سے پہلا چندہ دلوادیا، تو اب یہ تعمیر ہو کر رہے گا، اس کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی ہے؛ اس لیے کہ اب یہ میرے مدینے والے سرکار کی مرضی ہے اور ان کا کرم اس کی تعمیر وترقی اور بقا کا ضامن ہے" ؎

ہزاروں برق گریں، لاکھ آندھیاں آئیں
وہ پھول، کھل کے رہے گا، جو کھلنے والا ہے

بروایت حضرت بیکل اتساہی:

مکہ مکرمہ میں ہندوستانی سفارت خانے کی دعوت پر حضرت تشریف لے گئے، ان کی معیت میں، میں بھی تھا، وہاں مجلس استقبالیہ میں، میں نے ایک نعت شریف پڑھی اور ہندوستانی سفیر نے مدعووین کو استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا:

حضرات! آج ہمارا سر فخر سے بلند ہے؛ اس لیے کہ آج ہمارے ملک کو مذہبی حیثیت سے جو برتری حاصل ہوئی ہے، وہ اس حیثیت سے شاید دنیا کے کسی ملک کو نہیں حاصل ہے، اس لیے کہ اس مذہب بیزاری کے دور میں، جب کہ تصویر کھینچوانا ایک فیشن بن چکا ہے، ایک ایسا خدا ترس اور دین دار بزرگ بھی موجود ہے، جس نے پاس شرع کو اس احتیاط کے ساتھ ملحوظ خاطر رکھا کہ حج کے لیے بھی تصویر نہیں کھینچوائی اور جس کے لیے بین الاقوامی بندھن کو بھی ڈھیلا ہونا پڑا، وہ ہیں حافظ ملّت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب، جو آپ کے درمیان ہیں اور خوش بختی سے ہمارے ہی ملک کے باشندہ۔

میں ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں تنہا حاضر ہوا، روضۂ مبارک کی جالی شریف کو بوسہ دینا چاہتا تھا کہ ایک نجدی کانسٹبل نے جھڑک کر مجھے الگ کر دیا، مجھے بڑا قلق ہوا اور وہیں کھڑے کھڑے آبدیدہ ہو کر سرکار کی بارگاہ میں یہ شعر پیش کیا اور چلا آیا۔ ع

کس طرح پائے مقدس سے ملوں میں آنکھیں
جھڑکیاں دیتے ہیں نجدی تری جالی کے قریب

دوبارہ حضرت کے ساتھ حاضر ہوا، حضرت ننگے پاوں تھے اور میں بھی ننگے قدم تھا (واضح رہے کہ حضرت سرزمین مدینہ منورہ پر ننگے پاوں ہی حاضر ہوئے تھے، اور جب تک یہاں قیام رہا، جوتے نہیں پہنے) پھر وہی کانسٹبل ملا اور ہم لوگوں کو ننگے پاوں دیکھ کر تعرض کیا، میں نے حضرت سے جواب دینے کی اجازت چاہی، حضرت نے فرمایا ایدك الله، میں نے کانسٹبل سے کہا کہ یہاں ننگے پاوں آنے پر عقلی دلیل دوں یا نقلی؟ کانسٹبل نے کہا عقلی۔ میں نے فوراً یہ شعر پڑھ دیا:

قدم قدم پہ یہاں دل بچھے ہیں سجدے میں
گلی میں طیبہ کی کوئی چلے تو سر سے چلے

شعر سن کر وہ کافی متاثر ہوا اور شعر نوٹ کرنے کی درخواست بھی کی پھر اس کے بعد سے اس نے کبھی تعرض نہیں کیا، ہم لوگ نہایت آزادی سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے دل کے ارمان نکالا کرتے تھے۔

ایک بار مدینہ طیبہ میں حضرت بہت زیادہ علیل ہو گئے اور خود فرمایا کہ زندگی میں کبھی اتنا تیز بخار نہیں ہوا، احباب بالکل مایوس ہو گئے تھے، حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب قبلہ نے تو دیکھ کر یہاں تک فرما دیا کہ "حضرت! آپ بہت خوش نصیب ہیں۔" میں یہ سن کر بے قرار ہو اٹھا، فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر یہ شعر عرض کیا: ع

بھیک میں صدقۂ فاطمہ دیجیے
میرے مرشد کو آقا شفا دیجیے

جب واپس آیا تو دیکھا کہ حضرت کی طبیعت بہت سنبھل چکی ہے اور اٹھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

جہاں تک جستہ جستہ حالات معلوم ہو چکے تھے معرض تحریر میں لا دیئے گئے، مزید مفصل حالات اگر معلوم ہو گئے تو حضرت کا یہ تاریخی سفر نامۂ حجاز کتابی شکل میں پیش کر دیا جائے گا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ۔

چند باتیں

مولانا سید رکن الدین اصدق ادارہ شرعیہ پٹنہ

تعارف مقالہ نگار:

حضرت مولانا رکن الدین اصدق مصباحی حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے محبوب ترین تلامذہ میں سے ہیں۔

ولادت: ۱۹۴۳ھ بمقام چشتی چمن، پیر بیگھہ ضلع نالندہ، بہار۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مولوی سید طیب صاحب، متوسطات تک مدرسہ انوار العلوم گیا اور فضیلت تک کی تعلیم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے حاصل کی، فراغت کے بعد مدرسہ غریب نواز رانچی و دیگر مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۷۴ء میں ادارہ شرعیہ پٹنہ کے مہتمم بنائے گئے، ۱۹۸۳ء میں ادارۂ شرعیہ سے مستقی ہوگئے اور بہار شریف میں مدرسہ اصدقیہ مخدوم اشرف قائم کیا۔ آپ اچھے قلم کار بھی ہیں، کئی کتابیں آپ کے نوک قلم سے معرض وجود میں آئیں۔ تاریخ ہجرت اور آئینۂ حافظ ملت ان میں مشہور ہیں۔

طلبہ جب فارغ التحصیل ہوکر مکان جاتے، یا کہیں دینی خدمت پر مامور ہوجاتے، تو حضرت کے پاس رخصت ہونے کے لیے جاتے تھے، حضرت انھیں اپنے قریب بٹھاتے اور دیر تک کامیابی کا رمز سمجھاتے، عملی زندگی سنوارنے کی تنبیہہ کرتے، اور یہ فرماتے کہ دیکھو! انسان کے عروج وزوال میں خود اپنا دخل ہوتا ہے، گویا ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کی روح، انسانی دماغ میں ڈال دینے کی کوشش کرتے: ع

تو اپنی سرنوشت خود اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے حق نے تری خانۂ جبیں

۱۱ر شعبان المعظم ۱۳۸٦ھ کی صبح کو جب میں اپنے آقائے نعمت حضور حافظ ملّت کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میرا دل رو رہا تھا اور آنکھیں مبارک پور کا علمی ماحول چھوڑنے پر شرم سار تھیں، حضرت نے مجھے بلاکر قریب بٹھایا اور اچھوتے انداز میں فرمایا:

سید صاحب! رات کی دستار بندی کے بعد سے، آپ کی زندگی کا دوسرا دور شروع

ہو گیا ہے اور اب آپ گھر سے باہر تک دوسری ہی نگاہ سے دیکھے جائیں گے، مگر ماشاء اللہ جو خوبیاں ہونی چاہئیں، وہ ہیں، مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ بحیثیت استاذ صرف ایک بات کہنی ہے اور یہ، کتاب میں پڑھ کر نہیں، چالیس سالہ تجربات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ اگر آدمی کے اندر دو چیزیں پیدا ہو جائیں تو انسان کیا، قدموں کے نیچے کی کنکریاں اس کا احترام کریں گی، ایک اخلاق اور دوسرا استقلال۔

اس وقت تو سر جھکا کر میں نے حضرت کا ارشاد صرف سن لیا تھا، مگر آج سوچتا ہوں تو طبیعت مچل اٹھتی ہے کہ حضرت نے کس انوکھے پن سے منزل کی طرف میری رہبری کی تھی، جن لوگوں نے حضرت کو قریب سے دیکھا ہے انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ خود حضرت کی ذات ان دونوں خوبیوں کی کیسی جامع تھی، اخلاق کا تو یہ حال تھا کہ ہر شخص بجائے خود یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کی سب سے زیادہ نوازش مجھی پر ہے اور استقلال کا کیا پوچھنا، جوانی بیتی، بوڑھاپا گزرا اور اب مبارک پور کی دھرتی پر عزیزی مقبرے کا گنبد پکار رہا ہے ؏

مجھے دیکھو میں بیٹھا ہوں مجسم داستاں ہو کر

مارچ ۱۹۷۲ء کو اٹھائیس اور انتیس تاریخ ہمیشہ یاد رہے گی جب کہ میرے زیر اہتمام "مدرسہ شرفیہ" عماد پور، رفیع گنج تشریف لائے تھے۔

ڈون اکسپریس سے اترنے کے بعد جب حضرت کو عماد پور کے ایک پختہ مکان میں لا کر ٹھہرایا گیا تو زائرین کی اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی تھی، اس وقت مدرسہ شرفیہ کے سکریڑی صاحب اور چند دوسرے احباب نے میری خدمات کی تفصیل حضرت کو سنائی تو حضرت نے خوش ہو کر دعائیہ کلمات سے نوازتے ہوئے فرمایا:

> اسی آنے والے ماہ مئی کی ابتدائی تاریخوں میں مبارک پور کی سرزمین پر "کل ہند تعلیمی کانفرنس" منعقد ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے میری مصروفیات انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں اور میں نے اس وقت دعوتوں کی منظوری بند کر دی ہے، مگر سید صاحب میرے اتنے چہیتے شاگرد ہیں کہ میں ان کی دعوت پر "نا" نہ کہہ سکا اور حاضر ہو گیا۔

> جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے مجھے قریب بلا کر بٹھایا اور بڑی ہی ملاطفت سے فرمایا: سید صاحب! روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں مل سکتی جہاں آدمی کے مزاج و طبیعت کے خلاف باتیں نہ ہوں، کیا مبارک پور میں میری مرضی کے خلاف باتیں

نہیں ہوتیں ؟مگر دین کے خادموں کو ہمیشہ صبر وضبط سے کام لینا چاہیے۔

سبحان اللہ، کتنا پیارا انداز ہے حضرت کی تلقین و نصیحت کا، شاید حضرت نے یہ اس لیے فرمایا کہ مبادا میں یہ جگہ چھوڑ نہ دوں، استاذ کی زندگی شاگردوں کو چراغِ راہ گزر کا کام دیتی ہے۔

۱۹۶۶ء میں میری فراغت ہوئی اور سال رواں ۱۹۷۷ء ہے، ان گیارہ سالوں کی طویل مدت میں جن جن مقامات سے بھی میرا گزر ہوا، تجربات نے یہ بتلا دیا کہ جو کچھ حافظ ملّت نے فرمادیا تھا، اس کی صداقت کا انکار ناممکن ہے اور اس فرمان کی تصدیق کہ "کیا مبارک پور میں میری مرضی کے خلاف باتیں نہیں ہوتیں" مبارک پور کی گلیوں کے سنگریزے بھی کریں گے۔

جس نے اپنی جوانی قربان کر کے اہل مبارک پور کا کردار و عمل سنوارا ہو، اور جس نے بڑھاپے میں، رگوں کا خون جلاکر، مبارک پور میں علم کا آہنی قلعہ تعمیر کیا ہو، اس کے مبارک و مسعود ارادوں پر جو جورکیک حملے کیے گئے ہیں اسے دنیا ہرگز نہیں بھول سکتی۔

حافظ ملّت نے مخالف طوفانوں کا رُخ پھیر دینے کی کون سی ترکیب فرمائی، وہی اور یقیناً وہی ترکیب جس کی تعلیم مجھے اس طرح پر دی، "مگر دین کے خادموں کو ہمیشہ صبر وضبط سے کام لینا چاہیے"

اس لیے کہ وہ سنت نبوی کے مظہر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے الصّبرُ رِدائی "صبر میرا لباس ہے" اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی حیادار اپنا لباس کبھی اتارا نہیں کرتا۔

یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ دوشنبہ کا دن گزار کر شب میں تقریباً ۱۱ بجکر ۵۰ منٹ پر جب کہ حافظ ملت کی آنکھیں ہمیشگی کی نیند سو رہی تھیں، مخالفت کا طوفان سرد پڑ چکا تھا اور مخالف کی آنکھیں رو رہی تھیں اس وقت حضور حافظ ملت کے کردار کی خاموش زبان کہہ رہی تھی: ؏

تو بن خود اپنے سفینے کا نا خدا اے دوست!
خطر پسند، ہواؤوں کے رُخ بدلتے ہیں

حافظ ملت اپنے مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مُبین الہدیٰ نورانی، بیت الانوار، گیا

تعارف مقالہ نگار:

سراج ملت مولانا سراج الہدیٰ مصباحی علیہ الرحمۃ کے فرزند ہیں۔

ولادت: غالباً محرم الحرام ۱۳۶۵ھ گیا بہار میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی اردو اور ناظرہ کی تعلیم گیا میں ہی حاصل کی، شوال ۱۳۷۹ھ میں دار العلوم اشرفیہ کے درجۂ حفظ میں داخلہ لیا پھر درس نظامی بھی یہیں مکمل کی اور سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

بعد فراغت دار العلوم اہل سنت، گیا میں استاذ مقرر ہوئے، بعد میں صدر المدرسین اور مہتمم کے عہدے پر فائز ہوئے، تقریباً ۱۲؍ سال تک فیض الباری مسجد جمشید پور میں امامت کی۔ جمشید پور ہی میں مدرسہ گلشن حسین قائم فرمایا اور تقریباً ایک درجن کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

وصال: ۶؍ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۶؍ اکتوبر ۲۰۰۹ء۔

کسی کے احساسات و جذبات اور خیالات کو معلوم کرنے کے لیے اس کے مکتوبات بہترین ذریعہ ثابت ہوتے ہیں، مکتوبات اکثر برجستہ اور قلم برداشتہ لکھے جاتے ہیں، وہ تصنعات و تکلفات سے خالی ہوتے ہیں، اس لیے ان سے صاحب مکتوب کی شخصیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور کے ادارۂ تحریر کا، میں ممنون ہوں کہ اس نے "حافظ ملت نمبر" کے لیے مجھے "حافظ ملت اپنے مکتوبات کے آئینے میں" کا عنوان دیا ہے، اسے میں اپنے لیے سعادتوں کا سرچشمہ اور فلاح و کامرانی کا ضامن تصور کرتا ہوں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی گرامی مرتبت شخصیت، اور ان کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے کے لیے، ان کے مکتوبات کا سہارا لینا ضروری ہوگا، خط وکتابت کا دارو مدار تعلقات پر ہوتا ہے، حافظ ملت ایک معمار قوم اور پاسبان سنیت کی حیثیت رکھتے تھے، ان کے روابط

کسی خاص خاندان یاعلاقے کے پابند نہ تھے، کسی ادارہ کے لیے مدرس کی ضرورت ہوئی توانھیں لکھا گیا، کسی مسجد کی خطابت کے لیے خطیب چاہیے تو انھیں آواز دی گئی، جلسوں کے لیے واعظ کی حاجت ہوئی تو ان سے درخواست کی گئی، مذہبی اداروں میں بحران پیدا ہوا تو عقدہ کشائی کے لیے وہ نظر آئے، اس طرح وہ پوری جماعت کے لیے مرجع اور مرکز عقیدت تھے، ان کے خط وکتابت کا دائرہ ملک گیر نہیں بلکہ عالمگیر تھا اور یہ کہنا سوفی صد درست ہے کہ حضور حافظ ملت کے تمام خطوط کو اگر یکجا کر لیا جائے تو ایک دفتر بن جائے اور اس کی روشنی میں حافظ ملت کی ایک عظیم الشان سوانح حیات عالم وجود میں آجائے، لیکن تمام مکتوبات کی یکجائی کسی فرد واحد کے لیے امر مشکل ہے البتہ ملک اور بیرون ملک کے اصحاب قلم اگر اس مہم کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ مہتم بالشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

یوں تو حافظ ملت کا رابطہ کم وبیش پوری دنیائے سنیت سے تھا، لیکن صوبہ بہار کی مشہور خانقاہ" بیت الانوار، گیا" سے ان کے تعلقات انتہائی قدیم اور گہرے تھے بقول حافظ ملت ۱۳۵۳ھ میں بسلسلۂ "سنی تبلیغی اجلاس" میرے جد کریم حضرت مولانا شاہ نورالہدیٰ صاحب قادری علیہ الرحمہ کی دعوت پر وہ پہلی بار گیا تشریف لائے اور اسی کے بعد "بیت الانوار" سے ان کے کافی گہرے روابط قائم ہوگئے، جس کے نتیجہ میں آمد و رفت کے ساتھ ہی حافظ ملت اور اصحاب بیت الانوار کے درمیان خط وکتابت کا ایک مستحکم سلسلہ قائم رہا۔

حافظ ملّت کے جتنے مکتوبات مجھے دستیاب ہو سکے ہیں ان میں چند میرے والد ماجد حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب قادری، سجادہ نشین بیت الانوار گیا کے نام ہیں اور چند راقم الحروف کے نام، ظاہر ہے کہ ہر مکتوب منظر عام پر لانے کے لائق نہیں ہوتا، اس لیے ان میں جو نجی یا مخصوص تھے انھیں چھوڑ کر باقی مکتوبات کو میں نے موضوع سخن بنایا ہے، ان کے علاوہ اس مکتوب کا اقتباس جسے حافظ ملّت نے میرے جد کریم کے وصال کے بعد صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کے نام تحریر فرمایا تھا، بعنوان " اتباع سنت " نقل ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ان مکتوبات میں حافظ ملّت نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ کم وبیش بیت الانوار کے تعلق سے فرمایا ہے لیکن ان مکتوبات کے آئینے میں ہم حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ کی ہمہ گیر دینی، اخلاقی اور سماجی خدمات کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

اتباع سنت:

بیماروں کی عیادت کرنا اور مصیبت زدوں کی تعزیت کرنا حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی سنت کریمہ ہے فرمان رسالت ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ مریض ہو جائے تو اس کی مزاج پرسی

کرے اور جو مسلمان اپنے بھائی کی مصیبت پر اس کی غم خواری کرے گا پرور دگار عالم بروز حشر اسے حلۂ کرامت عطا فرمائے گا، اس سنت رسول کی پیروی میں حضور حافظ ملّت نے عوام وخواص پر ایک گہرا نقش چھوڑا ہے، مختلف لوگوں کی عیادت اور تعزیت کے سلسلہ میں بنام مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب چند مکتوبات کے تراشے ملاحظہ فرمائیں۔

○ مرحومہ مغفورہ غفرلھا المولیٰ الغفور الرحیم کے انتقال سے سخت صدمہ ہوا، مشیت ایزدی وقضاے الٰہی میں چارہ نہیں۔"له ما أعطی و ما أخذ و كل شيئ عنده بأجل مسمیٰ فلتصبر ولتحتسب". خداوند کریم مرحومہ کو اپنے جوار رحمت اور آغوش کرم میں جگہ دے، جنت الفردوس میں بہترین مقام عطا فرمائے، آپ کو صبر جمیل اور اجر جزیل مرحمت فرمائے، برخوردار مبین الہدیٰ سلمہ کو صبر دے، بجائے آغوش مادری کے آغوش رحم وکرم میں پرورش فرمائے۔

○ محب مکرم جناب چھوٹے صاحب کی علالت سے بہت افسوس ہوا، مگر مثردۂ صحت بھی ساتھ ہی تھا جس سے اطمینان ہوا، خداوند کریم ان کی یہ صحت، دوامی صحت قرار دے اور بہ صحت وسلامتی آپ سب حضرات کو اپنی حمایت وحفاظت میں پناہ گزیں فرمائے۔ آمین

○ حضرت بڑے صاحب زید مجدہم کی تکلیف، دورہ کی شدت معلوم ہوکر صدمہ ہوا، ان کی علالت سے بے حد افسوس ہے، خداوند کریم شفاے عاجل وکامل عطا فرمائے، اپنا خاص فضل فرمائے، جلد صحت دے اور اطمینان بخشے۔ آمین ثم آمین

○ آج آپ کا خط ملا اور اسی کے ساتھ حضرت بڑے صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال کا تار ملا، أَسْتَرْجِعُهٗ، حضرت موصوف کے انتقال سے بہت صدمہ ہوا، مولائے نعیم وغافر اپنے جوار کرم میں مغفور ومقبول فرمائے، جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آپ صبر فرمائیں، جملہ متعلقین کو صبر کی تلقین فرمائیں۔

حافظ ملّت کے اس مکتوب کا اقتباس حاضر ہے جسے میرے جد کریم حضرت مولانا شاہ نور الہدیٰ صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت صدر الشریعہ کو لکھا:

○ حضرت شاہ نور الہدیٰ صاحب قدس سرہ العزیز ۱۷/ جمادی الاولیٰ، یوم پنج شنبہ، ساڑھے پانچ بجے بوقت عصر، راہی ملک بقا ہوئے، موصوف کی وفات سے سخت افسوس ہے، مولیٰ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔

اتباع سنت حضور حافظ ملّت کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف ہے اور وہ صرف عیادت اور تعزیت تک ہی محدود نہیں بلکہ انھوں نے ہر گام پر اسے مد نظر رکھا، وہ ایک ایسے متبع سنت ہیں کہ جس کی نظیر دور حاضر

میں مشکل سے نظر آتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ ؎

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

اخلاق کریمانہ:

۱۳۷۵ھ کی بات ہے، میرے والد ماجد اور علامہ ارشد القادری صاحب ایک ساتھ سفر حج کو تشریف لے گئے، حرمین طیبین کی واپسی کے بعد ان دونوں حضرات نے یہ طے کیا کہ مبارک پور چل کر حافظ ملّت کا نیاز حاصل کریں، حافظ ملّت کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے میرے والد ماجد کے نام جو کچھ تحریر فرمایا وہ حافظ ملّت کے کریمانہ اخلاق کا آئینہ دار ہے:

"یہ تو آپ کا کرم ہے اور علامہ ارشد القادری سلمہ کی بے پایاں محبت ہے کہ یہاں تشریف لا کر ملاقات طے فرمائی ہے لیکن میری غیرت محبت مجھے حاضری پر مجبور کرتی ہے کہ حج وزیارت کے بعد میں خود حاضر ہو کر ملاقات کروں"۔

دور طالب علمی کے ابتدائی ایام میں میرے اخراجات کے بارے میں میرے والد کو یوں تحریر فرمایا:

"برخوردار! مبین الہدیٰ سے آپ مطمئن رہیں، ان شاء المولیٰ تعالی ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، جو ضرورت ہو، اور جس قدر ضرورت ہو، میں دے سکتا ہوں، مگر میرے علم میں آئے کہ واقعی ضرورت ہے، ابھی بچے ہیں بے ضرورت پیسہ ان کے لیے مضر ہے، صرف یہی وجہ ہے اس لیے میں بقدر ضرورت دیتا ہوں"۔

" جو ضرورت ہو اور جس قدر ضرورت ہو میں دے سکتا ہوں" ان جملوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضور حافظ ملّت جود وسخا کے پیکر تھے اور یقیناً وہ اخلاق حسنہ کی ایسی تصویر تھے جسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے: ؎

متاع جاں لٹادی جس نے ایثار ومحبت پر

تواضع:

ان کی تواضع کا یہ عالم ہے کہ " محب محترم" کا وہ لقب جسے لوگ اپنے دوستوں اور ہم عمر ساتھیوں کے لیے استعمال کیا کرتے ہیں، حافظ ملّت اسے اپنے شاگردوں کو، یہاں تک کہ اپنے عزیزوں کو لکھا کرتے تھے، مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب اور راقم الحروف کے نام جتنے مکتوبات ہیں ان میں اکثر" محب محترم" تحریر فرمایا ہے ان کے علاوہ سیکڑوں اور ہزاروں مکتوبات جو دوسروں کے نام ہیں، اس کے شاہد عدل ہیں، مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کے نام چند مکتوبات کے تراشے ملاحظہ فرمائیں جن میں حافظ ملّت کی شان تواضع پوری طرح نظر

آئے گی اور مِلّی درد بھی۔

”آپ سے گزارش ہے کہ اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے حلقۂ اثر میں احباب کو مظلومین کی امداد کی طرف مناسب طریقہ سے متوجہ فرمائیں اگرچہ یہ تکلیف دہی آپ کے شایان شان نہیں؛ اسی لیے اب تک عرض نہیں کیا تھا۔“

”وہ تعمیل حکم میں کسی نقصان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شریک ہونے کا قصد ہے۔“

”سراج العلوم کے اجلاس کی دعوت بسر وچشم منظور ہے“”دعاؤں کا طالب ہوں۔“

اپنے شاگردوں کے مقابلہ میں گزارش، عرض، تعمیل حکم، آپ کے شایاں شان نہیں اور بسر وچشم منظور کے الفاظ لکھنا، اور وہ طلبہ جو ان کی درسگاہ میں زانوئے ادب تہ کرنے والے ہیں، اپنے کو ان کا ” خادم “ کہنا، جنھیں لوگ اپنا دعاگو سمجھیں، انھیں کا اپنے کو ” دعاؤں کا طالب “ کہنا، بلا شبہہ یہ حافظ مِلّت کی تواضع و خاکساری ہے، ان کا یہ کردار آج بھی دنیا کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ بشر کو ہے لازم کرے خاکساری۔

خیر خواہی:

حافظ مِلّت قوم و مِلّت کے ایک ایسے محسن ہیں کہ جو مدتوں کے بعد کہیں پیدا ہوتے ہیں، دوسروں کی خیر خواہی اور بھلائی کرنا ان کی عادت ثانیہ تھی، راقم الحروف کے نام ایک مکتوب کا تراشہ ملاحظہ فرمائیں۔

” میں آپ کا مخلص، بہی خواہ ہوں، آپ کو بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل تر دیکھنا چاہتا ہوں۔“

دیکھیے! لفظ لفظ سے بہی خواہی کا اظہار ہو رہا ہے، کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ حافظ مِلّت کے قلب و جگر میں مِلّت اور افراد مِلّت کی خیر خواہی کا جذبہ، اتھاہ سمندر کی طرح موجود تھا؟ ان کے اسی جذبۂ جنوں انگیز کو دیکھ کر کبھی کسی نے کہا تھا۔

یاد آئے گی تجھے میری وفا میرے بعد

نوازش و عنایت:

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں ان کا ایک ادنی شاگرد ہوں، حافظ مِلّت کے قابل فخر تلامذہ کے سامنے میری حقیقت ہی کیا ہے ”من آنم کہ من دانم “لیکن ہاں اس خوش بختی پر نازاں بھی ہوں کہ مجھ بے مایہ پر حافظ مِلّت کی جو خاص نوازش رہی ہے وہ کم ہی لوگوں کو حاصل ہے، یقین نہ ہو تو مکتوبات حافظ مِلّت کے ان اقتباسات کو پڑھ ڈالیے جو میرے والد اور میرے نام ہیں۔

"عزیزی مولوی حافظ مبین الہدیٰ و مولوی نصیر الدین بچے ہیں، آداب و سلام عرض کرتے ہیں، میرے پاس ان کی "ہدایۃ النحو" ہے، بفضلہ تعالیٰ دونوں اپنی جماعت میں ممتاز ہیں، آپ کی دعاؤں کے بہر حال محتاج ہیں، دعا فرمائیں مولیٰ تعالیٰ ان کو علم نافع عطا فرمائے، عالم دین، خادم دین بنائے۔ آمین

میرے نام ایک مکتوب کا اقتباس حاضر ہے:

> " آپ سے تو بڑی خصوصیت ہے، آپ حضرت سراج الملت دامت برکاتہم کے چشم و چراغ ہیں، آستانہ عالیہ کے نونہال ہیں، محض آپ ہی کی وجہ سے میں نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں اور کافی محنت کی میں آپ کا مخلص، بہی خواہ ہوں، آپ کو بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل تر دیکھنا چاہتا ہوں، دعا کرتا ہوں مولائے قدیر آپ کی عمر میں برکت، علم و فضل میں وسعت عطا فرمائے، عالم دین، خادم دین اور آستانہ عالیہ کا روشن چراغ اور اپنے وقت کا آفتاب بنائے۔"

مجھ کو چشم و چراغ فرمانا، میری غفلتوں پر میری گوشمالی کرنا، مجھے میری جماعت میں امتیازی حیثیت کا حامل بنانا اور ہمیشہ اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازتے رہنا، یہ حضور حافظ ملّت کا کرم بے پایاں نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن مجید سننے کے معاملے میں مجھ پر ان کی یہ عنایت کچھ کم نہیں ہے کہ اپنی مصروفیتوں کے باوجود تقریباً ایک سال تک روزانہ بعد نماز عصر اپنی مسجد میں میرا حفظ قرآن سنتے اور اس کی اصلاح فرماتے۔

اور مجھ خاکسار پر ان کا یہ کرم بالائے کرم تو دیکھیے کہ میزان و منشعب، نحو میر، ہدایۃ النحو، شرح ماۃ عامل وغیرہ عربی گرامر کی وہ ابتدائی کتابیں ہیں جن کا پڑھانا عام طور پر عالیہ درجے کے مدرسین اپنے لیے کسر شان سمجھتے ہیں لیکن حافظ ملّت نے اپنی مرضی سے محض میری خاطر ان ابتدائی کتابوں کو اپنے ذمہ لے لیا، جب کہ وہ اس عظیم ادارہ کے شیخ الحدیث ہیں اور جن کے ماتحت درجنوں مدرسین ہیں، یقیناً یہ ان کی ایسی خاص نوازش ہے جس پر میں جتنا بھی فخر کروں کم ہے، حافظ ملّت کی ان نوازشات کو دیکھ کر میں ہمیشہ یہی کہتا رہا اور کہتا رہوں گا۔

اک ذرۂ حقیر پر یہ بارش کرم

شاگرد نوازی:

اپنے شاگردوں کی دینی خدمات کو سراہنا، ان کے کارناموں پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا، انھیں اپنی دعاؤں سے نوازنا اور ان کی قابلیتوں کا برملا اعتراف کرنا، حافظ ملّت کی ایسی دلنواز ادائیں ہیں جن کا جواب نہیں،

میرے والد ماجد کے نام مکتوبات حافظ ملّت کے تراشے ملاحظہ فرمائیں، جن میں آپ نے اپنے چند شاگردوں سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کے متعلق تحریر فرمایا:

”مسند ارشاد کے آپ مسند نشین ہیں، مولائے قدیر ہمیشہ شاد وآباد رکھے۔“

” آپ کی دینی خدمات سے بے حد مسرت ہے، خصوصًا اس وقت بلوں کے بند کرنے میں جو نمایاں کام کیا ہے، وہ ضرور قابل تحسین و لائق ستائش ہے، پوسٹر بہت ہی شاندار، مضمون نہایت بلند پایہ اور زور دار ہے، مولیٰ تعالیٰ ذریعۂ ہدایت قرار دے۔“

”مولائے کریم آپ کے فیوض و برکات عالمگیر فرمائے، دیہی علاقوں کے لیے قابل مدرسین فراہم ہو جائیں، عزائم و مقاصد میں پوری پوری کامیابی ہو، بہ سہولت سامان واسباب مہیا ہوں۔“

” عزیزی تجمل ہدیٰ بفضلہ تعالیٰ صالح ہیں، علم و فضل کے ساتھ زیور عمل سے آراستہ اور خلیق ہیں، ایسے نوجوان فی زمانہ نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔“

چراغ لے کر ڈھونڈیئے جب بھی شاید ان جیسا مشفق اور شاگرد نواز استاد آپ نہ پائیں گے۔

حافظ ملّت کی شاگرد نوازی کے بارے میں یہ کہنا عین حقیقت کی ترجمانی ہے کہ

جس پہ نگاہ ڈال دی کندن بنا دیا

آپ کی نظر میں:

دنیا جانتی ہے کہ حافظ ملّت اپنی مردم شناسی میں جواب نہیں رکھتے، ان کی دور بین نگاہوں میں کون کیسا ہے اور کیا ہے؟ اسے معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقتباسات کا مطالعہ ضروری ہے، سب سے پہلے اس مکتوب کا تراشہ حاضر ہے جسے حافظ ملّت نے حضرت صدر الشریعہ کے نام، میرے جد کریم علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد، میرے والد ماجد کے بارے میں تحریر فرمایا:

”مولوی سراج الہدیٰ کی تعلیم کی تکمیل خطرے میں آگئی ورنہ بڑے کام کے ہوتے، اس وقت (زمانۂ طالب علمی میں) بہت سے کام ایسے انجام دے چکے ہیں جو فارغ التحصیل عمومًا نہ کر سکیں۔“

علّامہ ارشد القادری صاحب

”علامہ ارشد القادری دور حاضر میں اپنی آپ ہی نظیر ہیں، علمی قابلیت کے ساتھ تدبر، بلند ہمتی، عزائم میں پختگی، ایثار واخلاص اور دین پروری میں ان کو وافر حصہ ملا ہے۔“

”اتقوا فراسة المؤمن؛ فإنه ینظر بنور الله“ کے مصداق حافظ ملّت نے اپنی بالغ نظری سے جس کے بارے جو فرمادیا اس کے لیے وہ ایک شہادت کی حیثیت رکھتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ؏

تاڑنے والے، قیامت کی نظر رکھتے ہیں

بیت الانوار سے گہرے تعلقات:

”بیت الانوار“ گیا، صوبہ بہار کی ایک مشہور خانقاہ ہے جس کے مورث اعلیٰ میرے جد کریم حضرت مولانا شاہ نورالہدیٰ صاحب علیہ الرحمہ ہیں، جو عارف باللہ حضرت مولانا سید شاہ عین الہدیٰ صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کا کر گاچھی شریف، کلکتہ کے شاگرد و جانشین ہیں، بیت الانوار سے حافظ ملّت کے تعلقات انتہائی دیرینہ اور گہرے تھے، وہ بیت الانوار کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، انھیں بیت الانوار سے محبت تھی۔

اشرفیہ، ایثار وقربانی کی تاریخ:

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اشرفیہ حافظ ملت کا دوسرا نام ہے، اس کی ترقی وبقا حافظ ملّت کی مرہون منت ہے، انھی کی جانفشانیوں اور قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ اشرفیہ مکتب سے جامعہ کی شکل میں آج موجود ہے، ایثار و قربانی اور محنت ومشقت کی جن منزلوں سے انھیں گزارنا پڑا ہے، مکتوبات کے ان اقتباسات میں ملاحظہ فرمائیں جو مولانا سراج الہدیٰ صاحب کے نام ہیں:

”میری غیر حاضری میں مدرسہ نہایت ہی پستی میں پہنچ کر مکتب کی صورت اختیار کر چکا تھا، امسال پھر مجھ کو مجبور کیا گیا، ناچار حاضر ہوا، مدرسہ کی ترقی اور بقا کے لیے از سر نو جدوجہد کرنا پڑی، نیز مصروفیت وعرق ریزی، امید ہے کہ مدرسہ پہلے سے بھی زیادہ عروج پر پہنچے گا۔“

”میری حالت یہ ہے کہ جس قدر زیادہ کمزور ہوتا جاتا ہوں کام بڑھتا جاتا ہے، ذمہ داریاں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، دارالعلوم اشرفیہ کو مقصد زندگی قرار دے لیا ہے، اسی میں منہمک اور سرگرداں رہتا ہوں۔“

”میرا نظریہ چونکہ مدرسہ ہے؛ اس لیے بڑی بڑی پر اصرار دعوتوں پر بھی باہر نہ جاسکا۔

"امسال دارالعلوم اشرفیہ کا کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ قطعاً گنجائش نہیں، وقت کم ہے کام بہت زیادہ ہے، اس لیے حاضری سے قاصر ہوں۔"

" کاٹھیاواڑ گیا تھا، بجائے پندرہ روز کے ۲۵ دن میں واپسی ہوئی، پھر بھی احباب کو ناراض کر کے بھاگ آیا اور شدید دینی ضرورتیں تھیں جن کے پیش نظر قیام ضروری تھا، لیکن مبارک پور کی ذمہ داری اہم تر ہے؛ اس لیے الاھم فالأھم پر عمل کیا۔"

اشرفیہ کا یہ عروج وارتقا اور اس کی عالمگیر شہرت آج زبان حال سے یہ کہہ رہی ہے کہ ؏

شامل کسی کا خون تمنا ضرور ہے

منشا، مقصد اور نظریہ:

حافظ ملّت کی تحریک اور ان کا مشن معلوم کرنے کے لیے مکتوبات کے تراشے ملاحظہ کیجئے جو مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کے نام ہیں:

" میرا منشا صرف خدمت دین ہے"

" میرا نظریہ۔۔۔۔۔ مدرسہ ہے"

راقم الحروف کے نام مکتوبات کے اقتباسات حاضر ہیں:

"میرا مقصد یہ ہے کہ سنی علما زیادہ سے زیادہ اور قابل سے قابل تیار ہوں، جو دین متین کی نمایاں اور زرین خدمات انجام دیں، اسی کے لیے میری تمام تر سعی اور کوشش ہوتی ہے"۔

ملّت کا درد وغم، جماعت کا حال زار:

حافظ ملّت واقعی اسم بامسمیٰ تھے، ملّت کے ایک عظیم محسن ہونے کی وجہ سے اہل سنت وجماعت کا درد و غم ان کے سینے میں موجود تھا اور وہ جماعت کی زبوں حالی پر بے چین و بے قرار ہوجایا کرتے تھے، اس سلسلہ میں مکتوبات حافظ ملّت کے ان اقتباسات کا مطالعہ کیجیے:

"دینی خدمات کا مخلصانہ جذبہ ہم سے رخصت ہوگیا اور یہ نصیب دشمناں ہوگیا، ۲۰-۲۵ پر کافی تعداد میں مل جاتے ہیں، نہ معلوم وہ کیسے گذر کرتے ہیں؟ خداوند کریم ہم کو توفیق خیر بخشے، جوہر اخلاق عطا فرمائے۔"

"فی زمانہ اخلاص و ایثار تو کیا، دیانت داری بھی ختم ہو رہی ہے، ہماری تمام

خصوصیات ہم سے رخصت ہوگئیں، مولیٰ تعالیٰ رحم فرمائے۔"

"افسوس ہے کہ لوگوں میں اخلاص واستقلال نہیں، کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں، وعدہ کا بھی خیال نہیں کرتے۔"

"عجیب قحط الرجال ہے! کام کے آدمی دستیاب ہی نہیں ہوتے، سینوں میں آرام طلبی، زر پرستی کا مرض بھی ہے۔"

"عجیب قحط الرجال ہے! کام کے آدمی دستیاب ہی نہیں ہوتے، جن کو کام کا سمجھا جاتا ہے وہ بھی نتیجۃً ناکارہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔"

اقوال زرین:

حضرت والد کے نام حافظ ملّت کے ان مکتوبات کے اقتباسات جو ان کے ارشادات پر مشتمل ہیں، ذیل میں ہم نقل کررہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

" مشیت ایزدی وقضائے الٰہی میں چارہ نہیں۔"

"مشیت ایزدی میں صبر ہی شان بندگی ہے۔"

"حقیقت یہی ہے کہ دنیا بے حقیقت اور بے ثبات ہے، ہم سب کے لیے یہ وقت آنا ضروری ہے، پیک اجل کو لبیک کہنا لابدی ہے۔"

"جب اطبا وڈاکٹر جواب دے چکیں تو علاج ختم کر دینا چاہیے اور شافئ مطلق سے لو لگانا چاہیے، وہ حی وقیوم اور قادر مطلق ہے، زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔"

"بلا شبہہ ایسی تعلیم جس میں تربیت نہ ہو، آزادی وخودسری ہی کی فضا ہو، بے سود ہی نہیں بلکہ نتیجۃً مضر ہے۔"

"آدمی اپنے استاد سے استفادہ کا محتاج رہتا ہے جس طرح مرید اپنے پیر کا۔"

راقم الحروف کے نام ایک مکتوب کا اقتباس یہ ہے:

"ندامت اور احساسِ غلط روی بڑی چیز ہے۔"

دعا کا اثر:

مورخہ ۳۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۶۶ھ کا تحریر کردہ حافظ ملّت کے ایک مکتوب کا آخری حصہ پیش نظر ہے جو

میرے والد ماجد مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب کے نام ہے:

"برخوردار مولوی مبین الہدیٰ سلمہ کو دعا پیار"

ناظرین پر واضح ہو کہ راقم الحروف کی تاریخ پیدائش ۲/محرم الحرام ۱۳۶۵ھ ہے ابھی میری عمر کے ڈیڑھ سال ہی ہوئے ہیں کہ حافظ ملّت نے میرے نام کے ساتھ " مولوی " تحریر فرمایا ہے، ان کی زبان و قلم کی برکت سے میں اس قابل ہو گیا کہ آج مجھے " مولوی " کہا جا رہا ہے، یقیناً یہ حافظ ملّت کی ایک کرامت ہے، ایسے ہی موقعہ کے لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

تری زبان سے جو نکلی، وہ بات ہو کے رہی

انمول موتی:

☆آدمی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے، جو شخص بیکار رہے وہ مردوں سے بدتر ہے۔ (حافظ ملّت)

☆کام کے آدمی بنو؛ کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔ (حافظ ملّت)

میں نے کبھی مخالف کو، کبھی مخالفت کا جواب نہیں دیا بلکہ اپنے کام کی رفتار اور تیز کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کام مکمل ہوا اور میرے مخالفین کام کی وجہ سے میرے موافق بن گئے۔ (منجانب ڈاکٹر محمد قاسم خاں موراؤں)

حافظ ملت کا یقین

مولانا مرغوب حسن قادری، جامعہ فاروقیہ، بنارس

مولانا مرغوب حسن قادری قدیم فرزندان اشرفیہ میں سے ہیں۔
ولادت: یکم فروری ۱۹۴۹ء بمقام رضانگر، ادری، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ مئو) میں پیدا ہوئے۔
تعلیم: آپ نے مدرسہ رضویہ ضیاء العلوم ادری، مدرسہ امجدیہ ادری اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم حاصل کی اور دستار فضیلت جامعہ منظر اسلام بریلی سے پائی۔
خدمات: فراغت کے بعد آپ نے جامعہ فاروقیہ بنارس، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، مدرسہ مفتاح العلوم اڑیسہ، مدرسہ شمسیہ تیغیہ بھدوہی اور مدرسہ اہل سنت بحرالعلوم مئو میں تدریسی خدمات انجام دیں، موصوف اچھے مدرس ہونے کے ساتھ ہی بہترین قلم کار بھی ہیں، درجنوں مضامین اور متعدّد کتابیں آپ کے نوکِ قلم سے معرض وجود میں آئیں۔

انسان جدو جہد کے میدان میں جب پہلی دفعہ قدم رکھتا ہے تو بسا اوقات اسے ناکامیوں کا منھ دیکھنا پڑتا ہے، لیکن اگر اپنی کوششوں پر جمار ہتا ہے تو پھر کامیابیاں اس کا قدم چومتی ہیں اور یہ پوری دنیا کا دستور ہے کہ انسان کسی بھی کام کے لیے بے فائدہ جدو جہد نہیں کرتا، ہر کام، ہر تعمیر اور ہر مشن کے پیچھے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوا کرتا ہے، ایک مالی کو اپنے گلشن سے، ایک باغبان کو اپنے باغ سے اور ایک کاشتکار کو اپنی زراعت سے جو امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، وہ یہی کہ آگے چل کر اس کے ثمرات سے وہ متمتع ہوگا، مگر سوئے اتفاق سے ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ایک مزدور نے اپنی محنت و مشقت اور اپنے خون و پسینے کی آمیزش سے زمین ہموار کی، بیج ڈالا، جب پودے کچھ بڑھے اور نسیم سحری نے ان پودوں کو گدگدانا شروع کیا تو مزدور کا دل خوشی سے مچلنے لگا، اب اور لگن سے اس نے کھیتوں کو سینچنا شروع کیا، دھوپ کی شدت اور زمین کی نرم و گداز آغوش نے ان پودوں کو بار آور کر دیا، قریب تھا کہ اب مزدور اسے کاٹ کر کسی محفوظ مقام پر منتقل کرے کہ کالی کالی گھٹائیں اٹھیں، ابر و باد کے مخلوط حملوں نے آن کی آن میں پوری فصل تہ و بالا کر دی، ایسی صورت میں آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ اس

محنت کش مزدور پر کیا گزرے گی۔ ع

قسمت کی بد نصیبی کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

پھر بھی وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا، بلکہ وقت آنے پر وہ پھر پہلے ہی کی طرح جفاکشی اختیار کرتا ہے اور وہ اپنے سابقہ تمام نقصان کو بھول جاتا ہے، آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اسی لیے کہ اس نے خالق کائنات سے اپنی امیدوں کو منقطع نہیں کیا تھا بلکہ شکست نے اس کے اعتماد کو اور نکھار دیا تھا، معلوم ہوا کہ عزم و مقاصد کی راہ میں جب قدم اٹھایا جاتا ہے تو ناگزیر ہے کہ صورت حال بدل جائے، عارضی طور پر خطرات پیدا ہو جائیں لیکن اگر راہ حق میں استقامت دکھائی جائے تو جو نقصان ہو چکا ہے اس سے کہیں زیادہ اسے فائدہ حاصل ہوگا، اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ. کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان نقصان اٹھاتا ہے اور بظاہر اس کا صلہ حیات ظاہری میں نہیں ملتا، مگر مستقبل میں ملتا ہے، حق تو یہ ہے کہ جس کا دل جتنا ہی خود اعتماد ہوگا، اور جس کے دل میں جتنی ہی زیادہ ایمانی تاثیر پنہاں ہوگی، اتنا ہی اس کا اثر بھی اس کے قول وفعل اور حرکات وسکنات سے ظاہر ہوگا، جس کو یقین واعتماد حاصل ہوتا ہے، وہ ہر حرکت وسکون کے بعد مطمئن رہتا ہے، چناں چہ اہل دنیا و ہوس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ (پارہ:۳۰،ع:۲۷)

ہاں ہاں اگر یقین کا جاننا جانتے تو مال کی محبت نہ رکھتے۔

مندرجہ ذیل مضمون سے واضح ہوگا کہ حضور حافظ ملّت کے اندر سب سے زیادہ جو وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے، وہ ان کا اعتقاد ویقین ہے، جس کا مقصد کسی جانب بھی قدم بڑھایا تو رکنے کا نام نہیں لیا، بلکہ قدم اٹھتے ہی چلے گئے، ان کو معلوم تھا کہ اسی اعتماد پر قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ مرتب ہوتی ہے، یہی اعتماد تھا جس نے بڑے سے بڑے ظالم وجابر کے سامنے بھی حق پرستوں کو سرنگوں نہیں ہونے دیا اور حق کے متوالوں نے بلاخوف لومۃ لائم، نتائج سے مستغنی ہو کر اپنی آواز کو باطل کے ایوانوں تک پہنچایا، اس سلسلے میں تاریخ اسلام میں واقعات بلال وخبیب، قلوب میں جرأت وہمت اور اعتماد ویقین کی روح پھونکنے کو کافی ہیں۔

انھی خطوط پر حضور حافظ ملّت کی زندگی کا مشاہدہ کیجیے علم وعمل کا ایک مجسم پیکر، جس کی پوری زندگی احیائے دین اور خدمت خلق میں گزری، قدم قدم پر امتحان وآزمائش سے دوچار ہونا پڑا، مگر آپ کو اللہ کی رحمت اور اپنی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ بڑی سے بڑی دشواریوں کو بھی خندہ پیشانی سے انگیز کر لیا، خالق ومالک کی

ذات پر آپ کو کامل اعتماد تھا، حضرت اس عنوان پر مستقل تقریر کیا کرتے تھے، آپ قرآن عظیم کی اس آیت کو بار بار پیش کرتے " وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ " وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو، آپ فرماتے کہ ایک دنیادار افسر اگر کسی غریب سے کہہ دے کہ گھبراؤ نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، تو ہزار کمزوریوں کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو مضبوط تصور کرے گا، لہذا جس کے ساتھ اللہ ہو اسے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ موضع سکٹھی (متّصل مبارک پور) میں کسی صاحب کے یہاں میلاد شریف میں حضرت تشریف لے گئے، رات کافی گذر چکی تھی، واپسی پر گھر والوں نے سوچا کہ حضرت کو قیام گاہ تک پہنچا دیں، جب گاؤں کے باہر تک آئے تو فرمایا: آپ حضرات گھر واپس تشریف لے جائیں، میں باطمینان چلا جاؤں گا، مجھے کوئی خوف نہیں ہے، اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس کا فرمان ہے: وَهُوَ مَعَكُمْ الخ.

ایک موقع پر فرمایا: عبدالعزیز کسی سے نہیں ڈرتا، ڈرتا ہے تو صرف اللہ و رسول سے، میں حق بات کہنے میں، وار ہو کہ تختۂ دار ہو، کہیں پرواہ نہیں کرتا۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

اس جملے میں جھانک کر دیکھا جائے تو ایک نڈر اور مرد جری کی تصویر سامنے آتی ہے، نیز اس اعتماد و یقین نے تاریخ اسلام کے اس صفحہ کو کھول کر رکھ دیا، جب کہ پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرمار ہے تھے، صدیق اکبر کی گھبراہٹ اور بے قراری جب بڑھنے لگی تو سرکار نے فرمایا: ابوبکر! ڈرو نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے، قرآن نے اس واقعہ کو یوں محفوظ کر لیا ہے: اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پارہ:۱۰ ع: ۱۲)

جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے: غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ایک مرتبہ اسی آیت کریمہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

پرانے مدرسہ میں جو اب میری قیام گاہ ہے، اس کے اندر جنات کا بسیرا تھا، کوئی بھی ایک دوماہ سے زیادہ اس مکان میں نہیں رہ پاتا تھا، شروع شروع میں جب میں اس میں رہنے لگا تو میرے سامنے بھی ایسی صورتیں پیش آئیں، ایک روز مغرب کی نماز پڑھ کر آنگن میں چار پائی پر لیٹا تھا کہ اچانک ایک لمبا تڑنگا آدمی

درخت کی شکل میں ظاہر ہوا اور بڑھنے لگا، میں نے جب دیکھا تو بلند آواز سے کہا: لاحول ولا قوۃ الخ اتنا کہنا تھا کہ وہ دھواں بن کر غائب ہو گیا، پھر کبھی ایسی صورت نہیں پیش آئی۔

تقریر کرتے کرتے جب جوش میں آتے تو فرماتے:

"عبدالعزیز کمزور ضرور ہے لیکن اپنی ذات پر اب بھی اتنا اعتماد کرتا ہے کہ اگر پچاس آدمیوں کے بیچ میں تنہا پڑ جائے تو بھی مقابلہ کر سکتا ہے، کیوں کہ یہ کچھ فن بھی جانتا ہے"۔

کیا اس قول نے مولائے کائنات حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کو تازہ نہیں کر دیا: "میں میدان حرب میں بہترین جنگجو ہوں اور خانۂ خدا میں بہترین عبادت گزار ہوں"۔

حافظ ملّت جس قدر نماز کے پابند تھے اور خاص کر جماعت کے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب فرماتے تھے:

"کلکتہ کی جانب کئی بار سفر میں، جب کہ ہم لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ بعض دفعہ نہیں ملتی، ہم لوگ کھڑے ہو کر سفر کر رہے تھے، لیکن اس عالم میں بھی حافظ ملّت نے اپنے لیے جگہ بنالی اور چلتی ہوئی ٹرین میں پنج وقتہ نماز کی تو اور بات ہے، نماز تہجد ادا کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

نماز کے بارے میں آپ اکثر تاکید کرتے اور فرماتے:

"بندۂ مومن کو سب سے زیادہ اپنے خالق کی قربت، اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ وہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے"۔

اسی قربت کے یقین نے انھیں سفر و حضر ہر مقام پر نماز کا پابند رکھا تھا، ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا:

حضرت! میں نماز پڑھتا ہوں مگر خشوع و خضوع حاصل نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ پڑھتے پڑھتے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے اس کے لیے کون سی تدبیر اختیار کروں؟

فرمایا: جی ہاں! بندۂ مومن کے لیے نماز سے زیادہ اہم چیز اور کیا ہے جب بندہ نماز پڑھے تو اپنے قلب و جگر کو ہر چہار جانب سے موڑ لے اور یہ سوچ کر مصلے پر کھڑا ہو کہ میں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں کھڑا ہوں اور اس کو دیکھ رہا ہوں، اگر دل میں یہ بات نہ آئے تو اس یقین کے ساتھ پڑھے کہ میرا اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے، آپ اس طرح پڑھ کر تو دیکھیں۔

چناں چہ انھوں نے ایسے ہی نماز پڑھنی شروع کی، پھر چند ہفتے کے بعد خط لکھا کہ حضرت کے فرمان پر اس نے عمل کیا، واقعی حضرت نے جو تدبیر بتائی تھی وہ کارگر ہوئی، اب نماز میں طبیعت بے حد لگتی ہے۔

حج کے لیے پاسپورٹ بغیر فوٹو کی منظوری آئی تو اس دور میں بہر حال یہ ایک نئی بات تھی، کتنوں کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہیں تھا، ایک صاحب نے کہا سورج بجائے پورب کے پچھم سے طلوع ہو یہ تو مانا جاسکتا ہے مگر بغیر فوٹو کے حج کی منظوری آجائے یہ نہیں سمجھ میں آتا، حضرت نے سنا تو جلال آگیا، فرمایا: جی ہاں سورج پچھم سے طلوع ہو جائے تو کیا تعجب خیز بات ہے؟ میرے آقا نے مقام صہبا میں ایسا کر کے دکھا دیا ہے۔

اس موقع پر مجھے حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر یاد آگیا جسے انھوں نے صحابئ رسول حضرت سفینہ کے واقعہ سے متاثر ہو کر کہا ہے۔ ع

ومن تكن برسول الله نُصْرَتُه
إن تَلْقَه الأُسْدُ في آجامها تَجِم

مذہب حق کا یقین:

مذہب و مسلک کے سلسلے میں آپ کو اپنے مذہب (اہلسنت و جماعت) کی حقانیت پر اس قدر اعتماد کامل تھا کہ اس موضوع پر آپ کی تقریر و گفتگو سننے کے بعد ہر سنی پر اپنے مذہب و اعتقاد کی حقانیت کا یقین چمکنے لگتا تھا اور اہل باطل مبہوت ہو کر رہ جاتے تھے، کتاب "حدیقۂ مظاہرہ حق" پر تقریظ لکھتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

> مسلمان اس کتاب کو بغور پڑھیں ان شاء اللہ مذہبِ حق اہل سنت و جماعت کی حقانیت واضح سے واضح تر ہو جائے گی، وہابی نجدی عقیدہ و مذہب کا بطلان اظہر من الشمس ہو جائے گا۔

> آپ اکثر فرماتے تھے: ہماری ساری کامیابیوں کا محور صرف ہماری حقانیت ہے، ورنہ ہمارے پاس نہ تو عمل ہے نہ دوسرے مذاہب والوں کی طرح پروپیگنڈہ ہے، اپنی حقانیت ہی کی وجہ سے ہر میدان میں ہم فتح یاب ہوتے ہیں۔

نہ طاعت پر نہ تقویٰ پر نہ زہد و اتقا پر ہے
ہمارا ناز جو کچھ ہے محمد مصطفٰے پر ہے

اس ضمن میں اکثر یہ حدیث پیش کرتے:

"ستقترق أمتي على ثلث وسبعين ملة كلهم في النار إلا واحدة"
(میری امت تہتر ملتوں میں تقسیم ہو جائے گی جس میں صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا بقیہ سب

جہنمی ہوں گے)۔

آپ پورے رعب وجلال اور یقین واعتماد کے ساتھ فرماتے:

"بے شک وہ ایک فرقہ یہی اہل سنت وجماعت ہے" بلکہ تاکید در تاکید فرماتے: یہی جماعت اہل حق ہے، حق ہے، حق ہے، بقیہ جتنی بھی جماعتیں ہیں وہ سب کی سب جہنمی اور مستحق عذاب نار ہیں۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار، اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

الغرض حافظ ملّت کے اندر یہی وہ اعتماد ویقین کی دولت تھی جس کی وجہ سے ہر میدان میں وہ کامیاب رہے اور ہر عظیم سے عظیم مہم کو انھوں نے سر کر لیا، مبارک پور کا وہ علمی چمن زار جو آج الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں دنیا کے مسلمانوں کو دعوت نظارہ دے رہا ہے، ان کے یقین واعتماد کی برکت ہے، انھیں یقین تھا کہ اگر میں نے دین مصطفیٰ کی سربلندی کے لیے قدم بڑھایا تو میری پُر خلوص آواز پر ضرور ہندوستان کا صحت مند طبقہ لبیک کہے گا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

المختصر اگر کسی کی ذات اعتماد ویقین، فکر وشعور، علم وآگہی، قوت عمل، خلوص ولگن اور ایثار وقربانی کی آئینہ دار نظر آتی ہے تو وہ حضور حافظ ملّت کی ذات گرامی ہے، ایسی شخصیتوں میں ہم بلا شبہہ حافظ ملّت کا نام نامی لے سکتے ہیں، جن لوگوں نے زندگی میں مخالفت کی، بعد وصال ان کو بھی کہنا پڑا: "بہت بڑی دولت ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔" حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی صاحب نے بڑی قیمتی بات کہی:

"آدمی کی زبان نہ اقرار کرے، مگر دل ضرور گواہ ہوتا ہے"۔

قربان جایئے اس حافظ ملّت پر جس نے اپنے عیش وآرام، صحت، اوقات اور اپنی جان تک کو ملت کی تعمیر کے لیے قربان کر دیا۔

فما كان قيس هُلْكُه هُلْكَ واحدٍ
ولكنه بُنْيَانُ قومٍ تَهَدَّما

حافظ ملّت: دیار حرم میں

الحاج عبدالقدوس قریشی وارانسی

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حافظ ملّت اس مقدس گھر کی زیارت سے بھی سرفراز ہوئے جسے کعبہ کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فراغت پائی تو اللہ رب کریم کی بارگاہ میں شکریہ ادا کیا، دعا فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے ابراہیم! تم لوگوں میں حج کا اعلان کرو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: یارب العالمین! میری آواز تمام انسانوں تک کیسے پہنچے گی؟ حکم رب العالمین ہوا کہ اعلان کرو، آواز کا پہنچانا میرے ذمہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان فرمایا جس کو آسمان و زمین کے درمیان ہر چیز نے سنا، جن سعادت مند روحوں نے اس کے جواب میں ” لبیک “ کہا یعنی: میں حاضر ہوں، چاہے وہ عالم ارواح میں تھیں یا پیدا ہو چکی تھیں، وہی روحیں اپنے وعدہ کو پورا کرتی ہیں، وہ مرکز بندگی کی طرف دوڑتی ہیں اور وہ ضرور حج و زیارت سے مشرف ہوتی ہیں۔

حج بارگاہ رب العزت کی حاضری اور حضوری ہے، رب کریم کے عالی دربار کی ضیافت اور مہمانداری ہے، مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے اعزاز و اکرام سے سرفرازی ہے، جہاں جلال خداوندی اور جمال خداوندی کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور ہر لمحہ انوار و تجلیات کا زیادہ سے زیادہ نزول وورود ہوتا ہے، ہر پرستار حق اور عاشق جمال خداوندی ہمیشہ شاد کام و بامراد ہوتا ہے، گنہگاروں اور خطاکاروں کو رحیم و کریم کے دربار عالی سے پروانۂ معافی عطا ہوتا ہے اور ہر آنے والے کو رضائے الٰہی کی سند بخشی جاتی ہے۔

سفر حج کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک گناہ معاف کرتا ہے، ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے، حجر اسود کا بوسہ لینے سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں، اس کا بوسہ لینا اس کا استلام کرنا گویا اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کرنا ہے، طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کا ثواب ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے، صفا مروہ کی سعی کرنے کا

ثواب ۷۰ غلام آزاد کرنے کے برابر ہے، حرم کی ہر ایک نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے، رمی جمار کی ایک ایک کنکری کے بدلے ایک ایک گناہ کبیرہ معاف ہوتا ہے۔

حج سے عمر میں برکت اور مال میں زیادتی ہوتی ہے سفر حج میں جتنی تکلیف ہوگی اور جتنا صرف زیادہ ہوگا اتنا ہی ان سب کا ثواب ملے گا، حج میں موت آجانے سے قیامت تک ہر سال ایک حج کا ثواب لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ حاجی کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ ایسا پاک وصاف لوٹتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اسے معصوم جنا ہے، جس کی سفارش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتا ہے۔

پس پیرو مرشد عالی مرتبت عالی وقار مقبول بارگاہ حضرت حافظ ملّت علیہ الرحمہ اس سعادت عظمیٰ سے کیوں کر نہ فیض یاب ہوتے؟ اور وہ رب اپنی شان کریمی ورحیمی کے صدقہ اپنے محبوب بندہ کو کیسے اس سے الگ رکھتا؟ ۱۹۶۷ء کا سال، جو کرامت وبرکت والا سال کہا جاتا ہے، حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ نے سفر حج کی تیاری فرمائی اور حج بیت اللہ وزیارت روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف وشادماں ہوئے، اس موقع پر سب سے اہم اور خصوصیت کی بات یہ تھی کہ آپ نے حج فارم بغیر فوٹو کے داخل فرمایا جب کہ حکومت کی جانب سے سخت پابندی تھی بلا فوٹو کے حج فارم قبول نہیں کیا جاتا، اس سے مستثنیٰ کرانے کے لیے حکومت اور حج کمیٹی بمبئی کو بار بار لکھا گیا اور کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہیں حاصل ہوئی، جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے، یہ صرف ایک بوریا نشین نہیں ہے بلکہ تاجدار اہل سنت، علم ومعرفت کا روشن آفتاب، استاد العلما، مبارک پور والوں کی آنکھوں کا نور ودل کا سرور ہے اور الجامعۃ الاشرفیہ کا معمار اکبر ہے تو ان لوگوں کے اوپر گہرا اثر پڑا، حافظ ملّت کا تقدس، ان کی بزرگی اور ہر دل عزیزی نے اثر دکھلایا، یہاں کے افسران نے حکام بالا سے منظوری حاصل کر کے حج پاسپورٹ جاری کر دیا اور ہر ممکن سہولت کا وعدہ کیا، لہٰذا مورخہ ۸/مارچ ۱۹۶۷ء کو بمبئی سے بذریعہ جہاز "بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" پڑھتے ہوئے سفر حج کا آغاز کیا۔

دوران حج ہر شخص آپ کا احترام کرتا تھا، راستہ بھر تقریر، وعظ وبیان اور حدیثیں سناتے گئے، لوگوں کے استفسارات کا جواب دیتے اور انھیں مطمئن کرتے رہے، علما ومشائخ بھی آپ کی بے حد تعظیم وتکریم کرتے تھے، ہندوستانی سفارت خانہ (برائے جدہ) آپ کی ہر موقع پر دعوت دیتا تھا، آپ اس میں شرکت فرماتے اور تقریریں کرتے، جہاز کے عملہ نے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی اور اعزاز واکرام کے ساتھ رکھا یہ ایک ادنی کرامت تھی حضرت حافظ ملّت علیہ الرحمہ کی، سفر حج کا مقصد اللہ رب العزّت کی فرماں برداری اور حکم خداوندی

کی بجاآوری ہے؛ اس لیے یہاں کے شعائر و مناسک کے ساتھ ہر ہر قدم پر، ہر ہر بات پر فرماں برداری اور حکم کی بجاآوری کا جذبہ نمایاں ہونا ضروری ہے، ورنہ بندگی نہ ہوگی اور شعائر و مناسک کی ادائیگی ادھوری ہوگی۔

حرم محترم کے اندر اللہ نے ہمارے لیے بہت سی دین کی نشانیاں، من جملہ مقام ابراہیم رکھی ہیں، صفا و مروہ کے علاوہ بہت سے مقدس و بابرکت مقامات موجود ہیں، جن کا ہم سے قلبی تعلق ہے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عزیز رکھا ہے اور شرف بخشا ہے، لہذا یہاں کے مقامات مقدسہ ہر مومن کی نظر میں غایت درجہ محبوب و محترم ہیں اور باعث ثواب اور قابل تعظیم ہیں، حضرت ہاجرہ نے صفا و مروہ کے درمیان سات چکر پانی کی تلاش میں لگائے، یہ فعل، یہ اضطراری دوڑ، اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ یہ شعائر حج قرار پایا، حجاج کرام دوران حج اس کی سعی کرتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ ہر حاجی اس کو انجام دیتا رہے گا، صفا مروہ کا فاصلہ قریب ۴۹۶ گز ہے، سات چکر میں ۲ میل ہوتا ہے۔

مقام ابراہیم:

تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام جس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام انجام دیتے تھے یہ بھی کھلی ہوئی نشانیوں میں سے ایک ہے، ۱۳۸۷ھ کے پیشتر یہ کمرہ میں مقفل تھا، زائرین کی آنکھوں سے اوجھل تھا، اب یہ ایک شیشہ کے قبہ میں موجود ہے، تقریباً ۱۴/ انچ مربع اور ۸/ انچ موٹا ہے۔

زمزم کا کنواں:

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یادگار ہے، اس کنویں کی گہرائی ۶۷/ گز ہے اور منہ کی چوڑائی ۴/ گز ہے، تقریباً ۱۷/ گز پر پانی کی سطح ہے اس مقام پر نیچے ایک لوہے کی جالی لگی ہوئی ہے، تاکہ بھیڑ بھاڑ میں کوئی کنویں میں گر جائے تو فوراً نکالا جاسکے، الکٹرک کے ذریعہ نلوں سے پانی باہر بھیجا جاتا ہے، کنویں کا پھاٹک مشرقی سمت میں ہے، زم زم کے پانی کے بہت سے اوصاف ہیں، یہ مرض کے لیے شفا ہے۔

حجر اسود:

یہ پتھر کہنے کو ایک معمولی پتھر ہے، جس میں بہت کچھ غیبی طاقت ہے، یہ ایک یادگاری پتھر ہے مشتاقان زیارت کے لیے، اس تخیل کے ساتھ کہ تمام دنیا بدل گئی، شہر مکہ کا ذرہ ذرہ بدل گیا، کعبہ کی ایک ایک اینٹ بدل گئی مگر یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کے مقدس ہاتھ، یا لب مبارک بالیقین پڑے ہیں اور پھر تمام خلفائے راشدین، صحابہ کرام، ائمہ عظام، اکابر اسلام اور حکمائے عظام کے

ہاتھوں نے مس کیا ہے اور آج ہمارے گنہگار لب یا ہاتھ بھی اس کو مس کرتے ہیں، یہ دلوں کو سرور آنکھوں میں تاثیر و کیفیت کی لہر پیدا کرتا ہے، جس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بار بار چوما ہے۔

میزاب رحمت:

خانہ کعبہ کی چھت سے پانی لانے کے لیے ایک پرنالہ ہے جو جانب شمال ہے، اس کو میزاب رحمت کہتے ہیں، میزاب رحمت بالکل روضہ رسول اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے، یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اے حاجیو! حج تو کر لیا ہے لیکن اس حج کو قبول کرانے کے لیے محبوب رب العالمین، شفیع المذنبین کی بارگاہ عالی میں چلے جاؤ، دیکھو وہ سامنے سبز گنبد میں آرام فرما ہیں، لہذا ہمارے سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم الحاج حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ مضطرب و بے قرار، دیوانہ وار، حبیب خدا، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ کے دربار مقدسہ میں، بصد شوقِ زیارت، ایک عالم بیقراری، بیخودی و وارفتگی میں پہنچے، یہاں پہنچ کر انسان آغوش رحمت میں آجاتا ہے، یہاں پر ہر شخص عشق نبی اور حب رسول کے اتھاہ سمندر میں کھو جاتا ہے اس کو اپنی خبر نہیں رہتی، پر وہ سب کچھ پالیتا ہے، دین و دنیا کی ساری نعمتیں اور سعادتیں نصیب ہوتی ہیں، اس نوازش، الطاف و کرم کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ اس کو تو صرف ایک سچا عاشق رسول اور خدا پرست مومن ہی محسوس کر سکتا ہے۔

الحاج حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ کا گیارہ دنوں تک مدینہ منورہ میں قیام رہا، اس مختصر عرصہ میں تمام رموز ظاہری و باطنی اور مشاہدات سے مستفیض ہوتے رہے، روضہ اقدس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہونا ہر مومن کے لیے یہ وہ سعادت ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سعادت نہیں اور یہ وہ نعمت ہے جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت عظمیٰ نہیں، خوش نصیب ہیں وہ آنکھیں جو منبع نور ہدایت سے منور ہوں، روضہ اقدس کی زیارت اور قبر اطہر کی زیارت، جو تمام سعادتوں اور نعمتوں کا اصل مرکز اور منبع ہے، اسی آفتاب رسالت و نبوت کے واسطہ سے ہر نور کی شعاع نمودار ہوتی ہے اور اسی مرکز رشد و ہدایت سے ہر سعادت و نعمت تقسیم ہوتی ہے، قبر اطہر و انور کی زیارت کرنا انھیں خیر و برکات، انوار و فیضان پر مشتمل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حاصل تھے، آپ اپنے ہر آنے والے کا ہر طرح اعزاز و اکرام کرتے ہیں، شرف قرب اور جواب سلام سے سرفراز فرماتے ہیں اور گوناگوں الطاف و اکرام اور انعامات سے نوازتے ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قبر اطہر و انور کعبہ محترم سے اعلیٰ و افضل ہے، دوسرے یہ کہ مسجد نبوی کی زیارت کرنا اس کی ہر عبادت میں اجر و ثواب کی زیادتی ہے، مسجد نبوی میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھنا کہ اس میں سے کوئی نماز بھی اس مسجد سے قضا نہ ہو

یعنی فوت نہ ہوتو اس کے لیے آگ سے براءت لکھی جاتی ہے، عذاب سے براءت لکھی جاتی ہے اور وہ شخص نفاق سے بری ہوتا ہے، تیسرے مسجد قبا کی زیارت کرنا، اس میں دو رکعت نماز پڑھنا اجر و ثواب میں ایک عمرہ کے برابر ہے، چوتھے اہل بقیع کی زیارت کرنا، یہاں پر وہ گنجینۂ ایمانی اور دفینۂ اسلامی ہے جہاں پر ہزاروں ایمان کے علم بردار اسلام کے شہسوار آرام فرما ہیں جن کی زیارت سراسر سعادت و کرامت ہے۔

مسجد نبوی و روضہ اطہر و انور کی کوئی کیا تعریف کرے، زبان قاصر ہے، کہاں سے الفاظ لائے جو بیاں کر سکے، جہاں پر ہر وقت فرشتوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے، ستر ہزار فرشتے قبر اطہر و انور کو گھیر کر صلاۃ و سلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، اس مقام پر ہر لمحہ انوار و فیضان کی بارش ہوتی رہتی ہے، در و دیوار سے رحمت ٹپکتی ہے، یہاں کا ذرہ ذرہ عشق و محبت میں مخمور و سرشار ہے، یہاں کی فضا نورانی و مشک بار ہے، اسی فضا میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عرصہ تک سانس لی ہے آپ کو یہ مرغوب و مطلوب تھی اور بے حد مسرور کرتی تھی۔

مسجد نبوی کا مینارہ:

اس کو مینارۂ رئیسہ کہا جاتا ہے یہ وہ مینارہ ہے جو حضور اکرم کی آرام گاہ کے جنوب مشرق میں گنبد خضرا کے متّصل ہے اور تمام تصویروں میں گنبد کے ساتھ ساتھ دکھلائی پڑتا ہے، اشرف قائت بائی نے اس مینارے کی تعمیر تین بار کرائی تھی، اس کی لمبائی ۱۲۰ ہاتھ تھی، اہل مدینہ اس کا مدینہ منورہ کے شعائر کے طور پر احترام کرتے تھے اس کی تعمیر ۸۹۲ھ میں ہوئی تھی۔

گنبد خضرا:

سلطان محمود بن عبدالحمید ثانی نے ۱۳۳۳ھ میں از سر نو تعمیر کرایا اور اس پر سبز گہرا رنگ چڑھایا، جس کی وجہ سے اس کا نام قبۂ خضرا یعنی: سبز گنبد پڑ گیا، یہ اسی کی یادگار ہے، اسی نے رنگا تھا۔

روضۂ جنت:

جو حصہ مسجد نبوی کا حضور کے مزار مبارک اور منبر کے درمیان واقع ہے وہ روضۂ جنت (اسے عام طور سے "ریاض الجنہ" کہا جاتا ہے) شریف کے نام سے موسوم ہے، مزار اقدس سے لے کر منبر تک کا فاصلہ ۲۲ر میٹر ہے اور اس کی چوڑائی شمالاً جنوباً ۱۵ میٹر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے مکان اور ممبر کے درمیان کا حصہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"، حدود روضہ میں ۲۰ ستون ہیں، جس طرح جنّت کے باغ میں اللہ تعالیٰ کی ہر وقت رحمت نازل ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں

نازل ہوتی ہیں، اس جگہ عبادت جنت کے باغ کا ذریعہ ہے۔

صفّہ:

کچھ غریب صحابہ حضور کے مکان کی پُشت کی طرف چبوترے پر بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے یہ چبوترہ آج بھی مسجد نبوی میں موجود ہے، اس کی لمبائی تقریبًا ۴۰ر فٹ اور چوڑائی ۳۰ر فٹ ہے اور زمین سے ڈیڑھ فٹ بلند ہے۔

محراب النبی:

یہ محراب سلطان قائت بائی کی قائم کی ہوئی ہے، ایک عمدہ سنگ مرمر کا تقریبًا ۹ر فٹ اونچا، بغیر جوڑ کے، پتھر کی سل سے بنا ہوا ہے، سر محراب قرآن شریف کی آیت کندہ ہے ”اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ الآیۃ“

منبر شریف:

سلطان مراد خاں عثمانی کا بھیجا ہوا تحفہ ہے اور ٹھیک اسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں پر اصلی منبر نبوی تھا، یہ پورا سنگ مرمر ہے، اس میں بارہ یا چودہ زینے ہیں، موجودہ منبر ساتواں یا آٹھواں ممبر ہے اس کی تعمیر ۹۶۶ھ کی ہے، اس کے علاوہ مسجد نبوی کے اندر بہت سے مقدس و بابرکت مقامات موجود ہیں، بعض بعض ستون میں خاص صفات پوشیدہ ہیں، اللہ تعالیٰ کل مسلمانوں کو ان کی حقیقی ایمان افروز بہاریں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

تاجدار اہل سنت الحاج حافظ ملّت علیہ الرحمہ فریضۂ حج و زیارت سے سرفراز ہو کر، مورخہ ۱۶/اپریل ۱۹۶۷ء کو تمام فیوض ظاہری و باطنی سے مالا مال ہو کر، اور دامن کو گوہر مقصود سے بھر کر وطن عزیز واپس ہوئے، اس ممتاز شخصیت نیک سیرت مرشد کامل کا سایہ ہم سب پر زیادہ عرصہ تک سایہ فگن نہ رہا اور کشتی کو بیچ منجدھار، تیز تند تھپیڑوں کی لپیٹ میں چھوڑ کر ہم لوگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقہ میں، اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور غریق رحمت کرے۔آمین

دعا ہے کہ اللہ رب العالمین متاع عزیز کو قائم و دائم رکھے، یہ سدا پھولے اور پھلے اور ترقی کے بام عروج پر پہنچائے اور الجامعۃ الاشرفیہ کی شمع علم کبھی مدھم نہ ہونے پائے، اس سے سارے عالم کو علم و معرفت کی روشنی ملے، سربراہ اعلیٰ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کی عمر، علم اور درجات میں ترقی ہو اور اللہ انھیں ہمیشہ کامیابیوں و کامرانیوں سے ہمکنار فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

حافظ ملت کی صفات

عبد الحکیم عزیزی بنارس

اپنے مرشد برحق حافظ ملّت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں میری کیا مجال کہ کچھ لکھ سکوں؛ مگر چونکہ مجھے حضرت سے بے پناہ عقیدت اور محبت ہے لہٰذا چند سطور میں اپنے احساسات قلم بند کر رہا ہوں۔

حافظ ملّت کیا تھے؟ ان کے اخلاص واخلاق کا کیا عالم تھا؟ خدمت دین کا کتنا والہانہ جذبہ رکھتے تھے؟ جن لوگوں نے آپ کی زندگی کا مطالعہ قریب سے کیا ہے وہ تو خوب اندازہ لگا سکتے ہیں، لیکن آج جو شخص الجامعۃ الاشرفیہ کا معائنہ کرے گا وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ واقعی حضرت نے قلیل مدت میں دین کا کتنا عظیم کام کیا ہے اور کس قدر دینی جذبہ وخلوص رکھتے تھے!

درس وتدریس، خدمت خلق نیز الجامعۃ الاشرفیہ کے منصوبوں کی تکمیل کے لیے ملک کے گوشے گوشے اور دور دراز اور بعض مشکل ترین مقامات کا سفر بھی حضرت پورے جذبے کے ساتھ فرماتے تھے اور جب دین کے لیے نکلتے تو ایک جوان کی طرح تاب وتوانائی کے مالک ہوتے، یہی وہ بڑی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے قلیل مدت میں بھی حضرت نے بہت بڑا اور ایسا کام انجام دے دیا کہ ایک مدت کے بعد بھی اس کا تصور مشکل نظر آتا ہے۔

آپ کی دوسری بڑی خصوصیت آپ کا عزم و استقلال اور جہد مسلسل ہے، آپ نے ہمیشہ نا مساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور مشکلات ومصائب کے پہاڑ سے بھی ٹکرانے کا عزم اپنا شیوہ بنایا۔

آپ حضرت صدر الشریعہ علامہ حکیم امجد علی اعظمی رضوی مصنف بہار شریعت، خلیفہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص اور خلیفہ تھے اور آپ کے سچّے پیرو کار بھی۔ ایک بار فرمایا:

”میں نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے سب کچھ حاصل کیا یہاں تک کہ کھانا پینا اور چلنا بھی میں نے حضرت سے سیکھا“۔

مزید ارشاد فرمایا:

''میں بہت گرم چائے اسی لیے پیتا ہوں کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ بھی بہت گرم چائے پیتے تھے''۔

غور کیجیے کس قدر اتباع اور پیروی کا جذبہ ہے! حافظ ملت کے تلامذہ کی ایک لمبی قطار ہے، جن میں علمی، تبلیغی اور تدریسی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں، اسی لیے آج کل آپ کے تلامذہ بہت سے علمی، دینی اور اشاعتی نیز تصنیفی و تالیفی کام انجام دے رہے ہیں۔

حافظ ملّت اگرچہ آج ہمارے درمیان نہیں مگر ان کے فیضان کا دریا برابر رواں ہے۔

آپ کا روحانی فیض و تصرف ہی ہے کہ عزیز ملّت مولانا عبد الحفیظ صاحب (فرزند حافظ ملّت) نے تھوڑی سی مدّت میں اپنے کو بالکل حافظ ملّت کے رنگ میں ڈھال لیا۔

حافظ ملّت میری نگاہ میں

تحریر: حاجی محمد حسین مبارک پوری-تلخیص: مولانا محمد اسرائیل اختؔر مصباحی، رودرپوری

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۲؍ جولائی ۱۹۲۸ء بمقام مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

تعلیم: پانچویں جماعت تک دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم میں تعلیم حاصل کی۔

خدمات: حافظ ملت کی مبارک پور تشریف آوری پر موصوف آپ کے فداکاروں میں شامل ہوگئے، مدرسہ اشرفیہ سے دارالعلوم اشرفیہ اور جامعہ اشرفیہ تک ہر دور میں خلوص کے ساتھ خدمات انجام دیں، تقریباً ۳۵ سال تک اشرفیہ کے خزانچی رہے، موصوف طبیب بھی تھے حافظ ملت کی نبض دیکھ کر وصال کی تصدیق موصوف ہی نے کی تھی۔

وفات: ۱۴؍ اگست ۲۰۱۴ء

ہوگئی دل کو تری یاد سے ایک نسبت خاص
اب تو شاید ہی میسّر کبھی تنہائی ہو

آپ سوچتے ہوں گے آخر اتنی عظیم شخصیت کے بارے میں یہ خاکسار کیا لکھ پائے گا، سچ ہے میں ایک کم خواندہ بلکہ ناخواندہ انسان ہوں جسے حساب کتاب کی معمولی شُدبُد کے سوا کاغذ، قلم اور مضمون نگاری سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، مگر واہ رے وہ احساس جو ایک مرد درویش کی غلامی کے صدقے مجھ جیسے بے مایہ انسان کے اندر پیدا ہوا اور اس بلند ذات اور اونچی شخصیت کے متعلق اس کی جدائی سے دل میں ایک تحریک پیدا ہوئی، جس نے مجھے ان کے بارے میں کچھ لکھنے پر مجبور کر دیا، کئی بار کاغذ اور قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھا اور آنکھوں کا سوتا پھوٹ پڑا، بجائے اس کے کہ کچھ لکھتا، دل کے زخموں کا مطالعہ کر کے اٹھ گیا، حضرت کے وصال کے بعد بہت ایسے مواقع آئے جب خلوت و جلوت میں ان کا سراپا تصور کے آئینہ میں ابھرا اور میں نامعلوم احساس سے بلک پڑا۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے مجھے کیا جانے کیا یاد آیا

کیا میں یتیم ہو گیا! یتیم تو کئی سال پہلے ہو چکا تھا، مگر حافظ ملّت کی شفقت اور پدرانہ محبت نے مجھے یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا، ان کی محبت اور پیار میرے ساتھ میرے بڑے بھائی جناب حاجی غلام حسین کے ساتھ ہی نہیں، گھر کے ایک ایک فرد کے ساتھ بالکل گھریلو اور مشفقانہ تھا، حضرت نے ہمیشہ اپنی خصوصی توجہات سے نوازا، میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ صرف میں ہی وہ خوش نصیب ہوں جسے حضور حافظ ملّت کا سب سے زیادہ پیار ملا، ان کا اخلاق اور ان کی مروت تو اپنے پڑوسیوں میں سے ہر ایک کے لیے عام تھی اور ہر شخص انھیں اپنے گھر کے افراد میں سب سے اہم فرد سمجھتا تھا، وہ اکیلے تھے، مگر ہزاروں انھیں اپنوں میں کا ایک سمجھتے تھے اور لوگوں کے ساتھ ان کے ظاہری و باطنی تعلقات نہایت مخلصانہ اور ہمدردانہ تھے جس کی تفصیل ہر پڑوسی خود بتا سکتا ہے، مگر مجھے ان کی ذات سے جتنا کرم، جتنی مہربانی اور جتنی محبت ملی وہ ناقابل بیان ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے دلی تاثرات ترتیب وار پیش کروں۔

میرا بچپن:

حضور حافظ ملّت جب مبارک پور تشریف لائے تو وہ میرے بچپن کا زمانہ تھا، جب ہوش سنبھالا تو حضرت کو جانا پہچانا، ابتدائی دور میں کھیلتے کودتے بچوں کے جھنڈ میں میں بھی ہوتا، اتنا یاد ہے کہ حضرت کا گزر جب ہم لوگوں کے پاس سے ہوتا تو ہم لوگ اپنا کھیل تماشا چھوڑ چھاڑ کر ایک طرف کھڑے ہو جاتے اور سب کی زبان سے نکلتا: مولانا ابّا! السلام علیکم، حضرت ہم لوگوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفقت فرماتے، بچپن میں حضرت کو سلام کرنا اور ایک طرف کھڑے ہو جانا اپنے ساتھی بچوں کی دیکھا دیکھی تھا، یا اور کسی لاشعوری طور پر یہ کام ہم سے سرزد ہوتا تھا، مگر جب ہوش کی آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ حضرت جس راہ سے گزرتے ہیں لوگ راستہ دینے کے لیے خود کنارے ہو جاتے ہیں، نوجوان اگر ننگے سر ہیں تو کہیں چھپنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت کے آنے پر مبارک پور کے مسلم، غیر مسلم سب کا یہ طریقہ دیکھا کہ اگر بیٹھے ہوتے تو کھڑے ہو جاتے، حضرت کے روبرو جانے کی جلدی کسی کو ہمت نہ ہوتی، اگر ان کے پاس کوئی کام ہوتا تو لوگ آپس میں کہتے فلاں شخص کو بھیجو، وہ نمازی اور پرہیز گار ہے، حضرت کا مزاج بہت نرم تھا، سخت مزاجی نہ تھی، مگر ایسا نہیں کہ چند ملاقاتوں کے بعد اور لوگوں کی طرح حضرت سے کوئی بے تکلف ہو جائے بلکہ حضرت کا ادب و احترام اور ان کے وقار کا از ابتدا

تا انتہا ایک ہی حال رہتا۔

اہل محلّہ اور پڑوسیوں سے برتاو:

حضرت اپنے پڑوسیوں، محلہ والوں اور اپنی مسجد کے مصلیوں کا گھر کے افراد کی طرح خیال فرماتے، ان کے دکھ درد، خوشی اور غم میں برابر شریک رہتے، کسی کے بارے میں خبر مل جاتی کہ بیمار ہے تو نماز کے بعد عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، آپ جاتے تو ساتھ ساتھ مصلیان مسجد بھی جاتے، کیفیت پوچھتے، دعا کرتے اور مفید علاج کے سلسلہ میں مشورہ بھی دیتے تھے، یہ اخلاق صرف محلہ والوں اور پڑوسیوں کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ آپ ہر اس شخص کی عیادت کو تشریف لے جاتے جس سے مدرسے یا کسی اور طرح سے آپ کا رابطہ ہوتا۔

محلّہ کی حفاظت کا خیال:

تعلیمی کانفرنس کے موقع پر مبارک پور کے لوگوں میں بے پناہ جوش و خروش پایا جا رہا تھا، ہر چھوٹا بڑا بس یونیورسٹی کی تعمیر کے نشے میں چور تھا۔

کانفرنس کی تیاری کا سلسلہ یوں تو مہینوں پہلے سے شروع ہو چکا تھا مگر جب وقت قریب آتا گیا تو پھر مصروفیت اور بڑھتی گئی، ایک روز حضرت کی مجلس میں بات آئی کہ کانفرنس کے ایام میں جب کہ پوری آبادی کے لوگ یونیورسٹی کے میدان میں ہوں گے، قصبہ کی حفاظت اور نگرانی کے لیے کوئی انتظام کرنا ضروری ہے، حضرت نے بھی اس کی تائید کی مگر کانفرنس کی گوناگوں مصروفیتوں نے اس پر عمل کرنے کی مہلت نہ دی، اب وہ وقت آیا کہ کانفرنس سے پہلے والی رات میں تقریباً بارہ بجے ایک شخص حضرت کے مکان کی طرف سے میرے گھر کی طرف آیا، یہاں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: اتنے وقت مولانا ابّا ادھر کہاں جا رہے تھے؟ ہم لوگوں نے کہا ادھر تو نہیں آئے، اس نے کہا: اسی طرف تو آئے ہیں، بہر حال کچھ معلوم نہ ہو سکا، کچھ دیر بعد پھر ایک شخص نے حضرت کو لوٹتے ہوئے دیکھا گویا حفاظت کے لیے حضرت اپنے محلہ کا حصار فرما رہے تھے۔

شب و روز کی مصروفیات:

حضرت اپنے محلہ کی مسجد میں پابندی وقت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتے تھے، وقت کی پابندی کرنے میں، میں نے ان جیسا انسان نہیں دیکھا، ٹھیک وقت پر نہ صرف مسجد پہنچنا ان کی عادت تھی، بلکہ ہر کام اپنے وقت ہی پر کرتے تھے، بچپن میں ہم لوگوں نے دیکھا کہ صبح وقت سے پہلے مدرسہ پہنچ جاتے تھے، تعلیم

کے پورے وقت میں اپنی ذمہ داری کو حسن و خوبی سے ادا کرتے تھے، چھٹی کے بعد قیام گاہ پر لوٹتے تھے، کھانا کھا کر تھوڑی دیر قیلولہ ضرور کرتے تھے، قیلولہ کا وقت ہمیشہ یکساں رہتا، چاہے ایک وقت کا مدرسہ ہو یا دونوں وقت کا، ظہر کے مقررہ وقت پر بہر حال اٹھ جاتے اور باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد اگر دوسرے وقت کا مدرسہ ہوتا تو مدرسے چلے جاتے، ورنہ کتابوں کے مطالعہ یا خارج وقت میں کسی کتاب کا درس دیتے یا حاجت مندوں کے لیے تعویذ وغیرہ میں وقت صرف کرتے۔

شروع زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد تفریح کے لیے آبادی سے باہر تشریف لے جاتے تھے، علی نگر کے قبرستان سے گزرتے ہوئے اکثر سڑک پر کھڑے ہو کر قبروں پر فاتحہ اور ایصال ثواب کرتے، ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کسی ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھیں اور وہیں سے لوٹ آئیں، بلکہ فاتحہ پڑھنے میں بھی اکثر عام مسلمانوں کی خیر خواہی مدنظر ہوتی باوجود کہ اسی قبرستان میں آپ کی پہلی اہلیہ کا مزار ہے جن سے حضرت بہت زیادہ محبت فرماتے تھے، ان کے وصال کے بعد حضرت نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب میں دوسری شادی نہ کروں گا، خود فرمایا کرتے تھے کہ میری وہ عورت ولیہ تھیں، نہایت نیک، صالح اور پابند تہجد تھیں، حضور حافظ ملّت اپنے ابتدائی دور میں عصر بعد تفریح کے عادی ضرور تھے مگر یہ تفریح کا وقت بھی صرف ہوا خوری میں صرف نہ ہوتا تھا، بلکہ عالم یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کی جماعت آپ کے ہمراہ ہوتی، طلبہ اس تفریح کے اوقات میں بھی آپ سے علمی سوالات کرتے جاتے تھے اور حضرت ان کے سوالات کے جوابات دیتے جاتے تھے، مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھاتے اور کھانا کھا کر اپنے آنگن ہی میں کچھ دیر چہل قدمی فرماتے، عشا سے قبل اور کبھی عشا کے بعد طلبہ خدمت کے لیے حاضر ہوتے اور سر میں تیل کی مالش کرتے، یہ وقت بھی ضائع نہ ہوتا بلکہ بسا اوقات کسی نہ کسی علمی موضوع پر ہی گفتگو رہتی، طلبہ اگر خود ہیبت یا احترام کے خیال سے خاموش رہتے تو حضرت خود ہی کوئی مفید عنوان چھیڑ دیتے اور افادہ فرماتے رہتے۔

اگر کسی کی عیادت کے لیے جانا ہوتا تو اس کے لیے اکثر عصر کے بعد ہی کا وقت ہوتا، عشا کی نماز کے بعد کتابوں کا مطالعہ کرتے، نصف رات تک باہر نکل نکل کر پرانے مدرسے میں مقیم طلبہ کی دیکھ بھال کرتے رہتے کہ وہ مطالعہ میں مصروف ہیں یا نہیں، عموماً گیارہ بجے سو جاتے اور تہجد کے لیے آخر شب میں اٹھتے، تہجد پڑھنے کے بعد بھی کچھ دیر سونا معمول تھا، رات میں چاہے کتنا بھی بیدار رہے ہوں، فجر کبھی قضا ہوتے نہ دیکھی گئی۔

اسی طرح دینی کاموں سے سفر کرتے اور سفر سے لوٹتے تو معمول کے مطابق جس کام کا وقت ہوتا اس

کو پورا کرتے، ایسا عام طور پر ہوتا کہ چھٹی کے بعد کہیں جلسہ میں شرکت کے لیے گئے، عشا کے وقت یا کچھ بعد میں پہنچے، تقریر کی اور تقریر کے بعد اگر کوئی ایسی سواری ہے جس سے چل کر صبح مدرسہ کے وقت تک مبارک پور پہنچنا ممکن ہو، تو اسے کبھی نہ چھوڑتے، اور اگر نہیں، تو صبح فجر کی نماز کے بعد فوراً ہی روانہ ہو جاتے، صبح کے وقت اپنی روانگی کی خبر، رات ہی کو دے دیتے کہ فجر کے بعد مجھے فوراً جانا ہے، جلسہ والے رات میں زیادہ دیر تک جاگنے کے باعث اگر صبح کو نہ اٹھ پاتے پھر بھی آپ اپنے پروگرام میں تبدیلی نہ کرتے، رات بھر جلسہ اور سفر کے بعد تعلیم کے وقت جب مدرسہ پہنچ جاتے، فوراً درس شروع کر دیتے۔

انداز تربیت:

جہاں تک ہمارا خیال ہے حضور حافظ ملت جیسی تربیت دینے والا بھی اس دور میں شاید ہی کوئی ملے، مسجد میں تشریف لاتے اور کسی کو وضو یا نماز وغیرہ کے ارکان یا کسی اور چیز کی اصلاح کرنی ہوتی تو ایسا نہیں ہوتا کہ فوراً تُرش لہجہ میں اسے ٹوک دیں کہ وہ شرمندہ ہو جائے اور بجائے اصلاح پذیر ہونے کے وہ متنفر ہو جائے، بلکہ میں نے دیکھا کہ جب کوئی ایسا موقع آتا تو حضرت فجر بعد یا مغرب کی نماز سے پہلے مصلے پر بیٹھے بیٹھے نہایت نرم انداز میں سمجھاتے، بات کسی ایک کی ہوتی مگر اسے عام بنا کر پیش کرتے؛ تاکہ جس کی غلطی ہے وہ اصلاح بھی کر لے اور دوسروں کے نزدیک شرمندہ بھی نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ آپ کی باتیں لوگوں کے دل میں اثر انداز ہوتی تھیں، میرا خیال ہے کہ وہ چونکہ دل سے مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی بھلائی کے خواہش مند تھے اس لیے جو بات زبان سے نکالتے تھے یا جو کام کرتے تھے یا جو نصیحت و موعظت فرماتے تھے، وہ ان کے دل کی آواز ہوتی اور اس میں شک نہیں کہ دل کی آواز کبھی برباد نہیں ہوتی۔ ع

دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

زندگی میں یکسانیت:

یہ عجیب بات ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اور شعور کی آنکھیں کھولیں، حضرت کی زندگی میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں دیکھا، جو اندازِ زندگی شروع میں دیکھا تھا، اخیر دم تک اسی پر قائم و دائم پایا، نشست و برخاست، اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، ملنا جلنا تمام چیزوں کا وہی رنگ تھا جو مبارک پور میں قدم رکھتے وقت تھا، شروع سے جس شخص سے جو برتاؤ رہا اسے آخری سانس تک نبھایا، تعلقات میں کسی طرح کی تبدیلی نہ آنے دی،

حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ کی یہ وہ خصوصیت تھی جس کو اپنے تو اپنے، بیگانوں نے بھی تعجب سے بیان کیا۔

جوانوں پر شفقت:

محلہ کا بچہ بچہ اس بات پر ناز کرتا ہے کہ ہم حافظ ملّت کے پڑوسی ہیں، بوڑھے جوان اس بات کو فخریہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضور حافظ ملّت کی اس طرح خدمت کی، یوں ہمیں ان سے قربت تھی اور حضرت ہمارے ساتھ اس طرح شفقت کیا کرتے تھے، میرا مشاہدہ ہے کہ محلہ کے کتّے بھی حضرت کو خوب پہچانتے تھے، جہاں محلہ میں داخل ہوئے دم ہلاتے ہوئے پیچھے پیچھے چل پڑتے، جب کبھی مدرسہ کی میٹنگ میں شرکت کے لیے دارالعلوم جانا پڑتا تو میں حضرت کے ہمراہ ہوتا، رات کو بارہ، ایک یا دو بجے واپسی ہوتی تو اکثر ایسا ہوتا کہ ایک یا دو کتّے حضرت کے ساتھ ساتھ چلنے لگتے اور اپنے انداز میں کلیلیں کرتے ہوئے کبھی آگے جاتے، پھر دوڑ کر آتے، کبھی پیچھے چلنے لگتے، بعض اجنبی جنھیں کتّوں کی یہ عادتیں معلوم نہ تھیں، انھیں ہانکتے، مگر حضرت انھیں روک دیتے کہ ایسا نہ کرو۔

حضرت کا معمول تھا کہ کھانا کھانے کے بعد کتّے کے لیے روٹی کا ٹکڑا ضرور دیتے، یہی حال گھر میں بسی ہوئی چڑیوں کا تھا، روٹی باریک باریک کر کے یا ان کے چگنے کے لائق دانے حضرت ضرور رکھتے، ان کے لیے مٹی کے ایک برتن میں پانی آنگن کے وسط میں رکھا رہتا، دیکھا گیا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے تو چڑیاں شور مچانے لگتیں اور حضرت انھیں دانہ دینے کے لیے پکارتے تو سب کی سب اتر پڑتیں اور دانہ چگنے لگتیں، بعض بچے کبھی کسی کام سے اگر حضرت کے آنگن میں آتے اور اپنی فطرت سے مجبور ہو کر چڑیوں کا پیچھا کرتے تو حضرت انھیں منع فرماتے، اگر کسی لمبے سفر میں جانا ہوتا تو حضرت اسی لحاظ سے چڑیوں کے دانے کا انتظام فرما کر جایا کرتے تھے۔

کتّے کا زہر بے اثر:

ایک بار حضرت کو ایک کتّے نے کاٹ کھایا، میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ حضرت! علاج کے لیے کیا ہو گا؟ کتّے نے پنڈلی میں تین دانت لگائے تھے، خون جاری تھا، حضرت نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش رہے، میں نے پھر پوچھا حضرت! علاج کے لیے کیا ہو گا؟ پھر جواب نہ ملا، تو مجھے تشویش ہوئی اس لیے کہ میری عادت تھی کہ جب کوئی بات پوچھتا اور تسلی بخش جواب نہ ملتا تو میرا اصرار بڑھ جاتا اور حضرت کی عنایات نے اتنا زیادہ جری کر دیا تھا کہ بار بار پوچھتا رہتا تھا، تیسری بار پوچھنے پر فرمایا: ”محمد حسین! مجھے کتّے کا زہر اثر نہیں کرے گا، آپ جانتے ہیں کہ اسپرٹ کی وجہ سے انجکشن میں لگواتا نہیں، اللہ شفا دے گا“۔ زخم رفتہ رفتہ ٹھیک ہو گیا، چار ماہ بعد

حضرت نے ایک جلسہ میں فرمایا کہ کتّا زہریلا تھا مگر اللہ کے فضل سے کچھ نہ ہوا۔

پینے کا تعویذ:

حضرت بذات خود کوئی جھاڑ پھونک کرنے والے ملّا جی نہ تھے، مگر حضرت کے تعویذ میں وہ اثر انگیزی تھی کہ ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچا، تعویذ لینے والوں کے لیے ویسے تو کوئی وقت مقرر نہ تھا، جب موقع دیکھا در آئے، یا بلا موقع بھی مسلط ہو گئے، حضرت درس و تدریس اور دیگر مشاغل سے خالی ہوتے تو اکثر تعویذ لکھتے رہتے اور بہت سے نقوش کے علاوہ حضرت پینے کے لیے ایک مخصوص تعویذ تحریر فرماتے تھے، جو ہر قسم کی اندرونی خرابیوں کے لیے عموماً اور سحر جادو۔۔۔ قلب وغیرہ میں بے حد مجرب ہے، اس تعویذ کی مقبولیت اور پذیرائی کا یہ عالم کہ حضرت حافظ ملت کے بہت سے تلامذہ ہر ماہ درجنوں تعویذ منگوایا کرتے تھے اور حاجت مندوں کو تقسیم کیا کرتے تھے، یہ تعویذ زعفران سے لکھا جاتا تھا جو ہر ماہ کا ایک خرچ تھا مگر حضرت نے کبھی بھی کسی تعویذ پر کسی سے کوئی معاوضہ نہ لیا، دیہاتوں میں ہی نہیں شہروں میں بھی یہ رواج ہے کہ نکاح پڑھانے والے قاضی کو کچھ روپے بطور نذرانہ دیے جاتے ہیں، بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ میں نے خود حضرت کو دیکھا کہ اس موقع پر روپے پیش کیے گئے اور حضرت نے انکار کر دیا اور اگر اس وقت کوئی طالب علم موجود ہوتا تو وہ رقم اسے دلوا دیتے یا مدرسہ کے نام بھیجوا دیا کرتے، اخیر سالوں میں یہ حال تھا کہ ایک ایک ہفتہ میں کئی کئی سو تعویذ لکھنے پڑتے، حضرت اکثر جمعہ کی نماز کے بعد اپنی بیٹھک میں تشریف لاتے اور لوگوں کو تعویذ تقسیم کیا کرتے تھے، آخری دنوں میں جب مصروفیت بہت زیادہ بڑھ گئی، اس وقت بھی یہ معمول جاری تھا، البتہ جب علالت زیادہ ہوئی اور معذور ہوئے تو جناب مولانا نصیر الدین صاحب مصباحی مدرس الجامعۃ الاشرفیہ کو یہ کام سونپا، الحمدللہ حضرت کی خاص توجہ کے نتیجہ میں مولانا موصوف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تعویذات بھی حضرت ہی کی طرح مجرب و مفید ہیں، مولانا کے بارے میں حضرت نے فرمایا: ”یہ میری آخری یادگار ہیں“۔

انداز ہدایت:

سگریٹ وغیرہ کو حضرت ناپسند فرماتے تھے، لیکن کسی قریبی شخص کے متعلق حضرت پر جب یہ بات کھل جاتی تو فرماتے: ”لوگ پیسے میں آگ لگاتے ہیں اور اس کے دھوئیں سے لطف لیتے ہیں، میاں! ماں باپ پیسے اس لیے نہیں دیتے کہ فضول کاموں میں خرچ کیا جائے“۔

جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کا واقعہ:

جناب حاجی محمد عمر صاحب مرحوم مدرسہ اشرفیہ کے بے لوث خادم تھے، حضرت جس وقت مبارک پور تشریف لائے حاجی صاحب کو دینی کاموں میں ذمہ دارانہ دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا، جامع مسجد راجہ مبارک شاہ بھی پہلے مختصر ہی تھی اور بوسیدہ بھی ہو گئی تھی، آبادی کی وسعت کے لحاظ سے مسجد کا وسیع ہونا بھی ضروری تھا، بہر حال کام میں ہاتھ لگ گیا اور پرانی مسجد شہید کر کے نئی بنیادیں بھری گئیں اور خوب اونچی کرسی پر مسجد کا کام شروع ہوا، مبارک پور کے مسلمانوں نے بڑی دلچسپی اور لگن کے ساتھ اس تعمیر میں بھی حصّہ لیا، حضرت حافظ ملّت اس کام کے بھی رہنما اور سربراہ تھے، حضرت نے جامع مسجد کے لیے پوری توجہ اور محنت سے چندہ کی فراہمی کی، مبارک پور میں کافی جوش و خروش تھا، غربت کے باوجود مسلمان اپنی مذہبی حمیت کا پورا پورا ثبوت دے رہے تھے، مردوں نے اپنی کمائی اور عورتوں نے اپنے جسم کے زیورات وغیرہ سے امداد کی، تعمیر جس بلند پیمانہ پر شروع ہوئی اس کا ہیکل سامنے ہے، اتنی بلند و بالا عمارت کی دیواریں اور ستون مکمل ہوئے اور چھت پڑنے کے بعد حاجی عمر صاحب دوڑے ہوئے حضرت کے پاس آئے وہ نہایت درجہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں تھے اور کہا: حافظ صاحب! جامع مسجد کی چھت نیچے آرہی ہے، اب کیا ہوگا؟ یہ کہتے کہتے رو پڑے، حضرت فوراً اٹھے اور حاجی صاحب کے ساتھ گھر سے باہر نکلے، وضو کیا اور اپنے پڑوسی خان محمد صاحب کو ہمراہ لیا، جامع مسجد پہنچ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے لکڑی کی چند بلیاں لگا دیں، الحمد للہ کہ چھت نہ صرف برابر اور درست ہوگئی، بلکہ آج اگر دیکھئے تو یہ پتہ بھی نہ لگ سکے گا کہ کس حصہ کی چھت جھک رہی تھی۔

سنت کا اہتمام:

میں نے اکثر غور کیا کہ حضرت اپنے ہر عمل میں سنت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور اکثر و بیشتر مسنون طریقہ پر کام کرنے کے پابند تھے، ایک بار حضرت کے دائیں پاؤں میں زخم ہوگیا، جس پہ دوا لگانی تھی، ایک صاحب دوا لے کر پہنچے اور کہا: حضرت! دوا حاضر ہے، جاڑے کا زمانہ تھا، حضرت موزہ پہنے ہوئے تھے، حضرت نے پہلے بائیں پاؤں کا موزہ اتارا، وہ صاحب بول پڑے: حضرت! زخم تو داہنے پاؤں میں ہے، آپ نے فرمایا: بائیں پاؤں کا پہلے اتارنا سنت ہے، وضو کرنے کے لیے بیٹھنا ہوتا تو قبلہ رخ بیٹھتے، حضرت کا پاجامہ کبھی اتنا لمبا نہ دیکھا گیا کہ ٹخنہ چھپ جائے اور نہ ہی غیر ضروری طور پر اونچا کہ پنڈلی کھل جائے، سچ تو یہ ہے کہ آپ کی وضع اور لباس کا انداز دیکھ کر شرعی وضع سمجھ میں آجاتی تھی۔

غیر معمولی قوت ارادی:

تعمیر جامعہ کے وقت پہلے کے لحاظ سے زیادہ صحت مند نظر آتے، ایسے دور میں نہ کسی بیماری اور کمزوری کا اظہار ہوتا تھا اور نہ ہی کسی تھکن کا احساس، کانفرنس کے چندہ کا زمانہ بھی ایسا ہی تھا کہ رات کو، آدھی رات، کبھی اس سے بھی زیادہ دیر تک مصروفیت رہتی، صبح سے شام تک حسب معمول مصروف رہتے مگر کبھی ماتھے پہ کثرت کار سے شکن نہیں دیکھی گئی، ہماری یہ حیرت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب آخری ایام میں حضرت کی علالت اور مہلک مرض کی تشخیص سامنے آتی ہے، اللہ اکبر! مرض کا اتنا غلبہ اور حضرت ہیں کہ پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنے کام کی ادائیگی میں منہمک ہیں، بلکہ نت نئی مصروفیات پیدا کرتے ہیں، ایسے عنوانات کو جنم دیتے ہیں جن کی تکمیل کے لیے ایک نہیں دسیوں انسانوں کی مکمل زندگیاں درکار ہیں، اس پر پہنچ کر کوئی عاقل بلا تامل فیصلہ کرتا ہے کہ بلاشک، حافظ ملّت غیر معمولی قوت ارادی اور عزم مستحکم کے پیکر تھے۔

آخری سفر:

ماہ مئی ۱۹۷۶ء کی آخری رات تھی، پونے بارہ کا عمل، گھر پہ کام کی مصروفیت تھی جس میں میں مشغول تھا، فرصت ملی تو چند ثانیہ کے لیے تکیہ سے ٹیک لگا کے لیٹ گیا، ابھی آنکھ لگ رہی تھی کہ ایک جھٹکے سے نیند غائب ہو گئی کان میں آواز آئی حاجی صاحب! حاجی صاحب! جلدی چلیے، حضرت کی حالت بہت خراب ہے، میں نے کہا: کیا بات ہے؟ کسی نے کہا: کوئی باہر سے بلا رہا ہے، فوراً باہر نکلا، تیزی سے بڑھا، کسی نے کہا: جلدی جائیے، حضرت کے مکان میں داخل ہوا تو حضرت کی چار پائی کے گرد کئی آدمی کھڑے تھے، ہٹاتے بچاتے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ حضرت چار پائی پر لیٹے ہیں، سب حاضرین سکتے کے عالم میں کھڑے ہیں کوئی کچھ بول نہیں رہا ہے، میں فوراً حضرت کی نبض پر ہاتھ لے گیا، تو نبض نہیں ملی، میرے سینے سے بے ساختہ ایک ہوک نکلی، لوگ مجھ سے پوچھ رہے ہیں، کیا کیفیت ہے؟ میں نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت اس دنیا سے تشریف لے گئے، اتنا سننا تھا کہ تمام لوگ بے قابو ہو گئے۔

اللہ اکبر:

ع زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

سب بے خودی کے عالم میں تھے، کسی کو دوسروں کی تو کیا خبر، اپنی سدھ نہ تھی، ہماری زندگی میں مبارک پور کی سرزمین پر یہ سب سے عظیم سانحہ تھا جس پر کثرت سے آنسو بہائے گئے اور اظہار غم کیا گیا۔

لے اڑی باد صبا ہر پھول کا رنگ و شباب
اپنے گلشن میں کبھی رنگ خزاں ایسا نہ تھا

رات کو یہ خبر اسی وقت بجلی کی طرح چاروں طرف پھیل گئی، اتفاق کی بات، اس وقت بھائی عبدالحفیظ صاحب گھوسی کے ڈاکٹر صاحب کے پاس طبی مشورہ کے تحت گئے ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ رات کو دس بجے اپنے کمرے سے باہر نکل کر پوچھ رہے تھے کہ مولوی عبدالحفیظ کہاں ہیں؟ مولانا نصیر الدین صاحب نے جواب دیا: حضرت ہی نے انھیں شام کو گھوسی بھیجا ہے، کل وہاں سے بستی کی طرف جانے کا پروگرام ہے، یہ جواب سن کر حضرت نے فرمایا تھا: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان کا انتظار نہ کروں''، یہ فرماتے ہوئے کمرہ میں جاکر دروازہ بند کر دیا اور اس کے دو گھنٹہ بعد حضرت کی رحلت کا سانحہ ہوا، موٹر سائیکل سے حضرت کے معتقد خاص جناب سیٹھ محمد نعمان صاحب مبارک پوری فوراً گھوسی گئے، مولانا عبدالحفیظ بھائی کو ساتھ لائے، اسی وقت ایک آدمی بنارس پہنچا اور تمام اہم مقامات پر ٹیلی گرام کے ذریعہ اطلاع کر دی گئی، دوسرے روز ریڈیو سے بھی اعلان کر دیا گیا، اس طرح جمشید پور اور مراد آباد وغیرہ تک کے لوگوں کو جنازہ میں شرکت کا موقع مل گیا۔

صبح سے شام تک حضرت کی اقامت گاہ کے پاس ہی جنگلے کے اندر چار پائی پہ جنازہ رکھا رہا اور صبح سے لے کر شام تک لاکھ سے زائد آدمیوں نے اس عظیم رہنما کی زیارت کی، ان میں ہر فرقہ اور مذہب کے لوگ تھے، بھیڑ اتنی زیادہ تھی کہ بانس باندھ کر ایک طرف سے آنے اور دوسری طرف سے جانے کے لیے راستہ بنا دیا گیا تھا، بعد نماز فجر جس جگہ وصال ہوا تھا اسی جگہ تختہ پر غسل دیا گیا، وصیت کے مطابق حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب، مولانا غلام محمد صاحب اور مولانا عبدالحفیظ صاحب نے غسل دیا، جناب حاجی سلامت اللہ صاحب پانی دیتے رہے، غسل کے بعد مولانا محمد شفیع صاحب، جناب بیکل صاحب، ڈاکٹر عبدالمجید صاحب اور راقم الحروف نے مل کر حضرت کو کفن پہنایا، حضرت کا جنازہ بتیس گھنٹہ رکھا رہا اس کے باوجود معلوم ہوتا تھا کہ پورے جسم میں خون رواں ہے، نہ کہیں زردی، نہ سفیدی، اس روز میں نے ایک ولی کی شان کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، وصال کے بعد ایک خاص قسم کی چمک چہرہ پر ظاہر تھی جسے صرف میری ہی آنکھوں نے نہیں بلکہ ہر دیکھنے والی آنکھ نے واضح طور پر محسوس کیا۔

جنازہ کا جلوس:

کفن پہنانے کے بعد جب جنازہ اٹھایا گیا اسی وقت سے کاندھا ملنا دشوار ہو گیا، باوجودیکہ ہم لوگ بالکل

قریب تھے مگر اس سعادت سے محروم رہے اور بہ ہزار کوشش چار پائی کے پائے تک ہاتھ نہ پہنچا، البتہ دھکا کھاکر جنازہ کے نیچے ضرور پہنچ گئے، اس وقت میں نے دیکھا کہ بیکل صاحب اور مولانا شفیع صاحب بھی کاندھا دینے کی خواہش میں ریلے کے اندر پہنچ گئے ہیں، باہر اتنا ہجوم کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، چند منٹ قیام گاہ کے سامنے چبوترہ پر جنازہ رکھا رہا، پھر اٹھا اور دارالعلوم اشرفیہ کی عمارت " باغ فردوس " میں لے جایا گیا، چند منٹ اندر آنگن میں رکھ کر نکالا گیا اور الجامعۃ الاشرفیہ کی طرف روانہ ہوا، آبادی سے باہر نکلنے پر محسوس ہوا کہ مبارک پور سے یونیورسٹی تک تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر تک انسانوں کا ایک سمندر ہے جو لہریں لے رہا ہے، اور انسانی کاندھوں پر کالی چادر میں ملبوس ایک عاشق خدا اور دیوانۂ رسول، وصال محبوب کے لیے چلا جا رہا ہے، اللہ اللہ! ایسا دولھا ہے کہ بلا نوید و پیغام اس کی بارات میں شرکت کے لیے جوق در جوق، ہزارہا ہزار براتی ہندوستان کے دور دراز شہروں سے چلے آرہے ہیں، انجمنوں کے لاؤڈ اسپیکروں سے "لا إله إلا الله محمد رسول الله "کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، پورا ماحول اور مکمل فضا ایک عجیب کیفیت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

علما و مشایخ، صوفیہ و سجادگان اور طلبہ نیز عامۃ المسلین میں بوڑھے جوان اور بچے دیوانہ وار ٹوٹے پڑ رہے ہیں، ایک گھنٹہ بعد جنازہ الجامعۃ الاشرفیہ کے دروازہ پر چند منٹ رکھا گیا، پھر اٹھا تو میدان کے مغربی حصہ میں رکھا گیا اور شہزادۂ حافظ ملّت، عزیز ملّت، حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت کے دونوں بھائی حکیم عبدالغفور صاحب، حافظ عبدالرشید صاحب اور مولانا عبدالحفیظ صاحب نیز حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرف صاحب کچھوچھہ شریف، حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ صاحب و مولانا محمد شفیع صاحب نے قبر میں جنازہ اتارا، اس طرح علم و فضل، طہارت و پاکیزگی، اخلاص و کرم، ایثار و قربانی کے اس عظیم پیکر کو دفن کر دیا گیا۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

کارنامے

حافظ ناموس ملت

مولانا قمر الزماں اعظمی سکریٹری، دی ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ

تعارف مقالہ نگار:

آپ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے عظیم شاگردوں میں سے ہیں۔

ولادت: ۲۳؍ مارچ ۱۹۴۶ء کو خالص پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ انوارالعلوم جین پور میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم اشرفیہ آگئے، ۱۹۶۳ء میں عالمیت کی سند حاصل کی اور ۱۹۶۶ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

خدمات: عالمیت کے بعد ہی چند مہینوں کے لیے عزیز العلوم نان پارہ ضلع بہرائچ میں تدریسی فریضہ انجام دیا، بعد فراغت حضور حافظ ملت کے حکم پر ضلع فیض آباد گئے، جہاں ایک درخت کے سایے میں درس کا آغاز کیا ساتھ ہی خطابت کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کرتے رہے نتیجۃً اس وقت کے پرھان کے ذریعے زمین کا انتظام ہوا جہاں آج الجامعۃ الاسلامیہ کی عمارت مشہور ہے۔ ۱۹۷۴ء میں چند ماہ کا تبلیغی دورہ کیا اور ۱۹۸۰ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے، آپ کی تصنیفات ایک درجن سے زیادہ ہیں۔

استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کے ایک عظیم معمار تھے، جنھوں نے کم و بیش نصف صدی تک اسلامیانِ ہند کو باطل کے مسلسل حملوں سے بچائے رکھا اور وصال سے قبل ملت کے گرد ایک ایسا حصار قائم فرما گئے، جو رہتی دنیا تک ناقابل شکست رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ.

حوادث، انقلابات، تغیرات، عالم کی ناگزیر قدریں ہیں جو عالم اور اہل عالم کو ہمیشہ در پیش آئیں گی، ملک ٹوٹتے اور متحد ہوتے رہیں گے، قومیں ابھرتی اور مٹتی رہیں گی، تہذیبیں بلند و پست ہوتی رہیں گی، صفحۂ زمین پر سیاسی، معاشی اور ثقافتی اعتبار سے نئے نئے جغرافیائی نقشے ابھرتے رہیں گے، مگر دلوں کی دنیا میں حضور

حافظ ملّت کی ذات نے جو نقوش ثبت فرمائے ہیں وہ ناقابل شکست و ریخت ہیں، انسان کی روحانی زندگی کے گرد جو حصار قائم فرما گئے ہیں وہ ہمیشہ باقی رہے گا، روحانیت کے اس پیکر محسوس نے روح کی زندگی کے لیے جو لافانی اقدامات کیے ہیں وہ قیامت تک صالح اور سعید روحوں کے لیے وجہ تسکین اور حاصلِ نشاط رہیں گے۔

حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک ایسے دور میں پیدا ہوئے تھے جب کہ دنیا کا سب سے عظیم مذہب سب سے مظلوم مذہب تھا اور دنیا کی سب سے عظیم قوم مسلسل شکستوں اور پیہم ہزیمتوں سے عاجز آکر حالات کے رحم و کرم پر تھی، مسلمانوں کے سیاسی زوال نے نہ صرف یہ کہ اس قوم سے قوت عمل چھین لی تھی بلکہ مذہب اسلام نے اسے جو احساس برتری بخشا تھا وہ احساس کم تری میں تبدیل ہو گیا تھا، جو لوگ اسلام کی عظمتوں سے آشنا تھے وہ صرف نوحہ کناں اور مرثیہ خواں تھے اور حالات کے مدوجزر کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کو مایوسیوں کے علاوہ کامیابی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دے رہی تھی، دریں حالات برصغیر میں کچھ مصلحین اٹھے مگر چونکہ وہ لوگ خود فریب خوردہ حالات تھے اس لیے بجاے اسلام کی طرف دعوت دینے کے مغربیت کی طرف دعوت دینے لگے، اور انھوں نے مستقبل کی کامیابیوں کے امکانات صرف اس بات میں پائے کہ پوری قوم مغرب کی ذہنی، فکری اور ثقافتی غلامی اختیار کرلے، اور اس سلسلے میں انھوں نے بے پناہ محنت کی اور پورے اخلاص کے ساتھ محنت کی، لیکن ان کوششوں کے نتیجے میں جو لوگ سامنے آئے وہ پوری طرح سے شاطرانِ مغرب کی بساط، لہو و لعب کے مہرہ کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے ان کی جدوجہد اور سعی پیہم کا محور برصغیر میں مغربی اقدار حیات کا تحفظ اور پوری قوم مسلم کو اسلام سے دور کر کے مغرب کی چوکھٹ پر سجدہ ریزی کے لیے تیار کرنا تھا۔

انھوں نے درس گاہیں قائم کیں مگر ان درس گاہوں سے افکار اسلامیہ کا تحفظ کرنے والوں کے بجاے، ایسے لوگ فارغ التحصیل ہوئے جن کے دل و دماغ پر مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی، اور سطوتِ اسلام کے سامنے سرخمیدہ ہونے کے بجاے، اسلام سے بغاوت پر آمادہ ہو چکے تھے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض تو اس قدر جری ثابت ہوئے کہ انھوں نے اسلام کو فرسودہ نظریات و عقائد کا مذہب قرار دیا، ان کے نزدیک نجات یا تو تقلید مغرب میں تھی یا کارل مارکس کے معاشی نظریات میں، یہی وجہ ہے کہ ایسی درس گاہوں کے مسلم طلبہ دو حصوں میں بٹ گئے: کچھ ابراہام لنکن کی جمہوریت کے علم بردار تھے اور کچھ کارل مارکس کی اشتراکیت کے، لیکن ایک سو سال کی تدریسی اور تعلیمی زندگی میں وہ درس گاہیں ایسے چند افراد بھی پیدا نہ کر سکیں جو اسلامی نظام زندگی پر پورا یقین رکھتے ہوں اور جو اس ذہن و فکر کے ساتھ دنیا کی قیادت کے لیے آگے بڑھیں

کہ انسانیت کی فلاح وبقااور پوری دنیا کے جملہ مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام میں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ خالص اسلامی درس گاہوں سے ایسے لوگ کیوں پیدا ہونے لگے جن کے نظریات، معتقداتِ اسلامیہ سے متصادم تھے، اور جو مذہب کی آغوش میں پل کر بھی مذہب کے باغی اور ملحدانہ نظریات وخیالات کے حامل تھے۔

بظاہر یہ سوال بہت اہم ہے، لیکن اگر ہم ان درس گاہوں کے بانیوں اور قائدوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں اور ان کی تصنیفات کو بہ نظر عمیق پڑھیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گی کہ در اصل قیادت غیر صالح تھی، اور مرکزی قائدین ہی اسلام کے بارے میں ریب وتذبذب کے شکار تھے، اور مغربی افکارو نظریات کے مقابلے میں ان کا انداز، معذرت خواہانہ تھا، وہ ایسے اسلام کو پیش کرنا چاہتے تھے جو مغرب کے نزدیک قابل قبول ہو، خواہ اس سلسلے میں انھیں روح مذہب ہی کو کیوں نہ قتل کرنا پڑے، چناں چہ ایک بہت بڑی درس گاہ کے بانی جب مغربی ممالک کے سفر سے واپس آئے تو اپنے ساتھ مستشرقین یورپ کے اعتراضات کا ایک انبار لائے اور بجاے اس کے کہ وہ ان کا جواب اسلام کے اصولوں کی روشنی میں دیتے، انھوں نے نفس اسلام ہی کو بدل دینے کی کوشش کی، قرآن عظیم کی وہ تمام آیات شریفہ جو معجزات یا خارق عادات واقعات کو سمیٹے ہوئے ہیں، ان کی مادی توجیہ کرڈالی، فرشتوں کو نفس ناطقہ کی ترقی یافتہ اور محسوس شکل قرار دیا، الہام اور وحی کو فکر انسانی کی نفیس ترین شکل اور واردات ذہنی سے تعبیر کیا، جیسے کہ کسی شاعر کے پردۂ ذہن پر ایک خوبصورت شعر پورا کا پورا ابھر آتا ہے ایسے ہی نبی کے ذہن نبوت پر آیات قرآنیہ کا نزول ہوتا ہے۔

ضرب موسیٰ اور انفجار عیون کا مفہوم انھوں نے یہ سمجھا یا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر پہاڑ پر چلے گئے اور وہاں انھوں نے بارہ چشمے جاری پائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاے موتیٰ کے بارے میں یہ رائے دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ دلوں کو زندگی دیتے تھے اور بس، شفاے مبروص کے بارے میں یہ ذہن دینے کی کوشش کی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مبروصوں کو دربارہ انسانی سوسائٹی میں جگہ دی جنھیں انسانوں نے نفرت کی بنا پر اپنی آبادیوں سے باہر نکال دیا تھا، شق صدر کی تشریح شرح صدر سے کی، معجزہ شق القمر کی روایتوں کو ضعیف قرار دے کر، تاریخی اعتبار سے نا قابل اعتبار بنا کر پیش کیا، معراج جسمانی کو خواب محض بنا کر پیش کرنے پر پورا زور قلم صرف کرتے ہوئے، سیکڑوں صفحات سیاہ کرڈالے، جنت و دوزخ کو غیر موجود قرار دیا، اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی جملہ تشریحات کو قیامت کے بعد وجود پذیر ہونے والی

جنت و دوزخ کا امکانی خاکہ قرار دیا وغیرہ وغیرہ۔

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے ورنہ اگر آپ دیکھیں تو صرف باب معجزات و خارق عادات ہی میں نہیں، بلکہ زندگی کے ہر اس شعبے میں انھوں نے ترمیم کرنے کی کوشش کی جو مغربی تہذیب سے مختلف تھا، جسے مغرب کی مادی عقل قبول کرنے سے انکار کر رہی تھی، وہ طلبہ جوان تحریروں کو پڑھ رہے تھے وہ اس کے نفسیاتی حملوں سے خود کو نہ بچا سکے، انھوں نے یہ تاثر لیا کہ یہ اسلام کے ایک ریفارمر کا انداز تحریر ہے جو مغرب کے مادہ پرستوں کے سامنے اس قدر بے بس ہے کہ نہ صرف اسلام کے چودہ سو سالہ انداز فکر اور معتقدات کی نفی کر رہا ہے، بلکہ عذر بھی پیش کر رہا ہے کہ اسلام تم سے علاحدہ کسی مستقل حیثیت کا مالک نہیں، یہ تو مسلمانوں کے مفسرین، مجتہدین، ائمہ اور ارباب عزیمت کی (معاذ اللہ) کوتاہ نظری ہے کہ انھوں نے اسلام کو ایک منفرد نظام زندگی اور علاحدہ نظام حیات اور کامل ترین دستور العمل بنا کر پیش کیا، ورنہ ہمارا اپنا کوئی تشخص نہیں، موجودہ تہذیبِ مغرب تو دراصل اسلام ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے، مذہب سے ناآشنا ذہنوں نے سوچا کہ جب تہذیب مغرب اسلام کی ترقی یافتہ شکل ہے تو ترقی یافتہ کو چھوڑ کر پسماندہ کو کیوں قبول کیا جائے؟

ان درس گاہوں کے طلبہ کا ایک اور گروہ، جو اپنے مخصوص رجحان فکر اور سیلان طبع کی بنا پر مغرب کا ہمنوا نہ ہو سکا، وہ اشتراکیت کی آغوش میں چلا گیا، جو مغربی دنیا کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر ایک نیا اقتصادی اور معاشرتی نظام پیش کر رہی تھی، جو مغرب کے سامنے معذرت خواہ نہیں تھی، ایسی صورت میں اس فکر اسلامی کا علمبردار کون ہوتا جس کا اپنا کوئی مستقل وجود نہیں اور جو کچھ تھا وہ مغرب کے رحم و کرم پر تھا۔

چناں چہ کم و بیش ایک صدی تک ان درس گاہوں سے ملحدین، مادہ پرست اور اشتراکی جنم لیتے رہے اور مسلم سرمائے سے قائم کردہ درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے، اور اپنی تحریروں، تقریروں سے کارل مارکس لینن، اور اسٹالن کے نظریات کی اشاعت کرتے رہے یہاں تک کہ پورا اردو ادب جو عربی و فارسی کے بعد اسلامی نظریات کا سب سے زیادہ امین تھا، اشتراکی فکر کا علمبردار ہو گیا، اور بعض اعتبار سے اب بھی ہے، ایک طرف مسلم درس گاہوں کا یہ عالم تھا، دوسری طرف مسلم تحریکوں کا جائزہ لیں تو یہاں بھی مایوسیوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں آتا، بعض تحریکیں مغرب کی تحریکوں کا چربہ تھیں جو روح اسلامی سے یکسر خالی تھیں، دوسرے لفظوں میں جسم مغرب کو ڈھاکنے کے لیے اسلامی لباس پہنانے کی کوشش کی گئی تھی، ان تحریکوں کے قائدین قرآن و حدیث کو اسلاف کی نگاہوں سے پڑھنے کے بجائے مغرب کی عینک سے پڑھنے کے عادی تھے اور اسی

طرح سے مسلمانان عالم کولاشعوری طور پر اغیار کے آستانوں پر جھکانے کی کوشش کر رہے تھے۔
بعض مذہبی تحریکیں مذہب کو جس انداز سے پیش کر رہی تھیں اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ مذہب صرف چند مخصوص اعمال کے مجموعے کا نام ہے، مذہب کسی اجتماعی معاشرے کا ابدی نظام نہیں انھوں نے اپنے رفقاے راہ کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ مذہب دراصل ایک مخصوص قسم کی چلت، پھرت کا نام ہے اور اسی سے ہم دنیا کے تمام سیاسی، تمدنی اور معاشرتی معرکے سر کرلیں گے، انھوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر صرف یہی کوشش نہیں کی کہ مسلمانوں کو جدوجہد اور حرکت وعمل سے روکا جائے، بلکہ ایسا ماحول تیار کیا جائے کہ مسلمانوں کو دنیا کی ترقیوں کا علم ہی نہ ہو سکے، اور مذہب کو کہاں سے ضرب لگائی جا رہی ہے، اس کے مطالعہ کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔
ماضی میں کم از کم اتنا تو ہوتا تھا کہ علماے کرام تاجداروں سے تعلقات رکھتے تھے اور ان کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے رہتے تھے، انھیں مفید مشورے دیتے تھے، ان کے اندر خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور احتساب یوم الدین کو ملحوظ رکھ کر قوم کو آگے بڑھانے کی تلقین کرتے تھے، مگر اب تو یہ حال ہو گیا ہے کہ مسلم معاشرہ اور زعماے معاشرہ کہاں کہاں غلطیاں کر رہے ہیں؟ معاشرہ کس طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے؟ اور کون سے محرکات ہیں جن کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ سے مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے؟ ان خامیوں کا جائزہ لینا ہی بنام مذہب جینے والوں کے لیے دشوار ہو گیا ہے۔
حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب قوم کی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو ان کے ارد گرد وہی ماحول تھا جس کا تذکرہ میں مندرجہ بالا سطور میں کر چکا ہوں، ان کا احساسِ دل، قوم کی اس حالت پر خون کے آنسو روتا رہا اور ان کی سیکڑوں راتیں قوم کی اس حالت پر گریہ کناں گذریں، شب کی عبادتوں میں وہ اپنے سوز دروں کے پیش نظر قوم مسلم کی صلاح وفلاح کے لیے دعائیں کرتے اور جب سپیدہ سحری نمودار ہوتا تو ایک آہ سحر گاہی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے؛ تاکہ قوم و ملّت کی تعمیر کر سکیں، ان کی مومنانہ بصیرت نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ قوم و ملّت کو سب سے زیادہ نقصان تعلیم و تربیت کی راہ سے پہنچایا جا رہا ہے، اب باطل کے حملوں کا انداز بدل گیا ہے، پہلے باطل شمشیر بکف آتا تھا اس لیے اس کے مقابلے میں شمشیر بکف مجاہدین کی ضرورت تھی، مگر اب زیور فکر و فن سے آراستہ ہو کر نظریات اسلامی کی سرحدوں پر تاخت و تاراج کے لیے بڑھ رہا ہے، اب ضرورت ہے ایسے بیدار مغز اور پختہ کار علما اور مصلحین کی، جو اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں،

خواہ وہ حملہ سوشلزم اور کمیونزم کی جانب سے ہو، خواہ الحاد و بے دینی کی طرف سے، خواہ مادہ پرستوں کی جانب سے ہو، خواہ مغرب زدہ انسانوں کی جانب سے، داخلی محاذ ہو یا خارجی محاذ ہو، ہر محاذ پر باطل کا مقابلہ کر سکیں،

یہی وجہ تھی کہ آپ نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کو پورے عالم اسلام کی ایک مثالی درسگاہ بنانے کے لیے اپنی زندگی وقف فرمادی، آپ نے مدرسہ کی تعلیم و ترقی کی راہ میں بے پناہ مشقتیں برداشت کیں، تعمیر ملت کی راہ میں اہل حق کو ہر دور میں مشکلات و مصائب کی جن منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے، حضور حافظ ملّت ان تمام منازل سے گذرے، آپ نے ہر طرح کی قربانیاں دیں، قوم کو تعمیری راہ پر لگانے کے لیے زبان و قلم کی توانائیاں صرف کیں، ان کے اندر عشق رسول کی شمع روشن کرنے کے لیے جسمانی مشقتیں جھیلیں، باطل کے مقابلے میں صبر و استقلال، ثبات و وقار عطا فرمانے کے لیے اپنے وجود مقدس کو، ہر طرح سے، ہر محاذ پر، سب سے آگے رکھا، قوم کے اندر باطل قوتوں کے خلاف مدافعانہ جذبات بیدار کرنے کے لیے، مصائب و آلام کے مقابلے میں سینہ سپر رہے، غریب قوم کو ایثار و قربانی پر مائل کرنے کے لیے فاقہ کشی کی زحمتیں برداشت کیں، اساتذہ کے اندر دنیاوی مطالبات سے بلند ہو کر دین کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے خود زندگی کے جملہ معاشی مطالبات سے دست بردار رہے، طلبہ کے اندر زہد و اتقا پیدا کرنے کے لیے آپ اپنی فطرت سلیمہ کے مطابق ہمیشہ پابند شریعت و سنت مصطفیٰ رہے، لوگ آداب و شریعت کتابوں میں پڑھ کر جانتے ہیں، مگر حضور حافظ ملّت کی حیات مقدسہ شریعت مطہرہ کی ایک روشن کتاب تھی جسے دیکھ کر لوگ قانون زندگی اور دستور حیات سیکھتے تھے۔

ایسے ماحول میں جہاں رخصتیں تلاش کی جاتیں تھیں، آپ ہمیشہ پابند عزیمت رہے، تاکہ ان کے طلبہ اور ان کے خوشہ چیں، ان کی عزیمتوں سے استفادہ کر کے مستقبل میں ایک نئی تاریخ دعوت و عزیمت مرتب کر سکیں جو ایثار، اخلاص، للّٰہیت، زہد و اتقا اور آلام و مصائب پر ثبات و استقلال سے بھرپور ہو۔ آپ نے سرفروشان ملّت اسلامیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک ایسے قصبے کا انتخاب فرمایا، جو ابھی تک ہر طرح کی غیر دینی آلائشوں سے پاک تھا، جہاں کے لوگ غریب تھے اور سرمایہ سے زیادہ خون جگر پیش کر سکتے تھے، مگر اشرفیہ کے ارتقا کی تاریخ شاہد ہے کہ غربائے مبارک پور نے حضور حافظ ملّت کی قیادت میں اپنا مال و زر بھی پیش کیا اور خون جگر بھی، اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ اشرفیہ دارالعلوم اشرفیہ کی صورت میں درس نظامیہ کی سب سے عظیم اور سب سے معیاری درسگاہ بن گیا اور یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ نے مبارک پور کو بغداد، قرطبہ، طلیطلہ، قاہرہ، شیراز، اصفہان، سمرقند و بخارا اور دہلی کی قدیم درس گاہوں کے ہم دوش کر دیا۔

ممکن ہے کوئی شخص کمیت کے بارے میں شبہہ کرے مگر کیفیت کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان کے ۷/کروڑ مسلمانوں میں سے کم ازکم پانچ کروڑ مسلمانوں کی دینی ضروریات کا واحد کفیل الجامعۃ الاشرفیہ ہے۔

حضور حافظ ملّت کی آغوش تربیت میں پروان چڑھنے والے طلبہ نے، زندگی کے جس میدان میں قدم رکھا کامیابیوں نے ان کے قدم چومے، دارالعلوم اشرفیہ کے علما نے ملت کو حقیقی اسلام کی طرف دعوت دی، ان کے خطبات اور تقریریں ایک طرف رسول کے نظامِ رحمت کی طرف دعوت کا آئینہ دار ہوتیں، تو دوسری طرف ان تمام حریف قوتوں کا دندان شکن جواب بھی ہوتی ہیں جو صدیوں سے مسلمانوں کی بیخ کنی میں مصروف ہیں، وہ اگر ایک طرف اسلام کا نظامِ عبادت وطاعت پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کا ثقافتی اور مدنی نظام، ایک طرف ان کی تقریروں اور تحریروں سے اسلام کے معاشی نظام کے حقائق سامنے آتے ہیں تو دوسری طرف اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام، اگر ایک طرف سیاست اسلامیہ عصر جدید کی زندہ حقیقت بن کر نمودار ہوتی ہے، تو دوسری طرف وہ اسلام کے ماضی کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ صرف مرثیہ نہ بن جائے، بلکہ مستقبل کی راہوں میں امیدوں کے چراغ روشن کرے، ان کا شعور تنقید اسلام کی مخالف طاقتوں سے بے خبر نہیں ہے، اگر ایک طرف قرون اولیٰ کے معتزلہ اور خوارج کی خبر لیتے ہیں تو دوسری طرف عصر جدید کے مشترقینِ یورپ کی تحریریں ان کی زد میں ہیں۔

عصر جدید کے ملحدین، مرتدین، مادیین نے بار بار برملا اعتراف کیا ہے کہ علماے اشرفیہ کی موجودگی میں ہمارا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، یہ سب حضور حافظ ملّت کے طریقۂ تعلیم وتربیت کا اثر ہے جنھوں نے بے شمار ناقابل التفات افراد کو اس قابل بنا دیا کہ وہ آج مرجع عوام وخواص ہیں، خداے قدیر وجبار نے اس محسن ملّت کو اس قدر جوہر شناس نگاہ بخشی تھی کہ وہ مٹی میں ملے ہوئے ناتراشیدہ پتھروں کے اندر پوشیدہ جواہر کو پہچان لیتے تھے وہ انھیں زمین سے اٹھا کر اس تربیت گاہ میں لے جاتے جہاں سے نکلنے والے، ہمیشہ ارباب علم وفضل سے خراج تحسین وصول کرتے رہیں گے۔

حضور حافظ ملّت علیہ الرحمۃ والرضوان کے طریقۂ تعلیم وتربیت پر ایک مستقل تصنیف ہونی چاہیے۔ مختصر سا رسالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا، ان کی تعلیم وتربیت کے چند بنیادی عناصر ضبط تحریر میں لا رہا ہوں جس کی تائید ان کے تمام طلبہ کریں گے إن شاء اللہ:

آج کی یونیورسٹی اور کالجوں میں یہ طریقۂ تدریس رائج ہے کہ استاذ متعلقہ موضوع پر تیار ہوکر آتا ہے اور

اپنی تحریر کی مدد سے ایک لکچر دیتا ہے جسے طلبہ ذہن میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور قید تحریر میں لاتے ہیں، یہ اس لیے ہوتا ہے کہ طلبہ کتابی نہ بنیں اور زندگی بھر لکیریں ہی نہ پیٹتے رہیں، بلکہ وہ درسی کتابوں سے ہٹ کر بھی مطالعہ کی عادت ڈالیں اور وہ موضوع کے پابند رہیں کتابوں کے نہیں، اس لیے کہ کتب درسیہ رہ نمائے منزلِ علم ہیں منزل نہیں، حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیشہ لفظ بلفظ ترجمہ سے احتراز فرمایا بلکہ کتاب اور مبحث کو سامنے رکھ کر ایک ایسی تقریر فرماتے تھے جو موضوع کی تمام جزئیات اور کتاب کی عبارت کو حاوی ہوتی تھی، اور طلبہ کے ذہنوں میں علم کا ایک خزانہ منتقل کر دیتی تھی، ان کے اس طریقۂ تدریس نے طلبہ کو مطالعہ کا پابند بنا دیا تھا اور بہت کم طلبہ ان کی مجلس درس میں بغیر مطالعہ کے شریک ہوتے تھے۔

حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے جو اپنے مطالعے کی روشنی میں ان سے سوالات کرتے تھے، حضرت کی پوری تدریسی زندگی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں دی جا سکتی کہ آپ نے سوال کو نظر انداز فرما دیا ہو، یا سائل طالب علم پر برہمی کا اظہار فرمایا ہو، اس کے برعکس جب کوئی طالب علم سوال کرتا تھا تو آپ کے چہرے پر بے پایاں مسرت کے آثار صاف نمایاں ہوتے تھے اور ایسے جملے ارشاد فرماتے جس سے بے زبان طالب علم کو زبان مل جائے اور اس کی خوابیدہ ذہنی صلاحیتیں بیدار ہو جائیں، کبھی کبھی ارشاد فرمایا کرتے تھے: "سوالات ذہنِ بیدار کی علامت ہیں"۔

اس کے برعکس میں نے ہندوستان کی ایک مشہور درسگاہ میں جب ترمذی شریف کے درس کے موقع پر پے در پے دو سوال کر ڈالے تو مجھے یہ کہ کر محروم جواب رکھا گیا کہ اس طرح ہم نصاب مکمل نہ کر سکیں گے، اس وقت حضور حافظ ملّت کی یاد اس شدت سے آتی تھی کہ آنسو چھلک پڑتے تھے، حضور حافظ ملّت کی تدریس کی یہی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے ان کا ہر شاگرد جرأت مند، باوقار، اور پُر اعتماد ہوتا تھا، اور کسی بھی مسئلے میں شک و شبہہ کا شکار نہیں ہوتا اور غالباً اس کا یہی اعتماد اس کو بڑے سے بڑے میدان علم میں تنہا اترنے پر آمادہ کرتا ہے۔

حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیشہ طلبہ کو اس بات کا درس دیا کہ حق بات ضرور کہو، خواہ اس کے لیے کتنے ہی ابتلا و آزمائش کے مرحلوں سے گذرنا پڑے، أفضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر۔ آپ نے ہمیشہ طالبان علم نبوت کے جائز موقف کی حمایت کی اور مصلحتوں کے سامنے سرنگوں نہ کر کے ہمیشہ ان کی علمی انا اور جذبۂ حق گوئی کو مجروح ہونے سے بچایا، اشرفیہ کی زندگی میں بارہا ایسے مقامات آئے جب طلبہ نے ایسی حق بات برملا کہہ دی جس سے بعض حضرات کے پندار کو ٹھیس پہنچتی تھی، بعض

مصلحت اندیشوں نے طلبہ کے اقدامات کو نقصان دہ قرار دیا، مگر حضور حافظ ملّت نے ہمیشہ مسرت کا اظہار فرمایا، اس لیے کہ ان کی مدبرانہ فراست یہ پسند نہیں فرماتی تھی کہ جن طلبہ کے کاندھوں پر مستقبل قریب میں ملت کی قیادت وامامت کا بوجھ پڑنے والا ہے، ان کو مصلحتوں کا پابند بنا دیا جائے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد مذہبی حالات سب سے زیادہ خراب ہو گئے، پہلے مدارس عربیہ سلاطین اسلام کی مراعات کے زیر سایہ چلتے تھے مگر جب شاہ ہی نہ رہے تو مراعات شاہانہ کہاں سے آئیں؟ چناں چہ اب تک یہ حال ہے کہ زیادہ تر مدارس صدقہ، زکات، اور دیگر رقوم خیر کے سہارے چلتے ہیں، اس لیے کہ اس دور میں مدارس عربیہ کی بقا کا اور کوئی ذریعہ نہیں، مگر اس کا نقصان یہ ہوا کہ قوم کے تعاون سے چلنے والے اداروں میں ایسے قائدین ناپید ہوتے جارہے تھے جو قوم کے افراد کو ان کی غلطیوں پر برملا ٹوک سکتے، یہ احساسِ کمتری اس غلط انداز تربیت کا نتیجہ تھا جو عام درس گاہوں میں پایا جاتا ہے، مگر حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طلبہ کے اندر احساس برتری پیدا فرمایا، قوم کے اندر مہمانان رسول کی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا اور عوام سے مطالبہ فرمایا کہ وہ طلبہ کا احترام کریں، چناں چہ مبارک پور کے عوام نے طلبہ کو اس قدر احترام کی نگاہ سے دیکھا کہ اس کی مثال کہیں سے نہ مل سکے گی۔

ہندوستان کی تمام درسگاہوں میں اساتذہ اور طلبہ کے درمیان خادم و مخدوم کا رشتہ ہوتا ہے، لیکن الجامعۃ الاشرفیہ کے مخدوم گرامی وقار نے اپنے طلبہ کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز تصور فرمایا، اور طلبہ کو اتنی محبت عطا فرمائی کہ وہ اپنے حقیقی والدین کی محبت ان کی عنایتوں پر قربان کر دیں، اپنے ہی شاگردوں کو "مولانا" کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی اشرفیہ کے جملہ اساتذہ اپنے طلبہ کو اسی طرح یاد کرتے ہیں جس طرح حضور حافظ ملّت یاد فرمایا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ ساری عنایتیں صرف اس لیے تھیں کہ مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے بضاعتی کو محسوس کر کے احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائیں، بلکہ وہ جس راہ کے مسافر ہیں اس راہ کی عظمت کے پیش نظر خود کو خیر امت کی حیثیت سے پیش کرنے کے لیے تیار ہوں اور ان کے اندر قائدانہ صلاحیتیں بیدار ہوں، وہ اتنے باوقار بن سکیں کہ وقت کی ہر جابر وظالم قوت کو للکار سکیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے ابتدائی ایام میں حضور حافظ ملّت کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اگر میں یہ کہوں تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ ان مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی، یہ انھی کی ہمت تھی کہ مشکل سے مشکل وقت میں بھی ان کی جبین استقلال پر شکن نمودار نہ ہوئی بلکہ مشکلات میں انھوں نے اپنی

رفتارِ عمل مزید تیز کردی، اشرفیہ نے ابھی ترقی کی راہوں میں پیش قدمی کی ہی تھی کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کا مرحلہ پیش آیا، یہ ایک ایسا طوفان تھا کہ ہندوستان کی بڑی بڑی درسگاہیں اس سیلاب عظیم کی نذر ہوگئیں، اس کا لازمی اثر اشرفیہ پر بھی پڑا لیکن حضور حافظ ملّت کے صبر و استقلال نے حالات کا رخ بدل دیا، لوگ ترک وطن کرنے لگے، مبارک پور اور اطراف و جوانب کے مسلمان بھی ملک کے اندر اپنی توانائیوں کے استعمال کو اسرافِ بیجا تصور کرنے لگے، مستقبل کے بارے میں مایوسیوں کی ایک ایسی فضا پیدا ہوگئی جو کسی بھی جرأت مندانہ اقدام کے لیے نامناسب تھی۔

حضور حافظ ملّت کی مومنانہ بصیرت یہ دیکھ رہی تھی کہ پاکستان یا دنیا کا کوئی بھی ملک ہندوستان کے ۶ر کروڑ مسلمان کا کفیل نہیں ہو سکے گا اور انجام کار مسلمان اپنے وطن سے دور ہو کر ہزاروں ذلتوں اور رسوائیوں کا شکار ہوگا۔ چناں چہ آپ نے مسلمانان مبارک پور و اطراف و جوانب کو سمجھایا کہ

"ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست" "الأرض لله" کے مقدس ضابطے کے پیش نظر ہمارا وطن ہندوستان ہی ہے، جس کو سجانے اور سنوارنے میں ہم نے ایک ہزار سال کی جملہ صلاحیتیں خرچ کی ہیں، جہاں کے رہنے والوں کو ہم نے شعور حیات عطا کیا ہے، اور زندگی کی اعلیٰ ترین قدروں سے نوازا ہے، جس کے چپہ چپہ پر ہماری ہزار سالہ سطوتوں کے نشانات ثبت ہیں، جس کی زمین ہمارے اولیا، علما، صلحا، شہدا، کے عظیم کارناموں کی امین ہے، جس میں خواجۂ ہند سے لے کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک آسودہ خاک ہیں، کیا ان کے آستانوں کی کشش ہم کو دنیا کے ہر حصے میں بے قرار نہ رکھے گی؟

آپ کی ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیار قافلے رک گئے، بندھے ہوئے بستر کھول دیے گئے اور لوگوں نے نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ زندگی کی راہوں میں پیش قدمی کی، قوم نے الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنی آرزوؤں کا حاصل بنالیا اور اپنی تمام توانائیاں جامعہ کی ترقی و ارتقا کی راہ میں خرچ کرنے لگی، اس طرح سے حضور حافظ ملّت نے پوری قوم کو مائل بہ عمل کر دیا اور ملّت کا ہر فرد مصروف جہاد ہوگیا، اس تاریخ ساز شخصیت اور انقلاب انگیز ذات نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعین کردہ خطوط عمل کے مطابق ایک علمی اور اصلاحی معاشرہ تشکیل فرمایا اور ایک ایسی قوم منظر عام پر آئی جو حسن عقیدت کے ساتھ ساتھ حسن استدلال کی دولت سے بھی مالا مال تھی۔

کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت سے قبل امت مسلمہ ایک ایسے دور سے بھی گذر چکی تھی کہ اس کے پاس روایات کو باقی رکھنے کے لیے صرف حسن عقیدت کا سہارا رہ گیا تھا اور دلائل و براہین قدما کی کتابوں میں

پوشیدہ ہو گئے تھے جن کو پڑھنے والے دن بہ دن ناپید ہوتے جا رہے تھے، اعلیٰ حضرت نے اسلاف کی کتب سے دلائل و براہین تلاش فرمائے اور انھیں کم و بیش ایک ہزار کتابوں میں محفوظ فرما دیا؛ تاکہ مرور ایام کی دست برد سے محفوظ ہو جائیں، مگر حضور حافظ ملّت نے ان دلائل و براہین سے آراستہ ایک ایسی قوم تشکیل فرمادی جو ہر دور میں امت مسلمہ کے بنیادی نظریات کو اصولوں کی روشنی عطا کرتی رہے گی، تلاش بسیار کے بعد بھی ہندوستان کی ایک ہزار سالہ تاریخ دعوت میں کوئی فرد کامل نہیں ملتا جس نے اپنی زندگی میں ایک درسگاہ قائم کی ہو اور اس کی حیات ہی میں اس درس گاہ کے طلبہ اور فارغ التحصیل علما نے غیر منقسم ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں درس گاہیں قائم کر دی ہوں اور اولین درسگاہ کا بانی اپنے مولائے حقیقی کے حضور اس وقت پہنچا ہو جب کہ ملک کا گوشہ گوشہ اس کی تعلیمات کا امین اور اس کے دینی نظریات کا علم بردار ہو، قسام ازل نے یہ شرف صرف حضور حافظ ملّت کے مقدر میں رکھا تھا کہ آپ نے اپنی حیات ہی میں الجامعۃ الاشرفیہ کے ہزاروں طلبہ کو مسند تدریس پر فائز ملاحظہ فرما لیا اور جب آپ اپنے خدائے حقیقی سے ملے تو آپ کی ذات اقدس کے چراغ سے ملک کے طول و عرض میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک میں ان سے ہزاروں چراغ روشن ہو چکے تھے اور آج بھی باطل کی طوفانی آندھیوں میں آپ کا اخلاص عمل، فانوس بن کر ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

دنیا کی بے شمار درس گاہیں ایسی ہیں جہاں تعلیم پر زور دیا جاتا ہے مگر تربیت پر نہیں اور آج کی جدید دنیا نے تو تربیت کو تعلیم سے قطعًا الگ کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلبہ کی تہذیبی اور اخلاقی حالت کا جائزہ نہیں لیا جاتا اور نہ ہی ان کے کردار کا احتساب کیا جاتا ہے، مگر حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعلیم کے ساتھ طلبہ کی اخلاقی، روحانی اور فکری تربیت پر بھی اپنی توجہات مرکوز رکھیں اور طلبہ کے ذہن سے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ اوجھل نہ ہونے دیا کہ ان کی تعلیم کا مقصد کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار موانع کے باوجود ان کے طلبہ علم دین کی خدمت ضرور کرتے ہیں اور جہاں کہیں بھی ہیں اپنے مقصد حیات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبہ کے سامنے چونکہ حضور حافظ ملّت کی بے نقاب زندگی ہوتی ہے اس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے طرز حیات کو اپنائیں، اور اس کی سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت کے طرز حیات کو اپنایا وہ اقلیم دل کے تاجدار بن گئے، حضور حافظ ملّت اپنے طلبہ کے لیے استاد ہی نہیں تھے بلکہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کی راہ نمائی اور ہر طرح کی امداد فرمایا کرتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ فراغت کے بعد

میدان عمل کا انتخاب بھی حضور استاذ العلما ہی فرمایا کرتے تھے اور میدان عمل کے نشیب و فراز اور راہ کی دشواریوں میں ان کا کرم ہمیشہ شریک حال رہا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اشرفیہ سے جدا ہونے کے بعد بھی ان کے طلبہ ان کی شخصیت کو مرکز ثقل تصور کرتے تھے اور ان کے قدموں سے وابستگی میں اپنی نجات تصور کرتے تھے، ان کی بے پناہ عنایتوں کا ہی نتیجہ ہے کہ اشرفیہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم یہ سمجھتا ہے کہ حضور حافظ ملّت کا کرم سب سے زیادہ اسی کے شریک حال ہے، انھوں نے اپنے لطف عمیم سے وابستگان دامان علم کو اس قدر قریب کرلیا تھا کہ طلبہ ان سے اپنی جملہ حوائج دینی و دنیوی کا تذکرہ کرتے ہوئے جھجھک نہیں محسوس کرتے تھے۔

استاذ العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر حج کے لیے تیار تھے، میں بلرام پور ان کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا، بہ وقت رخصت میں نے دعا کی درخواست کی اور خدا جانے کیوں اس وقت مالی پریشانیوں کا خیال آگیا، حضور نے دعا فرمائی اور اس کے بعد سے لے کر آج تک میں کبھی مالی پریشانیوں میں مبتلا نہیں ہوا، حضور حافظ ملّت اثنائے درس اور اثنائے خطاب، مغربی تہذیب پر اس انداز سے تنقید فرمایا کرتے کہ وہ اپنی چمک دمک کے باوجود، بے حقیقت اور بے وزن معلوم ہوتی تھی، مغرب کی مادی زندگی اور اس کی کثافتوں کے مقابلے میں اسلام کی روحانی زندگی اور اس کی برکتوں کا تذکرہ کچھ اس قدر حکیمانہ انداز سے فرمایا کرتے تھے کہ اقبال کا یہ شعر شرح محسوس بن کر سامنے آجاتا تھا:

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

طلبہ کی ناشائستہ حرکت اور نامناسب ہر اقدام پر تنبیہ اس انداز سے فرماتے کہ ان کی تنبیہ کے الفاظ ہی طلبہ کی اصلاح کے لیے کافی ہوتے تھے، میں بعض اعزہ کے مشورے سے "الجامعۃ الاشرفیہ" میں متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد "ندوۃ العلما" چلا گیا، اپنے اس اقدام پر میں اس قدر شرمندہ اور منفعل تھا کہ کئی بار ارادے کے باوجود حضور استاذ العلما کی خدمت میں حاضری کی جرأت نہ کرسکا تاآنکہ ندوے کی طالب علمی کے زمانہ میں استاذ العلما لکھنؤ کے ایک اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے تشریف لائے، مچھلی محل میں قیام تھا، حضور نے احسان عظیم فرمایا اور مولانا غلام محمد صاحب بھیروی صدر المدرسین مدرسہ تعلیم القرآن، بلرام پور، گونڈہ کو ندوہ بھیجا کہ وہ مجھے خدمت اقدس میں حاضر کریں، راستہ بھر سوچتا رہا کہ آج خیر نہیں ہے، حضور سخت ناراض ہوں گے، مگر قربان جائیے! سلام عرض کرنے کے بعد دست بوس ہوا، تو ارشاد فرمایا:

"الحکمۃ ضالۃ المومن، میں تمھارے ندوہ آنے پر ناراض نہیں ہوں، بس میری یہ خواہش ہے

کہ خداے قدیر تم کو خادم سنیت بنائے"۔

خدا جانے ان لفظوں میں کیا تاثیر تھی کہ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور دیر تک یہ کیفیت رہی تاآنکہ حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پر تاثیر دعاؤں سے تسکین عطا فرمائی۔

جامعہ اشرفیہ سے ندوۃ العلما میں داخل ہونے کے بعد میرا انداز فکر بدل گیا تھا اور میں نے طے کر لیا تھا کہ عالمیت کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لے لوں گا اور گریجویشن کے بعد کسی آفس وغیرہ میں ملازمت کر لوں گا، مگر حضور کی نگاہ کرم نے مجھے ایک بار پھر مقصد حیات سمجھا دیا اور اب، جب ان کی بارگاہ سے واپس ہوا تو یہ طے کر چکا تھا کہ میری زندگی کا ہر لمحہ خدمت دین کے لیے وقف ہوگا، ندوے سے فراغت کے بعد بھی حضور نے فراموش نہیں فرمایا بلکہ اشرفیہ میں طلب فرما کر بخاری شریف کا امتحان دلوایا اور سند فراغت و دستار سے نوازا، یہ ان کا کرم تھا کہ انھوں نے ایک ذرۂ راہ کو اس قدر عزت بخشی، میں اس خوش فہمی میں قطعاً مبتلا نہیں ہوں کہ یہ ان کی عنایت صرف میرے ساتھ تھی بلکہ میرا یہ خیال حقیقت پر مبنی ہے کہ ان کے خوان علم کا ہر ہر ریزہ خوار اس طرح کے واقعات اپنی زندگی میں چھپائے بیٹھا ہے۔

اپنے طلبہ کے بارے میں حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ طلبہ حصولِ تعلیم کے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین کے نشیب و فراز کو بھی سمجھیں اور زمانہ طالب علمی ہی میں ان کے اندر حالات سے مقابلہ کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے، چناں چہ آپ طلبہ کی مختلف جماعتوں کو ہمیشہ مصروف عمل رکھتے تھے اور جمعرات و جمعہ کو اشرفیہ کے قرب و جوار میں طلبہ کے تبلیغی وفود بھیجتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اشرفیہ سے فراغت پانے والے طلبہ میدان عمل میں خود کو اجنبی محسوس نہیں کرتے، بلکہ جہاں بھی جاتے ہیں ان کو کام کرنے کا ایک ماحول مل جاتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ذات کے گرد مصنوعی خودداری کا ایک حصار قائم کر لیتے ہیں اور اس سے باہر نکلنے میں ایک جھجھک محسوس کرتے ہیں، اس طرح پوری زندگی گذار لیتے ہیں، مگر نہ ان سے قوم کو فائدہ پہنچتا ہے اور نہ خود ان کی ذات کو، حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حکیمانہ انداز سے ایسے لوگوں کا علاج فکر فرماتے تھے کہ ان کی انا بھی مجروح نہیں ہوتی تھی اور وہ مائل بہ عمل بھی ہو جاتے تھے۔

میں نے جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد سے حضور کی خدمت میں معروضہ پیش کیا کہ حضور! جامعہ مالی انحطاط کا شکار ہے اور میں خود اپنے اندر یہ ہمت نہیں پاتا کہ قوم کے سامنے دست سوال دراز کروں، حضور حافظ ملّت نے جو جواب عطا فرمایا تھا، وہ مجھ جیسے بے شمار افراد کی ہدایت کے لیے کافی ہے، ارشاد فرمایا:

" تمام بلندیاں فدایان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہیں، خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر صحابہ سے سرمایہ طلب فرمایا ہے، قوم سے قوم ہی کے لیے طلب کرنا نہ عزت نفس کے خلاف ہے اور نہ ہی وجہ شرم ہے، ہاں! اپنی ذات کے لیے قوم کے سامنے دست سوال دراز کرنا یقیناً باعث ننگ و عار ہے خدا اس سے جملہ خادمان دین کو محفوظ رکھے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین"

آپ کی چالیس سالہ جدو جہد کے بعد دارالعلوم اشرفیہ ہندوستان کا ایک مثالی دارالعلوم بن چکا تھا اور اس راہ میں آپ اپنی عملی زندگی کے بہترین ایام خرچ کر چکے تھے، انسان عالم پیری میں نہ صرف یہ کہ قویٰ میں اضمحلال محسوس کرتا ہے بلکہ تعمیری کاموں کے سلسلے میں وہ ذوق و شوق باقی نہیں رہتا، لیکن حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو لوگ اس دنیا میں کسی کامیابی کو منزل تصور کر لیتے ہیں، بلکہ " ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں " کے مصداق آپ نے دنیا کی مادی درس گاہوں کا مشاہدہ کیا، مادی لڑیچر اور ان کی ظاہری دل فریبی اور خوش نمائی آپ کے سامنے تھے، آپ نے دیکھا کہ آج باطل کس قدر آراستہ اور پیراستہ ہوکر لوگوں کے سامنے آرہا ہے، الحاد، مغربیت، کمیونزم اور سوشلزم کو پھیلانے کے لیے اہل دنیا نے کتنی بڑی بڑی یونیورسٹیاں قائم کی ہیں، آج باطل کی اشاعت کے لیے دنیا کی تمام زبانوں کو استعمال کیا جارہا ہے، لیکن حق دارالعلوموں اور مسجد کی چہار دیواروں میں محدود ہے پوری دنیا میں مسلمانوں کی کوئی ایسی درس گاہ نہیں ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک مذہب پڑھایا جاتا ہے اور تعلیم کے ہر شعبے پر مذہب کی گہری چھاپ ہو، جہاں معاشیات کا درس، رزاق حقیقی کا نام لے کر دیا جاتا ہو، اور جہاں سائنس کے جملہ شعبوں طبیعات، فلکیات اور عنصریات کی تعلیم صنّاع حقیقی اور خلاق عالم کی عظمتِ تخلیق کے لازمی تصور کے ساتھ دی جاتی ہو، جہاں طب کا بنیادی اصول یہ بتایا جاتا ہو کہ نسخۂ بیمار کا عنوان "هو الشافي بود"، جہاں تسخیر کائنات کی تعلیم " سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ " کے عقیدے کے ساتھ دی جاتی ہے، جہاں مشاہدۂ کائنات کے ساتھ ساتھ پردۂ ذہن پر یہ حقیقتیں جلوہ گر ہوتی ہوں:

وفي كل شيء له آية تدل علىٰ أنه واحد.

بلکہ اس کے برعکس اسلام علوم جدیدہ سے اس قدر دور ہو گیا ہے کہ علوم جدیدہ کی سربراہی دنیا کی ملحد قومیں کر رہی ہیں، جس کے نتیجہ میں علم جدید کے ساتھ ساتھ جاہلیت جدیدہ یعنی الحاد پھیلتا جارہا ہے اور ذہنوں سے مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑتی جارہی ہے۔

آپ نے محسوس فرمایا کہ اگر قوم مسلم نے صرف درس نظامیہ کی تعلیم پر اکتفا کر لیا تو عصر جدید کی ابھرتی ہوئی نظر باقی قوتوں کا مقابلہ نہ کر سکے گی جب کہ مقابلہ اس کے بغیر بھی ناممکن ہے، اس لیے قدیم علوم اور علوم جدیدہ کو شامل کر کے ایک نیا نصاب تعلیم مرتب کیا جائے جو مرحلۂ اولیٰ، وسطی، اُخری اور تخصص پر مشتمل ہو، جس میں ابتدا سے لے کر ریسرچ و تحقیق تک تعلیم دی جائے، اس طرح علماے ملت اسلامیہ دنیا کے علوم جدیدہ اور افکار جدیدہ سے استفادہ بھی کر سکیں اور انھیں مسلمان بھی بنا سکیں، اسی لیے آپ نے دارالعلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا، چناں چہ آپ کے زیر اہتمام دارالعلوم اشرفیہ کی جانب سے یونیورسٹی کی مجوزہ زمین پر ایک " آل انڈیا دینی تعلیمی کانفرنس " منعقد ہوئی اور ۵،۶،۷/ مئی ۷۲ء کو منعقد ہونے والے مشاورتی اجلاسوں میں ہندوستان کے مسلم اہل فکر اشرفیہ کے دامن میں سمٹ آئے اور مندرجہ ذیل مسائل زیر بحث لائے گئے۔

(۱) متقضائے وقت کے مطابق ایک جامع اور جدید نصاب تعلیم کی تدوین۔

(۲) موجودہ معاشرہ کی اخلاقی، تبلیغی، اصلاحی، اجتماعی اور علمی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر مدارس عربیہ کے طلبہ کی ذہنی، علمی اور عملی تربیت کے لیے ایک جامع نظام کی ترتیب۔

(۳) عربی مدارس کے درمیان تعلیمی معیار کی حد بندی۔

(۴) دینی مدارس کے نظام عمل میں تبدیلی کے لیے مدارس کے نمائندگان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل۔

(۵) تعلقات بین المدارس کے لیے اخلاقی اور ادارتی ضابطوں کی تشکیل۔

" کل ہند دینی تعلیمی کانفرنس " کے موقع پر حضور مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی نے اپنے نورانی ہاتھوں سے الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے ۴/ سال کے قلیل عرصہ میں وسیع خطۂ زمین پر پھیلے ہوئے مجوزہ " شہر علم " کی دو عظیم عمارتیں، درس گاہ اور دار الاقامہ کو مکمل فرما دیا، عوام اور صرف عوام کے تعاون نے تعمیر ہونے والی دینی درس گاہوں میں یہ پہلی درس گاہ ہے جس کی تعمیر اس قدر مختصر مدت میں اتنی پُر شکوہ اور پر عظمت ہے، دارالعلوم اشرفیہ، جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، الجامعۃ الاشرفیہ، اشرفیہ مارکیٹ ان تمام عمارتوں کے مجموعے پر نظر ڈالی جائے تو یہ بھی حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم کارنامہ ہے کہ تنہا آپ کی قیادت میں مبارک پور کے غریب مسلمانوں نے اتنی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کر ڈالیں، کیا ان پر شکوہ عمارتوں کے

ہر زاویے سے حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی سعی پیہم اور ان کا جہد مسلسل نمایاں نہیں ہے؟

سلام ہو اس حافظ ناموس ملّت پر جس نے دین کے تحفظ کے لیے اس قدر پائدار، مستحکم قلعے تعمیر فرمائے جو رہتی دنیا تک اس کی عظمت کے گواہ رہیں گے۔

حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے اشرفیہ کو دارالعلوم اشرفیہ بنایا اور دارالعلوم اشرفیہ کو "جامعہ اشرفیہ" کے عظیم منصوبے میں تبدیل فرما کر اپنے محبوب و مسجود حقیقی سے جا ملے، اب برِاعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ میں پھیلے ہوئے ان کے بے شمار طلبہ اور وابستگان دامن کی ذمہ داری ہے کہ ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنائیں، حضور حافظ ملّت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا اس سے زیادہ بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا، وہ ذات گرامی جس نے مقصد کی راہ میں اپنی ذات کی کوئی پرواہ نہیں کی، وہ آج بھی اشرفیہ میں آرام فرما ہے اور اس کی روح اقدس ابنائے اشرفیہ سے تعمیر اور مسلسل تعمیر کا ایصال ثواب چاہتی ہے۔

آیئے ہم عہد کریں کہ ہم ان کی بارگاہ میں جب بھی حاضر ہوں گے تو ہمارے ہاتھوں میں خود ہمارے اس عمل کی دستاویز ہوگی جو ہمارے ضمیر نے ہمیں اشرفیہ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینے کے سلسلے میں دی ہوگی، کیا ابنائے اشرفیہ کی نگاہوں سے یہ حقیقت اوجھل ہے کہ جب حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم اشرفیہ کو عربی یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کا فیصلہ فرما لیا تھا تو ان کا اضطراب کس قدر بڑھ گیا تھا؟ اور منزل کی جستجو نے آپ کو کس قدر سیماب صفت بنا دیا تھا؟ جس کو دیکھ کر زبان پر آتا تھا:

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بیتابی
خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ مہتابی

آپ نے قوم کے سامنے جب عربی یونیورسٹی کا تخیل پیش فرمایا تو قوم نے آپ کی آواز پر لبیک کہا لیکن جو قوم آج تک دارالعلوم اشرفیہ کا بار گراں اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے تھی وہ اپنا سب کچھ پیش کر کے بھی جامعہ اشرفیہ کے تخیل کو شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتی تھی، اس لیے حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ نے پوری دنیائے سنیت کو آواز دی، وہ ایام ناقابل فراموش ہیں جب حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ یونیورسٹی کی تعمیر کے سلسلے میں ملک کا دورہ کر رہے تھے ان کا جسم اقدس ضعیف تھا مگر ان کی سعی پیہم اور جہد مسلسل نے اہل قافلہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ منزل عمل کے سبب سے صحت مند قافلہ سالار ہیں، حضرت بیکل اتساہی، حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ اور خادم کو کچھ دن ان کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، ہم دن میں تھک کر چور ہو جاتے مگر

حضور حافظ ملّت دن بھر روزہ رکھ کر دورہ فرماتے اور شب میں تراویح اور تہجد میں دس پارے تلاوت فرماتے تھے، آپ اس وقت: "هم بالليل رهبان و بالنهار فرسان" کی زندہ تصویر بن گئے تھے۔

جب کبھی میں تاریخ اسلام کے ان فرزندوں کے واقعات پڑھتا تھا جنھوں نے اپنی زندگی میں انتہائی دشوار گزار راستے طے کیے اور منزلوں پر منزلیں طے کرتے رہے مگر تھکن ان کے قریب نہ پھٹکنے پاتی تھی، جبل الطارق کی کوہ پیمائی کے بعد، وادی سندھ کے عبور کرنے کے بعد، عراق کے صحراؤں سے گذر کر ایران میں داخلہ کے بعد، قافلہ حجاز نے اپنے سالار قافلہ سے ایک ایک لمحے کے آرام کی بھی مہلت نہیں مانگی تھی، وہ لوگ صحرائے عرب سے نکلے اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر قابض ہو گئے، وہ مسلسل معرکوں میں شامل ہوتے مگر بازوشل نہیں ہوتے، تو حیرت ہوتی تھی، مگر حضور حافظ ملّت علیہ الرحمۃ کی جانگسل مشقتوں کو دیکھ کر حیرت دور ہو گئی اور یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مقصد کی عظمت اور منزل کا وقار، انسان کو بے پناہ توانائیوں سے نواز تا ہے۔

میں کہاں رکتاہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت آگے حد پرواز سے

میں نے بارہا دیکھا کہ جب ان سے آرام کی درخواست کی گئی اور انھوں نے غلاموں کے احساسات کا خیال فرماتے ہوئے قبول فرمالیا تو ان کا اضطراب بڑھ گیا اور گذرے ہوئے لمحوں کو عمل کی گرفت میں لینے کے لیے بے قرار ہو گئے اور اس وقت تک سکون نہ پایا جب تک مصروف عمل نہ ہو گئے، ان کو دین کے لیے تکلیف اٹھانے ہی میں حقیقی راحت ملتی تھی ایک دفعہ میں نے عرض کیا: حضور! تھوڑا سا آرام فرمالیں، ارشاد فرمایا: "زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام"۔

میں خاموش ہو گیا مگر حضور استاذ العلما کی حیات اقدس اس بات کی شاہد عدل ہے کہ انھوں نے زندگی میں کبھی آرام نہیں فرمایا حتی کہ اس روز بھی جس روز وہ اپنے مولائے حقیقی سے ملنے والے تھے انھوں نے اپنے لخت جگر حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کو درس حدیث دیا گویا وہ وراثت علم اپنے شہزادے کی طرف منتقل کر رہے تھے، ان کا یہ عمل زبان حال سے پکار رہا تھا کہ مال جمع کرنے والے انتقال کے وقت اپنے بچوں کو مال دیا کرتے ہیں، مگر میں نے زندگی بھر قرآن و سنت کی خدمت کی ہے اس لیے اپنے ولی عہد کو وہی بخش رہا ہوں۔

آپ کے جدامجد مرحوم نے آپ کا نام حضور سیدنا "عبدالعزیز" محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر اس لیے رکھا تھا کہ آپ علم حدیث کی خدمت اسی طرح کریں گے جس طرح محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی

تھی، چناں چہ آپ نے زندگی بھر خدمت حدیث کی اور وصال کے بعد اپنے شہزادے کے ہاتھوں میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری دے کر یہ واضح فرما گئے کہ ہماری حیات بھی اس لیے تھی اور تمہاری زندگی بھی اسی مقصد عظیم کے لیے ہونی چاہیے۔

اشرفیہ کے سلسلے میں ان کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو دیکھ کر ان کے خدام عرض کرتے: حضور! آپ زیادہ پریشان نہ ہوں خدائے وحدۂ قدوس آپ کی پُر خلوص سعی کو رائیگاں نہ فرمائے گا، اور الجامعۃ الاشرفیہ کا تخیل ایک حقیقت بن کر منصۂ شہود پر ضرور جلوہ گر ہوگا، تو ارشاد فرماتے:

تمہارا کیا خیال ہے ایسے انسان کے بارے میں جو اپنے ارد گرد کاموں کا انبار دیکھ رہا ہے اور یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ سورج بس غروب ہی ہونے والا ہے، کیا وہ کاموں کی کثرت اور وقت کی قلت دیکھ کر مضطرب نہ ہوگا؟ اور کیا اس کا اضطراب بجا نہ کہلائے گا؟

ایسا نہیں کہ ان کا یہ اضطراب دینی حالات کی پیداوار تھا بلکہ زمانہ طالب علمی میں جب آپ بعض گھریلو مصروفیت کی وجہ سے تعلیم سے کچھ دنوں علاحدہ رہے حالانکہ اس وقت بھی آپ خدمت دین کر رہے تھے لیکن علم کے اس مقام پر فائز نہ ہو سکے تھے جس کا آپ نے قصد فرمایا تھا، ایک روز آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا: ”اماں! آپ تو کہا کرتی تھیں کہ میں بڑا ہو کر عالم بنوں گا، مگر میں تو نہیں بنا۔“

کیا یہ بات حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعے سے ملتی جلتی نہیں ہے کہ جب انھوں نے ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لیں تو انھیں ہر چیز زبان حال سے یہ کہتی ہوئی نظر آتی تھی: مالِھٰذا خلقتَ و لا بِھٰذا اُمرت.

چناں چہ اس اشارۂ غیبی کے بعد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغداد کا قصد فرمایا تھا، یہاں نائب غوث الاعظم حضور استاذ العلما رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے اضطراب روحانی کا اپنی والدہ مخدومہ سے تذکرہ فرمایا اور قدرت نے ایسے حالات پیدا فرما دیے کہ آپ نے مزید حصول تعلیم کے لیے پہلے بعض دیگر اساتذہ اور پھر حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضری دی، ملت کا درد اور تعمیر قوم کا جذبہ، قدرت نے آپ کی فطرت میں پوشیدہ فرما دیا تھا، جو عمر کے ہر حصے میں آپ کی ذات اقدس سے نمایاں رہا، چوں کہ آپ کو ایک ایسی امت کی قیادت کرنی تھی جس کو قرآن عظیم نے خیر امت کے لقب سے نوازا ہے؛ اس لیے آپ نے وہ تمام منازل عمل طے فرمائیں جو اس منصب کا بنیادی مطالبہ تھیں، آپ خیر امت کو خیر امت ہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے تھے اور جب

بھی کسی انسان کو مبتلاے غفلت دیکھتے تو بہت زیادہ کرب محسوس فرماتے اور ارشاد فرماتے:

"اسے کیا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا تھا اور کیا کر رہا ہے؟"

یہی وجہ ہے کہ آپ زندگی میں رخصتوں کے بجائے عزیمتوں پر عمل فرمایا کرتے تھے، شدید بیمار ہیں، نقاہت ہے، لیکن رمضان شریف کے روزے اور جملہ اوراد و وظائف صحت مندوں کی طرح ادا کر رہے ہیں، خادموں نے عرض کی: حضور! ایسی حالت میں شریعت نے رخصت دی ہے، جواب عطا ہوتا: مگر جو ثواب رمضان میں ملتا ہے، رمضان کے بعد کہاں؟

نماز سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ سفر و حضر میں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے، سراپا اشتیاق و انتظار رہتے تھے، میں نے بار بار ان کے ساتھ سفر کی سعادت حاصل کی ہے، نماز کا چھوڑنا تو در کنار، کبھی سنن و نوافل کو بھی چھوٹتے ہوئے نہیں دیکھا، ٹرین میں سفر فرما رہے ہیں، یا بس میں، یا کسی اور سواری سے، نماز کا وقت آتے ہی من جانب اللہ کچھ ایسی صورت پیدا ہوتی تھی کہ آپ نماز بخوبی ادا فرما لیتے تھے، اہل عقیدت اللہ کی بخشی ہوئی توفیق کو حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کا نام دیں گے، مگر میں عرض کروں گا کہ یہ تو اللہ کا وعدہ ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔(۱)

آنکھوں کے آپریشن کے بعد جب کہ ڈاکٹر حرکت کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے، حضور حافظ ملّت نے آپریشن کے بعد ظہر کی نماز تیمم کر کے لیٹے لیٹے ادا کی، مگر اس کے بعد کی جملہ نمازیں بیٹھ کر اشارے سے ادا فرماتے رہے، بلرام پور کے دوران قیام آپ پر کئی روز استغراق کی کیفیت طاری رہی، مگر اوقات نماز میں آپ عالم صحو میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے پھر وہی کیفیت ہو جاتی۔

عبادتوں سے یہ شغف بھی اوائل عمر ہی سے تھا، حضرت سید العلما مولانا سید آل مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے سنی جمیعۃ العلما کے آفس میں، علماے کبار کی موجودگی میں، ارشاد فرمایا:

"میں نے زمانۂ طالب علمی میں اجمیر مقدس کے قیام کے دوران، حافظ ملّت سے زیادہ کسی کو عابد و زاہد نہیں پایا، میں تو اُس وقت اور اِس وقت کی حالت میں کوئی فرق نہیں پاتا، اِنھی احتیاطوں اور عزیمتوں پر عمل اس وقت بھی تھا جو آج ہے، ہم لوگ ساتھی ہونے کی حیثیت سے بے تکلف ضرور تھے، مگر بے تکلفی میں بھی حد ادب قائم تھی ہم لوگوں کا دل گواہی دیتا تھا کہ حافظ ملّت ولی ہیں"۔

---

(۱) عنکبوت: ۶۹

عبادت کی کیفیت وہ تھی جس کا میں نے اوپر تذکرہ کیا اور اخلاق کریمانہ کا یہ عالم تھا کہ مجھے پوری زندگی کوئی ایسا انسان نہ ملا جسے حضور حافظ ملّت میں کوئی خلاف شرع بات نظر آئی ہو، آپ سے نظریاتی اختلاف رکھنے والے بھی آپ کے اخلاق کے معترف تھے، ان کا سلسلۂ تلمذ تین واسطوں سے حضرت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

شخصیات	پیدائش	وصال
حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ	۱۳۱۲ھ	۱۳۹۶ھ
حضور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۹۶ھ	۱۳۶۷ھ
حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری	۱۲۵۳ھ	۱۳۲۶ھ
شہید حریت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۱۲ھ	۱۲۷۸ھ
حضور سیدنا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۵۹ھ	۱۲۳۹ھ

محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تک، ہر ایک ذات اپنے اپنے عصر تدریس و تبلیغ میں یکتائے روز گار تھی، مگر حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے اساتذۂ گرامی کی عظیم استعدادوں کا خلاصہ اور حاصل تھے، پروردگار عالم نے ان کی ذات کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم حدیث اور اتباع سنت، علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے جذبۂ جہاد و اعلائے کلمۂ حق، علامہ ہدایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تدریس و تفہیم اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ و ایثار کا مظہر اتم بنایا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ حضور صدر الشریعہ کے واسطے سے سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عشق رسول ان کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا، بلکہ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور درد ملّت کی مجسم تصویر تھے۔

ممکن ہے حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نہ کرنے والے لوگ میری اس تحریر کو حسن عقیدت پر محمول کریں، مگر وہ لوگ جنھوں نے حضور حافظ ملّت رحمۃ اللہ علیہ کی صبح و شام دیکھی ہے اور ان کے فیض صحبت سے مستفید رہے ہیں، وہ یقیناً میری تائید کریں گے، حالانکہ اگر میں اپنے آقائے نعمت کے حضور میں حسن عقیدت کی نذر پیش کروں تو یہ مجھے حق ہے؛ کیوں کہ میرے شعور دین کو انھی کی بارگاہ میں جلا ملی اور میرے پاس جو کچھ ہے یہ انھی کی نظر کرم کا صدقہ ہے، خدائے پاک ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

جمود شکن:

قدرت نے آپ کو علم و فضل، صبر و ضبط، تدبر و دانش مندی اور عزم و استقلال کا جتنا وافر حصہ عطا فرمایا تھا وہ آج کے دور میں شاید دو چار ہستیوں ہی کو حاصل ہے، یہ اپنی جگہ پر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمارے اندر اخلاص و دردمندی کی کسک اور عہد جدید کی تعمیر کی بنا انھی کے ہاتھوں کی ڈالی ہوئی ہے۔

تخریب و انتشار پسندی اور جمود و تعطل جیسے مہلک رجحانات سے ہٹ کر آپ نے اپنا ایک الگ اور تعمیری راستہ اپنایا، اپنے لیے ایک نئی زمین کا انتخاب کیا، وہ کام کے آدمی تھے اور صرف کام ہی کو پسند کرتے تھے، خود اکثر فرمایا کرتے: "وہ زندگی ہی کیا جو کسی کام کی نہ ہو اور جس میں حرکت و انقلاب نہ ہو"۔ کسی ایک منزل تک پہنچ کر رک جانا اور اسے اپنی تگ و دو کی معراج سمجھ لینا، آپ نے سیکھا ہی نہ تھا، وہ راستے کی مشکلات اور چند در چند مسائل میں الجھنے کے بجائے، وقت کم اور کام زیادہ کے قائل تھے، جس طرح درس گاہ میں بیٹھ کر علم و حکمت کے موتی لٹائے اسی طرح اپنے وعظ و ارشاد سے خلق خدا کو سیراب کرتے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ دست بدعا رہتے۔

حافظ ملت ایک محب وطن

بدر القادری[1]

صفحۂ تاریخ پر ایسے بہت سے لوگ ابھرے جنھوں نے اپنے اپنے وسائل کے اعتماد پر تعمیر انسانیت کا کام انجام دینے کی کوشش کی، مگر ان میں ایسے چند ہی ہیں جو اپنی غیر معمولی شخصیت کی بنیاد پر کسی نئے دور کے مؤسس ثابت ہوئے؛ کیونکہ اس کار عظیم کے لیے نا قابل تسخیر قوت ارادی، مستحکم کردار اور سینے میں پر سوز دل ہونا لازمی ہے، ان صفات کی حامل ذاتیں ہی قیادت و امامت اور ملت کی معماری کر سکتی ہیں۔

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پُر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

وہ خود کسی دور کی پیداوار نہیں ہوتے بلکہ ان سے ایک عہد جنم لیتا ہے، کوئی ضروری نہیں کہ ماحول کی مساعدت ان کا ساتھ دے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو تاریخ میں ڈھونڈ نکالنا مشکل ہے جو کسی اصلاحی و تعمیری مشن میں مخالفتوں سے دوچار ہوئے بغیر رہ سکا ہو، بلکہ تمام مصلحین و مؤسسین امم کو ہمیشہ ماحول کی تنگ نظری اور تقلید جامد سے ٹکرانا پڑا ہے، ایسے ہی موقع پر شخصیتوں کی حکیمانہ ذہنیت کلیمانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا تعلق جس عہد سے ہے اور آپ نے جس موحول میں اپنے اصلاحی و تعمیری کارناموں کا آغاز کیا، وہ دور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے نہایت آزمائش کا دور تھا۔

۱۳۵۱ھ میں دار العلوم منظر اسلام سے فراغت کے بعد مبارک پور کا مذہبی اکھاڑہ آپ کی صلاحیتوں کی پہلی جولان گاہ بنا، انگریزوں کے خلاف ملک کے تمام باشندے صف بستہ ہو کر اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لیے کوشاں تھے، ملک کا بچہ بچہ ہندو مسلم اور سکھ کا لحاظ کیے بغیر، سات سمندر پار کے دشمن سے اپنا وطن خالی کرانا چاہتا تھا، ایک صدی تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہندوستانی حمیت کو غیرت کی آنچ نے ابھار دیا تھا، ہندوستان اب وہ ہندوستان نہ رہ گیا تھا جسے لوگ کسی زمانے میں سونے کی چڑیا کہتے تھے، اس کی مادی دولت اور

---

(۱) تعارف ص:۴۲ پر دیکھیں۔

سارا قیمتی اثاثہ کھینچ کر برٹش دارالسلطنت لندن پہنچ چکا تھا، اب تو خالی ملک کی خاک تھی، پربتوں کے پتھر تھے، دریاؤں کا پانی تھا اور غریب و مفلوک لٹی پٹی آبادی کے مفلوک الحال افراد تھے، آزادی کی جنگ میں حصہ لینے کے لیے ماؤں نے بیٹوں کے سر سے کفن باندھا اور میدان عمل میں اتار دیا، بہنوں نے بھائیوں کے پٹکے درست کیے اور فتح کی دعاؤں سے رخصت کیا اور یہ نغمہ بلا تفریق مذہب و قوم ہندوستان کے ہر نوجوان کے دل کی آواز بن گیا، صرف والدۂ محمد علی کی نہیں بلکہ ہر شخص نے اسے مادر وطن کی وصیت سمجھا۔ ع

بولی اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
حشر میں حشر برپا کروں گی
پیش حق لے کے تجھ کو چلوں گی
اس حکومت پہ دعوی کروں گی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

قید و بند، دار و گیر، حبس و جلاوطنی، قتل و خوں ریزی، صلیب و دار، ان تمام مراحل سے گزر کرے ۱۹۴ء کا سورج چمکا جس نے ایک صدی بعد ہندوستان پر آزادی کی کرنیں ڈالیں، علما نے اس موقع پر قوم کی قیادت کی اور مجاہدانہ کردار کا مظاہرہ کیا اور دیس کا دشمن اپنے وطن لوٹ گیا، مگر اسی کے ساتھ جاتے جاتے ایک ایسی ہڈی ضرور چھوڑ گیا جس نے ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا، تقسیم ہند و پاک کی ہوا اتنی گرم ہوئی کہ سیکڑوں ہزاروں سال سے ایک وطن میں امن و چین سے زندگی گذارنے والے ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے، حق ہمسائیگی، پڑوس پن اور بھائی چارگی کے سارے ضابطے بالائے طاق رکھ دیے گئے، عصبیت کی ایک ایسی آندھی چلی جس نے انسانی صفات، مروت و رواداری کی کتاب کے سارے اوراق منتشر کر دیے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اس وقت جوان تھے، ان کا علم جوان تھا، ان کا شعور جوان تھا اور ایسا جوان جس کی عقل و نگاہ پہ شریعت اسلامیہ کی عینک لگی ہو، اس پراگندہ ماحول کو دیکھ کر کس طرح خاموش بیٹھا رہ جاتا، ہندوستان جہاں کی ہزار سالہ تاریخ میں مسلمانوں نے اس کے چپے چپے اور گوشے گوشے پر اپنے تہذیبی اور تمدنی اثرات مرتسم کیے تھے، وہ ساری روشن تحریریں مٹائی جا رہی تھیں، وہ ہندوستان جس میں خواجۂ اجمیری و محبوب الٰہی نے انسانیت کا درس دیا تھا، خسرو، خان خاناں، میر تقی میر کے نغمات جس کی پروائیوں میں رچے

بسے تھے، دہلی کے خانوادۂ ولی اللّٰہی اور لکھنؤ کے علماے فرنگی محل، خیر آباد کے گہوارۂ علم و شعور، بریلی کے امام احمد رضا نے جس دھرتی پہ بیٹھ کر پوری دنیاے اسلام کے مسائل کا حل تحریر کیا تھا، جس جگہ تاج محل اور قطب مینار ہی نہیں ہمارے تہذیبی ارتقا کی ہزاروں نشانیاں موجود تھیں، اس وطن کو چھوڑ کر الگ تھلک گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ ہی روز بعد ہماری ساری علامتیں، ہماری ساری نشانیاں بلکہ بر صغیر ہند پر اسلامی عروج و ارتقا کی تاریخ کے سارے ذخیرے گنگا و جمنا کی لہروں میں گم ہو جائیں گے۔

اس بات سے قطع نظر کہ نظریۂ پاکستان اور وطن چھوڑ کر پاکستان کی طرف کوچ کرنے کے بارے میں اس دور کے علما نے کیا احکام صادر کیے تھے، حافظ ملت نے قوم کی کھلی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی اور خون کے آنسو رو پڑے؛ اس لیے کہ ان کے سامنے آبادیاں ویران ہو رہی تھیں، اثاثے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کی طرح پھونکے جا رہے تھے، مسلمان زندگی سے مایوس ہو رہے تھے، خود اس پریشانی کے ماحول کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

> ”مسلمانوں پر جو مصیبتیں آئیں، تکلیفیں پہنچیں اور شدائد و آلام کے پہاڑ ٹوٹے، سب جانتے ہیں، جانی، مالی، اعزازی نقصانات سب پر روشن ہیں، ہر شخص بجاے خود خطرہ محسوس کرتا ہے، تردد و تفکر، اضطراب و بے چینی کے عالم میں حیران و پریشان ہے، گرفتار بلا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے مگر نجات نہیں ملتی۔ (ارشاد القرآن ص:۱)

ہندوستان چھوڑنے اور پاکستان بسانے کا نشہ ایسا نشہ تھا جس نے ملک کی ہزاروں آبادیوں کو اُجاڑ دیا، لاکھوں گھر برباد ہو گئے، جانے والوں پہ کیا گزری وہ انھیں کو معلوم، مگر جو لوگ بچ رہے وہ بھی اپنے پیش رؤں کی تقلید میں تیاریاں کر رہے تھے، کچھ تذبذب کا شکار تھے۔

بہت کچھ جا چکے ہیں اور کچھ تیار بیٹھے ہیں

حافظ ملت نے اس موقع پر نہایت حکمت عملی سے کام لیا اور منتشر و متوحش اذہان کو ترک وطن سے منع فرمایا اور ان کے لرزیدہ قدموں کو ملک کے اندر رہ کر اپنے دین قویم پر اخلاص و دیانت داری سے عمل پیرا ہونے کی ہدایت کی، اپنا ملک، اپنا وطن چھوڑ کر دوسری آبادی، دوسرے خطّے میں بلا وجہ جانا نہ عقل کے لحاظ سے مناسب ہے، نہ شعور کے لحاظ سے، بلکہ مسلمان کے لیے تو روے زمین کی پوری بساط بچھا دی گئی ہے جس جگہ چاہے رہے، جدھر چاہے، جائے اس کی شان یہ ہے کہ:

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خداے ماست

جب تک اپنے وطن میں رہ کر اسلام اور شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے ترک وطن کی کوئی حاجت نہیں، ہاں جب دین پر عمل کرنا دشوار ہو جائے، شریعت کے قوانین کے نفاذ پر پابندیاں عائد ہو جائیں، فرائض کی ادائیگی دشوار ہو جائے، اس وقت ضرورت دینیہ کے لیے ترک وطن کرنا ضروری ہے۔ لکھتے ہیں:

> مسلمانو! تمہارے دنیا میں آنے کی غرض اور تمہارا مقصود اصلی اللہ عزوجل کی عبادت ہے، تمہارا رب فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے؛ لہٰذا مسلمانو! جب تک تم اپنے وطن میں اپنے رب کی عبادت میں آزاد ہو، تمہارا مقصود حاصل ہے، ایسی صورت میں ہرگز کہیں جانے کی ضرورت نہیں اور خدانخواستہ تم اپنے رب کی عبادت سے روک دیے جاؤ اور اس مقصود کے حاصل کرنے سے مجبور کر دیے جاؤ تو ایسی صورت میں بشرط اطاعت، ترک وطن ضروری ہے اور محض یاد الٰہی کے لیے ضروری ہے، خوشنودیِ خدا کے لیے ضروری ہے، اس میں کسی خطۂ زمین کی تخصیص نہیں، جہاں بھی امن کے ساتھ اپنے رب کی یاد کر سکو وہاں جا کر اپنے رب کی عبادت کرو، اگرچہ جنگل اور پہاڑی کیوں نہ ہو؛ کیوں کہ:
>
> رند جو ظرف اٹھائے وہی ساغر بن جائے
> جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی مےخانہ بنے
>
> (ارشاد القرآن، ص:۲۲)

اس دور کے حالات سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہوں گے کہ مسلمانوں میں وطن چھوڑنے اور پاکستان آباد کرنے کے جذبات کا کیا حال تھا؟ اور اس ماحول میں نہایت جرأت مندی اور حوصلہ کے ساتھ عام رجحان کے خلاف آواز اٹھانا کس دل گردے کا کام تھا؟ مسلمانوں کی آبادی ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے شکست وریخت اور رحلت کے شور سے مبارک پور کو متاثر ہونا چاہیے تھا اور مبارک پور متاثر بھی تھا، مگر حضور حافظ ملّت اور آپ کے ہمنوا علما نے اس اثر کو اپنی تقریروں اور تحریروں سے زائل کر دیا، حافظ ملّت قبلہ کے استاذ گرامی حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے خود مبارک پور تشریف لا کر رحلت پاکستان کے خلاف زبردست تقریر فرمائی۔

"اشرفیہ کا ماضی اور حال" میں ہے:

آپ نے محلہ پورہ صوفی میں شیخ محمد امین صاحب کے دروازہ پر مسلمانان مبارک پور کے سامنے ترک وطن کے خلاف زبردست تقریر فرمائی اور کہا کہ ہمیں اسی ملک میں رہنا ہے اور اس عزم و حوصلہ کے ساتھ کہ ہمارے اسلامی شعائر کے تمام گوشے حسب سابق قائم و دائم رہیں گے اور مستقبل میں دین حنیف اور اس کے ارکان پر کسی بھی حملہ کا مقابلہ ہمیں یہیں رہ کر کرنا ہے، ہندوستان ہمارا وطن ہے، اس کے اندر ہونے والی ہر بدعنوانی کو ہمیں خود اپنی کمزوری تصور کرنا ہوگا، وطن کا سچا شیدائی وہ ہے، جو اس کے ہر غلط اقدام کو اپنی غلطی سمجھ کر اصلاح کی کوشش کرے تاکہ غیر ممالک کی نگاہ میں ملک و وطن کا وقار مجروح نہ ہو۔ (اشرفیہ کا ماضی اور حال، ص:۲۰)

حافظ ملّت، حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے، انھیں پوری طرح احساس تھا کہ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں بچے ہوئے غریب و نادار مسلمانوں کی کشتی، شکستہ پتوار کے ساتھ طوفانی موجوں کا زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکتی، ساحل مقصود تک پہنچنا تو درکنار، کچھ دُور کا سفر بھی ناممکن دکھائی دے رہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ ہندوستان میں بچے ہوئے مسلمانوں کو اسلامی شعور و افکار سے بے بہرہ نہ ہونے دیا جائے، بلکہ وہ اسلامی علوم اور اپنے مذہبی معاملات میں اس قدر آسودہ اور خود کفیل ہوں کہ ان سے ان کا ایمانی اور ملّی تشخص نہ چھینا جا سکے جس کے لیے نہ صرف یہ کہ پامردی سے اسی ملک میں رہنا ضروری ہے، بلکہ رہ کر تعمیر علم و تہذیب کے ادارے، انجمنیں، مدارس اور بحر میں بنانا نہایت ضروری ہے۔

چناں چہ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے اپنی اسی تقریر میں فرمایا:

اصلاح قوم و ملّت کے لیے ضروری ہے کہ متین و سنجیدہ، ماحول شناس مصلح اور مفکر زیادہ سے زیادہ پیدا کیے جائیں تاکہ وطن، قوم و ملّت کی سچی خدمت اور معاشرہ کی اصلاح کا فریضہ انجام پا سکے۔ (مصدر سابق، ص:۲۲)

اس قسم کے افراد پیدا کرنے کے لیے کن کارخانوں کی حاجت ہے صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے صاف لفظوں میں اس کی نشاندہی کر دی۔

فرماتے ہیں:

ان کاموں کی راہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اصلاح امت کے کارخانے، دانشگاہیں اور مدارس زیادہ سے زیادہ قائم کیے جائیں، اس حکمت عملی اور بروقت اقدام نے صرف مبارک پور اور ضلع اعظم گڑھ ہی نہیں بلکہ یوپی اور بہار کے بہت سے خطّے، جہاں ان علمائے کرام کی تقریریں ہوئیں اور حضور حافظ ملّت کا رسالہ ”ارشاد القرآن“ تقسیم کیا گیا، لوگ بے وطن ہونے سے بچ گئے اور ہندوستان میں زندگی گزارنے کے لیے اس مثبت

نظریہ پہ کاربند ہوگئے۔

حافظ ملّت نے مسلمانوں کے جانی اور مالی نقصانات کی علت، قرآنی اصول ”مَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ “(پارہ:۲۵،الشوریٰ:۳۰) یعنی بھلائیاں خدا کی جانب سے ہیں اور پریشانیاں تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں اور بہت سی کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے، کے تحت ان کی خدا سے غفلت اور دین سے بے راہ روی بتائی، سوالیہ انداز میں خود ہی اس داستان الم کا حال پیش کرتے ہیں:

”اسی زمین پر مسلمان نہایت سکون واطمینان سے باعزت زندگی بسر کرتے تھے، اسی آسمان کے نیچے حمایت الٰہی کے سایہ میں امن وآشتی، صحت وسلامتی کے گہوارہ میں مطمئن تھے، تائید الٰہی شامل حال تھی، نصرت الٰہی پشت پناہی کرتی تھی، مگر آج مسلمان بے کس ہے، بے بس ہے، غم واندوہ کا مجسمہ ہے، خوف وہراس کا شکار ہے، زندگی وبال جان ہے، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی، اس بلائے عظیم سے کسی طرح نجات نہیں ملتی، کیا زمین بدل گئی؟ آسمان تبدیل ہوگیا؟ آخر مسلمانوں پر اس بلائے عظیم کے مسلط ہونے کا سبب کیا ہے؟(ارشاد القرآن، ص:۱)

خود ہی آگے چل کر جواب دیتے ہیں جس میں مسلمانوں کی بداعمالیوں اور برائیوں اور شریعت سے غفلت کا صراحتاً ذکر کیا ہے اور لب لباب کے طور پر یہ اشعار تحریر کرتے ہیں:

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے
مسافرو! روش کارواں بدل ڈالو
جگا جگا کے تمہیں تھک گئے ہیں ہنگامے
نشاط و لذت خواب گراں بدل ڈالو
سفینہ جا کے کنارے سے لگ تو سکتا ہے
ہوا کے رُخ پہ چلو بادباں بدل ڈالو

(ارشاد القرآن، ص:۳۰)

ہوا کا رخ اس وقت تک جا ہے جو کچھ رہا ہو، مگر صبر وتوکل اور خوف ورجا کے اسلامی اور اسی قرآنی ارشاد کے بعد، قوم نے اپنی توجہ کا رُخ بدل دیا اور ہر طرف سے یکسو ہو کر دارالعلوم اشرفیہ اور اسی قسم کے دوسرے اداروں کی طرف متوجہ ہوئی، عالم رُستاخیز نے جب لاکھوں انسانوں کو بے گھر اور بے در بنا دیا، دینی مدارس اور اسلامی درسگاہوں کی خبر

گیری کون کرتا؟ مگر واہ رے حافظ ملّت جیسا مرد مجاہد! سارے ہنگاموں سے بے فکر اور بے نیاز ہو کر آپ اپنی نظری دلچسپی اور لگن سے، بدستور نوجوانان ملّت کو علم دین و شریعت سے لیس کرنے میں منہمک رہے، چناں چہ حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب مد فیضہ اپنے معائنہ ۱۹۵۰ء میں لکھتے ہیں:

"مجھے دیکھ کر مسرت ہوئی کہ مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور بحمدہ تعالیٰ اس زمانہ میں بھی، جب تقسیم ہندو پاک نے دینی مدارس کی جان پر بنادی ہے، شاہراہ ترقی پر گامزن ہے، جس کا میں نے کئی برس پہلے بھی معائنہ کیا تھا، اب بفضلہٖ تعالیٰ و بکرم حبیبہ الأعلیٰ جل وعلا و علیہ التحیۃ و الثناء پہلے سے ہر اعتبار سے بلند و بالا پایا۔

(اشرفیہ کا ماضی اور حال، ص:۲۴)

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ ملکی سیاست کی تیز و تند ہوا میں ان مختصر کاموں سے حافظ ملّت کی کیا خدمت ظاہر ہوتی ہے؟ حافظ ملّت کی زندگی کے جس رُخ کو پیش کیا گیا ہے اور تقسیم ملک کے وقت ان کی ملکی اور وطنی محبت کا جو انداز سامنے آتا ہے اور ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے وطن میں صبر و توکل کے ساتھ رہنے کی جو تلقین ثابت ہے، اس سے اتنی عظیم شخصیت کا سراغ کہاں لگتا ہے؟ تو اس کے لیے آپ کو ان کی چالیس سالہ جانفشانیوں کا جائزہ لینا ہوگا، اور الجامعۃ الاشرفیہ عربک یونیورسٹی کے مجوزہ خاکہ کا مکمل تجزیہ کرنا پڑے گا، اور ان کی زہرہ گداز جانکاہیوں کو دیکھنا ہوگا، تو اندازہ ہوگا کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں ایک عظیم حلقۂ مسلمین کی امامت اور ان کی حفاظت وصیانت کے لیے مجاہدانہ انداز میں میدان عمل میں کودنے والا، عمر بھر ان اندرونی اور بیرونی ہنگاموں سے ٹکراتا رہا جو اس کے عظیم مقصد" الجامعۃ الاشرفیہ عربک یونیورسٹی" کی راہ میں حائل ہوئے، یونیورسٹی کا خاکہ مرتب ہونے سے آسودۂ خاک ہونے تک بے شمار ایسے مراحل آئے اس وقت ان کی حکیمانہ ذہنیت نے حکیمانہ رنگ اختیار کیا، اور سچ تو یہ ہے کہ تعمیر ملّت کے اس عظیم کام میں حافظ ملّت کی جرأت و عزیمت اگر یہ روپ نہ اختیار کرتی تو جھوٹی قیادت اور من مانی چودھراہٹ کی ملت فروش اسکیمیں اس عظیم ادارہ کو بھی خیالات و پروگرامات سے آگے بڑھ کر کبھی منصۂ شہود پر نہ آنے دیتیں، مگر قربان جایئے اس بوڑھے مجاہد کی ہمت مردانہ پر، جس نے ماحول کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر اپنا سفینہ موجوں کے حوالے کر دیا اور دنیا نے دیکھا کہ:

موجیں سمٹ کے رہ گئیں کشتی کے آس پاس

از حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب

جون پور سے مبارک پور تک

مولانا محمد عاصم اعظمی ایم۔اے گورکھپور یونیورسٹی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی علم و ادب کے افق پر ایک درخشندہ ستارے کا نام ہے۔

ولادت: گہوارۂ علم و ادب گھوسی ضلع مئو میں ۲۹ر محرم الحرام ۱۳۶۸ھ کو ولادت ہوئی، ابتدا سے انتہا تک جامعہ شمس العلوم گھوسی میں تعلیم حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع کیا، کئی مدارس میں خدمات انجام دیں، اس کے وقت مادر علمی جامعہ شمس العلوم کے شیخ الحدیث ہیں، بہترین قلم کار بھی ہیں، درجنوں کتابیں آپ کے نوک قلم سے معرض وجود میں آچکی ہیں۔

شہاب الدین غوری نے شمالی ہند کی فتح کے بعد ہندوستان کا دارالسلطنت، شہر دہلی کو بنایا تو بلاد اسلامیہ کے قافلے پنجاب و ملتان کے علاقوں سے گذرتے ہوئے، دہلی اور نواح دہلی میں آباد ہونے لگے، باہر سے آنے والوں میں علما و مشایخ اور اہل کمال حضرات کی تعداد بھی کثیر تھی جس کے سبب جلد ہی، دہلی اور نواح دہلی، علم وفضل اور تبلیغ واشاعت کا مرکز بن گیا، ان علمائے کرام و مشایخ عظام نے مذہب اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لیے اپنے دائرۂ کار کو اسی علاقہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ وہ ہند کے طول و عرض میں پھیل گئے اور اشاعت اسلام میں مشغول ہو گئے، ان برگزیدہ شخصیتوں کا قافلہ مشرق کی جانب بھی آیا۔

اسلامی حکومت نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، ملکی و سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر شہر اور قصبات آباد ہوئے اور وہ علما و مشایخ کے گہوارے بن گئے۔

مملوک، خلجی اور تغلق سلاطین کے عہد ۱۲۰۶ء تا ۱۳۹۸ء میں بہت سے شہر اور قصبات آباد ہوئے جن میں رنگ پور ۶۰۲ھ، اُچ ۶۰۷ھ، دولت آباد ۷۴۱ھ، شہاب آباد ۷۴۱ھ، ظفر آباد ۷۲۱ھ، فیروز پور اپنی علمی،

صنعتی اور سیاسی اہمیتوں کے لحاظ سے ممتاز رہے، جنھیں خاص اسلامی تہذیب و تمدّن کا نمونہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

ان سلاطین نے اپنے مذہبی جذبات کے سبب ان علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے مدرسے، خانقاہیں اور مسجدیں تعمیر کرائیں اور وہاں کے علما و فضلا کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں، جس کے باعث یہ شہر، علم و فضل کے مرکز بننے لگے۔

انھی نوآباد شہروں میں شہر جون پور بھی ہے۔

شیراز ہند جون پور:

تغلق خاندان کے تیسرے فرماں روا سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ-۱۳۵۱ء تا ۷۸۹ھ-۱۳۸۷ء) نے اپنی تخت نشینی کے بیسویں سال ۷۷۲ھ میں اپنے چچازاد بھائی "سلطان فخرالدین جوناخاں" کے نام پر شہر "جوناپور" کی بنیاد رکھی، جو کثرت استعمال کی وجہ سے جونپور ہو گیا، فیروز شاہ نے اس شہر کو اپنے مشرقی حصۂ ولایت کا مرکز ہی نہیں، بلکہ اسے دیار مشرق کا عظیم تر علمی و دینی مرکز بھی بنانا چاہا، جس نیک جذبہ کے تحت اس کی بنیاد رکھی گئی تھی، آنے والے سلاطین نے اسے ہمیشہ ترقی دی، جس کے نتیجہ میں اس شہر کو شیراز ہند کہا جانے لگا۔

فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ- ۱۳۵۱ء تا ۷۸۹ھ- ۱۳۸۷ء:

فیروز شاہ کا دور حکومت ہندوستانی سلاطین کی تاریخ جہانبانی میں آسودگی، خوش حالی، اور امن و امان کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، فیروز شاہ، محمد بن تغلق کے برخلاف انتہائی سنجیدہ، نرم مزاج اور رحم دل انسان تھا، جس کی حکومت کا بنیادی مقصد انسانی فلاح و بہبود تھا، ڈاکٹر ایشوری پرساد نے لکھا ہے:

" اس کی بنیادی باتوں میں انسانیت کے اچھے پہلو زیادہ نمایاں کیے گئے یعنی اس کی سیاست میں نرمی، لطف و کرم، رحم دلی غالب رہی"۔ (بحوالہ عہد وسطیٰ کی ایک جھلک ص ۲۶۳)

فیروز شاہ کی تعلیم و تربیت اس کے دادا سلطان غیاث الدین تغلق غازی ملک کے زیر سایہ ہوئی تھی جس کے باعث غازی ملک کے پاکیزہ اخلاق اور علمی ذوق کا بھرپور اثر اس کی شخصیت پر پڑا تھا، اس کے اندر مذہبی جذبات اور علمی مذاق کی فراوانی تھی، وہ علما و مشائخ سے بے حد عقیدت و محبت رکھتا تھا، چناں چہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے:

"بعنایت حق، تواضع فقرا و مساکین واستمالت قلوب ایشاں در دل با تمکن یافت تاہر جا کہ فقیرے و گوشہ نشینے یافتم برائے ملاقات او قدم زدیم، وبدعا استمداد نمودیم؛ تا

فضیلت نعم الامیر لباب الفقیر (علی باب الفقیر) اکتساب کردہ شود"۔

(فیروز شاہی ص ۱۷)

اس نے اپنے عہد کے علما و مشائخ پر کرم و مہربانی کی ایسی بارش کی وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے، ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے:

"بیشترے از طوائف مذکور کفش درست نداشتند، از مراحم سلطان فیروز شاہی جامہ ہاے لطیف می پوشند، وبرا سپان چیدہ سوار می شوند و بیشتر در علوم دین و تعلیم احکام شرع مشغول می باشند"۔ (تاریخ فیروز شاہی برنی ص: ۵۵۹)

اس دور کے مشاہیر علما و مشائخ میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمہ، شیخ صدر الدین نبیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہما الرحمہ کافی مشہور ہیں، فیروز خود بھی عالم تھا، اسے علوم دینیہ سے کافی شغف تھا، بالخصوص اسے فقہ سے کافی دلچسپی تھی۔

"اکثر کتب فقہیہ از ہدایت آنہا باستماع رسیدہ"۔ (سیرت فیروز شاہی ص ۱۵۱)

اس نے فقہ کی تدریس میں بھی گہری دلچسپی لی، فتاویٰ فیروز شاہی اس کے اشارہ و ایما پر ترتیب دی گئی۔

مذہبی علوم سے ذاتی شغف ہی کے سبب، جب اس نے ۷۷۲ھ میں سیاسی مصالح کے پیش نظر، شہر جون پور آباد کیا تو اپنے ولی عہد فتح خاں کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اسے ملک پورب کی زمام اقتدار سونپی، تو مولانا علاء الدین دہلوی کو چار سو طالبان علم کے ساتھ، بڑی عزت واحترام کے ساتھ، جون پور روانہ کیا اور انھیں ملک مشرق کا علمی تاجدار بنایا۔

ایک طرف تو فتح خاں نے جون پور کو سیاسی مرکز بنایا، تو دوسری طرف مولانا نے اپنے علمی کارناموں سے اس علاقہ کو علمی مرکز بنا دیا، جو صدہا سال تک علما و مشائخ اور طالبان علم کا مرجع رہا، جس کی علمی شہرت حدود ہند سے نکل کر تمام ممالک اسلامیہ میں پھیلی۔

فیروز شاہی دور میں مولانا علاء الدین دہلوی کی علمی سرگرمیوں کے سبب جو علمی عروج جونپور کو حاصل ہوا اس کا اندازہ صاحب "تذکرۃ العلما" کی تحریر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

"دراندک ایام از یمن قدوم مولانا چہل و چہار مدرسہ در شہر جون پور و حوالی آں از مدرساں و طالبان علم آراستہ شد"۔ (ص: ۱۰)

سلاطین شرقیہ:

آخری تغلق فرماں روا" سلطان محمود تغلق " نے اپنے وزیر اعظم "خواجۂ جہاں "کو سلطان الشرق کا خطاب عطا کر کے ۷۹۶ھ میں مشرقی ہند کی عمل داری سونپ کر جون پور بھیجا، خواجۂ جہاں انتہائی ہوشیار، مدبّر اور باحوصلہ امیر تھا، اس نے دلّی کی مرکزی سلطنت کی زبوں حالی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ تغلق خاندان کی حکومت کا چراغ جلد ہی گل ہونے والا ہے، اس لیے اس نے جون پور پہنچتے ہی اپنی فوجی طاقت کو مضبوط بنانا شروع کیا، آخر وہ دن آہی گیا جب خواجۂ جہاں نے سلطان الشرق کے نام سے تخت جون پور پر بیٹھ کر اپنی خود مختار سلطنت کا اعلان کر دیا، قنوج، ترہت، بہار، اودھ کے تمام علاقوں پر قبضہ جما کر کے حکومت کی سرحدیں دور دور تک پھیلا دیں، اسی زمانہ میں امیر تیمور لنگ نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان کی جانب رُخ کیا اور طوفانی حملوں سے پنجاب، ملتان کے علاقوں کو تباہ کرتا ہوا دہلی پہنچا، تغلق حکومت تقریباً دم توڑ چکی تھی، تیمور نے اپنی سفاکیت کا بھر پور مظاہرہ کیا، دلّی کو بُری طرح تاخت و تاراج کر کے لوٹا، تیمور کی تباہ کاریوں کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تقریباً نصف صدی تک اس کے مضر اثرات قائم رہے۔

دہلی کی مرکزی حکومت کی ابتری سے خواجۂ جہاں نے بھر پور فائدہ اٹھایا تھا، اس نے حملہ تیمور کے بعد بے خوف و خطر حکومت کے استحکام میں اپنی توجّہ صرف کر کے، جونپور کی سلطنت کو وسیع، عظیم اور مضبوط بنادیا تھا، جو ہندوستان کی ساری خود مختار حکومتوں میں امتیازی شان کی مالک تھی۔

خواجہ جہاں کے بعد اس کے جانشین مشرقی سلاطین نے پورے کروفر اور تزک و احتشام کے ساتھ فرماں روائی کی، ان سلاطین کے عزائم اور حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ انھوں نے کئی بار دہلی کو فتح کرنے کی کوشش کی سلطان الشرق جہاں ملکی سیاست اور نظم سلطنت کا مرد میداں تھا وہیں علم و فضل کا دل دادہ بھی تھا، چناں چہ وہ ملک العلما حضرت مولانا شرف الدین لاہوری علیہ الرحمہ (متوفی ۸۰۸ھ) کو بھی دہلی سے اپنے ہمراہ جونپور لایا تھا اور ان کے لیے خانقاہ، مدرسہ اور مسجد تعمیر کرائی جہاں وہ برسہابرس تک درس و تدریس کے کاموں میں مشغول رہے اور اس شہر کی علمی رونق میں اضافہ کرتے رہے، خواجۂ جہاں کے بعد مشرقی سلاطین میں حسب ذیل بادشاہ گذرے ہیں۔

۱۔ سلطان مبارک شاہ شرقی ۸۰۲ھ تا ۸۰۴ھ

۲۔ سلطان ابراہیم شاہ شرقی ۸۰۴ھ/۱۴۰۰ء تا ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء

۳۔ سلطان محمود شاہ شرقی ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء تا ۸۶۲ھ/۱۴۵۷ء

۴۔ سلطان حسین شاہ شرقی ۸۶۲ھ/۱۴۵۷ء تا ۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء

سلطان ابراہیم شرقی:

سلطان مبارک شاہ شرقی کی وفات کے بعد امرائے جونپور نے ابراہیم شرقی کو تخت حکومت پر بٹھایا، اس بادشاہ کو چالیس سال کا طویل عرصہ حکومت کے لیے میسر آیا، اس نے خواجۂ جہاں کی قائم کردہ حکومت کو خوب خوب فروغ دیا اور اس حکومت کو استحکام، امن و امان اور خوش حالی کی دولت سے نوازا، چونکہ دہلی پر تیموری حملہ کے بعد سید خاندان کی حکومت قائم ہوئی جو ہر اعتبار سے ہندوستان کی سب سے ناکام اور بے اثر حکومت تھی، دلّی کی مرکزی حکومت کو شکستہ حالی سے ابراہیم شرقی کو اپنی حکومت کے فروغ دینے میں کافی مدد ملی اور مرکزی حکومت کی کمزوری کے باعث وہ بے خوف و خطر، حکومت کرتا رہا، اس بلند حوصلہ بادشاہ نے کئی بار فتح دہلی کا عزم بھی کیا اور ایک بار دہلی کا محاصرہ بھی کر لیا لیکن اُسے فتح نہ کر سکا۔

تیموری حملہ کے بعد دہلی کے علما و مشائخ نے پورب کا رُخ کیا اور ان میں سے اکثر نے جونپور کی شرقی حکومت کے سایۂ کرم میں سکونت اختیار کر لی تھی، ابراہیم شاہ شرقی کی علما نوازی اور علم دوستی نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا، جس کے سبب نہ صرف دہلی بلکہ پنجاب، ملتان، سندھ، نیز دیگر بلاد اسلامیہ کے علما، فقہا، مشائخ و صوفیہ جونپور تشریف لائے اور اپنے روحانی و علمی فیوض سے نوازا۔

طبقات اکبری کے مصنف نے لکھا ہے:

"علما و بزرگان کہ از آشوب جہاں پریشان خاطر بودند، بجونپور کہ دران ایام دارالامان بود، سر برآوردند۔ آن دارالسلطنت از خیر قدوم علما دارالعلم گردید"۔ (ص:۵۲۹)

"تاریخ فرشتہ" میں ہے:

"امابشاہے بود متّصف بہ عقل و دانش و تدبیر و اثروے، فضلائے ممالک ہندوستان و دانشوران ایران و توران کہ از آشوب جہاں پریشاں خاطر بودند، بدارالامان جونپور آمدہ در عہد امن وامان غنودند واز خوان احسان اونولہا برداشتہ بنام نامی او چندیں کتب و رسائل پرداختند، امراوٴ وزرا صاحب عقل و سیاست و شجاعت در دولت خانہ او جمع شدہ مثل درگاہ سلاطین ایران رنگین گردید۔ (تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۰۵)

فاضل مورخین کے ان بیانات کی روشنی میں ابراہیم شرقی کے عہد کا جونپور اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس شیراز ہند کی علمی حیثیت اور وقار اسی بادشاہ کی علم دوستی اور علما نوازی کی مرہون منت تھی۔

ابراہیم شاہ شرقی کے بعد چند اور سلاطین ہوئے، لیکن انھوں نے اپنی نااہلی اور غرور دنخوت کے باعث شرقی سلطنت کو زوال سے ہم آغوش کر دیا، لیکن اس زوال پذیر دور میں بھی جون پور کی علمی فضا بدستور قائم رہی۔

اس پورے دور میں علما و مشائخ کی عظیم جماعت سرزمین جون پور میں آباد ہوئی اور ان کی علمی و روحانی درس گاہوں سے لاکھوں تشنگان علم و فضل نے آسودگی پائی، اس دور کے علما و مشائخ کی تعداد شمار سے باہر ہے، ذیل میں چند علما و مشائخ کے اسمائے گرامی دیے جاتے ہیں جنھوں نے اپنے علمی کارناموں سے ہمہ گیر شہرت و مقبولیت حاصل کی:

مولانا شرف الدین لاہوری	متوفی ۸۰۸ھ
مولانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی	متوفی ۸۲۰ھ
نور الدین بن ابی محمد بن مخدوم سید اسد الدین	متوفی ۸۲۶ھ
قطب الدین ابوالغیب	متوفی ۸۶۹ھ
قاضی نصیر الدین	متوفی ۸۷۰ھ
ملا شیخ عبد الملک عادل فاروقی	متوفی ۸۹۷ھ
ملا علاء الدین عطا شاہ ابوالفتح جونپوری	متوفی ۸۵۸ھ
شیخ محمد عیسیٰ۔ قاضی سماء الدین	متوفی ۸۸۳ھ

لودھی سلاطین:

جونپور کا آخری سلطان حسین شاہ شرقی نسبتاً نااہل، مغرور تھا، جس نے کئی بار فتح دہلی کا عزم کیا، لیکن سلطان بہلول لودھی نے اسے ہر بار شکستیں دیں بالآخر ۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء میں سلطان الشرق کی قائم کردہ سلطنت جونپور کا خاتمہ ہوگیا اور یہ حکومت جو ۷۹۷ھ میں دہلی کی مرکزی حکومت سے الگ ہوئی تھی، ۸۸۲ھ میں دوبارہ شامل ہوگئی، اس طرح شیراز ہند کی علمی فضا شرقی سلاطین کی سرپرستی سے محروم ہوگئی، لیکن اس دیار علمی کی خوش بختی تھی کہ اسے شرقیوں جیسے ہی علم نواز بادشاہ ملے۔

بہلول لودھی نے دلی کی نام نہاد سید حکومت کا خاتمہ ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء میں کر کے دہلی میں شاندار اور مضبوط حکومت قائم کی، پروفیسر ایس رماسوامی نے اس کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بہلول نے دہلی کی عظمت اور اسلام کی شوکت کچھ عرصہ تک پھر سے قائم کر دی۔ (بحوالہ عہد وسطیٰ کی جھلک ص ۲۸۴)

بہلول لودھی نیک دل، انصاف پسند اور دین دار حکم راں گذرا ہے، تاریخ داؤدی کا مصنف لکھتا ہے:

" حلم و کرم جبلی در سر داشت، بظاہر آراستہ بہ شریعت و بہ متابعت آں کمال تقید داشت، در کل احوال سلوک بر مسالک شریعت نمودے و بخلاف شریعت ہرگز بکار دست نہ زدے۔ (داؤدی، ص:۱۰۰)

تاریخ فرشتہ میں ہے:

"در حضر و سفر علما و مشایخ صحبت داشتے واکثر اوقات بایں شان بسر بردے۔" (جلد:۱۔ص:۱۷۹)

ان اقتباسات سے بہلول اور لودھی کی علم دوستی اور دینداری کا اندازہ ہوتا ہے علم دوستی اور علما و مشایخ سے گہری عقیدت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب اس نے شرقی سلطنت کا خاتمہ کیا تو وہاں کی علمی مجلسوں کو درہم برہم نہ ہونے دیا، بلکہ شرقی سلاطین کی طرح اس کی سرپرستی کی اور یہ علمی مرکز اپنی سابقہ روایات پر قائم رہا۔

سکندر لودھی:

بہلول لودھی کے بعد اس کا بیٹا سکندر لودھی (۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء) سریر آرائے سلطنت ہوا، سکندر لودی خود بھی عالم فاضل اور علم و علما کا زبردست قدرداں گذرا ہے، اس نے تیمور کے ہاتھوں دہلی کی درہم برہم ہونے والی مجلس علمی کو دوبارہ سجایا، اس کے عہد حکومت میں ممالک اسلامیہ کے بہت سے باکمال علما و فضلا دہلی میں آکر آباد ہوئے، چناں چہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"بسیارے از اکابر علما از اطراف واکناف عالم و از عرب و عجم، دراں زماں تشریف آوردہ، دریں دیار توطن فرمودند۔ (اخبار الاخیار شیخ محدث دہلوی، ص: ۲۲۰)

اس کے علمی شغف کا یہ عالم تھا کہ رات کو ستر عالم اس کی خواب گاہ میں بیٹھ جاتے اور وہ ان سے مسائل دریافت کرتا رہتا تھا، اس نے پوری سختی سے اسلامی قوانین کو اپنے عہد حکومت میں نافذ کرنے کی کوشش کی، نظم سلطنت میں شریعت محمدیہ کا مکمل لحاظ رکھا اور اسلامی نظم مساوات کو برتنے کی کوشش کی۔

پروفیسر اشیر بادی سریواستوا (آگرہ یونیورسٹی) نے لکھا ہے۔

"سلطان سکندر لودھی سلطنت کے ضبط و نظم میں صرف سخت ہی نہ تھا بلکہ اسلامی معیار کے مطابق سب کے ساتھ مساویانہ طور پر عدل و انصاف کو راہ دی" (بحوالہ عہد وسطیٰ کی جھلک، ص:۲۸۹)

شیخ محدث دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

"بالحقیقت محامد زماں سلطنت آں سلطان سعادت نشاں از حد تحریر و تقریر خارج است"۔ (اخبار الاخیار بحوالہ سلاطین دہلی)

سکندر لودھی کی توجہ خاص نے دہلی کی تباہ شدہ علمی مجلسوں کو از سر نو رونق بخشی اور جونپور مرکز فضل و کمال کو بھی نوازا، اس کے زمانہ میں اس دیار علم و فضل کو کافی شہرت حاصل ہوئی، لودھی سلطنت کا خاتمہ ابراہیم لودھی کے زمانہ میں شہنشاہ بابر کے ہاتھوں ہوا۔

لودھی سلاطین نے نہ صرف دہلی کو گہوارۂ علم بنایا بلکہ اپنی علم دوستی اور علما نوازی کے باعث شیراز ہند جون پور کی رونق کو باقی رکھا، شرقی بساط سلطنت کے الٹنے کے باوجود وہاں کی درس گاہیں حسب سابق طالبان علم کا مرجع رہیں اور اس کی شہرت کا ڈنکا ساری دنیاے علم و ادب میں بجتا رہا اور اس کے علما و مدارس دوسروں کے لیے نمونہ بن گئے، چناں چہ جب نصیر الدین ہمایوں ۹۴۷ھ / ۱۵۴۰ء میں اپنی حکومت کھو کر بے سروسامانی کے عالم میں شاہ ایران طہماسپ سے فوجی امداد حاصل کرنے کے لیے ایران پہنچا، تو شاہ ایران نے پہلی ہی ملاقات میں شیراز ہند کا ذکر چھیڑا:

"شہنشاہ ایران طہماسپ از سلطان الہند ہمایوں در نخستیں ملاقات از فضلاے جون پور پُرسید و باادراک کثرت وافر علماے دراں دیار بروبرائی شیراز متحیر گردیدہ ہماں روز کار پردازان سلطنت جہت تاسیس مدارس شیراز و تعظیم و توقیر علماے آں شہر فرمان داد"۔ (تذکرۃ العلماص ۴)

لودھی سلاطین کے عہد حکومت میں مشاہیر علماے جون پور جنھوں نے ایسے کارناموں سے دنیا کے علم و فن میں جون پور کی عظمت بڑھائی، ان کے اسماے گرامی یہ ہیں:

مولانا الہ داد جونپوری	متوفی ۹۳۳ھ
مولانا حسین بن طاہر جونپوری	متوفی ۹۰۹ھ
مولانا بہاء الدین عمر جونپوری	متوفی ۹۱۱ھ

شیخ نصیر الدین بن قلندر سمر قندی جونپوری متوفی ۹۱۵ھ

مولانا عبد اللہ بن مولانا الہ داد جونپوری۔ ....

سلاطین مغلیہ:

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے موسس اوّل شہنشاہ بابر نے آخری لودھی سلطان ابراہیم لودھی کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر ۱۵۲۷ء میں لودھی سلطنت کا خاتمہ کر کے دہلی اور شمالی ہند کے مختلف حصوں پر مغل سلطنت قائم کرلی تھی۔

ظہیر الدین بابر نہ صرف ایک عدیم المثال، عظیم المرتبت فاتح، اولوالعزم بادشاہ تھا بلکہ ارباب بصیرت نے اس کو ایک بلند پایہ اہل قلم اور قابل قدر شاعر تسلیم کیا ہے۔ (بزم تیموریہ، ص:۱)

شہنشاہ بابر کو موت نے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کو پائیداری عطا کرتا اور علم وفضل کی شمعیں روشن کرتا۔

بابر کی موت کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا نصیر الدین ہمایوں مغلیہ سلطنت کے تاج وتخت کا مالک بنا، لیکن ابتدائے عہد میں اس کی چند سیاسی غلطیوں نے اس کی حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا، گجرات اور بہار کے حاکموں اور بھائیوں کی مسلسل شورشوں نے بالآخر اس کی حکومت کا خاتمہ کر ڈالا اور شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو ہندوستان سے باہر نکال کر، دوبارہ افغان سلطنت قائم کرلی، شیر شاہ زبردست بہادر، بے مثال سیاست داں اور بے مثال منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ عالم دین تھا، اس نے جونپور کی فضائے علم وفضل میں تعلیم حاصل کی تھی، وہ عادل، رعایا پرور، نرم دل اور نیک سیرت بادشاہ تھا، اس نے ملکی اصلاحات کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کے فروغ کے لیے بھی کام کیے۔

ہمایوں میں بابر ہی کی طرح حوصلہ مندی اور شجاعت کے جوہر تھے چناں چہ اس نے ۱۵۵۵ء میں شاہ ایران کی مدد سے دہلی کو فتح کرلیا اور دوبارہ مغل سلطنت قائم کی، ہمایوں کو بھی موت نے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ نئی حکومت کو مستحکم بنائے یا علم وفضل کی بزم آرائی کر سکے۔

ہمایوں جس طرح مجاہدانہ اولوالعزمی، بہادری اور شجاعت کا پیکر تھا اسی طرح وہ علم وادب کا دلدادہ، شیدائی اور علما وفضلا کا قدر داں تھا۔

”در صحبت آں مقتدائے جہاں ہمہ وقت فضلا و علما و اکابر بودند ہمہ از اول شب

تا بصبح صحبت می گذشت"۔ (طبقات اکبری بحوالہ بزم تیموریہ ص۸)

ہمایوں کے بعد اکبر مغلیہ سلطنت کے تاج و تخت کا مالک بنا، وہ خود تو جاہل تھا مگر علم وادب کا قدر داں ضرور تھا، اگر اس کے اعتقادات ضلالت وگمراہی سے محفوظ رہتے تو یقیناً اسلامی علوم وفنون کو اس کے دور میں کافی ترقی ہوتی، اس کے جانشین جہانگیر نے بھی اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

شاہ جہاں:

مغل سلاطین میں شاہ جہاں اپنی عظمت ورفعت کے اعتبار سے کسی طرح اپنے ماسبق سلاطین دہلی سے کم نہ تھا، وہ پابند شرع، دین دار اور عادل تھا وہ خود بھی عالم اور علم نواز تھا، اس نے اکبر کے عہد کی بہت سی بدعات اور مشرکانہ رسومات سلطنت کو ختم کیا اور قوانین حکومت کو اسلامی شریعت کے قریب لانے کی کوشش کی۔

اس کا دل دینی جذبات سے معمور تھا، وہ اپنے حدود سلطنت میں اسلام کی سربلندی اور عظمت دیکھنا چاہتا تھا، دلّی، آگرہ، اجمیر، لاہور اور دیگر بلاد ہند میں اس کی بنوائی ہوئی شاندار مسجدیں، اس کا واضح ثبوت ہیں۔ شاہ جہاں کی حکومت کے بارے میں "مآثر الکرام" کے مصنف نے لکھا ہے:

"شبستان ہند راز سر نو پرتو چراغ شریعت محمدی در آگیں ساختہ" (مآثر الکرام ص:۳۲۱)

شاہ جہاں کے جذبہ ایمان اور بیکراں علمی شغف کا لازمی تقاضا تھا کہ وہ علم و علما کی سرپرستی کرتا، چناں چہ اس نے شیراز ہند جون پور کے مرکز علمی کو فروغ دینے کے لیے خصوصی توجہ دی اور اسے ہند کے اس علاقہ پر بڑا ناز تھا، وہ فخریہ کہا کرتا تھا:

"پورب شیراز ماست"

اورنگ زیب عالم گیر:

شاہ جہاں کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ ۱۰۶۸ھ میں مغلیہ سلطنت کے تخت پر رونق افروز ہوئے اور انھوں نے تمام سابق سلاطین مغلیہ کے غیر اسلامی انداز حکومت کو بدل کر اسلامی رنگ میں ڈھالا، وہ زبردست عالم، بے مثال عابد وزاہد، بے نظیر جرأت وشجاعت اور بے کراں تدبیر جہانبانی سے متّصف تھے، انتظام حکومت کے علاوہ سارے اوقات یاد الٰہی اور کتب علمی کے مطالعہ میں گذرتے تھے، زمانہ شاہ زادگی ہی سے ان کا طبعی رجحان زہد واتقا اور علم وفضل کی طرف تھا، وہ اپنی حکومت کو شریعت کے مطابق چلانا چاہتے تھے، علوم اسلامی سے تعلق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کے متبحر اور جید علما کو

جمع کر کے فقہ حنفی کی مشہور زمانہ کتاب فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرایا۔

جون پور کا علمی ماحول حضرت عالم گیر علیہ الرحمہ کی توجہ خاص سے شرقی سلاطین کے عہد سے آگے بڑھ گیا تھا، تذکرۃ العلما کے مصنف نے ایک جگہ لکھا ہے:

"عالم گیر بادشاہ خود عالم باعمل و عامل باعلم بود، قدر دانی علما بیش از بیش نمود، واز عہد شاہ زادگی منظور داشت تا جون پور مثل سلاطین شرقیہ از کثرت علما و مشایخ وانبوہ و ہجوم طلبہ علوم و کاسبان فیوض رونق پذیر باشد"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"القصہ در عہد آں حضرت نمونۂ گلزار ارم شدہ و تمام شہر و قصبات و نواحی آں مدرسہائے قدیم تاسیس باختند و بسے خانقاہ و مدرسہ تعمیر جدید شدند"۔ (تذکرۃ العلما ص ۵۱)

مذکورہ بالا اقتباس سے عہد عالمگیر میں جون پور کی شان و شوکت علمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، عالمگیر کے بعد تقریباً سو سال تک مغل سلطنت قائم رہی لیکن اس کے تقریباً سارے حکمراں نااہل، کمزور اور تعیش پسند ہوئے، جس کے سبب مغلیہ حکومت کا روشن چراغ جس کی روشنی پورے برصغیر ہند پر پھیلی ہوئی تھی، صرف لال قلعہ کی فانوس تک محدود ہو کر رہ گئی، بالآخر اسے بھی انگریزی سامراج کے ایک معمولی سے جھونکے نے گل کر دیا۔

مغل سلاطین کے پورے عہد حکومت میں جون پور کو علمی مرکزیت حاصل رہی، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کی خصوصی توجہ نے اس کی شمع علم کی لو تیز سے تیز تر کر دی تھی، اس پورے دور میں جو علمائے جون پور مسند تدریس کی زینت بنے یا جن کے قلم نے گراں قدر مصنفات چھوڑیں، ان کی تعداد شمار سے باہر ہے، اس جگہ ان میں سے چند اکابر علما و فضلا کے اسمائے گرامی پر اکتفا کیا جاتا ہے:

مولانا شمس نور جونپوری ۱۰۴۷ھ	استاذ الملک علامہ افضل جونپوری ۱۰۶۲ھ
شیخ مصطفیٰ جونپوری	مولانا ابوالخیر جونپوری
دیوان محمد رشید جون پوری ۱۰۸۳ھ	ملا محمود جون پوری ۱۰۶۳ھ
مفتی محمد صادق بن مفتی ابوالبقا جون پوری	مولانا احمد بن ابوسعید (ملا جیون) ۱۱۳۰ھ
قاضی حبیب اللہ جون پوری ۱۱۰۵ھ	مولانا شکرانہ جنیدی جون پوری ۱۱۲۵ھ
قاضی عبدالصمد جون پوری	قاضی محمد حسین جون پوری ۱۰۷۷ھ
مفتی مبارک بن مفتی ابوالبقا جون پوری ۱۰۹۸ھ	

مختصر جائزہ:

۷۷۲ھ سے لے کر ۱۱۵۰ھ تک شہر جون پور نے مختلف حکمران و سلاطین کے دور دیکھے، اس دوران جون پور کی بساط سلطنت بارہا انقلاب روزگار کے ہاتھ پلٹتی رہی، تغلق، شرقی، لودھی، اور مغل خاندانوں کے بادشاہوں کے ہاتھ میں علاقہ آتا جاتا رہا، سیاسی و ملکی اعتبار سے ہمیشہ ہی زبردست ردوبدل ہوتے رہے، حکمرانوں کے ہاتھوں سے اقتدار کی باگ ڈور چھنتی رہی، ان کے محلات ویران ہوتے رہے، ان کی بزم عیش وطرب درہم برہم ہوتی رہی، مگر جونپور کی بزم علم ہمیشہ بارونق رہی، اس کا علمی وقار ہر دور میں قائم رہا، یہاں کے علما و فضلا ملک کی ساری سرد و گرم سیاست، خونریز انقلابات اور دہشت انگیز فضا و ماحول سے بے پروا ہوکر اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہے، یہ چمن زار علم لیل ونہار کی صدہا گردشوں اور بدلتے ہوئے موسموں میں بھی سدا بہار رہا، اس کے گل وغنچے دست گلچیں سے بے خوف رہ کر مہکتے اور مسکراتے رہے، یہاں کی شمع علم، حوادث کے تیز و تند جھونکوں میں بھی پوری تابانی کے ساتھ روشن رہی اور اپنے انوار و تجلیات سے برصغیر ہند کو روشن و منور کرتی رہی۔

جس مرکز علمی کی بنیاد مولانا بہاء الدین دہلوی کے ہاتھوں پڑی، جسے مولانا شرف الدین لاہوری نے اپنی مساعی جمیلہ سے پروان چڑھایا، جسے شرقی سلاطین کی نوازشوں نے عروج بخشا، اس کو لودھی سلاطین کی ہمدردیاں بھی حاصل رہیں اور مغل سلاطین نے اس کی ترقی اور عروج کو اپنا مقصد قرار دے کر نہ صرف جون پور ہی بلکہ نواح جون پور کو بھی عظیم تر علمی مرکز بنادیا اور شہر شہر، قریہ قریہ مدارس کی کثرت اور اہل علم کی فراوانی ہوگئی۔

ملک وبیرون ملک سے طالبان علم کے قافلے اس علاقہ میں آتے اور اپنے دامن کو علم کی دولت لازوال سے بھر کر جاتے۔

یہ شہر اسلامی علوم وفنون کا بے مثال مرکز اور علما و فضلا کا مستقر تھا جس کی علمی فضا اور یہاں کے علما پر ہندوستان بجا طور پر فخر وناز کر سکتا تھا، اس خاک سے پیدا ہونے والے علما فخر روزگار ہوتے تھے، اس مطلع علم و فضل پر چمکنے والے ستارے اپنے اندر وہ جاذبیت اور کشش رکھتے تھے جو قدردانِ علم و فضل کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔

جون پور کا علمی انحطاط:

سلطان اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کے بعد سلطنت مغلیہ کو کوئی ایسا لائق اور عظیم بادشاہ نہ مل سکا جو عالمگیر کی عظیم الشان حکومت کو سنبھال سکتا، مغل سلاطین کی تعیش پسندی اور نااہلی کے باعث ملک میں انتشار و افتراق کا ماحول، بغاوتوں وفتنوں کی فضا عام ہوگئی، سلطنت دہلی کے ایک ایک صوبے مرکز سے آزاد

ہونے لگے، مرکزی حکومت کی کمزوری سے اندرونی اور بیرونی باغیوں کے حملہ آوروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے قتل و خوں ریزی، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا، دارالسلطنت دہلی پر ہر وقت خطرات کے بادل منڈلاتے رہتے تھے، اعیان سلطنت کی باہمی رسا کشی نے دلّی سلطنت کے وقار کو اور بھی مجروح کر دیا۔

محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں نادر شاہ نے دلی کو لوٹ کر اس کی ساری عظمت خاک میں ملا دی، نادر شاہ درانی کی قتل و غارت گری کے چشم دید واقعات اہل قلم رائے آنند رام مخلص اس طرح لکھتے ہیں:

"صبح دم کہ عبارت از یاز دہم ذی الحجہ از موقف جلال شاہی حکم قتل عام شد قیامتے قائم گردید، دریک آن واحد کارِ جہاں تمام شد، سرتاسر آراستہ از چاندنی چوک و کٹرہ بازار و دریبہ گرد و پیش مسجد جامع از بس کہ آتش کشیدند بخاک سیاہ برابر گشت و برسکنہ اش از قتل و غارت عام کہ یک قلم بہ تیغ کشتند، چہ گویم کہ چہ قیامت گذشت؟ بہ ہر کس از قتل و غارت و برباد رفتنِ عرض و ناموس ہر چہ گذشت تا روز گارے طویل کوچہ ہائے شہر کہ از کوچہ باغ پائے کمی نہ داشت مردہ زار بود و شہر و دشت آتش کشیدہ برابر خاک سیاہ گردید۔

(وقائع آنند رام بحوالہ دلی کی داستان شاعری ص ۴)

نادر شاہی حملہ نے مغلیہ سلطنت کو بالکل بے اثر اور بے وقار بنا دیا تھا، سلاطین دہلی کے لیے اپنا اقتدار بچانا سخت مشکل ہو رہا تھا، وہ اہل علم و کمال کی طرف کیا متوجہ ہوتے؟ شہر دہلی کے لیے فتنوں کا دروازہ کھل چکا تھا جس کے باعث علما و مشائخ، شعرا و ادبا دلّی چھوڑ رہے تھے، کچھ ہی دنوں میں دلّی کا نقشہ بدل گیا تھا۔

اردو کے بلند پایہ شاعر میر تقی میر نے "ذکر میر" میں دلّی کی ویرانی کا منظر ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

عبرت گرفتم و چوں بیش تر رفتم حیراں تر شدم مکانہا را نہ شناختم، و دیارے نیافتم، از عمارت آثار نہ دیدم، از ساکنان خبر نہ شنیدم از ہر کہ سخن کردم گفتند کہ ایں جا نیست، از ہر کہ نشان جستم، گفتند کہ پیدا نیست، خانہا نشستہ، دیوارہا شکستہ، خانقاہ بے صوفی، خرابات بے مست خرابہ بود، از یں دست تا بداں دست۔ (بحوالہ دلی کا دبستان شاعری ص ۱۰)

دہلی کے انھی پر آشوب حالات میں اودھ کے نوابوں نے عروج حاصل کیا تھا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور باقاعدہ مشرقی علاقوں پر ان کی عظیم سلطنت قائم ہوگئی تھی، جون پور بھی اسی اودھی سلطنت کے حدود میں داخل تھا، یہ حکمراں مسلکاً شیعہ تھے اور مذہب تشیع کی اشاعت و تبلیغ ان کا بنیادی مقصد تھا، چناں

چہ آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:

”تا آں کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شد وظائف خانوادہ ہاے قدیم و جدید یک قلم ضبط شد، و کار شرفا و نجبا بہ پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آنجا را از کسب علم باز داشتہ در پیشۂ سپہ گری انداخت، و رواج تدریس و تحصیل باآں درجہ نہ ماند، و مدارسے کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود، یک قلم خراب افتاد، وانجمن ہاے ارباب کمال بیشتر برہم خورد۔ (مآثر الکرام ج ا ص ۲۲۲ مطبع مفید عام، آگرہ)

نوابان اودھ کی اس کوتاہ بینی اور تنگ نظری سے سارے علاقۂ شرق بالخصوص جون پور کے علمی مرکز کو حد درجہ صدمہ پہنچا، وہ مجلس علم و فضل جس کی رونق زمانے کے عظیم سے عظیم انقلابات میں بھی کم نہ ہوئی، حالات کے مسموم جھونکوں سے جس کا شاداب چمن کبھی متاثر نہ ہوسکا، وہ شیراز ہند جس کا عروج ان نامساعد حالات میں بھی ہوتا رہا، وہ سلاطین مغلیہ کے زوال اور نوابان اودھ کے عروج کے زمانہ میں ماضی کی روایات کو برقرار نہ رکھ سکا، نوابان اودھ کی کوتاہ اندیشی، سنیت دشمنی کے ہاتھوں یہ چمن ویران ہو گیا، اس کی بارونق مجلسیں درہم برہم ہوگئیں، وہ مطلع علم و فضل جس سے ہزارہا علم و فضل کے شمس و قمر طلوع ہوئے جن کی نورانی شعاعوں نے پورے ملک کو پُر نور بنا دیا تھا اس پر گہرے بادل چھا گئے تھے۔

نوابی اودھ کے سو سال ہی میں اس مرکز علمی کو ایسا انحطاط وزوال آیا کہ جس پر تاریخ علم و کمال ہمیشہ آنسو بہاتی رہے گی۔

علما و مشائخ کی جائدادیں چھن چکی تھیں اور وہ معاشی بدحالیوں کا شکار ہو چکے تھے، معاشی بدحالیوں نے ان کو مسند تدریس سے ہٹا کر فکر معاش میں سرگرداں کر دیا تھا، جب علما و مشائخ کا کوئی پُرسان حال نہ تھا تو طلبہ اور کاسبان علم کا کون پُرسان حال ہوتا، ایسے پر آشوب ماحول میں وہی سخت جان مدارس اور خانقاہیں اپنا فیض جاری رکھ سکیں جو حکمرانوں اور اُمرا کی نوازشات سے بے نیاز تھیں اور انھی چند درس گاہوں سے شیراز ہند کی سابقہ علمی یادگار باقی رہی۔

۱۸۵۷ء میں جب دہلی کی نام نہاد مغل سلطنت اور اودھ کی واجد شاہی حکومت کا خاتمہ، سفید فام انگریزوں کے ہاتھوں ہو گیا اور پورے ہند پر انگریز سامراجیت مسلط ہو گئی یہ وہ زمانہ تھا جب مغربی قوم کی بالادستی اور اقتدار کے رعب و داب نے ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو مرعوب کر لیا تھا اور ہندوستان کا باشعور طبقہ اپنی

آبائی تہذیب و ثقافت اور علم و فن کو عہد پارینہ کی پیداوار سمجھ کر اسے ٹھکرا رہا تھا، اسے انفرادی و اجتماعی فلاح و نجات کا راستہ محض مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن اور سماج و معاشرت میں نظر آرہا تھا۔

جب ہندوستان سے مسلم طبقہ اپنے موروثی علوم و فنون کی جانب سے روگردانی کا آغاز کر رہا تھا اور انگریزی حکومت کو اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی کہ وہ ماضی کی ویران درسگاہوں کو آباد کرتی، علوم و فنون کے منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کرتی۔

تاہم جون پور کی سرزمین، جہاں صدیوں تک علم و فضل کا چرچا رہا اور جسے نوابان اودھ نے تباہ و برباد کیا، انگریزی سامراجیت کے عہد آخر میں بھی وہاں نامساعدت زمانہ کے باوجود کسی نہ کسی حد تک ماضی کی روایات کا دھندلا سا نقش باقی رہا۔

اسی دور آخر میں مدرسہ حنفیہ اپنی علمی سرگرمیوں کی وجہ سے مشرقی ہند کے کاسبان علم کا ماویٰ و ملجا بنا رہا، جس کی مسند تدریس پر استاذ العلما حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں رامپوری متوفی: ۱۳۲۶ھ تلمیذ رشید حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے رونق افروز ہو کر شیراز ہند کی دیرینہ عظمتوں کی یاد تازہ کی، اور آپ نے اپنے حلقۂ درس سے ایسے باکمال علما پیدا کیے جن کے فضل و کمال کے اثرات، نہ صرف برصغیر ہند تک محدود ہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی پہنچے، انھی بلند پایہ تلامذہ میں صدر الشریعہ مولانا حکیم امجد علی علیہ الرحمہ، علامہ سید محمد سلیمان اشرف سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، استاذ العلما مولانا سید برکات احمد ٹونکی، مولانا عبدالسلام نیازی دہلوی، مولانا شیر علی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی، مولوی محمد ابراہیم بلیاوی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند، مولانا عبدالاوّل جونپوری، مولوی عنایت حسین خاں جونپوری، مولانا محمد اسماعیل جونپوری، مولانا منصب علی جونپوری، منور جبروت جونپوری وغیرہ وغیرہ ہیں۔ (ص ۳۳۴ باغی ہندوستان از شاہد شیروانی مکتبہ قادریہ لاہور)

مبارک پور:

جس زمانہ میں جون پور کی علمی فضا خاندان شرقیہ اور لودھی سلاطین کی سرپرستی میں اپنی منزل ارتقا کی طرف بڑھ رہی تھی، جونپور کے گردونواح میں اسلامی بستیاں آباد ہو رہی تھیں انھی نو آباد بستیوں میں مبارک پور بھی ہے، بنیاد حضرت راجا مبارک شاہ علیہ الرحمہ نے رکھی اور اپنے روحانی فیوض و برکات سے اس سرزمین کو نوازا اور اس قصبہ کے لوگوں میں علوم و معارف، دین داری و تقویٰ کا جذبہ پیدا کیا جس کے اثرات آج بھی روشن

ہیں، یہاں کے باشندوں میں مذہبی جوش، اخلاق و کردار کی بلندی آج بھی نمایاں ہے، اس قصبہ کی بنیاد دور ہمایونی میں ۹۲۵ھ میں رکھی گئی تھی اور اسی زمانہ سے اس قصبہ کا گہرا تعلق شیراز ہند، جون پور سے رہا، یہی وجہ ہے کہ یہ قصبہ کسی دور میں بھی اہل علم و فضل اشخاص سے خالی نہیں رہا۔

زمانۂ آغاز ہی سے اس قصبہ کی وہ فضا تیار ہو رہی تھی جس میں جون پور اور دیگر مراکز علمی کے انحطاط و زوال کے بعد، عظیم تر مرکز علمی پروان چڑھنے والا تھا۔

مبدأ فیاض نے یہاں کے باشندوں کو دینی جذبہ اور عشق و ارادت کی فراوانی سے نوازا تھا، تاکہ جب دیار مشرق کے چمن زار علم و فن، خزاں سے دوچار ہو جائیں تو یہ قابل قدر دینی و ملی جذبہ رکھنے والے، ایثار و قربانی کے پیکر اپنے خون جگر سے ایک نئے گلستان علم و فضل کی آبیاری کریں اور اپنی بے مثال قربانیوں سے اس چمن زار علم کو ایسی تر و تازگی عطا کریں جس کے غنچہ و گل کی روح پرور مہک سے سارا خطۂ ہند معطر ہو جائے۔

مدرسہ مصباح العلوم:

انگریزی سامراجیت کے دور آخر میں مبارک پور کے زندہ دل، با حوصلہ اور دین دار مسلمانوں نے علوم اسلامیہ کی تعلیم کے لیے مدرسہ مصباح العلوم قائم کیا جس کی مسند تدریس پر حضرت مولانا محمد صدیق گھوسوی علیہ الرحمہ برسہا برس تک تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے، مولانا موصوف کے انتقال کے بعد یہ مدرسہ حالات کی زبوں حالی کی نذر ہو گیا اور ایک معمولی مکتب کی شکل میں باقی رہ گیا۔

حضور حافظ ملّت کی آمد:

لیکن جب غفلت کی فضا ختم ہوئی اور قوم بیدار ہوئی تو اس نے اپنے ادارہ کو فروغ دینے کا عزم مصمم کر لیا اور اہل مبارک پور کے جذبۂ صادق اور خلوص بیکراں کو دیکھتے ہوئے حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی تلمیذ رشید علامہ ہدایت اللہ خاں شیراز ہند جون پور نے اپنے تلمیذ رشید حضرت مولانا حافظ عبد العزیز علیہ الرحمہ کو مبارک پور کے لیے منتخب فرمایا، چناں چہ ۲۹ر شوال ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء کو حضور حافظ ملّت کے مبارک و مسعود قدم نے سرزمین مبارک پور کو سرفراز فرمایا، آپ کی عظیم شخصیت و کردار کے فیضان سے مبارک پور کو دنیائے علم و فضل میں عظیم رتبہ ملا، حضور حافظ ملّت کی آمد نے مدرسہ مصباح العلوم کی فضا کو ابتدائی منزل ہی میں وہ وقار عطا کر دیا کہ کاسبان علم و فضل جوق در جوق مبارک پور پہنچنے لگے۔

اس شمع علم پر پروانے اس طرح ٹوٹ رہے تھے گویا ساون کی خاموش اندھیری رات میں کسی ویرانے

میں شمع روشن ہو جائے۔(اشرفیہ کا ماضی و حال)

دار العلوم اشرفیہ:

حضور حافظ ملّت کی پُر خلوص دینی و علمی سرگرمیوں نے وہ فضا پیدا کر دی کہ اہل مبارک پور نے مدرسہ مصباح العلوم کو عظیم الشان دار العلوم بنانے کا فیصلہ کر لیا اور ۱۳۵۳ھ میں پیر طریقت حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۵۳ھ باغ فردوس کی بنیاد رکھی گئی، اس موقع پر اہل مبارک پور نے دین اور علم دین کے لیے اپنی فیاضی اور ایثار و قربانی کا جو مظاہرہ کیا وہ تاریخ کی ناقابل فراموش حقیقت ہے، اہل مبارک پور نے ایک طرف تو دور دراز سے آنے والے مہمانان رسول (ﷺ) کی ضیافت کی تو دوسری جانب اپنے مالی تعاون سے تعلیم گاہ اسلامی کا عظیم محل بھی تعمیر کیا، حضور حافظ ملّت کی سعی مسلسل اور علمائے اشرفیہ کی جہد پیہم نے دار العلوم اشرفیہ کا وہ علمی معیار قائم کر لیا کہ اس کی شہرت پورے برصغیر ہند میں پھیل گئی، اشرفیہ کے تعلیمی معیار اور ترقی کے سلسلہ میں عالی جناب شبیر احمد غوری ایم۔اے۔ایل،ایل،بی۔سابق انسپکٹر مدارس عربیہ اتر پردیش نے معائنہ کے بعد جو رپورٹ تحریر فرمائی وہ قابل ذکر ہے موصوف لکھتے ہیں:

> مدرسہ صوبہ جات متحدہ کے چند اُن مخصوص مدارس میں ہے جہاں علوم دینیہ و عربیہ کی تعلیم کما حقہ دی جاتی ہے، اس وقت جب کہ ملک میں دینی تعلیم روزانہ رو بہ تنزل ہوتی جارہی ہے اور دیگر مدارس میں طلبہ کی تعداد یوماً فیوماً کم ہوتی جارہی ہے اِس مدسہ میں طلبہ کی علمی سرگرمی بہ نہج معمول جاری ہے۔(روداد ۱۹۴۷ء)

دار العلوم سے جامعہ تک:

حضور حافظ ملّت نے دار العلوم اشرفیہ ہی کو منزل آخر نہیں سمجھا بلکہ آپ اسلامیان ہند کی دینی و علمی ضرورتوں کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک ایسی عظیم دینی درس گاہ کی ضرورت ہے، جہاں طلبہ کو علوم اسلامیہ کی مکمل جامع تعلیم کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کے بدلتے ہوئے ماحول میں اسلامی علوم وفنون کی حفاظت، اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مسائل کو حل کرنے کے لیے جدید فنون سے بھی آراستہ کیا جائے۔

حافظ ملّت علیہ الرحمہ نے اس عظیم منصوبے کو علمی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا جو ایک عظیم جماعت کا کام تھا، لیکن حافظ ملّت کی بے مثال شخصیت تنہا اس میدان میں اتر پڑی، اس تحریک کی راہ میں رکاوٹیں بھی

پیش آئیں، سنگین حالات بھی پیدا ہوئے، مگر اخلاص و ایثار کا پیکر حالات کی سنگینی اور نامساعدت روز گار سے کبھی ہراساں نہ ہوا، سخت مشکلات میں بھی اپنی دھن اور لگن میں آگے بڑھتا رہا، ملک کی رائے عامہ نے اس عظیم تحریک پر پُر جوش صدائے لبیک بلند کی اور وہ مبارک و مقدس ساعت آہی گئی جب سرزمین مبارک پور پر سہ روزہ دینی تعلیمی کانفرنس کا انعقاد ہوا، ملک کے بیشتر علما و اکابر نے اپنے مبارک وجود سے مبارک پور کو رونق بخشی، ۲۱ر ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ/ ۶ر مئی ۱۹۷۲ء کا دن ہندوستان کی علمی تاریخ میں نا قابل فراموش ہے، اسی دن "الجامعۃ الاشرفیہ" کا سنگ بنیاد رکھا گیا، اس دلکش اور ایمان افروز ساعت کا آنکھوں دیکھا حال ہفتہ وار" تاجدار بمبئی" ۱۲ر مئی ۱۹۷۲ء نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

جب علما کا کارواں اس سرزمین پر پہنچا جہاں سنگ بنیاد رکھا جانے والا تھا تو پوری فضا عشق و ایمان اور کیف و مستی کی برسات میں بھیگی ہوئی تھی، جذبۂ مسرت سے چھلکتے ہوئے آنکھوں کے پیمانے، اس پر درود و سلام کے نذرانے، رہ رہ کر نعرۂ تکبیر و رسالت کی تکرار، پوری فضا پر عشق و محبت اور شوق و تمنا کا پھیلا ہوا جادو، اس ماحول میں حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی کا اس یونیورسٹی کے لیے پہلی اینٹ رکھنا ایک ایسا نورانی منظر تھا جس کی لذت روح تو محسوس کر سکتی ہے مگر الفاظ و معانی کی دنیا تعبیر سے قاصر ہے"۔

وارفتگی اور جذبہ عشق و اخلاص کے ساتھ الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا مسلمانان ہند بالخصوص مسلمانان مبارک پور نے جس جذبہ ایثار و قربانی کے ساتھ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے قربانیاں پیش کیں، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اشرفیہ کا علمی کارنامہ:

بے مثال رہ نمائے ملّت نے اپنی تحریک کو چند ہی سالوں کے اندر ملک گیر پیمانے پر عام کر دیا، اشرفیہ کے علمی وقار اور حافظ ملّت کی علمی جدوجہد نے پوری قوم کو الجامعۃ الاشرفیہ کی طرف متوجہ کر دیا، جامعہ کا وہ تخیل جسے حافظ ملّت نے پیش کیا تھا اس کی عملی شکل چند سالوں کے اندر دنیائے علم و فضل کے سامنے آگئی، آج جب کہ حضور حافظ ملّت ہم میں نہیں ہیں، ان کی تحریک تیز گامی کے ساتھ ارباب اشرفیہ کی مساعی جمیلہ سے آگے بڑھ رہی ہے اور آج الجامعۃ الاشرفیہ علمی دنیا میں بے مثال دینی مرکز بن گیا ہے، ملک کے گوشہ گوشہ سے کاسبان علم اس گہوارۂ علمی میں تعلیم و تربیت کے لیے آتے ہیں اور ملک و ملّت کے مشاہیر علما و فضلا کے فیوض علمی سے مالا مال ہوتے ہیں، دیار شرق میں جون پور کے مرکز علمی کے بعد مبارک پور نے اسی عہد علمی کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مبارک پور میں اپنی علمی سرگرمیوں کے آغاز ہی میں ملک وقوم کے تقاضوں کے مطابق اپنی آغوش تعلیم وتربیت سے وابستہ ہونے والوں کو ڈھالنا شروع کر دیا تھا۔

حضور حافظ ملّت علیہ الرحمہ میں طلبہ کی جوہر شناسی کا وہ عظیم فطری ملکہ تھا جس سے وہ طلبہ کے رجحان طبع کا صحیح اندازہ فرما لیا کرتے تھے اور اسی انداز سے ان کی تعلیم وتربیت فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم اشرفیہ سے دستار فضیلت لے کر نکلنے والوں میں کوئی اپنے وقت کا زبردست فقیہ ومحدث بنا، تو کوئی علوم اسلامیہ کا ماہر بنا، کسی نے اپنی شعلہ بیانیوں سے ملک میں دھوم مچا دی، تو کوئی سنجیدہ صحافی اور صاحب قلم، کوئی جامع معقولات بنا، تو کسی نے شعروادب کا پاکیزہ ذوق پایا، کوئی صالح سیاسی شعور لے کر ابھرا اور اہل سنت وجماعت کی قیادت کے فرائض انجام دیے، کسی نے اپنی فکر وبصیرت سے جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کے سامنے اسلامی نظام حیات پیش کیا۔

آج ملک کا شاید ہی کوئی ایسا ادارہ ہو جو فارغین اشرفیہ سے خالی ہو اور ہندوستان ہی کیا، پاکستان، افریقہ، انگلستان اور دوسرے ممالک بعیدہ میں بھی فرزندان اشرفیہ خدمات دین انجام دے رہے ہیں، جس طرح شیراز ہند کے دور ترقی میں علماے جون پور کی شہرت ہندوستان گیر پیمانے پر تھی، آج ملک کے چپہ چپہ میں علماے اشرفیہ کی شہرت وعزت اور عظمت ووقار کا وہی عالم ہے۔

جون پور کا علمی عروج وارتقا، ارباب اقتدار امرا وسلاطین کی داد ودہش کا مرہون منت تھا، وہ چمنستان فضل وکمال، شاہان وقت کی بارش کرم سے شاداب تھا، بزم علم وفن کی رونق شاہی عظمت سے قائم تھی، چناں چہ جب امرا وسلاطین کا عہد حکومت روبہ زوال ہوا تو اس مرکز علمی کو بھی انحطاط سے دوچار ہونا پڑا اور تاریخ علمی کا زبردست المیہ ہے کہ جب ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کی بساط سیاست وحکومت الٹی تو شہر جونپور کی درس گاہیں اور خانقاہیں بھی ویران ہو گئیں اور وہ چمن نذر خزاں ہو گیا، لیکن مبارک پور کا مرکز علمی کسی شخصی اقتدار یا حکومت کے زیر سایہ وجود میں نہیں آیا ہے، اس کے عروج وارتقا میں امرا وسلاطین کی کرم گستری کا ہاتھ نہیں، بلکہ اس مرکز علمی کی بنیاد ایک باکمال پیر طریقت کے ہاتھوں رکھی گئی اور جسے دین متین کے زبردست عالم باعمل نے اپنی جہد مسلسل اور سعی پیہم سے پروان چڑھایا، جس کی بنیادوں کو مبارک پور کے غریب، افلاس زدہ مگر باہمت، بلند حوصلہ مسلمانوں نے اپنے خون جگر سے استحکام بخشا اور جسے ملک ہند کے درد مند، اولوالعزم مسلمانوں نے اپنے جذبۂ ایثار وقربانی سے نوازا؛ اس لیے یہ مرکز علمی ہندوستان کے انقلاب سیاست سے ان شاء اللہ کبھی متاثر نہ ہوگا اور خدا نے چاہا تو مبارک پور کا یہ علمی مرکز گردش لیل ونہار اور تغیرات زمانہ سے بے

نیاز ہو کر اپنی منزل ترقی کی طرف بڑھتا رہے گا، اس کا فیضان عام ہوتا رہے گا، اس کے فضلا علم وفضل کی مجلس کو سنوارتے رہیں گے اور تشنگان علوم اسلامیہ کی سیرابی کا مقدس فریضہ انجام دے کر دیگر کشور ہند کے چپہ چپہ میں اسلام وسنیت کا پرچم بلند کرتے رہیں گے۔ ان شاء المولی تعالی۔

تعلیمی کانفرنس

حافظ ملّت کے اخلاص و عزیمت کی عظیم جلوہ گاہ

علامہ بدر القادری مصباحی (۱)

۲۰، ۲۱، ۲۲/ ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ ۵، ۶، ۷/مئی ۱۹۷۲ء کو الجامعۃ الاشرفیہ (عربک یونیورسٹی) کے مجوزہ خطۂ زمین پر تعلیمی کانفرنس ہوئی، حضور حافظ ملّت کی روحانی عظمتوں کے معترف ان تاریخی اجلاس اور بامقصد کنونشن کو ہندوستان کا اہل علم سنّی طبقہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا، اس خُلد منظر کانفرنس کا ایک خاکہ جو ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ کی ڈائری میں محفوظ تھا نذر قارئین ہے، یقیناً آپ کو بھی اعتراف کرنا ہوگا کہ حافظ ملّت جیسی شخصیت کے لیے اس مصرع کا جواز باقی ہے

ع آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند

محب محترم ذوالمجد والکرم ....زیدت معالیکم

دعوات وافرہ، متکاثرہ، متنزائدہ و سلام مسنون

محبت نامہ صادر ہوا آپ کے جذبات صادقہ قابل تحسین ہیں، اس سے بے اندازہ مسرت ہوئی کہ آپ اسی وقت اپنا کام چھوڑ کر کانفرنس کے کام کے لیے مبارک پور آنا چاہتے ہیں، یہ اشرفیہ سے پوری وفاداری کا ثبوت ہے بلا شبہہ آپ اشرفیہ کے سعادت مند فرزند ہیں، مولائے نعیم وغافر آپ کی عمر میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے، دین پاک کی نمایاں و ممتاز خدمات کی توفیق رفیق بخشے، ہمیشہ بصحت و سلامتی شاد و آباد رکھے۔ آمین بجاہ حبیبہ

(۱) تعارف ص:۴۲ پر دیکھیں۔

سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

کانفرنس کا پہلا کام اس کے مصارف کی فراہمی تھی، خرچ کا اندازہ پچیس ہزار ہے (یہ ابتدائی اندازہ ہے ورنہ ۳۳ ہزار رہا) یہ مصارف صرف مبارک پور ہی سے پورا کرنے کے عزم پر چندہ شروع کیا، بفضلہ تعالیٰ قوم بیدار ہوگئی پچپن ہزار کی وصولی پر ختم کر دیا، له الحمد و المنة.

چندہ کی وصولی ایک تاریخی ہے، الفاظ اس کیف کے حامل نہیں، مسلمانانِ مبارک پور میں یہ جوش اور جذبہ ہے کہ پانچ مسلمانوں نے پانچ تعلیمی کمروں کی تعمیر کا بھی اعلان کر دیا، امید ہے کہ پانچ اور تیار ہوجائیں گے، ہر کمرے کا اسٹمٹ (Estimate) کم از کم پانچ ہزار روپیہ ہے، یہ غربائے اُمّت تن، من، دھن کی بازی لگا رہے ہیں، یہ آپ کی خوشی کے لیے لکھ دیا ہے اخبارات میں مضامین جارہے ہیں اشتہارات بھی طبع ہو رہے ہیں آپ کانفرنس سے ایک ہفتہ پیش تر آجائیں، تاکہ آپ کے مدرسہ کا زیادہ نقصان نہ ہو، خصوصی احباب کو دعوت دیں کہ وہ کانفرنس میں شرکت کریں، اراکین سید العلوم (بہرائچ) کی خدمت میں سلام مسنون۔

[فقط: عبدالعزیز عفی عنہ]

حضرت حافظ ملّت کا یہ مکتوب مجھے ۲۰/ مارچ کو موصول ہوا جذبۂ شوق کی آگ اور بھڑک اٹھی، یوں تو احباب کے خطوط سے مبارک پور اور کانفرنس کے حالات برابر موصول ہوتے رہتے تھے اور میں بہرائچ میں رہ کر بھی ذہنی طور پر خود کو مبارک پور میں پاتا، حضرت کے اس مکتوب نے مجھے سراپا اشتیاق بنا دیا۔

سننے والوں کو مبارک، داستانِ کوہِ طور
دیدۂ دل کاش ! ہم خود وہ تماشا دیکھتے

۳۰/ اپریل کی سہانی شام تھی جب میں محمد آباد سے مبارک پور کے لیے بس پہ بیٹھا، پوسٹ آفس کی عمارت کے پیچھے سورج دفن ہو رہا تھا، شعاعیں اپنا دامن سمیٹ رہی تھیں اور ملگجی اندھیرا دھیرے دھیرے اپنا شامیانہ دراز کر رہا تھا، بس ایک تو لیٹ تھی ہی، دوسرے کنڈیکٹر اور ڈرائیور جانے کہاں غائب تھے، ایک ایک منٹ مجھے کچوکے لگا رہا تھا اور شاید پہلی بار مجھے ڈرائیور اور کنڈیکٹر پر اتنا غصّہ آیا تھا؛ اس لیے کہ میں مبارک پور جا رہا تھا جہاں کے در و دیوار ایک مرد خدا کی آواز پر جی اُٹھے ہیں، جہاں کے ذرہ ذرہ سے آج بیداری کے نغمے اُبل

رہے ہیں، جہاں کے بسنے والوں نے اپنا مستقبل ایک جفاکش مجاہد کے ہاتھوں میں دے ڈالا ہے، جس کا شعور آگہی دیکھنے کے لیے میں مہینوں پیش تر آمادۂ سفر تھا، لیجیے خدا خدا کر کے بس چل پڑی مگر رفتار بہت کم ہے، اس سے تیز تو میں دوڑ سکتا ہوں اندر سے آواز آئی، خدا خدا کر کے آدھے سے زیادہ راستہ طے ہو چکا، شام کے دھند لکے میں میں مبارک پور کی آبادی کو گھور گھور کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر آبادی کے باہر سڑک کے بائیں جانب سکیڑوں آدمی پھاوڑے سنبھالے ہوئے زمین کھودنے میں مصروف ہیں، یا مظہر العجائب! اتنے سارے مزدور اور اس وقت زمین کھود رہے ہیں، یہ کیا ماجرا ہے؟ بس کے ایک مسافر نے مجھے تعجب سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھ کر فہمائش کی یہ عربی یونیورسٹی کی زمین ہے جہاں تعلیمی کانفرنس ہونے والی ہے اور یہ زمین کھودنے والے مزدور نہیں ہیں، مبارک پور کے مسلمان ہیں جو دن بھر اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور رات کو کانفرنس کے لیے زمین برابر کرنے کے واسطے پھاوڑے سنبھال لیتے ہیں، دن میں اپنے شکم کی روزی کا بندوبست کرتے ہیں اور سورج ڈوبتے ہی قلب و روح کی غذا حاصل کرنے کے لیے میدان عمل میں کود پڑتے ہیں۔

فراوان محبت رانمی باشد گراں راہے
بہ پیشش سہل تر گردد رہِ شیشہ، غم تیشہ

میں نے قریب سے دیکھا تو انسانوں کا ایک جم غفیر ہے جو اسلامی علم و تمدّن کا ایک شہر بسانے کے لیے زمین ہموار کر رہا ہے، ایک جذبہ ہے جو ہر ایک کی حرکتوں سے پھوٹا پڑ رہا ہے، ایک امنگ اور حوصلہ ہے جو پیمانۂ عمل میں چھلک رہا ہے، اب میں مبارک پور پہنچ چکا تھا، وہاں کے کوچہ و بازار میری نگاہوں کے سامنے تھے، وہاں کی آباد سڑکیں جن پر اسلامی کرنوں کی تابناکی صاف نمایاں تھی، حضور حافظ ملّت کے والد گرامی کے بقول مبارک پور میں مجھے اسلام نظر آرہا تھا۔

کہیں آباد ہوگا کوئی پیمانہ کسی دل کا
یہ وہ مے ہے جو ہر شیشہ میں چھلکائی نہیں جاتی

سب سے پہلے غیر ارادی طور پر میں اشرفیہ کی عمارت قدیمہ کی جانب چل پڑا جو دورِ طالب علمی میں میرا مسکن تھا، سامنے مدرسہ کی جانی پہچانی خام عمارت کھڑی ہے اور میں قدم بہ قدم بڑھ رہا ہوں، ایسا لگتا ہے کہ تین سال کا زمانہ سمٹ کر ایک نقطے میں منجمد ہو گیا ہے اور وہ سیاہ نقطہ میری نگاہوں سے اوجھل ہونا چاہتا ہے، چند سال پرانی یادوں میں ذہن بہا جا رہا ہے وہ کلیلیں، وہ خوش فعلیاں اور طالب علمی کے زمانہ کا وہ آزاد ماحول (بفہم

خویش) جس میں غم ماضی نہ فکر فردا ہے۔

احباب کی مجلسیں، دوستوں کی نشستیں بیک وقت ان تمام کے دروازے ذہن ودماغ پر کھل گئے، پہلا قدم دروازے کے اندر پڑا "السلام علیکم" کا اسلامی مشردہ پیش ہوا اور چاروں طرف مسکراتے چہرے اور چمکتی آنکھیں، خلوص ووفا کا ساون برسا گئیں، سید شمیم گوہر الہ آبادی نے مصافحہ کیا تو ہاتھ چھوڑتے ہی نہیں کہ دوسرے حضرات سے بھی مصافحہ ہو، دماغ کی رگوں میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا وہ مفہوم تیرنے لگا کہ مصافحہ کرنے والے سے ہاتھ خود نہ کھینچو یہاں تک کہ وہ چھوڑ دے، اخلاص انسانی کے تقاضوں کو اپیل کرتی ہوئی اس حدیث پاک کا صحیح مقام اب میری سمجھ میں آچکا تھا، اور میں دل ہی دل میں کسی شاعر کے اس شعر کا ورد کر رہا تھا:

بے سبب ترک تعلق میں بھی رسوائی ہے
الجھے دامن کو چھڑاتے نہیں جھٹکا دے کر

محب محترم سید اصغر امام رضوان گیاوی اور دیگر تمام مہربانوں سے ملاقات کرنے کے بعد ایسا لگا جیسے مجھے کوئی دولت لازوال مل گئی ہو، بچھڑے ہوئے دوستوں کا ملنا بھی واقعی خدا کی ایک ایسی بے بہا نعمت ہے جس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

میں ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی جنت میں پہنچ گیا تھا جس سے جدا ہو کر اس کے دلکش سحر وشام کا تصور جزو زندگانی بن چکا تھا، جس "باغ فردوس" سے جدا ہوتے وقت ہم نے اپنی درد بھری آواز دنیا والوں کو یوں سنائی تھی:

ہم بھلا سکتے نہیں تیری محبت تیرا پیار
علم کا ساغر لبوں تک تیرا لانا بار بار
شوخیِ بےجا سے اپنا روٹھنا بے اختیار
باوجود اس کے بھی تو نے ہم کو رکھا ہم کنار
آج فرقت کے سوا بھی درد کیا کیا لے چلے

مادر علمی ترے لطف و مروت کی قسم
یاد کرکے مامتا تیری بہت روئیں گے ہم
کہہ رہے ہیں یہ ترے فرزند سب با چشم نم
بھول مت جانا اگرچہ دور ہوتے جائیں ہم
زخم سینوں پر، کلیجوں پر لیے چھالے چلے

اب ایک بار پھر میں اس خیال سے بے نیاز تھا کہ مجھے کوئی طاقت اس بہارستان علم ودانش سے جدا کر دے گی، غموں کے سائے چھٹ چکے تھے، یاسیت کی مسموم ہوائیں کہیں روپوش ہو چکی تھیں، اب تو میں تھا اور "باغ فردوس" کا دامن سدا بہار، جس نے برصغیر ہند میں ہر چہار جانب اپنے گلدستے بکھیر رکھے ہیں، جن گلدستوں کی مشک بیزیاں شامۂ ایمانی کو تروتازہ کر رہی ہیں بے محابا لبوں پر دل کا ارمان ابل پڑا، اور میں بول ہی پڑا: اے مادر علمی!

میں تجھ سے دور ہو کے زمانہ سے دور تھا
مجبور تھا شکست تمنا سے چُور تھا
جس حال میں بھی تھا ترا شیدا ضرور تھا
کچھ طول انتظار ہے تو ہو نہ بدگماں

جیسے کوئی دودھ پیتا بچہ آغوش مادر میں ہمکتا ہوا پہنچ جائے اور مامتا کی شیرینی کو پہچان کر اپنی فطری نگاہوں سے سب کچھ کہہ ڈالے اور سارا ماحول دیدۂ حیراں بنا رہے، بالکل اسی طرح میں بھی اس ماحول سے کچھ کہہ رہا تھا اور قریب بیٹھے ہوئے احباب میری زبان کے بول پر کان دھرے ہوئے تھے، مگر واردات دل سے قطعًا ناآشنا، اے اشرفیہ! اے قندیل رہنمائی! جس نے منزل ناآشناؤں کو سالار کارواں بنا دیا، جس نے تہی مائگانِ تہذیب کو زندگی کا شعور عطا کر دیا، اے وہ معلم جس کے دامن سے لپٹ کر گم کردہ راہ رہبر کامل بن گئے، اے وہ کریم جس کی عطا سے بھکاری داتا بن گئے، تیری آغوش وہ ہے جس نے مامتا کی جگہ اپنے خلوص کے دیپک جلا دیے، تیرا گہوارہ وہ ہے جس نے ہمیں باپ کا پیار بھلانے پر آمادہ کر دیا۔

اس گلستان زار میں پہنچ کر خوشی سے بے خود ہو رہا تھا، محب مخلص نعیم اعجازی (مولانا نعیم اختر خطیب وامام جامع مسجد راجا مبارک شاہ) نے شانہ پر ہاتھ رکھ دیا اور گویا میں خواب سے بیدار ہو پڑا، چند ثانیہ بعد ہم لوگ مبارک پور کے اس محلہ کی جانب بڑھ رہے تھے جدھر سے نعت خوانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، محبت بھرا انداز، لازوال نغمے۔

مبارک پور کے چندہ کا تو بیان ہی کیا! بقول علامہ راشد القادری ساری دُنیا پر چندہ گویا مسلط کیا جاتا ہے اور اہل مبارک پور خود چندہ پر مسلط ہوتے ہیں (اپنے جذبۂ ایمانی کے طفیل) کانفرنس کے موقع پر تو یہ جوش وخروش کچھ اور ہی رنگ اختیار کر چکا تھا جس کی داستان جستہ جستہ مجھے بہرائچ میں بھی پہنچتی رہتی تھی، آج خوش نصیبی

سے آنکھوں کے سامنے وہ کیف آور منظر آنے کو تھا، چندہ تو اب شاید بند ہو چکا ہے؟ میں نے حضرت حافظ ملّت کے مکتوب کا حوالہ دیتے ہوئے پوچھا۔

اراکین کمیٹی نے اپنی جانب سے تو ضرور چندہ بند کر دیا ہے، مگر لوگوں کے جوش و خروش کو کیا کیجیے کہ خود چندہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں، بعض بعض گھروں سے تو کئی کئی بار چندہ کرنے کی درخواستیں آئی ہیں، میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے محترم نعیم اعجازی نے متعدّد دل افروز واقعات سنا ڈالے، جن کی مثال قرون اولیٰ کی داستانوں میں تو ضرور ملتی ہے مگر آج کا زمانہ ایسے شواہد سے خالی ہے۔

کانفرنس کا چندہ شروع کرتے وقت الجامعۃ الاشرفیہ کے بانی حضور حافظ ملّت نے ایک سو ایک روپے عطا فرمائے، یوں آغاز ہوا اور مسلمانان مبارک پور اپنی گاڑھی کمائی راہ حق میں نثار کرتے رہے، نوادہ کے ایک سرفروش نے ڈیڑھ ہزار کی خطیر رقم دی اور دوسرے روز اسی محلہ کے باقی حضرات کے پاس لوگ چندہ کے لیے گئے تو اس جاں باز نے پھر اپنے گھر بلایا اور سیکڑوں روپیے پھر حاضر کیے، حضرت حافظ ملّت کے روکنے کے باوجود کہ آپ بس کریں، خدا جزائے خیر دے، یہ آپ کی استعداد سے باہر ہو رہا ہے، مگر اس دیوانہ دیں نے اپنی فدائیت جاری رکھی اور آخر میں ایک کپڑے کی بندھی ہوئی پوٹلی جو دیکھنے میں وزنی معلوم ہو رہی تھی لا کر حافظ ملّت کے قدموں میں ڈال دی اور بولا:

”حضور! یہ میری زندگی کا وہ قیمتی سرمایہ ہے جسے میں نے ہمیشہ اپنے سینے سے لگا رکھا، واقعہ یوں ہے کہ مجھے بچپن سے پرانے سکّے اور اشرفیاں جمع کرنے کا شوق تھا اور اب جب کہ جسم کے بال سفید ہو چلے ہیں اور یہ شوق بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے، میں الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے اپنی یہ عزیز متاع آپ کے قدموں میں ڈالتا ہوں، قبول فرمائیں۔“

سرفروشی کا یہ جذبہ واقعی رقت انگیز تھا جس نے اسلامی فدائیت کی تاریخ پھر سے زندہ کر دی تھی، اشرفیہ کے ناظم اعلیٰ قاری محمد یحییٰ صاحب، بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب و دیگر تمام بزرگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، حافظ ملّت کی تو ہچکی بندھی ہوئی تھی، واللہ! عجب جذبات ہیں۔

ان کے قدموں پہ دل و جان کو فدا کر دیتا
ایک سجدہ تو محبت کا ادا کر دیتا

کانفرنس کے موقعے کا چندہ اپنے دامن میں اس قسم کے سیکڑوں واقعات سمیٹے ہوئے ہے جس کے

لیے ایک مستقبل کتاب کی ضرورت ہے۔

اب ہم لوگ چندہ گاہ تک پہنچ چکے تھے، میر مجلس حضرت حافظ ملّت تھے، مفتی اشرفیہ بھی پاس ہی تشریف فرما تھے، نعت خوانوں کی ایک جماعت اس وقت ایک مدحیہ قصیدہ پڑھ رہی تھی:

چاند سورج کی جب تک روانی رہے
میرے حافظ تری زندگانی رہے

صاحب خانہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹا رہے تھے، کبھی مٹھی بھر بھر کر نوٹوں کی بارش کرتے اور کبھی عورتوں کی طرف سے سہرے کے دھاگوں میں گندھے ہوئے روپے پیش ہوتے، نعرۂ تکبیر ورسالت کی گونج ہر لمحہ سنائی دیتی اور یہ دل فریب منظر دیکھنے کے لیے لوگ بڑے ذوق وشوق سے جمع تھے، تقریباً بارہ بجے تک ایک ہی گھر چندہ ہوتا رہا اور دل والے سخی نے خدا کی راہ میں ہزاروں روپے بہا دیے۔

رات مدرسہ قدیم میں گزاری اور صبح ہی یونیورسٹی کی زمین دیکھنے پہنچا تو معلوم ہوا کہ علّامہ ارشد القادری بھی تشریف لا چکے ہیں اور کانفرنس کی تیاری اور زور پکڑ چکی ہے، سامنے ۱۰/ایکڑ (10 Acre) زمین کا منظر تھا جسے لمبی لمبی لکڑی کی بلّیوں کے ذریعہ احاطہ کر دیا گیا تھا، مغربی حصہ میں شمال سے متّصلاً ایک چبوترہ سا نظر آیا جو دور سڑک سے واقعی ایک چبوترہ ہی معلوم ہوتا تھا، نزدیک جا کر دیکھا تو پچیسوں آدمی اسے مٹی سے لیپ رہے ہیں، یہ تھا کانفرنس کا اسٹیج، جسے بنانے میں ایک لاکھ سے زائد اینٹیں خرچ ہو چکی تھیں، اسٹیج بنانے کی ذمہ داری محلہ نوادہ کے مسلمانوں نے لے رکھی تھی، آگے بڑھا تو ناظم اعلیٰ صاحب خود ہاتھ میں پھاوڑا سنبھالے دوسرے سیکڑوں آمادۂ کار نوجوانوں کو ہدایت دے رہے ہیں، میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی اور مصباحی نمک ابال کھانے لگا کہ علامہ ارشد القادری اور ناظم اعلی جیسے جلیل القدر حضرات کیسے اپنے جامہ وتن کو مٹی سے آلودہ کر رہے ہیں اور بدرالقادری! تو کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے؟ فوراً میں نے بھی بڑھ کر پھاوڑا سنبھالا اور جوش حمیت میں دو چار ضربیں لگا ڈالیں، مگر دھان لگانے والی سخت مٹی جس پر پھاوڑا پڑے تو ٹھنک کر دور ہٹ جائے۔

علامہ ارشد کی نظر مجھ پہ پڑی تو مجھے دوسرا کام سونپ دیا اور میں دوپہر تک بہت سے احباب کے ساتھ سرکاری روڈ سے اسٹیج کی سمت کھڑنجا کی دیوار تعمیر کرتا رہا، چونکہ میں نے جامعہ غازیہ (سید العلوم بہرائچ) سے ایک ہفتہ کی رخصت اسی لیے لی تھی کہ مبارک پور پہنچ کر ان کاموں میں ہاتھ بٹاؤں، اس کا احساس کر کے میں اور تن دہی کے ساتھ مصروف رہا، دوپہر کا کھانا کھا کر مجھے اعظم گڑھ جانا تھا، جہاں محترم ماموں ساحل اعظمی صاحب چند روز پیش

تر دلّی سے واپس ہوئے تھے اور ان کے والد گرامی کی طبیعت خراب تھی، ان حضرات کی مزاج پُرسی بھی میرا فرض تھا، دوسرے روز اپنے استاذ گرامی برق اعظمی سے ملاقات کرکے لوٹا تو عصر کی نماز ہو چکی تھی۔

فجر کی نماز حضور حافظ ملّت کی اقتدا میں ادا کی، جب سورج کی بنفشی شعاعیں بلند نیزوں کی طرح خطۂ مشرق سے رونما ہو رہی تھیں، تو میں آقائے نعمت حافظ ملّت کی دہلیز کو اپنی عقیدت کیش نگاہوں سے جھاڑو دے رہا تھا، سینے میں سیلاب عقیدت کی روانی، آنکھوں میں فدائیت کی چمک دمک لیے ہوئے میں نے چوکھٹ پار کی تو قدم کانپ اٹھے اور پورے جسم میں ایک لرزہ سا محسوس ہوا۔

آج جب کہ صرف مبارک پور ہی نہیں پورے ملک (Country) میں الجامعۃ الاشرفیہ، تعلیمی کانفرنس، اور حافظ ملت کو دو مختلف نظریات (Theories) کی صورت دے دی گئی ہے، ایک طبقہ (One sect) وہ ہے جس کے سامنے اس بوڑھے مجاہد کی چالیس سالہ زندگی کھلی ہوئی کتاب کی طرح رکھی ہوئی ہے، جس کا ہر باب کامل اور مکمل ہے، یہ طبقہ طویل تجربہ کی بنیاد پہ الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے اپنے تن من اور دھن کی بازی لگانے پر آمادہ ہے، یہ طبقہ جانتا ہے کہ جس کردار کے غازی نے شدید مخالفتوں (Oposition) کے دور میں جب کہ مبارک پور کی آبادی پہ نام نہاد مسلم جماعت اہل دیوبند کا تسلط تھا مخالفین کا تن تنہا مقابلہ کیا اور عظمت رسول کا پرچم سربلند کر دیا، جس کا انجام یہ ہوا کہ چالیس روز کے متواتر مناظرہ کے بعد مبارک پور کے متعیّنہ مسلمان داروغہ فہیم احمد نے خود مجمع عام میں کھڑے ہو کر صاف لفظوں میں فیصلہ سنا دیا کہ میں نے مناظرہ کے پورے مناظر دیکھے اور فریقین کی بحث سنی اور آج اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ فتح حافظ صاحب کی ہے۔ کہاں تو یہ پوری آبادی وہابیت کے دھارے پہ جا لگی تھی کہیں ایکا ایکی ایسا رُخ بدلا کہ معدودے چند مختوم القلوب کے علاوہ ہر سینہ ناموس رسالت کی عظمتوں سے لبریز ہو چکا تھا، اور شقاوتوں کا وہ مہیب ماحول جو مخالفتوں کی گھن گرج لے کر اٹھا تھا ابر نیساں بن چکا تھا، سچ ہی کہا گیا ہے:

وہی زمانہ کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا

پینتیس سال پہلے کا وہ مبارک پور دیکھنے والے اب بوڑھے ہو چکے تھے، ان بوڑھوں نے اپنی نسلوں کو صدر الشریعہ کے اس روحانی فرزند کے پُر وقار ماضی کی داستانیں سُنائی تھیں، اس وقت کے بچے اب جوانی کی سرحدیں عبور کر رہے تھے، ان کی آنکھوں نے دیکھ رکھا تھا کہ جس کی کوششوں نے ایک مکتب کو عظیم الشان

دارالعلوم کا روپ دیا ہے، آج وہ اس دارالعلوم کو عالم اسلام کی مایۂ ناز یونیورسٹی بنانا چاہتا ہے، اگر اس کے نشانہائے قدم دیکھ کر ساتھ ساتھ ہم بھی ہو لیے تو یقیناً یہ ہمارے مستقبل کی تابناکی کا ثبوت ہوگا۔

دوسرا گروہ (Other Sect) وہ ہے جس کی پشت پناہی پر ہمیشہ سنیت دشمن عناصر کا ہاتھ رہا ہے اور حافظ ملّت کی مقبولیت اور شہرت کو جو صرف ان کے خلوص عمل کا ثمرہ تھی، جس نے شپرہ چشمی سے دیکھا ہے، حافظ ملّت کا ہر قدم ان کی بغض و حسد بھری آنکھوں میں خار مغیلاں بن کر کھٹکتا رہا، کہیں یہ پروپیگنڈہ کہ اشرفیہ اب عزیزیہ بن جائے گا، کہیں یہ ہوائی کہ قانون کی رو سے مجوزہ یونیورسٹی حافظ صاحب کی ملکیت بن جائے گی، ایک طرف اس قسم کی مخالفانہ ہوائیں ماحول کو گرماتی رہیں، دوسری طرف مخلص دین داروں میں عربی یونیورسٹی کی تحریک زور پکڑتی گئی مخالفت کے نشہ میں اپنے بازوؤں نے جواب دے دیا تو ان لوگوں کے دروازے بھی کھٹکٹائے گئے، جن کے متعلق کبھی ”لاتجا لسوھم و لا تؤا کلوھم“ کا حکم زبانوں پہ جاری ہوا کرتا تھا۔

ذہن و فکر کو متوازن سطح پر لا کر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ بغض و حسد ایسی لعنتیں ہیں جو نفاق اور بغاوت، دشمنی اور عداوت، مخالفت اور معاندت وغیرہ شکلوں میں اُگتی ہیں اور جنگل کی کانٹے دار جھاڑیوں کے مانند پورے سماج میں پھیل جاتی ہیں، مخالفت بڑھتی ہے تو سطحی ذہنوں سے حق و ناحق کے راستے گڈمڈ ہو جاتے ہیں، دشمنی اور عداوت ترقی کرتی ہے تو شخصی نقصان سے بلند ہو کر معاشرتی دیوار میں شگاف پڑتا ہے، نفاق کو فروغ ملتا ہے تو سینوں کا نور بجھ جاتا ہے، بغاوت جنم لیتی ہے تو عملی ڈھانچا کو کمزور کر دیتی ہے۔ الامان والحفیظ!

اپنے تصور میں نہ جانے کتنے نقوش لیے ہوئے میں ایک کچے مکان کا دروازہ عبور کر رہا تھا، یہ کچا مکان! حافظ ملت کی روحانی بلندی کی داستان بھی یہیں سے شروع ہوتی ہے، سو سال سے زیادہ پرانی یہ دو منزلہ عمارت (Double Stories) جس کی دیواریں کچی اینٹوں سے بنی ہوئی ہیں اور کھپریل کی چھت ہے، شمالی رُخ کا دروازہ ہے، اندر جا کر جنوب میں دو چھوٹے کمرے اور پچھم کے علاوہ ہر سہ جانب مختصر دالان جو لکڑی کے کھمبوں پہ قائم ہے، جنوبی طرف دالان میں پچھم طرف ایک چار پائی ہے اور اس سے قریباً متّصل ہی ایک تخت پڑا ہے جو بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام دیتا ہے، اس کے آگے بڑھیے تو ایک کچا چولھا جس سے کبھی لکڑیاں جلا کر وضو کے واسطے پانی گرم کر لیا جاتا ہے اور کبھی چائے بنالی جاتی ہے، مختصر آنگن میں ایک طرف غسل خانہ ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت حافظ ملّت کی تشریف آوری سے قبل اس مکان میں کوئی شخص ایک رات نہیں گزار

سکتا تھا، مبارک پور کے بڑے بوڑھوں کے بقول یہ مکان ایک درجن سرکش جنوں کا مرکز تھا، کسی زمانے میں اس مکان کا مالک ہندو سوداگر تھا جس نے انھی اسباب سے تنگ آکر اونے پونے بیچ دیا، اس کے بعد جس نے بھی اس میں رہنے کا قصد کیا رات کو صحیح سالم مکان میں سویا مگر صبح کو کسی گلی کوچے میں آرام فرما پایا گیا، بدروحوں، جنوں، پریتوں کی ساری داستان اسی روز سے سرد پڑ گئی جس روز حضرت حافظ ملّت نے اس میں قدم رکھا۔ یہ وہی مکان ہے، آنگن میں میرا پہلا قدم پڑا اور سامنے تخت پر ایک نورانی شبیہ نظر آئی، نظریں جھکی ہوئی اور ہاتھ میں قلم متحرک۔

معبود کی درگاہ میں کٹتی ہوئی راتیں
مخلوق کی خدمت میں گزرتے ہوئے ایام
کردار کے غازی کو ہے دن رات برابر
نخچیر ہیں فتراک میں، اس کے سحر وشام

میرے سلام کی آواز سُنی تو نظر اُٹھائی اور چہرہ مروت سے کِھل اٹھا، میں نے بڑی تیزی سے بڑھ کر ان پیروں کو چوم لینا چاہا جن کی برکتوں نے مبارک پور کا مقدر بدل دیا، اتنی دیر میں آپ کھڑے ہو گئے تھے، میں نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور میری آنکھیں ان ہاتھوں کی شبنمی ٹھنڈک محسوس کر رہی تھیں، پھر حضرت نے کمال شفقت سے مصافحہ فرمایا اور دعائیں دیں:

اس بندۂ حقیر پہ یہ بارش کرم
منہ دیکھتا ہوں رحمت عاجز نواز کا

پدرانہ عنایات کی حلاوت سمیٹے ہوئے الفاظ میری خیریت پُرسی کرتے رہے اور میں لذّت تخاطب کی موجوں میں بہا جا رہا تھا، باہر کے تمام ہنگامے میرے پیچھے رہ گئے تھے، اب میں ایسے ماحول میں پہنچ چکا تھا جہاں بلا کا سکوت تھا، بے پناہ طمانیت تھی، سیکڑوں بار کا دیکھا سنا وہ چہرہ آج مجھے کچھ مبہم سا لگ رہا تھا، ٹکٹکی باندھے میں دیکھتا ہی رہا، بے پناہ ٹھہراو بڑی آسانی سے پڑھا جا سکتا تھا، یا خدا! کیا یہ وہی ذات ہے جس نے اشارۂ ابرو سے ماحول کے غلط دھارے کو صحیح رُخ دے دیا، جس نے قوم کے دکھ درد کو شربت سہل کی طرح پی لیا، جس نے سنگلاخ ذہنوں کو موم کی طرح نرم کر دیا، دماغ کی رگیں پھنک رہی تھیں اور میں منجدھار میں پھنسے ہوئے کسی بے سہارا انسان کی طرح ساحل پر پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، جس ہیجانی وقت میں میں حضور حافظ ملّت سے نیاز حاصل کرنے گیا تھا، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ پیشانی پر شکن، چہرہ غمزدہ، آنکھیں متفکر، دماغ الجھا ہوا محسوس ہوتا، مگر

یہاں تو نہ کسی قسم کا تفکر ہے نہ غم اور پریشانی، اطراف و جوانب کی ساری دنیا ایک کشمکش کا شکار ہے مگر آپ کے رخسار پر طمانیت کی ایسی جھلک نظر آرہی تھی جیسے قدرت کی خاموش زبان نے ان کے کانوں کو "فقد فاز فوزاً عظیما" کی خوش خبری سنادی ہو۔

موج دریا سے یہ کہتا ہے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

سامنے خطوط کا ایک پشتارہ لگا ہوا ہے، قلم اب بھی حرکت کر رہا ہے، ساتھ ہی مجھ سے پیش آمدہ مسائل پر گفتگو بھی کرتے جا رہے ہیں، میرے اپنے حلقۂ دانست میں اشرفیہ یونیورسٹی سے متعلق کیا رجحانات پائے جا رہے ہیں؟ اس سوال کا جواب میں نے وضاحت سے دیا، تو آپ سنبھل کر بیٹھ گئے اور میری طرف تحسین آمیز انداز میں نظر اُٹھائی، دوران گفتگو میرے اس مکتوب کا بھی تشریحی جواب ملا جو میں نے ڈاکٹر شرر مصباحی کے بتوسط ایک ماہنامہ کی بابت بھیجا تھا، میں نے اپنے اس مکتوب میں اتنے عظیم ادارہ کے لیے ایک ماہنامہ کی ضرورتوں پہ زور دیا تھا، آپ نے جواب دیا:

" رسالہ جاری ہوگا اور ضرور جاری ہوگا، مگر اس غیر مستقل انداز میں نہیں، جس طرح سنیوں کے اور رسالے چار دن کی چاندنی دکھا کر روپوش ہو جاتے ہیں، رسالہ کا اجرا ایک مستقل کام سمجھ کر ہوگا اور فی الوقت تو اسے موقوف ہی سمجھنا چاہیے، تاوقتیکہ الجامعۃ الاشرفیہ کا تعمیری کام معتد بہ منزل تک نہ پہنچ جائے"۔

لوٹا تو سات بج چکے تھے، ۲؍ مئی شام تک کانفرنس ہال میں رہا، جب سورج مغرب میں جھک رہا تھا تو میں مدرسہ قدیمہ کے باہر اپنے ہاتھ پاؤں سے گرد صاف کر رہا تھا، اتنے میں حضرت حافظ ملّت اپنے دروازہ سے نکلے، معلوم ہو رہا تھا کہیں دور کا ارادہ ہے، ساتھ میں مولانا اسلم بستوی مولانا غلام محمد عزیزی بھی تھے، نظریں جھکائے گذر گئے، کچھ دیر کے بعد میں بنارس جانے کے لیے اسٹیشن پہنچا تو وہاں آپ بھی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے، "گھوسی جلسہ میں جا رہا ہوں" میرے سوال پر فرمایا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی جائیں گے، اب بھی مخاطب میں ہی تھا، میں نے معذرت خواہی کی، نہیں حضرت! میں گھوسی نہیں چل رہا ہوں، میں تو بنارس جا رہا ہوں، افسوس! کہ حضرت کی معیت میں اپنے وطن کے اس جلسہ میں شرکت نہ ہوسکی، ٹرین مئو پہنچی تو سورج کی آدھی ٹکیہ زمین میں دھنس چکی تھی، میری

ٹرین میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا، میں حضرت کو ٹیکسی اسٹینڈ تک پہنچانے کے لیے اسٹیشن کے دادر (Bridge) سے ہو کر گزرنے کے بجائے لائنیں پھاندر ہا تھا، ٹرین کی لائنوں کا سلسلہ ختم ہوا اور سامنے کی مسطح زمین لائن سے کافی اونچی تھی، حق رہنمائی ادا کرتے ہوئے میں کود کر اوپر پہنچ گیا، مگر اس وقت مجھے یہ خیال نہ رہا کہ میں تو ابھی نو عمر ہوں میرے لیے یہ کود پھاند دشوار نہیں مگر ایک ۷۸ سالہ ضعیف کیسے چڑھ سکتا ہے، حافظ ملّت نے کمال پھرتی سے دایاں پاؤں اوپر رکھا اور کچھ زور بائیں پاؤں پر کچھ چھڑی پہ دیکر جھٹکے سے اوپر پہنچ جانا چاہا مگر توازن قائم نہ رہ سکا اور اگر اوپر اُٹھے ہوئے بائیں پاؤں کے ساتھ ہی دایاں پاؤں بھی تیزی سے نیچے نہ کر لیتے تو مجھے ٹیکسی اسٹنیڈ پہونچانے کے بجائے ہاسپیٹل (Hospital) لے جانا پڑتا، یہ سب اتنی پھرتی سے ہوا کہ میں آگے بڑھ کر سہارا بھی نہ دے سکا اور آپ سنبھلنے کے بعد ہاتھ کے سہارے اوپر چڑھ گئے، الحمد اللہ، آپ نے نہایت متین لہجہ میں فرمایا اور مجھے اقبال کا قول یاد آ گیا:

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال وپر روح الا میں پیدا

بہت دنوں پیش تر مولانا شمس الحق صاحب استاذ فارسی سے سنا تھا:

راہِ طویل و ہموار بہتر زرہِ نزد و دشوار

اور آج یہ مقولہ اس شدت سے یاد آ رہا تھا کہ نہ پوچھیے، گھوسی جانے کے لیے حضرت کو ایک ٹیکسی پر سوار کیا اور خود واپس ہو رہا تھا کہ اتنے میں اتفاقاً راہ میں حافظ ملّت کا ایک بد اندیش ہاتھ میں بڑا سا بیگ لٹکائے آتا نظر آیا، دور ہی سے صورت جانی پہچانی معلوم ہوئی، قریب آنے پر میں مخاطب ہوا تو پوچھا کہاں سے؟ میں نے جواب دیا حضرت کو گھوسی جانے کے لیے ٹیکسی پر بٹھانے گیا تھا، اس نے کمال طنز سے گھڑی دیکھتے ہوئے، اجی اب تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا میں نے مزید سوال و جواب میں وقت ضائع کیے بغیر اپنی راہ لی، ٹرین بنارس سٹی پہنچی تو گھڑی کی دونوں سوئیاں بارہ کے مرکز پر گلے مل رہی تھیں، میں نے سوچا اب اس وقت نہ تو کسی مسافر خانہ کا دروازہ کھلا ہو گا نہ کسی ہوٹل کا، اور ظاہر بات ہے کہ ایسے وقت برادر محترم مولانا عبد المبین نعمانی کے دولت کدے پر جانا بھی غیر مناسب ہے، بلا وجہ ان لوگوں کی نیند خراب ہوگی، خواہ مخواہ ایک رکشہ پر بیٹھ گیا رکشہ والے نے منزل پوچھی تو بیساختہ منہ سے چھتن پورہ نکل گیا، مولانا کے مکان کے پاس پہنچا تو قریب ہی کے کسی مکان میں صلاۃ و سلام کا آخری دور تھا، فوراً شیرینی لے لے کر لوگ منتشر ہونے لگے، اس بھیڑ میں مجھے برادر

گرامی مولانا محمد احمد بھیروی شیخ الحدیث فیض العلوم جمشید پور اور مولانا نعمانی کی شکلیں پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی، میں نے تو راہ میں یہ منصوبہ باندھا تھا کہ مولانا کے مکان کے عقب کی عالمگیری مسجد میں رات گزار لوں گا، فجر میں ملاقات لازمی ہے، لیکن واہ رے مقدّر! ملاقات ہوگئی وہ بھی دو دوستوں سے۔

اے داغ کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

اگر چہ اس وقت آدھی رات گئے بھی میں شکم سیر نہ تھا، مگر نہ پوچھئے دو مخلص کرم فرماؤں کی ملاقات نے اس قدر مسرور کیا کہ ہر غم غلط ہو گیا، سفر کی تھکن کافور ہوگئی، مولانا بھیروی بھی تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لیے چند احباب کے ساتھ جمشید پور سے تشریف لا رہے تھے۔

صبح طباعت کے سلسلہ میں مولوی ذکی اللہ صاحب کے گھر حاضر ہوا جو عالم کے ساتھ ساتھ فن کتابت بھی جانتے ہیں تو دیکھا کہ آپ سنگ مرمر کی تختیوں پر الجامعۃ الاشرفیہ کے کمروں کی تعمیری ذمہ داریاں لینے والوں کے اسما کی کتابت کر رہے ہیں، شام کو پانچ بجے پریس کے کام سے فارغ ہو کر میں سیدھے بس اسٹینڈ پہنچنے کی ضد کر رہا تھا اور مولانا نعمانی اس پر مصر تھے کہ صبح میرے ساتھ چلو، مگر نہ پوچھیے، مبارک پور سے یہ مختصر سی جدائی مجھے جتنی شاق گذر رہی تھی اس کا اندازہ مجھے ہی ہے، میں نے زبردستی مولانا سے اجازت لی اور لیگزری بس (Luxury Bus) پکڑی اور دوگنا کرایہ دیکر اعظم گڑھ پہنچا، میں ابھی اپنی بس سے اترنے بھی نہ پایا تھا کہ مبارک پور جانے والی آخری بس رینگ گئی، ٹیکسیاں جانے پر آمادہ نہیں، مجبوراً ٹرین اسٹیشن پہنچا، اور ساڑھے دس بجے سٹھیاوں اسٹیشن پر اترا، تو سخت اندھیرے کے باوجود مجھے صاف معلوم ہو گیا کہ یہاں سے مبارک پور کے لیے سواری کا کوئی انتظام نہیں، سر پر پوسٹر کا وزنی بنڈل (Heavy Bundle) رکھا اور خدا کا نام لے کر پانچ کلومیٹر یہ بھی بھگتنے کی ہمت کر کے روانہ ہوا، موڑ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ تقریباً چالیس آدمی گیٹ بنانے میں مصروف نظر آئے، میں نے انھیں دیکھا تو ہمت بندھ گئی، اشتہار کا بنڈل رکھا اور تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ رہا، اتنے میں تین پہیوں والی ایک پرائیوٹ لاری (Privat Lory) مئو سے مبارک پور کا رُخ کر رہی تھی جس نے مجھے مبارک پور کی سرحد میں داخل کر دیا، یہاں سے بنڈل سر پہ لادے ہوئے میں عبد الستار بھائی کے دولت کدہ پر پہنچا (جو دور طالب علمی میں میرے میزبان تھے) تو بوڑھی ماں نے شفقت سے بھرپور جملوں سے میرا غم ہلکا کیا، کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ میں پہنچا تو سید فاروق میاں بارہ بنکوی ابھی جگ رہے تھے، نہایت

بے تکلفی سے ان کی چارپائی پر لیٹ گیا اور انھیں اپنے سونے کے لیے دوسرا انتظام کرنا پڑا، تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی تو فجر کا وقت سر پر کھڑا تھا۔

۴؍ مئی ٹھیک ساڑھے سات بجے میں کانفرنس کے میدان میں کھڑا اپنے لیے کام تجویز کر رہا تھا کہ ایک چمچماتی کار پہ تعلیمی کانفرنس کا سبز پرچم لہراتا نظر آیا، ساتھ ہی اعلان کی آواز بھی سنائی دی، یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوئی کہ یہ آواز محترم نعیم اعجازی کی ہے، چند ثانیہ بعد وہی کار میرے سامنے کھڑی تھی اور میں محو گفتگو تھا، اعلان کے لیے بیٹھے ہوئے لوگوں نے مجھ سے کانفرنس کے مناسب چند اشعار لکھنے کو کہا، میں نے قلم سنبھال لیا اور شعر لکھ کر ان لوگوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ذرا ایک بار میرے سامنے پڑھ کر سنا تو دیجیے، نہیں، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ایک بار آپ خود پڑھ کر سنائیں، کئی آوازیں ابھریں۔

اے مبارک پور اے رشک شعور علم وفن
دیکھتا ہے چشم حیرت سے تجھے چرخ کہن
فضل رب سے آج بیداری تری، جوبن پہ ہے
"رب ارنی" کا تقاضا پھر تری چتون پہ ہے

چند منٹ بعد کار وہاں سے رینگی تو میرا وجود بھی اس میں مقید تھا، اعظم گڑھ، بوڑھن پور، بسکھاری، کچھوچھہ، شاہ گنج وغیرہ ہوتے ہوئے ہم لوگ ٹانڈہ پہنچے، تو تین بج چکے تھے، ٹانڈہ میں اعلان مکمل ہو گیا، اب ہم لوگ مدرسہ منظر حق کی طرف بڑھ رہے تھے کہ گاڑی کے انجن میں کچھ کھڑکھڑاہٹ ہوئی، تھوڑی دیر میں خبر ملی کہ کوئی پُرزہ ٹوٹ گیا، میکینک (Mechanic) نے انجن کا اندرونی ڈھانچہ کھول کر رکھ دیا، پرزہ حاصل کرنے کے لیے ڈرائیور کو شاہ گنج جانا پڑا، رات منظر حق میں کٹی اگرچہ شیخ الحدیث مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی اور اکثر اساتذہ ایک روز قبل ہی کانفرنس میں شرکت کے لیے مدرسہ چھوڑ چکے تھے، بہر حال مولانا قدرت اللہ صاحب اور برادر مکرم مولانا انوار احمد صاحب نہایت خلوص سے پیش آئے، لیکن یہ رات میرے لیے بہت تلخ گزری، کیونکہ شام تک مبارک پور پہنچ کر رات نو بجے تک مجھے گھوسی ملک پورہ کے جلسہ میں شریک ہونا بے حد ضروری تھا، جہاں کی سیرت کمیٹی نے سید العلما کے ساتھ مجھے بھی مدعو کیا تھا، جوں جوں رات کالی ہوتی جاتی تھی، میری بے قراریوں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، صرف اس وجہ سے کہ اولاً تو کئی سال سے اس جلسہ میں شریک نہیں ہوا اور آج جب کہ وطن سے اتنے قریب تھا، گھر کی اس تقریب سے دور تھا، لیکن واہ رے اتفاق! اب کوئی ذریعہ نہیں تھا

جس سے میں گھوسی پہنچ سکتا، کاش لوگ میری مجبوریوں کو سمجھ پاتے۔

۵ر مئی فجر کی موذن نے اذان دی تو میں ٹانڈہ میں تھا، کار بننے کے انتظار میں دن کے بارہ بج گئے اور بظاہر شام تک بن جانے کی بھی کوئی امید نظر نہیں آتی، آج مدرسہ منظر حق ٹانڈہ کے بقیہ مدرسین اور کثیر تعداد میں طلبہ بھی کانفرنس کے لیے روانہ ہو رہے تھے، میں بھی چل پڑا اور سوچا شاہ گنج پہنچ کر کیوں نہ باہر سے آنے والے علما کے لیے کچھ سہولت بہم پہنچائی جائے، دہرہ (ایکسپریس) سے شاہ گنج پہنچا تو کانفرنس کے لیے آنے والے مہمانوں کا ایک سیلاب نظر آیا، حضرت مولانا سید انوار شاہ جہاں پوری مجھے جانے پہچانے نظر آئے لیکن چند ایسی بزرگ اور نورانی صورتیں بھی دکھائی پڑیں جو میرے لیے اجنبی ضرور تھیں مگر چہرے کا نکھار اور عمامہ بتا رہا تھا کہ شخصیتیں اونچی ہیں، میں نے بڑھ کر ان کے کپکپاتے ہاتھوں سے سامان تھام لیا اور اعظم گڑھ کی طرف جانے والی ٹرین پر پہنچا دیا، آپ اتنی تکلیف کیوں کر رہے ہیں؟ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا، میں کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا ممبر ہوں، اور والینٹیر (Volunteer-رضا کار) کی حیثیت سے آپ حضرات کے استقبال (Welcome) کے لیے آیا ہوں، ٹرین مبارک پور کے اسٹیشن (سٹھیاؤں) پر پہنچی تو وہاں سیکڑوں والنٹیرس اپنے اپنے بیج (Badge) کے ساتھ علما کا استقبال کرنے کے لیے نظر آئے، مجھے اس وقت اپنے والینٹیر ہونے پر خود شک ہونے لگا۔

علمائے کرام کے لیے ٹکسیوں کا انتظام تھا، مبارک پور کے لیے چلے تو سٹھیاؤں سے مبارک پور تک انسانی سیلاب کا سماں تھا، جدھر نظر ڈالیے سڑکوں پہ مسلمان بھرے پڑے ہیں، آج کانفرنس کا پہلا اجلاس ہے، راہ میں سیکڑوں آشنا نظر آئے لیکن میں نے اپنے لباس پر نظر ڈالی تو شرم کے باعث کسی سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہ ہوئی، علما کو ان کی قیام گاہوں تک پہنچا کر میں سیدھا حمام پہنچا، اتنے میں ایک خبر صاعقۂ غم بن کر سماع سے ٹکرائی کہ مخالفین کی شدید ترین کوشش کے نتیجہ میں کانفرنس کے لیے حکومت کی جانب سے اِسٹے آرڈر (Stay Order) نافذ ہو گیا ہے، اپنے کانوں پر خود کو یقین نہیں آیا، دماغ ماؤف ہو گیا، غم وغصہ کا ملا جلا ایسا اثر ذہن پر مرتب ہوا کہ تھکے ہارے ہونے کے باوجود کانفرنس دشمن عناصر کی معاندانہ قوتوں کو کچل دینے کے حوصلے جوان ہو گئے، افواہ بہر حال افواہ ہے، بوکھلاہٹ میں میں نے کئی ذمہ داروں سے پوچھ ڈالا، خبر غلط تھی، اب کہیں جان میں جان آئی۔

غسل کے بعد کھانا کھایا اور سیدھے کانفرنس ہال کی طرف دوڑ پڑا، جلد پہنچ جانے کو راستہ نہیں مل پا رہا ہے،

محب دل نواز مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی اور مولانا سید رکن الدین صاحب اصدق پٹنوی کی ہمراہی میں کانفرنس ہال میں پہنچ گئے راستہ میں ہر طرف والنٹیرس(Volunteers) اپنی اپنی ڈیوٹی(Duty) پر مستعد تھے، مبارک پور کی جانب سے آتے ہوئے سب سے پہلے جو گیٹ پڑا، وہ عورتوں کے لیے تھا، دوسرے سب سے بڑے گیٹ میں داخل ہوئے تو داہنے ہاتھ پہ ایک لائن سے کتب خانے آراستہ تھے جس کے اخیر میں دفتر استقبالیہ اور اس کے بالکل سامنے بائیں جانب دفتر معلومات قائم کیا گیا تھا، دفتر معلومات کا بھی اپنا ایک لاوڈ اسپیکر(Loud Speaker) تھا، جو والینٹرس اور دیگر ممبران استقبالیہ کو وقتاً فوقتاً ہدایتیں دینے اور ضروری اعلانات کے لیے تھا، یہاں سے اسٹیج کی دوری اتنی تھی کہ اس مائک(Mike) کی آواز سے مجمع پہ کسی قسم کا ٹکراو نہیں تھا۔

کانفرنس ایریا(Conference Area) کے اندر دوسرا کوئی بھی لاوڈ اسپیکر اور ریڈیو(Radio) بجانے پر پابندی تھی، سامنے جلسہ گاہ کا صدر گیٹ(Gate) ہے جسے ماہر فن کاروں نے ایک منقش عمارت کی صورت دے دی ہے، اس گیٹ کی دائیں جانب باب امجدی اور بائیں جانب باب اشرفی نام کے دو چھوٹے گیٹ ہیں، شمال میں باب امجدی سے اور آگے بڑھنے کی اجازت نہیں؛ کیوں کہ ادھر خواتین کی جلسہ گاہ ہے، اب جنوب کی طرف رُخ کیجیے، تو باب اشرفی کے بالکل سامنے مشرق میں کانفرنس کا مطب ہے، جس کے انچارج ڈاکٹر عبدالمجید صاحب بلرامپوری ہیں، مطب کے بازو میں انتظامیہ کے دوسرے دفاتر ہیں، لیجیے اب یہاں سے مارکیٹ ایریا(Market Area) شروع ہے، داہنے ہاتھ پہ ایک طرف سے پان کی دوکانیں لگی ہیں اور بائیں طرف دوسرے اسٹال(Stall) کھانے کے ہوٹل وغیرہ دیگر مطلوبہ اشیا بھی فراہم ہوسکتی ہیں، بازار کے اس ماحول سے نکلیے تو وہی جنوبی روڈ آپ کو اس یونیورسٹی کی زمین کے آخری حصے پر پہنچائے گا، جہاں پانی کی فراہمی کے لیے ٹیوب ویل(Tubewell) ہے اور اسی کے پاس پولیس کیمپ(Police Camp) وغیرہ ہیں۔

اب ہم پھر آپ کو باب اشرفی تک لائیں گے، آپ اس سے جلسہ گاہ میں داخل ہوں تو دائیں طرف کانفرنس کا حد نظر تک وسیع گراونڈ ہے(Ground) اور بائیں طرف دبیز کپڑے کی دیوار ہے جو باب اشرفی سے لے کر کانفرنس کے اخیر مغربی کنارے تک ہے اور پھر وہاں سے مڑکر شمال میں اسٹیج تک پہنچ گئی ہے، آپ باب اشرفی سے داخل ہوں گے تو کافی آگے بڑھ کر ایک مختصر روڈ پھر ٹیوب ویل تک آپ کی رہنمائی کرے گا، اس کے بعد کا دوسرا گیٹ باب المسجد ہے۔

اس پورے شہرستان بہار پر ایک سرسری نظر ڈال کر جوں ہی ہم لوگ دفتر استقبالیہ میں پہنچے، تو علامہ

ارشد القادری چیخ پڑے: ” آج کانفرنس کی پہلی تقریر تمھیں کرنی ہے، بہت جلد اسٹیج پر پہنچ جاؤ“، کانفرنس کے بلّوں (badges) کا ڈبہ سنبھالے ہوئے ہم لوگ اسٹیج پر پہنچے تو بے شمار علما تشریف فرما تھے، اسٹیج کیا تھا علم و فضل کے تاجداروں کی جلوہ گاہ، وہ صدف جس کی آغوش میں ہندوستانی علمی تاج کے تمام چمک دار نگینے اکٹھا تھے، وہ وہ ہستیاں جن میں سے بہتوں کے متعلق یہ کہنا بالکل حق ہوگا:

بمقامے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اسٹیج کی چھت اور سفید جالیوں کے اوپر وسط میں سبز گنبد کا دلفریب منظر ایک بار دیکھنے کے بعد تصور سے اوجھل ہونے کا نام نہیں لیتا، ساڑھے نو بجے اجلاس کی کاروائی شروع ہوگئی، علما و مشائخ کا نورانی مجمع دیکھنے کے لیے فرزند اسلام نہ جانے کس کس دور دراز مقام سے جوق در جوق پہنچے ہوئے تھے، مجمع ہے کہ سمندری موجوں کی طرح لہریں لے رہا ہے، علامہ ارشد القادری نے مائک سنبھالا تو ایسا معلوم ہوا کہ پورے مجمع کی سانسوں کا کنٹرول ان کی مٹھی میں ہے۔

یہ ہے دامن یہ ہے گریباں آؤ کوئی کام کریں
موسم کا منہ تکتے رہنا کام نہیں دیوانوں کا

محمد زبیری پروفیسر علم سیاست شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ کے بقول ایسا منظر میں نے اپنی پوری عمر میں سارے ہندوستان میں نہیں دیکھا۔

تلاوت قرآن پاک کے بعد نعت خوانی کے لیے یکے بعد دیگرے ترنم فیصی، عنبر بہرائچی، واصف مرادآبادی وغیرہ تشریف لائے، تقریروں کے سلسلہ میں میری مختصر تقریر کے بعد فاضل نوجواں مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی نے عربی یونیورسٹی کے مالہ وماعلیہ پر ایک بھرپور بیان دیا، آپ نے اپنی پُر مغز تقریر میں عربی یونیورسٹی کی ضرورت پر روشنی ڈالی، خصوصًا علمی حلقہ نے آپ کے خیالات پر گہری مسرت کا اظہار کیا، تیسری اور آخری تقریر کانفرنس کے صدر حضرت سید العلما مولانا آل مصطفیٰ صاحب برکاتی کی تھی، آپ نے عربی یونیورسٹی اور اس کے مقاصد (University And Its Reason) سے متعلق گفتگو کی اور پر زور انداز میں دو گھنٹے تک اپنے بیان سے سامعین کے دلوں کو برماتے رہے۔

آپ نے یونیورسٹی کے لیے بڑھتے ہوئے قدموں کو جہاں استقامت اور مضبوطی کی تدبیریں بتائیں،

وہیں اپنے جماعتی نظام کو اس عظیم کام کے لیے بطور مستحسن آواز بھی دی، آپ نے یہ احساس دلایا کہ یہ ذمہ داری جو بانی جامعہ حضور حافظ ملّت نے اٹھائی ہے، سنیت کے ایک ایک فرد کی ہے، آپ کی پر زور ٹھوس تقریر سے لاکھوں دلوں کو قرار نصیب ہو گیا ایک جملہ نے تو اس وقت پوری کانفرنس کا دل و دماغ نچوڑ لیا، آپ نے فرمایا:

"اے مبارک پور کے سرفروش مجاہدو! آل مصطفےٰ تمھارے ساتھ ہے اور جب آل مصطفےٰ ساتھ ہے تو کیا وجہ ہے کہ جناب مُصطفیٰ ﷺ تمھارے ساتھ نہ ہوں"۔ نعرۂ تکبیر و رسالت سے پوری فضا جھنجھنا اٹھی ہر شخص جوش مسرت میں اپنی جگہ سیماب دل بنا ہوا تھا، جب رات ڈھل گئی اور خنک ہوا کے لہریے ہر سو چھانے لگے تو گنبد خضرا کے روبرو، سبز پرچم کے نیچے مُصطفےٰ کے دیوانے ان کی بارگاہ میں صلاۃ و سلام کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔

اسٹیج سے نیچے علماے کرام کے لیے کاریں منتظر تھیں، میں نیچے اترا تو رفیق مخلص مولوی علی احمد نجمی صاحب کی صورت نظر آئی، مصافحہ جو کیا تو ہاتھ پکڑے ہوئے سیدھے امجدی بُک اسٹال (Book Stall) کی چھولداری (چھوٹا خیمہ) میں لے چلے گئے، چند اور محبین سے ملاقات نصیب ہوئی، باتوں کا طلسم ٹوٹا تو معلوم ہوا کہ تین بج رہے ہیں ناہموار زمین پر معمولی سا بستر ہم لوگوں کے ذوق کی داد دے رہا تھا، تکیہ تو موجود نہ تھا سرنے " چاند کا سفر" سنبھالا مگر نیند کسے آتی ہے، جسم میں بے خوابی کی کسمساہٹ لیے ہوئے صبح ہی اپنے ٹھکانے پہنچا ناشتہ کے بعد معینہ مصروفیات سامنے تھیں۔

۶؍ مئی آٹھ بجے دن ہی میں علماے کرام کی مجلس شوریٰ تھی مجلس میں پانچ منتخب موضوعات پر غور کرنا تھا:

۱۔ مقتضاے وقت کے مطابق ایک جامع اور جدید نصاب تعلیم کی تدوین پر غور۔

۲۔ بین المدرسین تعلقات کے لیے اخلاقی اور ادارتی ضابطوں کی تشکیل پر غور۔

۳۔ موجودہ معاشرہ کی اخلاقی، اصلاحی، تبلیغی، اجتماعی اور علمی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر عربی مدارس کے طلبہ کی ذہنی، علمی اور عملی تربیت کے لیے ایک جامع نظام کی ترتیب پر غور۔

۴۔ سنی عربی مدارس کے درمیان تعلیمی معیار کی حد بندی پر غور۔

۵۔ دینی مدارس کے نظام عمل میں مناسب تبدیلیوں کے لیے سنی مدارس کے نمائندگان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ کی تشکیل پر غور۔

آج ہی بعد نماز عصر تقریب سنگ بنیاد (Foundalion) کا بھی پروگرام تھا جس کے لیے یہ نئی دنیا بسائی گئی تھی اور علماے اسلام کے نورانی قافلے مبارک پور کی سرزمین پر اترے تھے، جسے دیکھیے آج بے حد

مسرور تھا، مبارک پور کے مسلمان تو جیسے عید حیات منا رہے ہوں، یوں تو کانفرنس کی تیاری کے لیے چار روز پہلے ہی سے تمام کاروبار معطل ہو چکے تھے اور بچہ بچہ اپنے کار لائقہ میں مصروف تھا، مگر آج کا دن ان کی تکمیل آرزو کا دن تھا، میں ساتھیوں کے ہمراہ مجلس شوریٰ میں شریک ہونے کے لیے ہال کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ راستہ میں مفتی اشرفیہ کا حکم آن پہنچا کہ مخالف عناصر نے مبارک پور کے باہر شہروں، قصبوں اور نواحی جگہوں میں یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ حکومت نے سنگ بنیاد روک دیا ہے، جس کے رد عمل میں اطراف و جوانب کے مسلمان جو نہایت جوش و خروش سے ہزاروں کی تعداد میں شریک کانفرنس ہونا چاہتے تھے وہ رک جائیں گے لہذا بہت جلد جتنی دور تک ممکن ہو اس افواہ کی تردید لازمی ہے، کچھ مقامات کے لیے مولانا غلام محمد صاحب عزیزی صدر المدرسین انوار القرآن بلرام پور کو مامور کیا اور اطراف ضلع کے لیے مولانا قاسم اور راقم الحروف کو روانہ کیا، چونکہ سنگ بنیاد کا روح پرور منظر دیکھنے کے لیے اپنی نگاہیں بھی متمنّی تھیں؛ اس لیے ہم لوگ پانچ بجے تک اس فرض سے سبکدوش ہو چکے تھے، سنگ بنیاد کے مقام پر گھنٹوں پیشتر سے لوگوں کی بھیڑ جمع تھی، عصر کی نماز کے بعد کانفرنس کے اسٹیج سے حضرت سید العلما نے سنگ بنیاد کا اعلان فرمایا اور امت مسلمہ کی جلیل القدر ہستیاں شہزادۂ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند کی قیادت میں اسٹیج سے روانہ ہوئیں، وفور شادمانی سے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی ہیں، مجمع کے بیچ سے علمائے کرام کے لیے راستہ بنانے والے والینٹیرس اور پولیس مصروف ہیں نگاہ تصور اٹھائیے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد میں کائنات سنیت کا نظام شمس و قمر اکٹھا ہے، تاجدار اہل سنت حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت سید العلما، حضرت برہان ملت، حضرت مجاہد ملّت رئیس اڑیسہ، پیر طریقت حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی، محبوب الاصفیا، مولانا غلام آسی صاحب، بقیۃ السلف حضرت مولانا سید شاہ ظفر الدین اشرف عرف بابو میاں سجادہ نشین آستانہ عالیہ کچھوچھہ معلی اور ان تمام کی نگاہوں کا مرکز بن کر حضور حافظ ملت بھی جلوہ گر ہیں، اک عجیب رنگ و نور کا عالم ہے، اشرفیہ کی نیو میں ظاہر و باطن کے متعدّد ستارے موجود ہیں، ہزاروں علما و مشایخ کی بھیڑ میں یہ مایۂ ناز شخصیتیں مینار تجلی بنی ہوئی ہیں، گرد و پیش تکبیر کی بازگشت سے گونج رہا ہے، حضور مفتی اعظم ہند نے بنیاد کی پہلی اینٹ اپنے دست مبارک میں سنبھالی اور ہزاروں نگاہیں ارتقائے سنیت (Success of Ahlesunnat) کے اس عظیم قلعہ کی تعمیر کا مبارک نظارہ دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑیں، شہزادۂ اعلیٰ حضرت نے اپنی اینٹ رکھی اور خوشیوں کا ایک طوفان

مسلمانوں کے سینوں سے اُبل پڑااور ایک کمزور ونحیف نوجوان نے تو ایسی باوقار اور تلاطم خیز آواز سے نعرہائے تکبیر ورسالت کی تکرار کی کہ سارا مجمع اس کی پرزور لہروں میں کھو گیا۔

پھر حضور حافظ ملت اور تمام علماے اعلام کے خشت بنیاد رکھ لینے کے بعد حضور مفتی اعظم کے نورانی ہاتھ دعا کے لیے اُٹھ گئے، حضور سید العلما نے کلمات دعا بلند فرمائے اور ہزاروں دلوں کی بساط بارگاہ ربوبیت میں پھیل گئی، پیکر فقر حضور مجاہد ملّت و حضور حافظ ملّت کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھی ہوئی تھی اور آواز بے قابو، محبوب الاصفیا مولانا غلام آسی نے بڑھ کر سنبھالا، زمین پر مقربان محبوب دعاؤں میں مصروف ہیں ہر جانب دلوں کی دھڑکن سے اللّٰھم آمین کی صدا پھوٹ رہی ہے، ہر ایک فرد پر عجیب سی کیفیت طاری ہے جسے حیطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں، یقین ہے کہ مالک بے نیاز کی بارگاہ میں پھیلے ہوئے ان مقدس ہاتھوں کی تائید وادی قدس کے مکینوں نے بھی ضرور کی ہوگی؛ اس لیے کہ ان کے پیش نظر نہ جاہ وحشم ہے نہ مال و دولت، ان کا مطمح تمنا نہ تخت فریدوں ہے نہ تاج دارا و سکندر، ان کا تو تمام تر مقصد، دین حنیف کا فروغ ہے۔ خداوندا!

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے
کیسے ممکن ہو کہ ساقی نہ رہے جام رہے

عاجز و نادار بندے معبود بے نیاز کی رحمتوں کی بھیک مانگ رہے تھے اور بے شمار اشکبار آنکھوں نے "اُدعونی اَسْتَجِبْ" لکم پر بھروسا کر کے نہ جانے کیا کیا مانگا۔

ترے کرم کو صدادے رہے ہیں اہل جنوں
انھیں خبر ہے کہ تو عالم الغیوب بھی ہے

کتنی آنکھوں میں التجا و تمنا کے موتی جھلمل جھلمل کر گئے، جن میں مقبولیت کی چمک تھی۔

سرشکِ قوم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

دعا ختم ہوئی اور میدان کانفرنس سے گزر کر لوگ باب المسجد میں داخل ہو گئے، جب رات کے نو بجے پورا پنڈال انسانی سروں سے آباد ہو گیا تو جلسۂ عام کی کاروائی شروع ہوئی، علما و شعرا سے سجے ہوئے پُر رونق اسٹیج پر ابتدائی پروگراموں کے بعد واصف بھوجپوری اور جناب بیکل اتساہی نے اپنا نغمہ چھیڑا، بیکل صاحب یوں تو کئی روز پیشتر مبارک پور پہنچ چکے تھے، مگر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث پہلے روز کے عوامی اجلاس میں

شریک نہ ہوسکے تھے، آج کے اجلاس میں خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی تقریر ہوئی اور اس کے بعد ناظم اشرفیہ رئیس التجوید حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب نے اشرفیہ کی چہل سالہ رپورٹ پیش کی، اشرفیہ جو آج ایک یونیورسٹی کا روپ اختیار کر رہا ہے کسی زمانے میں ایک مکتب سے زیادہ نہ تھا، مگر صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت کی روحانی توانائیوں نے اسے بام عروج پر پہنچا دیا، انھوں نے اپنے ایک ایسے مجمع البحرین شاگرد کو بھیجا جس کی کارگزاریوں پر نظر پڑتے ہی ہر صداقت پسند کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔

آفریں صدا آفریں اس مردحق آگاہ کو
دے دیا جس نے عروج کوہ، مشت کاہ کو
ایک شوریدہ زمیں کو جس نے گلشن کر دیا
ڈال دی چشم کرم مٹی کو کندن کر دیا

وہ ننھا سا پودا جسے کبھی نسیم صبح کی نرم خرامی بھی متحرک کر دیا کرتی تھی، آج ایسا تناور درخت بن چکا تھا جسے دیکھ کر آندھیوں کا بھی زہرہ آب ہو جائے، سچ ہے وہ کردار کا غازی چوں کہ ابھی ہمارے سامنے ہے اس لیے ہم اس کی عظمتوں کو نہیں سمجھ رہے ہیں، ایک وہ بھی زمانہ آنے والا ہے، جب کہ وقت کا مورخ اپنے قلم سے اس فقیر صفت تاج دار کی عظمتیں صفحاتِ ذہن پر اجاگر کرے گا، دنیا سے شخصیتیں روپوش ہو جاتی ہیں، مگر ان کے انمٹ کارنامے انھیں حیات جاوداں بخشتے ہیں، خاک کا پتلا زیر زمین دفن ہو جاتا ہے، مگر روح کی توانائی دلوں اور ذہنوں کو اپنا آشیانہ بناتی ہے بقول "Man come in the world not Foroat but for do some"

۷؍ مئی کی صبح بڑی خوش گوار تھی، آنکھ کھلتے ہی مفتی جاورہ مولانا رضوان الرحمن صاحب کی زیارت ہوئی اور طالب علمی کے سچے رفیق مولانا عبدالرحیم فیض آبادی کے ہمراہ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر اشرفیہ کے ہال کمرے میں پہنچا تو فاضلین اشرفیہ جمع تھے اور حضرت حافظ ملّت بھی رونق افروز تھے، آج فضلاے اشرفیہ کی آخری اور فیصلہ کن میٹنگ تھی، نعت مصطفےٰ سے بزم کا آغاز ہوا سب سے پہلے واصف بھوجپوری نے اپنا کلام سُنایا اور لوگ بیکل صاحب کی طرف متوجہ ہوئے، تو بیکل صاحب نے کمال نوازش سے میرا نام پیش کر دیا، سب سے پہلے مولانا اعجاز خان صاحب بستوی نے وضاحت کی:

آج ہم لوگ جس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں وہ غیر واضح نہیں، ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم تمام ابنائے قدیم کس طرح اپنے مادر علمی کی بہبود و ترقی میں شریک ہوسکتے ہیں، اس کی نوعیت اور نہج سے متعلق اپنی

اپنی رائے پیش کیجیے۔

علامہ ارشد القادری نے کہا: اے نونہالانِ اشرفیہ! اپنی اولاد سے زیادہ کسی کو غیر سے وفاداری کی امید نہیں ہوتی، خدا کا فضل ہے کہ یہاں کے فضلا آج ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں، آج جب کہ تمام کے روحانی باپ نے اپنے فرزندوں کی وفاداری کا امتحان لینے کے لیے پکارا ہے، ہمیں یہ بتا دینا لازم ہے کہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جو ہر موڑ پر حضور حافظ ملّت کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہا دینا قابل فخر سمجھتے ہیں۔

بعدہ حضرت حافظ ملّت نے اپنے لائق فرزندوں کی وفاداری پر گہری مسرت کا اظہار فرمایا اور آنسوؤں کی جھڑی میں وہ کلمات فرمائے جو ابنائے اشرفیہ اور برادران اہل سنت کے لیے آب حیات سے کم نہیں:

مجھے آپ حضرات کی وفاداری پہ کامل اعتماد ہے؛ اس لیے کہ مجھے خدا کی ذات اور اس کی مدد پر بھروسا ہے اور مجھ جیسے نحیفوں کی تالیف قلب کے لیے اس کا ارشاد آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں "لا تقنطوا من رحمۃ اللہ"۔ اشرفیہ یونیورسٹی میری زندگی کی آخری تمنا ہے۔ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ مجھے اس سے صرف دلچسپی ہے۔ نہیں بلکہ مجھے محبت ہے اور یہ محبت اب جنون میں تبدیل ہوگئی ہے۔ آپ حضرات ہی اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لیے کل پُرزے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ہمیں یونیورسٹی کی عمارت تعمیر کرنا ہے بلکہ اسے چلانا ہمارا مقصد ہے، یونیورسٹی بنانا ہاتھی خریدنے کے مماثل ہے، مجھے خدا کی ذات پر پورا یقین ہے کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہماری محنتیں رائگاں نہیں فرمائے گا، بہر حال کامیابی ہمارے قدم چومے گی، اس کے لیے ہمیں عزم محکم اور عمل پیہم کی متواتر ضرورت ہے۔ ع

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہی مَردوں کی شمشیریں

نتیجہ کار ابنائے قدیم کی ایک کل ہند انجمن کی تشکیل عمل میں آئی جس نے یہ طے کیا کہ جب تک یونیورسٹی کی عمارت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ جاتی ہے، ہر معلم و مدرس اپنی ایک ماہ کی تنخواہ اور ہر ماہ ایک روپیہ کے بحساب بارہ روپیے سالانہ جمع کرے اور جو لوگ تجارت یا زراعت وغیرہ پیشے کرتے ہیں وہ بھی اسی اوسط سے جامعہ کی اعانت فرمائیں اور اپنے حلقۂ اثر سے حتی السعی رقم فراہم کریں، اس کمیٹی کے صدر (Prasident) علامہ مفتی شریف الحق امجدی اور سکریٹری مولانا محمد شفیع صاحب شیخ الادب جامعہ ہذا منتخب ہوئے، اس میٹنگ میں

مولانا خلیل احمد صاحب مہائی نے ایک گراں قدر رائے پیش کی کہ ابنائے قدیم ایک ہوسٹل (Hostel) کی ذمہ داری خود لے لیں، اس کے جملہ اخراجات وہ خود فراہم کریں اس تجویز کی اہمیت اور وسائل زیر غور ہیں۔

رات آئی تو پھر وہی رنگ و نور کی محفل آراستہ ہوئی نائبین رسول کا اجتماع ہوا اور سبز پرچم تلے مصطفیٰ کے دیوانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر لہریں لینے لگا، آج کانفرنس کا آخری اجلاس تھا، مبارک پور کی سرزمین پر تعلیمی کانفرنس کا یہ نظارہ دیکھنے کے لیے مسلم تو مسلم غیر قوموں نے بھی نہایت دلچسپی سے شرکت کی تھی، پریس رپورٹروں (Press Reportars) اور اخباری نمائندوں کے پاس اعلیٰ حکّام کے لیے کرسیوں کا انتظام تھا۔

آج کا اجلاس پوری رات چلتا رہا اور مجمع بدستور اپنی جگہ جما رہا، بعض راتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے لیے بہت سے دنوں کی قربانی دینی پڑتی ہے، یہ رات واقعی انھی میں سے ایک تھی، علامہ مفتی شریف الحق صاحب قبلہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی وغیرہ علماے عظام کے بعد سب سے اخیر میں حضرت سید العلما کی تقریر ہوئی، آپ کی آخری تقریر کے بعد صلاۃ و سلام کا اخیر بند ختم ہو رہا تھا، ادھر سے فجر کے موذّن نے الصلاۃ خیر من النوم کی صدا لگائی، مگر الحمدللہ! یہاں ہزاروں بندگان خدا اپنی نیند کالی کملی والے کی زلفِ شب گوں کی نذر کیے ہوئے تھے، بعد نماز ملک کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے معزز مہمان اپنے اپنے وطن کا عزم کر رہے تھے تو ان کے سینوں میں جذبات عمل کی بے پناہ موجیں امنڈ رہی تھیں، اور لوح تصور پر ایک عظیم الشان عربی یونیورسٹی حد نظر تک پھیلے ہوئے اسلامی علم و تمدّن کے شہر کی صورت میں موجود تھی۔

فراوانی شوق ایک بوڑھے مجاہد کے حضور یوں حسن عقیدت کے پھول نچھاور کر رہی تھی:

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

تحریک حافظ ملت عدالت کی نظر میں

ایڈوکیٹ مظفر حسین صدیقی ایم، اے، ایل، ایل، بی

تعارف مقالہ نگار:

جناب ایڈوکیٹ مظفر حسین صدیقی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مخلص مریدین میں سے تھے، اپنے پورے خاندان کو بھی حافظ ملت کی ارادت میں دے رکھا تھا۔

ولادت: ۱۹۲۵ء بمقام بیج ناتھ ضلع الموڑہ اتراکھنڈ

تعلیم: بی۔اے تک کی تعلیم الموڑہ میں ہی حاصل کی، ایل۔ایل۔بی لکھنؤ یونیورسٹی سے پاس کیا۔

خدمات: دوران تعلیم ہی روزنامہ ورسالہ نئی دنیا (دہلی) میں نامہ نگار رہے، پھر روزنامہ ''جن مورچہ'' میں ایڈیٹر رہے، اس کے بعد ایک ہفتہ وارانہ اخبار میں بھی کام کیا، مدرسہ انوار القرآن بلرام پور میں تاحیات سکریٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

وہ بلرام پور کی عدالت میں وکالت کے فرائض انجام دیتے تھے، تین بار ایسوسی ایشن کے صدر رہے ساتھ ہی سیاست سے بھی لگاو رکھتے تھے، ابتدا میں کمیونسٹ پارٹی پھر کانگریس سے متعلق ہوگئے، اخیر میں وہ اندرا گاندھی سے بہت قریب تھے۔

وفات: ۱۱/ اپریل ۱۹۹۵ء

ہندوستان میں پیغام اسلام لانے اور پھیلانے کا ذریعہ صوفیۂ کرام واولیاے عظام بنے اور خدا کے یہ برگزیدہ بندے ہندوستان میں اس وقت تشریف لائے جب یہاں ہندو راجگان اپنی مخصوص تہذیب وتمدن کے ساتھ حکومت کررہے تھے، یہاں کے باشندے امن ومساوات اور تہذیب انسانی کے ضروری تقاضوں سے قطعًا نابلد تھے، ہندو راجگان اور ان کے مذہبی تسلط کے پیش نظر یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ اسلام کی روشنی یہاں تک پھیل سکتی ہے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ان صوفیۂ کرام واولیاے عظام کے روحانی تصرفات اور باطنی کمالات کے ذریعے ایک انقلاب عظیم برپا ہوگیا، یہاں کی صدیوں سے دبی پسی اور کراہتی ہوئی تہذیبِ انسانی جاگ اٹھی اور کشمیر

سے لے کر کنیا کماری تک ہندوستان بھر میں اسلام کا بول بالا ہو گیا، یہاں تک کہ نظام سلطنت بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گیا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کا فروغ جتنا ان دلق پوش صوفیہ کرام سے ہوا اتنا مسلم سلاطین سے باوجود ان کے اپنے شاہانہ کروفر اور جاہ وجلال کے نہ ہو سکا، صوفیہ کرام کی تعلیم وہی رہی جو پیغمبر اسلام کی تھی لیکن ان کے طریقہ تعلیم کا اپنا طرز تھا جو اس وقت کے ہندوستان کے لیے موزوں تھا۔

ہندوستان کے حالات بدلے، ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد مسلم سلاطین کی حکومت اس ملک سے یکسر ختم ہو گئی، ہمیں فخر ہے کہ پہلی جنگ آزادی میں اس ملک کے بسنے والے مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جس کے نتیجے میں انگریزوں نے ہندوستان کو خیر باد کہا۔

جب انگریزوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہمارا ملک آزاد ہوا تو بدقسمتی سے یہ آزادی ملک کی سالمیت کو برقرار نہ رکھ سکی اور ملک تقسیم ہو کر ہندوستان و پاکستان کے نام سے دو ٹکڑوں میں بٹ گیا تو تعلیم یافتہ طبقے کے مسلمان، پاکستان کے حصّے میں آ گئے اور متوسط طبقے کے مسلمان، پاکستان ہجرت کرنے لگے، ایسے نازک وقت میں حافظ ملّت نے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے مسلمانوں کو پاکستان ہجرت کرنے سے روکا اور اِسی ملک کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے کی ترغیب دی، اس سلسلے میں ان کی "ارشاد القرآن" نامی کتاب کافی کارآمد ثابت ہوئی جس کو پڑھ پڑھ کر مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ ترک کر دیا۔

تقسیم ملک کے بعد ملک کے معاشی، سماجی اور سیاسی حالات یکسر بدل چکے تھے اور آزادی اپنی عمر کے پچیس سال پورے کر لینے کے بعد کڑیل جوان ہو چکی تھی، اس وقت اس کے تیور کچھ اور ہو چکے تھے، جس سے صاف ظاہر ہونے لگا تھا کہ اس بدلے ہوئے حالات میں مسلم دانش گاہوں، اداروں اور مدارس سے متوقع امیدیں اب پوری نہیں ہو سکتیں، سب سے پہلے بر وقت اس کا احساس جس شخص نے کیا وہ ایک مسلم رہنما، دین دار بزرگ، صوفی منش، دینی درس گاہ کا معلم تھا یعنی حافظ ملّت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، جنھوں نے مسلم نوجوانوں کے رجحان تعلیم اور دینی دنیاوی درس گاہوں کا بنظر غائر جائزہ لیا تو غالباً کسی خوش آئند خیال سے ان کی بوڑھی نگاہوں میں چمک آ گئی، یقیناً اس دین دار بزرگ اور دینی تعلیم کے معلم و مبلغ نے ایک ایسی درس گاہ کی ضرورت محسوس کی جو ہندوستان کی آنے والی نسل کو دینی تعلیم سے بہرہ مند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اقتصادی ضرورت بھی پوری کر سکے، یعنی وہ ہندوستانی مسلم نوجوان کو ایک طرف تو عالم دین و مکمل مسلمان بنا سکے، دوسری طرف آزاد ہندوستان کی تمناؤں

کو پورا کرنے والا ایک اچھا طبیب، ایک اچھا صنعت کار و دستکار اور ایک اچھا شہری بھی بنا سکے، یقیناً یہ ان کے ذہن میں ایک نئی اچھی اسکیم تھی جسے بروے کار لانے کے لیے تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن ایک اچھے موجدِ ادویہ معالج کی طرح اس کے مثبت ومنفی اثرات کو پہلے جاننا ضروری سمجھا، اسی لیے انھوں نے اس نئے نظریے کا تجربہ سب سے پہلے اپنے صاحبزادے جناب مولانا عبدالحفیظ صاحب پر اس طرح کیا کہ انھیں عالم دین بنانے کے ساتھ ساتھ گریجویشن کی ڈگری بھی دلائی اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخل کرکے انجینیرنگ کا پانچ سالہ کورس بھی مکمل کرایا، اور اس کے بعد دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب، ایک طرف تو ایک اچھے انجینیر اور سائنس کے گریجویٹ ہیں تو دوسری طرف فاضل درس نظامیہ ہو کر ایک متبحر عالم اور ان کے صحیح جانشین ثابت ہو رہے ہیں، اس تجربہ کے کامیاب ہونے کے بعد آپ نے اپنی اسکیم کے مطابق ایک ایسی عظیم عربی یونیورسٹی بنانے کا نعرہ دیا جو مسلم نوجوانوں کو عالم دین بنانے کے ساتھ ساتھ ان کی اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انھیں علوم جدیدہ کا ماہر بھی بنائے، تاکہ وہ اپنے معاشی مسائل سے مطمئن ہوتے ہوئے دنیا کی ہر مشہور زبان، ہر طبقے اور ہر ملک میں تبلیغ اسلام کی خدمت انجام دے سکیں۔

اس نعرہ کے ساتھ ہی انھوں نے عربی یونیورسٹی کی تعمیر کے لیے ایک وسیع وعریض زمین حاصل کرلی، جس پر مجوزہ یونیورسٹی کے سنگ بنیاد رکھنے کی تاریخ کا اعلان فرما دیا، اس کے لیے نئی سوسائٹی بھی رجسٹرڈ کرالی گئی، لیکن اس وقت اس اسکیم کی افادیت کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکی، شاید انھوں نے کچھ دوسرا ہی محسوس کرلیا جبھی تو ایک طرف سنگ بنیاد کا جلسہ ہونے والا ہے جس کو کامیاب بنانے کے لیے ملک کے طول وعرض سے بڑے بڑے علما و دانشور تشریف لانے والے ہیں، دوسری طرف یہ لوگ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے تاکہ اس جلسہ اور تعمیر کے کام کو حکم امتناعی کے ذریعہ روک دیا جائے، مقدمہ چلا، فریقین کے بیانات لیے گئے، عدالت نے فیصلہ دیا اور عدالت نے حضرت کی اس اسکیم کو کیا سمجھا اسے عدالت کے فیصلہ کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے، منصف اعظم گڑھ نے مدعیان کی درخواست پر حکم امتناعی جاری کرتے ہوئے تعمیر یونیورسٹی کو روک دینے کا حکم دیا، لیکن جلسہ کرنے اور سنگ بنیاد رکھنے کی اجازت دے دی، منصف مذکور کے اس فیصلے کے خلاف چیرمین محمد ابراہیم صاحب نے (ادارہ کی طرف سے) ضلع جج اعظم گڑھ کے اجلاس میں اپیل دائر کی، اس مقدمے کی سماعت جسٹس مرزا مرتضیٰ حسین صاحب نے فرمائی، آپ نے مقدمات کے قانونی نکات پر بحث فرمانے کے بعد اپنے حکم میں تحریر فرمایا کہ

”وہ فریقین کے وکلا کی بحث سننے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک چھوٹا سا مدرسہ جو پہلے راجہ مبارک کی مسجد مبارک پور میں لگا کرتا تھا (بعد میں ترقی کرکے دارالعلوم اشرفیہ کی شکل میں اچھی خاصی عمارت میں ہو گیا) اب اگر وہ مولانا حافظ عبدالعزیز (صاحب) کی کاوشوں سے ایک بڑی عربی یونیورسٹی کی شکل لے لیتا ہے تو اس سے ملک میں اپنی قسم کا ایک واحد مثالی ادارہ قائم ہو جائے گا جس سے پوری قوم مستفیض ہوگی، مولانا حافظ عبدالعزیز (صاحب) کی کاوشوں سے کافی زمین یونیورسٹی کی عمارت تعمیر کرنے کے لیے حاصل کرلی گئی ہے اور مذہبی جذبہ رکھنے والے لوگوں نے معتدبہ رقم عمارت کی تعمیر کے لیے دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ کمرے تعمیر کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔

عربی یونیورسٹی کی تعمیر کے لیے جو سوسائٹی رجسٹرڈ کرائی گئی ہے اس نے یونیورسٹی کے انتظام کے اختیارات مولانا حافظ عبدالعزیز کو دے دیے ہیں اور اس طرح سے جو کچھ بھی وہ کر رہے ہیں وہ قانون کے دائرے ہی میں ہے، ان کے ذریعے جو کام کیا جا رہا ہے وہ ایک چھوٹے سے مدرسے کو ایک یونیورسٹی کی حیثیت دینے کے لیے ہے، جس سے مدرسے کی جائداد اور حیثیت بڑھ رہی ہے، وہ نہ تو مدرسے کی جائداد کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور نہ تو اس کو فروخت کر رہے ہیں، اس طرح وہ کوئی ایسا کام نہیں کر رہے ہیں جسے حکم امتناعی کے ذریعے روکا جا سکے، اگر یونیورسٹی بنائی جاتی ہے تو اس سے قوم کو فائدہ ہی ہوگا نقصان نہیں۔

مولانا عبدالعزیز اور ان کے دیگر شرکائے کار کو پوری قوم میٹنگ کر کے مجلس منتظمہ سے ہٹا سکتی ہے، لیکن ان کے ذریعہ جو ایک بڑا کام ہو رہا ہے جس سے ایک یونیورسٹی عالم وجود میں آرہی ہے اسے حکم امتناعی جاری کرکے روکا نہیں جا سکتا، (لہٰذا) مدعیان کا یہ دعویٰ محض ایک بڑے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مترادف ہے اور عدالتوں کو کسی اچھے اور بڑے کام میں حکم امتناعی جاری کرکے اس کام میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے اپنے اختیارات کا استعمال نہیں کرنا چاہیے، مقدمے کے سارے حالات پر پوری طرح غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کی منصف اعظم گڑھ کے حکم امتناعی جاری کرنے کا فیصلہ منصفانہ نہیں ہے، اس لیے میں اپیل منظور کرتے ہوئے منصف کے فیصلے کو کالعدم قرار دیتا ہوں“۔

مذکورہ بالا فیصلہ دینے والے فاضل جج جناب مرزا مرتضیٰ حسین صاحب ہیں جو اس وقت الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہیں آپ نے حضور حافظ ملّت کی روحِ تحریک کو پہچان کر اپنے مذکورہ بالا فیصلے کی وجہ سے قوم کو ایک بہت بڑے نقصان سے بچا لیا نیز اس فیصلے کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے کہ حافظ ملّت کی یہ

تحریک کوئی مخصوص و محدود مفاد کی تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ تحریک پوری قوم وملّت کے مفاد کے لیے ایک ہمہ گیر تحریک ہے جس کی تکمیل کی ذمہ داری آج پوری قوم مسلم پر ہے، خدا کرے قوم اس طرف متوجہ ہو کر حضور حافظ ملّت کے ایک عظیم خواب کی تعبیر پوری کرے تاکہ ملّت اسلامیہ ہند کی آنے والی نسل اپنے مستقبل کو خوش حال و تابناک بنا سکے۔ آمین

حافظ ملت ایک انقلاب آفریں شخصیت

مولانا یٰسین اختر مصباحی، المجمع الاسلامی، مبارک پور

تعارف مقالہ نگار:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے علمی و ادبی چمن سے کھلنے والے ایک گل سر سبد کا نام علامہ یٰسین اختر مصباحی ہے، آپ ایک بالغ نظر ادیب، عظیم مفکر، زبردست قلم کار اور سیاسی مدبر ہیں۔

ولادت: ۲؍ فروری ۱۹۵۳ء ضلع مئو کے ایک قریہ خالص پور میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ بیت العلوم خالص پور سے حاصل کی، مدرسہ ضیاء العلوم ادری اور مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد کے بعد دار العلوم اشرفیہ آ گئے، ۱۹۷۰ء میں سند و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

جنوری ۱۹۷۴ء سے اپریل ۱۹۸۲ء تک دار العلوم اشرفیہ میں شیخ الادب رہے، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۰ء تک اسلامیات کے استاذ کی حیثیت سے لیکچر دیتے رہے، اگست ۱۹۸۸ء سے نومبر ۱۹۹۲ء تک اپنے ذاتی ماہ نامہ ”حجاز جدید“ کے مدیر رہے اور جون ۲۰۰۴ء تک کنز الایمان دہلی کے مدیر اعلیٰ رہے۔ سیکڑوں مضامین اور کئی درجن کتابوں کے مصنف ہیں۔ قلب دہلی میں ”جامعہ قادریہ“ کا قیام اور ”قادری جامع مسجد“ آپ کے اہم کارناموں میں سے ہے۔

عظیم شخصیتوں کی تعمیر میں بہت سے اسباب و عوامل دخیل ہوا کرتے ہیں، خاندان کی اعلیٰ روایتوں کا بھی فیض ہوتا ہے اور کبھی دولت و ثروت کی بھی کرشمہ سازیاں ہوتی ہیں، وسیع تعلقات کا بھی اثر ہوتا ہے اور کبھی حالات کی سازگاری بھی ترقی درجات کا سبب بنتی ہے، بسا اوقات تملق و چاپلوسی اور ضمیر فروشی کر کے بھی انسان اقتدار و اختیار کی کرسیوں پر بیٹھ کر عارضی شہرت و ناموری کی تاریخ مرتب کر لیتا ہے اور جابرانہ طاقت و قوت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کا حق غصب کر کے بھی انسان اپنے آپ کو ایک بڑا انسان سمجھ بیٹھتا ہے، صفحاتِ تاریخ میں ایسی بے شمار شخصیتیں محفوظ ہیں کہ اپنے دور اقبال میں ان کے فضل و کمال، عزت و عظمت، قوت و شجاعت، شہرت

ونا موری کے ترانے گائے گئے اور بہت سے قیمتی افراد ان کی مدح وستائش میں رطب اللسان بھی رہے۔

لیکن بڑی عظیم ہے وہ شخصیت اور بڑا صاحبِ فضل وکمال ہے وہ انسان، جو اپنے دل ودماغ، اپنی محنت وکاوش، اپنی قوت بازو سے علم وفضل کی شاخوں پہ آشیانہ بنائے، اپنے علم وہنر کا فیض بانٹے اور خود اعتمادی وخدا اعتمادی کے ساتھ اپنی تاریخ کی دھرتی پر ایک عہد آفریں انقلاب برپا کرے، اپنے گوناگوں کارناموں سے شہر در شہر اپنی خیر وبرکت تقسیم کرے اور اپنی زبان وقلم، کردار وعمل اور اپنے ناقابل شکست عزم وحوصلہ، تدبر وذہانت اور قوت ارادی کی بے پناہ طاقت کے ساتھ میدان میں اترے، اور اس شان سے کہ اپنے دور کی تاریخ میں ایسا پر شکوہ اور بلند وبالا قصر عظیم تعمیر کرڈالے، جس کے سربفلک میناروں کی روشنی شرق وغرب تک پھیل جائے، ظلمتیں منھ چھپانے لگیں اور اس کے نور ہدایت سے جادۂ حق کے طالبین متعیّنہ سمت سفر اور اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوجائیں۔

حافظ ملت قدس سرہ العزیز بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ایک غریب دین دار خانوادہ کے چشم وچراغ ہیں، جس کے پاس کوئی بڑی جائداد اور ثروت وامارت نہ تھی کہ وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرتے، عیش وعشرت کے سامان کرتے اور فراغت کے لمحات گزارتے، یہی وجہ ہے کہ حفظ قرآن اور معمولی ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو اپنی تعلیم کا سلسلہ مجبوراً بند کردینا پڑا اور مچلتی ہوئی آرزوئیں سینے کے اندر سلگتی اور شعلۂ جوالہ بنتی رہیں، لیکن بظاہر آپ کی تعلیمی زندگی کے سفر کے سارے ذرائع محدود ومسدود ہوکر رہ گئے تھے۔

دنیوی دولت تو نہ تھی لیکن کاتب قدرت نے زہد واستغنا اور دین داری وخود داری کی اتنی عظیم نعمت آپ کو ورثہ میں دے دی تھی کہ اب پھر کسی چیز کی کوئی ضرورت تھی اور نہ کوئی حاجت:

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی

مسبب الاسباب نے کچھ ایسی راہیں پیدا کردیں کہ آپ کو ایک ایسے عظیم عالم دین اور محدث وفقیہ کی بارگاہ تک پہنچا دیا، جس کے اساتذہ میں دو شخصیتیں جلیل القدر اور بے نظیر وبے مثال تھیں، جن میں سے ایک پچاس علوم وفنون بالخصوص علوم نقلیہ میں اپنے وقت کے فقید المثال، صاحب فضل وکمال تھے، جن کی امامت

وعبقریت کے نقوش ابھرابھر کر آج بھی دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کر رہے ہیں اوران کی زندگی میں تو عرب وعجم کے افاضل واکابر علم ودین نے دل کی زبان سے **"مجدد مأۃ حاضرہ"** اور **"امام اہل سنت"** کے لقب سے پکارا اوران کے تبحر وتفقہ کے ہزار دل وجان سے قائل ہوئے۔

دوسرے علوم عقلیہ میں معلم رابع علامہ فضل حق خیر آبادی کی یادگار تھے اور جن کے دم قدم سے ان علوم کی رونق تھی،اوران کے اٹھتے ہی اس شعبۂ علم کی بساط الٹ گئی،اور مرورزمانہ نے ان کواب ایک تاریخِ پارینہ بناکران کے سینے میں محفوظ کردیا۔

وہ شخصیت جوایسے دوشیریں اورحیات افروز سرچشموں سے سیراب تھی،اسے فقیہ اعظم ہند صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی وتلمیذ علامہ ہدایت اللہ خاں رام پوری کہاجاتا ہے۔

علوم معقولات ومنقولات کے ایسے متبحر عالم اورمشہور روزگار فقیہ کے سامنے نوسال تک،سلطان الہند خواجۂ اجمیری رضی اللہ عنہ کی راجدھانی میں،حافظ ملت نے اپنی تعلیم وتربیت کے ایام گزارے،اکتساب فیض کیا،اپنے سینے کوشریعت وطریقت کا حامل وامین بنایااور فروغ دین کا جذبۂ بے کراں لے کر حضرت سلطان الہند کے دارالسلطنت سے اپنے مرشد ومشفق اور شہرۂ آفاق استاد کے پروانۂ تقرری پر مبارک پور جیسے گم نام قصبہ میں دین ومذہب اوراصلاح قوم وملت کی خدمت پر مامور ہوئے اورعلم کی روشنی سے دلوں کی دنیاجگ مگانے کا کام سپرد ہوا۔

مبارک پور پہنچتے ہی آپ کو **"تعمیر"** اور **"دفاع"** دو مشکل ترین محاذوں پر اپنے دست وبازو آزمانے پڑے،تقریباً ساڑھے چار ماہ کی شدید آویزش اور عدیم النظیر مقابلہ کے بعد فتح وکامرانی نے آپ کے قدم چومے اور دشمن نے اپنی ہزیمت وپسپائی کا اعتراف کرتے ہوئے میدان سے کسی طرح جان بچائی اور راہِ فرار اختیار کی۔

تعمیر کی طرف آپ کے قدم بڑھے توصفت سیل رواں ہوگئے اورایسی آباد کاری کی اوراسے اپنے خون جگر سے اس طرح سینچا کہ دیکھتے ہی دیکھتے علم ومعرفت کا ایک سرسبز وشاداب **"باغ فردوس"** لہلہا اٹھا۔

آپ کی زندگی کی ایک شاہ کار خصوصیت یہ بھی ہے کہ مبارک پور کی درس گاہ علم وفن سے ایسے طلبہ کی ایک خاص نہج پر تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی،جوعلم ودین کے متعدّد شعبوں میں اپنی صلاحیت کا استعمال کرکے کچھ مثالی خدمات انجام دے سکیں،آپ کے اندر جوہر شناسی کی خاص خوبی تھی،طلبہ کی ذہانت وزیرکی، محنت اور کدوکاوش،سلامت فطرت،رجحان طبع،بلند خیالی،میدان عمل کی تعیین،ان سب چیزوں کوحافظ ملت

قدس سرہٗ کی دور بیں نگاہیں ایک ہی نظر میں تاڑ لیتیں، اور ان کے حال و مستقبل کے میدان کار کی نشان دہی اور تربیت کا خاص ڈھنگ ان کے ساتھ اپنایا جاتا اور ہر طرح کی شفقتیں، حوصلہ افزائیاں، رہنمائیاں ان کے ساتھ ہوتیں، اس طرح آپ نے کثیر تعداد میں باصلاحیت افراد پیدا کیے، جب کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ سیرت کی تربیت، کردار کی نشو نما اور شخصیات کی تشکیل و تعمیر ایک نہایت کٹھن اور اہم کام ہے۔ لیکن ؎

میں ظلمتِ شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو

شرر فشاں ہو گی آہ میری، نفس میرا شعلہ بار ہوگا

آپ نے اپنے تلامذہ میں ایسی روح پیدا کی اور انھیں ایسی استعداد بخشی کہ وہ متعدّد میدانوں میں نمایاں حیثیت سے خدمت علم و دین انجام دے سکیں، تفسیر و حدیث کے ماہر علما بھی آپ کے دانش کدہ سے پیدا ہوئے، جو مسند تدریس کی آبرو اور وقار ہیں اور فقہ وافتا کے ممتاز افراد بھی آپ کی درس گاہ علم و فضل سے اٹھے اور انھوں نے جدید و قدیم مسائل کا حل شریعت اسلامیہ کی روشنی میں قوم و ملت کو بتایا، اور مسائل و احکام میں ہر طرح ان کی رہنمائی کی، منطق و فلسفہ جو اگرچہ آج اپنی زندگی کے دن گزار رہے ہیں، دن بدن ان سے بے رغبتی کی وجہ سے اِدبار و انحطاط کے شکار ہوتے جا رہے ہیں، لیکن صدیوں سے ان کی مسلسل حکمرانی اور آج سے پہلے ان کی افادیت ایک مسلمہ حقیقت تھی، ان کے ذریعہ علماے اسلام نے بڑی ٹھوس اور مستحکم خدمتیں انجام دی ہیں، اور درس نظامی کی جان انھیں ہی سمجھا جاتا رہا ہے، اس لیے حافظ ملت کے بہت سے تلامذہ اس میدان میں بھی نمایاں اور ممتاز درس گاہوں کی زینت ہیں، اور انھی کے دم سے ان کی بہار قائم ہے۔

آپ کے تلامذہ میں مشہور روز گار خطبا و مقررین پیدا ہوئے، اور ان کی خداداد خطیبانہ صلاحیتوں سے ہندو پاک کے بے شمار علاقے مستفیض ہوئے اور بیرون ملک بھی انھوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

آج ہندوستان کے جلسہاے سیرت میں یہی ہر جگہ نمایاں اور مشہور و ممتاز نظر آتے ہیں، جن کی تقریروں میں آبشاروں کا ترنم، طوفانی امواج کا تلاطم اور شیروں کی گھن گرج بھی شامل ہوتی ہے، بہت سے تلامذہ اور آپ کے درسے فیض یافتہ اشخاص ایسے بھی ہیں جو علم و عمل، زہد و تقویٰ میں حافظ ملت کی تصویر نظر آتے ہیں، ان کے ارشاد و ہدایت سے دلوں کی دنیا آباد ہو رہی ہے، قریہ قریہ ان کی روحانی تربیت کا سلسلہ عام ہوتا جا رہا ہے، تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ نفوس کا کام حکمت و موعظت اور جذب دروں کے ساتھ جاری ہے۔

آپ کے اندر قوت اخلاق کی بے پناہ کشش تھی اور ہر عالم و عامی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا، تمام

سہولتیں ہوتے ہوئے بھی انکسار نفس کا یہ عالم تھا کہ چائے خود اپنے ہاتھ سے بنایا کرتے تھے، بوقت ضرورت کپڑے بھی سل لیا کرتے تھے اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں بڑی فرحت و مسرت محسوس کیا کرتے تھے۔

طلبہ اور بچوں سے شفقت و محبت کا برتاو عام تھا، بے جا خشونت و سختی اور رعب وداب سے کوسوں دور رہتے، علما و مشایخ کرام کے ساتھ توقیر واحترام سے پیش آتے اور ان کی عادلانہ مدح وستائش کرتے، کسی عالم یا شیخ و مرشد کی عام یا مخصوص مجالس میں کبھی غیبت نہیں کرتے، اپنوں اور غیروں کے بے جا اعتراضات سن کر اپنی زبان کو محفوظ رکھتے، اپنے قلب ونظر کی طہارت و نظافت پر کوئی غبار نہ آنے دیتے اور زبان حال سے یہ فرماتے:

ہرکہ ما را رنجہ دارد، راحتش بسیار باد!
ہرکہ مارا یار کرد، ایزد مر اُو را یار باد!
ہرکہ خارے افگند در رہ ما از دشمنی
ہر گلے از باغ وصلش، بشگفد بے خار باد!

مخالفتوں کی پیہم یلغار میں بھی صبر و شکیب اور ضبط و تحمل کا کبھی دامن نہ چھوڑا اور اپنے کسی عمل سے بھی ناشکیبائی کا اظہار نہ کیا، مشکل رکاوٹوں کے در پیش آنے پر بھی ایفاے عہد کرنا اپنا فرض اولیں تصور کرتے اور عہد و پیماں کو غفلت و کوتاہی کی نذر نہ ہونے دیتے، زہد واستغنا آپ کی گفتگو، لباس اور عادات واطوار سے عیاں تھے، ان کی خدا آشنائی امرا اور حکام سے بھی انھیں مستغنی رکھتی۔

اپنے خالق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا وجم

موٹا جھوٹا کھاتے اور پہنتے، تکلف و تصنع اور ظاہری شان وشوکت، رکھ رکھاو اور خود نمائی کا کبھی تصور بھی نہ آنے دیا، اس کے باوجود اس سادگی پر ہزاروں رعنائیاں قربان تھیں اور دل بے ساختہ کھنچ آتے تھے، جو بات کہتے دل سے کہتے اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ انھیں آنکھوں سے لگایا جاتا، اور دلوں میں جگہ دی جاتی۔

اپنے عالمانہ وقار پر حرف نہ آنے دیتے، سفر و حضر میں شلوار، شیروانی، عمامہ اور عصا کا برابر استعمال فرماتے، اختلاف موسم کا ان چیزوں کے استعمال پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا، ظاہری وضع سے علمی تبحر کا اندازہ نہ ہوتا مگر گفتگو فرماتے تو ایسا محسوس ہوتا، گویا ایک سمندر میں تموج پیدا ہو گیا، اسی طرح اپنی خودداری پر بھی آنچ نہ آنے دیتے اور غیرت علم و فضل کا پاس ولحاظ رکھتے، تلاوت قرآن کا اہتمام سفر و حضر میں ہمیشہ رکھتے اور اس سے ایک

لمحہ بھی تغافل نہ برتتے۔

فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب وروز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمٰن

مجلس کی گفتگو بڑی شگفتہ اور بعض اوقات ظریفانہ مگر سنجیدہ و باوقار ہوتی، آپ کے حکیمانہ نکتے مصباحی علما میں کافی مشہور ہیں، **کلموا الناس علی قدر عقولهم** کے مطابق ہی حاضرین سے خطاب فرماتے، چلتے تو ہمیشہ نگاہیں نیچی رکھتے، نوآموز مدرسین و مقررین کی حوصلہ افزائی، بالخصوص نوجوان علما کے لیے حوصلہ افزا کلمات اور دعاؤں سے نوازنے میں آپ اپنے تمام معاصرین میں منفرد اور بے مثال نظر آتے ہیں۔

یہی وہ اخلاق فاضلہ ہیں جن سے آپ علما، مشائخ، طلبہ، مریدین، معتقدین اور عامۃ المسلمین میں مقبول اور معزز و محترم ہوئے۔

دوست ہو یا دشمن جو آپ سے ملتا، وہ آپ کے اخلاق کا گہرا نقش لے کر اٹھتا، اپنی وسعت ظرفی و سیر چشمی، کشادہ دلی و خندہ پیشانی، کمال ادب و احترام، شفقت و محبت، جذبۂ خیر خواہی، ہمدردی و خلوص، مہر و محبت، عجز و انکسار، صبر و ضبط، پابندی اوقات کے ساتھ آپ نے ایک باوقار اور بامراد زندگی گزاری، نگاہ میں بلندی، سخن میں دل نوازی اور قلب میں گرمی و حرارت تھی، تعمیر جامعہ کے وقت اس کی لَو تیز تر ہوگئی، جس میں آپ کا پورا وجود تپ کر کندن بن گیا۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دوجہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

مقصدیت آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر ایک اہم ترین عنصر کی طرح نمایاں اور غالب تھی، جماعتی حِس کی ذکاوت بڑی تیز تھی، ایک ہمہ گیر تعمیری انقلاب ابتدا ہی سے ان کا مطمح نظر رہا ہے، ارباب علم و تحقیق اس امر پہ متفق ہیں کہ جب جمود کے سایے دراز ہوجاتے ہیں تو حرکت و عمل کے جذبات بھی جنم لینے لگتے ہیں، تباہی حد سے گزرنے لگتی ہے تو ترقی کے اسباب بھی فراہم ہوجاتے ہیں، زوال و انحطاط کا رنگ غالب ہونے لگتا ہے تو تجدید و احیا کی صورتیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

موجودہ صدی کے آخری دور میں دوسری شخصیتوں کی صف میں آپ کی حیثیت، آپ کے اثرات اور آپ کے کارناموں کو کوئی انصاف پسند مورخ ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتا، آپ کی رفتار وگفتار، حرکات وسکنات، وعظ وتقریر، تدریس وتحریر اور ہدایت کے دیگر تمام ذرائع میں انفرادی شان تھی، یہ تمام چیزیں اس بات کا پیغام دیتی ہیں کہ آدمی کو کام کا آدمی بننا چاہیے اور کام کا آدمی اسی وقت بن سکتا ہے جب کہ مقصد ہمیشہ اس کے پیش نظر رہے اور اس سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو۔

آپ کے ذہن میں ابتدا ہی سے جولانیت تھی، اور محدود ورائج ماحول سے ہٹ کر عالمانہ وفاضلانہ ہی نہیں، بلکہ ناقدانہ فکر ونظر اور وسعت قلب کے ساتھ عمل کے میدان میں مجاہدانہ قدم رکھنے کا حوصلہ بھی تھا، انھوں نے تبلیغ علم ودین کے طاقتور ذرائع ووسائل استعمال کیے اور فروغِ مذہب وملت کے لیے موثر ترین اسباب کو اپنانے کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

تدریس کے دوران متعلقہ اسباق کے افہام وتفہیم کے علاوہ ذہن سازی کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ عام مدرسین کی طرح صرف درس دینے پر اکتفانہ کرتے۔

اہل دانش عام ہیں کم یاب ہیں اہل نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادِ دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

ابتدا ہی سے مخصوص سانچے میں ڈھل کر مستقبل کے قائد وناخدائے ملک وملت بننے کا بے قرار جذبہ پیدا کر دیتے، ان کی تقریر وتدریس کا عام مزاج اور پیغام یہ ہوتا۔

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں اجالا کر کے چھوڑوں گا

بہت سے مواقع پر آپ کا درس، دردوکرب اور قلب کے پنہاں اضطراب وبے چینی کا آئینہ دار ہوتا، اور اس سے سوزدل کی بو آتی، جس سے قلب براہ راست متاثر ہوتا، انداز فکر میں تبدیلی پیدا ہوتی، خفتہ صلاحیتیں

بیدار ہوتیں، ذوق وشوق کو مہمیز لگتی، احساسات وخیالات میں تلاطم برپا ہوتا، اور یہی تلاطم آگے چل کر ہنگامۂ محشر کا روپ دھار لیتا۔

وعظ وتقریر کا انداز خالص ناصحانہ وعالمانہ ہوتا، آج کل عام رواج ہوگیا ہے کہ جلسے گیارہ بجے سے شروع ہوکر دو تین بجے ختم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے فجر کی نماز اکثر خطرے میں پڑ جاتی ہے، اِسے آپ سخت ناپسند فرماتے اور بحمدہ تعالیٰ جہاں بھی جاتے خود سے اُٹھتے باجماعت فجر کی نماز ادا فرماتے، صبح خیزی ان کی عادت تھی، ذکر وفکر اور نالۂ شبینہ ان کی فطرت ثانیہ تھی۔

کیا عجب میری نواہاے سحر گاہی سے
زندہ ہوجائے وہ آتش کہ تیری خاک میں ہے

آپ کی تقریر مسجع ومقفی عبارتوں، پیشہ ور مقررین کے قصے کہانیوں، لچھے دار باتوں اور بے سروپا نکتوں سے یکسر خالی ہوتی، سیدھے سادھے انداز میں ترغیب وتشویق اور ترہیب وتخویف فرماتے، پُر حکمت باتیں اور عالمانہ نکات ہوتے، نہ غیر متعلق باتیں ہوتیں، نہ وقت گزاری کے حیلے، نام ونمود، تحسین وآفریں کے جذبہ سے خالی ہوکر پوری تقریر قرآن وحدیث واقوال سلف صالحین کی روشنی میں ہوتی، اخلاص ودرد مندی کا اظہار ایک ایک جملہ سے ہوتا، جس کا اثر یہ ہوتا کہ بہت سی زندگیوں کے دھارے بدل جاتے، دلوں کا عالم زیروزبر ہونے لگتا اور ان کے کردار وعمل میں انقلاب عظیم رونما ہوجاتا۔

آپ کے ارادت مندوں کا ایک وسیع حلقہ ہے، ایک مرشد کی حیثیت سے آپ نے اذہان وقلوب کی تطہیر، اخلاق کی درستگی، اعمال وافعال کی اصلاح، اسلامی شعائر وآداب کی حفاظت وپاسبانی، جذبۂ خدمت خلق، پابندی صوم وصلات کی جو روح اپنے حلقۂ ارادت میں پھونکی اور اسلام وایمان کے لیے جینے کا جو جذبہ پیدا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ایک کامل شیخ کی طرح آپ نے ان کی رہ نمائی کی، متصوفۂ زمانہ کی طرح سامان کشش کا اہتمام نہ کرتے، ان کے ظاہری رنگ وروغن اپنی تقدس مآبی کی داستان سرائی، خود ساختہ فضائل ومناقب اور طرح طرح کی ان کی عیاریوں مکاریوں سے سخت متنفر ونالاں تھے، آپ کے پاس نہ تو کوئی ظاہری وجاہت تھی اور نہ بے جا شان وشوکت، نہ زہدو پارسائی کا اظہار واعلان، صرف دین داری، خداترسی، سادگی، بے نفسی، عبادت وریاضت اور علم وحکمت کی دولت آپ کے پاس تھی، اور بس، لیکن خدا جانے آپ کی زبان میں کیا تاثیر اور چہرے پر کیسی

سنجیدگی اور کتنا وقار برستا تھا، نظر میں کتنی حیا تھی اور فطرت میں کتنی سلامتی تھی کہ جو سامنے آتا، اس کا دل آپ کی طرف مائل ہوتا اور کھنچنے لگتا، باعمل مرشدوں کی طرح مناہی و منکرات کے ارتکاب اور بے راہ روی سے دور رہ کر ارشاد و ہدایت اور تبلیغ دین کرتے، حرص و طمع کا شائبہ تک نہ تھا اور نہ جی حضوری اور قدم بوسی کی خواہش، سلف صالحین کے نقش قدم پر چل کر مشیت الٰہی کے ساتھ اصلاح اعمال و تطہیر قلوب کا فریضہ انجام دیا۔

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اُس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق
مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جُدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

حافظ ملت کی پوری زندگی متحرک و فعال تھی، وہ وقت کے تقاضوں کو بھی نظر میں رکھتے، کشمکش حیات سے فرار اور آرام طلبی و عیش کوشی تو انھوں نے جانا ہی نہ تھا، نگاہوں میں آفاقی انداز اور دل میں آفاق گیری کے حوصلے تھے، وہ منزل کو بھی جادۂ منزل سمجھتے تھے، گردش روز گار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیا کرتے اور ضروریات زمانہ پر بھی ان کی نظر ہوتی اور ان کی فکر و عمل کا کارواں متحرک زندگی کے دوش بدوش چلتا۔

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہردم جواں ہے زندگی

حافظ ملت جمود و تعطل کا بت توڑ کر جدت افکار اور جدت کردار پیدا کرنے کے خوگر تھے، مدارس اسلامیہ جن پر ایک مدت سے یہ الزام ہے کہ

کس کو معلوم ہے ہنگامۂ فردا کا مقام
مسجد و مکتب و میخانہ ہیں مدت سے خموش

چوں کہ آپ ایک مصلح امت و مفکر ملت تھے، آپ کا قلب مضطر، قوم مسلم پر چھائے ہوئے ادبار وانحطاط کے غم میں غلطاں و پیچاں تھا اور یہ حقیقت پسندانہ فریاد آپ کو بار بار آواز دے رہی تھی کہ

دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

مدرسہ جوشاہین صفت نوجوانوں کی تربیت گاہ ہے، جس سے فکر و نظر کو پختگی اور جلا ملتی ہے، جس کے اقبال وانحطاط کے اثر سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے، ایک ایک فرد پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس لیے فروغ دین اوراصلاح امت کے لیے تعلیمی شعبہ سے حافظ ملت نے انقلاب انگیز اقدامات کیے اور وقت کی ضروریات اوراس کے مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے اپنے ذہن وفکر کی بہترین صلاحیتیں صرف کیں، انھوں نے جامع اور ہمہ گیر منصوبہ کے تحت "الجامعۃ الاشرفیہ" کی بنیاد ڈالی اور منزل کی طرف لگاتار پیش قدمی اور مقصد کے ساتھ والہانہ عشق کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو اس وقت حافظ ملت کی بے قرار زندگی کا تماشا دیکھیے، زیر تعمیر یونیورسٹی کی تکمیل کا جذبۂ شوق ان کی ساری ہستی پر سایۂ رحمت کی طرح چھا گیا ہے، ہر طرف سے یکسو ہو کر اب صرف ایک مقصد ان کے پیش نظر ہے، ایک ہی غم ہے جس نے انھیں سارے غموں سے بے نیاز کر دیا ہے اور وہ ہے دین کے مستقبل کا غم، کامیابیوں کی سب سے بڑی ضمانت ان کا وہ یقین محکم ہے جو مشکلات کی بے پناہ مزاحمتوں کے باوجود آج تک گھائل نہیں ہو سکا۔(۱)

موجودہ نصاب تعلیم میں حذف واضافہ کرکے اسے مزید مفید و موثر بنانے کے لیے علما و دانش وروں پر مشتمل ایک بورڈ کی تشکیل کی، زیر تعمیر یونیورسٹی کے ذریعہ ہم ایک ایسا جامعہ اور قابل قبول نظام تعلیم بروے کار لائیں گے جو ہمارے طلبہ میں منقولات و معقولات کی ٹھوس قابلیت اور دینی فکر و بصیرت کے ساتھ ساتھ نئے دور کے مسائل پر بھی قابو پانے کی صلاحیت پیدا کرے اور الحاد و مادیت کے مقابلے میں اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے کا حوصلہ عطا کر سکے۔(۲)

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا؟ بزم کہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مئے مجاز دے

عرصۂ دراز تک بیش تر ممالک پر فرنگی تسلط واقتدار رہنے کی وجہ سے بہت سی اقوام کی تہذیب و معاشرت اور زبان پر زبردست اثر پڑا، مفتوح ہونے کی وجہ سے ان کے رگ وریشے میں غلامی کا خون دوڑا، اور وہ ذہنی وفکری اعتبار سے احساس کمتری میں مبتلا ہو کر رہ گئے، ملک و بیرون ملک بعض دانش وروں نے انگریزی زبان و تہذیب اپنانے میں ہی ترقی کا راز پایا اور اس پر خود بھی گامزن ہوئے اور قوم کو بھی اسی طرف کھینچا۔

---

(۱) الجامعۃ الاشرفیہ، ص:۱۰، مطبوعہ، مبارک پور ۱۳۹۳ھ

(۲) الجامعۃ الاشرفیہ، ص:۱۳، ۱۳۹۳ھ

اس دور میں چوں کہ انگریزی تعلیم کا نتیجہ الحاد وگمرہی کی شکل میں برآمد ہوتا تھا کہ اپنے ذہن ودماغ کی مرعوبیت کی وجہ سے اس کے سامنے وہ سپر انداز ہوجاتے، ان کو اپنی ہر چیز میں کمتری اور غیروں کی ہر چیز میں برتری کے جلوے نظر آنے لگے، اس لیے علمانے انگریزی کی زبردست مخالفت کی اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے، لیکن آج جب کہ اس کے عروج وکمال کا دائرہ سمٹتے سمٹتے سات سمندر پار جاچکا ہے اور اس کے نقصانات پہلے کی طرح باقی نہیں رہ گئے ہیں، اس کے علاوہ علوم وفنون کے بیش تر خزانے آج انگریزی زبان میں موجود ہیں اور اب بھی اسے بین الاقوامی زبان ہونے کا فخر حاصل ہے اور فکر وشعور کی پختگی کے ساتھ اسے حاصل کرکے زیادہ سے زیادہ خدمت دین کے مواقع فراہم ہوسکتے ہیں، اس لیے علمائے کرام نے آج، اور بہت سے حضرات نے اس سے پہلے بھی اس کی افادیت کو تسلیم کرکے اس کی تعلیم کی طرف لوگوں کو ترغیب دلائی۔

حافظ ملت قدس سرہ نے بھی نصاب تعلیم میں انگریزی کو لازم قرار دیا اور اپنے دور ہی میں اس کی تعلیم کے انتظامات بھی مکمل فرمائے، اور بہت سے تقریری وتحریری بیانات میں اس امر کو واضح فرمایا کہ الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، ہندی ان پانچ زبانوں میں یہاں کے فضلا ماہر وعالم بن کر نکلیں، اور جہاں بھی رہیں اسلام وسنیت کی خدمات پوری جامعیت وکمال کے ساتھ انجام دیں۔

اسی طرح یہ سوال بھی اپنی جگہ بڑا اہم اور اس قابل ہے کہ اس کی جانب خاطر خواہ توجہ دی جائے، وہ یہ کہ ہندی جو اپنے ہم وطنوں کی زبان ہے اس میں اسلامی علوم وفنون تو ایک طرف، تبلیغ اسلام سے متعلق بھی کتب ومقالات نہیں پائے جاتے ہیں، کروڑوں افراد جنھیں جادۂ حق پر چلنے کی دعوت دی جاسکتی ہے، ان سے اس طرح اغماض سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کئی ایک صوبوں میں خود مسلمان بھی ہندی لکھتے بولتے ہیں، ان کی رہنمائی اور احکام ومسائل سے واقفیت کے لیے بھی اس زبان میں مناسب مواد ہونا ضروری ہے، حافظ ملت نے اس جانب اپنی توجہ مبذول فرمائی، اگرچہ تاہنوز کوئی عملی پیش رفت نہ ہوسکی، تاہم اس کی موجودہ اور آئندہ اہمیت کے پیش نظر اپنے منصوبہ میں اسے بھی ایک مخصوص جگہ دینے کا اعلان فرمایا، اس جانب ہندوستان کے دوسرے مسلم اداروں اور دانش گاہوں کو جلد تر خصوصی توجہ دے کر مؤثر ومفید اقدامات کرنے چاہیے۔

قلم کی طاقت ایک مسلم حقیقت ہے، بالخصوص اس دور جدید کے ذرائع نشر واشاعت میں اسے سب سے ہمہ گیر، طاقت ور، موثر، دوررس اور دیرپا مانا گیا ہے اور دنیا کی متمدن قومیں اس کے ذریعہ ذہنوں پر قبضہ

جماکر اپنی تہذیب و معاشرت، اپنی زبان اور اپنے نظریات و خیالات کو دوسروں پر مسلط کرتی جا رہی ہیں، اپنے علوم و فنون، قومی روایات، ملکی مزاج، لسانی خصوصیات، مشاہیر کے کارناموں کو اپنی اور دوسری عالم گیر زبانوں میں منتقل کرکے انقلابات کے منصوبے تیار کیے جاتے ہیں، اپنے مشن کو فروغ دیا جاتا ہے اور یونیورسٹیوں، کالجوں، اداروں، درس گاہوں، دانش کدوں نیز مختلف شعبہاے حیات کے ممتاز لوگوں کے ذہن و دماغ کو شعوری و غیر شعوری طریقوں سے متاثر کرنے کی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔

حافظ ملت نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا کہ ہماری جماعت کی توجہ تقریباً نصف صدی سے اس میدان کی طرف سے بالکل ہٹ چکی ہے، قلم کا سر چشمہ خشک ہو چکا ہے، دوسرے کاموں کی طرف اتنا انہماک بڑھ چکا ہے کہ اغیار اس شعبے میں اپنی محنتوں، کوششوں اور مسلسل جاں فشانیوں سے اردو و دیگر صوبائی زبانوں کے علاوہ عربی زبان کے ذریعہ روز بروز سیلاب کی طرح بڑھتے جا رہے ہیں اور کوئی ایسی چٹان حائل نہیں ہوتی جو اس کا دھارا پلٹ کر اسلام و ایمان کی برکتوں سے بزم گیتی کو متمتّع و فیض یاب کرے، پیاسی ہوئی انسانیت کو سیراب کرے اور علم و فن کے اجالے میں اقوام عالم کی قیادت کر سکے۔

مخصوص مسلکی حیثیت سے بھی دیکھا جائے تو امام اہل سنت محدث بریلوی قدس سرہ جن کی حیات کا ورق ورق روشن و تابناک ہے جو بیک وقت مفسر و محدث بھی تھے اور متکلّم و فقیہ بھی، مفکر و فلسفی بھی تھے ادیب و شاعر بھی، اور دینی و مذہبی مصلح و رہنما بھی، جنھوں نے تصنیف و تالیف کے لیے اپنی پوری حیات وقف کر دی اور ماضی قریب میں ان جیسا عظیم مصنف پیدا نہیں ہوا لیکن ہزاروں جلسوں، کانفرنسوں اور مناظروں کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے ایک ایک گوشۂ جمیل کا ذکر اور سیر حاصل بحث تو ایک طرف، نصف صدی سے زائد کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی تا دم تحریر کوئی ایسی سوانحی کتاب بھی دنیا کے سامنے نہ پیش کی جا سکی، جو کسی حد تک بھی جامع اور ان کی شایان شان ہو، افسوس ہے اپنی اس جامد اور غیر متحرک زندگی پر۔

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لیکن ارباب ہمت محو غم دوش نہیں ہوتے وہ فکر فردا ہی کیا کرتے ہیں۔

کار امروز بفردا مگزار اے آسیؔ
آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل میں

حافظ ملت کے سامنے جب بھی اس موضوع پہ گفتگو ہوئی وہ اپنے درد و کرب کا اظہار فرماتے اور ساتھ ہی ساتھ حوصلہ افزائی بھی کرتے اور رہ نمائی بھی فرماتے۔

راقم سطور نے بارہا اس طرح کے ضروری اور اہم موضوعات پر حضرت سے رہ نمائی حاصل کی۔

ایک موقع پر جب کہ اس طرح کی تفصیلی گفتگو ہو رہی تھی تو حضرت نے بڑے جلال کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"میرے نزدیک ان سب کا جواب الجامعۃ الاشرفیہ ہے، ان شاء اللہ کام ہوگا، اور اسی سے سب کچھ ہوگا۔"

معیاری، دینی و علمی اور فنی و تحقیقی کتب و مقالات کی تصنیف و تدوین اور بذریعۂ تحریر اصلاح اعمال و عقائد کے لیے حافظ ملت نے الجامعۃ الاشرفیہ کا شعبہ نشریات قائم فرمایا، دو ایک کتابیں اس کی طرف سے شائع بھی ہو چکی ہیں، صحافتی معیار کے مطابق ایک ماہ نامہ بھی بنام **"اشرفیہ"** بڑی آب و تاب کے ساتھ تقریباً دو سال سے شائع ہو رہا ہے اور مفید خدمات انجام دے رہا ہے، ان شاء اللہ آنے والے ایام حافظ ملت کی اس تحریک اور ان کے عزائم کی تکمیل کے اسباب کسی نہ کسی راہ سے فراہم کر دیں گے، اور آج جسے ایک خواب پریشاں سے زیادہ حیثیت نہیں دی جا سکتی، کل وہ ایک زندہ حقیقت کا روپ دھار لے گا۔

میان شاخساراں صحبتِ مرغ چمن کب تک
ترے بازو میں ہے پرواز شاہینِ قہستانی
بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

حافظ ملت نے اپنے تلامذہ کے اندر ایسی بے قرار روح پھونک دی ہے کہ وہ بیرون ملک بھی وقت کے خارجی اور داخلی تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر اپنے دائرۂ عمل کو وسیع تر کریں، اس ضمن میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ جس کے روح رواں حافظ ملت کے تلامذہ ہی ہیں اور قلب یورپ سے ان کی اذان اور تکبیر مسلسل کی صدائیں، فرنگی در و دیوار سے ٹکرا کر انھیں خواب غفلت سے بے دار کر رہی ہیں، اس ادارہ کو جن اغراض و مقاصد کے ساتھ مربوط کیا گیا وہ یہ ہیں:

(الف) عالمی سطح پر ایک اسلامی تبلیغی نظام کا قیام۔

(ب) مسلم معاشرے میں دینی زندگی کی ترویج۔

(ج) مسلمانان عالم کے درمیان رابطۂ اخوت اسلامی کا استحکام۔

(د) اسلامی تبلیغ کی قائدانہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی تربیتی مرکز کا قیام۔ (زبان عربی، انگریزی، فرنچ)

(ہ) گمراہ کن افکار و تحریکات سے نسل اسلامی کا تحفظ۔[1]

ارباب ادارہ کا سینہ عزم و حوصلہ سے پُر اور ان کا ایک ایک لفظ ان کے اذعان کی منہ بولتی تصویر ہے، انھیں خدا کی ذات سے یقین ہے کہ

"ایک نہ ایک دن چند افراد کا یہ دستہ ایک عظیم قافلے میں تبدیل ہوجائے گا، اسلام کے عالم گیر فروغ کے جذبہ میں ہم جہاں تک پہنچے ہیں، اب وہاں سے ہماری واپسی ناممکن ہے، اب یا تو ہمارا سفینہ حجاز کے ساحل سے ٹکرا کر چور چور ہوجائے گا، یا پھر ہم سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے زمین کے کناروں تک اپنے آقا کی رحمتوں کا پرچم لہرائیں گے۔"[2]

اے کاش! ان کی اسلامی فیروز مندیوں کی تنویر کرۂ ارض پہ پھیل جائے اور ایک ایک متنفس اسی عشق ویقین کے ساتھ نغمہ سنج وزمزمہ خواں ہوجائے کہ روح انسانیت جھوم اٹھے اور مسلمانوں کا خورشید اقبال ایک بار پھر افق عالم پر منور وضوفشاں ہوجائے۔ ؎

سر شک چشم مسلم میں ہے، نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے، پھر برگ وبَر پیدا

عربی، رب کائنات کی منتخب زبان، جس میں صحیفۂ آسمانی قرآن مجید کا نزول ہوا، جسے رسول خدا و سرور انبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان ہونے کا فخر حاصل ہے جو صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی بھی زبان ہے اور جو دم واپسیں کے بعد قبر اور حشر و نشر سے لے کر ابدالاباد تک **"باغ فردوس"** کی بھی زبان ہے۔

---

(۱) سکریٹری رپورٹ، پیش کردہ ۲۱/ اپریل ۷۴ء دفتر ورلڈ اسلامک مشن ۶۸/۶۹ ساوتھ فیلڈ اسکوائر بریڈ فورڈ ۸ یارک شائر، انگلینڈ۔

(۲) سکریٹری رپورٹ، ص: ۱۳

مدارس اسلامیہ جو اس کے سچے وارث وجاں نشین ہیں، ان کی ابتدا و انتہا اسی زبان سے ہے اور اسلامی وعربی سرمایہ کی تحصیل میں پوری پوری عمریں صرف کر دی جاتی ہیں، لیکن یہ ایک حیرت ناک اور افسوس ناک حقیقت ہے کہ اتنا سب کچھ کر لینے کے بعد بھی عربی لکھنے اور بولنے پر قدرت نہیں ہو پاتی، یہ ہندوستان کا نادر ونایاب اور تاریخی تجربہ ہے، کسی دوسری زبان کے ساتھ دنیا کے کسی گوشہ میں شاید ہی اس حیثیت سے اتنا ظلم ہوا ہو، اس عدم قدرت میں قدیم عربی اور جدید عربی کی کوئی تخصیص نہیں۔

یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ آج ہماری درس گاہوں سے جو طلبہ فارغ ہو کر نکل رہے ہیں انھیں عربی کے فاضل ہونے کے باوجود عربی زبان نہ لکھنے پر قدرت ہے نہ بولنے پر، اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے یہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے، اس لیے ہم نے طے کر لیا ہے کہ مجوزہ عربی یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم عربی ہوگی اور اس کے ساتھ جدید (اصطلاحات) عربی سے بھی عملاً اپنے طلبہ کو روشناس کرائیں گے تاکہ (خدمت دین وعلم کے ساتھ) بلاد عرب کے کروڑوں انسانوں سے وہ افہام وتفہیم کا رابطہ قائم کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ [1]

الحمد للہ! شعبۂ عربی ادب میں عربی زبان کو ذریعہ تعلیم کے طور پر اپنایا جا چکا ہے۔

حافظ ملت کی عقابی نگاہیں ان سب ضروریات کو دیکھ رہی تھیں، انھوں نے اس کے لیے باقاعدہ کوششیں کیں کہ درس گاہوں کی اس عظیم کمزوری کو جلد تر دور کیا جائے، انھوں نے مفید ترین اقدامات بھی کیے، اور عربی ادب کی تحصیل کے لیے چند منتخب طلبہ کو آمادہ کر کے اس کی تکمیل کا انتظام فرمایا، جو بفضلہ تعالیٰ پوری جاں فشانی کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کر چکے ہیں۔

اس کام کے لیے حافظ ملت نے چند طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ ازہر مصر بھیجنے کا بھی قصد فرمایا تھا، افسوس! کہ آپ کی زندگی میں یہ کام مکمل نہ ہو سکا، راقم سطور سے حضرت حافظ ملت نے خود متعدد بار ارشاد فرمایا:

> آپ نہایت محنت وجاں فشانی سے اپنے فرائض انجام دیجیے، اور کوشش کیجیے کہ طلبہ کا عربی ذوق زیادہ سے زیادہ بیدار ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ اشرفیہ کی زبان آئندہ سالوں میں خالص عربی ہوگی اور اسے ہی ذریعہ تعلیم بنایا جائے گا۔

مختلف علوم وفنون میں سے کسی خاص فن میں تحقیق وتخصص کے درجات قائم کر کے امتیازی وانفرادی قابلیت کے افراد پیدا کرنا، ہمارا سب سے اہم مقصد ہے، تاکہ مختلف علوم وفنون میں محققانہ بصیرت رکھنے

---

(۱) الجامعۃ الاشرفیہ، ص: ۱۳، مطبوعہ مبارک پور ۱۳۹۳ھ

والے اساتذہ ہماری درس گاہوں کو مل سکیں، جن کا سلسلہ اب ختم ہوتا جارہا ہے، اسی طرح ہم عربی ادب کے ساتھ انگریزی اور سنسکرت دونوں زبانوں میں مہارت رکھنے والے علما پیدا کریں گے، تاکہ اسلامیات کا ذخیرۂ تحریر وتقریر، ہر دو زبانوں میں منتقل کرلیں۔[1]

حافظ ملت نے جس طرح اپنے اخلاق وکردار کے تابندہ نقوش چھوڑے ہیں اسی طرح ان کے ہمہ گیر اور آفاقی ذہن وفکر کی جولانیاں اوراس کے اثرات بھی بڑے وسیع، گہرے، اور متعدّ دالجہات ہیں، ان کی پوری زندگی حرکت وانقلاب کی ایک کھلی ہوئی کتاب ہے جس کا ورق ورق عزم وحوصلہ، جہد مسلسل، یقین واذعان اور صبروثبات کا پیغام دے رہا ہے، انھوں نے اپنے تصلب فی الدین اور جرأت مرد مومن کی اعلیٰ مثالیں بھی چھوڑی ہیں جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور وقت کے تقاضوں کی جائز تکمیل کی راہیں بھی ہموار کی ہیں، وہ گفتار وکردار میں اللہ کی برہان اور ہماری ملی تاریخ کی قیمتی امانت ہیں، ان کی حیات کے سارے گوشے اپنے اندر ایک مثالی اور تاریخی شان رکھتے ہیں، ان کی کشتی حیات، یاس وناامیدی کا سینہ چیرتی اور تلاطم وامواج سے بچتی ہوئی ساحل مقصود تک پہنچی، ان کی زندگی سر تاپا، ایک پیغام تھی، ارباب بصیرت کے لیے انھوں نے اپنی بے قرار زندگی کا لمحہ لمحہ ذہن وفکر کی تعمیر میں صرف کردیا اور ہزاروں افراد کو اپنی مثالی زندگی کا آئینہ دار بنادیا اور آپ نہ صرف یہ کہ خود فکر وعمل کے طائر بلند پرواز تھے اور بہت سے میدانوں میں نئی روشیں اور نئے انداز واسالیب پیدا کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے بلکہ شوقِ جستجو کا اضطرابِ مسلسل اپنے تلامذہ میں بھی چھوڑ گئے۔ ؎

ضمیر لالہ میں روشن، چراغِ آرزو کردے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کردے

ان کا یقین واعتماد اتنا راسخ اور مستحکم تھا کہ مزاحمتوں کے شدید ہجوم میں بھی متزلزل نہ ہوتا، اور منزل کی طرف لگاتار پیش قدمی کی راہ میں مشکل ترین رکاوٹوں سے بھی ان کی پیشانی پر بَل نہ آتا، یہی وہ خصوصیت تھی جس نے ہر منزل اور ہر موڑ پر انھیں کامیاب وکامران رکھا، سنگلاخ زمینوں اور پرخار وادیوں سے بھی ان کی شوق منزل رسی کی تکمیل کی راہیں نکل ہی آئیں، اور ایسا کیوں نہ ہو یہ اثر تو پیدا ہی ہوجاتا ہے۔ ؎

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا

(۱) الجامعۃ الاشرفیہ، ص: ۱۴، مطبوعہ ۱۳۹۳ھ

خورشید علم و فن

محمد عبد المبین نعمانی مصباحی، المجمع الاسلامی، مبارک پور

تعارف مقالہ نگار:

حضرت مولانا عبد المبین نعمانی دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور تدریسی دنیا کا ایک معتبر نام ہے۔

ولادت: غالباً ۲۶؍ شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ محلہ چھتن پورہ بنارس میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: درجہ پنجم اور ابتدائی عربی کی تعلیم مدرسہ مظہر العلوم پیلی کوٹھی بنارس سے حاصل کی پھر جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لیا، ۱۹۶۹ء میں فراغت حاصل کی۔

کارنامے: ۴؍ سال دار العلوم اشرفیہ کے لائبریرین رہے، ایک عرصہ تک ماہ نامہ اشرفیہ کی کامیاب ادارت کی، المجمع الاسلامی کے رکن اور درجنوں کے کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس وقت دار العلوم قادریہ چریاکوٹ ضلع مئو کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

چودھویں صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان کے سپہر علم و فضل پر جن عظیم شخصیتوں نے مہر و ماہ بن کر اپنی روشنی بکھیری، ان میں استاذ العلما جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی ہندوستان کی علمی تاریخ میں ایک عظیم باب کا عنوان اور آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

حافظ ملت کی نہایت سادہ اور سر تا پا دین میں ڈوبی ہوئی ذات گرامی ایک ایسا ابر کرم تھی جس کی فیض بخشیوں نے صرف سرزمین مبارک پور ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں کشت زار علم کو سیراب کر کے سرسبز و شاداب بنا دیا، مبارک پور میں علم کا ایک ایسا دریا جاری فرمایا جس کی مبارک نہریں اس ملک کے بیش تر تشنگانِ علم کی پیاس بجھا رہی ہیں اور جس کا دائرہ اب صرف ہندوستان ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی اس کا فیضانِ علم عام ہوتا جا رہا ہے۔

حافظ ملت کی شخصیت ایک مرکزی شخصیت تھی آپ نے اپنے مشن کا اصلی نشانہ ایسی چیزوں کو بنایا جو مرکزی اور اصولی حیثیت کی حامل ہیں، آپ صرف نہروں پر قانع نہ تھے، بلکہ دریا و سمندر کو بھی اپنے کمند عمل کا نخچیر بنانا مقصد حیات تصور فرماتے تھے تاکہ سیرابی و شادابی کا سلسلہ عام سے عام تر ہو سکے، جذبۂ دینی سے سرشار ہو کر اکثر فرمایا کرتے:

"مسجد بنانا ثواب، سرائے بنانا ثواب، یتیم خانہ بنانا بھی یقیناً ثواب مگر مدرسہ سب سے بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ کیوں کہ اگر علما نہ پیدا ہوں گے تو ان سب کو کون آباد کرے گا اور کون حفاظت کرے گا، میں نے مدرسہ کو بہت سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے"۔

حقیقت ہے کہ اگر علمائے دین نہ ہوں تو لوگوں کا جینا مشکل ہو جائے، انسانوں اور حیوانوں کی زندگی میں کچھ فرق نہ رہے، یہی احکام دین کے شناسا ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً لوگوں کو احکام خدا و رسول بتاتے ہیں، اور اسلام کی روشنی میں زندگی گزارنے کی راہوں پر لگاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت نے اپنے کو تصنیف و تالیف میں پورے طریقے سے نہیں مشغول کر لیا، اس لیے کہ تصنیف و تالیف کی اہمیت سے حضرت خوب واقف تھے مگر اس کے لوازم کو مہیا کرنا، افراد کو تیار کرنا اور نشر و اشاعت کے دیگر ساز و سامان کو جمع کرنا ایک ایسا ضروری امر تھا، جس کے بغیر یہ کام بحسن و خوبی انجام پذیر نہ ہو پاتا؛ اسی لیے حضرت نے ایک عظیم ہمہ جہتی ادارے کی تعمیر کو سب پر مقدم رکھا۔

آخری ایام میں جب حضرت بیمار تھے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! اب کچھ روز مکمل آرام فرمالیں اور تبلیغی دوروں کو بند کر دیں، اگر صحت رہی تو پھر یونیورسٹی کا کام ہو جائے گا، اس شدید علالت اور نقاہت کے عالم میں اس جد و جہد کا اثر جسم پر اچھا نہ پڑے گا۔

حضرت کی دور بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم تو آرام کرنے لگیں اور حیات مستعار کا سلسلہ ٹوٹ جائے، لہٰذا اس عرض پر لوگوں سے فرمایا:

"میاں! اونچ نیچ ہوش و حواس والے کو سمجھایا جاتا ہے اور میں تو الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے عقل و ہوش کی دنیا سے نکل کر جنون کی سرحد میں داخل ہو چکا ہوں، اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو"۔

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا:

"بلا وجہ آپ لوگ مجھے کام سے روکتے ہیں اور کہیں جانے نہیں دیتے، بیمار اپنی

حالت خود سب سے بہتر جانتا ہے، جب میں خود اپنے کو صحت یاب پا رہا ہوں تو آپ لوگ کیوں بیمار، بیمار، کی رٹ لگا رہے ہیں؟“

واللہ! کتنی تڑپ ہے اور کس قدر سوز ہے ان الفاظ میں، جو کسی نوجوان مرد مجاہد کے منہ سے نہیں نکلے ہیں بلکہ ایک ۸۰/ سالہ بوڑھے کے احساسات ہیں جسے وہ بستر علالت سے پیش کر رہا ہے، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حافظ ملت کے سینے میں ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کا کیسا جذبۂ صادق پنہاں تھا۔

ایک دینی ادارے سے حافظ ملت علیہ الرحمہ کو کیا تعلق تھا اور اس کے عروج وارتقا کے کس قدر خواہش مند تھے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا:

”**میں اشرفیہ** کے لیے اپنی جان کھپا سکتا ہوں، مگر اس کی پستی آخر دم تک برداشت نہیں کر سکتا، میں نے اشرفیہ کو اپنا پسینہ نہیں خون پلایا ہے“۔

اور یہ حقیقت بھی ہے، اس لیے کہ حضرت کی خدمات اور جد وجہد کا سلسلہ جیسے جیسے دراز ہوتا جاتا تھا، صحت برابر اس سے متاثر ہوتی جاتی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت **”گلشن اشرفیہ“** کو برابر اپنے خون سے سینچ رہے ہیں، حضرت کو دیکھنے والے اس کے شاہد ہیں کہ یونیورسٹی کی تعمیر سے پہلے حضرت کی صحت بہت اچھی تھی مگر جیسے جیسے تعمیری کام آگے بڑھتا گیا اور حضرت نے اپنی مساعی جمیلہ کو تیز فرمایا، تیزی کے ساتھ صحت گھٹتی گئی، اور آخر میں جس علالت ونقاہت کا سامنا کرنا پڑا دیکھنے والے ہی بخوبی واقف ہیں، اگرچہ اس شدید علالت ونقاہت کے بعد بھی حضرت نے اپنی جد وجہد کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیا، آخر کار ایک نہایت دشوار گزار تبلیغی دورے ہی نے اس قدر متاثر کیا کہ جاں بر نہ ہو سکے۔

آج کے اس دور انحطاط میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ دین کے نام پر ادارہ بناتے ہیں اور پھر اس سے اپنی سستی شہرت، دنیاوی منفعت اور کنبہ پروری وغیرہ جیسے گھٹیا مقاصد کے پیش نظر اپنی کوششوں کا گھوڑا آگے بڑھاتے ہیں، مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اخلاص کا کیا کہنا کہ کبھی بھی آپ نے اس قسم کے معمولی اور دنیاوی مقاصد کو اپنے کام کی بنیاد نہیں بنایا، ایک مرتبہ فرمایا:

”میں نے کبھی اضافۂ تنخواہ کی درخواست نہیں دی، جو ملا لے لیا اور اب تو کئی سال سے بلا تنخواہ ہی کام کر رہا ہوں، پھر بھی اللہ کا فضل ہے کہ مجھ میں کوئی فرق نہیں آیا

اور سارا کام بدستور چل رہا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خدا کا وعدہ ہے:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ .

اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمھاری مدد کرے گا۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے بلکہ آج کل کا عام ماحول ہے کہ کام کرنے کے بعد ستائش وصلہ اور شہرت کی فکر ہوجایا کرتی ہے اور آدمی زیادہ سے زیادہ اپنا نام اجاگر کرنا چاہتا ہے، مگر حافظ ملت علیہ الرحمہ نے کبھی اشارے کنائے میں بھی اس کی خواہش نہیں کی، آپ اکثر فرمایا کرتے:

آدمی کو کام کرنا چاہیے، شہرت اور نام وری کی فکر میں نہیں پڑنا چاہیے، کام کرو خود ہی اس کے صدقہ میں نام اور شہرت حاصل ہوجائے گی، اور جو شہرت کی فکر میں پڑتا ہے وہ اصل میں کام نہیں کرتا، نام کرتا ہے، اس طرح آدمی کو منصب اور عہدے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے بلکہ کام کرتے رہنا چاہیے منصب اور عہدے خود ہی اس کا قدم چومیں گے"۔

حضرت کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام طور سے دینی اداروں کے مدرسین، منتظمین وملازمین اور اونچے عہدہ والوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہی تعلقات کی ناہمواری اور بے جاتفوق ہے، عام طور سے جو مدرسے کا صدر یا ناظم ہوتا ہے وہ مدرسین کو نرا ملازم ونوکر سمجھتا ہے نتیجۃً خلوص نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور پھر انجام کیا ہوتا ہے، سوانح مدارس کے واقف کار حضرات خوب جانتے ہیں، دیگر مدارس والوں کو حضرت کے ان ارشادات سے سبق لینا چاہیے تاکہ انھیں بھی اشرفیہ کی سی ترقی وعروج نصیب ہو۔

بعض حضرات اگر کوئی مدرسہ یا ادارہ قائم کرتے ہیں تو خود اپنے ہی نام پر اس کا نام رکھتے ہیں، تاکہ ان کا نام مستقل طور سے ادارہ سے وابستہ ہوجائے مگر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اس قسم کا کوئی تصور بھی نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ بعض معتقدین اگر حضرت کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدرسہ عزیزیہ، دارالعلوم عزیزیہ وغیرہ قسم کے نام رکھتے اور حضرت کو اطلاع ہوتی تو ناراض ہوتے اور فرماتے:

"کام کرنا چاہیے نام کی کیا ضرورت، اور اگر نسبت ہی کی ضرورت تھی تو حضور غوث پاک کی طرف منسوب کرکے "مدرسہ غوثیہ" یا پھر اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرکے "مدرسہ رضویہ" رکھنا چاہیے"۔

غرض کہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی از اول تا آخر کام ہی کام سے عبارت تھی اور جس پہلو

سے بھی دین کا کام کیا جاتا حضرت اس سے بے پناہ خوش ہوتے اور کام کرنے والے کو خوب خوب نوازتے، تقریر، تدریس اور تحریر تینوں طریقۂ تبلیغ پر حضرت نے خود بھی ساری عمر عمل کیا اور دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کیا، بلکہ ہر کام کے لیے الگ الگ مستقل جماعت پیدا فرمائی، اسی لیے آپ کے تلامذہ میں تقریر و خطابت کے بادشاہ بھی ملیں گے اور مسند تدریس کے رمز شناس بھی اور تحریر و تصنیف تو گویا آپ کے تلامذہ کا خاص حصہ ہے، ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں تقریر و تحریر کا تذکرہ آیا تو ارشاد فرمایا اور کیا خوب فرمایا:

> "تقریر سب سے آسان کام ہے، اس سے مشکل تدریس، اور سب سے مشکل تصنیف"۔

اسی لیے حضرت کی خدمت میں جب کوئی نئی کتاب پیش کی جاتی تو اتنا خوش ہوتے کہ کسی دوسری چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوتی۔

ذوق تصنیف و تالیف:

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے جہاں اپنے استاذ گرامی حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ سے بہت کچھ سیکھا اور پڑھا، وہیں ذوق تصنیف و تالیف بھی پایا، تدریسی و تبلیغی سرگرمیوں اور دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے اگرچہ آپ کو کتابیں لکھنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا مگر پھر بھی معارف حدیث، المصباح الجدید، ارشاد القرآن، الارشاد، اور دیگر مضامین (جو وقتاً فوقتاً رسائل میں چھپتے رہے) سے آپ کے ذوق تصنیف اور حسن تالیف کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آپ کے نزدیک تصنیف و تالیف اور تحریری کاموں کی جو اہمیت تھی اس سے بھی اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آخر عمر میں اپنی اس بات پر سخت افسوس اور قلق کا اظہار فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا:

مجھے لوگوں نے کسی کام کا نہ رکھا، غیر اہم اور غیر ضروری کاموں میں مجھ کو ایسا الجھا دیا کہ لکھنے کا کام خاطر خواہ نہ ہوسکا، جس کا مجھے افسوس ہے، حالاں کہ اوائل عمر میں میرا قلم نہایت برق رفتار تھا اور اب نہ وہ قوت دماغ ہے اور نہ ہی فرصت، اس لیے اب میرا مطمح نظر اور میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف **"الجامعۃ الاشرفیہ"** کی تکمیل ہے۔

آپ کی تحریر برق رفتاری، احساس ذمہ داری، ایجاز نگاری اور استقلال و استقامت کا تذکرہ کرتے ہوئے خطیب مشرق تحریر فرماتے ہیں:

سمندر کو کوزے میں بھرنے کی کہاوت سنتے تھے لیکن "معارف حدیث" اس کی جیتی جاگتی زندہ مثال ہے، حدیث کے ترجمہ کے ساتھ اس پر عالمانہ و عارفانہ نکتہ آفرینی، یہ صرف استاذ العلما جیسی بلند شخصیت کا کام ہے۔

ادارہ **"پاسبان"** اس کرم واحسان کو کبھی بھول نہ سکے گا کہ جب سے حضرت نے اس عنوان کو شرف قبول سے نوازا، کوئی بھی شمارہ اس عنوان سے خالی نہ رہ سکا، جوانوں نے کاندھے کا جوا اتار دیا، لیکن ۷۲ ربرس کا ضعیف و ناتواں بزرگ وہ عزم واستقلال کا کوہ گراں ثابت ہوا۔[۱]

حسن کتابت وطباعت:

کتابت وطباعت سے متعلق بھی حضرت کا ذوق نہایت بلند اور مقتضائے وقت کے مطابق تھا، جب کسی کتاب کی طباعت کا پروگرام سنتے تو اس بات کی تاکید فرماتے کہ کتابت وطباعت اور کاغذ عمدہ سے عمدہ ہونا چاہیے اور ساتھ ہی قیمت کم رکھنے کی تاکید فرماتے، اس سلسلے میں ایک مرتبہ فرمایا:

"میرا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ کتابوں کی قیمتیں کم ہوں؛ کیوں کہ مذہبی کتابوں کے پڑھنے والے بالعموم غریب لوگ ہوتے ہیں، اسی لیے جب میں نے فتاویٰ رضویہ چھپوائی تو اس کی قیمت لاگت سے زیادہ نہیں رکھی، ہمارا مقصد صرف اشاعت ہے نہ کہ تجارت"۔

حافظ ملت نے اگرچہ ذاتی طور سے کوئی بڑا تصنیفی کارنامہ نہیں چھوڑا جس کی وجہ میں پہلے بتا چکا ہوں، مگر اپنے تلامذہ کے اندر آپ نے تصنیف و تالیف اور اشاعتی کاموں کی ایک ایسی اسپرٹ اور ذوق پیدا کر دیا تھا کہ جس کی مثال کم از کم اس دور میں ملنی مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ ملک و بیرون ملک اس وقت جس طرح علما کی سب سے بڑی تعداد حافظ ملت کے تلامذہ کی ہے، ادبا و مصنفین اور اہل قلم بھی سب سے زیادہ حافظ ملت کے تلامذہ ہی میں پائے جاتے ہیں، اب ہم ذیل میں تلامذہ حافظ ملت کی تصنیفی خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے اس میدان میں بھی حافظ ملت کے تلامذہ ممتاز نظر آتے ہیں:

سوانح اعلیٰ حضرت	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ نوریہ براؤں شریف، بستی
جواہر المنطق	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ لطیفیہ براؤں شریف، بستی
تلخیص الاعراب	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ لطیفیہ براؤں شریف، بستی
فیض الادب حصہ اول، دوم	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ لطیفیہ براؤں شریف، بستی

(۱) کلمات عقیدت از: معارف حدیث، ص:۳، مطبوعہ مکتبہ پاسبان الہ آباد

تعمیر ادب اول تا پنجم	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ امجدی، پچپڑوا، گونڈہ
تعمیر قواعد اول، دوم	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ امجدی، پچپڑوا، گونڈہ
نورانی گلدستہ	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ امجدی، پچپڑوا، گونڈہ
عروس الادب	مولانا بدرالدین احمد رضوی گورکھ پوری	مکتبہ امجدی، پچپڑوا، گونڈہ
اشک رواں	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	مدرسہ عین العلوم بیت الانوار، گیا
التحقیقات	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	مکتبۃ الحبیب، الہ آباد
اسلام اور چاند کا سفر	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	محب الحق رضوی، گھوسی، اعظم گڑھ
اشرف السیر	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	محب الحق رضوی، گھوسی، اعظم گڑھ
حاشیہ النوروالضیاء، ازاعلیٰ حضرت	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ، مبارک پور
حاشیہ ابرالمقال ؍؍	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ، مبارک پور
حاشیہ فتاویٰ امجدیہ، از صدرالشریعہ	علامہ مفتی شریف الحق امجدی	دائرۃ المعارف الامجدیہ، گھوسی
تبلیغی جماعت	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید پور
جماعت اسلامی	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید پور
زلزلہ	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید پور
نقش وفا	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید پور
شریعت	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور جمشید پور
ایک تاریخی مرقع	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	جامعہ عربیہ، ناگ پور
بریلوی	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	حق اکیڈمی، مبارک پور
منکرین رسالت کے گروہ	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	حق اکیڈمی، مبارک پور
محمد رسول اللہ قرآن میں	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	حق اکیڈمی، مبارک پور
سرکار کا جسم بے سایہ	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید پور
لسان الفردوس	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید دپور
علم غیب	علامہ ارشدالقادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید دپور

زلف وزنجیر	علامہ ارشد القادری بلیاوی	لالہ زار پبلی کیشنز، گجرات، پاکستان
تعزیرات قلم	علامہ ارشد القادری بلیاوی	مکتبہ جام نور، جمشید پور
الجامعۃ الاشرفیہ (اردو)	علامہ ارشد القادری بلیاوی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
الشاہد	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	مکتبہ لطیفیہ براؤں شریف، بستی
اسلام کا چوتھا رکن	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ، مبارک پور
ندائے یارسول اللہ ﷺ	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	حق اکیڈمی، مبارک پور
نور	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
انوکھی لڑائی	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	حق اکیڈمی، مبارک پور
نجدی تحریک	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	حق اکیڈمی، مبارک پور
ترجمہ مختار الاحادیث	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	حق اکیڈمی، مبارک پور
ازالۂ اوہام	علامہ مفتی عبد المنان اعظمی	دار التصنیف، مبارک پور
دعاؤں کی کتاب	مولانا عبد الجبار اعظمی	حق اکیڈمی، مبارک پور
نماز کی کتاب	مولانا عبد الجبار اعظمی	حق اکیڈمی، مبارک پور
شجرۂ رضویہ	مولانا عبد الجبار اعظمی	زیر طبع
رہبر عالم	مولانا عبد الجبار اعظمی	زیر طبع
صدیق اکبر	مولانا عبد الجبار اعظمی	زیر طبع
فاروق اعظم	مولانا عبد الجبار اعظمی	زیر طبع
مکمل نماز شریعت	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبہ کلیمی، کان پور
مجدد اسلام	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبہ امجدی، پچپڑوا، گونڈہ
تاریخی کہانیاں	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	نوری بک ڈپو، کان پور
نورانی حکایات	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبۃ الحبیب، الہ آباد
تجلیات نماز	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبۃ الحبیب، الہ آباد
پیغام حسین	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبۃ الحبیب، الہ آباد

ہدایۃ الاسلام، ۴ر حصے	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	نوری بک ڈپو، کان پور
پیام اردو	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	نوری بک ڈپو، کان پور
گلزار شریعت (سچی نماز)	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	ایم رفیق بک ڈپو، کان پور
تمھارے اسلاف اور تم (منظوم)	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	مکتبہ لطیفیہ، براؤں شریف
تفسیر پارہ عم	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	ادارہ تبلیغ واصلاح، گھوسی، اعظم گڑھ
مصباح التجوید	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	مکتبہ لطیفیہ، جامعہ عربیہ ناگ پور
انکشاف حقیقت	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	معارف پریس، اعظم گڑھ
تنقیدی جائزہ	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	اعجاز بک ڈپو، ہوڑہ، کان پور
سیرۃ النبی (منظوم)	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	اعجاز بک ڈپو، ہوڑہ، کان پور
تحقیق نیاز وفاتحہ	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	اعجاز بک ڈپو، ہوڑہ کان پور
شان بندگی	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	انجمن البیان، گھوسی، اعظم گڑھ
پالن گجراتی پر ایک نظر	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	بزم احباب اہل سنت، کلکتہ
مسئلہ حاضر وناظر	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف، فیض آباد
اسلام کا نظریہ عبادت	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف، فیض آباد
اسلام کا تصور الٰہ	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف، فیض آباد
دین اور اقامت دین ضمیمہ التحقیق البارع	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	المیزان، کچھوچھہ شریف، فیض آباد
خطبات برطانیہ	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	مدنی پبلی کیشنز، بھیونڈی، تھانہ
تفہیم الحدیث	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	المیزان، کچھوچھہ وممبئی
تحذیر الناس کا تحقیقی جائزہ	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	المیزان ختم نبوت نمبر ممبئی
اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	امام احمد رضا نمبر
فریضہ دعوت وتبلیغ	مولانا سید محمد مدنی اختر مصباحی	دار التصنیف، مبارک پور
چراغ ابو العلائی	مولانا غلام آسی، رام پوری	بزم ابو العلائی، ناگ پور

سلطان الاذکار	مولانا سید شاہ عبد الحق اعظمی	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
چراغ راہ	مولانا سید شاہ عبد الحق اعظمی	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
انوار مبین (تعلیمی کتاب)	مولانا سید شاہ عبد الحق اعظمی	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
نغمات سید	مولانا سید شاہ عبد الحق اعظمی	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
تذکرہ اللہ والوں کا	مولانا سید شاہ عبد الحق اعظمی	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
الوسیلۃ السنیہ	مولانا محمد شفیع اعظمی	شعبہ نشریات، اشرفیہ، مبارک پور
میلاد پاک صاحب لولاک	مولانا حکیم غلام مصطفیٰ کوثر امجدی	قادری کتب خانہ، مبارک پور
اللہ کے گھر سے رسول اللہ کے در تک	مولانا حکیم غلام مصطفیٰ کوثر امجدی	اعجاز بک ڈپو، ہوڑہ
فیضان حافظ ملت	مولانا حکیم غلام مصطفیٰ کوثر امجدی	اعجاز بک ڈپو، ہوڑہ
فضائل رمضان	مولانا حکیم غلام مصطفیٰ کوثر امجدی	اعجاز بک ڈپو، ہوڑہ
فرمان رسول	مولانا خلیل اشرف اعظمی	ادارہ تبلیغ قرآن وسنت
مراسم زیارت	مولانا سبحان اللہ بنارسی	بھاول پور، پاکستان، جامع مسجد بلیا
نجد سے سہارن پور تک	مولانا محمد میاں کامل سہسرامی	مکتبہ پاسبان، الہ آباد
رویت ہلال	مولانا محمد میاں کامل سہسرامی	مدرسہ خیریہ نظامیہ، سہسرام
تبلیغی جماعت کیا ہے	مولانا سید مظہر ربانی	ربانی بک ڈپو، باندہ، یوپی
تجلیات ربانی	مولانا سید مظہر ربانی	مدرسہ منظر اسلام، بریلی شریف
خطبات بمبئی	مولانا حکیم محمد لقمان صاحب	انجمن نوجوانان اہل سنت، بنارس
شان مسلمان	مولانا حکیم محمد لقمان صاحب	انجمن نوجوانان اہل سنت، بنارس
العذاب الشدید	مولانا محمد محبوب اشرفی	قادری کتب خانہ، مبارک پور
بیان حقیقت	مولانا مفتی عبید الرحمٰن	تنظیم اہل سنت، بنارس
جواہر الحدیث	مولانا مفتی عبید الرحمٰن	دار العلوم محمدیہ، بمبئی
مدنی قاعدہ، اول، دوم	مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی	مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

مجموعہ وظائف	مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی	مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی
تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ	مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی	مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی
رسول عربی کی سیادت مطلقہ	مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی	ماہ نامہ المیزان، کچھوچھہ
لطائف دیوبند	مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی	سلطان پور
دیوبند ہو گیا	مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی	سلطان پور
آؤ متحد ہو جائیں	مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی	مدنی پبلی کیشنز، بھیونڈی
شیعہ مسلم کشمکش	مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی	سلطان پور
تدوین القرآن	مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
نور الایمان (اردو)	مولانا افتخار احمد قادری	المجمع الاسلامی، مبارک پور
الفضل الموہبی (تعریب)	مولانا افتخار احمد قادری	مرکزی مجلس رضا، لاہور
فضائل القرآن	مولانا افتخار احمد قادری	المجمع الاسلامی، محمد آباد گوہنہ
امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	مولانا یٰسین اختر مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات	مولانا یٰسین اختر مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
اعجاز القرآن	مولانا یٰسین اختر مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
الجامعۃ الاشرفیہ (تعریب)	مولانا یٰسین اختر مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
ارشادات اعلیٰ حضرت	مولانا عبد المبین نعمانی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
المصنفات الرضویہ	مولانا عبد المبین نعمانی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
اشرفیہ کا ماضی وحال	مولانا بدر القادری	شعبۂ نشریات اشرفیہ، مبارک پور
اشک خون	مولانا بدر القادری	بزم احباب، گھوسی
تذکرہ غازی	مولانا بدر القادری	المجمع الاسلامی، مبارک پور
تذکرۃ النعمان	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	نوری بک ڈپو، کان پور
تذکرۂ رضا	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حق اکیڈمی، مبارک پور

تذکرۂ مخدوم	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
کواکب رضا	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	زیر طبع
حافظ ملت	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حق اکیڈمی، مبارک پور
مقالات سید	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حق اکیڈمی، مبارک پور
علماے دیوبند اور تکفیر	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حق اکیڈمی، مبارک پور
داستان قبول اسلام	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	استقامت، کان پور
رانچی میں یوم رضا	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حق اکیڈمی، رانچی، بہار
نمود سحر	ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر	بزم ادب، کٹرہ، مبارک پور
خطبات جہاں گیر	مولانا جہاں گیر خاں فتح پوری	مدرسہ منظر اسلام، بریلی شریف
تحائف اصدقیہ	مولانا سید رکن الدین اصدق	خانقاہ اصدقیہ، پیر بیگہ، پٹنہ
اسلام اور شادی	مولانا وارث جمال بستوی	مکتبہ غوثیہ، بڑھیا، بستی
محمود غزنوی تاریخ کے آئینے میں	مولانا وارث جمال بستوی	مکتبہ غوثیہ، بڑھیا، بستی
امام شعر و ادب	مولانا وارث جمال بستوی	حق اکیڈمی، مبارک پور
ارتعاش (شعری مجموعہ)	مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی	انجمن تہذیب نو، الہ آباد
اسلام میں نکاح کی اہمیت	مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی	انجمن تہذیب نو، الہ آباد
رقص تحریر	مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی	انجمن تہذیب نو، الہ آباد
بوباس (شعری مجموعہ)	مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی	انجمن تہذیب نو، الہ آباد
اسلام اور فیملی پلاننگ	مولانا اسلم بستوی	جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرام پور
اوراق گل	مولانا اسلم بستوی	جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرام پور
دعوت عام دربار میلاد و قیام	مولانا سلیم اختر پورنوی	مدرسہ اصلاح المسلمین، پورنیہ
عروس شہادت	مولانا سید محمد حسینی خلد آبادی	دار العلوم امجدیہ، ناگ پور
پیکر عدل و سوانح فاروق اعظم	مولانا محمد احمد اشرفی	اشرفیہ احسن المدارس، کان پور

ثبوت فاتحہ	مولانا الیف الرحمٰن	مکتبہ نورانی، برن پور، بردوان
نئی روشنی (ہندی)	مولانا محمد علی فاروقی رائے پوری	مسلم یتیم خانہ، رائے پور، ایم-پی
خدا کے آخری رسول (ہندی)	مولانا محمد علی فاروقی رائے پوری	مسلم یتیم خانہ، رائے پور، ایم-پی
اولیائے چھتیس گڑھ	مولانا محمد علی فاروقی رائے پوری	زیر طبع

اخبارات ورسائل

ذیل میں تلامذہ حافظ ملت کی صحافتی خدمات کا ایک مختصر جائزہ ملاحظہ ہو:

ماہ نامہ اسلام	بنارس	مولانا قاری محمد عثمان اعظمی	مدیر اعلیٰ
پندرہ روزہ جام کوثر	کلکتہ	علامہ ارشد القادری	مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ جام نور	کلکتہ	علامہ ارشد القادری	مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ فیض الرسول	براؤں شریف	مولانا صابر القادری نسیم بستوی	سابق مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ فیض الرسول	براؤں شریف	مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری	حال مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ المیزان	بمبئی	مولانا سید محمد جیلانی محامد	مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ نمائندہ	الہ آباد	مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی	مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ اشرفیہ	مبارک پور	مولانا بدر القادری	مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ اعلیٰ حضرت	بریلی شریف	مولانا نسیم بستوی	مدیر اعلیٰ
پندرہ روزہ شان ملت	پٹنہ	مولانا قاری محمد عثمان	مدیر اعلیٰ
ماہ نامہ الدعوۃ الاسلامیہ	انگلینڈ	مولانا قمر الزماں اعظمی	مدیر اعلیٰ
پندرہ روزہ ریاض عقیدت	کونچ، جالون	مولانا اسلم بستوی	مدیر اعلیٰ
ہفت روزہ تاج دار	بمبئی	مولانا اسلم بستوی	مدیر اعلیٰ
سالنامہ المصباح	مبارک پور	مولانا سید اصغر امام قادری	مدیر اعلیٰ

حافظ ملت کے تلامذہ کے شائع کیے ہوئے چند اہم نمبر:

(۱) خورشید رسالت نمبر (جام نور) باہتمام علامہ ارشد القادری

(۲) شہید کربلا نمبر (جام نور) // //

(۳) امام احمد رضا نمبر (المیزان) باہتمام مولانا سید جیلانی محامد مصباحی و مولانا محمد احمد مصباحی

(۴) ختم نبوت نمبر (المیزان) مولانا سید جیلانی محامد مصباحی

(۵) تعلیمی کنونشن نمبر (المیزان) مولانا سید جیلانی محامد مصباحی

(۶) شیخ العلما نمبر (فیض الرسول) مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری

(۷) اسلام نمبر، باہتمام مولانا سید جیلانی محامد و مولانا محمد خلیل مبارک پوری

(۸) عرس حافظ ملت نمبر (اشرفیہ) مولانا بدر القادری

(۹) حافظ ملت نمبر (اشرفیہ) مولانا بدر القادری

مندرجہ بالا فہرستوں سے اس کا تو بخوبی اندازہ لگ گیا ہوگا کہ حافظ ملت کے تلامذہ نے تحریر و تصنیف اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، اور اس خصوص میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، انھی تلامذہ نے قوم کو ہر محاذ اور موضوع پر تصانیف کا ایک طویل سلسلہ فراہم کیا اور اہم موضوعات پر بیش قیمت نمبروں سے بھی نوازا، اب ادارتی سطح پر ان کی تصنیفی و اشاعتی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سنی دار الاشاعت مبارک پور:

اس اشاعتی ادارے کی بنیاد ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء میں رکھی گئی جس کے محرک اول، روح رواں حافظ ملت کے تلمیذ ارشد حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب قبلہ بلیاوی (م ۱۳۹۱ھ) علیہ الرحمۃ تھے، اس ادارے کا اولیں مقصد غیر مطبوعہ تصانیف امام احمد رضا خصوصاً فتاویٰ رضویہ کی طباعت و اشاعت تھا، اس ادارے کا مکمل تعارف اسی نمبر کے مقالہ **"حافظ ملت اور اشرفیہ"** میں بالتفصیل موجود ہے۔

انجمن اہل سنت مبارک پور:

یہ مبارک پور کے خوش عقیدہ مسلمانوں اور طلبۂ جامعہ اشرفیہ کی مشترک اور فعال انجمن ہے جس کے بانی اول یا محرک حضرت استاذ القرا مولانا قاری محمد عثمان اعظمی قبلہ دامت برکاتہم ہیں، ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۵ء میں اس کی بنیاد پڑی، جس کے تحت ایک عظیم لائبریری بنام "اشرفی دار المطالعہ" قائم ہے اور سال میں ایک بار ربیع الاول شریف کے موقع پر نہایت شان دار اس کا جلسہ منعقد ہوتا ہے اور جلوس نکالا جاتا ہے جس میں اہل مبارک پور پورے جذبہ و جوش کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ عوامی فلاحی کام بھی وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔

اس عظیم ادارے کے مقاصد میں اشاعتی کام بھی تھا مگر آج سے دس سال پہلے کے مبارک پور میں اس کا تصور تو کیا جا سکتا تھا مگر اس کو عملی جامہ پہنانا کتنا دشوار تھا، اس کو اس وقت کے مبارک پور کو دیکھنے والے ہی خوب سمجھ سکتے ہیں، غالبًا اسی وجہ سے اس کا خاطر خواہ کام ماضی میں نہ ہو سکا، ہاں تقریبًا دس بارہ سال پہلے اس کی طرف سے شائع شدہ ایک مختصر کتاب " اسلام کا چوتھا رکن "از علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی کا پتا چلتا ہے، مگر الحمدللہ کہ اب اس کے اشاعتی پروگرام کا سلسلہ بھی آگے بڑھ چکا ہے جس کے محرک مولانا سید اصغر امام قادری ولی عہد آستانہ قادریہ امجھر شریف، اورنگ آباد (بہار) ہیں۔

موصوف کئی سال ہوئے فارغ ہو کر تشریف لے جا چکے ہیں، آپ نے طلبہ کے اندر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے نادر و نایاب رسائل کے لیے تحریک اشاعت کی، نتیجتًا کئی رسائل ان کی موجودگی میں شائع ہوئے اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس کی اشاعت کا سارا بار طلبہ نے خود اپنے ذمہ ہی لیا کسی اور سے کسی طرح کا چندہ وغیرہ نہیں کیا، ذیل میں ۱۳۹۶ھ تا ۱۳۹۸ھ کے اندر شائع شدہ کتابوں کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

١- الصمصام على مشكك فى آية علوم الأرحام.
٢- بدرالأنوار فى آداب الآثار.
٣- منبه المنية بوصول الحبيب الى العرش والرؤية
٤- صلات الصفا فى نور المصطفےٰ(صلى الله تعالىٰ عليه وسلم).
٥- صفائح اللجين فى كون التصافح بكفى اليدين.
٦- خيرالآمال فى حكم الكسب والسؤال.
٧- سرورالعيدالسعيد فى حل الدعاء بعد صلاة العيد.
٨- أعجب الإمداد فى مكفرات حقوق العباد.
٩- النور والضياء فى أحكام بعض الأسماء.
١٠- تمهيد إيمان بآيات قرآن.
١١- أبرالمقال فى استحسان قبلة الإجلال.

طلبۂ اشرفیہ کی طرف سے ان رسائل کی اشاعت کا اثر دیگر مدارس اہل سنت کے طلبہ پر بھی پڑا، چناں چہ اس کی تقلید کرتے ہوئے طلبہ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف، طلبہ جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس

اور طلبہ دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف، بستی نے بھی متعدّد رسائل اعلیٰ حضرت شائع کیے۔

۱۳۹۲ھ میں انجمن کی طرف سے طلبہ اشرفیہ کا ایک سالانہ میگزین بھی شائع ہوا جس کے مدیر مولانا سید اصغر امام صاحب قادری اور نگراں محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری و مولانا یٰسین اختر مصباحی تھے۔

دارالتصنیف والتالیف مبارک پور:

غالباً ۱۹۶۵ء میں اس ادارے کی بناڈالی گئی، جس کے بانی وروح رواں مولانا سید محمد جیلانی محامد کچھوچھوی، مولانا محمد خلیل صاحب مبارک پوری، مولوی عبدالعزیز صاحب مبارک پوری اور مولانا محمد احمد مصباحی وغیرہ تھے، شروع میں چند سال بڑی دھوم دھام سے چلا، متعدّد کتابیں لکھی اور شائع کی گئیں، اشاعتی تعاون کے لیے ایک سالانہ اسکیم بھی پیش کی گئی مگر پھر چند سال سے اب تک اس کا کوئی کام منظر عام پر نہیں آیا، چند شائع شدہ کتابوں کے نام یہ ہیں:

- اسلام نمبر، مرتبہ مولانا سید جیلانی میاں و مولانا محمد خلیل
- حیات غوث العالم پر ایک نظر، مرتبہ سید حسن مثنیٰ انور کچھوچھوی ایم-اے-علیگ
- فریضۂ دعوت و تبلیغ، مصنفہ مولانا سید محمد مدنی میاں صاحب
- ازالۂ اوہام، از علامہ مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی
- تجلیات مدینہ (مجموعہ نعت)
- شیخ اکبر اور اقبال، از سید حسن مثنیٰ انور

محدث اعظم اکیڈمی کچھوچھہ فیض آباد:

اس کے بانی و محرک حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اور آپ کے برادر بزرگ حضرت سید شاہ حسن مثنیٰ انور ایم.اے. علیگ وغیرہ ہیں، جنھوں نے علماے اہل سنت خصوصاً حضرت محدث اعظم ہند، علامہ سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمۃ (م:۱۳۸۱ھ) کی قلمی کاوشوں کو شائع کرنے کے مقصد سے قائم کیا اور نہایت ہی حسن و خوبی کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا، اس اکیڈمی سے نکلی ہوئی چند اہم کتابیں یہ ہیں:

- مسئلہ حاضر و ناظر، از: علامہ سید محمد مدنی میاں اختر مصباحی کچھوچھوی
- التحقیق البارع فی حقوق الشارع، از: حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ

- اسلام کا تصور الہ اور مودودی، از: حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں
- اسلام کا تصور عبادت، از: حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں
- حیات غوث العالم، از: حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ

مدنی پبلی کیشنز، بھیونڈی

اس کو ابھی چند سال ہوئے، حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب قبلہ کچھوچھوی کے ایما پر حضرت سید محمد جیلانی محامد مصباحی نے قائم کیا ہے، جس کے عظیم مقاصد کا اندازہ اس کے اس اعلان سے لگائیے:

- کیا آپ کو کوئی کتاب چھپوانی ہے؟
- کیا آپ کو کسی کتاب کا ترجمہ کرانا ہے؟
- کیا آپ کو کسی عالم کی کتاب کی ضرورت ہے؟
- کیا آپ کوئی کتاب زیادہ تعداد میں خرید کر غریبوں میں مفت تقسیم کرانا چاہتے ہیں؟
- کیا آپ کو اپنے بک ڈپو میں لائبریری کے لیے سنی لٹریچرس چاہیے؟

ان تمام امور کے لیے فوری رابطہ قائم کریں، منیجر مدنی پبلی کیشنز[1]

مدنی پبلی کیشنز محض تجارتی نقطہ نظر سے نہیں قائم کیا گیا ہے بلکہ ہند اور بیرون ہند صالح اور صحت مند لٹریچرس کی اشاعت و فراہمی اس کا بنیادی حق ہے۔

دینی مدارس کے لیے دور جدید کے تقاضوں سے بھرپور ملی نصب العین کی روشنی میں تدریسی کتب کی طباعت اور عوامی سطح پر آسان زبان میں اچھی کتابوں کی اشاعت کا بلند مقصد لے کر مدنی پبلی کیشنز وجود میں آیا ہے۔[2]

حق اکیڈمی مبارک پور

۱۹۷۰ء رانچی، بہار میں اس کا قیام عمل میں آیا، بانی ہیں مولانا محمد احمد مصباحی مبارک پوری اور اس ادارے کو نسبت حاصل ہے حضرت پیر طریقت مولانا شاہ عبدالحق صاحب اعظمی سے، ادارے کا مقصد ہے سنی

---

(۱) ماہ نامہ المیزان بمبئی، دسمبر ۱۹۷۶ء، ص:۱۵

(۲) جیلانی محامد، المیزان، اپریل، مئی ۱۹۷۷ء، ص:۴۶

لٹریچر تیار کرنا اور اس کو شائع کرنا، چند سال کے بعد اس کا ہیڈ آفس مبارک پور کو قرار دیا گیا اور اب بڑی شان سے اپنے مقصد کی طرف رواں دواں ہے، چند سال کی قلیل مدت میں اب تک یہ ادارہ تیس سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر چکا ہے، مطبوعات گزشتہ فہرست میں سب ملاحظہ فرمائیں۔

شعبۂ نشریات الجامعۃ الاشرفیہ

یہ اصل میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا اشاعتی شعبہ ہے جس کے روح رواں ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ: مولانا بدر القادری صاحب ہیں، جن کی ادارت میں تین سال سے مستقل پوری پابندی کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ نکل رہا ہے، جس نے سنی رسائل میں اپنا ایک معیار قائم کر دیا ہے اور بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنی دنیا میں اس طرز کا علمی رسالہ دوسرا نہیں۔

ماہ نامہ کے علاوہ اس شعبہ سے شائع شدہ کتابوں کی فہرست پیچھے گزری۔

وم پبلی کیشنز بریڈ فورڈ انگلینڈ

یہ ورلڈ اسلامک مشن لندن کا ایک تصنیفی و اشاعتی ادارہ ہے جس کے تحت وقتاً فوقتاً صالح اسلامی لٹریچر کی اشاعت و تبلیغ کا کام ہوتا ہے، اس کی طرف سے ایک ماہ نامہ **"الدعوۃ الاسلامیہ"** بھی شائع ہو کر مقبول عالم اسلام ہو چکا ہے، فی الحال اس کے روح رواں حضرت علامہ قمر الزماں صاحب اعظمی ہیں، خدائے قدیر ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تا دیر انھیں خدمت اسلام و سنیت کی توفیق سے نوازے۔ آمین

دائرۃ المعارف الامجدیہ:

صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی قدس سرہ (م ۱۳۶۷ھ) سے منسوب اس ادارے کا قیام ۱۳۹۵ھ میں بمقام گھوسی، اعظم گڑھ عمل میں آیا، اس کی تحریک میں مندرجہ ذیل حضرات کا نام سرفہرست ہے:

- محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری ابن صدر الشریعہ۔
- مولانا عبد المنان کلیمی مصباحی، مدرس شمس العلوم گھوسی۔
- مولوی علاء المصطفےٰ قادری، نبیرۂ صدر الشریعہ۔
- حضرت مولانا عبد الشکور اعظمی۔
- مولوی محمود اختر قادری، نواسۂ صدر الشریعہ وغیرہ۔

اس ادارے کے عزائم بہت بلند ہیں اور کام بھی اسی کے مطابق شروع کر دیا گیا ہے، سب سے پہلے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی سوانح پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ شائع کیا اور اب فتاویٰ امجدیہ جلد اول کی اشاعت کا کام ہو رہا ہے، کتاب ترتیب کے مراحل سے گزر کر کتابت کی منزل میں ہے، ترتیب کا سہرا حضرت مولانا کلیمی صاحب کے سر، اور تحقیق و تحشیہ کا کام حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی کا مرہون منت ہے، یہ اور اس کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے دیگر علمی شہ پاروں مثلاً حاشیہ طحاوی شریف وغیرہ کی طباعت واشاعت کا پروگرام ہے۔

المجدد احمد رضا اکیڈمی، کراچی:

چند ہی سال ہوئے اس اکیڈمی کو بھی قائم ہوئے، عظیم و بلند عزائم کے ساتھ چند عظیم کارنامے بھی اب تک منظر عام پر آچکے ہیں، جن میں سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ اس کے زیر اہتمام اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ قرآن اتنے بڑے سائز پر طبع کیا گیا ہے جس کی نظیر پورے پاکستان میں ہی کیا، ہندوستان میں بھی ملنی مشکل ہے، جلی حروف میں واضح ترجمہ و تفسیر، آفسٹ کی طباعت اور سائز بخاری شریف سے بھی دوانچ بڑا، جس سے واقعی طور پر قرآن کی عظمت ٹپکتی ہے، اس کے مہتمم حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی مصباحی خطیب نیومیمن مسجد کراچی ہیں۔

اور دوسرا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ بہت جلد اکیڈمی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ قرآن کو انگریزی زبان میں طبع کرا رہی ہے، اطلاع کے مطابق ایک ماہ کے اندر یہ قرآن طبع ہو کر منظر عام پر آجائے گا، جس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہوگا، دیگر مطبوعات یہ ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ، از: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ

(۲) امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، از: مولانا یٰسین اختر مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

(۳) پنج سورہ، مرتبہ: مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب

(۴) قلم دان رسالت، مرتبہ: شمیم الدین

(۵) دعائے گازرونیہ شریف، مرتبہ: مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب

(۶) مجموعہ وظائف، مرتبہ: مولانا قاری رضاء المصطفیٰ صاحب اعظمی

اکیڈمی کے دوسرے افراد میں تلمیذ حافظ ملت مولانا مفتی ظفر علی نعمانی اور حضرت علامہ عبد المصطفیٰ ازہری شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی وغیرہ ہیں۔

المجمع الاسلامی (اسلامی اکیڈمی)

قلم کی طاقت موجودہ دور میں سب سے اہم اور دور رس ہے، بڑے سے بڑے جدید جنگی آلات میں صرف مضرت وہلاکت ہی کا پہلو شامل ہے اور اس سے جسم وجان کا ضیاع ہوتا ہے لیکن قلم جہاں اپنی آتش بازی سے بڑے بڑے ملکوں کی تباہی کا سبب بن سکتا ہے وہیں اپنی انقلابی تحریروں سے دست وبازو اور دل ودماغ میں جرأت وعمل کے ساتھ مردہ افکار وخیالات میں حیات تازہ پیدا کر سکتا ہے، اور اقوام وملل کو گمراہی وپسماندگی سے ترقی علم وفضل کے اعلیٰ مناصب پر بھی فائز کر سکتا ہے، انھی حقائق سے آنکھیں ملانے اور نوک قلم سے ایک عہد آفریں انقلاب برپا کرنے کے لیے **"المجمع الاسلامی"** کو وجود بخشا گیا، عربی واردو کے ساتھ انگریزی ودیگر مشہور زبانوں میں جدید وقدیم علمی ودینی موضوعات پر فاضلانہ اور جدید اسلوب نگارش کے ذریعہ تحقیقی کام کا ایک جامع منصوبہ اس کے پیش نظر ہے۔

تحقیقی خدمات اور اعتدال وسنجیدگی کے ساتھ متصادم افکار ونظریات پر نقد ونظر کے ساتھ داخلی محاذ پر مسلم معاشرہ کی اصلاح اور وسیع پیمانہ پر قلم کے ذریعہ تبلیغ اسلام کے جذبات بھی اس کے ارکان کے سینوں میں موج زن ہیں، اس کے متحرک وفعال اور حساس وباشعور ارکان حافظ ملت کے فیض یاب اور تربیت یافتہ ہیں جو بذات خود عربی اور اردو میں کئی کتابیں ترتیب دے چکے ہیں۔

اکیڈمی کے ارکان اربعہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مولانا افتخار احمد قادری مصباحی، استاذ ادب عربی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

۲- مولانا یٰسین اختر مصباحی، استاذ ادب عربی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

۳- مولانا محمد احمد بھیروی اعظمی مصباحی، مدرس دار العلوم ندائے حق جلال پور، فیض آباد

۴- راقم الحروف محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

اس ادارے نے تقریباً ایک سال کی قلیل مدت میں مندرجہ ذیل کتابیں لکھ کر شائع کیں:

(۱) ترجمہ نور الایمان، از: مولانا افتخار احمد قادری (مطبوعہ، مبارک پور وساہیوال، پاکستان)

(۲) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، از: مولانا یٰسین اختر مصباحی (مطبوعہ مبارک پور وکراچی)
(۳) الفضل الموہبی للامام احمد رضا، عربی ترجمہ از: مولانا افتخار احمد قادری (مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور، پاکستان)
(۴) ارشادات اعلیٰ حضرت، مرتبہ: محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

اس اکیڈمی کا ایک عظیم تاریخی کام بہت جلد اس کے اہتمام سے منظر عام پر آرہا ہے وہ یہ کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کا عربی حاشیہ شامی "جد المختار علی رد المختار" تصحیح، اصل مخطوطۂ اعلیٰ حضرت سے مطابقت، مقدمہ اور تعارف کے بعد پریس کے حوالہ کیا جاچکا ہے، اعلیٰ حضرت کی سوانح، فقہی بصیرت اور علامہ ابن عابدین شامی کے حالات بھی شامل کتاب ہیں جو عربی میں ۶۰ر صفحات پر مشتمل ہوگا، فی الحال جلد اول طبع ہورہی ہے جس کے صرف حواشی کے صفحات ۳۰۰ر سے متجاوز ہیں، یہ حقیقت ہے کہ اس حاشیہ کے طبع ہونے کے بعد ہی اہل علم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے صحیح مقام و مرتبے سے واقف ہوسکیں گے، چند کتابیں جو بہت جلد منظر عام پر آرہی ہیں، یہ ہیں:

- امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، از: مولانا یٰسین اختر مصباحی
- فضائل القرآن، از: مولانا افتخار احمد قادری
- تدوین القرآن، از: مولانا محمد احمد بھیروی
- المصنفات الرضویہ، از: محمد عبد المبین نعمانی مصباحی
- معمولات رضویہ، از: محمد عبد المبین نعمانی مصباحی

میں اس مضمون کو حضرت حافظ ملت کے ایک ایسے مکتوب گرامی پر ختم کررہا ہوں جسے حضرت نے مرکزی مجلس رضا نوری مسجد، لاہور کے صدر، حکیم اہل سنت مولانا حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب مد ظلہ العالی کے نام تحریر فرمایا ہے، اور مجلس کی شائع شدہ کتابوں پر تحسین وآفریں اور حوصلہ افزائی کے کلمات سے نوازا ہے اور بے پناہ مسرت کا اظہار کیا ہے۔

مکرم ومحترم حامی دین متین جناب مولانا حکیم محمد موسیٰ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ........مزاج شریف!

آپ کی مرسلہ کتب، اعلی حضرت کی نعتیہ شاعری، اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر، امام احمد رضا

علمائے حجاز کی نظر میں، محاسن کنزالایمان، موصول ہوئیں جن کے مطالعہ سے بے انتہا مسرت ہوئی آپ کے ادارہ "مرکزی مجلس رضا" نے دین متین، مذہب اہل سنت کی بڑی زریں خدمت کی، اس خصوص میں آپ کا ادارہ بلاشبہہ منفرد ہے، قابل قدر ولائق تحسین ہے، مولائے قدیر اس ادارہ کو ترقی دے، بام عروج پر پہنچائے، دین متین کی بے شمار خدمات انجام دلائے، آمین وبہ نستعین۔

جملہ اراکین ادارہ کی خدمت میں سلام مسنون ومبارک باد۔

عبدالعزیز عفی عنہ
خادم: دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یو.پی
۸؍جون ۱۹۷۵ء
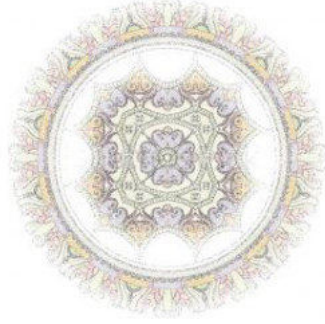
حافظ ملت اوراشرفیہ

تحریر علامہ بدرالقادری مصباحی ــ تلخیص: شمامہ اعظمی

تعارف مقالہ نگار:

محترمہ شمامہ اعظمی بنت جناب علیم الدین ۱۲؍ جنوری ۱۹۵۹ء کو شہر اعظم گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ اور ۷؍ مئی ۱۹۷۴ء کو ممتاز فاضل اشرفیہ علامہ بدرالقادری گھوسی علیہ الرحمۃ کے نکاح میں آئیں، آپ کئی دہائیوں سے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ہالینڈ میں مقیم ہیں، حال ہی میں یکم صفر ۱۴۴۳ھ / ۹؍ ستمبر ۲۰۲۱ء کو علامہ بدرالقادری کا ہالینڈ ہی میں انتقال ہوگیا اور قصبہ گھوسی میں تدفین ہوئی۔

حافظ ملت کی تشریف آوری:

ابتدا ہی سے مبارک پور قصبہ کی مذہبی آبیاری میں سلطان المشائخ حضرت مولانا سید شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کچھوچھوی اور صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ (مصنف بہارِ شریعت) نے زبردست سعی فرمائی تھی، اشرفیہ مبارک پور کی پیش کش پر صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ نے اپنے تلمیذ روحانی و علمی، حافظ ملت، حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی کو ۲۹؍ شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۴؍ جنوری ۱۹۳۴ء کو بھیجا تاکہ وہ **"مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم"** میں صدر مدرس کی حیثیت سے رہ کر اس سرزمین پر دینی خدمات انجام دیں۔

اس وقت مدرسہ پرانی بستی میں تھا، باہری طلبہ بالکل نہ تھے، معیار تعلیم فارسی اور نحو میر، پنج گنج تک تھا، مدرسہ کا سالانہ بجٹ کل ۲۷۵۷ / روپے، ۱۴/ آنے، ۹/ پائی تھا۔

حافظ ملت کی تشریف آوری ہوئی اور مشتاقانِ علم ہر چہار جانب سے آنے لگے، اس شمع علم پہ پروانے اس طرح ٹوٹ رہے تھے، گویا ساون کی خاموش اندھیری رات میں، کسی ویرانے میں، شمع روشن ہو جائے۔

دیکھتے دیکھتے مدرسہ کی غیر آباد عمارت میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں، طالبانِ شوق دور دراز مقامات سے مبارک پور آنے لگے، تھوڑے ہی روز میں مہاراشٹر، گجرات، بہار اور بنگال تک کے طلبہ حافظ ملت کے حلقۂ درس میں سمٹ آئے۔

شر پسند عناصر کو حافظ ملت کا علمی فروغ اور مدرسہ کی ترقی یک چشم نہ بھائی، چناں چہ انھوں نے جلسے اور تقریروں کے انداز میں تخریب کاری شروع کی جس کے نتیجہ میں ایک خاصا علمی پیکار چھڑ گیا، ان شر پسندوں سے مسلمانوں کے ایمان کی پونجی بچانے کے لیے حافظ ملت کو سوا چار ماہ متواتر مقابلہ کرنا پڑا، اس مذہبی کشمکش میں آپ کا علمی جوہر چڑھتے سورج کی طرح اجاگر ہو گیا اور اہل مبارک پور نے جان لیا کہ رحمت الٰہی نے حافظ ملت کی شکل میں ہمیں سچا رہنما اور مخلص قائد عطا فرمایا ہے۔

اس مذہبی کشمکش میں جب کہ مبارک پور کا ایک ایک بچہ جوش و خروش کا پتلا بنا ہوا تھا، حافظ ملت نے ایک آزمودہ کار قائد کی طرح اس جوش و خروش کو تعمیر کی راہ پر لگا دیا۔

غربائے امت کے کارنامے:

حافظ ملت کو مبارک پور میں تشریف لائے ابھی تقریباً ساڑھے گیارہ ماہ ہوئے تھے کہ شوال ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں گولہ بازار میں ایک زمین مدرسہ کے لیے حاصل کر لی گئی اور مبارک پور میں نہایت زور و شور سے اس کی تعمیر کے لیے چندہ ہونے لگا، تعمیری دل چسپی اور احساس مندی کا ثبوت یہی کیا کم ہے کہ جس روز چندے کی تحریک شروع ہوئی، سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ڈھائی ہزار روپے وصول ہو گئے، اور رفتہ رفتہ دس ہزار روپے کی وصولی ہوئی، اس کے علاوہ خواتین اسلام نے اپنے جسم کے زیورات طلائی اور نقرئی مدرسہ کی تعمیر کے لیے نثار کر دیے، ایک اندازہ کے مطابق ڈھائی من چاندی، اور ۲۲/ تولہ سونا ملا، اس رقم کے صحیح وزن کا احساس اس وقت ہو گا جب موجودہ دور کی روپے کی کم قیمتی کو ذہن سے دور کر کے یہ سوچیے کہ یہ اس زمانہ کا چندہ ہے جب چندے میں آنے والی چاندی ۸/ آنے تولہ کے حساب سے فروخت ہوئی تھی، اس

وقت کے بہترین دست کار کی دن بھر کی مزدوری چار چھ آنے سے زیادہ نہ تھی۔

مبارک پور کے جی دار مسلمان نے مدرسہ کی اس پہلی تعمیری تحریک پر بڑی حوصلہ مندی کا ثبوت دیا، مدرسہ کی بنیاد حضرت اشرفی میاں اور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ نے رکھی، اس موقع پر مبارک پور کے علاوہ، گردونواح بالخصوص خیر آباد، ابراہیم پور، محمد آباد، اعظم گڑھ کے مسلمانوں نے بھی شرکت کی، مشہور شاعر اسعد مبارک پوری نے "باغ فردوس" تاریخی نام نکالا، استاذ زماں جناب فقیر اللہ صاحب اسعد سیمابی اور میاں صاحب عبد الکریم عاشق کی پر جوش نظموں نے مبارک پور کے مذہبی انقلاب کی تاریخ میں بڑا اہم رول ادا کیا، مدرسہ کی پہلی منزل مکمل ہونے کے بعد تعلیمی سلسلہ یہیں شروع ہو گیا، اسی وقت سے غیر مقامی طلبہ کا قیام بھی یہیں رہنے لگا۔

طلبہ کی ضیافت:

مبارک پور کے فدایانِ اسلام نے ظاہری وسائل کی فراہمی کے بغیر، صرف خداوند قدوس کی نصرت کے اعتماد پر مہمانان رسول (طلبائے علوم اسلامیہ) کو دعوت تو دے دی تھی مگر مدرسہ ابھی اس منزل میں ہرگز نہ تھا کہ مطبخ وغیرہ کے اخراجات برداشت کرتا، غربائے امت نے نہایت خندہ پیشانی سے تمام باہری متعلمین کے کھانے کا انتظام اپنے اپنے گھروں میں کیا، وہ اس طرح کہ ایک ایک شخص ایک ایک طالب علم کو دونوں وقت کھانا کھلاتا تھا، چناں چہ اس کے متعلق تحریر ہے:

دار العلوم کی شہرت سن سن کر دور دراز مقامات سے طلبہ بکثرت آتے ہیں مگر سب کو ہم دار العلوم میں داخل نہیں کر سکتے اس لیے کہ "دار العلوم" کی جانب سے ان کے اکل و شرب کا کوئی انتظام نہیں، اہل قصبہ خود اپنی ہمت سے طلبہ کو کھلاتے ہیں جن کی ایک بڑی فہرست اسی روداد کے ساتھ منسلک ہے (مختلف محلوں میں ۵۹ر طلبہ کی مہمان نوازی ہوئی جن میں سب سے فائق موضع سکٹھی رہا جہاں ۱۳ر طلبہ کے کھانے کا انتظام تھا) ملاحظہ فرمائیں، ان پر مزید کہاں تک زور ڈالا جا سکتا ہے اور دار العلوم کی محدود آمدنی ہونے کی وجہ سے آج تک اس میں مطبخ کا انتظام نہ ہو سکا۔[1]

عرب کی مہمان نوازی دنیا میں ضرب المثل ہے چند روزہ مہمان کے لیے اہتمام ضیافت تو ایک قریب الفہم فطرت اور انسانی مواخات کے تقاضے پر منطبق ہے، مگر آٹھ آٹھ دس دس سال تک خورد و نوش کا انتظام کرنا صرف خدمت دین اور فروغ علم کے اشتیاق کی بنیاد پر ایک اہم کارنامہ ہے، جس کی مثال ملنی دشوار ہے،

---

(۱) روداد ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء تا ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء، ص: ۵، ۴

اوراس طویل زمانۂ مہمان نوازی میں نہایت احترام وتکریم کے برتاؤ سے پیش آنا صرف مبارک پور کی خصوصیت ہے، یہ غربائے امت اپنے خون اور پسینے کی حلال کمائی سے علوم دینیہ کے طلبہ کی خدمت کرنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں۔

آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ مبارک پور کے نادار اور غریب مسلمانوں نے دارالعلوم کا غذائی مسئلہ اپنی بے مثال ہمت سے حل کر دیا ہے، تمام طلبہ کو دونوں وقت انتہائی عزت واحترام کے ساتھ کھانا کھلاتے ہیں بلکہ اگر ہم یہ عرض کریں تو قطعی مبالغہ نہ ہوگا کہ یہاں غریب الدیار طلبہ مقامی مسلمان خاندانوں کے اہم ممبر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۱)

اورالحمدللہ جاگیر و مجگر کی یہ بدعت حسنہ مبارک پور کی سرزمین پر اپنی اسی روایتی شان سے قائم ہے، اس پرآشوب زمانہ میں جب کہ غذائی بحران نے ملک کے معاشی نظام کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، یہاں کے مسلمان اب بھی طلبہ کے لیے بالکل گھر کے ایک فرد کی طرح خورد و نوش کا اہتمام کرتے ہیں۔

جس ذمہ داری کے ساتھ مبارک پور کی مسلم برادری نے **"مدرسہ اشرفیہ"** کو **"دارالعلوم"** کا جامہ پہنایا تھا، دارالعلوم کی حاجتیں جتنی وسیع ہوتی گئیں حوصلہ مند لوگ اپنی قربانیوں کی راہ اتنی ہی فراخ کرتے گئے۔

جس قدر ان کے رخ ناز کی تابانی بڑھی
عشق میں بھی جنوں خیزی کی ادا آتی گئی

دارالعلوم میں مطبخ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں قائم ہوا۔

کتابوں کا قحط:

معاملہ صرف غذائی پریشانی تک نہیں تھا بلکہ کھانے پینے رہنے، سہنے کے علاوہ طلبہ کی اور بھی ضرورتیں تھیں جنھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، جب طلبہ زیادہ ہوئے تو ان کے لیے کتابیں بھی درکار ہوئیں دارالعلوم کے ذمہ داروں نے اس سلسلہ میں بڑی تگ و دو کی، مخیر حضرات نے اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کیں، پرانی روداد میں اس کا ذکر ملتا ہے، ان حضرات کا نام جس انداز میں تحریر ہے اس سے کتابوں کی شدید حاجت اور ان حضرات کی دل چسپی کا اندازہ ہوتا ہے، جناب حاجی محمد عمر صاحب کا نام سب سے پہلے کتابیں وقف کرنے

---

(۱) روداد ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء تا ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء، ص: ۳۰

والوں میں ملتا ہے جنھوں نے شرح جامی، ملاحسن، میر قطبی وغیرہ سینکڑوں روپے کی کتابیں دیں۔ [1]

اور بھی کچھ لوگوں نے کوشش کر کے مدرسہ کے لیے کتابیں فراہم کیں اور سالانہ بجٹ میں اس کے لیے رقم منظور ہوئی، مگر پھر کتابیں ہمیشہ پڑھنے والوں کے لحاظ سے کم ہی رہیں، بالآخر اس کے لیے خاص طور سے اپیل شائع ہوئی:

"اس سال ایک ہزار روپے کی کتابیں خریدے بغیر ہم کام نہیں چلا سکتے، اگر ہم آپ کے سامنے تفصیل پیش کریں تو صعوبت ہوگی، مثال کے طور پر ہم کو بخاری شریف کے چار مکمل نسخے جن کی قیمت اس وقت ایک سو بیس روپے ہوتی ہے، طحاوی شریف کے آٹھ نسخے درکار ہیں جن کی قیمت فی نسخہ تیس روپے کے حساب سے کل دو سو چالیس ہوئی، اسی طرح تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر بیضاوی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف اور نسائی شریف کے بہت کثیر نسخے ہمارے دارالعلوم کو مطلوب ہیں، طلبہ کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اور کتابوں کی گرانی حد سے گزر چکی ہے، ایسی صورت میں اگر مخیر حضرات ہماری طرف اپنا دستِ کرم دراز نہ کریں گے تو مدرسہ ہذا کو مجبوراً مقروض ہونا پڑے گا"۔ [2]

واللہ ذرا عزم اور حوصلہ کی صلابت تو دیکھیے، جیسے کوئی آشفتہ حال مسافر جو بہر حال منزل تک پہنچنا چاہے، اس کے لیے جد و جہد کرتا ہے اسی طرح ذمہ داران اشرفیہ نے ہر قسم کی پریشانیاں اٹھائیں مگر اشرفیہ کے مشن کو ہلکا نہ ہونے دیا۔

مثالی حوصلہ مندی:

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء تک دارالعلوم کے سارے اخراجات کی کفالت صرف اہل مبارک پور کرتے رہے کسی باہری اشتراک و تعاون کا کوئی دخل نہ تھا، "باغ فردوس" کی قلعہ نما شان دار عمارت کا مکمل صرفہ اہل مبارک پور نے اپنی جیب سے پورا کیا مگر جب طلبہ، مدرسین اور دوسرے شعبوں میں ترقی ہوئی تو باہری اعانت ضروری ہوگئی۔

"اس خبر سے آپ کو مسرت ہوگی کہ دارالعلوم ہٰذا کی عمارت جو کئی سال سے زیر تعمیر تھی امسال بفضلہٖ تعالیٰ دو منزلہ نہایت عالی شان مع پلاسٹر مکمل ہوگئی جو کہ تعلیم اور دارالاقامہ دونوں کے لیے کافی ہے، فالحمد للہ۔

(۱) روداد ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء تا ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء، ص: ۱۶

(۲) روداد، ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء تا ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء

جس کے کثیر مصارف کا بار محض قصبہ کے حوصلہ مند حضرات نے برداشت کیا۔[1]

ہم کہاں رکتے ہیں عرش و فرش کی آواز سے:

اس تعمیر پہ ساٹھ ہزار روپے خرچ ہوئے، عسرت و تنگ دستی کے اندھیروں میں زندگی کا راستہ ڈھونڈنے والی ترقی کی دھن میں آگے بڑھتی گئی اور قادر مطلق پروردگار نے ان غریبوں کی کمائی میں بے شمار برکتیں نازل فرمائیں، کہ ان کے دسترخوان کے نمک خوار، ہندوستان کے طول وعرض میں دین وملت کی خدمت کر رہے ہیں مگر کیا یہ وہ لوگ تھے جو اتنے ہی پر قناعت کر کے بیٹھ رہتے! نہیں، بلکہ:

مری منزل تمنا ہے بلند آسمان سے
مرا مقصد عمل ہے حدِ لامکاں کے آگے

مدارس میں یہاں کے فارغ التحصیل علما نہایت شان کے ساتھ تدریس کی گراں مایہ خدمات انجام دے رہے ہیں، روداد کے کسی صفحہ پر ان فارغ شدہ علما کی فہرست ملاحظہ فرما کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہیں، اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ موجودہ نامساعد حالات میں دارالعلوم اشرفیہ نے جس تیز رفتاری کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کی ہیں وہ بجاے خود قابلِ اطمینان ہیں، لیکن اراکین کے بلند حوصلوں کے پیش نظر ابھی وہ منزل بہت دور ہے، جہاں پہنچ کر تھوڑی دیر دم لیا جا سکے۔[2]

ایسا لگتا ہے کہ بلند حوصلہ ارباب حل وعقد آج سے ۲۱/ سال پیش تر دارالعلوم کی ترقی پذیر صورت **"الجامعۃ الاشرفیہ"** (عربک یونیورسٹی) کی شکل میں دیکھ رہے تھے، اسی لیے تو ۱۶/ مدرسین کا اسٹاف، اور ۱۹۲۵۴/ روپے ۹/ آنے بجٹ، ۱۸/ فارغین کی تعداد بھی انھیں اطمینان نہ بخش سکی، رکاوٹوں اور آزمائشوں کے باوجود منزل تک پہنچنے کے لیے بے قرار ہی رہے، وسائل جتنے ہی بڑھتے گئے **"اشرفیہ تحریک"** فروغ پذیر ہوتی گئی، مدرسین کی تعداد بڑھی امیدواروں کے داخلہ میں وسعت دی گئی اور بالآخر ایک دن ایسا بھی آیا کہ **"باغ فردوس"** کی دو منزلہ وسیع عمارت بھی تنگ ہو گئی۔

"طلبہ کی تعداد زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ دارالعلوم کی وسیع اور مایۂ ناز عمارت بھی اب ناکافی ہے، مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں جلد کسی عالی شان عمارت کا انتظام فرمادے

---

(۱) روداد ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تا ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء ص:۲

(۲) روداد ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء تا ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء، ص:۳

اور اس گلشن سنیت کو لہلہاتا ہی رکھے اور اس کی ایمانی اور عملی عطر بیزیوں سے دنیا مہکتی ہی رہے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد [۱]

یہ تنگی ۱۹۶۰ء میں پیدا نہیں ہوئی بلکہ پیش ترکی رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ بہت پہلے سے موجود تھی۔

آپ کو یہ معلوم کر کے بے حد تعجب اور بے پایاں مسرت ہوگی کہ الحمدللہ یہ عمارت بھی اب مدرسہ کے لیے ناکافی ہے چناں چہ اس ضرورت کو محسوس کر کے قریب گولہ بازار میں ایک زمین خریدی گئی ہے اور ارادہ کیا گیا ہے کہ نیچے کا وہ حصہ جو دکان کے لائق ہے اس کی دکان بنوائی جائے اور جو حصہ اس کے علاوہ بچے اس کا دارالاقامہ بنا کر اس میں طلبہ کو رکھا جائے مگر افسوس اور ہزار افسوس چند بد طینت لوگوں نے اس زمین و مکان کو دارالعلوم کی ملکیت ہونا گوارا نہ کیا اور محض از راہ شرارت اس زمین پر مقدمہ قائم کر دیا۔ [۲]

اشرفیہ مارکیٹ:

الحمدللہ وہ متنازعہ زمین ۲۸؍ سال متواتر مقدمہ بازی کے بعد ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم اشرفیہ کے قبضہ میں آچکی ہے، اور اس پر اشرفیہ مارکیٹ کی ایک منزل تیار ہے، یہ عمارت سہ منزلہ ہوگی۔

زمانۂ ماقبل میں کوئی مستقل دارالاقامہ (ہاسٹل) نہ ہونے کے باعث طلبہ، دارالعلوم کے رہائشی کمروں کے علاوہ قدیم مدرسہ کی خام عمارت اور مساجد کے حجروں اور امام باڑوں میں قیام کرتے تھے، اس تنگی اور قلتِ قیام گاہ کے باوجود اشرفیہ کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں پڑا، آپ اسے مشیت ایزدی کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ۱۹۴۵ء میں ہم ہاسٹل کی مختصر عمارت کے لیے پوری تندہی کے ساتھ کوشاں تھے اور اب عربک یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں ایک وسیع و عریض دارالاقامہ (ہاسٹل) ۶۰؍ کمروں پر مشتمل تیار ہے جس میں بیک وقت کم از کم ۷۰۰؍ سو طلبہ کے رہنے کا انتظام ہوگا اور تعلیمی زندگی کی تمام ضرورتیں موجود ہوں گی اور گولا بازار کی دارالاقامہ کے لیے مجوزہ زمین اشرفیہ کی ایک مستقل اور سود مند جائداد بن جائے گی۔ فالحمدللہ علیٰ احسانہٖ

مدرسۃ البنات:

جس طرح مردوں میں دینی شعور اور احساس بیدار کر کے صالح معاشرہ کی بنیاد رکھنا ضروری ہے، اسی طرح بچیوں کو بھی اپنے دین و مذہب اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا لازم ہے، کیوں کہ پاکیزہ اور صالح

---

(۱) معائنہ مولانا نذیر الاکرم صاحب مرادآبادی، ۸؍ فروری ۱۹۶۰ء

(۲) روداد ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء، ص:۵

معاشرتی انقلاب برپا کرنے میں مردوں سے کہیں زیادہ اہم رول عورتیں انجام دے سکتی ہیں، عورت اپنے تمام روپ ماں، بہن، بیٹی میں اصلاح کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے، اور ہوئی ہے، جس کا ثبوت اسلامی تاریخ میں بے شمار ہے۔ ماں کی شکل میں حسنین کی پاکیزہ ماں، بنت رسول، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھیے، بہن اور بیٹی کی شکل میں حضرت زینب بنت علی رضوان اللہ علیہا کو ملاحظہ فرمائیے۔

اقتدارِ اسلامی کے عروج کا زمانہ اس قسم کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے، جس میں ہماری ماؤں اور بہنوں نے اپنی حکمتِ ایمانی سے کام لے کر بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں جو مردوں کے لیے قابل تقلید بن گئے، عورتیں اگر تعلیم یافتہ اور دینی شعور سے واقف ہوں تو خانگی زندگی کے تمام مفسدات از خود پاکیزگی میں تبدیل ہو جاتے ہیں، ایسی ماؤں کی آغوش میں پرورش پانے والے بچے مستقبل میں قوم کے قابل قدر فرزند ثابت ہوتے ہیں۔

اشرفیہ چوں کہ اول ہی روز سے صالح معاشرتی انقلاب کا نقیب بن کر اٹھا، اس لیے ضروری تھا کہ وسائل مہیا ہونے پر تعلیمِ نسواں کا بھی فوراً بندوبست کیا جائے، چناں چہ ۱۹۶۵ء میں اشرفیہ نے **"مدرستہ البنات"** قائم کر دیا۔

"مدرستہ البنات" مبارک پور گیر پیمانہ پر اس فریضے کو بخوبی انجام دے رہا ہے۔

خدا کرے، وہ دن بھی آئے کہ ہم الجامعۃ الاشرفیہ کے تحت لڑکیوں کی اعلیٰ اسلامی تعلیم کا مرکز بھی قائم کر سکیں۔ آمین

اس وقت تعلیمی امور کے لیے اس میں دو معلمات اور بچیوں کی نگرانی کے لیے ایک دائی کی خدمات حاصل ہیں، پونے دو سو طالبات زیر تعلیم ہیں۔

مولانا شمس الحق علیہ الرحمہ:

جب صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے حکم پر حضرت حافظ ملت الحاج مولانا الحافظ عبد العزیز صاحب مراد آبادی مبارک پور تشریف لائے اس وقت صدر مدرس جناب مولانا شمس الحق صاحب گجہڑوی تھے، (افسوس مولانا موصوف بھی ادارہ کو ایک عظیم غم دے کر جمعہ ۹؍ شعبان ۱۳۹۳ھ / ۷؍ دسمبر ۱۹۷۳ء صبح ساڑھے سات بجے اس دار فانی سے رخصت ہوئے)

آپ کی شخصیت اشرفیہ کے لیے نہایت تاریخی تھی جس نے دار العلوم کی خشتِ اول سے اب تک کی تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، آپ نے متواتر ۴۴؍ سال تدریس کی خدمت انجام دی اور مدرسہ کے متعدد ہنگاموں کے باوجود آپ کی ذات پر کوئی ناخوش گوار اثر نہ پڑا، فارسی میں وہ مہارت کہ مصباحی حلقہ میں شیخ سعدی کے نام سے

مشہور، ابتدائی درجہ کے بچوں سے لے کر فوقانی مدرسین وعلما تک میں آپ کو یکساں مقبولیت اور قابل احترام حیثیت حاصل تھی، آپ موضع گھِڑا کے رہنے والے تھے جو مبارک پور بازار سے تقریبًا ڈھائی کلو میٹر دور ہے، اخیر تک سائکل کے ذریعہ مدرسہ تشریف لاتے رہے، مزاج میں بلا کی سادگی، سچ یہ ہے کہ ان کی ملاقات سے دورِ قدیم کے بزرگوں کی سادگی کا تصور قوی ہوجاتا تھا، بزجستگی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کی تعلیم ابتداءً مدرسہ ناصر العلوم ملک پورہ گھوسی میں ہوئی، متوسطات کے بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے تھے اور وہیں سے فارغ ہوئے، انتقال کے وقت آپ کی عمر ۸۰؍ سال سے متجاوز تھی، اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

آویزش:

حافظ ملت مبارک پور آگئے اور اس وقت آپ کو مدرسہ کی طرف سے صرف ۳۵؍ روپے مشاہرہ دیا جاتا تھا۔

آپ کے آتے ہی تدریسی کام زور وشور سے ہونے لگا، طلبہ کا ہجوم اکٹھا ہوگیا، آپ تنہا ۱۳؍ کتابوں کا سبق پڑھاتے تھے، جن میں سب سے نیچی کتاب شرح جامی تھی، جس امید پر صدر الشریعہ نے مبارک پور کے لیے حافظ ملت کا انتخاب فرمایا تھا وہ امید سو فیصد پوری ہوئی، آپ نے تدریس کے علاوہ تقریر کے ذریعہ مبارک پور کے خفتہ ماحول میں بے داری پیدا کردی، سچی لگن، قلبی ہم دردی اور خلوص کے ساتھ آپ نے مسلم آبادی کو ان کے اصل مقاصد کی طرف رجوع کرایا۔

اسی وقت حافظ ملت کے بدخواہوں کی ایک تحریک بھی منظــرِ عام پر آگئی، یہ وہ لوگ تھے جو دراصل حافظ ملت کے مخالف نہیں بلکہ دین حق کے سوداگر، ضمیر فروش، نام نہاد مسلمان تھے، جنھیں آپ کی موجودگی میں یہاں اپنی من مانی مذہبیت کے لیے کوئی گنجائش نظر نہ آئی تو مخالفت پر اتر آئے اور خاصا پیکار چھڑ گیا، مگر کب تک؟

وہ فریب خوردہ شاہیں، جو پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے، رہ و رسم شاہ بازی

مخالف طبقہ اگرچہ اپنی پوری قوت سے مقابل ہوا، مگر حق وصداقت کا ایک علم بردار ہی ان تمام کا زہرہ آب کردینے کے لیے کافی تھا، آوازۂ حق کے مقابل چنیں وچناں کیا؟ نہ جانے کتنے رستم وسہراب اپنی اکڑفوں بھول گئے۔

تو ہے بے چارہ گدا میر ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں صاحب و افسر کتنے

مریض کے لیے داروے تلخ دینے والا حکیم ہی اس کا سچا مخلص ہوتا ہے مگر نادان مریض اگر اسے اپنا دشمن سمجھ بیٹھے تو اس میں بے چارے حکیم کا کیا قصور؟ حافظ ملت مبارک پور کی سرزمین پر جس آواز کے منادی بن کر تشریف لائے تھے وہ ایک تاریخ ساز مستقبل کی ضمانت تھی، مگر بدقسمتی کو کیا کہیے کہ اپنے سچے مخلص، ہم درد اور بہی خواہ کو بدخواہ، مدعی اور مطلب پرست سمجھنا ہم ہندوستانی مسلمانوں کی کمزوری بن چکی ہے، ہم صرف بلند دعوے اور اونچی ڈینگیں الاپنے والوں کو سب سے بلند اور افضل مصلح اور ریفارمر تصور کرتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر سید عابد حسین:

"بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں میں ان کی آشفتہ مزاجی نے یہ کمزوری پیدا کر دی ہے کہ ان کے لیے دوست اور دشمن، مخلص اور مدعی، خیر خواہ اور بدخواہ میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے، وہ ہر بلند بانگ زعیم کی بات پر بے سوچے سمجھے کان دھرتے ہیں، ہر تیز رو قائد کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں مگر ان سچے جاں نثاروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جو خاموشی سے ان کی خدمت میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتے۔"[۱]

بہر حال سوا چار ماہ کی شدید آویزش کے بعد اہل مبارک پور پر دن کے سورج کی طرح واضح ہو گیا کہ خداوند عالم نے حافظ ملت کی شکل میں ہمیں سچا قائد اور رہ نما عطا فرمایا ہے، بدخواہوں کی اس رخنہ اندازی نے حافظ ملت کی علمی اور قائدانہ لیاقت کو اور زیادہ اجاگر ہونے کا موقع دے دیا۔

مخالفین کے اسٹیج پر سناٹا چھا جانے کے بعد بھی عام مسلمانوں میں بے داری کی لہر موجود تھی، آپ نے اس جوش و خروش کا اندازہ لگایا، اور قبل اس کے کہ جذبات کا رخ کسی اور طرف مڑتا، یا سرد پڑتا، آپ نے دارالعلوم کے لیے عمارت کا منصوبہ پیش کر دیا، آپ کی ایک آواز پر سارا مبارک پور سربکف ہو گیا، وہ ایک شوقِ طلب تھا جو اس وقت مبارک پور کے بچے بچے کے رگ و پے میں موجیں مار رہا تھا اور یہ بات مسلم ہے کہ خواہش جب شوق کی منزل میں داخل ہو جاتی ہے تو منزل مقصود کے حصول میں دیر نہیں لگتی:

ہو اگر شوق طلب، ڈھونڈنے والوں میں، تو پھر
سینکڑوں منزلیں، راہوں کے غباروں میں ملیں

---

(۱) مسلمان اور عصری مسائل، ص:۸

کرنی:

شیخ المشایخ حضرت مولانا سید علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی اور صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی صاحب (مصنف بہار شریعت) علیہما الرحمہ کے ہاتھوں سے جمعہ ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء اشرفیہ مصباح العلوم (باغ فردوس ۱۳۵۳ھ) کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے کرنی سے نیو میں گارا بچھایا اور اینٹ چنی اس کے بعد فرمایا:

"فقیر نے تو اپنی کرنی دکھادی اب تم لوگ اپنی کرنی دکھاؤ"

غریب مسلمانوں کے جذبات کا بند ٹوٹ گیا، پھر تو مالی قربانی کا وہ منظر سامنے آیا جو اہل ایمان کی تاریخ میں ہمیشہ مینارۂ نور بنا رہے گا۔ ؎

عجب کیا گرمہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ با فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

دوسری کانفرنس:

مورخہ ۱۶ر ۱۷ر نومبر ۱۹۷۳ء کو ہونے والی کانفرنس بھی اسی سلسلۂ تعمیر ملت کی ایک کڑی تھی جس کی بنیاد ۶ر مئی ۱۹۷۲ء میں رکھی گئی تھی، درس گاہ کی دو منزلہ عمارت صرف ڈیڑھ سال میں منصۂ شہود پر آگئی، یہ اشرفیہ کی انتظامیہ اور شعبۂ تعمیرات کا جیتا جاگتا کارنامہ ہے، جسے پورے ملک نے بیک نگاہ محسوس کیا۔

اس موقع پر مجلس شوریٰ نے ادارہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر مختلف باقاعدہ بورڈ قائم کر دیے تاکہ کام میں سہولت ہو۔

(الف) تعمیراتی بورڈ، جس کا کام ادارہ سے متعلق تمام تعمیری امور کی انجام دہی ہے اس کے منصرم جناب عبد المغنی صاحب تھے۔

(ب) تین وسیع النظر، تجربہ کار، اور جدید و قدیم علوم کے ماہر علما کا بورڈ، جو تمام اسلامی یونیورسٹیوں اور مذہبی اداروں کے نصابہائے تعلیم کی روشنی میں عربک یونیورسٹی (الجامعۃ الاشرفیہ) مبارک پور کا مکمل نصابِ تعلیم مدون کرے۔

اس کے علاوہ پانچ مذکورہ بالاصفات کے ماہر علما کا بورڈ اس لیے تشکیل دیا گیا تاکہ **"الجامعۃ الاشرفیہ"** کا دستورِ اساسی مرتب ہو، نیز شعبۂ نشر و اشاعت کے قیام کی منظوری اسی موقع پر ہوئی۔

اسی کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ **"الجامعۃ الاشرفیہ"** کی تعلیمی زبان عربی ہوگی، عربی ادب کے علاوہ چار مستقل زبانیں اردو، فارسی، سنسکرت اور انگریزی کی تعلیم دی جائے گی تاکہ دوسرے طبقات مذاہب سے افہام وتفہیم آسان ہو اور اسلام کے پیغام حق کو مختلف زبانوں میں دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے، تمام تدریسی شعبوں کے لیے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔

درس گاہ:

عربی درس گاہ کی دو منزلہ عمارت جس میں ۳۰x۲۰ فٹ کے بیس کمرے ۳۰x۴۰ فٹ کے دو ہال کمرے ہیں، یہ تمام کمرے شمالاً جنوباً ہیں، جن کے درمیان میں ہال کمرے ہیں، ہال کمرہ کے سامنے برآمدے کے بعد دونوں طرف دو کمرے ہیں گیٹ میں داخل ہونے کے بعد پہلے دونوں کمروں کا سائز ۳۰x۱۵ ہے جن سے متّصل ہی اوپر جانے کے لیے دونوں طرف ۱۶x۱۰ فٹ کے زینے ہیں، زینے سے ملے ہوئے دونوں کمرے ساڑھے ۱۶. ۳۳ فٹ کے ہیں۔

دارالحدیث کا گنبد، گیٹ اور اس سے متّصل دونوں کمروں کی بالائی منزل پہ ہوگا، گنبد کا سائز ۴۲x۴۲ فٹ ہوگا، اس عمارت میں اب صرف گنبد کی تعمیر باقی رہ گئی ہے۔

درس گاہ کی عمارت کے بعد ہم مستقبل میں بننے والی عمارتوں کا ایک مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ملک وملت کی تعمیر کا یہ کارخانہ کتنی وسعت چاہتا ہے اور اس کے لیے کتنی قربانیاں درکار ہیں۔

دور ہے منزلِ مقصود، مگر ہے تو سہی
راہ کٹ جائے گی، تو عزم سفر پیدا کر

دارالاقامہ:

یہ دو منزلہ عمارتیں ہوں گی جو مرتبہ نقشہ کے مطابق درس گاہ سے ہٹ کر بنائی جائیں گی، ہوسٹل (Hostel) کی دو الگ الگ عمارتیں ہوں گی جو ایک دوسرے کے مقابل بنیں گی، ہر عمارت میں ۶۲ رکمرے ہوں گے جن کا سائز ۳۰x۲۰ فٹ ہوگا، ان کے درمیان میں میدان ہوں گے، دارالاقامہ کی مجوزہ عمارتیں بالکل جدید طرز کی ہوں گی جن میں طالب علموں کے لیے ہر قسم کی سہولت ہوگی اور تعلیمی زندگی کے تمام لوازمات مہیا ہوں گے۔

مسجد کی عمارت:

جو اتنی طویل و عریض ہوگی کہ ہزاروں نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکیں۔

دار الحفظ کی عمارت:

جس میں کم از کم ڈیڑھ سو طلبہ مختلف حصوں میں متعدّد اساتذہ کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ مشقِ شبینہ کی جماعت کے لیے درمیان میں ایک بڑا ہال ہوگا۔

دار التجوید کی عمارت:

جہاں مستقل طور پر قراءت عاصم بروایت حفص اور قراءت سبعہ کے درجات، ماہرین فن کی نگرانی میں چلیں گے۔

دار التصنیف والتالیف کی عمارت:

جس میں مصنفین، مولفین، نیز مترجمین اسلامی نظریات کی متحمل کتابیں لکھیں گے، جو وقت کے تقاضوں اور حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر مرتب ہوں گی۔

دار الافتا کی عمارت:

جس کے ذریعہ وقت کی الجھی ہوئی شخصی، سماجی، معاشرتی، اور اجتماعی گتھیاں فقہ اسلامی کی روشنی میں حل کی جائیں گی۔

لائبریری کی عمارت:

جس میں دنیا کی ممتاز زبانون میں جملہ علوم وفنون کی کتابوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہوگا، دار التصنیف والتالیف اور دار الافتا کی عمارتیں لائبریری سے قریب ہوں گی۔

مکتبہ جامعہ کی عمارت:

جس کے ذریعہ ملک اور بیرون ملک کو صالح اسلامی لٹریچر برآمد کیا جا سکے گا۔

جامعہ طبیہ کی عمارت:

جہاں حکمت وطب کی مکمل تعلیم اور عملی تربیت گاہ کے جملہ لوازمات کے ساتھ درجات کھولے جائیں گے، ایک رہائشی ہسپتال بھی اس عمارت سے ملحق ہوگا۔

مہمان خانہ کی عمارت:

جو بالکل جدید طرز کی ہوگی، اس میں معزز مہمانوں کے لیے قیام کی سہولت ہوگی۔

پریس اور فن کتابت کی تربیت گاہ کی عمارت:

خطاطی اور پریس کے کام سیکھنے والوں کو یہاں ہر قسم کی سہولت ہوگی۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے دفاتر کی عمارت:

جملہ شعبہ جات کو باقاعدگی سے جاری رکھنے کے لیے انتظامیہ کے ماتحت ان میں حساب کتاب کا مکمل انتظام ہوگا۔

ہائی اسکول کی عمارت:

جہاں جزوی تبدیلی کے ساتھ پرائمری سے میٹرک تک انگریزی نصاب کی تکمیل کرائی جائے گی۔

جامعہ کے لیے رہائشی عمارتیں:

یہ عمارتیں جامعہ سے متعلق اساتذہ اور ملازمین کے لیے ہوں گی۔

جامعہ سے متعلق مارکیٹ کی عمارتیں:

یہ کرائے پر چلنے والی دکانیں ہوں گی جو جامعہ کے لیے آمدنی کا اہم ذریعہ ہوں گی۔

بیت المال کی عمارت:

یہ جامعہ کے مطبخ اور شعبۂ تعمیرات وغیرہ سے متعلق سامان کی حفاظت کے لیے ہوگی۔

اعتراف:

کسی بھی علمی درس گاہ کو فروغ دینے کے لیے صرف روپے پیسے ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ اس کے علاوہ تعلیمی امور انجام دینے کے لیے ایسے لائق مدرسین اور صلاح کار بھی ضروری ہوتے ہیں جو انہماک اور توجہ کے ساتھ مقررہ نصاب تعلیم کے سانچے میں طلبہ کو پوری طرح ڈھال دیں اور ان کے اخلاق واطوار کی اس طرح اصلاح کریں کہ قوم وملت کے لیے مفید ہو سکیں، ہندوستان میں اسلامی مدارس اور دینی درس گاہوں کی کمی نہیں بعض اپنی جگہ کچھ تاریخی حیثیت بھی رکھتے ہیں جنھوں نے وقت کے نازک مرحلوں میں قوم وملت کی اصلاح بھی کی ہے، دارالعلوم اشرفیہ ان درس گاہوں کے سرخیل کی حیثیت رکھتا ہے، جس نے اپنے فرزندوں

کے ذریعہ صالح معاشرہ کی ترتیب اور وفادار فرزندان وطن پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور علمی میدان میں بھی ہندوستان کے مسلمانوں سے اپنا لوہا منوالیا، یہ اس کی اعلیٰ کارکردگی کا بین ثبوت ہے، یوں تو مدرسہ ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء سے کسی نہ کسی عالم کی سرکردگی میں برابر چلتا ہی رہا، مگر جب سے حافظ ملت نے اس کی صدر مدرسی قبول فرمائی، وہی تاریخ، عروجِ اشرفیہ کا زینا ثابت ہوئی جیسا کہ جامعہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف کے شیخ اپنے معائنہ ۱۹۴۸ء میں فرماتے ہیں:

میں نے عرصہ ہوا، اس مدرسہ کا معائنہ کیا تھا اس وقت اس کی ابتدائی حالت تھی، موجودہ صدر مدرس صاحب جب سے تشریف لائے مدرسہ نے بہت ترقی کی ہے اور دارالعلوم کی صورت اختیار کرلی ہے، جملہ اساتذہ اپنے فرائض کو نہایت محنت سے انجام دیتے ہیں۔(مولانا محمد شریف صاحب ساکن مصطفیٰ آباد، مبارک پور)[1]

گویا ایک دردمند قائد پوری کوشش سے جلد از جلد اپنی مراد پالینے کے لیے بے قرار تھا۔

اب ذیل میں کچھ مقتدر شخصیتوں کے معائنے پیش کروں گا جس سے حقیقتِ واقعہ کا علم ہوگا:

مفتی اعظم ہند:

اراکین مدرسہ کو میں مبارک باد دیتا ہوں، انھوں نے نہایت کدو کاوش اور جاں فشانی سے کام لیا اور اچھے سلیقے سے کام انجام دیا، ان کے حسن انتخاب کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا، صدر مدرس ہی ایسا چھانٹ کر رکھا ہے جس نے مدرسہ کو باغ و بہار، نہایت شاداب چمن گلزار کر دکھایا، یہ ساری برکات میرے گمان میں اسی وجود مسعود کی ہیں، یہ ساری بہار اسی کے دم سے ہے، اسی کے فیض قدم سے ہے، یہ روشنی اسی کے جلوے کی ہے، اسی کے خلوص، اسی کے اخلاق، اسی کے انتخاب نے اچھے قابل مدرسین اور طلبہ کو جمع کر دیا، مولا تعالیٰ اسے اور مدرسہ کو نظر بد سے بچائے رکھے۔ آمین[2]

سید مختار اشرف کچھوچھوی:

آج مجھے دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے رجسٹر حاضری طلبہ اور مدرسین ورجسٹر حساب آمدنی ومصارف وغیرہ بالتفصیل باقاعدہ دکھلائے گئے، مدرسہ ہٰذا کا حسن انتظام، نیز حضرات مدرسین کے جذبات

---

(۱) مولانا محمد شریف صاحب معقولات ومنقولات میں اعلیٰ قابلیت کے حامل تھے، الافاضۃ القدسیہ اور معقولات میں کئی کتاب کے مصنف تھے، آپ حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رام پوری کے تلامذہ میں تھے۔ فن طب میں بھی خاصا ملکہ رکھتے تھے۔

(۲) مفتی اعظم ہند، ۷ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ

واخلاص خصوصاً مکرمی حافظ مولانا عبدالعزیز صاحب اشرفی کے ایثار، ہم دردی اور خداداد قابلیت اور طلبہ میں تحصیل علم وفنون کا شوق، ذوق، تہذیب واخلاق دیکھ کر جو مسرت ہوئی وہ تحریر سے باہر ہے، حق سبحانہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ ہرا بھرا رکھے اور ایسے پھول کھلائے کہ اس کی مہک سے عالم مستفیض ہو۔ آمین [۱]

نہایت جاں فشانی اور دل جمعی سے کام کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم نے نہایت لمبی مسافت مختصر عرصہ میں طے کرلی جس کا اعتراف مذکورہ معائنوں سے ہوتا ہے، مدرسہ کی تاریخ میں ایسا وقت بھی آیا جو مالی اعتبار سے بڑا صبر آزما تھا، اخلاق پیشہ مدرسین نے اس وقت ہمت ہار دینے کے بجاے نہایت دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ خدمات کی رفتار اور تیز کردی اور ان کے صبر وتحمل کی پیشانی پر ذرا بھی بل نہ آیا۔

کہیں روکے سے رکتی ہے تجلی نورِ ایماں کی
ہوا روکے تو کشتی تیز چلتی ہے مسلماں کی

اس وقت خود اراکین وممبران ادارہ کی ہمتیں ڈانواڈول ہوگئی تھیں کہ اب مدرسہ کو اتنے وسیع پیمانہ پر چلانے کے بجاے مختصر کیا جائے، روداد میں اس کے متعلق تحریر ہے:

دارالعلوم ہٰذا کی کوئی مستقل آمدنی نہیں جو کچھ علم دوست حضرات سے پہنچ جاتا ہے وہی سال بھر تک صرف ہوتا ہے اور پھر سفرا جاتے ہیں اور استدعا کرتے ہیں، مقامی اور بیرونی آمدنی کی صرف یہی ایک صورت ہے، درمیان میں ایک ایسا بھی وقت آیا تھا کہ غیر مستقل آمدنی بھی بند ہوگئی تھی تو اراکین اس عظیم الشان دارالعلوم کو مکتب کی شکل میں منتقل کرنے پر مجبور ہوئے تھے، اس وقت مدرسین کے ایثار اور بے نفسی نے ہی دارالعلوم کو باقی رکھا ورنہ یہ دارالعلوم کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔ [۲]

جلا کر خرمن دل عشق کو تابندگی دے دے
بِلا خونِ جگر یہ آئینہ تاباں نہیں ہوتا

مخلصین اشرفیہ نے اس کے لیے اپنے متاع مقدور کی قربانیاں دیں اور رب کائنات نے ان کی قربانیوں کو قبول بھی فرمالیا، پھر کیا تھا جو کلفتوں کی تاریک رات جھیل جائے وہ مسرتوں کے روشن دن ضرور پائے گا، جو وحشت وفراق کے درد میں تڑپے گا اسے قربت کی چاشنی ضرور میسر آئے گی اس لیے کہ ہر سختی کے بعد آسانی

(۱) حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب کچھوچھہ مقدسہ
(۲) روداد ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء تا ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء، ص:۶

ہر مصیبت کے بعد آرام قدرت کا اٹل قانون ہے، فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝

جب اشرفیہ کا سفینہ غربت وافلاس کے طوفان سے صحیح وسالم بچ نکلا تو قدرت نے اس کے لیے پر سکون اور اطمینان بخش راہ عطا فرمائی، جس پر چل کر اس نے علمی خدمات میں ریکارڈ قائم کر دیا، چناں چہ اس کا اعتراف حضرت علامہ شاہ اجمل صاحب علیہ الرحمہ ناظم اعلیٰ مدرسہ اجمل العلوم سنبھل مراد آباد ۷؍ شعبان ۱۳۷۶ھ کے معائنے میں لکھتے ہیں:

آج ۷؍ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ کو میں نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کے درجۂ اعلیٰ و دیگر درجات کی چند مشہور اور مشکل کتابوں کا امتحان لیا، میری عادت کسی مدرسہ کی رعایت اور جانب داری کی نہیں، بلکہ طلبہ سے ان کی استعداد اور کتاب کی حیثیت کے اعتبار سے سوالات کرنے اور کما حقہٗ طلبہ کی قابلیت اور استعداد کا صحیح جائزہ لینے کی ہے تاکہ اراکین مدرسہ کے سامنے صحیح معیار تعلیم پیش کر سکوں اور دیانت داری سے انھیں طلبہ کی اہلیت، مدرسین کی محنت اور عرق ریزی کا واقعی اندازہ بتا سکوں۔

یہ وہ بات ہے جس میں نہ کسی سے مرعوب ہوتا ہوں نہ کسی کی رعایت کرتا ہوں، اس دارالعلوم کے طلبہ کا میں نے خوب جم کر امتحان لیا، ہر ایک سے سوال کر کے اس کی صحیح استعداد کا جائزہ لیا اور پھر ہر ایک کو صحیح نمبر دیا، بحمدہ تعالیٰ طلبہ کو بہترین ذی استعداد پایا اور خصوصاً بعض کو بے نظیر اور بے مثل، نہایت قابل ٹھہرایا اور یہ کیوں کر نہ ہو، اس کے مدرسین نہایت جانکاہی اور عرق ریزی سے درس کی خدمت کو انجام دیتے ہیں خصوصاً صدرالمدرسین بدرالمسلمین فاضل جلیل، عالم نبیل، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول حضرت مولانا مولوی حافظ عبدالعزیز صاحب دام فیوضہ قابل صد تحسین ہیں، یہ ساری بہار انھی کے دم قدم کا صدقہ ہے اور اس چمن مصطفوی کی بہار انھی کی ذات پر موقوف ہے“۔

حضرت العلام نے جن حقیقتوں کا اعتراف مذکورہ الفاظ میں کیا ہے، حضور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے اپنے معائنہ ۱۰؍ شعبان ۱۳۶۹ھ میں انھی خصوصیات کی وضاحت فرمائی ہے:

آج دس شعبان مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے درجہ اعلیٰ کے ان طلبہ کا امتحان لیا گیا جو تفسیر وحدیث کی آخری تعلیم حاصل کر چکے تھے، صحیح عبارت خوانی اور صحیح ترجمہ اور صحیح مطلب بتانے میں طلبہ نے بے حد خوش کیا اور ان مقامات کا سوال کیا گیا جس کو پہلے سے متعین نہیں کیا گیا تھا، کتاب سے باہر کی باتیں امتحانِ ذکاوت کے لیے پوچھی گئیں، اور یہ نہ گھبرائے اور سوال کا جواب مدرسانہ انداز میں دیتے رہے اور اس تجربہ کی بنیاد پر جو ملک

کے مدارس عربیہ کا رکھتا ہوں اور جابجا امتحان کی خدمت مجھ سے لی جاتی ہے، میں بغیر کسی مبالغہ کے کہتا ہوں کہ اس مدرسہ کے کمزور طالب علم کا درجہ دوسرے مدارس کے قابل فخر طلبہ سے بڑھا ہوا پایا، یہ مدرسین کرام کی انتھک کوششوں کا، معاونین مدرسہ کی پاک نیتوں کا ثمرہ ہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء

سنی دارالاشاعت:

یہ شعبہ ۱۹۵۹ء میں مسلمانان ہند کے سامنے مفید علمی لٹریچر پیش کرنے کے لیے قائم ہوا تھا، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے ہزاروں صفحات پر مشتمل تحقیق وعلمی شاہ کار، علمی دنیا کی نگاہوں سے اوجھل تھے اوراشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا، حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم سے "فتاویٰ رضویہ" کی اشاعت کے پراگرام کا استفسار ہی اس دارالاشاعت کی بنیاد کا محرک بن گیا۔

مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب دام ظلہم الاقدس "دارالعلوم اشرفیہ" مبارک پور تشریف لائے ان سے عرض کی گئی: فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کوئی انتظام ہوا؟ آپ نے فرمایا "تم لوگوں کے علاوہ کس سے اس کی توقع ہو سکتی ہے؟" اس کرامت آثار جملے نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری پیدا کی اور دارالعلوم اشرفیہ کی رہ نمائی میں کام شروع ہوا اور سنی دارالاشاعت کی بنیاد رکھی گئی۔ (۱)

حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ:

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے اس سلسلے کو عملی جامہ پہنانے میں اشرفیہ کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی سعیِ بلیغ کا خاص دخل تھا جو اس دارالاشاعت کے ناظم اور مہتمم ہی نہیں، روح رواں کہے جانے کے حق دار ہیں (۲)

ضروری ہے کہ اس موقع پر اس بے لوث خادم ملت کا مختصر ساذکر کیا جائے۔

آپ موضع بھوج پور، پوسٹ سکھ پورہ ضلع بلیا [اترپردیش] کے رہنے والے تھے، آپ کے والد کا نام محمد اسلام تھا، ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، اشرفیہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ دنوں دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف میں تعلیم دی پھر حافظ ملت کے اصرار پر آپ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں تدریس کی خدمات

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۱، بقلم ناظم سنی دارالاشاعت

(۲) کچھ دنوں بریلی شریف میں تعلیم دی پھر مبارک پور آگئے اس وقت مفتی اعظم ہند نے فرمایا "مولانا عبدالرؤف کا جانا ہمارے مدرسہ کی موت کے مترادف ہے"۔

قبول کرلیں، علوم مروجہ کی تمام صنفوں میں یکساں مہارت اور کمال رکھتے تھے، تفسیر وحدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ اور صرف ونحو پر نہ صرف کامل عبور تھا بلکہ روح علم سے پورے طور پر آشنا تھے، اس کے علاوہ علم الحساب اور ہیئت میں تو اس قدر دست گاہ تھی کہ اپنے دور میں اس فن کے امام کہے جاسکتے ہیں، تفہیم ایسی کہ علم کلام اور فلسفہ کے دقیق سے دقیق مسائل کو بڑی آسانی سے ذہن نشین کرادیتے تھے، اندازِ تدریس ایسا دل آویز کہ وقت پورا ہونے کے بعد بھی طلبہ آپ کی شیریں گفتاری سے مستفید ہوتے رہتے، اندازِ زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھا، کسی طرح کا تصنع اور رکھ رکھاؤ پاس سے بھی نہ گزرا تھا، چناں چہ مسندِ تدریس پر فائز ہونے کے بہت زمانہ بعد ایک روز مبارک پور کے کسی مخلص مسلمان نے راہ میں پوچھا: ”میاں مولوی صاحب آپ کب تک پڑھ کر فارغ ہوں گے ؟“ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا: ”اب میں پڑھا رہا ہوں“۔

ادارہ کے تمام مدرسین اہم اور لاینحل علمی مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے، فتاوے کی اہم گتھیاں سلجھادینا آپ ہی کے ذہن رسا کا کام تھا مگر میری نگاہیں شاہد ہیں کہ استاذ العلما حضور حافظ ملت کے سامنے تشریف لے جاتے تو آداب ولحاظ کے وہی تمام طریقے عمل میں لاتے جو ایک سعادت مند شاگرد اپنے استاذ کے لیے اپناتا ہے۔

آپ کی پوری زندگی کنج گم نامی میں گزری، تدریس کے فرائض کو اتنی ذمہ داری سے ادا کرتے کہ کسی اور دوسرے کام کی فرصت مشکل سے ملتی۔

نحیف وناتواں، دبلا پتلا جسم، مختصر قد مگر علم وآگہی کی دولت سے مالا مال، شروع سے اشرفیہ میں قدم رکھا تو زندگی کی اخیر سانس تک یہیں رہے اہل علم طبقہ آپ کی فنی عبقریت سے خوب واقف ہے، اسی لیے دور دراز مقامات سے اونچی اونچی جگہیں کثیر مشاہرہ کے ساتھ پیش کی گئیں مگر آپ نے اس دانش گاہ ہند کو خیر باد کہنا گوارا نہ کیا اگر کبھی حالات زمانہ اور معاشی شکستگی نے اس قسم کی باتیں سوچنے پر مجبور بھی کیا تو حضور حافظ ملت کی بے پناہ محبت اور خلوص زنجیر پا بن گئی۔

صد حیف کہ بروز جمعہ ۱۳؍ شوال ۱۳۹۱ھ اس دار فانی سے عالم بقا کو سدھارے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔ آپ کی اچانک رحلت سے اشرفیہ مبارک پور ہی نہیں، علم وادراک کی انجمن میں جو مسند خالی ہوگئی ہے اس کا پُر ہونا نہایت دشوار ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی مقبولیت:

فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے مراحل نہایت دشوار گزار تھے، جس کو آپ نے بلند ہمتی اور استقلال سے اپنے اوپر اٹھالیا تھا، اور بڑی عرق ریزی کے بعد تیسری جلد صفر ۱۳۸۱ھ مطابق اگست ۱۹۶۱ء میں ’’سرفراز قومی پریس‘‘ لکھنو سے طبع ہوئی ۱۸x۲۲/۱x۴سائز کی یہ کتاب معیاری کتابت اور طباعت کے ساتھ ۸۱۶ر صفحات پر مشتمل منصۂ شہود پر آئی، پوری کتاب میں ۸۴۲ر فتوے ہیں جن میں ۱۵ر رسائل بھی شامل ہیں، تیسری جلد کا مسودہ مفتی اعظم کے پاس سے آیا تو غیر مربوط اور غیر مبوب تھا جس کی تبویب حضرت مولانا مجیب الاسلام صاحب نسیم ادروی اعظمی (شاگرد حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ) نے فرمائی، اس کے بعد پھر منظر عام تک آنے میں جن مراحل کا سامنا کرنا پڑا ہے اسے حضرت نائب شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ ہی کے قلم سے ملاحظہ کیجیے:

کچھ رسالے اور جوابات ناقص ملے جنھیں ہم نے اس خیال سے نامکمل ہی شائع کردیا کہ مالا یدرك كله لايترك بعضه بعض اوراق کیڑوں نے بری طرح چاٹ لیا تھا، اس میں جہاں جہاں اور کتاب کی عبارت سے تصحیح ممکن تھی کردی گئی ہے، جہاں تک ماسبق وما لحق سے عبارت بن سکتی تھی بنادی گئی اور جہاں مجبوری تھی بیاض چھوڑ دی گئی ہے، ان سب باتوں کی تفصیل ہم شریک عرض حال کرتے ہیں۔

مبیضہ کا اصل سے مقابلہ، پھر مبیضہ سے کاپی کی تصحیح، بعدہ پروف کی مطابقت میں پوری عرق ریزی اور نہایت احتیاط سے کام لیا گیا ہے، مزید براں جہاں جہاں پوری کتاب میں عربی عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان کی تصحیح متعلقہ کتابوں سے حتی الامکان کرلی گئی ہے، الغرض نقطہ نقطہ، شوشہ شوشہ کی صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔[1]

الغرض جس کام کی ابتدا جولائی ۱۹۵۹ء میں ہوئی تھی ٹھیک پچیس ماہ بعد حضرت مرحوم کی سعی بلیغ کے نتیجے میں مکمل ہوا اور تیسری جلد کن حالات میں منظر عام پر آئی، اس کے بارے میں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انھی کی زبان قلم سے آپ سنیں:

’’جس وقت کتاب شائع ہوئی ماحول انتہائی تاریک، حالات بے حد مایوس کن اور ہمت شکن تھے، خود ناشر کو یہ بھروسہ نہیں تھا کہ ایسی ضخیم اور خالص علمی کتاب نکل سکے گی، اسی لیے اس وقت دام بھی لاگت کے برابر رکھا گیا تھا اور عام تاجرانہ اصول کے خلاف کیشن وغیرہ کا جھگڑا ختم کردیا گیا، لیکن ہم اپنے رب کریم کا کتنا شکریہ ادا کریں، شعبان ۱۳۸۲ھ یعنی ڈیڑھ سال کی مدت میں ہمارے پاس کتاب کے تقریباً ڈیرھ سو نسخے رہ گئے، جسے ہم

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد ۳، ص: ر، ش، بقلم مولانا عبد الروف صاحب علیہ الرحمۃ

نے اس لیے روک لیا کہ جلد چہارم کے ساتھ بھی کچھ لوگ اس کی فرمائش کر سکتے ہیں، یہ ایک عام پذیرائی تھی، جو برادران اہل سنت کے ساتھ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے اس شاہ کار کی ہوئی، خود مہتمم دارالاشاعت کو اس سلسلہ میں کتنا سراہا گیا اور ملک کے طول و عرض میں ناشر فتاویٰ رضویہ کی حیثیت سے کتنا اعزاز کیا گیا، بیان سے باہر ہے، پھر ہم کو یہ دیکھ کر مزید اطمینان ہوا کہ ملک کے دوسرے طبقوں میں بھی اس کو مفید علمی کام تصور کیا گیا اور اعلیٰ حضرت کے علم و فضل کا برملا اعتراف ایک مرتبہ پھر منظر عام پر آیا، چناں چہ معارف اعظم گڑھ رقم طراز ہے:

"مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اور فقیہ تھے، انھوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزاروں فتووں کے جوابات بھی انھوں نے دیے ہیں، ان کے بعض بعض فتوے کئی کئی صفحہ کے ہیں۔

فقہ اور حدیث پر ان کی نگاہ بڑی وسیع ہے دو جلدیں اس سے پہلے شائع ہو چکی ہیں، اب تیسری جلد سنی دارالاشاعت مبارک پور نے شائع کی ہے، اس جلد میں ۸۴۲ر مسائل ہیں ابھی ان کے فتاوے کی ۸ر جلدیں باقی ہیں، ان فتاؤں میں بعض نئے پیدا شدہ مسائل کے متعلق بھی فتوے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظری سے دیا ہے، بہر حال مولانا کے مخصوص خیالات (مسئلہ تکفیر) سے قطع نظر ان کے فتاوے اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے، ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے"۔[1]

ہفت روز شہاب لاہور لکھتا ہے:

مولانا غلام علی صاحب نائب مولانا مودودی صاحب مدظلہ العالی نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتابیں مطالعہ فرمائیں، تو فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں، ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علما میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے، مجھے تو ان سے سوائے مسئلہ تکفیر کے کسی مسئلہ میں کوئی خاص اختلاف نہیں، جتنے بھی اختلاف ہیں بہت معمولی ہیں، البتہ علمائے دیوبند کی تکفیر کے بارے میں انھوں نے تشدد برتا ہے، یہ علاحدہ بات ہے کہ

(۱) معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۶۲ء

وہ اس میں مخلص نظر آتے ہیں تاہم ان کے نتیجہ سے ہم متفق نہیں کہ ان عبارات کی کوئی قابل قبول تاویل نہیں، اگر چہ وہ اعتراضات قابل اعتراض ہیں مگر ان کی نیت پر شبہہ اور تکفیر پر اصرار زیادتی ہے۔ (۱)

گویا ہندو پاک کے تمام علمی حلقے فتاویٰ رضویہ کے ذریعہ اشرفیہ کی علمی خدمات سے روشناس ہو گئے، فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبد الرؤوف صاحب علیہ الرحمۃ نے جس عرق ریزی اور مشقت پر ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے، بلا مبالغہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ اتنی محنت میں خود قابل قدر کتاب تصنیف فرما سکتے تھے، مگر واہ رے شہرت و ناموری سے سیر چشمی کا جذبہ! یقیناً یہ دین پروری اور ایثار پسندی کا مثالی کردار ہے، حضرت کی کوششوں سے فتاوی رضویہ جلد چہارم بھی جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ/اگست ۱۹۶۷ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے جس میں کل ۴۴۲؍ مسائل مع ۲۷؍ رسائل ہیں، یہ جلد ۷۲۴؍ صفحات پر مشتمل ہے، پانچویں جلد کا کام بھی بڑی سرعت سے انجام پا رہا ہے، اب یہ خدمت اہتمام حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب قبلہ کے ذمہ ہے جو علمی اعتبار سے در حقیقت حضرت نائب شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کے سچے پرتو ہیں۔

اشرفی دار المطالعہ:

مبارک پور کی دینی تحریک میں جس طرح اشرفیہ کے ارکان و اساتذہ نے حصہ لیا، طلبہ نے بھی ہاتھ بٹایا وہ کسی سے پیچھے نہ رہے اور یہ تو فطری اصول ہے کہ انسان اپنے ماحول کے حسن و قبح سے متاثر ہوتا ہے، گرد و پیش کا ماحول اگر پاکیزہ ہو تو انسان اس سے اخلاق و مروت اور تعمیر ذہنی کا سبق لیتا ہے، اور اگر ماحول غیر سنجیدہ، بے اصول اور گندہ ہوتا ہے تو اس کا اثر لوگوں پر بدنیتی، سفلگی اور چھچھورا پن وغیرہ شکلوں میں مرتب ہوتا ہے۔

کسی خوش نصیب کو اگر ایسا ماحول میسر آجائے جس کی اساس ہی تعمیر فکر و اصلاح امت اور خدمت خلق پہ رکھی گئی ہو تو ظاہر بات ہے وہ اپنی عادات و خصائل میں ممتاز ہوگا، اور تعمیر ذہنی کے اعتبار سے اپنے اندر دین پروری کے نت نئے جذبات پائے گا، طلبۂ اشرفیہ ایک ایسے ہی ماحول کے پروردہ تھے۔

دار العلوم اشرفیہ کی تعمیر شروع ہونے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں طلبہ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے انجمن اہل سنت اشرفی دار المطالعہ کی بنیاد رکھی، جس کے بارے میں حضرت مولانا عبد المنان صاحب اعظمی مفتی اشرفیہ، انجمن کی روداد شائع شدہ ۱۳۸۷ھ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) ہفت روزہ شہاب لاہور، ۲۵؍ نومبر ۱۹۶۲ء

"آج سے تقریباً ۲۲؍ سال پہلے دارالعلوم اشرفیہ کی نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی دور میں، جب کہ مبارک پور کا ہر بچہ خدمتِ سنیت کے نشے میں سرشار تھا، دارالعلوم کے پرجوش طلبہ نے اپنی ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کا نام "انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ" رکھا، اس کے بانیوں میں اس وقت کے طلبا میں سرفہرست مولانا قاری محمد عثمان صاحب، مولانا صوفی وجیہ الدین صاحب، مولانا حافظ عبدالروف صاحب (علیہ الرحمۃ) مولانا ظفر علی صاحب، مولانا علی احمد صاحب وغیرہ تھے، انجمن کی سرگرمی اس وقت پنجشنبہ کو طالب علموں کے لیے مشقی جلسے اور لائبریری اشرفی دارالمطالعہ تک محدود تھی، ابھی ابتدائی دور ہی تھا کہ ربیع الاول شریف کا موسم بہار، آمد خیر البشر ﷺ کی یاد کا مژدۂ جاں فزا لے کر آیا، مذکورہ بالا حضرات نے کسی دن یوں ہی باتوں باتوں میں یہ رائے رکھی کہ امسال بارہ ربیع الاول شریف کے موقع پر جلوس عید میلاد النبی ﷺ نکالا جائے، بس کیا تھا، ایک اچھے خطاط قاری محمد عثمان صاحب موجود تھے ہی، ایک بڑے سے پٹھے پر جلی قلم سے آیت مبارکہ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" اور ایک شعر:

آؤ مل کر ہم منائیں جشن میلاد رسول
آج کے دن مالک خلد بریں پیدا ہوئے

کچھ جھنڈے اور جھنڈیاں تیار ہوئیں اور ۱۲؍ ربیع الاول کی صبح کو آگے آگے مولوی علی احمد صاحب اور ان کے ساتھ ہی قاری محمد عثمان صاحب نعت خواں جماعت کے سربراہ اور چند خوش گلو طالب علم مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے گھوم آئے، آئندہ سال سے اس جلوس میں قصبہ والوں کا اشتراک بھی بھرپور رہا اور گیارہ کی شام کو ایک جلسہ بھی ہونے لگا۔

اس انجمن کے ذرائع آمدنی میں فیس ممبری، ماہانہ چندہ اور دارالمطالعہ کی یومیہ فیس تھی، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کے برابر تھا، اس کا ذریعۂ آمدنی مبارک پور کے سنی مسلمانوں کی وہ دریادلی تھی جو ضرب المثل ہے، یہ تھی انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ کی ابتدا، تب سے اب تک زمانے نے کتنی کروٹیں بدلیں، اس پر بھی عروج و زوال کے کئی دور آئے، ایک دفعہ لائبریری ختم ہوگئی اور اس کی ساری کتابیں خرد برد ہوگئیں،

صرف ”سیرۃ النبی اور مستشرقین“ موجود رہی۔

اس کے بعد از سر نو لائبریری کی ترتیب ہوئی جو ۲۸؍ سال سے روز افزوں ترقی پر ہے، دیگر پروگرام بھی بڑھتے اور گھٹتے رہے لیکن جلوس و جلسہ عید میلاد النبی اپنی آب و تاب اور شان و شکوہ میں روز افزوں ہی رہا۔ [۱]

مبارک پور کے جلوس عید میلاد النبی کی انفرادیت:

ولادتِ سید کونین کی خوشی یوں تو تمام عالم اسلامی میں منائی جاتی ہے، مسلم ممالک اپنے شاہانہ کروفر سے بارہویں شریف کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے محسنِ حقیقی کی یاد مناتے ہیں جس کی بعثت عالم انسانیت کے لیے رب کائنات کا سب سے بڑا احسان ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا:

ترجمہ: خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا جب ان کے پاس پیغمبر بھیجا۔

ہندوستان میں اگرچہ کلمہ پڑھنے والے لاکھوں نہیں کروڑوں میں شمار ہوتے ہیں، مگر فکر و نظر کی بے اعتدالی نے انھیں خداوند قدوس کے سب سے عظیم احسان سے چشم پوشی پر آمادہ کر دیا ہے، پھر بھی ہزار کوششوں کے باوجود ایمان دار طبقہ اپنے سینے سے اس مبارک دن کی عظمت کو محو نہ کر سکا۔

آج بھی جب بارہویں ربیع الاول کا سورج طلوع ہوتا ہے تو بے شمار اہل ایمان، محسن انسانیت کے حضور درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے نظر آتے ہیں، مبارک پور کے مسلمان اس بارے میں ممتاز اور نمایاں ہیں، یہ مبارک تاریخ ان کے لیے عید سعید سے کم نہیں، بچہ بچہ نئے لباس میں ملبوس نبی کے نام کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لیے صبح کی پہلی کرن کے ساتھ گھر سے نکل پڑتا ہے، اجالا ہوتے ہوتے ”باغ فردوس“ کے چاروں طرف نبی کے متوالوں کا ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے۔

دیکھیے! ہر محلہ کی انجمنیں انجمن اسلامیہ لال چوک، انجمن غوثیہ پرانی بستی، انجمن علی نگر اپنے نعت خوانوں کے ساتھ اشرفی روڈ پر پہنچی ہوئی ہیں، مغربی روڈ سے انجمن اظہار حسینی پورا رانی، انجمن اتحاد المسلمین پورہ صوفی، انجمن ہاشمیہ پورہ صوفی، انجمن حیدر آباد اپنے ممبران کے ساتھ آ رہی ہیں، شمال کی طرف سے انجمن رونق اسلام پورہ باغ، انجمن پرانی بستی چلی آ رہی ہیں، انسانوں کی بھیڑ ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں، دار العلوم اشرفیہ

---

(۱) انجمن کی روداد، ص: ب، شائع شدہ ۱۳۸۷ء

کے صدر گیٹ سے انجمن کا "پرچم قیادت" نکلا اور تکبیر کی ضرب نے حاضرین کی رگوں میں خون کی گردش تیز کردی، جلوس روانہ ہوا، نظم خوانوں کے نعتیہ قصیدے پورے ماحول پہ چھائے ہوئے ہیں، حاضرین متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درود پاک کا ورد کرتے ہوئے قدم بقدم بڑھ رہے ہیں، اس جلوس میں ڈھول تاشے کی بے ہنگم بدعت کے بجائے اسلام کی روایتی سادگی کار فرما ہے، اسی سج دھج کے ساتھ جلوس مختلف سڑکوں اور راستوں سے ہوتا ہوا کئی شب و روز گزرنے کے بعد اختتام پذیر ہوتا ہے۔

اب قصبہ کی انجمنیں اپنا چندہ انجمن اہل سنت اشرفی دارالمطالعہ کو دیتی ہیں، اس وقت بھی وہی نعت خوانی کا سماں اور مشتاقوں کا ازدحام، اس کے بعد جلوس میں ملنے والے ظروف، پنکھے اور دیگر سامان مجمع عام میں نیلام کیے جاتے ہیں، مگر اس نیلامی کا انداز اور جگہوں سے نرالا ہوتا ہے، ہر جگہ سامان کی وقعت کے لحاظ سے بولی بولتے ہیں اور یہاں حال یہ ہے کہ لکڑی کی تیلی اور دھاگے سے بنے ہوئے ایک ایک پنکھے پر تیس اور چالیس روپے کی بولی بولنا عام بات ہے۔

غور کیجیے تو ان کی زندگی کا ہر اقدام اشرفیہ کا فروغ اور اس کی ترقی کو پیش نظر رکھتا ہے۔

دارالمطالعہ:

ہر علمی طبقہ میں چاہے وہ سیاسی ہو یا مذہبی، لائبریری ایک اہم حیثیت رکھتی ہے، جس سے استفادہ کرکے انسان فکری اور عملی صلاحتیں پیدا کرتا ہے، مذہبی انقلاب کی تاریخ میں سیاسی، سماجی، معاشرتی، ثقافتی اور تمدنی، تمام شعبوں کی معلومات ضروری ہوتی ہے، اسی نظریہ کے ماتحت اشرفی دارالمطالعہ قائم کیا گیا، جس میں تفسیر، حدیث، سیرت، سوانح، تاریخ، سیاسیات، ادبیات، طب، دواوین، فلسفہ اور منطق پر کتابوں کا ایک معتدبہ ذخیرہ ہے، یہ کتابیں اردو، فارسی اور عربی، تینوں زبانوں میں ہیں اس کے علاوہ رسالے، جریدے، اخبارات بھی ملک اور بیرون ملک سے منگائے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ طلبا کو اسلامی اصول حیات کے ساتھ ساتھ ترقی پسند زمانے کے مزاج سے مناسب اور غیر مضر انداز میں ہم آہنگ ہونے کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ مستقبل میں قدیم و جدید تمام گمراہیوں سے نپٹنے اور مصلحانہ قدم اٹھانے کے لائق بن سکیں، انجمن کے پاس کتابوں کا خاصا ذخیرہ ہے۔

ان کے علاوہ روز نامہ اور ہفتہ وار اخبارات، ماہ نامہ، رسالے اردو، فارسی، عربی، ہندی اور انگریزی میں ملک اور بیرون ملک سے آتے ہیں۔

مشقی جلسے:

افہام وتفہیم کی تحریری اور تقریری صلاحیت کے بغیر علم ودانش کی کوئی وقعت نہیں رہتی، انجمن اہل سنت کے زیر اہتمام ہر پنجشنبہ کو کئی کئی جماعتوں میں جلسے منعقد ہوتے ہیں جن میں طلبہ فن خطابت کی مشق کرتے ہیں، مقالے پڑھے جاتے ہیں، مذہبی عنوانات پر مباحثوں کی تمرین کرائی جاتی ہے، اس طرح طلبہ کی ہر نہج سے خاصی تربیت ہو جاتی ہے اور وہ دینی خدمت کے لیے پہلے ہی سے آزمودہ کار سپاہی بن جاتے ہیں۔

روحانیت

شفیق استاذ

مولانا قاری رضاء المصطفیٰ امجدی نیومیمن مسجد کراچی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا قاری رضاء المصطفےٰ اعظمی مصباحی حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے فرزند اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مخلص شاگردوں میں سے تھے۔

ولادت: آپ کی پیدائش ۱۹۲۴ء میں قصبہ گھوسی ضلع مئو میں ہوئی۔

حفظ قرآن اور متوسطات تک کی تعلیم دار العلوم عربیہ حفیظیہ سعیدیہ دادوں علی گڑھ میں حاصل کی، تجوید وقرات مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں پڑھی، درس نظامی کی تکمیل دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس کو مشغلہ بنایا، پہلے ضلع دیوریا میں پھر دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع بلرامپور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۸ء میں پاکستان چلے گئے اور کراچی کے نیومیمن جامع مسجد میں امام وخطیب رہے۔ ساتھ ہی دار العلوم امجدیہ کراچی میں شعبہ تجوید و قرات کے استاد بھی رہے۔

درج ذیل کامیاب تصنیفی بھی یادگار چھوڑی ہیں:

(۱) قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی (۲) تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ (۳) مدنی قاعدہ

وفات: ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

والدین کا تعلق اولاد کے ساتھ جسمانی ہے؛ اس لیے ان کی شفقت اولاد کے ساتھ فطری ہوتی ہے، استاد کا رشتہ اپنے تلامذہ کے ساتھ علمی وروحانی ہوتا ہے؛ اس لیے مخلص ومہربان استاد اپنے تلامذہ کو علم ومعرفت کی انتہائی بلندیوں پر فائز کرنے کے لیے اپنے خون جگر سے ان کی تربیت کرتے ہیں، سیدی واستاذی حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز اپنے تلامذہ کے لیے کرم بالائے کرم تھے، اجمیر شریف میں جب حضرت

صدر الشریعہ ابو العلا حکیم امجد علی علیہ الرحمۃ کے پاس زیر تعلیم تھے، اس وقت انھوں نے مجھے گود کھلایا، جب مبارک پور جامعہ اشرفیہ میں صدر المدرسین ہو کر تشریف لائے تو میری عمر سات سال تھی، میں درجۂ حفظ میں داخل تھا، مگر میری رہائش اور طعام کا حضرت سیدی حافظ ملت قدس سرہ نے اپنے پاس انتظام فرمایا تھا، ان دنوں بچپن کی وجہ سے اکثر وبیش تر میں گھنٹوں لاپتا رہتا تھا، مگر جب تک مجھے تلاش کرا کے گھر نہ بلا لیتے، کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، پھر جوانی میں ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۸ء تک حضرت کی خدمت میں رہا، اس دوران بھی تعلیم وتربیت کا جو اہتمام فرمایا اس کا اجر اللہ تعالیٰ حضرت استاذی قبلہ کو عطا فرمائے، پاکستان سے جب میں گھر پہنچتا تو مجھ سے ملنے کے لیے دوسرے ہی روز حضرت قادری منزل تشریف لاتے، بارہا میں نے درخواست کی کہ حضور میں تو خود حاضر ہونے والا تھا، تو فرماتے مجھے خود آکر ملاقات کرنے سے مسرت حاصل ہوتی ہے، بسا اوقات حضرت چھوٹے چھوٹے جملوں میں نصیحت فرمایا کرتے تھے اور جب بھی ناصحانہ انداز میں کوئی بات فرماتے تو حضرت کی گویائی میں اس قدر تاثر ہوتا جیسے کہ مخاطب کے دل پر آہستہ آہستہ نصیحت نقش فرما رہے ہوں، یہی وجہ ہے کہ اکثر نصیحتیں اب بھی میرے دل پر نقش ہیں، حضرت کی اجازت سے ۱۹۴۸ء سے میں پیچپڑوا ضلع گونڈہ مدرسہ فضل رحمانیہ میں تدریس کے لیے گیا، تقریباً تین سال کے بعد کچھ زیادہ تنخواہ پر دوسری جگہ میں نے جانے کا ارادہ ظاہر کیا، فرمانے لگے: **" ان شاء اللہ تعالیٰ یہیں برکت ہوگی "**۔

پھر ایک سال کے بعد میں نے عرض کی کہ حضرت فلاں جگہ مجھ کو زیادہ تنخواہ دینے کے لیے کہہ رہے ہیں تو فرمایا: **"یک در گیر، محکم گیر"**۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی بھر پیچپڑوا رہنے کا فیصلہ کر لیا، پھر اتفاق سے پاکستان منتقل ہونا پڑا یہاں بھی دو تین سال کے بعد بیرون ممالک کے لیے بہت ہی زیادہ تنخواہ پر مجھ کو بلایا گیا مگر لاشعوری طور پر حضرت کے الفاظ **"یک در گیر، محکم گیر"** آج تک کانوں میں گونج رہے ہیں اور آج پاکستان کی جدید مساجد میں سب سے بڑی جامع مسجد جونیو میمن مسجد بولٹن مارکیٹ کراچی کے نام سے مشہور ہے، اس میں مجھ کو ۲۱/واں سال ہے، یہ میری زندگی کی دوسری ملازمت ہے، یہ نصیحت حضرت والد گرامی صدر الشریعہ حکیم محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلامذہ کو کیا کرتے تھے، چناں چہ مبارک پور حضرت حافظ ملت پر معاشی اعتبار سے انتہائی شدت وکرب کا وقت بھی آیا، مگر والد صاحب قبلہ نے وہاں سے جانے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ **"یک در گیر، محکم گیر"** یہی وجہ ہے کہ اکثر حضرت کے تلامذہ اس نصیحت پر کار بند ہیں۔

حافظ ملت قبلہ کی ناسازی طبیعت کے بارے میں مسلسل معلومات ہندوستان سے آ رہی تھیں، خیال تھا

کہ حضرت صحت یاب ہوجائیں گے کہ اچانک ۲۰/ اپریل ۱۹۷۶ء کا لکھا ہوا خط مجھ کو موصول ہوا۔

محب من، ذوالمجد والفضل والعزوالکرم حضرت مولانا قاری رضاء المصطفےٰ صاحب زیدت معالیکم!

السلام علیہ ورحمۃ اللہ مزاج شریف؟

میں عرصۂ دراز سے علیل ہوں، علاج کے لیے بلرام پور گیا تھا، واپسی پر آپ کا محبت نامہ نظر نواز ہوا، آپ کے آپریشن کی کامیابی کے لیے دعا ہے کہ مولائے قدیر جلد از جلد کامل صحت عطا فرمائے اور دعا ہے کہ مولائے کریم شفائے کامل عاجل عطا فرمائے اور ہمیشہ ہمیشہ بصحت و سلامتی مع متعلقین کے شاد و آباد رکھے، آپ حضرات کی خوش حالی باعث مسرت و شادمانی ہے، مولائے قدیر مزید کرم فرمائے، محب محترم جناب مفتی ظفر علی صاحب زید مجدہم کے کارخانے کا حال معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی، مولا تعالیٰ مزید برکتیں، عظمتیں عطا فرمائے، مفتی صاحب کو مع متعلقین کے شاد و آباد رکھے، حضرت مولانا ازہری صاحب دامت برکاتہم و جناب مولانا مصلح الدین صاحب کی خیریت معلوم ہو کر خوشی ہوئی، ان حضرات کی کامیابی، سرفرازی، بلند اقبالی باعثِ صد مسرت ہے، خداوند قدوس مزید توفیق رفیق بخشے۔

بہت ضروری اور اہم بلکہ اہم الاہم گزارش یہ ہے کہ زمانۂ دراز سے آپ کی ایک امانت میرے پاس رکھی ہے، اب میں اس کی حفاظت سے عاجز ہوں، ہم لوگ غریب، اسی حالت میں دوبار چوری ہوگئی لیکن ابھی تک وہ امانت محفوظ ہے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ جلد از جلد تحریر فرمائیں کہ وہ میں کس کو دے دوں؟ اس کا ہرگز انتظار نہ کریں کہ آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو، آپ تشریف لائیں، خدا کرے یہ سلسلہ شروع ہو، اور آپ سے ملاقات نصیب ہو، لیکن امانت کے سلسلہ میں اس کا انتظار نہ کریں، جس کو فرمائیں، دے دوں گا، اگر بالفرض آپ نے خاموشی اختیار کی اور ایک مہینے تک متعین نہ فرمایا تو آج کی تاریخ سے ایک مہینہ بعد میں اس امانت کو آپ کی والدہ ماجدہ محترمہ، قادری منزل گھوسی کو دے دوں گا، ان سے وصولی کی تحریر بھی لے لوں گا، احباب کو سلام، بچوں کو دعا۔ والسلام

فقط عبد العزیز عفی عنہ

۲۰/ اپریل ۱۹۷۶ء

قارئین خود اندازہ کر سکتے ہیں، بہر حال حضرت کے اس مکتوب کے بعد مجھے ظن غالب ہوگیا کہ سفر کی تیاری آخری مراحل میں داخل ہو چکی ہے، میں نے بار بار حضرت کے الفاظ کو پڑھا اور جس قدر زیادہ پڑھا یقین

بڑھتا گیا کہ معلوم ہوتا ہے حضرت نے موت کے وقت کو بھانپ لیا ہے، چناں چہ ٹھیک اس تحریر کے چالیسویں دن یعنی ۳۱؍ مئی ۱۹۷۶ء کو حضرت حافظ ملت کا وصال ہوگیا، یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اپنے نیک بندوں کو سفر آخرت کی تیاری کا خصوصی موقع مرحمت فرماتا ہے، تاکہ دنیا سے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ، تمام ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوکر، ہلکے پھلکے آخرت کی منزل کی طرف روانہ ہوجائیں، اللہ تعالیٰ حافظ ملت کے تلامذہ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

روحانیت اور مشاہدات

مولانا کاظم علی عزیزی شیخ الحدیث تدریس الاسلام بسڈیلہ

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۹۳۲ء بمقام دیوریا لعل ضلع سنت کبیر نگر۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم علاقائی مکتب میں ہوئی، بقیہ تعلیم دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ، مدرسہ اسلامیہ میرٹھ اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی، فراغت کے بعد بھی حضور حافظ ملت کی خدمت میں رہ کر مزید معقولات و منقولات میں دسترس حاصل کی،

خدمات: میدان عمل میں آنے کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم اترولیہ، انوارالعلوم تلشی پور، انوار العلوم علیمیہ دامودر پور بہار، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی اوراخیر عمر تک تدریس الاسلام بسڈیلہ میں شیخ الحدیث کے اہم منصب پر فائز رہے۔

بات اس وقت کی ہے جب مادر علمی دارالعلوم اشرفیہ کے منصب صدارات پر فائز ہوکر حضور حافظ ملت مبارک پور تشریف لائے، افق مبارک پور پر علم وعرفان کی پرکیف گھٹائیں چھانے لگیں، اس موسم بہار کے فیضان سے علم وحکمت کے گل بوٹے کھلنے لگے، جہالت وغباوت کے اندھیرے، علم وحکمت کی لمعان سے کافور ہونے لگے، قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں فضاؤں میں نغمگی بکھیرنے لگیں اور چشمۂ علم و معرفت سے تشنگان علوم نبوت سیراب ہونے لگے اور حقائق ومعارف کی جلوہ آرائیاں طالبان عشق ومعرفت کو اپنے دامن میں لینے لگیں توخوش نصیبی سے میں بھی اسی میخانۂ علم وحکمت سے کچھ پینے کے لیے بستی سے مبارک پور پہنچا، تواسی ماحول رنگ و نور میں کھو گیا اور بے قرار دل کا قرار، بے چین طبیعت کا سکون فراہم کرنے لگا۔

ساقیان علم وحکمت میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان بھی تھے، تاہم آپ کے ساغر علم وحکمت خواہ سفر ہو یا حضر، ہر فرد ملت پر یکساں طور پر چھلک رہے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ حضرت بھاؤل پور [ضلع سدھارتھ نگر] کے جلسہ میں تشریف لے جانے والے تھے، حضرت کی نگاہ انتخاب نے کفش برداری

کے لے عقیدت کیش ہی کو منتخب کیا، چوں کہ سالانہ امتحان بالکل قریب تھا، اس بنا پر حضرت کی طلبا نواز ذہنیت کچھ کتب درسیہ ہمراہ لے چلنے کے لیے مصر ہوئی، جس میں خاص طور سے منطق کی ایک معرکۃ الآرا کتاب ”حمد اللہ“ جو حضرت کے یہاں ہو رہی تھی، بہر حال سفر کا آغاز مبارک پور سے ہوا، بذریعہ ٹرین مئو پہنچے، مئو ٹرین پر سوار ہوئے، مسافروں کی کثرت ہجوم سے کہیں جگہ نہ مل سکی، بالآخر بینچ کے کنارے بکس رکھ کر اسی پر بستر چوڑا کر کے بچھا دیا، بعدہ حضرت سے عرض کیا کہ حضور! تشریف رکھیں، حامل النعل اسی بکس سے متّصل نیچے بیٹھ گیا، میرے اصرار پیہم پر حضرت نے آرام فرمایا، تھوڑی ہی دیر بعد حضرت کی آنکھ لگ گئی اور میں ”حمد اللہ“ کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا، دوران مطالعہ میں مغلقات کتاب حل کرتا جاتا مگر صورت حل پر نئے اشکال پیدا ہوتے رہتے اور اپنی کاوش کو لاحاصل سمجھتا، اس عالم میں غیر ارادی طور پر میری گردن حضرت کی جانب مڑ جاتی ہے، معاً حضرت بیدار ہو کر ہوش میں آجاتے اور اپنی خداداد قوت باطنہ سے صورت حال سمجھ جاتے اور فوراً ارشاد ہوتا: ”کیوں! اشکال پیدا ہو رہا ہے؟ فلاں اشکال کا دفع یہ ہے اور فلاں اشکال کا حل یہ ہے۔“

”حمد اللہ“ جیسی کتاب پڑھنے پڑھانے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ مطالعہ کے وقت ان پر کیا گزرتی ہے، یہ بھی واضح رہے کہ عبارات کے نفس مطالب میں اشکال نہ تھا، بلکہ مفاہیم عبارات میں میرے اپنے ذہنی اشکال تھے جو خود اپنے ذہن کی پیداوار تھے، بلکہ اظہار حقیقت کے پیش نظر نہ کہنا ناشکری ہوگی کہ یہ صلاحیت بھی حضرت کی عنایات کی رہین منت ہے، اب ایسی شکل میں ذہن کے کھٹکوں سے واقف ہونا کتنی اہم بات ہے، مزید براں ذہنی اشکال کو دور کرنا یہ فیضان الٰہی نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟ واقعتاً حضرت اپنی کنیت کے مطابق ابوالفیض تھے۔

اس سفر میں ہم مئو سے بھٹنی جنکشن پہنچے، بھٹنی سے میل پکڑ کر ہم کو بستی آنا تھا، اس زمانے میں تقریباً تین بجے یہ ٹرین بھٹنی سے چھوٹتی تھی، یہاں بھی وہی حالت پیش آئی کثرت اژدحام کے باعث یہاں بھی ٹرین میں کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی، بادل ناخواستہ کسی طرح ایک بوگی میں گئے خدا خدا کر کے دیوریا جنکشن پہنچے۔

لیلائے شب رخصت ہو رہی تھی، سپید سحر نمودار ہو رہا تھا، نسیم سحر ہولے ہولے چل رہی تھی، ہجوم کی وہی سابقہ حالت تھی کہ اندر سے باہر اور باہر سے اندر آنے جانے کی کوئی صورت ہی نظر نہ آتی، لیکن حضرت نے (بغیر ماحول سے متاثر ہوئے) فرمایا کہ ”فجر کا وقت ہو گیا ہے نماز کے لیے وضو کرنا چاہیے۔“ ایسے وقت میں جب کہ باہر نکلنا اور اندر آنا دشوار ہو، عام طور پر دل پر جو گزرتی ہے ہر شخص محسوس کرتا ہے، باہر نکلنا تو بڑی بات،

قضاے حاجت کے لیے بھی ہمت نہ کرے گا، مگر حضرت ہیں کہ باہر نکلنے اور وضو فرمانے کے لیے بالکل تیار۔
میرے دماغ نے بھی ایک بوجھ محسوس کیا، مگر سوے ادبی کے خیال سے خاموش رہا، آپ تشریف لے گئے، وضو فرمایا اور پلیٹ فارم پر خالق کائنات کی یاد میں مشغول ہو گئے، ادھر ٹرین نے سیٹی دی اور چل پڑی، ایسی حالت میں مجھ پر کیا گزری، ان اضطرابوں کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنے سے قاصر ہوں، انتہائی بے بسی، پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتا رہا اور ورطۂ حیرت میں پڑ کر روح فرسا موجوں کی چوٹ کھاتا رہا، میری قوت فیصلہ نے بھی جواب دے دیا، اگر زنجیر کھینچتا ہوں تو ارباب سفر ہوش و خرد سے بے گانہ تصور کریں گے، یہ خیال آتے ہی زنجیر کی طرف بڑھے ہوئے ہاتھ از خود دور ہٹ گئے، ٹرین سگنل پار کر گئی اور دو میل آگے بڑھ کر اپنی بھرپور رفتار میں آگئی، شان قدرت کی غیبی، روحانی طاقت نے یک بیک برق رفتار ٹرین میں بریک لگا دی، گویا ایک قسم کا جمود طاری ہو گیا جو ٹس سے مس نہ ہو سکا، ڈرائیور نے پوری قوت صرف کر دی، ہر ممکن تراکیب استعمال کیے، لیکن گاڑی نے آگے بڑھنے کا نام نہ لیا، آخر میں مجبور ہو کر ٹرین واپس لانا پڑا، اب ٹرین پلیٹ فارم پر واپس آگئی اور ٹھیک اسی جگہ ہماری بوگی لگی جہاں پہلے تھی، میں نے دیکھا حضرت تشہد میں بیٹھے ہوئے ہیں ادھر ٹرین کے گارڈ مع ڈرائیور اور دیگر عملہ گاڑی کا معائنہ کر رہے ہیں، لیکن نہ گاڑی میں کوئی خرابی نظر آئی نہ لائن میں، جب حضرت نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ نیاز ادا کر کے نماز پوری کر لی تو اپنی مخصوص رفتار سے ٹرین میں تشریف لائے، سارے مسافرین حیرت زدہ ہو گئے اور چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ ٹرین کیوں رکی؟ سبھوں نے ٹرین رکنے کا سبب دریافت کر لیا اور بے ساختہ پکار اٹھے کہ قربان تیرے، اے بڑھؤ! تو گدڑی میں اتنا قیمتی لعل چھپا ہوا تھا، غیر مسلم ہم سفروں نے یہ کہا کہ یہ تو بابا کی پوجا کا اثر ہے اور دیر تک مدح و ستائش کے پھول برساتے رہے، بلا شبہہ یہ حضرت کی ایک کھلی اور واضح کرامت ہے جس پر میرا ذاتی مشاہدہ ہے، میری نگاہوں نے اس قسم کے بے شمار واقعات بذات خود دیکھے ہیں، جسے ان شاء اللہ مستقبل قریب میں زیب قرطاس کروں گا۔

حافظ ملت کے علمی اور روحانی کارنامے

مولانا نصیر الدین صاحب استاذ الجامعۃ الاشرفیہ

تعارف مقالہ نگار:

حضرت علامہ نصیر الدین صاحب قبلہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور جامعہ اشرفیہ کے سابق استاذ ہیں۔

ولادت: ۱۹۴۹ء بمقام ٹاٹی دری ضلع گڑھوا جھارکھنڈ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم علاقائی مکتب اعدایہ اور اولیٰ مدرسہ عین العلوم، گیا اور بقیہ تعلیم تخصص فی المعقولات تک جامعہ اشرفیہ میں حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد دار العلوم شمس العلوم گھوسی اور اس کے بعد ریٹائرمنٹ تک جامعہ اشرفیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، حضرت کو حافظ ملت کی بارگاہ میں بڑا قرب حاصل تھا، حافظ ملت نے دعا و تعویذ کے لیے آپ کو ہی منتخب کیا تھا، فی الحال سون بھدر میں ایک ادارہ ”الجامعۃ القادریہ“ کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔

ہر دور میں مذہبی قیادت کے افق پر ایک سے ایک آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے، عہد حاضر کے قائدین علم و اخلاق میں استاذ العلما حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی شان عجیب انفرادیت کی حامل نظر آتی ہے، وہ کشور علم کے ایسے تاجور تھے جن کی خداداد شوکتوں کے پرچم لہرا رہے تھے، وہ بارگاہ رسالت کے ایسے عاشق جاں باز تھے جنھوں نے ہوا کی زد پر چراغ محبت کو روشن رکھا، یقین کی آنکھیں روشن کرنی ہوں تو واقعاتِ ذیل پڑھیے:

رفعت علم (ناگ پور میں ایک تاریخی تقریر):

۱۳۶۱ھ میں علوم دینیہ کی تدریس کی خاطر جب حافظ ملت کا ورود مسعود ناگ پور میں ہوا تو تھوڑے ہی

عرصہ میں پوری سرزمین ناگ پور آپ کے انوار علم سے جگ مگا اٹھی اور شش جہات میں دین ودانش کے جلوے بے نقاب ہوگئے، انھی دنوں کا ذکر ہے کہ شہر کے ایک کالج میں عید میلاد النبی ﷺ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں شہر کے معززین، عمائدین، ایڈوکیٹ، بیرسٹر اور کالج کے پروفیسر بھی موجود تھے۔

وہ وقت بڑی آزمائش کا ہوتا ہے جب مختلف ماہرین فن کے سامنے اپنے فکری شہ پاروں کو پیش کرنا ہوتا ہے، مگر حضور استاذ العلما اتنے بلند پایہ عالم اور خطیب تھے کہ کسی موقع پر بھی کسی قسم کی مرعوبیت کے شکار نہیں ہوتے تھے۔

آپ نے آغاز خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: حضرات! جب امام انبیا، سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہوئے توصحن عالم میں ان کا پہلا قدم انسانیت کی معراج کمال پر تھا؛ اس لیے کہ عقل انسانی کے چار مراتب ہیں:

(۱)عقل ہیولانی (۲)عقل بالملکہ (۳)عقل بالفعل (۴)عقل مستفاد

جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی عقل کو "عقل ہیولانی" کہتے ہیں، عقل اس منزل میں علم وادراک سے یک لخت خالی ہوتی ہے اور جب کچھ بڑا ہو کر شعور کی آنکھیں کھولتا ہے اور بدیہی اشیا کا علم حاصل کرلیتا ہے تو اس وقت اس کی عقل کو "عقل بالملکہ" کہتے ہیں، اس منزل میں عقل کے اندر اکتساب نظریات کی استعداد پیدا ہوجاتی ہے اور جب انسان ایک طویل زمانہ تک تجربات اور مشاہدات میں زندگی گزارتا ہے اور نظریات کا علم حاصل کرلیتا ہے تو اس وقت اس کی عقل کو "عقل بالفعل" کہتے ہیں، اس منزل میں عقل کے خزانے میں بے شمار نظریات اکٹھے ہوجاتے ہیں اور جب انسان کے نزدیک بدیہیات اور نظریات واضح اور روشن ہو کر موجود رہتے ہیں تو اس وقت اس کی عقل کو "عقل مطلق یا عقل مستفاد" کہتے ہیں۔

جب انسان عقل کا یہ آخری درجہ حاصل کرلیتا ہے تو کامل کہلاتا ہے اور حق اللہ و حق العبد کی صحیح معرفت کو پہنچتا ہے، پھر اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو تو ان حقوق کو بحسن و خوبی ادا کرپاتا ہے مگر محبوب رب العالمین ﷺ جب اس خاک دان عالم میں جلوہ افروز ہوئے تو اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوگئے اور بخشش امت کی دعائیں کرنے لگے اس وقت سر اقدس سجدہ میں تھا اور زبان مبارک پر **"رب ھب لی امتی، رب ھب لی امتی"** کے پاکیزہ کلمات تھے۔

سر سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ شہ نے عرض کی

یارب ھب لی امتی یارب ھب لی امتی

اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا ادائگی حق اللہ کی روشن دلیل ہے اور بخشش امت کی درخواست پیش کرنا ادائگی حق العبد کی ناقابل انکار حجت ہے اور حقوق کی ادائگی ان کے علم کے بغیر ممکن نہیں ہے؛ لہذا ثابت ہوجاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو صحن عالم میں جلوہ افروز ہونے کے وقت ہی وہ تمام مراتب علی وجہ الکمال حاصل ہو چکے تھے جو انسانیت کمال کے لیے ضروری ہیں، اسی لیے کہتا ہوں کہ حضور کا فرش گیتی پر پہلا قدم انسانیت کی معراج کمال پر تھا، مجمع پر مکمل سکوت طاری تھا کبھی کبھی دیوانگان عشق جھومنے لگتے تھے اور اہل دانش و بینش حیرت سے منہ تک رہے تھے۔

اس جان دار تمہید کے بعد دو گھنٹہ تک سحاب علم وفضل ٹوٹ ٹوٹ کر برستا رہا اور حاضرین باران عشق وعرفان میں شرابور ہوتے رہے، جب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے، راستے بھر چرچا کرتے رہے کہ حضرت مولانا بڑے فلسفی معلوم ہوتے ہیں، پھر نہ پوچھیے صبح کو پورے شہر میں تقریر کی دھوم مچی ہوئی تھی، ارباب علم ودانش کی زبان پر یہ تھا:

کہاں چھپا تھا یہ گوہر مجھے معلوم نہ تھا

ندرت استدلال

اس کے بعد ناگ پور شہر کے قلب میں ایک عظیم الشان جلسۂ سیرت کا پروگرام ہوا جس میں بحیثیت مقرر کچھ پروفیسر اور جدید تعلیم یافتہ حضرات مدعو تھے، چوں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی پہلی تقریر سے پورا تعلیم یافتہ طبقہ بے حد متاثر تھا؛ اس لیے حضرت کو بھی دعوت دی گئی تھی، ایک وسیع میدان میں بہت ہی روح پرور اجتماع ہوا، ایک فاضل مقرر نے دوران تقریر یہ کہ دیا کہ جب نئی روشنی اور پرانے خیالات کے افراد مجتمع ہوتے ہیں تو اظہار مافی الضمیر میں بڑی دشواری ہوتی ہے، حضرت کی تقریر سب سے آخر میں رکھی گئی تھی، پورا مجمع تقریر کے لیے محو انتظار تھا، حضرت نے خطبہ کے بعد آیت کریمہ:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ"

تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میری تقریر کا عنوان "نئی روشنی اور پرانے خیالات" ہے۔

یہ سنتے ہی سامعین چونک پڑے، پھر ارشاد فرمایا اس زمانہ میں جسے پرانا خیال سمجھا جاتا ہے وہ در حقیقت نور ہی نور، روشنی ہی روشنی ہے اور جسے نئی روشنی کہا جاتا ہے وہ دراصل تاریکی ہی تاریکی، اندھیرا ہی اندھیرا بلکہ پرانا اندھیرا ہے؛ اس لیے کہ کلام کی حیثیت متکلّم سے قائم ہوتی ہے جس پر "کلام الامام امام الکلام" کا محاورہ شاہد عدل ہے، اللہ تعالیٰ قدیم ہے ازلی ہے اس کی شان اَلاٰن کماکان ہے؛ اس لیے اس کا کلام محکم نظام بھی قدیم ہے ازلی ہے، اس پر مرور زمانہ کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا، اس کی نورانیت کبھی بھی مدھم نہیں ہوسکتی، وہ کبھی پرانا نہیں ہوسکتا ہے اس کی بھی شان اَلاٰن کماکان ہے۔

اس کے برخلاف مخلوقات میں کتنے ہی بڑے دانش ور اور محقق زمانہ کا قول و نظریہ کیوں نہ ہو، مرور زمانہ سے متاثر ہوتا ہے، حوادثات کا شکار ہوتا ہے اور اس میں ترمیم و تنسیخ کی پوری صلاحیت ہوتی ہے، وہ اپنے کو ضعیف اور پرانا ہونے سے بچا نہیں سکتا ہے؛ کیوں کہ اس کا قائل حادث ہے، محدود نظر اور محدود عقل رکھتا ہے، لہذا مذہب کے لافانی اور زندۂ جاوید حقائق کو پرانا خیال کہنا کسی طرح بھی میزان عقل میں درست نہیں ہے۔

اس مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ دلائل و براہین سے مزین کرکے اس طرح علم و حکمت کے لعل و گوہر لٹائے کہ تمام دانش وران شہر انگشت بدنداں تھے۔

اب حضرت استاذ العلما کی جلالت شان اور شوکت علم کا پرچم پورے شہر پر لہرا رہا تھا، علم و دانش کے بڑے بڑے کج کلاہوں نے ان کی خداداد عظمت کے سامنے اپنی کلاہ سروری رکھ دی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز شہر کے عظیم دانش ور، بیرسٹر محمد شریف صاحب خدمت عالی میں تشریف لائے اور بکمال ادب عرض کیا: "حضور! مجھے تفسیر پڑھا دیں"۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ گورکھ پور میں ایک عظیم الشان جلسۂ سیرت النبی ﷺ کا پروگرام تھا جس میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے علاوہ حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ، حضرت مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی اور ملک کے دیگر مقتدر علماے کرام تشریف لائے تھے، نماز جمعہ سے پہلے حضرت اعظمی صاحب نے جامع مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر تقریر فرمائی، کچھ دنیا دار مولویوں نے پورے شہر میں آگ لگادی کہ مسجد میں کرسی پر بیٹھنا خانۂ خدا کی گستاخی اور توہین کا موجب ہے، علماے اہل سنت نے اللہ کے گھر کی توہین کی ہے، اراکین جلسہ اس شرانگیزی سے بے حد تشویش میں مبتلا ہوگئے، ایڈوکیٹ جناب اقبال

احمد صاحب نے حضرات علماے کرام کو صورت حال سے آگاہ کیا، تمام مسند نشینوں نے متفقہ طور پر جوابی تقریر کی، ذمہ داری حضرت کو سونپ دی، یہیں سے یہ حقیقت بھی آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہوگئی کہ حضور حافظ ملت اقران و معاصرین میں بھی دقیق النظر، متبحر عالم اور بلند پایہ خطیب متصور ہوتے تھے۔

حضرت استاذ العلما نے نہایت پر وقار لہجہ میں ارشاد فرمایا:

مجھے اہل گورکھ پور خصوصاً تعلیم یافتہ حضرات پر حیرت ہو رہی ہے کہ دین کا ایسا بدیہی اور واضح مسئلہ بھی انھیں معلوم نہیں ہے، احادیث کریمہ سے ثابت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے خاص مسجد نبوی شریف میں منبر منور لگواتے اور مداح نبی سیدنا حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ محضر صحابہ میں اسی منبر پر رونق افروز ہوکر حضور کی تعریف و توصیف کرتے اور کفار کا رد بلیغ فرماتے، حضور سید عالم ﷺ فرط مسرت سے "ایدك الله بروح القدس" کے نغمۂ جاں فزاں سے ان کی تحسین فرماتے، بس اسی قدر سے مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کا ذکر جمیل سنانے کا جواز پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے اور بحیثیت مفتی میری ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے لیکن تبرعاً اور احساناً مسلم شریف کی حدیث ذیل (یا باختلاف روایت اُسی کے ہم معنی حدیث) پڑھی:

قال ابو رفاعة انتهيت إلى النبى صلى الله عليه وسلم وهو يخطب، قال فقلت: يارسول الله! رجل غريب جاء يسئل عن دينه لايدرى مادينه قال فاقبل علىّ رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبته، حتى انتهى لىّ فأُتى بكرسى حسبت قوائمه حديداً قال فقعد عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل يعلمنى مما علمه الله ثم أَتى خطبته فأتم آخرها.[1]

روحانی تصرفات:

(۱) کہتے ہیں کہ حاجی خلیل احمد صاحب ساکن محلہ پرانی بستی، مبارک پور کے شیعہ سنی فساد میں ناحق ملوث کر دیے گئے تھے، اعظم گڑھ ججی سے مدت العمر قید کا فیصلہ بھی ہوچکا تھا اور وہ بنارس جیل میں قید و بند کی زندگی گزار رہے تھے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ قصبہ کے تمام مظلوم بالخصوص ان کی جدائی سے بے حد ملول خاطر رہتے تھے،

(۱) مسلم شریف، جلد اول، ص:۲۸۷

ہندوستان کی دھرتی سے مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر آرزوؤں اور التجاؤں کے نہ معلوم کتنے وفود بھیجے تھے کہ بہت دنوں تک جیل کی سختیاں جھیلنے کے بعد مظلوموں کا قافلہ ضمانت پر مبارک پور میں نازل ہوا تھا۔

جیل سے واپسی کے بعد حاجی خلیل احمد صاحب نے اپنے مرشد کے قدموں کی برکات حاصل کرنے کے لیے زبدۃ العرفا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو اپنے گھر قدم رنجہ فرمانے کی زحمت دی تھی، نہ معلوم مرید صادق کی کون سی ادا اس عارف حق کو پسند آئی کہ زبان گوہر بار سے دامن مراد کو بھر دیا: "اب ان شاء اللہ آپ حضرات دوبارہ جیل نہیں جائیں گے"۔

ابھی حضور حافظ ملت کے یہ دعائیہ کلمات پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ بارگاہ رب العزت میں شرف قبول حاصل ہو گیا۔

انھی دنوں موصوف حاجی صاحب نے ایک خواب دیکھا جو کرب وطرب کا مجموعۂ مرکب تھا، دیکھتے کیا ہیں کہ ہم لوگ ایک کشتی میں سوار ہیں جس کا کوئی ناخدا نہیں، دریا کی طغیانی شباب پر ہے اور کشتی ہر طرح سے موجوں کے نرغہ میں آگئی ہے، موت سر پر کھڑی دیکھ کر ہم سبھی کے ہوش اڑ گئے تھے، موت وزیست کی یہ کشمکش جاری تھی کہ ناگاہ اتنے میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی صورت میں ایک بزرگ ہماری دست گیری کے لیے نمودار ہوئے اور انھوں نے ہماری کشتی کو ایک ساحل سے لگا دیا، نگاہ اٹھی تو وہ ساحل سرکار سمنانی کے روضہ اقدس کا زینہ تھا، حاجی صاحب اس یقین کے ساتھ بیدار ہوئے، ہم لوگ اپیل میں بے داغ بری ہونے والے ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد مبارک پور میں کیف وسرور کے عجیب جلوے بکھرے ہوئے تھے، ہر طرف مسرت وخوشی کی لہر دوڑ گئی اہل سنت ایک دوسرے کو تہنیت اور مبارک بادی پیش کر رہے تھے اور ایک گدائے عشق کی دل سوز دعاؤں اور عالم بالا کو پہنچنے والی آہوں کی برکتیں سر کی آنکھوں سے دیکھی جا رہی تھیں۔

حاجی خلیل احمد صاحب کے گھر چراغاں ہو رہا تھا، ملاقاتیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، اسی اثنا میں مرد حق آگاہ سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ تشریف لے آئے اور محفل کی رونق دوبالا ہو گئی، سرکار نے فرط مسرت سے حاجی صاحب کو گلے لگا لیا اور ان کی وہ سرگزشت جو افکار روزگار کے ہاتھوں طاق نسیاں کے حوالے ہو گئی تھی، ان الفاظ سے زندہ کر دی: "حاجی خلیل! تمھاری کشتی ڈوب ہی چکی تھی، لیکن رب کریم نے اسے اپنے فضل سے ترا دیا"۔

حاجی صاحب جذبات کے تلاطم سے بے قابو ہو کر قدموں سے لپٹ گئے اور عرض کرنے لگے حضور

ہی کی عنایتوں سے ہماری کشتیِ حیات، ساحلِ مراد سے ہم کنار ہوئی ہے۔

(۲) جناب قاری عبدالحکیم صاحب (دارالعلوم اشرفیہ کے سابق شیخ التجوید) بہت ہی نیک نفس اور پرہیزگار شخص ہیں، اخلاص واخلاق کے مجسمہ ہیں، بیان کرتے ہیں: ایک بار عشق مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فیضان سے قلب کی بالیدگی نے نماز تہجد کے لیے بے قراری پیدا کردی تھی اور وارفتگی شوق میں میرے قدم اپنے مرشد کامل کے کاشانۂ اقدس کی طرف بڑھ گئے کہ ان کی عبادت وریاضت کا کیف اپنے بے جان سجدوں میں جذب کرلوں، تہجد کی رکعتوں کا تعین اور اجازت حاصل کرلوں۔

شام کا وقت تھا آبادی کا ہر متنفس اپنے آرام کی فکر کررہا تھا مگر ایک وارفتہ جگر درویش کو اپنے آقا سے محو راز ونیاز ہونے کا موقع اب میسر آیا تھا، قاری صاحب دبے قدم حجرہ شریف میں داخل ہوچکے تھے سلام نیاز کی آواز سن کر امام العرفا حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ عالم مشغولیت سے عالم توجہ میں آگئے اور محبت وشفقت کے ساتھ قاری صاحب کو اپنے قریب بیٹھایا، معمول کے مطابق خیریت دریافت کی اور ارشاد فرمانے لگے:

> ”قاری صاحب! دل کا وہ آبگینہ بڑا قیمتی ہوتا ہے جو داغ عشق رسول ﷺ سے منور ہوجاتا ہے، بلاشبہہ نماز تہجد معراج عشق ومحبت کا زینہ ہے، رکعتوں کے تعین میں شہنشاہ قلوب ﷺ سے روایتیں متعدّد ہیں، مگر بزرگوں کے معمول سے آٹھ رکعت کو ترجیح حاصل ہے، یہی میرا بھی معمول ہے۔“

بغیر درخواست پیش کیے جواب سن کر قاری صاحب حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے، بارگاہ عزیزی سے جب باہر تشریف لائے تو تحیر وشادمانی کا امتزاج قابل دید تھا۔

تدریسی صلاحیت:

درس نظامیہ کی اہم اور مشکل کتابوں کو برجستہ پڑھانے پر حضور حافظ ملت کو پوری قدرت حاصل تھی، ایک بار ”قاضی مبارک“ کا درس ہورہا تھا، معمول کے مطابق درس ختم کرکے کتاب بند کرنی چاہی، ایک ذکی طالب علم نے اپنے ہمدرس کو اشاروں میں کہا کہ حافظ ملت کا مطالعہ یہیں ختم ہوگیا، حضرت نے کتاب کھول دی اور پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا، طالب علم نے اپنے مطالعہ کے مطابق عبارت پڑھی، حضرت نے اسی شان سے درس دیا، اب طالب علم نے کتاب بند کرنی چاہی، حضرت نے ارشاد فرمایا: اور پڑھو، مگر ان کا مطالعہ ختم ہوچکا تھا؛

اس لیے وہ خاموش بیٹھے رہے، حضرت نے ارشاد فرمایا: ”عبدالعزیز کو” قاضی “ پڑھانے کے لیے مطالعہ کی حاجت نہیں ہے،” بفضلہٖ تعالیٰ ایک نشست میں پوری کتاب پڑھا سکتا ہوں “۔

حضور حافظ ملت ارشاد فرمایا کرتے: دو فن ہیں جن سے آدمی قابل ہو جاتا ہے، ایک منطق اور دوسرا اصول فقہ، فنون میں حضور حافظ ملت کا پایۂ علم کس قدر بلند تھا اس واقعہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بشارت

علی جناب طیش صدیقی ایڈیٹر کلام مشرق کان پور

ولادت: ۲؍ مئی ۱۹۲۷ء بمقام کوشامبی ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے، کوشامبی کو اس وقت ضلع کا درجہ حاصل ہے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم کے بعد حفظ مدرسہ اسلامیہ سرائے عاقل میں حفظ قرآن کیا، درس نظامی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے مکمل کی،

خدمات: فراغت کے بعد صحافتی خدمات سے منسلک ہوئے، متعدّد اخبارات میں کام کیا اور کئی رسالوں کے ایڈیٹر رہے، موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ رہا کہ اخبارات یا رسائل کے ذریعے کبھی شارع علیہ السلام پر حرف نمائی کی گئی تو اس کا بھرپور رد کیا، تحفظ ناموس رسالت کے لیے صحافتی محاذ پر قلم احتجاج بلند کیا۔

وصال: ۹؍ نومبر ۲۰۱۵ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

دہلی میں ایک بہت بڑے عالم حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گزرے ہیں، میں انھی کے نام پر اس کا نام رکھتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ میرا یہ بچہ بلند پایہ عالم دین ہوگا، پاکیزہ تمناؤں، مقدس آرزوؤں اور مبارک ارمانوں کی نمائندگی اور ترجمانی کرتی ہوئی یہ بشارت کب، کس نے اور کس کے بارے میں دی؟ پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ بشارت درست ثابت ہوئی یا نہیں؟ تمنائیں پوری ہوئیں یا نہیں؟ آرزوؤں کو بروے کار آنے کا موقع ملا یا نہیں؟ اور ارمان نکلے یا نہیں؟ سوالات جائز، نتیجہ معلوم کرنے کی خواہش بجا، لیکن ایک لمحہ کے لیے غور ذرا اس پر کیجیے کہ اگر بشارت اپنے تمام تر مقدس جذبات اور نیک خواہشات کے ساتھ درست اور پوری طرح ثابت ہوئی ہو تو اندازہ لگائیے کہ کس قدر خدا رسیدہ تھے وہ بزرگ، کتنی مبارک تھی وہ زبان اور کیسی قبولیت کا تھا وہ لمحہ، جب ان بزرگ کی زبان فیض ترجمان کو جنبش ہوئی اور مذکورہ بالا الفاظ نکل کر فضا میں نہیں بکھر گئے، بلکہ ہماری ملی تاریخ کا ایک حصہ بن گئے۔

بچہ کا نام نامی اور بزرگ کا اسم گرامی جاننے کی تڑپ برحق، مگر پہلے یہ تو جان لیا جائے کہ بشارت پوری ہوئی اور کس شان سے پوری ہوئی، صاحب زادے پلنے بڑھنے لگے، ماں کی آغوش محبت میں، باپ کے سایۂ عاطفت میں اور گھر، گھرانے کے دینی اور علمی ماحول میں پہلا مکتب تو دین دار اور خدا ترس ماں کا سایۂ دامان کرم ہی تھا، کون جانے کہ بشارت کی فیض رسانیاں شیر مادر ہی کی شکل میں رگ و پے میں اثر فرما ہونے لگی ہوں، دنیا کی آنکھیں تو بس اسی حد تک پہنچ سکیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے پاک و پاکیزہ الفاظ سے زبان کو مشرف کرنے کا مرحلہ آیا تو جید حافظ قرآن پدر بزرگ وار کو "مکتب کی کرامت" کے ساتھ اپنا "فیضان نظر" بھی "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کو بشارت کی منزل کی طرف پیش رفت کرنے میں شامل کرنا پڑا، بہتر ہوگا کہ والدین کریمین کی دین داری و خدا ترسی اور گھر کے پاکیزہ ماحول کا حال خود ان شہزادے کی زبانِ قال سے سن لیا جائے فرماتے ہیں:

میرے والد ایک باخدا درویش تھے، ان پر دین غالب تھا، والدہ بھی صوم و صلوٰۃ کی پابند اور تہجد گزار تھیں، والد صاحب کا نماز سے عشق کا یہ عالم تھا کہ نمازی مہمان کی تواضع خوب کرتے اور بے نمازی کو کھانا تو کھلا دیتے لیکن ٹھہراتے نہیں تھے۔

۷/ سال کی عمر ہی سے مجھ کو نماز پڑھنے کی تاکید اور کھیل، تماشوں، میلوں، ٹھیلوں سے دور رہنے کی تلقین اور دین دار بنانے کی مساعی کی جانے لگیں، یہاں تک کہ جب میری عمر ۱۳/ سال کو پہنچی تو میں اگر چہ پکا نمازی بن چکا تھا لیکن والد صاحب فجر کی نماز کو جاتے ہوئے حسب عادت مجھے جگاتے ضرور تھے اور اگر اتفاق سے کسی دن نیند کے غلبہ سے مغلوب ہو کر میں کروٹ بدل کر سو جاتا تو نماز سے واپس آکر مجھے آواز دیتے، اب نہ صرف ہاتھ پکڑ کر جگاتے بلکہ کان پکڑ کر سیدھا کھڑا کر دیتے۔

والد صاحب کی اس تربیت کا اثر میری پوری زندگی پر یوں مرتب ہوا، اور نماز کا میں ایسا عادی ہوا کہ فجر کی نماز کے وقت بغیر کسی کے جگائے ہوئے خود اٹھ جاتا ہوں، ماہ رمضان میں معمول ہے کہ اخیر وقت سحری کھا کر سو جاتا ہوں اور وقت پر اٹھ کر فجر کی نماز با جماعت پڑھتا ہوں، والد صاحب ایک جید حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے عاشق قرآن مجید تھے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے ہر وقت قرآن مجید وردِ زبان رہتا، روزے سے شغف کا یہ عالم تھا کہ بفضلہٖ تعالیٰ سو سال کی عمر پائی مگر عمر کے آخری حصہ میں پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود موسم گرما کا بھی روزہ قضا نہ فرمایا، یہی حال تقریباً میری والدہ کا بھی تھا۔

ہم غریب تھے مگر اس کے باوجود والدہ کا یہ طریقہ تھا کہ وہ پڑوسی کا اس قدر خیال رکھتیں کہ اپنا کھانا اکثر ایک بیوہ پڑوسن کو کھلا دیتیں اور خود یوں ہی وقت گزار دیتی تھیں، یہ میرے رب کا احسان عظیم ہے کہ ایسے والدین کی آغوش کرم میں پرورش پائی۔

بے شک، بے شک محترم اور لائق صد احترام شہزادے! آپ پر آپ کے رب کا احسان عظیم ہے کہ ایسے والدین کی آغوش کرم میں پرورش پائی اور ہم پر اسی رب کریم کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے آپ کی ذات کریمانہ کی صورت میں ہم کو اپنے فضل و نعمت سے سرفراز فرمایا، کون ہے جو ملت اہل سنت سے تعلق رکھتا ہو اور آپ کی ذات پر ناز نہ فرمائے؟ کس میں یہ دم ہے کہ خود کو دین وآئین مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا خادم و خدمت گزار ظاہر کرے اور آپ کی حیات طیبہ اور سیرت مطہرہ کو عقیدت کا خراج اور محبت کا نذرانہ پیش کرنے میں بخل اور کوتاہی سے کام لے؟ اجازت ہو تو یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ رب کریم کا وہ احسان عظیم جس پر آپ ممنون و متشکر ہیں، دراصل پوری ملت کے لیے باعث امتنان و تشکر ہے۔

یہ شہزادے ہیں کون؟ پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ ایک بزرگ نے انھیں "بلند پایہ عالم دین" ہونے کی بشارت دے رکھی ہے اور دیکھیے کہ بشارت کی منزل تک پہنچانے والے راستے میں کیسے کیسے منارہ ہائے نور اور کس کس پائے کے، شجر سایہ دار، مسافر نوازی کرتے نظر آتے ہیں، والد ماجد حافظ قرآن اور عاشق کلام رحمان ہی نہیں، غلام نور بھی، نام کے اثر سے پوری طرح مستفیض اسم بامسمیٰ، پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آئے تو ناظرہ ختم کرانے کے بعد حفظ کی طرف مائل کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد حافظ قرآن بنا کر پیش کیا، راستہ طے ہوتا رہا، منزل قریب آتی رہی، تعلیم ہوتی رہی، تربیت جاری رہی، مکتب کی کرامت قدم بہ قدم، فیضان نظر درس و تدریس، پھر اس تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی کیا کہ راہ میں کون کون سے سنگ میل آئے، کن کن نقوش قدم کو رہ نما بنایا، کیسے کیسے مراحل سے گزرے، حیرت کی آنکھوں سے دیکھنے کی چیز اور تعجب کے کانوں سننے کی بات تو یہ ہے کہ سفر کی تکمیل کا وقت آتا ہے تو نگاہوں کے سامنے آستانۂ نورانی ہوتا ہے عطائے رسول، سلطان الہند، غریب نواز حضرت خواجہ بزرگ کا:

سلام اے ہند کے راجہ معین الدین اجمیری
سلام اے حضرتِ خواجہ معین الدین اجمیری

اور سرپرست شفقت و رحمت ہوتا ہے، وقت کے ایک عظیم المرتبت، جلیل القدر، صدر بزم

شریعت، زیب مسند طریقت، خلیفہ اعلیٰ حضرت، صاحب بہار شریعت، حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان کا:

اسے کہتے ہیں قسمت کی بلندی
کہ زیبِ سر ہے تاجِ ارجمندی

گوہر مقصود اشاروں اور کنایوں میں گم ہو گیا ہو تو کھلے الفاظ میں یوں سمجھ لیا جائے کہ ان شہزادے کی تعلیم کے سلسلہ کی تکمیل حضرت صدر الشریعہ نے مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں کرائی اور یوں منزل مراد سے ہم آغوشی کے قریب تک پہنچے کا شرف حاصل ہوا۔

سفر جاری رہتا ہے، ظاہری علوم کے لیے پہلے استاد والد ماجد حافظ غلام نور اور آخری حضرت صدر الشریعہ، باطنی تعلیم کی راہ پر گامزن ہوئے تو رہنمائی کو جو ذات ستودہ صفات سامنے آئی اس کی شان و عظمت کا کیا کہنا، ماشاء اللہ، سبحان اللہ، وہ عظیم و جلیل ہستی کہ:

جن کے رخ پر نچھاور ہوں شمس و قمر
دید ہو جس کی، معراجِ اہل نظر

کون؟ ایک مرد خدا دوست و خود آگاہ، درویش کامل، حضرت مخدوم الاولیا، تاج دار سمنان حضرت سید مخدوم اشرف جہاں گیر کے چمنستان کے گل سرسبد حضرت شیخ المشائخ مولانا سید علی حسین صاحب اشرفی میاں قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

رہیں شمس و قمر ضوپاش ان کی خواب گاہوں پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی راہوں پر

گرد و غبار سے پاک، صاف سینہ علم و عرفان اور اسرار ظاہری و باطنی کے انوار کا گنجینہ تو پہلے ہی بن چکا تھا، اب جو حضرت شیخ المشائخ کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا تو سونے پر سہاگہ ہو گیا، قلب نے مرشد کے فیوض سے مالا مال ہونے میں دیر نہیں کی تو مرشد کامل کو مرید کا مقام و مرتبہ معلوم کرنے میں تاخیر کیسے ہوتی، پیر و مرید دونوں ایسے "مرد مومن" جن کی نگاہوں سے تقدیریں بدل جایا کرتی ہیں، "زور بازو" کا اندازہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ حضرت شیخ نے خلافت و اجازت مرحمت فرمادی اور یوں سفر کا ایک اور مرحلہ تمام ہوا۔

بات ابھی ختم نہیں ہوئی، سفر ابھی جاری ہے، وہی شہزادے جنھیں ایک بزرگ نے بشارت دی تھی کہ

"ان شاء اللہ تعالیٰ میرا یہ بچہ بلند پایہ عالم دین ہوگا۔"

اب اپنے سفر حیات کی ۳۸ر منزلیں گزار چکے ہیں مگر ہر منزل نئی منزل کے لیے سامان سفر پر آمادہ کرتی ہے، ہر بلندی ایک نئی بلندی کی جانب مائل پرواز ہونے کی دعوت دیتی ہے اور یہ شہزادے حفیظ جالندھری کے الفاظ میں یہ کہتے ہوئے آگے سے آگے، نیچے سے اونچے بڑھتے ہوئے، چڑھتے ہوئے چلے ہی جاتے ہیں کہ:

المدد، المدد اے ہمت دشوار پسند
قلۂ کوہ ذرا اور بلند اور بلند

ہندوستان کے سب سے بڑے صوبہ اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں ایک قصبہ ہے نام کا مبارک پور، مگر اب نام کا نہیں رہا کام کا بھی ہوگیا ہے، جانتے ہیں آپ کس کے دم قدم سے؟ انھی شہزادۂ والا جاہ کے! ۳۸ر سال کی عمر شریف میں اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا ہے تو اس نے پاؤں پکڑ لیے، قدموں پر سر رکھ دیا، روئی، گڑگڑائی، آہ وزاری کی اور انتہائی منت وسماجت کے ساتھ عرض گزار ہوئی کہ جب آپ نے مجھے اپنے مبارک تلوؤں سے آنکھیں ملنے کی سعادت بخشی ہے تو اب اس سے کبھی محروم نہ کیجیے گا، اللہ والے بزرگ اس پر خلوص التجا کو ٹھکرا نہ سکے، وہیں کے ہو رہے، ہمیشہ کے ہو رہے، ایسے ہو رہے کہ اب دنیا کو غرض ہو تو ان کے آستانۂ کرم پر جائے، ان کی چوکھٹ سے فیوض وبرکات کی بھیک لائے، وہ کہیں جانے کے نہیں۔

اب دیکھیے نا، ان علما ومشائخ کو، حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی، مولانا سید مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی، مولانا سید محمد مدنی میاں صاحب کچھوچھوی، مولانا ارشد القادری صاحب، مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی، مولانا مظفر حسن صاحب ظفر ادیبی، مولانا محمد محبوب صاحب اشرفی، مولانا سراج الہدیٰ صاحب گیاوی، مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی، مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب اعظمی، مولانا سید حامد اشرف صاحب کچھوچھوی، مولانا غلام مصطفےٰ صاحب کوثر امجدی، مولانا قاری محمد عثمان صاحب گھوسوی، مولانا محمد اعجاز خاں صاحب ادروی، مولانا سخاوت علی صاحب بستوی، مولانا محمد بدرالدین گورکھ پوری، مولانا محمد میاں کامل سہسرامی، مولانا محمد صابر القادری صاحب نسیم بستوی، مولانا محمد احمد صاحب شاہدی غازی پوری، مولانا سید کمیل اشرف صاحب، مولانا سید مقصود اشرف صاحب، مولانا سید موصوف اشرف، مولانا سید اظہار اشرف، علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی، مولانا غلام ربانی صاحب فائق، مولانا سید محمد ہاشمی میاں صاحب، مولانا وارث جمال صاحب، بدرالقادری اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب شرر مصباحی، سب کے سب

اپنے اپنے مقام و مرتبہ پر لائق و فائق، صاحب علم و فضل، مگر چلے آرہے ہیں مؤدب دست بستہ، سر جھکائے، بڑی عقیدت مندانہ حاضری کے لیے، کیوں نہ آئیں؟ انھیں احساس ہے، وہ جانتے ہیں کہ آج اگر وہ آسمان علم و فضل پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں تو کس کی بدولت؟ انھی شہزادے کے کرم سے، انھی کے قدموں سے لپٹ کر، انھی کی جوتیاں سیدھی کرکے، انھی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرکے، انھی کے دامن کرم کے سایہ میں آکر، انھی کے درس گاہ میں بیٹھ کر، وہ درس گاہ، جو آج انھی کے فیضان کرم و کرامت سے **"الجامعۃ الاشرفیہ"** کے نام سے ایک عظیم عربی یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

یہ تو ان سیکڑوں افراد میں سے محض چند کے نام گنائے گئے ہیں جو برجستہ اور بے ساختہ زبان پر آگئے ورنہ اس ذات گرامی کی خاک پا سے تعلق رکھنے والے وہ تمام ذرے جو آج ماہ تاباں اور خورشید درخشاں بن کر ایک دنیا کو اپنے علم و عرفان سے، دانش و حکمت سے منور و تابناک بنا رہے ہیں، اس در پر حاضری کو اپنی سب سے بڑی سعادت تصور کرتے ہیں اور تنہا انھی پر موقوف نہیں، وقت کی بڑی بڑی شخصیتوں میں کون ہے جو اس بارگاہ میں عقیدت کے پھول لے کر حاضر ہونا اپنے لیے باعث فخر و ناز نہ جانے؟ ذرا ٹھہریے، سنیے، کوئی اپنے مخصوص لب و لہجہ میں گل فشانی کر رہا ہے:

"جہاں تک قوم کے اندر نئی زندگی نئی روح پیدا کرنے کا تعلق ہے وہ تو انھوں نے کر دکھادیا، اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس زندگی کو باقی رکھیں، ان کی یادگاروں کو پروان چڑھائیں، یہ حقیقت ہے کہ دنیاے سنیت کے جتنے قلعے انھوں نے تعمیر کیے شاید اتنے دینی قلعے کسی نے نہیں تعمیر کیے۔"

سنا آپ نے؟ پہنچانتے ہیں اس آواز کو؟ یہ تھا مجاہد ملت حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی کا نذرانۂ عقیدت اور سنیے:

> "ہندوستان میں سینکڑوں عالم ہیں مگر ان (شہزادے) سے ہمیں اس لیے عقیدت و محبت ہے کہ انھوں نے بھارت میں عظمت مصطفےٰ کا ایسا پرچم لہرایا ہے جو کسی کے بس کی بات نہیں"۔

یہ تھی حضرت قائد ملت مولانا سید شاہ اسرار الحق صاحب کی صداے حق، اب ذرا اس بشارت کو یاد کر لیجیے جو ان شہزادے کی ولادت باسعادت کے وقت ایک بزرگ نے دی تھی اور جو اوپر مذکور ہو چکی ہے، بولیے! ہوئی بشارت حرف بہ حرف پوری کہ نہیں؟ یہی شہزادے چار دانگ عالم مین دین و دانش کا ڈنکا بجانے، خون

کے پیاسے حریفوں اور جان کے خواہاں دشمنوں تک سے اپنے علم، فضل، اخلاق، محبت، تہذیب، شرافت اور تقویٰ وطہارت کا لوہا منوانے کے بعد، حیات ظاہری کی ۸۴؍ویں منزل پر ۱۳۹۶ھ میں آسودۂ خاک ہوئے، تو دنیا بلک اٹھی، علم زار وقطار رو پڑا، درس گاہیں سوگوار ہوگئیں، طالبان علم نے یتیمی کا داغ محسوس کیا، ان کے ایک فدائی اور فداکار غلام نے بیکل ہوکر حقیقت حال کا اظہار کیا:

جس کے دم سے تھا مرے گھر میں چراغاں، نہ رہا
شوکت غنچہ وگل، حسن گلستاں نہ رہا
ناز تفسیر وفقہ، حافظ قرآں نہ رہا
وہ حدیثوں کا امیں، مصلح دوراں نہ رہا
فکر و احساس کا اعزاز بہاراں نہ رہا
ایسا لگتاہے کہ جیسے کوئی ارماں نہ رہا

ایک فدائی نے آستاں بوسی کا شرف حاصل کرکے تربت اطہر پر "اوراق گل" نچھاور کرتے ہوئے کہا:

افسانۂ الم کہ حدیث غم نہاں
ان سے بچھڑ کے ہم پہ جو گزری ہے کل کہیں
یہ بارگاہ حافظ ملت کی نذر ہے
ہیں پیش کچھ ورق جنھیں اوراق گل کہیں

اور ان کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر جب مجھ دور افتادہ تک پہنچی تو معاً زبان پر آگیا:

عالم دین و قاری قرآں
حافظ ملت رسول کریم!
چل دیے آج سوئے خلد بریں
ہوگئے طالبان علم یتیم

یہ بتانا اب بھی رہ گیا؟ کہ یہ شہزادے تھے حضرت جلالۃ العلم، استاذ العلما حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان عالموں کے عالم، فاضلوں کے فاضل، حافظ قرآن و محافظ ملت ــــ اور ــــ وہ بزرگ تھے آپ کے جد امجد ملا عبدالرحیم صاحب جنھوں نے ۱۳۱۴ھ کے کسی دوشنبہ

کے دن حضور حافظ ملت کی پیدائش کے وقت اس موقع پر یہ بشارت دی تھی، جب ٹولہ، پڑوس کی بڑی بوڑھیوں نے یوم پیدائش (پیر) کی مناسبت سے اپنی دانست میں یہ خوش خبری دی تھی کہ ”پیرا“ آیا ہے۔

بات اب بھی ختم نہیں ہوئی، بات ختم ہو بھی نہیں سکتی اس میں حلاوت اور شیرینی ہی ایسی ہے کہ جی چاہتا ہے کہتے ہی چلے جاؤ، سنتے ہی چلے جاؤ، مگر کہنے کی بضاعت اور اظہار عقیدت کی صلاحیت بھی تو ہو۔

زباں زنکتہ فروماند و راز من باقی ست
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقی ست

بس اب اس سے زیادہ عرض کرنے کی سکت نہیں ہے کہ

آتی ہیں روز، روز کہاں ایسی ہستیاں
بستی ہیں جن کے دم سے محبت کی بستیاں
دیتی ہیں جودلوں کو وفاؤں کی مستیاں
کرتی ہیں عام دہر میں جو حق پرستیاں
ہوتی ہے ارجمند زمیں جن کے نور سے
ملتاہے زندگی کویقین جن کے نور سے

چند مشاہدے

جناب ڈاکٹر عبدالمجید خاں صاحب صدر جامعہ عربیہ انوارالقرآن بلرام پور

تعارف مقالہ نگار:
ڈاکٹر عبدالمجید خان حافظ ملت علیہ الرحمہ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔
ولادت: بمقام لکھنا، ضلع بلرامپور۔
تعلیم: انٹر تک کی تعلیم ایم-پی-پی انٹر کالج بلرامپور میں حاصل کی، اور ایس ایم-بی-ایف تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے کیا۔
خدمات: تعلیم مکمل کرنے کے بعد موصوف نے بلرام پور میں اپنا مطب قائم کیا، حافظ ملت سے نسبت کے سبب دین سے خاص لگاو تھا، اسی لیے مطب چلانے کے ساتھ موصوف نے مدرسہ انوار القرآن بلرامپور کی صدارت کی ذمہ داری بھی قبول کی اور تاحیات بحسن وخوبی یہ خدمات انجام دیتے رہے۔
وفات: ۶/ اگست ۱۹۸۶ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

اتباع سنت:

حضور حافظ ملت ایک ایسے انسان تھے کہ جن کو بہت سی انسانی خوبیوں کا جامع کہا جائے تو مناسب ہوگا، ان کا بڑوں سے ملنے کا نیاز مندانہ انداز، معاصرین سے مخلصانہ و برادرانہ برتاو، بلکہ اعزا و اقربا سے مشفقانہ سلوک اپنی مثال آپ تھا، ہر وہ شخص جو شرف نیاز حاصل کرتا یہی یقین واطمینان لے جاتا کہ حضرت میرے بہت ہمدرد ہیں، حضرت کا ایک خاص شیوہ یہ تھا کہ ہر شخص کی خوبیوں کو نمایاں طور سے بیان فرماتے اور عیوب کا کبھی ذکر کرنا تو درکنار، سننا بھی گوارا نہ فرماتے، اگر کبھی گفتگو میں کسی نے بد احتیاطی برتی اور کوئی غیر مناسب بات کہہ دی جو حضرت کو ناپسند ہوئی تو خاموشی کو ترجیح دیتے، یہ سب مکمل اسلامی طریقے اور شریعت مطہرہ کی پابندی ہی تھی؛ اس لیے مجھے جب کبھی کسی طریقہ کی شرعی تلاش ہوتی تو میں یہی سوچ لیتا کہ حضرت تشریف لائیں گے اس سلسلے میں تو ان کا عمل دیکھ لوں گا اور وہی شرعی حکم ہوگا۔

آپ بیتی:

اولاً مجھے حضرت کا نیاز مولانا غلام محمد صاحب عزیزی صدر المدرسین جامعہ عربیہ انوارالقرآن اور خلیفہ حافظ محمد حنیف صاحب کے توسل سے ہوا، مصافحہ کرنے کے بعد ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر بٹھا لیا، بمشکل ۳/ منٹ

سامنے بیٹھا رہا اور دواخانہ کی ضرورت بتا کر رخصت لے لی۔

اس ۳۰؍ منٹ میں حضرت کی نظروں نے کیا اثر ڈالا اس کا اندازہ مشکل ہے کہ اس کے بعد ہی سے میری دنیا بدلنے لگی، حضرت سے لگاؤ بڑھتا رہا، سبھی پرانے طور طریقے وضع قطع کو خیر باد کہ دیا اور دین سے قربت بڑھنے لگی، چند مہینوں بعد جب حضرت انوار القرآن کے جلسہ میں تشریف لائے تو مجھے اپنا بنالیا، اب تو غلام اور آقا کا رشتہ ہی مضبوط ہو گیا۔

اپنائیت:

جب میں بیعت ہوا، اس زمانے میں حضرت جامعہ عربیہ انوار القرآن کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں قیام فرماتے تھے، کچھ دنوں بعد ایک روز میرے ذہن میں بات آئی کہ کاش حضرت غریب خانہ پہ قیام فرماتے مگر مجبوری یہ تھی کہ مکان اس لائق نہیں بنا تھا کہ دین و دنیا کے اس عظیم رہ نما کو میں اس میں قیام فرمانے کی زحمت دیتا، آخر حضرت کا فیض اس طرف متوجہ ہوا، مکان تعمیر ہو گیا اور میری خواہش پوری ہو گئی، بیماری کے ایام میں حضرت کے چھوٹے صاحب زادے جناب عبدالقادر صاحب پہلی بار تشریف لائے، بوقت ملاقات فرمایا: ”آنے کی کیا ضرورت تھی میرا ایک گھر بھوج پور میں ہے اور دوسرا گھر بلرام پور میں ہے میں بہت آرام سے ہوں“۔

قوت برداشت:

آنکھوں کے آپریشن کے وقت مریض کی آنکھ کے گرد کئی انجکشن لگائے جاتے ہیں جس سے مریض ہوش میں ہے تو تڑپ جاتا ہے، لیکن میں نے حضرت کی آنکھ کے آپریشن کے وقت دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے اس نازک عضو پر کچھ نہیں ہو رہا ہے، دراں حالے کہ آپ نے بے ہوشی کا انجکشن نہیں لیا تھا، آپ مکمل ہوش و حواس کے ساتھ تھے اس وقت میں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت کو اپنے جسم کے ہر حصے پر مکمل قابو دے دیا گیا ہے، تبھی تو کسی غیر مرئی طاقت کے سہارے شدت تکلیف پر بھی اف تک نہیں کرتے۔

التزام سنت:

میں حضرت کی پاپوش دیکھتا تو سوچتا کہ حضرت کو بوٹ یا پمپ جوتا پہننا چاہیے اور حضرت ہلکے پتلے ناگرہ جوتے استعمال کرتے ہیں لیکن جب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کشیدہ نقش نعلین مبارک، حضور ﷺ کا دیکھا تو بات سمجھ میں آئی کہ یہاں بھی سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع مقصود ہے۔

سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع کا حال یہ تھا کہ میرے خیال سے شاید ہی کبھی کوئی سنت ترک ہوئی

ہو، خواہ وہ گفتار، رفتار ہو، درس و تدریس ہو، سفر و حضر ہو، جلوت و خلوت ہو یا نشست و برخاست، میں نے ہر جگہ پابندِ سنت پایا۔

معمولات:

رات میں بستر پر پہنچا کر ہم لوگ جیوں ہی الگ ہوتے، رات کی عبادت کو بیٹھ جاتے اور کبھی کوئی معمول ترک نہ ہوا بطور نصیحت کئی بار فرمایا: ”عمل اتنا ہی کرو جتنا بلا ناغہ کر سکو“ ایک بار ایک صاحب بیعت ہوئے انھوں نے عرض کیا حضور سنا ہے زیادہ درود شریف پڑھنے سے نقصان ہے، فرمایا نہیں، نقصان نہیں ہے البتہ اتنا پڑھو جتنا روزانہ پڑھ سکتے ہو، انھوں نے عرض کیا میں ایک ہزار بار روزانہ پڑھتا ہوں، فرمایا اگر اس معمول کو تا حیات برقرار رکھ سکو تو سبحان اللہ۔

اہتمام عبادت:

شدید بیماری کے دنوں میں نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ ہم لوگ پریشان رہتے مگر عین نماز کے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہم لوگ پیچھے کھڑے رہتے تاکہ بوقت ضرورت سنبھالا جا سکے لیکن رات کا عالم یہ ہوتا کہ ہم لوگوں کو بہ اصرار بھیج دیتے، جب مکمل سناٹا ہو جاتا، عبادت میں مصروف ہو جاتے، ایک روز دن کی حالت سے مجھے زیادہ پریشانی تھی، ایک بجے رات میں حاضر ہوا، چارپائی پر بیٹھے ضرب لگا رہے تھے، میری زبان سے نکلا حضرت! فرمایا: آپ چلیے آرام کیجیے، میں ٹھیک ہوں۔

مستجاب الدعوات:

دربار خداوندی میں مقبولیت کا اندازہ کچھ ایسے بھی ہوتا ہے کہ حضرت کا اسم مبارک جن صفات کا حامل ہے اللہ نے اسی قدر نوازا، میری معلومات کے دائرہ میں کبھی بھی کوئی دعا غیر مقبول ثابت نہ ہوئی، جس کسی کے لیے جس قدر دعا فرمائی وہ اس سے زیادہ فیض یاب ہوا، مثال کے لیے جامعہ عربیہ انوار القرآن ہے جس کے خلاف بہت سے لوگوں نے بہت کچھ کر ڈالا، مگر انوار القرآن کی ترقی میں کبھی جمود طاری نہ ہوا، ایک بار جامعہ کے سالانہ جلسہ میں اسٹیج کی کرسی پر بیٹھتے ہی فرمایا:

انوار القرآن میرا ادارہ ہے یوں تو سبھی سنی ادارے میرے ہیں مگر انوار القرآن خاص طور سے میرا ادارہ ہے؛ اس لیے اس کے ساتھ میری خاص دعائیں ہیں۔

اور یہ انھی سدا بہار دعاؤوں کا ثمرہ ہے کہ انوار القرآن کا ارتقائی عمل سدا بہار ہوتا جا رہا ہے۔

مستقبل کے افق پر

حافظ نثار احمد صاحب، مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد

میں اپنی زندگی میں پیش آنے والے کچھ واقعات قلم بند کروں گا، میری زندگی کی تمام تر کامیابیاں حافظِ ملت کی رہین منت ہیں، میں حضرت کی ان خصوصی دعاؤں سے مطمئن ہوں، فرماتے کہ **"آپ جہاں رہیں گے ان شاء اللہ کامیاب رہیں گے، میری نصیحتوں پر عمل پیرا رہیں"** اللہ کا فضل ہے کہ ان کی نصیحتوں پر اور ان کے نقوش قدم پر تھوڑا بہت چل کر آج میں اتنا ہی مطمئن ہوں جتنا کہ ان کی ظاہری زندگی میں مطمئن تھا، میں نے غالباً ۱۹۴۹ء میں اشرفیہ سے پرائمری درجات سے فارغ ہو کر حفظ کرنے کا ارادہ کیا مگر گھر کی معاشی زندگی اتنی مفلوج تھی کہ کوئی بھی علم حاصل کرنا میرے لیے دشوار تھا، مگر شوق تھا، محلہ کے ایک حافظ صاحب سے رات میں پڑھنا شروع کیا، دن میں کام کر تا رات میں پڑھتا، اس طرح ۱۹۵۴ء کے کچھ مہینے تک پڑھا پھر بند کر دیا۔

میرے والد جناب عبدالرحیم صاحب مرحوم باہر رہتے تھے، وہ مکان پر آئے، انھیں معلوم ہوا کہ پڑھنا چھوڑ دیا ہے، تو وہ سیدھے حافظ ملت کی بارگاہ میں لے کر پہنچے، حضرت سے تعارف کرایا، حضرت نے فرمایا: ذرا ایک رکوع سناؤ، سنایا تو فرمایا کہ اب تم کو مدرسہ میں داخل کیا جاتا ہے، اب یہاں باقاعدہ آکر پڑھو، والد صاحب سے فرمایا کہ یہ یہاں داخل کیے جاتے ہیں، ان شاء اللہ یہاں سے حافظ بھی ہوں گے اور قاری بھی، میں حیرت میں ڈوب گیا کہ حفظ کے لیے تو گھر کے حالات اجازت ہی نہیں دے رہے ہیں، قاری ہونے کے لیے کہاں وقت مل سکتا ہے؛ مگر واہ رے! ایک ولی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہو کر رہے۔

محرم ۱۳۷۴ھ میں دارالعلوم اشرفیہ میں داخل ہوا اور جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ میں حفظ قرآن پاک ختم ہوا اور اسی سال قرآن عظیم پورا محراب پر سنالیا، پھر شعبان میں دستار بندی کے بعد معاشی مجبوریوں کی وجہ سے پڑھائی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اسی سال ذی الحجہ میں بمبئی چلا گیا ۴ر ماہ کے بعد والد صاحب نے بلا کر الہ آباد موضع نئ کوٹ میں پڑھانے کے لیے لگا دیا، ڈھائی سال وہاں رہا حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے والد صاحب قبلہ کو میرے پاس

بھیجا کہ انھیں وہاں سے لے آؤ، یہاں آکر تجوید بھی مکمل کرلیں، میں نے جب یہ پیغام سنا تو مجھے حیرت ہوئی، بہر حال میں مکان پر آیا اور حضرت کے حکم سے قاری رحمت اللہ صاحب ادروی شیخ التجوید کی درس گاہ میں نام لکھا کر پڑھنا شروع کر دیا اور شعبان ۱۳۸۰ھ میں قراءت حفص سے فراغت حاصل کرلی اور اب تو میرے دل کے نہاں خانے میں حافظ ملت ہمہ وقت رہنے لگے اور کبھی کبھار ان کی بارگاہ میں حاضری بھی ہونے لگی۔

ایک روز حضرت نے یاد فرمایا اور مجھے بھمڑی (بھیونڈی) امامت کے لیے جانے کو کہا، میں کچھ جواب تو نہ دے سکا، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضرت نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا کہ اچھا جاؤ اپنے والد کو بھیج دینا، والد صاحب آئے اور انھوں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضور! وہ بہت دل کا کمزور ہے باہر نہیں رہ سکتا، تھوڑے عرصے کے بعد غالباً ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کے آخری عشرے میں مولانا غلام محمد صاحب بھیروی میرے مکان پر آئے اور انھوں نے فرمایا کہ حضرت نے آپ کو یاد فرمایا ہے، اس دن گھر پر کچھ ایسی بات ہوگئی تھی کہ میں دن بھر روتا رہا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کہاں چلا جاؤں، اتنے میں حضرت کا یہ پیغام پہنچا، میں شاداں و فرحاں پرانے مدرسے حاضر ہوا، سلام و دست بوسی کی اور ادب سے کنارے بیٹھ گیا، دیکھا کہ ایک مولانا صاحب حضرت کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ حافظ نثار احمد! آپ کو خیر آباد جانا ہے، یہ مولانا خیر آباد کے رہنے والے ہیں، ان کے مدرسہ میں ایک حافظ کی ضرورت ہے، خیر آباد کوئی دور نہیں ہے گویا مبارک پور کا ایک محلہ ہے، آپ وہاں جائیں، مولانا کہتے ہیں کہ خیر آباد میں ایک پیر صاحب آتے ہیں جو دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ خیر آباد میں بریلیوں میں حافظ ہو ہی نہیں سکتے، آپ جائیں ان شاء اللہ وہاں حافظ ہوں گے۔

میں نے عرض کیا کہ حضور کا حکم سر آنکھوں پر، جب ارشاد ہو حاضر ہو جاؤں، حضرت نے فرمایا مولانا آپ جائیں یہ کل خیر آباد پہنچ جائیں گے، دوسرے روز خیر آباد حاضر ہوا، تعلیم شروع ہوئی، مولانا محمد عمر صاحب نے فرمایا: حافظ صاحب! آپ جن جن لڑکوں کو تیار کر سکیں درجہ حفظ میں لے لیں، چناں چہ معین اختر کے علاوہ ایک لڑکا اور تیار ہوا اور حفظ کلاس میں کل تین لڑکے داخل ہوئے اور پڑھائی شروع ہوگئی، تین سال میں حافظ معین اختر فارغ ہوگیا، اور ایسا حافظ نکلا جس کی ذہانت اور یاد داشت کی گواہی آج بھی خیر آباد کے بام و در دے رہے ہیں، پھر یہ سلسلہ شروع ہوا اور ہر سال حفاظ کی ایک فوج تیار ہو کر نکلتی رہی اور الحمد للہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دعاؤں سے ہر سال دو چار حافظ فارغ ہوتے ہیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

یہ حضرت کی دعاؤوں ہی کا اثر ہے کہ خود خیر آباد میں اتنے حفاظ ہو گئے ہیں کہ ہر سال تراویح کے لیے

باہر جاتے ہیں اور میرے کلاس میں ہمیشہ خیر آباد کے دو چار بچے درجہ حفظ میں ضرور رہتے ہیں، حالات کتنے بھی بدلتے رہے مگر ایک سچے عاشق رسول ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات اب بھی اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی زبان فیض ترجمان میں خدا نے وہ تاثیر ودیعت فرمائی تھی کہ جب بھی دل سے دعا فرماتے، ان کا رب انھیں محروم نہیں کرتا، اس لیے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ اپنے رب کے لیے وقف کر دیا تھا۔

میں نے اپنی مختصر زندگی میں جو کہ ان سے قربت کے لمحے مجھے میسر آئے، ایسا متبعِ شریعت اور عاملِ سنت کسی کو نہیں پایا، میرا تو یہ حال تھا کہ جب کوئی افتاد پڑتی حضرت کی بارگاہ میں حاضری دیتا اور میری مصیبت ٹل جاتی، میرا یقین اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ جب ان کی بارگاہ کی طرف چلتا تو پہلے ہی سے یہ سوچ لیتا کہ اگر حضرت سے شرف نیاز حاصل ہو گیا تو میرا یہ کام پورا ہو جائے گا، جب حضرت مل جاتے تو سمجھ لیتا کہ کام بن گیا، نہیں ملتے تو سمجھ لیتا کہ اب یہ مصیبت ٹلنے والی نہیں ہے، میں ویسے بھی ہر جمعہ کی صبح کو بارگاہ میں حاضر ہوتا اور دیر تک حضرت کی صحبت میں اکثر تنہا رہتا اور حضرت مجھے نصیحتیں فرماتے اور میں غور سے سنتا رہتا اور عمل کی کوشش کرتا۔

حضرت نے اپنے اس غلام کو اتنا نوازا ہے کہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں اسے ادا کر سکوں، میں تراویح کے لیے ہر سال رمضان میں باہر جاتا تھا ۱۳۹۵ھ میں رائے پور شہر سے میرے پاس اچانک تراویح کے لیے ایک دعوت نامہ آیا، میں رائے پور کے بارے میں سنتا تھا کہ وہاں ہندوستان کے چنے چنے حفاظ آتے ہیں جن میں اکثر فارغ التحصیل علما ہوتے ہیں، دعوت نامہ پڑھ کر میں گھبرا گیا تھا۔

پنجشنبہ کو حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کیا حضور! رائے پور سے دعوت نامہ آیا ہے اور وہ بھی خاص شہر سے، حضرت نے فرمایا: آپ جائیں، ان شاء اللہ آپ کامیاب رہیں گے میں نے عرض کیا حضور وہاں ہندوستان کے چنے چنے حفاظ آتے ہیں وہاں میرا کیا حال ہوگا اس لیے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ میں کتنے پانی میں ہوں مگر حضرت کے ایک جملے نے مجھے مطمئن کر دیا کہ آپ گھبرائیں نہیں، آپ جہاں رہیں گے ان شاء اللہ کامیاب رہیں گے، میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، میں رائے پور گیا اور الحمد للہ اتنا کامیاب ہوا کہ وہاں کے بعض لوگ کہتے تھے کہ یہاں پر اس مصلے پر بڑے بڑے کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں یہ آپ کے پیر کی دعا ہے کہ آپ اس قدر کامیابیوں سے ہم کنار ہوئے ہیں۔

شوال میں جب حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضرت کا معمول تھا کہ جب زیادہ عرصے کے بعد

ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تو دیر تک ہاتھ پکڑے رہتے اور اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ سب کچھ دریافت نہ فرما لیتے، حضرت نے فرمایا: رائے پور کیسا رہا؟ میں نے عرض کیا حضور! آپ کی دعاؤں سے کامیاب رہا، حضرت نے مسکرا کر فرمایا: کامیاب نہیں، بہت بہت کامیاب رہے، میں نے عرض کیا کہ حضور یہ سچ ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ امسال رائے پور میں ہوئی، پہلے ہی سفر میں پورا شہر حافظ ملت کی غلامی کی وجہ سے مجھے جاننے پہچاننے لگا، حضرت نے فرمایا: ہاں۔

یہ سب کچھ حضرت کی دعاؤں کا فیض ہے، میں آج بھی حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی خصوصی دعاؤں سے اتنا مطمئن ہوں کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی میرے پائے استقلال میں لغزش نہیں پیدا کر سکتا، حضرت اکثر مجھ سے فرماتے کہ آپ حضرات میرے لیے دعا فرمائیں کہ رب کریم مجھے دنیا سے یوں اٹھائے کہ مجھے چار پائی پر بے کار نہ لیٹنا پڑے ہم اور ہماری دعائیں کیا؟ لیکن اس زاہد شب زندہ دار نے اپنے مخصوص اوقات میں اپنے رب سے یہ ضرور التجا کی ہوگی اور ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ ان کے رب تعالیٰ نے انھیں اسی طرح دنیا سے اٹھایا جیسا کہ ان کی دلی آرزو تھی۔

متفرق مضامین

حافظ ملت ایک مثالی عبدرحمٰن

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا

مولانا افتخار احمد مصباحی

تعارف مقالہ نگار:

حضرت مولانا افتخار احمد قادری مصباحی جامعہ اشرفیہ کے قابل فرزندوں ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۳؍ شوال المکرم ۱۳۷۰ھ، بمقام گھوسی ضلع مئو میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس العلوم گھوسی میں اور اعلیٰ تعلیم جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی اور مختلف اداروں سے کچھ دوسری ڈگریاں بھی حاصل کیں۔

تدریسی خدمات: ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۲ء تک جامعہ اشرفیہ میں کام یاب مدرس رہے۔ ۲۰۰۲ء سے دارالعلوم غریب نواز ساؤتھ افریقہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔

آپ کے تبلیغی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، تصنیفی میدان میں بھی عظیم کارنامے انجام دیے، فضائل قرآن آپ کی مشہور تصنیفات میں سے ہے۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک بار فرمایا:

”میں نے اپنے استاذ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے علم بھی پڑھا ہے اور عمل بھی“۔

یہ کتنا بلیغ اعتراف تلمذ ہے، عمل پڑھنے کے محاورہ نے اپنے اندر معانی کا ایک عظیم ذخیرہ سمولیا ہے، حافظ ملت صرف کتابوں کا گہرا مطالعہ نہیں کرتے تھے بلکہ استاد کا بھی عمیق مطالعہ فرماتے تھے، صرف کتابوں کے مطالب ومفاہیم ہی پر نظر نہ ہوتی تھی بلکہ استاذ کی شخصیت کی حرکات وسکنات سے بھی مستفیض و بہرہ ور ہوتے رہے، اپنے اندر معانی کتب ہی کو نہ سموتے تھے بلکہ استاذ کی شخصیت کو بھی اپنے قلب ودماغ میں اتارتے تھے، اوقات درس ہی تک حافظ ملت کی تعلیم محدود نہ رہتی بلکہ شب وروز کے بیش تر لمحات میں بھی استاذ محترم

سے تعلیم حاصل کرتے رہے، اپنے سامنے کتابیں کھول کر نہیں بلکہ استاذ کی کھلی شخصیت کو دیکھ دیکھ کر، اس طرز تعلیم کی بھی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

اس میں طالبان علم کے لیے ایک عظیم درس موجود ہے، ایک استاذ جہاں معلم علوم ہوتا ہے وہیں معلم اعمال بھی، ایک شفیق مربی کی ذمہ داری صرف دماغی وذہنی تنقیح وتنظیف نہیں ہوا کرتی بلکہ ظاہری اخلاق واعمال کو مانجھ کر مجلی ومصفی بنانا بھی اس کے ذمہ عائد ہوتا ہے، حافظ ملت اپنے استاذ سے ایک طرف علم وفن کے قیمتی جواہر سمیٹتے تھے تو دوسری طرف اعمال وکردار کے گوہر آبدار بھی اپنے قلب وذہن کے نہاں خانوں میں جمع کرتے تھے، اس طرح حافظ ملت کی شخصیت علم وعمل دونوں کا پیکر بے مثال بن گئی تھی، اسی لیے حافظ ملت کے علم کا جہاں چرچا ہوا وہیں عمل کا شہرۂ عظیم بھی ہوا، آپ سے علم کی کرشمہ سازیاں اور کارخانہ سازیاں جس طرح جلوہ نما ہوئیں اسی طرح عمل کی تاریخ سازیاں اور انقلاب انگیزیاں بھی جلوہ گر ہوئیں، حافظ ملت نے استاذ کی رفتار وگفتار اور کردار شرع وار بلکہ ایک ایک ادا اپنے اندر جذب کرلی تھی اس حد تک کہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ استاذ کے قلب ودماغ اور اعمال واخلاق کو حافظ ملت نے نچوڑ لیا تھا، استاذ بھی ایسا کہ چلے تو اللہ ورسول جل وتعالیٰ وصلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طرز فرفتار سے، بات کرے تو خالق ومحبوب کے بتائے ہوئے طرز گفتار سے، غرض سوئے، جاگے، آئے جائے، کھائے پیے، کچھ بھی کرے خدا ورسول جل وتعالیٰ وصلی اللہ علہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے ہی کرے، ان کی تعلیمات سے یک سرِ مو بھی تجاوز وانحراف نہ کرے، جو قدم بھی اٹھائے پھونک پھونک کر۔

حافظ ملت نے انھی سے عمل بھی پڑھا تھا اور قرآن وحدیث اور دیگر علوم بھی حاصل کیے تھے اور پھر علم وعمل دونوں کی تعلیم سے ایک عظیم انسان بھی بن گئے تھے اور رحمٰن کے ایک مثالی بندے بھی، آپ نے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی اور اس کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اس بحر ناپیدا کنار کے الفاظ کے جہاں آپ حافظ تھے وہیں اس کے معانی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی آپ کے سینے میں موج زن تھا، جہاں اس کی دیگر تعلیمات پر نظر تھی اور عمل تھا، وہیں یہ بھی پڑھا تھا اور بے شمار بار پڑھا تھا کہ اس میں رحمٰن کے بندوں کی صفتیں بیان کی گئیں ہیں اور پھر اس نظر سے پڑھا تھا کہ رحمٰن کے بندوں کی یہ صفتیں اس لیے ذکر کی گئی ہیں کہ رحمٰن کے بندے ان صفات کے حامل بنیں اور پھر حافظ ملت نے ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں بحمد اللہ کامیاب ہوئے تھے اور ان صفات کی کسوٹی پر حافظ ملت کی شخصیت کتنی کھری ثابت ہوئی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لیے عباد رحمٰن کی صفات وعلامت کا ہم اجمالی ذکر کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[1]

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر وقار کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل (جاہلانہ انداز سے) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر باوقار چلتے ہیں تواضع وانکساری کے ساتھ، نخوت وغرور اور خود نمائی کے ساتھ نہیں چلتے، وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس لیے ان کی روحیں ان کی جانیں اور ان کے دل جھکے ہوئے ہیں اس کے جلال وکبریائی کے سامنے، پھر کس کو سر اٹھانے کی مجال ہو سکتی ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے:

المؤمنون هينون لينون كالجمل الأنف إن قيد انقاد، وإن أنيخ على صخرة استناخ [2]

اہل ایمان نرم وسہل ہوتے ہیں نکیل لگے اونٹ کی مانند اگر اسے باندھا جائے تو بندھ جائے اور اگر اسے کسی چٹان پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جائے۔

اہل ایمان کی یہی شان ہوتی ہے کہ جلال ربانی کے سامنے ان کے دل وجسم خاشع وخاضع اور منکسر ومتواضع ہی رہتے ہیں۔

اب آئیے دیکھیں حضور ﷺ کا انداز رفتار کیا تھا اور پھر دیکھیں کہ حافظ ملت اس انداز رفتار کی پیروی اور تقلید میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں، حضور ﷺ کی رفتار کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

ما رأيت أحدا أسرع فى مشيه من رسول الله ﷺ كأنما الأرض تطوى له، إنا لنجهد أنفسنا وإنه لغير مكترث [3]

میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہ دیکھا، گویا زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی تھی، ہم اپنی پوری طاقت صرف کرتے اور حضور ﷺ بے تکلف چلتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کی رفتار کا تعارف کراتے تو فرماتے:

---

(۱) الفرقان، آیت: ۶۳، پارہ: ۱۹

(۲) روح البیان، ج: ۱، ص: ۲۴۰

(۳) انوار غوثیہ شرح شمائل، ص: ۱۷۷

إذا مشی تقلع كأنما ينحط فی صبب[1]

جب حضور ﷺ چلتے تو زمین سے پاؤں زور کے ساتھ اٹھاتے گویا آپ اوپر سے نیچے کی طرف اتر رہے ہوں۔

حضرت علی کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

كان رسول الله ﷺ إذا مشی تكفأ تكفؤاً كأنما ينحط من صبب[2]

رسول اللہ ﷺ جب چلتے تو بلا رکاوٹ آگے کو جھکے ہوئے چلتے تھے جیسے نشیب کی طرف قدم اٹھا رہے ہوں۔

حضرت ہند بن ابوہالہ کا بیان ہے، آپ کو حضور ﷺ کا سراپا کھینچنے کا عجیب ملکہ حاصل تھا:

إذا أزال زال قلعا يخطو تكفيا و يمشی هونا ذريع المشية إذا مشی كأنماينحط من صبب وإذا التفت التفت جميعاً خافض الطرف.[3]

حضور ﷺ جب قدم اٹھاتے تو مضبوط قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر چلتے اور باوقار چلتے اور جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف جا رہے ہیں اور جب آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے طور سے متوجہ ہوتے، آپ کی نظر نیچی ہوتی۔

حضور ﷺ مضبوطی سے قدم اٹھاتے، آگے کو جھک کر باوقار چلتے، تیز رفتاری سے چلتے جیسے آپ فراز سے نشیب کی طرف اتر رہے ہوں، نظریں آپ کی جھکی ہوتیں۔

کیا ہمارا اور تمام مشاہدین کا یہ مشاہدہ نہیں کہ حافظ ملت اسی سنت کریمہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش فرماتے؟ آپ زمین پر وقار اور سکینت کے ساتھ چلتے، آپ کی رفتار تواضع وخاک ساری کی آئینہ دار ہوتی، نگاہیں نیچی ہوتیں، ایسے چلتے، جیسے نشیب کی طرف اتر رہے ہوں اور اپنی پیرانہ سالی میں بھی اتنی تیزی سے چلتے کہ جوانوں کا ساتھ چلنا مشکل ہو جاتا۔

ادری کا ایک واقعہ ہے، صدیق مکرم مولانا یٰسین اختر اعظمی (مصباحی) اس کے راوی ہیں۔

آج سے کئی سال پہلے خالص پور ادری ضلع اعظم گڑھ کے ایک جلسے میں حافظ ملت تشریف لے گئے،

---

(۱) انوار غوثیہ شرح شمائل، ص:۱۷۹

(۲) انوار غوثیہ شرح شمائل، ص:۱۸۰

(۳) انوار غوثیہ شرح شمائل، ص:۲۲

مولانا مشتاق احمد نظامی، مولانا ابوالوفا فصیحی مرحوم غازی پوری اور بیکل اتساہی بھی شریک اجلاس تھے، اختتامِ تقریر کے بعد یہ حضرات اپنی ٹرین کے لیے اندارا اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے، بیکل صاحب وغیرہ کی ٹرین گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تھی، اس لیے وہ بہت پہلے اسٹیشن پہنچ چکے تھے، تقریباً ۴۵ر منٹ یا پورے ایک گھنٹہ بعد حافظ ملت ملت اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے، اسٹیشن پہنچانے والے عقیدت مندوں بالخصوص جناب لال محمد، جناب احمد علی، جناب محمد سلیمان وغیرہم کا بیان ہے کہ حضرت حافظ ملت اتنی تیزی سے چل رہے تھے کہ بعض اوقات ہم لوگوں کو دوڑنا پڑتا اور بڑی مشکل سے حضرت کا ساتھ دے پاتے تھے، ادری جب پہنچے تو لوگوں نے بتایا کہ حضرت کی ٹرین کا وقت ختم ہو چکا ہے، اب اسے ملنے کی کوئی توقع نہیں، اس کے باوجود حافظ ملت چلتے رہے اور یہ فرمایا: ان شاء اللہ ضرور ملے گی، اسٹیشن پہنچے تو بیکل صاحب ابھی موجود تھے اور حافظ ملت کی ٹرین ابھی آئی ہی نہ تھی، حافظ ملت کو دیکھتے ہی بیکل صاحب اور دیگر علماے کرام نے ان کے قدم چوم لیے، ایسا نہیں کہ حافظ ملت اس طرح کے مخصوص حالات ہی میں تیز رفتاری سے چلتے تھے بلکہ عام حالات میں بھی آپ کی رفتار سنت کے مطابق تیز ہوا کرتی تھی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب مخلوق کو جمع فرمائے گا، ایک ندا دینے والا ندا دے گا: اہل فضل کہاں ہیں؟ تو کچھ لوگ اٹھیں گے اور وہ بہت تھوڑے لوگ ہوں گے، وہ تیزی سے جنت کی طرف جائیں گے، ان سے فرشتے ملیں گے اور کہیں گے، ہم تم کو جنت کی طرف تیزی سے جاتا ہوا دیکھ رہے ہیں، تو وہ لوگ کہیں گے ہم اہل فضل ہیں، فرشتے کہیں گے تمھارا کیا فضل رہا ہے؟ وہ کہیں گے ہم پر جب ظلم کیا جاتا ہم صبر کرتے اور جب ہمارے ساتھ کوئی جہالت و نادانی سے پیش آتا ہم برداشت کرتے، تو ان سے کہا جائے گا: تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔[1]

دوسری حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی امت کے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں اور وہ لوگ اس زمانہ کے بعد ہوں گے، وہ مجھ سے محبت کریں گے اور میں ان سے محبت کروں گا، وہ باہمی خیر خواہ ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کے لیے خرچ کریں گے، وہ لوگوں میں اللہ کے نور سے آہستہ دبے اور خشیت الٰہیہ کے ساتھ چلیں گے، وہ اپنے صبر اور بردباری کے باعث لوگوں سے محفوظ رہیں گے اور لوگ ان سے محفوظ ہوں گے، اللہ کی یاد میں ان کے دلوں کا سکون واطمینان ہوگا، وہ اپنی مسجدوں

---

(۱) روح البیان، ج:۶، ص:۲۴۱

کو اپنی نمازوں سے آباد کریں گے، اپنے چھوٹوں پر مہربانی کریں گے اور اپنے بڑوں کی تعظیم کریں گے، وہ ایک دوسرے کے لیے ہم درد ہوں گے، ان کا مالدار اپنے تنگ دست سے رجوع کرے گا، وہ اپنے مریضوں کی عیادت کریں گے اور اپنے جنازوں کے پیچھے چلیں گے، قوم کے ایک شخص نے کہا: اس میں ان کی مدد بھی کی جائے گی؟ اس کی طرف رسول اللہ ﷺ متوجہ ہوئے اور فرمایا: بالکل نہیں، ان کا کوئی معاون نہ ہوگا، وہ اپنا کام خود کریں گے، وہ اللہ کے نزدیک اس سے بالاتر ہوں گے کہ اللہ ان کو فراخی مرحمت کرے، کیوں کہ ان کے رب کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا ۔ اخیر تک [1]

اس حدیث میں عباد رحمٰن کی صفتیں اور علامتیں قدرے تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

ایک عارف باللہ نے عباد الرحمٰن کا تعارف اس طرح کرایا ہے: عبادت ان کی آرائش و زیبائش، فقر ان کا اعزاز، اللہ کی طاعت ان کی شیرینی، اللہ کی محبت ان کی لذت، اللہ ہی سے ان کو ضرورت، تقویٰ ان کا توشہ، ہدایت ان کی سواری، قرآن ان کا سخن، ذکر ان کی زینت، قناعت ان کا مال، عبادت ان کی کمائی، شیطان ان کا دشمن، حق ان کا نگہبان، دن ان کے لیے سامان عبرت، رات ان کا لمحۂ فکریہ، زندگی ان کا سفر، موت ان کی منزل، قبر ان کا قلعہ، جنت الفردوس ان کا ٹھکانا اور رب العالمین کا دیدار ان کی آخری آرزو۔ [2]

دونوں حدیث اور عارف باللہ کا بیان پیش نظر رکھیے، ان میں عباد رحمٰن کی جو صفتیں اور علامتیں ذکر کی گئی ہیں، کیا حافظ ملت ان کے آئینہ دار نہ تھے؟ کیا حافظ ملت پر جب بھی کسی طرح کا ظلم کیا جاتا تو وہ صبر نہیں فرماتے تھے؟ جب آپ کے ساتھ ناروا سلوک ہوتا تو کیا عفو و درگزر سے کام نہ لیتے تھے؟ اور جب کوئی آپ کے ساتھ نادانی اور جہالت سے پیش آتا تو کیا آپ تحمل نہ فرماتے تھے؟ کیا آپ حضور ﷺ کے عاشق حقیقی نہ تھے؟ کیا آپ نے عشق رسول میں پوری زندگی فنا نہیں کردی؟ کیا آپ اہل ایمان کے لیے خیر خواہ نہ تھے؟ آپ کی خیر خواہی تو اب تاریخی ہی نہیں بلکہ تاریخ ساز بھی ہو چکی ہے، کیا اپنی پوری توانائی اور اہل مال سے نہ ہو کر بھی مال خرچ نہ کرتے تھے؟ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کا تعمیری چندہ ہو رہا تھا، چندہ کے ماہرین کا قافلہ چندہ کرتے کرتے خود چندہ کرانے والے کے گھر بھی پہنچ گیا ذرا ان کی جرأت و ہمت تو دیکھیے، فرشتے بھی

---

(۱) روح البیان، ج:۶، ص:۲۴۱

(۲) روح البیان، ج:۶، ص:۲۴۱

ہوتے تو شاید مارے غیرت کے اس کی ہمت نہ کرتے کہ جامعہ کے لیے اپنا سب کچھ لٹا چکا ہو اس کو اپنا خون بھی پلا چکا ہو وہ اب کچھ مزید دینے کو کہاں سے لائے گا جو الجامعۃ الاشرفیہ کو اپنی پوری متاع زیست بنا چکا ہو وہ اب اسے دینے کے لیے کوئی دوسری متاع کہاں سے لائے گا، لیکن قربان جائیے حافظ ملت کی فیاضی اور دریادلی پر بھی، اندر سے نوٹوں کی جو آمد شروع ہوئی تو چندہ کے سوالی پانی پانی ہو گئے اور پھر اس در سے ایسا بھاگے جیسے ان کا کوئی تعاقب کر رہا ہو، ہاں تو حافظ ملت غنی نہ ہو کر بھی کیا خرچ نہ فرماتے تھے، زمین پر وقار، خاک ساری اور تواضع کے ساتھ کیا آپ نہیں چلتے تھے۔

کیا آپ، لوگوں سے بچ کر نہیں نکل جاتے تھے؟ کیا آپ نے اپنی حیات کو داغ دار ہونے دیا؟ کیا اللہ کی یاد میں حافظ ملت کے دل کا چین نہ تھا؟ کیا آپ اپنی نمازوں سے مسجدیں آباد نہیں کرتے تھے؟ آباد ہی نہیں بلکہ مسجدیں تعمیر بھی کیا کرتے تھے، کیا مبارک پور کی تاریخی اور عظیم الشان جامع مسجد جس میں ہزاروں نمازی نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، اس کی تعمیر کا سہرا حافظ ملت کے سر نہیں ہے؟ کیا آپ چھوٹوں پر شفقت نہیں فرماتے تھے؟ آپ کی شفقت تو ضرب المثل ہو گئی ہے، کیا آپ بڑوں کی توقیر نہیں کرتے تھے؟ کیا حافظ ملت دوسروں کے لیے ہمدرد نہ تھے اور ناداروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک نہ کرتے تھے؟ کیا مریضوں کی عیادت نہ فرماتے تھے اور جنازوں میں شریک نہ ہوتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ملت ان تمام اعمال کے ایسے عامل اور ان تمام صفات کے ایسے جامع تھے جس کی مثال خال خال ہی کہیں مل سکے گی۔

پھر دیکھیے کہ حافظ ملت عارف باللہ کی ذکر کردہ صفتوں کے جامع تھے کہ نہیں؟ کیا عبادت آپ کی زیبائش وآرائش نہ تھی؟ کیا فقر آپ کا اعزاز نہ تھا؟ کیا طاعت آپ کی شیرنی نہ تھی، اللہ کی محبت کیا آپ کی حقیقی لذت نہ تھی؟ کیا تقویٰ آپ کا توشہ نہ تھا؟ کیا ہدایت آپ کی سواری نہ تھی؟ قال اللہ آپ کا سخن خاص نہ تھا؟ کیا ذکر الٰہی آپ کی زینت نہ تھی؟ قناعت آپ کا غنا نہ تھا؟ عبادت آپ کا کسب نہ تھا؟ شیطان آپ کا دشمن نہ تھا؟ اس کو دشمن تو سبھی کہتے ہیں، لیکن کیا شیطان کی دشمنی کو سب برت بھی پاتے ہیں؟ کیا حق آپ کا نگہبان نہ تھا؟ کیا دن آپ کے لیے سامان عبرت نہ تھا؟ کیا شب آپ کے لیے لمحۂ فکریہ نہ تھی؟ کیا آپ کی زندگی مکمل سفر نہ تھی اور اس حدیث کی کھلی تصویر نہ تھی:

"کن فی الدنیا کأنك غریب أوعابر سبیل"
تم دنیا میں مسافر رہو یا راہ گیر کی طرح۔

کیا موت آپ کی منزل نہ تھی؟ اس نے آپ کو چین و سکون بہم نہ پہنچایا ہوگا؟ قبر آپ کا قلعہ اور جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ نہ ہوا ہوگا؟ اور کیا رب العالمین کا دیدار آپ کی سب سے بڑی اور آخری آرزو نہ تھی؟ حافظ ملت کی حیات جن جن کے سامنے ہے وہ سب کہیں گے ہاں! اور ہاں! اور یقیناً ہاں!

آیت کریمہ کا آخری حصہ بھی ملاحظہ ہو:

وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا[۱]

اور جب جاہل ان (عباد رحمٰن) سے بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں۔

امام غزالی نے **"احیاء العلوم"** میں اس کی تفسیر یہ کی ہے:

ہم تمھارے گناہ سے محفوظ ہیں اور تم ہمارے شر سے محفوظ ہو۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

رسول کریم ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب آپ جاہل کی سختی سے دوچار ہوتے تو آپ کے حلم میں اور اضافہ ہو جاتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرتا ہے:

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ.

اور جب وہ لغویات سنتے ہیں تو اس سے انحراف کرتے ہیں۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے، نعمان بن مقرن مزنی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کہ آپ کے حضور ایک شخص نے دوسرے شخص کو گالی دے دی تھی، دوسرا جس کو گالی دی گئی تھی وہ کہنے لگا: تم کو سلام، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! تم دونوں کے بیچ ایک فرشتہ ہے تیرا (جس کو گالی دی گئی تھی) دفاع کر رہا ہے، جب بھی اس نے تمھیں گالی دی فرشتے نے اس سے کہا بلکہ تم اور تم ہی اس کے زیادہ سزاوار ہو اور جب تم نے اس سے کہا تم کو سلام، فرشتے نے کہا نہیں، بلکہ تم کو سلام، تم سلام کے زیادہ حق دار ہو۔[۲]

اسی آیت کریمہ کی تعلیم پر اور مذکورہ حدیث کے مقتضا پر حافظ ملت کا عمل رہا، آپ کی حیات جن کے سامنے ہے ان کی شہادت ہے کہ حافظ ملت کا سابقہ جب بھی کسی نادان غیر سنجیدہ شخص سے پڑا، حافظ ملت سلام کہتے گزر گئے، یا پھر خموشی کے ذریعہ حلم اور صبر جمیل اختیار فرمایا۔

---

(۱) الفرقان، آیت: ۶۳، پارہ: ۱۹

(۲) تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۲۵

جب الجامعۃ الاشرفیہ کے تعمیری کام کا آغاز ہوا تو بعض وہ افراد جو حافظ ملت کے اس عظیم منصوبے اور طرز عمل سے مکمل اتفاق نہیں رکھتے تھے، سرِ راہ حافظ ملت کو سخت سست کہتے گالیاں تک دیتے، حافظ ملت سنتے اور خموشی کے ساتھ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے گزر جاتے اور اپنے معتقدین کو کبھی اس کی خبر نہ ہونے دیتے کہ کہیں ان میں انتقامی جذبہ نہ پیدا ہو جائے، ایک بار تو یہاں تک فرمایا: جو مخالفت کا جواب مخالفت سے دے گا یا کسی کو اس سلسلے میں کچھ کہے گا وہ میرا نہیں، میں سخت بیزار ہوں، مخالفت کا جواب مخالفت نہیں بلکہ مخالفت کا جواب کام ہے۔

قران حکیم نے عباد رحمٰن کی تیسری صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ راتوں کو جاگتے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، قیام و سجود میں اپنی راتیں گزارتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا (۱)

اور جو اپنے رب کے لیے سجدہ و قیام میں رات گزارتے ہیں۔

روح البیان میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے:

وہ اپنے رب کے لیے شب میں نمازیں پڑھتے ہیں، رات کا کل حصہ یا کچھ حصہ قیام و سجدہ میں گزارتے ہیں۔ (۲)

اہل تقویٰ کے بارے میں قرآن ناطق ہے:

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (۳)

وہ رات میں کم سویا کرتے ہیں اور پچھلی رات استغفار کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ قرآن ان کی کیفیتِ شب کی تصویر کشی کرتا ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (۴)

ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا ہوتے ہیں۔

ایک جگہ اور قرآن کہتا ہے:

---

(۱) الفرقان، آیت: ۶۴، پارہ: ۱۹

(۲) روح البیان، ج: ۶، ص: ۲۴۲

(۳) الذاریات: ۵، آیت: ۱۸، ۱۷، پارہ: ۲۶

(۴) السجدہ: ۳۲، آیت: ۱۶، پارہ: ۲۱

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآىِٕمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ[۱]

کیا وہ جسے فرماں برداری میں رات کی گھڑیاں گزریں سجود اور قیام میں، آخرت سے ڈرتا ہے اور رب کی رحمت کی توقع رکھتا ہے (کیا وہ نافرمانوں جیسا ہو سکتا ہے۔)

حدیث شریف میں ہے:

من کثرت صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار[۲]

جو رات میں کثرت سے نماز پڑھتا ہے دن میں اس کا چہرہ بارونق ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا:

قم من الليل ولو قدر حلب شاة

تم رات میں عبادت کے لیے اٹھو ایک بکری کے دوہنے کے بقدر ہی سہی۔

حضور ﷺ کی سنت کریمہ تھی کہ راتوں کو بیدار ہوتے اور تہجد کی نماز ادا فرماتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے ایک شب حضور کی خدمت میں گزاری تھی وہ کہتے ہیں: میں تکیہ کی چوڑائی میں اور حضور ﷺ تکیہ کی لمبائی میں لیٹے، کم و بیش آدھی رات گزر گئی، سید عالم ﷺ بیدار ہوئے، حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے نیند پوچھی، پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، پھر اٹھے، پانی کا مشکیزہ جو لٹکا ہوا تھا اس سے پانی لے کر نہایت احسن وضو فرمایا، میں حضور کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، حضور نے اپنا دایاں دست مبارک میرے سر پر رکھا، پھر میرا دایاں کان پکڑا اور میرا کان موڑا، پھر حضور نے دو رکعتیں چھ بار پڑھیں پھر وتر پڑھی اس کے بعد لیٹ گئے، پھر مؤذن آیا، حضور ﷺ اٹھے اور دو ہلکی سنتیں پڑھیں پھر فجر کی نماز کے لیے باہر تشریف لے گئے۔[۳]

حافظ ملت عباد رحمٰن کی اسی شب زندہ داری اور تہجد گزاری سے متّصف اور حضور ﷺ کی اسی سنت طیبہ کے متبع رہے، حافظ ملت دن کے مجاہد تھے تو رات کے زاہد شب زندہ دار اور عابد تہجد گزار تھے، عالم شباب میں بھی اور ان کے بعد کی زندگی میں بھی، آپ کی زندگی کے آخری ایام مصروف سے مصروف تر ہوتے چلے گئے تھے، مسلسل تبلیغی سفر اور تعمیری دورے فرماتے، سفر و حضر دونوں میں متوسلین و معتقدین کا ہجوم ہوتا،

(۱) الزمر:۳۹، آیت:۹، پارہ:۲۳
(۲) روح البیان، ج:۶، ص:۲۴۲
(۳) انوار غوثیہ ص:۳۵۲

لیکن آپ کے معمولات کی پابندی میں کوئی فرق نہ پڑتا، نوافل و تہجد گزاری کا اہتمام والتزام بدستور رہا، مشہور روایت ہے کہ زمانۂ طالب علمی ہی سے حافظ ملت نماز تہجد کے پابند رہے۔

عباد رحمٰن کی صفتیں اجمالاً ذکر کی گئیں، اس کی روشنی میں پورے اذعان وایقان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حافظ ملت ان صفات کے حامل ہی نہ تھے بلکہ ان صفتوں کے پیکر بھی تھے، اسی لیے حافظ ملت جہاں اور بہت کچھ تھے وہیں ایک مثالی عبد رحمٰن بھی تھے۔

حافظ ملت اقوال وتحریر کے آئینے میں

مولانا جلال الدین احمد النوری، الازہر، قاہرہ

دنیاے اسلام کے مایہ ناز محدث حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیزی کی شہرت وناموری کے جہاں اور علل واسباب ہیں، ان میں آپ کے قول وفعل اور تحریر میں یکسانیت ویکسوئی کا بھی بڑا دخل ہے، آپ بے شمار اوصاف وخصائل کے مالک تھے اور ہر وصف میں آپ کی جامعیت باتم پائی جاتی تھی، آپ کبھی بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے، آپ کی بات خامیوں سے پاک ہوتی، ہر جملہ علم وحکمت کا سرچشمہ ہوتا، الفاظ بہت جچے تلے ہوتے، آپ کے اقوال وافعال وتحریر بلا شبہہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

آپ نے حضور سیدی وسندی مصنف بہار شریعت حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی خصوصی ہدایت پر ۲۹؍ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ کو سرزمین مبارک پور میں قدوم میمنت لزوم فرمایا اور اسی روز سے الجامعۃ الاشرفیہ (سابق دارالعلوم اشرفیہ) کے تعمیری کاموں وتدریسی مہم میں مشغول ہوگئے، بعض تخریب پسند عناصر نے اپنی ریشہ دوانیاں شروع کردیں تو چند احباب ونیاز مند جوابی تدبیروں کی فرمائش لے کر حافظ ملت کے پاس حاضر ہوئے، آپ نے ارشاد فرمایا: میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے، ہمیں اپنے کام سے فرصت نہیں کہ ہم جواب کی طرف متوجہ ہوں۔

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسمان سے ہم
لپٹے پڑے ہیں لذت درد نہاں سے ہم

غالباً فروری ۱۹۶۴ء کی بات ہے ہم اپنے دیگر ہم سبق ساتھیوں کے ساتھ حافظ ملت کی خدمت میں ”کافیہ“ پڑھ رہے تھے، اثناے تدریس میں پیر طریقت مولانا عبدالحق صاحب تشریف لائے اور باتوں باتوں میں انھوں نے حضرت سے کہا: اس درس گاہ سے کوئی فاتح کان پور بن گیا، اور کوئی فاتح جمشید پور، لیکن اب کوئی فاتح بننے والا نظر نہیں آتا، حافظ ملت نے برجستہ جواب دیا: مولانا! کیا آپ نے سنا نہیں؟

ترے مے کدے میں کمی ہے کیا؟ جو کمی ہے ذوق طلب میں ہے
جو ہوں پینے والے تو آج بھی، وہی بادہ ہے وہی جام ہے

غالباً ۱۹۶۵ء ہی کی بات ہے آپ ایک شب محلہ نوادہ میں تقریر فرما رہے تھے، آپ نے تہذیب جدید پر طنز کرتے ہوئے کہا:

اب فیشن کا یہ عالم ہے کہ آج کل لوگ کپڑے پر دھوبی سے خوب استری کرواتے ہیں، کپڑے کو چمکواتے ہیں اور جوتے پر خوب پالش کر لیتے ہیں اور جب گھر سے نکلتے ہیں تو بار بار اپنی کمر کی طرف دیکھتے ہیں۔

نزاکت کی حد کمر دیکھتے ہیں

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ موت سے قطعی نہیں ڈرتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ مولانا محمد حنیف صاحب مبارک پوری نے حضرت کی خدمت میں ایک خط لکھا تھا جس میں انھوں نے اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ حضور! میں نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے، جس سے اشارہ مل رہا ہے کہ آپ اس دار فانی سے رخصت ہونے والے ہیں، حضور حافظ ملت مولانا کا خط لے کر دارالافتا کے سامنے چار پائی پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ مولانا محمد حنیف صاحب نے بڑی محبت کا خط لکھا ہے، جس میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ میرا انتقال ہونے والا ہے، میرے نزدیک موت سے ڈرنا بڑی حماقت ہے، موت سے ڈرنے کا کوئی معنی نہیں، ایسی صورت میں ہونا تو یہ چاہیے کہ انسان اپنے خدا کی طرف مائل ہوجائے اور اس کے ذکر و فکر سے لو لگائے رہے، بلاشبہہ مرد مومن کی شناخت یہی ہے کہ وہ موت سے نہ ڈرے، بھلا اللہ والے موت سے ڈرتے ہیں؟ وہ تو اللہ کی ذات و صفات میں گم رہتے ہیں۔ (۱)

مولانا عبداللہ خاں عزیزی صاحب کا بیان ہے کہ حضور حافظ ملت (نوراللہ مرقدہ) ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم عتیقیہ تلشی پور، گونڈہ جب امتحان لینے کے لیے تشریف لائے تھے تو اس وقت میں کافیہ پڑھ رہا تھا، کافیہ کے امتحان میں حضرت علیہ الرحمۃ نے سوال کیا تھا:

فاعل کی تعریف میں تقدیم فعل کی قید کیوں لگائی گئی؟ میں نے برجستہ جواب عرض کیا تھا: فاعل اور مبتدا میں امتیاز کے لیے یہ قید لگانا ضروری ہے، میرے اس جواب پر حضور حافظ ملت نے تحسین و آفریں اور ذرہ

---

(۱) ماہ نامہ اشرفیہ، ص:۱۱، اگست ۷۶ء

نوازی کے وہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ آج تک وہ الفاظ ذہن میں محفوظ ہیں اور ان کی حلاوت تاحیات باقی رہے گی۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں آپ پر مرض کا شدید حملہ ہوا، ایک ہفتہ تک غذا بند رہی، لیکن ایک روزہ بھی فوت نہ ہونے دیا، ساتھ ہی اپنے بڑے صاحب زادے مولانا عبدالحفیظ صاحب کو جو (آج کل سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ ہیں) شرح عقائد کا درس دیتے رہے، حالاں کہ معالجین نے نقل و حرکت اور درس و تدریس پر سخت پابندیاں لگا دی تھیں، لیکن دوسرے ہی روز آپ نے درس بخاری کے لیے طلبہ کو بلا بھیجا، حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مد ظلہ نے حضرت سے عرض کیا: حضور! بخاری شریف کا درس میں نے شروع کر دیا ہے، تو مسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ طلبہ سے کہہ دیجیے گا کہ میں نہیں ہوں، مگر میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ بیماری کی حالت میں بھی مسلسل تبلیغی دورے اور الجامعۃ الاشرفیہ کی ضروریات کے لیے سفر کیا کرتے تھے، جب اراکین اشرفیہ اور نیاز مند سفر سے روکتے تھے تو فرماتے:

سفر سے دین کا کام ہوتا ہے، پھر الجامعۃ الاشرفیہ کی تکمیل کے لیے مجھے جنون ہے،

جسے جنون ہو، اسے اپنا خیال کب رہتا ہے؟

ایک بزرگ عالم سے (جو کسی زمانہ میں دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف میں شیخ الحدیث رہ چکے ہیں) حضرت حافظ ملت کو تکلیفیں پہنچی تھیں، وہ اکثر حضرت کی شکایتیں کیا کرتے، ایک بار ایسا ہوا کہ اثنائے سفر میں کسی نے حافظ ملت کو اطلاع دی کہ فلاں بزرگ اس ٹرین سے سفر کر رہے ہیں، ٹرین جیسے ہی اگلے اسٹیشن پر پہنچی آپ تیزی سے اترے اور ان سے جا کر پرتپاک مصافحہ و معانقہ اور باقی سفر انھی کے ساتھ طے کیا۔(۱)

جب ہم آپ کی تحریر پر غور کرتے ہیں تو ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی حاصل ہوتی ہے، آپ ہی کی تحریر مبارک سے ہم مسلمانان اہل سنت متعارف ہوئے کہ حضور ﷺ نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ عنہ کا شان دار استقبال فرمایا اور وہ بارگاہ رسالت میں نوازے گئے اور "وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا" کے مصداق بنے۔

حضور حافظ ملت تحریر فرماتے ہیں:

میری زندگی کا سب سے بہترین زمانہ دارالخیر اجمیر شریف کی حاضری کا وہ دور طالب علمی ہے جس میں نو سال تک سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری نصیب ہوئی اور استاذ محترم حضرت

(۱) المصباح، ص ۱۴، مطبوعہ اشرفی دارالمطالعہ مبارک پور

صدرالشریعہ قبلہ علیہ الرحمۃ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا، اس مبارک زمانہ میں اکثر علما و مشائخ اور بزرگان دین کی زیارت میسر آتی تھی، انھی بزرگوں میں حضرت دیوان سید آل رسول صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے ماموں صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو بڑے بلند پایہ بزرگ تھے، دیوان صاحب کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، موصوف کی خدمت میں میری حاضری ہوا کرتی تھی، ایک دن حضرت موصوف نے فرمایا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے ان کی آمد کی خبر پا کر میں نے ان کی ملاقات کی، بڑی شان وشوکت کے بزرگ تھے، طبیعت میں بڑا ہی استغنا تھا، مسلمان ان شامی بزرگ کی خدمت کرنا چاہتے تھے، نذرانہ پیش کرتے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بفضلہٖ تعالیٰ فارغ البال ہوں مجھے روپے پیسے کی ضرورت نہیں، مجھے ان کے استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا، عرض کیا: حضرت یہاں (ہندوستان) تشریف لانے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا مقصد تو بڑا زریں تھا لیکن حاصل نہ ہوا، جس کا افسوس ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی، خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا انتظار ہے، میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا، "فداك أبي وأمي" کس کا انتظار ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: احمد رضا کا انتظار ہے، میں نے دریافت کیا: احمد رضا کون ہیں؟ فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں، بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی، معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور بقید حیات ہیں، مجھے مولانا سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا، میں ہندوستان آیا، بریلی پہنچا، معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے اور وہی تاریخ ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ ہے، میں نے یہ طویل سفر صرف ان کی ملاقات کے لیے ہی کیا، لیکن افسوس ہے کہ ملاقات نہ ہو سکی۔[1]

وہ ۳۱ر مئی ۱۹۷۶ء کی شام تھی حضور حافظ ملت نے ۴ر بجے دن بخاری شریف "کتاب الجنائز" کا درس دیا موت سے متعلق اسرار و رموز بیان فرمائے، اثنائے درس میں فرمایا: آج دوشنبہ کا دن ہے، آج ہی کے دن سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور دوشنبہ ہی کو دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس بات کو یاد رکھیے آپ دس بجے رات کو اپنے گھر سے باہر تشریف لائے، احباب سے دریافت کرتے ہوئے فرمایا کہ مولوی عبدالحفیظ سلمہ آئے نہیں؟ ان کا مجھے انتظار ہے، حاضرین نے عرض کیا: وہ حضرت سے

---

(۱) سوانح امام احمد رضا، ص ۳۶۸، مولفہ: مولانا بدرالدین احمد القادری، مطبوعہ لاہور

اجازت لے کر گھوسی تشریف لے گئے ہیں، کل وہاں سے بستی جانے والے ہیں، اتنا سن کر حضرت نے کچھ توقف فرمایا اور مایوس کن لہجے میں گویا ہوئے، اس کا مطلب کہ میں عبدالحفیظ کا انتظار نہ کروں، یہ کہہ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے، اماں جی سے فرمایا آرام کیجیے خود بھی آرام کے لیے لیٹے اور گیارہ بجے رات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہو گئے ؏

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

اے پروردگار عالم! جب تک آسمان کے ستاروں میں چمک اور مرغ زاروں میں کوئلوں کی کوک اور پپیہا کی ترنم خیز صدائیں گونج رہی ہوں — اے خالق کائنات! جب تک کائنات کی چہل پہل اور گردش لیل ونہار ہو — اے رب کریم! جب تک صحن گلشن میں کلیوں کی مسکراہٹ اور پھولوں کے حسین قہقہے، بلبلوں کی نواسنجی ہو — اس وقت تک حضور سیدی حافظ ملت قدس سرہ العزیز کی قبر پر تیرے رحم وکرم کی بارش ہو۔ آمین

حافظ ملت علما و مفکرین کی نظر میں

عبد السمیع صدیقی بہرائچی متعلم درجہ خامسہ

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۱۹۵۹ء بمقام منشاپورہ ضلع بہرائچ۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ سید العلوم بڑی تکیہ (بہرائچ) میں حاصل کی اس کے بعد اپنے استاذ (مولانا بدر عالم مرحوم) کی ہدایت پر الجامعۃ الاشرفیہ آگئے اور یہیں سے سند و دستار حاصل کی۔

تدریسی خدمات: دار العلوم سبحانی (ممبئی) میں صدر المدرسین کی حیثیت سے رہے پھر دار العلوم بڑی تکیہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر تقریباً بیس سال سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف: آپ نے بہت سی کتابیں اور مضامین تحریر فرمائے جن میں سے "ابن تیمیہ" اور "توسل" کافی شہرت کی حامل ہے۔

حضور حافظ ملت کی جامع شخصیت پر مجھ کم مایہ کو بھی کچھ لکھنے کا شوق تھا، استاذ گرامی حضرت مولانا بدر القادری صاحب کے ایما پر مختلف مراجع سے علما و مفکرین کے اقوال جمع کر کے نمبر میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں---زہے نصیب۔ (عبد السمیع صدیقی)

- حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ ایسے صاحب علم، عالم تھے گویا عالم تھے۔

(حضرت برہان ملت علامہ برہان الحق دام فیضہ خلیفۂ امام احمد رضا قدس سرہ)

- حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی ذات دنیائے درس و تدریس و علم و حکمت کے لیے نعمت عظمیٰ تھی اور

قدر ہر نعمت است بعد زوال

(حضرت برہان ملت علامہ برہان الحق دام فیضہ خلیفۂ امام احمد رضا قدس سرہ)

- (اشرفیہ) یہ ساری بہار اسی (حافظ ملت کے) وجود مسعود کے دم سے ہے، اسی کے فیض قدم سے ہے، یہ

روشنی اسی کے جلوے کی ہے۔ (حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا بریلوی دم ظلہ)

- مولانا (حافظ ملت) مخلص، ایثار پسند، ہم درد، تھے، ان کی خوبیاں تحریر سے باہر ہیں۔
(حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب کچھوچھہ شریف)
- وہ نحیف الجثہ مگر بڑے قوی الایمان تھے۔ (سید آل حسنین برکاتی مارہروی شاہزادۂ سید العلما)
- حافظ ملت علم وعمل کا ایک پہاڑ جن کے نورانی چہرے سے علم کی جلالت اور تقویٰ و پرہیز گاری ٹپکتی تھی، ہم سب کو ان کی ذات بابرکات پر بڑا فخر تھا۔ (حضرت مولانا سید شاہ آل حسن مارہروی مدظلہ العالی)
- دنیاے سنیت کا اہم قافلہ سالار۔ (مولانا محمد یامین اشرفی مرادآباد)
- ملت کا حافظ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملت کی حفاظت میں گزرا، جس نے ملت کی حفاظت فرمائی تقریر سے، تحریر سے، تدریس سے، مناظروں کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل سے، اپنی زندگی کو اسوۂ نبوی میں ڈھال کر۔ (حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں کچھوچھوی)
- حضرت حافظ ملت محنت کرنے والے ساتھی تھے، عمر بھر دینی خدمات میں اوقات گزارا، تقویٰ وطہارت بھی مکمل تھی، صدمہ ایسا ہوا جو احاطۂ بیان سے خارج ہے۔ (حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب اشرفی بھاگل پوری)
- حافظ ملت کی ذات گرامی دنیاے سنیت کے لیے مینارۂ رشد وہدایت اور نمونۂ عمل تھی۔
(مفتی رجب علی صاحب نان پارہ)
- ان (حافظ ملت) جیسی شخصیت کا ملک میں ہونا ہمارے لیے باعث فخر ہے۔
(سابق وزیر اعظم ہند، مسز اندرا گاندھی (بہ حوالہ استقامت، کان پور، جون ۱۹۷٦ء، ص:٦۵))
- مولانا (حافظ ملت) کی عملیت، اخلاص، جوش عمل اور استقامت وعزیمت بے نظیر تھی، عربی یونیورسٹی مولانا کے عزم کامل اور اخلاص عمل کا زندہ ثبوت ہے۔ (مولانا کوثر ندوی، بنارسی)
- میں ان کی سادگی، زہد واحتیاط پسندی سے متاثر ہوا تھا، لوگ ان کے مزاج کی نرمی، خوش خلقی اور اعتدال سے متاثر ہوتے تھے۔ (عبدالسلام قدوائی ندوی، ایڈیٹر معارف جون ۱۹۷٦ء، اعظم گڑھ)
- حافظ ملت میری نگاہ میں بہت عظیم عالم، بہت عظیم بزرگ اور بہت عظیم قائد و رہ نما تھے؛ اس لیے کہ ان تمام میدانوں میں ان کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ (مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی)
- حافظ ملت نے جس مقصد کے لیے جان دے دی اگر میں اس کے حصول کے لیے کچھ کر سکا تو اسے اپنی

زندگی کی معراج تصور کروں گا۔(حضرت عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ عزیزی)

- حافظ ملت نے تن تنہا اپنے کاندھوں پر قوم وملت کا جو بار عظیم اٹھار کھا تھا، اب اٹھانے کے لیے ایک پوری جماعت در کار ہے۔(حضرت مولانا قاری محمد یحیٰی مبارک پوری)
- الجامعۃ الاشرفیہ کے لیے زندگی وقف کرنے والے نے موت کے بعد اپنے جسد خاکی کا آخری سرمایہ بھی اسی کو سونپ دیا۔(حضرت مولانا محمد شفیع مبارک پوری)
- حافظ ملت کا زہد و تقویٰ ایسا تھا کہ کسی نے آپ کو خلاف سنت روش پر کبھی نہ دیکھا۔

(حضرت مولانا ضیاء المصطفےٰ قادری)

- عمل پیہم، جہد مسلسل اور خلوص وکرم کا دوسرا نام حافظ ملت ہے۔(مولانا ظفر ادیبی)
- حافظ ملت کی ذات گرامی دنیاے سنیت کے لیے کردار واعمال کا سنگ میل ہے۔(مفتی رجب علی نان پاروی)
- حافظ ملت کا فیضان، ابر کرم کی طرح عام تھا، جس سے ہر طالب نے حسب صلاحیت استفادہ کیا۔

(مولانا مشتاق احمد نظامی)

- ہم ایسے انسان کو کیسے مردہ کہہ سکتے ہیں جس نے ملت کے مردہ ضمیر کو زندگی عطا کی ہو؟ آج حافظ ملت خاموش ہیں مگر ہزاروں زبانوں کو قوت حق گوئی عطا کر کے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما (مولانا مشتاق نظامی)

- حافظ ملت کے بعد ہم میں ان کی تین اہم نشانیاں باقی ہیں، حضرت کا مزار مبارک الجامعۃ الاشرفیہ، اور حضرت کے فرزندان گرامی، ان تمام سے ہماری وابستگی ہی حضرت سے سچی محبت وعقیدت کا ثبوت ہے۔

(علامہ ارشد القادری)

- حضرت حافظ ملت کی ایک ذات نے بر صغیر ہند کی تمام درس گاہوں کو اپنی علمی ضوفشانیوں سے منور کر دیا۔(مولانا اسرار الحق)
- حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے آندھیوں میں چراغ جلانا اور طوفانوں میں کشتی چلانا سکھایا۔(مولانا مظفر حسین کچھوچھوی)
- حافظ ملت کسی شخص کا نہیں بلکہ ایک زندۂ جاوید تحریک کا نام ہے۔(مولانا مجتبیٰ اشرف کچھوچھوی)
- امام احمد رضا قدس سرہ نے جس شریعت اسلامیہ کی تجدید فرمائی، حافظ ملت نے اسے عمل کے سانچے میں ڈھال دیا۔(مولانا قمر الزماں)

○ اگر عشق رسول اور درد ملت دونوں یک جا متشکل ہوں تو انھیں حافظ ملت کہنا غلط نہ ہوگا۔ (مولانا قمر الزماں اعظمی)

○ آپ اگر ہندوستان کے دینی ماحول کا جائزہ لیں گے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حافظ ملت کی ذات وہ ذات تھی جس نے ہندوستان بھر کے دلوں کی سرزمین کو زندگی بخشی۔ (مولانا قمر الزماں اعظمی)

○ حافظ ملت ایک عظیم عالم، ایک پاک طینت شخص اور دینی تعلیم کے روح رواں اور بے غرض مصلح تھے، آپ جماعت کے لیے روشنی کے مینارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ (مولانا سید مثنیٰ انور)

○ حافظ ملت کے حضور سب سے بہتر خراج تحسین یہ ہے کہ ان کے مشن کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی جائے۔ (حضرت سید موصوف اشرف بسکھاری)

○ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اس عالم رنگ وبو میں مینارۂ نور تھے۔ (مولانا عبداللہ عزیزی)

○ آپ نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا اور جتنا بھی کیا، سب اسلام کی فلاح و بہبود کے لیے اور رضاے الٰہی کے لیے۔ (مولانا غلام علی بہرائچی)

○ آپ اخلاق ودیانت کے پیکر مجسم، مروت اور محبت کی چلتی پھرتی تصویر تھے، آپ مردم شناسی اور خورد نوازی میں یکتا و تنہا تھے، آپ کی ذات والاصفات خلوت اور جلوت ہر طرح سے مجموعۂ کمالات تھی۔ (مولانا توکل حسین)

○ حافظ ملت وقت کے امام بخاری تھے۔ (مولانا کاظم علی)

○ حافظ ملت کے کارناموں کو سمیٹنا آسان نہیں۔ (مولانا شاہ عبد الحق)

○ حافظ ملت ایک وضع دار، بااصول، اور عبادات ومعاملات میں بہت پابند عالم بزرگ تھے۔ (مولانا نسیم بستوی)

○ حافظ ملت کے انتقال سے صرف مولانا عبد الحفیظ صاحب نہیں، بلکہ علما کا ایک طبقہ یتیم ہو گیا۔
(مولانا عبد الشکور گیاوی)

○ حافظ ملت بڑے ہی بلند اخلاق اور عالی ظرف انسان تھے۔ (مولانا اسلم بستوی)

○ حضرت علیہ الرحمۃ علم و عمل کے وہ سرچشمہ تھے جن کے فیضان نے ہزاروں قطروں کو سمندر کا سا فروغ اور ہزاروں ذروں کو پہاڑ کی سی بلندی عطا کی ہے۔ (مولانا عبد الشکور اعظمی)

○ استاذ العلما، جلالۃ العلم، رئیس المحدثین، تاج دار کشور علم و فضل، پیکر ہدایت وولایت تھے، وہ ظلم وستم کو سہ کر مسکرانے کا ہنر جانتے تھے۔ (مولانا شاہد رضا، ایم، اے)

- حافظ ملت وقت کی عظیم شخصیت، سنیت کی عظمت کا بلند مینار تھے۔(مولانا منشا تابش قصوری، پاکستان)
- میری زندگی کی تمام کامیابیاں حضور حافظ ملت کی رہین منت ہیں۔(بکل اتساہی)
- ہمارا جو کچھ ہے حضور ہی کا صدقہ اور انھی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔(مولانا ممتاز اشرف القادری، لندن)
- وہ مرد آہن جس کا عمل و کردار، قوم و سنیت کی پچاس سالہ خدمات پر تنہا بھاری ہے۔(مولانا بدر القادری)
- وہ میر کارواں جو واقعی نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز کا مالک تھا۔(مولانا بدر القادری)
- حافظ ملت کی ذات علم و عمل کا سنگم تھی، خلوص و مروت، زہد وورع اور شفقت و رافت آپ کی شخصیت کے لازمی جز تھے۔(مولانا بدر القادری)
- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد العزیز صاحب بانی جامعہ اشرفیہ اپنے وقت کے حضرت ابو ہریرہ تھے۔رضی اللہ عنہ(مولانا سید قائم برق داناپوری)
- حضور حافظ ملت صحیح یادگار سلف تھے۔(مولانا نصیر الدین پلاموی)
- حافظ ملت ہمیں ایک ایسی درس گاہ دے گئے جس کے فضلا پوری انسانیت کو حقیقی شعور زندگی اور اخروی سعادت کا پیغام پہنچا سکتے ہیں۔(مولانا یٰسین اختر الاعظمی)
- حافظ ملت نے تعلیمی انقلاب برپا کرنے کا ایک عظیم تصور دیا۔(مولانا شاہ سراج الہدیٰ گیاوی)
- آپ کا وصفِ اخلاق اتنا بلند تھا کہ ہر شخص خود کو آپ کا سب سے قریبی محسوس کرتا۔(مولانا افتخار احمد قادری)
- حافظ ملت اپنی کنیت ''ابوالفیض'' کے صحیح مصداق ہیں، ان کے دم سے علوم اسلامیہ زندہ ہیں۔

(مولانا عبد المبین نعمانی)
- اگر سنیت کی تاریخ سے حافظ ملت کے کارناموں کو نکال دیا جائے تو یہ قوم نصف صدی پیچھے چلی جائے گی۔(مولانا مجیب الاسلام نسیم اعظمی)
- حافظ ملت کی زندگی ہمارے لیے مشعل ہدایت اور منارۂ نور ہے۔(مولانا محمد احمد مصباحی)
- ہندوستانی مسلمانوں پر اس دور اخیر میں حافظ ملت کے سب سے زیادہ احسانات ہیں۔(مولانا رضوان احمد قادری)
- حافظ ملت اپنے دور کے امام ابو حنیفہ تھے۔(مولانا نور الحق قادری)
- آپ (حافظ ملت) عجز و انکسار کے پیکر تھے۔(مولانا عبد المنان کلیمی)
- حافظ ملت حضرت صدر الشریعہ کے صحیح جانشین اور علمی یادگار تھے۔(مولانا محمد عاصم اعظمی)

○ حضور حافظ ملت مستجاب الدعوات ولی تھے۔(مولانا قمر الدین اعظمی)

○ حضور حافظ ملت "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" کے سچے مصداق تھے۔

(مولانا قاری محمد عثمان اعظمی)

○ حضور حافظ ملت "الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" کی عملی تصویر تھے۔(مولانا قاری محمد عثمان اعظمی)

○ حضور حافظ ملت خلق خدا کے حق میں

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کردیں

تھے۔(مولانا ڈاکٹر شکیل اعظمی)

○ حضور حافظ ملت کا ہر عمل قرآن وسنت کا ترجمان تھا۔(مولانا نظام الدین بستوی)

○ حضور حافظ ملت کی ذات گرامی "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" کا آئینہ تھی۔

(مولانا محمد عمر بہرائچی)

○ ان کی باعظمت ذات ملت اسلامیہ کے لیے مینارۂ نور تھی، انھوں نے اپنے علم وفضل، خلوص ومحبت، جدوجہد اور ایثار سے دین میں زندگی کا عمدہ رجحان دیا۔(آل انڈیا سنی اصلاحی جماعت کان پور)

○ سب عمدہ خصائل خلوص واستغنا، دین مین انہماک اور للّٰہیت ان کی ذات میں جمع تھے۔

(مولانا منصور علی خاں بمبئی)

○ مستقبل کا مورخ جب مبارک پور کی تاریخ لکھے گا تو یہ ناممکن ہے کہ جلالۃ العلم والعلماء حافظ ملت نور اللہ مرقدہٗ کی ہمہ گیر شخصیت کے تذکرہ کے بغیر اس کا قلم آگے بڑھ جائے۔(مولانا ظل الرحمٰن ضیائی)

○ حضرت موصوف ملت کا انمول سرمایہ تھے، آپ کی رحلت سے ایک عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے۔

(جناب حسن آدم صاحب سکریٹری انجمن رضا کاران رضا لنکا شائر، یوکے)

○ ان کی ذات ملت اسلامیہ کے لیے ایک روشن ستارہ ہے جنھوں نے اپنے علم وفضل، خلوص، محبت، جدوجہد وایثار کے دریا بہادیے۔(اقبال حسن صاحب بی، اے)

حافظ ملت "اوراق گل" کے آئینہ میں

حضرت اختر بستوی، ایم، اے، روشن محل گاندھی نگر بستی

ولادت: ۱۰/ اگست ۱۹۴۰ء کو ضلع بستی میں جناب اصغر علی صدیقی کے یہاں پیدا ہوئے۔
تعلیم: کم سنی ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، ان نامساعد حالات کی پرواہ کیے بغیر آپ نے تعلیم جاری رکھی، خیر انٹر کالج سے انٹر کی تعلیم حاصل کی، پرائیویٹ طور پر اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد گورکھ پور میں ایک لکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔
وفات: ۸۵ برس کی عمر میں ۱۰/ جون ۱۹۸۸ء میں کا انتقال ہوا۔

ہندوستان میں اسلامی تعلیم کے ایک بہت بڑے مبلغ اور شریعت و طریقت کی مشترکہ شاہ راہ کے ایک انتہائی برگزیدہ مسافر، حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی رحلت کے غم میں بے قرار ہو کر ملک کے گوشے گوشے میں اردو کے شعرانے جو آنسو بہائے تھے اور مرحوم کو اشعار کی زبان میں جو نذرانہاے عقیدت پیش کیے تھے انھیں جناب اسلم بستوی نے مناسب و موزوں ترتیب و تدوین کے ساتھ ایک مجموعے کی صورت میں یکجا کر کے "اوراق گل" کے نام سے شائع کرا دیا ہے، یہ قابل قدر شعری گلدستہ، کل ہند بزم عزیزیہ امجدیہ (بلرام پور) کی طرف سے ان تمام اردو دانوں کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے جو صالح مذہبی، علمی اور ادبی ذوق رکھتے ہیں۔

حافظ ملت کی ذات ایک انجمن تھی اور انجمن بھی ایسی جس میں علم و یقین کے چراغ بھی روشن تھے اور سعی و عمل کی شمعیں بھی فروزاں تھیں، اس انجمن کا اجالا سرزمین ہند کے ہر گوشے میں پہنچا اور وطن عزیز کے لاتعداد افراد کے ذہنوں اور دلوں کو عرفان و آگہی کی تابانیاں دے گیا، موصوف کی زندگی زاہدانہ طرز بود و باش، رہبرانہ علمیت اور مجاہدانہ عمل پسندی سے مرکب تھی، جس کے سارے پہلوؤں کو تمام تر جزئیات و تفصیلات کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشتہر کرنے کی ضرورت ہے، خاص طور پر صحیح و درست اسلامی عقائد کی تبلیغ کے لیے ان کی مساعی جمیلہ اور دینی تعلیم کی ترویج کے سلسلے میں ان کے کارہاے نمایاں سے عوام و خواص کو وسیع پیمانے پر واقف و روشناس کرانا اشد ضروری ہے تاکہ ملت اسلامیہ کے دوسرے باصلاحیت افراد کو بھی انھی راہوں پر جرأت و استقلال کے ساتھ گام زن ہونے کی ترغیب ہو، جو مرحوم کے نقوش قدم سے جگمگا اٹھی ہیں، اس کام کے لیے ضرورت

اس بات کی ہے کہ حافظ ملت کی شخصیت، زندگی اور تحریک پر مشتمل مبسوط کتابیں شائع کی جائیں۔

"اوراق گل" کی اشاعت کا اصل مقصد یہ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود مولانا اسلم بستوی نے اس مجموعے کی ابتدا میں "احساسات" کے عنوان سے بیس صفحات کا جو مضمون تحریر فرمایا ہے اس کی بنا پر مذکورہ بالا کام کو شروع کرنے کی سعادت بھی "اوراق گل" کے حصے میں آگئی ہے، جس نے اس کو زبردست افادیت کا حامل بنادیا ہے، اسلم صاحب نے اپنے اس مختصر مقالے میں حافظ ملت کی زندگی کے حالات، ان کی علمیت وبزرگی، ان کی روحانی تحریک اوران کے تعلیمی مشن پر ایسے بلیغ اور جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ گویا ایک بحر بے کراں کو کوزے میں بند کردیا ہے، اسلم بستوی کا کمال یہ ہے کہ ان کے اس چھوٹے سے مضمون کے آئینے میں مرحوم کی ۸۲ر سالہ حیات دنیوی کی مکمل تصویر بھی نمایاں ہوگئی ہے اوران کے لافانی کارناموں کی مقصدیت کا بھرپور عکس بھی ابھر آیا ہے۔

"اوراق گل" میں جو منظومات شامل ہیں ان میں حزنیہ تاثر، غالب عنصر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن حزن وملال کی لے نہ تو اتنی اونچی ہے کہ زندگی کی حرارت کے احساس کو پوری طرح دبالے اور نہ اتنی بھاری ہے کہ قلب وذہن کی توانائی کو مکمل طور پر کچل کر رکھ دے، اس لحاظ سے یہ مجموعہ اس قسم کے دوسرے مجموعوں سے مختلف بھی ہے اور ممتاز بھی، عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جن عظیم شخصیتوں سے لاکھوں اور کروڑوں افراد کو قلبی اور روحانی لگاؤ ہوتا ہے ان کے انتقال پر جو نظمیں کہی جاتی ہیں وہ غم کی جگر پاش کیفیت کی حامل ہوتی ہیں اوران نظموں کو جن مجموعوں میں یکجا کیا جاتا ہے ان کا مطالعہ قارئین کے احساسات پر رنج والم کے شدید ترین تاثر کی ایسی ضربیں لگاتا ہے کہ دل کی سانسیں اکڑتی ہوئی معلوم ہونے لگتی ہیں، حافظ ملت کی شخصیت سے بھی ان گنت لوگوں کو بے پناہ عقیدت و محبت تھی اور "اوراق گل" میں وہی نظمیں اکٹھا کی گئی ہیں جو موصوف کے انتقال پر ملال سے متاثر ہوکر کہی گئی تھیں لیکن جیسا کہ میں نے سطور بالا میں عرض کیا ہے، ان منظومات میں غم کا جو تاثر ہے وہ بالعموم پڑھنے والوں کے احساس کو پامال نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ملت کے غم میں اشک بار ہونے والے بیش تر شعرا کے سامنے مرحوم کی تحریک ایک لافانی نور کے منبع کی صورت میں موجود رہی ہے، جس نے اظہار غم کو یہ روپ دے دیا ہے۔

ساغر چشم ان کی فرقت میں چھلکتا جائے ہے
دھوپ ہی میں ہر طرف ساون برستا جائے ہے [1]

---

(۱) کامل سہسرامی

"اوراقِ گل" میں آنسوؤں کی جو بارش ہوئی ہے اس کی مثال حقیقتاً دھوپ میں برستے ہوئے ساون کی سی ہے، جس میں نہ تاریکی ہے نہ گھٹن۔

بیکلؔ اتساہی وہ شاعر ہیں جو حافظ ملت سے بیعت بھی ہیں اور جنھیں ساری زندگی مرحوم کی غیر معمولی شفقت بھی حاصل رہی ہے، انھیں اپنے مشفق و مہربان پیر کی رحلت پر جو صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے، لیکن ان کی نامکمل طویل نظم "سلسلہ ٹوٹے نہیں" کے جو حصے "اوراقِ گل" میں شامل ہیں وہ رنج والم کا تاثر رکھنے کے باوجود، احساس غم کی اس ظلمت سے عاری ہیں جو حوصلوں کی آب و تاب کو بالکل ہی نگل لیتی ہے؛ کیوں کہ بیکلؔ صاحب کے ذہن میں کرب کی لہروں کے ساتھ ساتھ یہ اطمینان بخش خیال بھی ابھرتا ہے کہ

پھر بھی اس رہبر تدبیر و تخیل کا ہر اک نقش قدم
ماہ و خورشید کی تابانی لیے
منزل زیست کی پیشانیِ مقصد کو ضرور
اک حسیں داغ محبت کی چمک بخشے گا

(بیکلؔ اتساہی)

یہی حال اسلمؔ بستوی کا بھی ہے وہ بھی حافظ ملت کے گہرے معتقد اور شاگرد ہیں اور ان پر بھی مرحوم کی مہربانیاں بہت زیادہ رہی ہیں لہٰذا ان کو بھی اپنے شفیق استاد کے سانحۂ ارتحال پر لازماً شدید رنج ہوا ہوگا، لیکن ان کے شعور میں بھی چوں کہ مرحوم کی بزرگی و عظمت کے فیض مسلسل کا احساس موجود ہے، اس لیے وہ بھی غم کے تیروں کی تیز چبھن محسوس کرنے کے باوجود اس قسم کے اشعار کہتے ہیں:

جادۂ حق کے طلب گار کی منزل کا نشاں
چل کے دو گام ذرا نقش قدم سے پوچھو

نازش دہر تھے باعث فخر تھے، حافظ دین وملت خدا کی قسم
وہ چلے تو گئے سوئے جنت، مگر مشعل راہ ہے ان کا نقش قدم
جب بھی چھپتا ہے خورشید زیر زمیں، چاند تاروں میں آجاتی ہے روشنی
ہم ستاروں میں مایوسیاں کیوں رہیں، ہم کو اب بھی ہے ان سے امید کرم

انجمؔ عرفانی نے حافظ ملت کی وفات سے متاثر ہو کر چار نظمیں کہی ہیں، ان میں سے دو نظموں "مطلع

نور ہدایت“ اور ”وہ بے نوا تھا سب کو نواگر بنا گیا“ کے عنوانات ہی رجائی اشاروں کے حامل ہیں، تیسری نظم کا عنوان ”آدمیت کا غم“ بھی ایسے الم کا تاثر دینے کے بجائے جو محدود ہو یا گھٹن کا شکار ہو، نفسیاتی طور پر اس قسم کے غم کی طرف ذہن کو رجوع کرتا ہے جس میں ہمہ گیریت بھی ہو اور جو کھلی ہوئی فضا میں پروان چڑھتا ہو۔

انجم صاحب کی نظم ”وہ بے نوا تھا سب کو نواگر بنا گیا“ کی ابتدا حزنیہ انداز میں ہوتی ہے۔

اک سانحہ کہ سانحۂ جان ودل کہیں
اک حادثہ کہ لوح وقلم سوگوار ہیں

نقصان ایک قوم کا، ملت کا ہی نہیں لیکن ان کی اس نظم کا اختتام قاری کے دل کو رنج کے ماحول سے نکال کر ایسی فضا میں لے جاتا ہے جہاں اس کے حوصلے پھر سے تر و تازہ ہونے لگتے ہیں۔

کچھ اپنے زہد، اپنی ریاضت کے فیض سے
اک منتشر گروہ کو لشکر بنا گیا
اور ساز دل کے تار کو چھیڑا کچھ اس طرح
وہ بے نوا تھا سب کو نواگر بنا گیا

انجم عرفانی

”اوراق گل“ کی منظومات کے اس قابل تعریف پہلو کے تذکرے میں اگر میں خود اپنا ذکر بھی کروں تو ان لوگوں کو ناگوار گزرے گا جو ”خاکساری وانکسار“ کے ضرورت سے زیادہ قائل ہیں، لیکن میں ایسے حضرات سے معذرت کے ساتھ چند جملوں کی اجازت چاہتا ہوں، نظریاتی اور اصولی طور پر میں قنوطیت کو شاعری کا ”کوڑھ“ سمجھتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں ”غم“ کے داخلے کو ہر صورت سے اشعار کی دنیا میں ممنوع قرار دیتا ہوں؛ کیوں کہ ”قنوطیت“ اور ”غم“ میرے نزدیک لازم و ملزوم نہیں ہیں، ویسے میں فطرتاً بھی غم کے جذبے سے کبھی شدت کے ساتھ متاثر نہیں ہوتا، آپ چاہیں تو مجھے شقی القلب کہہ لیں لیکن چاہے ذاتی غم ہو یا اجتماعی، مجھ پر دونوں کا اثر بہت ہی خفیف سا ہوتا ہے؛ کیوں کہ میرے دل کی لگام ہمیشہ میرے دماغ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور دماغ کبھی بے لگام جذباتیت کو برداشت نہیں کر پاتا۔

شعر وسخن میں غم کی شمولیت کے بارے میں میرا نظریہ اور رویہ یہ ہے کہ میں ”غم“ نہیں، بلکہ ”تطہیر غم“ کو شاعری میں جگہ دینے کا قائل ہوں، اسی لیے ”اوراق گل“ میں میری جو نظم (صفحہ ۴۸؍ پر) شائع

ہوئی ہے اس میں رحلت کرنے والے کے سب سے بڑے کارنامے "الجامعۃ الاشرفیہ کے قیام" کی تعریف کرتے ہوئے ایک ایسی گھڑی میں جب کہ مرحوم کے عقیدت مندوں کے بارے میں یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ شاید وہ غم سے چور ہوکر مایوسی کا شکار ہوجائیں، میں یہ پیغام دیتا ہوں۔

اس کے ہاتھوں سے ہوئی تھی ابتدا جس کام کی
اب ضرورت ہے اسے جوش وخروش عام کی
آؤمل کراس ادھورے کام کوپورا کریں
جانے والے کی فضیلت کا علم اونچا کریں

میں نے یہ رویہ اس لیے اپنایا کہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ میرے ذہن میں اسلام کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ گونجنے لگتے ہیں جو انھوں نے سرور کائنات ﷺ کے پردہ فرمانے پر منبر رسول سے اس وقت کہے تھے جب کہ زیادہ تر صحابۂ کرام شدت غم کی وجہ سے گویا حواس ہی گنوا بیٹھے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ عالم تھا کہ وہ سرکار دوعالم کے وصال ہی کو تسلیم نہیں کررہے تھے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ "جو شخص کہے گا کہ حضور کا وصال ہوگیا ہے میں اسے قتل کردوں گا، صدیق اکبر کو سرور کونین کی جدائی کتنی شاق گزری ہوگی اس کا اندازہ کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے دشوار نہیں، اُن پر بھی غم کی کیفیت اس طرح طاری ہوئی کہ جب آقاے دوجہاں کے جسد اطہر پر سے چادر ہٹائی تو کلیجہ منھ کو آگیا اور حضور کے رخسار مبارک پر رخسار رکھ کر بے اختیار رو دیے لیکن جب حجرۂ رسول سے باہر آئے اور صحابۂ کرام کی بدحواسی دیکھی تو اپنی طبیعت کو قابو میں کیا اور دل پر دماغ کو پوری طرح حاوی کرلیا، فاروق اعظم کی زبان سے مندرجہ بالا جملہ سن کرانھیں روکا اور پھر منبر رسول کے پہلو سے یہ تقریر فرمائی:

"لوگو! تم میں سے جو شخص ذات محمد کی پرستش کرتا رہا ہو، اسے یہ معلوم (کرکے مایوس) ہوجانا چاہیے کہ محمد تو وفات پاگئے، ہاں! جو شخص خداے واحد کی پرستش کرتا رہا ہے وہ یہ سن (کر یقین کر) لے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی زندہ ہے، اس کو موت نہیں آسکتی، خدا فرماتا ہے: محمد ﷺ ایک پیغمبر ہی تو ہیں (خدا تو نہیں تھے) ان سے قبل بھی بہت سے پیغمبر گزر چکے (اور وفات پاچکے) اگر یہ بھی وفات پاجائیں یا شہید ہوجائیں تو کیا تم لوگ پھر (جاہلیت پر) الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اچھا تو پھر جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نہ بگاڑ سکے گا (ہاں کچھ اپنا ہی نقصان کرلے گا) اور (جو نہ پھرے گا تو) ہم اسلام کے ایسے قدردانوں کو عمدہ بدلہ دیں گے"۔

خلیفۂ اول نے غم کے احساس پر قابو حاصل کرنے کی جو مثال پیش کی تھی اور جذبات سے اصول پرستی کو مغلوب نہ ہونے دینے کی جو تلقین فرمائی تھی، وہ میرے دل و دماغ پر اس طرح نقش ہے کہ میری فطرت کا بھی ایک جز بن گئی ہے، اور اسی لیے "اوراق گل" کی اس خوبی نے مجھے کافی متاثر کیا کہ اس میں زیادہ تر شعرا کی نظموں میں غم کا ایسا تاثر نہیں ملتا جو مایوسی یا حوصلہ شکنی کا ذریعہ بن سکے، میرے نزدیک یہ اس مجموعے کا ایک انتہائی اہم افادی پہلو ہے کہ اس میں غم کی بدلیوں کے درمیان جذبۂ عمل کی قوس و قزح کے رنگ کافی نمایاں ہیں۔

"اوراق گل" ادبی نقطۂ نظر سے بھی ایک قابل قدر مجموعہ ہے، اس قسم کے مجموعوں میں عموماً شعری ہیتوں کے نئے زاویوں اور صوت وآہنگ کی نئی کروٹوں کی موجودگی کا امکان نہیں ہوتا، لیکن "اوراق گل" اس اعتبار سے بھی اپنے قبیل کے دوسرے مجموعوں سے مختلف و ممتاز ہے کہ اس میں یہ خوبیاں بھی موجود ہیں، بیکل اتساہی نے اپنی نامکمل طویل نظم "سلسلہ ٹوٹے نہیں" میں جگہ جگہ بحروں کو تبدیل کرکے ایسا خوش گوار غنائی تاثر پیدا کیا ہے کہ اس نے ساحر لدھیانوی کی طویل نظم "پرچھائیاں" کی یاد تازہ کردی، ساحرؔ نے اردو شاعری میں جو کامیاب تجربہ کیا تھا اسے بیکل صاحب نے کچھ اور آگے بڑھایا ہے، ساحر کی "پرچھائیاں" میں صرف دو بحریں استعمال ہوئی ہیں اور انھی کو جگہ جگہ تبدیل کرکے بے پناہ غنائیت پیدا کردی گئی ہے، لیکن بیکل اتساہی نے کئی کئی بحریں استعمال کی ہیں، ساحرؔ صاحب کی نظم کا کوئی حصہ نہ تو آزاد ہے اور نہ اس میں کہیں بے قافیہ مصرعے نظر آتے ہیں مگر بیکلؔ صاحب کی مذکورہ بالا نظم کے بہت سے حصوں میں "آزاد شاعری" بھی ملتی ہے اور اس میں بے قافیہ مصرعوں کے ذریعہ بھی ایک مخصوص قسم کی غنائیت پیدا کرنے کی سعی مشکور کی گئی ہے۔

انجم عرفانی کی دو نظمیں "مطلع نور ہدایت" اور "وہ بے نوا تھا سب کو نوا گر بنا گیا" بھی آزاد ہیں، اس میں شک نہیں کہ "اوراق گل" میں بندھے ٹکے اوزان اور روایتی اصنافِ سخن کے نمونوں کی کثرت ہے لیکن ان کے دوش بدوش جدید صوت وآہنگ اور نئی شعری ہیتوں کی جھلکیاں بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں، جن کو کتاب کی ترتیب میں اولیت دے کر بالواسطہ طور پر قارئین کے ذہن واحساس پر ان کی اہمیت کا تاثر مرتسم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو میرے خیال میں ایک امر مستحسن ہے اس طرح اسلم بستویؔ کا مرتب کیا ہوا یہ شعری مجموعہ ادبی طور پر بھی افادیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ ملت کی شخصیت اور ان کی تحریک کو ارباب فکر و نظر تک پہنچانے کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔

رضی العزیز عن عبدہٖ

مولانا تجمل ہدیٰ قادری، جامعہ مسعود العلوم، بہرائچ شریف

تعارف مقالہ نگار:

مولانا تجمل ہدیٰ قادری مصباحی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

ولادت: ۱۹۳۲ء

تعلیم: ابتدائی تعلیم گھر پر ہی والد گرامی سے حاصل کی، اس کے بعد از ابتدا تا فضیلت جامعہ اشرفیہ میں حضور حافظ ملت اور علامہ عبد الرؤف بلیاوی رحمۃ اللہ علیہما جیسے جلیل القدر اساتذہ سے حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد متعدّد مدارس میں دینی خدمات انجام دیں، چنانچہ سب سے پہلے بحیثیت معین المدرس جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں رہے اس کے بعد بحیثیت مدرس دار العلوم منظر حق ٹانڈہ، دار العلوم غریب نواز الہ باد اور مدرسہ عین العلوم بیت الانوار گیا میں علوم وفنون کے گوہر لٹائے۔

استاذ العلما حضور حافظ ملت قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کا تمام تر حصہ، دین کی خدمت، علوم نقلیہ وعقلیہ کی اشاعت، اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور سنیت کو فروغ دینے میں گزرا، آپ ایک جامع الصفات شخصیت رکھتے تھے، بہ یک وقت وارث علوم نبویہ، بافیض مدرس، تربیت اخلاق کے ماہر، شان دار واعظ، عابد وذاکر، شب زندہ دار بزرگ، اخلاص وللّٰہیت کے مجسمہ، محبت وانسیت کے مخزن، لغویات ولایعنی سے دور ونفور تھے، اپنے شاگردوں پر کمال مہربان ومشفق، نہایت درجہ حلیم وبُردبار تھے، دشمنوں سے کبھی انتقام نہیں لیا، کبھی کسی کی بدگوئی نہیں کی، درس ووعظ میں مصروفیتوں کے باوجود اپنے اوراد واشغال کے حد درجہ پابند، سفر وحضر میں کبھی نماز تہجد فوت نہ ہوئی، اخلاص وللّٰہیت ایک ایک عمل اور اَدا میں نمایاں، سلیس الفاظ میں تفہیم نہایت شان دار، درس ایسا دیتے کہ تفہیم مطلب کے ساتھ ساتھ تمام شکوک وشبہات کو مختصر اور جامع الفاظ میں دفع فرمادیتے، وعظ، بناوٹ اور نمود سے پاک ہوتا، تحریر نہایت شستہ وسلیس، صنف تردید میں زمانہ کو ایک

نیا انداز بخشا جس کی شہادت "المصباح الجدید" ہے، بافیض اتنے کہ مِس خام کو کندن اور ناکسوں کو کس بنا دیا اور ہزاروں علما اور صوفیہ اور مشائخ کی ایک جماعت تیار کر دی، دین کی بھلائی، مسلمانون کی خیر خواہی، سنیت کے فروغ، اور درس گاہوں کی توسیع و تکثیر کے لیے دل میں جذبات کا دریا موجزن تھا، یہ حافظ ملت کی کرامت ہی کہیے کہ باوجود اپنی مصروفیات کے ملک بھر میں پھیلے ہوئے اپنے تمام تعلقات کو ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ حسب مراتب کما حقہ نبھایا، جہاں کسی نے کوئی خط لکھا اور اپنی کوئی دینی ضرورت پیش کی، یا کسی پریشانی کا اظہار کیا، حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے فوراً اس کا جواب لکھا، اس کی دینی ضروریات پوری فرمائیں، اس کے غم کا مداوا کیا، تسکین بھرا خط لکھا۔

ان کے خطوط کو جو انھوں نے ملک بھر میں لکھے ہیں، اگر انھیں جمع کیا جائے تو ایک طویل دفتر بن جائے، صرف میرے پاس جو حضور کے خطوط ہیں، اگر صرف انھی کو یکجا کیا جائے تو ایک اچھا خاصا کتابچہ ہو جائے، نمونہ کے طور پر فی الوقت صرف تین خطوط کی نقلیں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، قلم کی پختگی اور جامعیت مضامین ملاحظہ فرمائیں:

مکتوب گرامی نمبر (۱)

میں نے حرمین طیبین کا عزم کیا تو حضرت نے تحریر فرمایا۔

۷۸۶

محب محترم ذوالمجد والکرم ـــــ زیدت مکارمکم ادعیہ وافرہ و سلام مسنون۔

خط ملا، حاضری حرمین طیبین کا مبارک قصد تو بہت ہی مبارک، قابل صد مبارک باد ہے، مولائے کریم اپنے دربار اور اپنے حبیب کی سرکار میں باریابی نصیب کرے اور حرمین طیبین کے برکات و حسنات سے بھرپور حصہ دے، حج و زیارت قبول فرمائے اور فیوض و برکاتِ ظاہری و باطنی عطا فرمائے، بلاشبہہ حرمین طیبین کی حاضری زندگی کی معراج ہے، کیسا خوش نصیب ہے عازم حرمین طیبین کہ ہر قدم پر اس کو دربار الٰہی و دربار مصطفوی کا قرب نصیب ہوتا ہے، بالآخر بیت اللہ اور بیت الرسول کی حاضری سے مشرف ہوتا ہے، مولائے قدیر آپ کو اپنی حفاظت میں بعافیت لے جائے اور بہ سلامتی، بامقصد واپس لائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

بہزارادب میرا اسلام بارگاہ رسالت میں پیش کرنااور حاضری کی درخواست بھی، کسی طرح فوٹوکی لعنت اٹھ جائے یامجھ پرکسی طرح مسئلہ کاانکشاف ہوجائے، بہرحال کسی طرح حاضری نصیب ہو، قوی امید ہے کہ آپ اپنی مخلصانہ دعاؤں میں یاد رکھیں گے، ساری ہدایتوں اور تمام آداب کی روح، میلان قلب اور مخلصانہ جذبات ہیں، اللہ ورسول ہی کی طرف خیال ودھیان ہو، انھی کی یاد ہو، اسی طرف توجہ رہے، باقی ارکان وغیرہ سب ظاہر ہیں، آپ جیسے عالم دین کے لیے کیادشواری؟ سب کوسلام ودعا۔

فقط

عبدالعزیزعفی عنہ

۲۲/ نومبر ۱۹۶۲ء

اس مکتوب گرامی میں حضرت نے خادم سے فرمائش کی کہ "فوٹوکی لعنت اٹھ جائے، بہرحال کسی طرح حاضری نصیب ہو" تواس خادم عزیزی نے جوکچھ ہمارے استاذومرشدنے تحریرفرمایاتھا، ۱۹۶۳ء میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکرنیاز مندانہ عرض کردیاکہ میرے استاذگرامی اور مرشد برحق جوسرکارہی کی شریعت مطہرہ کااحترام رکھتے ہیں، ان کاپاسپورٹ اورویزابغیر فوٹو کے سرکار ہی کودلوانا ہے، چناں چہ بغیرفوٹو کے حج وزیارت سے شرف یاب ہوئے۔

مکتوب گرامی نمبر(۲)

میں نے دلائل الخیرات پڑھنے کی اجازت اور طریقہ طلب کیاتوحضرت نے تحریرفرمایا۔

۷۸۶

محب محترم جناب مولوی تجمل ہدیٰ صاحب سلمہ دعاے خیروسلام مسنون

آپ کوخط لکھالیکن کثرت کاردماغ پربارہے؛اس لیے بڑی ضروری بات رہ گئی، آپ نے دلائل الخیرات شریف کی اجازت طلب کی تھی اورایک ماہ میں ختم کرنے کاطریقہ معلوم کیاتھا۔

دلائل الخیرات شریف کے ورد کے تین طریقے ہیں: اول روزانہ پوری ساتوں حزب ختم کرنامع اسماے حسنیٰ واسماے طیبہ بھی پڑھے، تیسرے اسماے حسنیٰ و اسماے طیبہ صرف پہلی حزب دوشنبہ کے ساتھ پڑھے اورہرروزایک ہی حزب بغیراسماے حسنیٰ واسماے طیبہ کے پڑھے، ایک ماہ میں ختم کاطریقہ نہیں آپ تیسرا

طریقہ اختیار کریں اور روزانہ وقت مقررہ پر پڑھنے کا عزم کر لیں، روزانہ وقت معہود پر پڑھیں، پندرہ منٹ کے اندر ہو جاتی ہے، دلائل الخیرات شریف کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ جو بلاناغہ پڑھنے کا عزم کرتا ہے اس سے ناغہ نہیں ہوتی، اچھا عطر پڑھتے وقت روزانہ استعمال کرنا چاہیے، یہ بھی اس کے خواص میں سے ہے کہ جو اس پر کاربند ہوتا ہے غیب سے اس کا انتظام ہو جاتا ہے، کوئی دقت نہیں ہوتی۔

هو الكريم،

لقد أجزتك بقراءة دلائل الخيرات على بركة الله و بركة رسوله كما أجازني شيخي ومرشدي صدر الشريعة العلامة الشاه محمد أمجد على عليه الرحمه والرضوان وأجازهٔ شيخ الدلائل الشاه محمد عبد الحق آفندي قدست أسرارهم وأنا أدعو لك بأن أعطاك الله بركات دلائل الخيرات وحسناتها تاما وافيا كافيا جميعا وأفاض عليك شآبيب النعم في الدنيا والآخرة بحق حبيبه عليه وعلى آله وأصحابه أفضل الصلاة والتسليم

وأنا الفقير

عبد العزيز عفي عنه.

مولائے قدیر آپ کو توفیق رفیق بخشے، اس کے پورے برکات و حسنات عطا فرمائے، باوضو رو بہ قبلہ خوشبو کا استعمال، پڑھنے کے وقت اس کے آداب میں سے ہے، اپنے والد صاحب قبلہ اور چھوٹے حضرت و منجھلے حضرت سے سلام مسنون کہہ دیجیے، مولوی حافظ محمد جمیل احمد وغیرہ حضرات کو سلام و دعا۔

عبد العزیز عفی عنہ

۱۰ر محرم ۱۳۸۶ھ

مکتوب گرامی نمبر (۳)

حضرت والد ماجد مولانا شاہ فیض الہدیٰ صاحب علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تو حضرت نے اپنے قلبی تاثرات کو قلم بند فرما کر میرے پاس ارسال فرمایا، یہ وہی مکتوب ہے۔

یادگار سلف صالحین حضرت مولانا شاہ ابو محمد فیض الہدیٰ صاحب گیاوی رحمۃ اللہ علیہ وہ باخدا عالم، نہایت متقی، پرہیز گار، پاک باز، پاک طینت، نیک سیرت بزرگ تھے، زہد و تقویٰ، اخلاص و دیانت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، دین پروری خدا ترسی گویا آپ کی

فطرت تھی، زمانۂ طالب علمی میں عرصہ دراز تک میرا ساتھ رہا، دارالخیر اجمیر شریف حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں ہم لوگ مدت دراز تک حاضر رہے۔

مولانا فیض الہدی صاحب شروع ہی سے کافی صلاحیتوں کے مالک تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت صدرالشریعہ قبلہ قدس سرہ العزیز مولانا موصوف سے بہت محبت فرماتے تھے، مولانا سے اکثر نعت سنا کرتے تھے اور تحسین فرمایا کرتے تھے، مولانا نعت خوب پڑھتے تھے، علم ظاہری کی تکمیل استاذ محترم حضرت صدرالشریعہ قبلہ علیہ الرحمۃ سے کی، بیعت وخلافت میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ نورالہدیٰ صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز کے مجاز وخلیفہ تھے، ان دونوں بزرگوں کی نظر کرم نے مولانا کو جامع الکمالات بنا دیا تھا۔

مولانا فیض الہدیٰ صاحب نہایت قابل طبیب بھی تھے، بہت کامیاب معالج تھے، مولائے کریم نے ان کو دست شفا عطا فرمایا تھا، جس مریض پر ہاتھ رکھ دیا شفایاب ہوا، بڑے بڑے مایوس العلاج مریض آپ کے علاج سے صحت یاب ہوئے، "رأی العلیل علیل" مشہور ہے مگر حضرت مولانا فیض الہدیٰ صاحب کا یہ کمال تھا کہ اپنے اس مرض میں جس میں صاحب فراش تھے، قوت گویائی جواب دے چکی تھی، ایسی حالت میں بھی جس مریض کے لیے نسخہ تجویز کر دیا وہ اس کے لیے تریاق ہی ثابت ہوا۔

یوں تو مولانا کمالات کے جامع تھے، بڑی خوبیوں کے مالک تھے، لیکن ساری خوبیوں میں آپ کا اخلاق بڑی خصوصیت رکھتا تھا، ساری زندگی اور زندگی کے تمام شعبے مخلصانہ دینی پابندیوں کے ساتھ گزرے، معلوم ہوتا تھا کہ مولانا پیکر اخلاص اور مجسمۂ خلوص ہیں، جو بات کہتے دل کی آواز ہوتی، جو کام کرتے قلبی جذبات کے تحت ہوتا، اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی بات یا واقعہ کے بیان میں رنگ آمیزی کرتے ہیں، مبالغہ سے کام لیتے ہیں، مولانا کی یہ عادت نہ تھی، بڑی احتیاط سے گفتگو کرتے اور خلاف واقعہ بات زبان پر نہ لاتے۔

عبادت الٰہی والہانہ انداز میں کرتے فرائض وواجبات کے ساتھ سنن ومستحبات کی بھی پوری رعایت کرتے تھے اوراد ووظائف کے ایسے پابند تھے کہ سفر ہو یا حضر، صحت

ہویا مرض، اوقات معینہ پر ادا کرتے، کبھی ترک نہ کرتے، حد ہے کہ سالہا سال تک صاحب فراش رہے اور ایسے کہ خود کروٹ نہیں بدل سکتے تھے لیکن اس حال میں بھی اپنے اوراد و اشغال کو جاری رکھا اور دم اخیر تک اپنے معمولات کے پابند رہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اسی بے پایاں اخلاص کا یہ اثر تھا کہ سالہا سال کی علالت، بے انتہا ضعف و ناتوانی کے باوجود آپ کا چہرۂ مبارک اس قدر بارونق معلوم ہوتا تھا گویا ایمانی انوار جھڑ رہے ہیں۔

مولانا موصوف اپنی کامیاب زندگی گزار کر ۸؍ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ کو اپنے رب کی آغوش رحمت میں پہنچے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

عبدالعزیز عفی عنہ

حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ باوجود اس کے کہ حضرت حافظ ملت کے استاد بھائی تھے، لیکن حضرت سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور شاگرد کی طرح ان کا ادب فرماتے، اکثر و بیشتر ان کے تقویٰ وطہارت اور سکونت اجمیر مقدس کی پاک بازانہ زندگی کا ذکر فرماتے اور کہتے کہ حضرت حافظ ملت قبلہ سچے نائب رسول ہیں۔

دعا ہے کہ مولائے کریم حضور حافظ ملت قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی تمام عبادات اور خدمات دین کو قبول فرما کر ان کے مراتب بلند سے بلند کرے اور ان کے مزار پاک کے فیوض و برکات کو عام سے عام تر فرمائے اور ان کے طفیل میں ہم سبھوں کو دین کا سچا خادم بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ والتسلیم.

اسلامی تصوف

مولانا محمد منشا تابش قصوری، جامعہ نظامیہ لاہور

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: موضع ہری ہر، ضلع قصور میں ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: قرآن مجید گھر میں پڑھنے کے بعد لوئر میڈل اسکول برج کلاں سے وظیفے کا امتحان پاس کیا پھر ہائی اسکول گنڈا سنگھ والا میں داخلہ لیا، میٹرک پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۷ء میں خود ہی دارالعلوم حنیفیہ فریدیہ بصیر پور جاکر داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں فارغ ہوئے تاہم دستار فضیلت اور سند فراغت کی سعادت ۱۹۶۵ء میں حاصل ہوئی۔

خدمات: جامعہ رضویہ نظامیہ رام پور میں شعبہ فارسی کے استاذ رہے اور مقبول عالم خطیب، صاحب طرز ادیب اور پاکیزہ فطرت شاعر ہیں۔

تصوف ایک ایسا باطنی خزانہ اور ایک ایسا خاص طریقہ ہے جو قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، اس کو صراط مستقیم کہا جاتا ہے جس پر چلنے سے انسان خدا تک پہنچ جاتا ہے، اس نورانی علم کا موضوع ذات وصفات خداوندی اور غرض وغایت اپنے رب رحیم کی معرفت ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے۔

مگر بعض ناآشنا کہتے ہیں: شریعت وطریقت میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور عالم وصوفی کے عقائد ومحسوسات متضاد ہیں لیکن در حقیقت یہ بیان غلط ہے، اہل معرفت متکلّمین نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ شریعت وطریقت میں کوئی فرق وتضاد نہیں، احکام شریعت کی مخلصانہ تعمیل کے بعد ہی سالک، طریقت کے اعلیٰ مقام تک پہنچتا ہے اور اسوۂ رسول کریم ﷺ کی روشنی میں عارف کامل بن جاتا ہے، لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. کا صحیح مصداق وہی ہو سکتا ہے جو شریعت وطریقت میں رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر گام زن ہو۔

شریعت وطریقت میں فرق کرنے والے حقیقتاً علوم ومعارف سے ناآشنا اور بصیرت سے محروم ہیں،

حضرت اسید بن حارث دمشقی علیہ الرحمۃ "اسرار السالکین" میں فرماتے ہیں: طریقت، حقیقت اور معرفت دراصل شریعت کی پابندی کی آخری حد کا نام ہے علم بغیر معرفت کے ایسا ہے جیسے مکان بغیر مکیں کے اور شہر بغیر آبادی کے۔

کتابی علم حاصل کرنے سے بے شک عقل ودانائی میں اضافہ ہوتا ہے متانت وسنجیدگی پیدا ہوتی ہے لیکن معرفت حق حاصل نہیں ہوتی اگر عالم کے پاس تقویٰ، پرہیز گاری، امانت، دیانت، ایثار، اخلاص، طہارت قلب، لطافت طبع اور ریاضت ومجاہدہ کی دولت نہیں ہے تو بلا شبہہ وہ ایسا سپاہی ہے جس کے پاس ہتھیار موجود ہیں لیکن وہ ان کا طریقِ استعمال نہیں جانتا، وہ اولیاء الشیطان واصحاب النار کے حملوں سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا، وہ ایسا پھول ہے جو بظاہر دیکھنے میں خوش نما لیکن خوشبو سے محروم ہے۔

تصوف، اخلاق فاضلہ، روحانی کمالات اور انسانیت کبریٰ حاصل کرنے کے لیے ایک بہترین مکتب ہے، اس درس گاہ سے سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد انسان صحیح معنی میں خادم خلق اور حق شناس بن جاتا ہے، عالم وصوفی کی تفریق محض فرضی وخیالی ہے، کون ہے جو حضرت ابوالقاسم قشیری، حضرت داتا گنج بخش ہجویری، حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز اجمیری، حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی، حضرت فرید الدین گنج شکر، حضرت محبوب الٰہی، حضرت شمس العارفین سیالوی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت شاہ نیاز بریلوی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی، الشاہ حضرت علی حسین اشرفی اور حضرت حافظ ملت مولانا علامہ حافظ عبدالعزیز محدث مبارک پوری علیہم الرحمۃ والرضوان کی علمیت میں شبہہ کرے گا؟ یہ سب بزرگ، زبردست عالم تھے اور انھوں نے اپنے اپنے وقت میں ائمۃ الاصفیا کے القاب سے شہرت پائی۔

ضمنی باتوں میں اختلاف رائے کو اہمیت نہیں دی جاسکتی، بنیادی طور پر دیکھیے تو پتا چلتا ہے کہ علماے حق اصطلاحاً "صوفی" کہلائے اور علماے سو محض "علما" کے نام سے مشہور ہوئے، ابوالفضل اور فیضی کی مہارت کے سب قائل ہیں، اصطلاح عام میں یہ زبردست عالم تھے، لیکن ان کی علمیت اسلام سے متعلق نہیں تھی، اس لیے وہ اکبر کے دین الٰہی کے آلہ کار بنے رہے جن لوگوں نے عالم یا صوفی بن کر بادشاہوں کی دریوزہ گری کی، ان کی ہاں میں ہاں ملائی، عہدے قبول کیے، انڈر گراؤنڈ حکومت وقت کی خلاف شرع حرکات کو تاویلات کی بھینٹ چڑھاتے رہے، یا بظاہر حکومت کا ایک جز اور بادشاہ کا آلۂ کار بن کر رہے تو انھیں ہم کبھی علماے حق اور صوفی نہیں سمجھ سکتے۔

صوفیوں نے شخصی حکومتوں میں کبھی عہدہ قبول نہیں کیا، نہ ہی انھوں نے سیاسی فتوے دیے، لیکن وہ بادشاہوں اور ان کے اعمال کی اصلاح سے کبھی غافل بھی نہیں رہے، جن بادشاہوں میں انھوں نے ذرا بھی حق

کی قبولیت کا مادہ دیکھا ان کو حسب توفیق نیکی کی طرف لے آئے، اس کوشش میں ان کا بادشاہوں کے قریب آنا ضروری تھا، مریض طبیب کے پاس خود جاتے ہیں اور کبھی طبیب کو بھی مریض کے ہاں جانا پڑتا ہے، لیکن اس وجہ سے اس کو مرض کا سرپرست نہیں کہہ سکتے، اسی طرح اگر بعض صوفیا کے پاس بادشاہ آئے، یا ان حضرات نے بادشاہوں کی اصلاح کی خاطران سے ربط و تعلق رکھا، جیسا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے سلطان شمس الدین التمش کو اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے جہاں گیر کو نصیحتیں کیں، تو یہ بھی کوئی غیر اسلامی بات نہیں تھی اور نہ ہی یہ جادۂ تصوف سے راہ فرار تھی۔

ان تصریحات سے پتا چلا کہ وہ شخص عالم ہو ہی نہیں سکتا جو صوفی نہ ہو اور اس شخص کو صوفی کہا ہی نہیں جاسکتا جو علم سے محروم ہو، کیوں کہ شریعت و طریقت دو علاحدہ چیزیں نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، بالفاظ دِگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ تصوف اس زینہ کا نام ہے جس پر چڑھ کر انسان جملہ کمالات صوری و معنوی سے سرفراز ہوسکتا ہے اور اس دنیا میں حیات مستعار لے کر آنے کا مقصد کما حقہ پورا کرسکتا ہے۔

احکام الٰہی بغیر عمل ممکن نہیں اور عمل بغیر علم کے بے سود، چناں چہ معلم کتاب و حکمت، شارح شریعت و طریقت نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

”العلم بدون العمل وبال، والعمل بدون العلم ضلال“

علم، عمل کے بغیر ہلاکت ہے اور عمل، علم کے بغیر گمراہی۔ دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

”اللّٰھم إنی أعوذبك من علم لاینفع“

الٰہی میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

علم و عمل دونوں احسان کے بغیر ناقص ہیں، جب تک صدق دل سے توجہ نہ ہوگی، کامل نہ ہوں گے، علم و عمل سے احسان (تصوف) کا وہی تعلق ہے جو جان کا جسم سے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل کی نعمت سے مزین فرمائے، مضمون کا اختتام اکبر الہ آبادی کے ان اشعار پر کرتا ہوں جن سے شریعت و طریقت کا مفہوم سمجھنا اور آسان ہوگا:

شریعت درِ محفل مصطفیٰ
طریقت عروج دل مصطفیٰ

شریعت میں ہے قیل و قال حبیب
طریقت میں محو جمال حبیب
شریعت میں ارشاد عہد الست
طریقت میں ہے یاد عہد الست
سخن سنجیاں گو ہوں میری درست
مگر قول سعدی نہایت ہے چست
طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

باتیں ان کی

مولانا ڈاکٹر حسام الدین خاں اعظمی

ایک روز کی بات ہے کہ ہم لوگ حافظ ملت کی خدمت میں درس لے رہے تھے، اسی دوران ایک خط ملا جس میں لکھا ہوا تھا کہ ”حضرت! ہمارے مدرسہ میں ایک صدر مدرس کی ضرورت ہے، جو عالم ہو، حافظ و قاری اور وجیہ، خوش آواز، مقرر، مناظر، شادی شدہ بھی ہو، فی الحال اجرت ماہ واری ستر روپے دی جائے گی“۔

ان اوصاف کے شمار کرنے کے بعد حضرت نے فرمایا: ”بندۂ خدا نے ایک عہدہ کی قیمت دس روپے بھی تو رکھی ہوتی،“ اور مسکرا پڑے، ہم لوگ بھی آداب مجلس کا خیال کرتے ہوئے بڑے ضبط کے ساتھ ہنستے رہے، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”حاجی کے لیے نہیں لکھا“ میں نے عرض کیا: ”حضرت! وہ شاید حج کرائیں گے، اس لیے نہیں لکھا“ اس پر اور مسکرائے۔

حضرت کی مجلس میں ایک روز ایک صاحب، ایک مولوی کی بڑی شکایت کر رہے تھے کہ ایسے ہیں ویسے ہیں، بعد میں کہا: حضرت! وہ آپ ہی کے تو شاگرد ہیں؟ حضرت نے فرمایا: جی ہاں! وہ میرے شاگرد ہیں، وہ خدا کے بندے بھی ہیں اور حضور کے امتی بھی ہیں، یہ جواب سن کر شاکی صاحب نہایت شرمندہ ہوئے۔

ایک بار ایک طالب علم حافظ صاحب کی درس گاہ کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ حضرت کی نگاہ اس کے زمین بوس پاجامے پر پڑی، اسے بلایا اور فرمایا: جناب! آپ نے ازار کو پہن رکھا ہے، یا ازار نے آپ کو پہن رکھا ہے؟ طالب علم ہیبت سے کانپنے لگا اور کہا حضرت! درزی نے بڑا کر دیا ہے اور پاجامے کو اوپر کی طرف موڑنے لگا، حضرت نے فرمایا: اوپر کی طرف موڑنا بھی کف ثوب ہے اور مہری کا موڑنا بھی کف ثوب ہے، ان دونوں سے نماز مکروہ ہوتی ہے؛ لہٰذا مناسب طور پر چھوٹا کرا لو، گویا حضرت کا اشارہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ زمین بوس سے فلک بوس ہو جائے، جیسے آج کے جنٹلمین حضرات کا ہاف پینٹ۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ اور آپ کے بھائی حکیم عبد الغفور صاحب کسی جلسے میں شریک ہوئے، نماز کا وقت ہوا، اذان ہوئی، اقامت بھی ہونے لگی، جب مؤذن نے حی علی الصلاۃ کہا تو دونوں حضرات کھڑے ہوگئے، تو دیکھا کہ ایک صاحب گھٹنے سے کچھ نیچے تک کا ازار پہنے ہوئے امامت کے لیے مصلے پر جا کھڑے ہوئے، حضرت نے فرمایا: جناب! پیچھے آئیے، انھوں نے آنکھ کا رنگ بدلتے ہوئے کہا کیوں صاحب؟ کیوں پیچھے آؤں؟ حضرت نے فرمایا: چوں کہ آپ جناب ہیں، جناب کو سمجھانے میں دیر ہوگی، دیکھیے نماز یہ صاحب پڑھائیں گے۔

پیکر انکسار

مولانا علی احمد بسملؔ عزیزی مصباحی دھرم سنگھوا، بستی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا علی احمد بسمل عزیزی حافظ ملت کے چہیتے شاگردوں میں سے ہیں۔

ولادت: ۱۱ر فروری ۱۹۵۳ء بمقام دھرم سنگھوا، ضلع بستی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کر کے مہندوپار کے ایک مدرسے میں داخلہ لیا، پھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور آگئے اور یہیں سے فراغت حاصل کی۔

خدمات: فراغت کے بعد خدمت دین کے لیے مدھیہ پردیش جانا طے پایا تھا مگر احباب وطن نے دھرم سنگھوا میں رہنے کا ہی اصرار کیا، ان کا صرار زیادہ بڑھا تو حافظ ملت سے اجازت لے کر دھرم سنگھوا ہی میں خدمت دین سے وابستہ ہو گئے، یہاں آپ نے ''دار العلوم احمدیہ معراج العلوم'' کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی جو آج بھی آپ کے زیر صدارت ترقی کی راہ پر ہے۔

حضور حافظ ملت خوبیوں کے جامع تھے، عزم و عمل کے کوہ گراں تھے، ہزاروں آلام و مصائب بھی آپ کے پایۂ استقلال کو متزلزل نہ کر سکے، اخلاق واخلاص، حلم و مروت، تصوف و معرفت، شریعت و طریقت کے جامع تھے، علمائے ربانی کا احترام، طلبہ پر شفقت وعنایت آپ کا طرۂ امتیاز تھا، بے پناہ علمیت کے باوجود اس درجہ خاک سار کہ اکثر حاضری دینے والے شرمندہ و شرم سار ہو جاتے، آپ کا کلام رموز و اسرار، حکمت و نکات سے پر ہوتا۔

الجامعۃ الاشرفیہ کے سنگ بنیاد کے سلسلے میں ہونے والی تعلیمی کانفرنس کی تیاریوں کا زمانہ تھا، ایک دن بعد عصر ناظم اشرفیہ حضرت قاری محمد یحییٰ صاحب کے حکم پر حضرت کی قیام گاہ پر گیا، حضرت اس وقت نماز عصر

سے فارغ ہوکر تلاوت قرآن حکیم میں مصروف تھے، سلام ودست بوسی کے بعد حضرت قاری صاحب کا پیغام پیش کیا، جس میں نوادہ کے لوگوں کو کانفرنس کی تیاریوں کی طرف متوجہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی، حضور نے تخت سے قریب ہی بچھی ہوئی ایک چارپائی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا، غیرت ادب نے گوارانہ کیا زمین پر بیٹھ گیا، لیکن حضور حافظ ملت نے کسی طرح بھی زمین پر بیٹھنے نہ دیا اور فرماتے رہے: "یہاں آپ ہمارے مہمان ہیں" ناچار بیٹھنا ہی پڑا، آپ خود اٹھ کھڑے ہوئے، بادام، شکر سل پر پیسنا شروع فرمایا، میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس خدمت کا شرف مجھے بخشیں، لیکن ہر بار، "مہمان" فرما کر چپ کر دیا، جب دیکھا کہ زیادہ اصرار باعث جلال بن جائے گا، خاموش ہو گیا، آنگن میں ایک ڈول باسی پانی سے لبریز تھا، میں نے برتنوں کا صاف کردہ پانی سمجھ کر پھینک دیا، خالی ڈول پر جب حضرت کی نگاہ پڑی تو فرمایا: ارے جنتی! یہ کیا کیا؟ یہ پانی چڑیوں کے لیے رکھا تھا، چڑیاں اتر کر اسے پیتی ہیں، فوراً ڈول تازہ پانی سے بھر کر رکھ دیا، اتنے میں حضرت نوادہ کے لیے تیار ہو چکے تھے، کمرے سے تھوڑا سا اناج نکال کر آنگن میں بکھیرنے لگے اور فرماتے تھے: "یہ چڑیوں کی خوراک ہے" باہری دروازے کے پاس آکر ایک طاقچہ سے ایک روٹی اور آدھا پیالا گوشت اتارا، کتوں کے سامنے ڈال دیا، ایک ذرا بیمار تھا، اسے زیادہ دیا۔

۱۹۷۳ء میں مدرسہ شمس العلوم مہندوپار ضلع بستی کے زیر اہتمام جلسہ ہوا، عدیم الفرصتی کے باوجود مدرسہ کی ضروریات کے مد نظر دعوت قبول فرمالی، راستے کی مشقتوں کو جھیلتے ہوئے آپ مہنداول پہنچے، لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ اور صبر آزما سفر کا آغاز اب ہوتا ہے، مہنداول سے مہندوپار کا ۸/میل دیہاتی کچا راستہ طے کرنے میں جوانوں کو پسینہ آجاتا ہے، لیکن حیرت ہے حضور حافظ ملت کے بڑھاپے پر، کہ نہایت ہی خندہ پیشانی سے یہ پریشان کن سفر سائیکل پر بیٹھ کر طے فرمایا، جب کہ منتظمین جلسہ سواری کے انتظام کے درپے تھے، پچاس روپیہ کرایہ سن کر حضرت نے فرمایا "ہم سائیکل پر بیٹھ کر چلنا پسند کریں گے، بلاوجہ مدرسہ کا پچاس روپیہ خرچ کرنا پسند نہیں"۔

چناں چہ آپ نے اس شان سے راستہ طے فرمایا کہ آپ کی جبین استقلال پر ذرہ بھر بھی شکن نہ آنے پائی، اختتام جلسہ پر واپسی کے لیے مولانا محمد ادریس صاحب جیپ لے کر دھرم سنگھوا پہنچے، دارالعلوم احمدیہ معراج العلوم کا معائنہ فرماتے ہوئے جیپ روانہ ہوئی، چند قدم ہی آگے بڑھنے پائی تھی کہ ڈرائیور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا،

حضور! راستہ کے پیچ وخم نے پٹرول اندازے سے زیادہ جلا دیا، اب گاڑی آگے نہ جا سکے گی، حضور حافظ ملت نے پر اعتماد انداز میں فرمایا: لے چلو گاڑی چلے گی، ان شاء اللہ، ڈرائیور نے پیشانی مبارک پر غضب کے آثار اور پر جلال تیور کو دیکھ کر گاڑی اسٹارٹ کی، بحمد اللہ جیپ بہت ہی سکون سے مہنداول پہنچ گئی، اس واقعہ سے جہاں حضور حافظ ملت کی بے پناہ دینی ہم دردی کا ثبوت ملتا ہے، وہیں پر آپ کی شان دار کرامت کا بھی ظہور ہوتا ہے۔

قندیل نورانی

محمد محب الحق قادری متعلم اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

وقت کو ایسے ہی سپوت کی ضرورت تھی جو درس گاہوں کی شیرازہ بندی کر سکے، تشنہ علوم نونہالوں کو علوم اسلامیہ اور مختلف علوم وفنون سے سیراب کر سکے، زمانہ کو ایسے قابل وفاضل افراد دے جو علوم وفنون کی علم برداری کر سکیں۔

نسل انسانی نے دیکھا کہ علم وفضل کا وہ مجمع البحرین جب رواں دواں ہوا تو نہ جانے کتنے گلشن سرسبز وشاداب ہوئے، اس آفتاب علم سے نہ جانے کتنے انجم میں علم وعمل کی جھلملاہٹ اور تابندگی آئی کہ عالم اسلام میں ان کی جگمگاہٹ ہے۔

لوگوں نے دیکھا کہ قوم کا مسلسل غم کھانے والا مرد مجاہد، دن کے اجالوں میں تعمیر قوم وملت میں سرشار ودیوانہ رہتا اور جب رات جواں ہوتی تو اپنے مالک حقیقی کی عبادت میں وارفتہ ہوش ہو جاتا، یہی اسباب تھے کہ مخالفین ومعاندین کی باد صرصر کی کوئی پروا نہ تھی، وہ دھن کا پکا تھا اور اپنے خون جگر سے اس عروس لالہ کی حنابندی کر رہا تھا جس کو حضرت صدر الشریعہ اور حضرت اشرفی میاں علیہما الرحمہ نے زندگی دی تھی۔

اسلام کی فطرت سلیمہ کے مانند اس بندۂ مومن میں رب کائنات نے اتنی لچک دی تھی کہ اس کے عزم وحوصلے کو جتنا دبایا گیا وہ اتنا ہی ابھرتا گیا اور اس قدر ابھرا کہ خاک دان گیتی پر ایک ایسا مبارک گوشہ بنا گیا جو رشک جہاں ہے، ایسا جہان رنگین کہ اس کے شب وروز اور شام وسحر کا ہر لمحہ قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دل نواز سے گونج رہا ہے اور دیدۂ کور کے لیے وہاں کا ذرہ ذرہ سرمہ بصارت ہے کہ حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد،

خویش واقربا کے لیے کچھ نہیں کیا، بلکہ اس سچے شیدائیِ اسلام نے عمر عزیز اور عزیز اولاد کو اس قلعہ معلیٰ کی بھینٹ چڑھادیا، اس مرکز میں مہمانان رسول، شائقین نونہالوں کی انجمن صد بہار، وارثین انبیا کا ہجوم اور اس کے طاقوں میں طاق حرمِ ملی کی روشن شمع، وہ محراب جس میں نور اور کتاب مبین کی قندیلِ نورانی، شعاعیں بکھیر رہی ہیں، وہ منبر معلی جس پر رحمۃ للعالمین کا آفاقی پیغام بلند ہورہا ہے، وہ منار عظمت جہاں سے اذان بلالی کی صدائیں بلند ہورہی ہیں، وہ درس گاہ جس سے تلقین غزالی اور درس حنفی کا رس گھلتا ہوا نظر آتا ہے، اور کیوں نہ ہو؟

ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

حافظ ملت کا کف اللسان من القول بالسّوٓء پر عمل

مولانا عبدالحلیم نوری بھیروی

تعارف مقالہ نگار:

آپ ایک صاحب اجازت مرشد باکمال مدرس اور ایک اچھے شاعر تھے، ایک زمانے تک راجستھان میں تبلیغی خدمات انجام دیں۔

ولادت: مولانا عبدالحلیم نوری بن عبدالشکور ۱۳۶۶ھ/مطابق ۱۹۴۶ء کو محلہ نوری نگر بھیرہ ضلع مئو میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: مدرسہ رحیمیہ بھیرہ سے پرائمری درجات کی تعلیم حاصل کی پھر مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد گئے، اخیر میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور تعلیم مکمل کی۔

وصال: ۲۷/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/۲۵/جنوری ۲۰۱۷ء بدھ کا دن گزار کر رات میں عشا کے وقت داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

واقف اسرار معرفت، کاشف رموز حقیقت، سرچشمۂ رشد وہدایت، حضور حافظ ملت ایک عاشق رسول تھے، ہمیشہ سنت رسول کو مقدم اور پیش نظر رکھتے، آپ بہت بڑے عابد وزاہد اور علم وعمل کے جامع تھے، طاعت وعبادت کا ذوق، احتیاط، حفظ لسان، کم سخنی، میانہ روی، قناعت وعفاف، زہد واستغنا، ایثار وہم دردی وغیرہ میں بے مثال وممتاز، اپنے جانی دشمن سے بھی انتقام نہ لیتے تھے اور نہ حق کی راہ میں اپنے دوستوں سے مداہنت برتتے، بغض وحسد، طعن وتشنیع، طنز وتنقید اور برے برتاؤ سے کوسوں دور تھے، گویا آپ اس آیت پاک کے عامل تھے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ. (المومنون:۹۶)

سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں یہ بتاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دشمنوں کی برائی کے عوض خصائل حمیدہ ہی نہیں بلکہ احسن الخصال کے ساتھ برتاو فرماتے تھے اور یہ صورت، **اجتناب من القول بالسوء**. یاوہ گوئی سے زبان کو روکنا ہے، یونیورسٹی کی بنیاد کے سلسلے میں اور اس کے بعد بھی، مخالفین کی خودرائی کے سبب حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو جسمانی و روحانی اذیت اور تکلیف پہنچی، ان پر سب وشتم اور عتاب و بدگوئی تو درکنار، کسی ملاقات میں رنج کا اظہار بھی نہیں فرمایا، بلکہ ہمیشہ ان سے مہربانی و نرمی کے ساتھ ملتے رہے اور **کف اللسان من القول بالسوء** پر عامل رہے، ایک دفعہ میں خدمت میں حاضر ہوا، حافظ نثار احمد صاحب مدرس مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد بھی حاضر تھے، ایک شخص نے عرض کیا: حضور! مخالفین آپ کو دشنام دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

الحمدللہ! میں سنت مصطفےٰ ﷺ پر عامل ہوں۔

پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

مولانا! مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوتی ہے جب کوئی میری بدگوئی کرتا ہے، کیوں کہ میرے رسول کی سنت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی کبھی کسی کو برا نہیں کہا۔

اس لیے حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ بھی مخالفین کی اداے بد کے مقابلے میں خصائل حسنہ پیش فرماتے اور مخالفین کے کلماتِ بد سن کر اس کا جواب قولِ بد سے نہ دیتے بلکہ اس سے اعراض فرماتے، ساتھ ہی ساتھ اِس آیت مبارکہ پر بھی عمل فرماتے:

وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ[1]

اور وہ بھلائی سے برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل بس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں۔ (کنزالایمان)

حاصل مقصود یہ ہے کہ حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ اپنے دشمنوں کے برے برتاو کے بدلے ان کے ساتھ نیک برتاو کرتے تھے، ان کے قولِ سو کو سن کر جواب میں کلمات حسن فرماتے تھے، معلوم ہوا کہ حافظ ملت کف اللسان من القول بالسوء پر سختی سے کاربند تھے۔

---

(۱) القصص: ۲۸، آیت: ۵۵، پارہ: ۲۰

برے کلمات خداوند قدوس کو ناپسند ہیں ارشاد ربانی ہے:

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا[1]

اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان کرنا مگر مظلوم سے اور اللہ سنتا جانتا ہے، اگر تم کوئی بھلائی علانیہ کرو یا چھپ کر، یا کسی کی برائی سے درگزر تو بے شک اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔ (کنزالایمان)

کلمۂ بد بالجہر یا اس کے برعکس دونوں ناپسندیدہ ہے؛ اسی لیے مفسرین فرماتے ہیں لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ میں جہر کی تخصیص اس کے بہت زیادہ ہونے کے سبب کی گئی ہے مظلوم جس پر زیادتی کی گئی ہے جس کا دل دُکھایا گیا ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا کی اجازت کے باوجود اس کے لیے بھی بہتر اور پسندیدہ یہی ہے کہ وہ کلمۂ بد کا مرتکب نہ ہو، مطلب یہ ہوا کہ تم ظالم کے جبر و زیادتی کا انتقام لینے پر قدرت و طاقت رکھتے ہو مگر اس قدرت کے باوجود اگر تم معاف کردو اور بدلا لینے کا خیال دل سے دور کردو تو متخلق باخلاق اللہ کے مصداق ہوجاؤ گے، اس لیے کہ قدرت علی الانتقام کے باوجود خدائے تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے، اسی لیے حافظ ملت نے کبھی کسی سے بدلا نہیں لیا، بلکہ ہمیشہ اپنے دشمنوں کو معاف فرماتے رہے، حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنے قول و عمل سے یہ درس دیا ہے کہ مسلمان کلمۂ بد سے اجتناب کریں اور **کف اللسان من القول بالسوء** پر عمل کریں اور بری بات سے بہر حال پرہیز کریں، وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔

(۱) النساء:۴، آیت:۱۴۹،۱۴۸، پارہ:۶

حافظ ملت اور مشرب اعلیٰ حضرت کی اشاعت

عبد القیوم اعظمی، جامعہ انوار القرآن، بلرام پور

پس منظر:

یہ اس وقت کی بات ہے جب ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا ستارہ غروب ہو رہا تھا اور رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسط سے انگریزوں نے پاؤں جمانا شروع کیا تھا اور وہ ہندوستان کے سیاہ و سفید کے مالک بن جانے کی سوچ رہے تھے، لیکن ان کی راہ میں قوم مسلم، اتحاد و یک جہتی کی وجہ سے سد سکندری کی طرح حائل ہو رہی تھی تو وہ مسلمانوں کے اتحاد کے مستحکم و مضبوط قلعہ کو متزلزل و مسمار کرنے کی سعیِ بلیغ و جد و جہد کرنے لگے، مگر حق پرست قوم جب کسی طرح بھی ان کے دام فریب میں نہیں آ رہی تھی تو انھوں نے مجبور ہو کر ایک آخری حربہ یہ استعمال کیا کہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اسی قوم سے ہی کچھ لوگوں کو خریدا جائے، اس کام کے لیے انھیں مسلمانوں میں سے کچھ ایسے زر خرید لوگوں کی تلاش تھی جو ان کے مابین بآسانی انتشار و تفریق کا کام کر سکیں اور انھیں اپنی اس تلاش و جستجو میں زیادہ دقت و پریشانی کا سامنا بھی نہ کرنا پڑا؛ اس لیے کہ اس وقت ان کی خوش قسمتی سے مسلمانوں میں ایک ایسا فرقہ جنم لے چکا تھا جو اسلامی معتقدات و مسلمات کے خلاف نت نئے عقائد اختراع کر کے مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتا تھا اور اس نئے فرقے کو اپنے عقائد باطلہ کی ترویج و اشاعت کے لیے مناسب سرمایہ اور شیرینی کی ضرورت تھی، انگریزوں سے ان کا رابطہ قائم ہوا تو ہر ایک مراد بر آئی۔

انگریزوں نے جب ان کے نئے عقائد (جو رسول دشمنی اور شعائر اسلامی کی بیخ کنی پر مبنی تھے) کو معلوم کیا تو یہ اندازہ کر کے کافی خوش ہوئے کہ یہاں تو ایک تیر سے دو دو شکار ہوں گے ایک طرف تو مسلمانوں کے مابین افتراق و انشقاق کی بنیاد قائم ہوگی جس سے وہ آپس میں برسرِ پیکار ہو کر ہماری مقصد بر آری کے لیے ممد و معاون ہوں گے، اگر اس نئے فرقہ کی خاطر خواہ اشاعت ہوگئی تو پھر مذہب اسلام پر بھی کاری ضرب پڑے گی

جو ہمارے آج کے عیسائی مشن کا اصل مقصد ہے، اس لیے انھوں نے اس نئے فرقے کے سربرآوردہ لوگوں سے فوری سازباز کر کے انھیں طلب سے زیادہ نہ صرف سرمایہ فراہم کیا بلکہ ان کا بھرپور سیاسی تعاون بھی کیا، اس طرح اس فرقے کو اپنے انگریز آقاؤں کے زیر سایہ کھیل کھیلنے کا کافی موقع ملا، پھر تو کھلم کھلا وہ ایک خانہ ساز توحید پرستی کی آڑ لے کر اپنے عقائد باطلہ کی اشاعت و تبلیغ کرنے لگا، اپنے اس خود ساختہ مذہب کے فروغ وبقا کے لیے بڑی کوششیں کیں، کتاب وسنت رسول اللہ علیہ الصلاۃ و التسلیم پر عمل کرنے کے بجاے ایمان واسلام کی اصل الاصول، تعظیم وتوقیر نبی اور عقیدت ومحبت روح کائنات ﷺ پر حملے کرنے لگا، خدا کی جانب کذب کا انتساب کیا گیا، ختم نبوت کا انکار کیا گیا "یارسول اللہ" کہنا شرک قرار دیا گیا، علم غیب نبوی کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی گئی، اختیارات مصطفیٰ کا انکار کیا گیا، میلادالنبی کو "کنہیا" کا جنم قرار دیا گیا، مختلف طریقوں سے ناموس رسالت ﷺ پر حملے کیے گئے۔

مسلک اعلیٰ حضرت

ایسے پرفتن دور اور پرخطر ماحول میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ نے توعظمت مصطفیٰ اور ناموس اولیا سے کھیلنے والے باطل پرستوں کے پرخچے اڑادیے اور ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتے ہوئے تجدید واحیاے سنت کا وہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا کہ جس کی بدولت آج امت مسلمہ نہ صرف صراط مستقیم اور طریق مصطفیٰ پر گام زن ہے بلکہ آج خوش عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں خدا اور محبوبان خدا کے عشق وایمان کی جو شمعیں روشن ہیں بلاشبہہ یہ مجدد اسلام کے تجدیدی کارناموں ہی کی برکت ہے، انھوں نے اپنے تجدیدی کارناموں کو آگے بڑھانے کے لیے، اپنے جن شاگردوں کو تیار کر دیا تھا ان میں سے صدرالشریعہ حضرت مولانا مفتی شاہ امجد علی صاحب اعظمی علیہ الرحمۃ ممتاز ہیں، ان کے تلامذہ میں حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ کے نام سے تعمیر دین ودانش وابستہ ہے۔

حافظ ملت

حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے نہ صرف تحریر وتقریر کے ذریعہ اپنی حیات ظاہری تک اعلیٰ حضرت کے تجدیدی کارناموں کا تحفظ کیا، بلکہ انھوں نے اپنی زندگی بھر کی تدریسی خدمات کے ذریعہ علما، فضلا، خطبا، مصنفین اور دانش وروں کی ایک ایسی فوج تیار کر دی ہے جو آج نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ واشاعت کے لیے پھیل گئی ہے، اگر فرق باطلہ نے اعلیٰ حضرت کے مشن

کے خلاف کام کرنے کے لیے "تبلیغی جماعت" کو ساری دنیا میں اتار دیا ہے تو حضور حافظ ملت کی حسب منشا، ان کے ایک شاگرد علامہ ارشد القادری نے پوری دنیا میں دیوبندی تبلیغی جماعت کی مدافعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ واشاعت کے لیے مختلف ممالک کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے نمائندوں کی موجودگی میں عالمی سطح کی الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ (ورلڈ اسلامک مشن) نام کی تحریک قائم کی، جس کا مرکز متعدّد سہولتوں کے پیش نظر انگلستان کے مشہور شہر "بریڈ فورڈ" میں قائم کیا جس کے مقاصد یہ ہیں:

(۱) عالمی سطح پر ایک تبلیغی نظام کا قیام۔

(۲) مسلم معاشرہ میں دینی زندگی کی ترویج۔

(۳) غیر مسلم اقوام میں اسلام کا موثر تعارف۔

(۴) مسلمانان عالم کے درمیان رابطۂ اخوت اسلامی کا استحکام۔

(۵) گمراہ کن افکار وتحریکات سے نسل اسلامی کا تحفظ۔

(۶) اسلامی تبلیغ کی قائدانہ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی تربیتی مرکز کا قیام۔

اور آج اس تحریک کے ساتھ بہت سے علما وابستہ ہوکر مرتبہ اصول وضوابط کی روشنی میں دنیا بھر کے ممالک کا کار آمد دورہ کر رہے ہیں اور جامعہ کا ہمہ جہتی تعلیمی پروگرام خود ایک محکم نظام اسلامی کی اساس ہے جس سے حافظ ملت کے مشن کی تبلیغ ہوگی۔

حافظ ملت اور مستی کردار

ایک داعی حق - ایک مصلح امت - ایک عظیم رہنما

مولانا محمد اسلم مصباحی غازی پوری

قدرت کی بساط تخلیق پر لاتعداد نقوش ابھرتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں، اس نظام موت وحیات کا نام دنیا ہے، یہ کارخانہ کب سے چل رہا ہے اور کب تک چلے گا، خدائے تعالیٰ کے سوا اس راز سے کوئی واقف نہیں۔

معمار قوم حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ بھی چمن زار قدرت کے وہ حسین پھول تھے جس میں شگفتگی اور دل کشی کا رنگ صاف نظر آتا تھا، یہ پھول جب سے کھلا بہاروں نے اس کا استقبال کیا، نسیم سحری اس کی روح کو گدگداتی رہی، غنچے اس کے ہونٹوں کی لطیف مسکراہٹوں میں اپنی جنت نگاہ کے خاکے تلاش کرتے رہے۔

صداقتوں کے چمن کا حسین پھول ہے تو
یہ واقعہ ہے، بڑا مرد با اصول ہے تو

ملت کے حافظ کا سکوت قفلِ بابِ حکمت تھا، اور تکلم، موج تسنیم وکوثر کا جمالیاتی پرتو، وہ نباض قلوب بھی تھا، اصول کی جو صراط مستقیم اسے نصیب رہتی تھی اس پر دوسروں کو چلنے کی جرأت نہ ہو سکی، جب تک زندہ رہا حریفانِ سفر سے بے نیاز رہا۔

مزاج میں جرأت وبے باکی تھی اور اخلاق میں درویشی کا توازن تھا، وہ ایک قلندر خلوت گزیں تھا، جلوتوں میں بھی اس کی خلوت پسندی ساتھ تھی، ایثار وقربانی کے جوہر اس نے دکھلائے، حق یہ ہے کہ کوئی دوسری شخصیت اس کی ہم سر اور ہم پلہ نظر نہیں آتی، خدا نے اس بوڑھے مجاہد کو فکر وقلم کی وہ صلاحیتیں بخشی تھیں کہ اگر وہ پھٹے ہوئے سرکنڈے کا قلم اور ایک ٹوٹی ہوئی دوات لے کر کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا تو بلاشبہہ عیش ودولت کے ہجوم وہاں بھی اس کو گھیر لیتے اور علم وفضل کی دنیا اس کی راہ میں آنکھیں بچھاتی۔

اس مرد مجاہد کی، ضرورت ہے جہاں کو
ہو جس کی رگ و پے میں، فقط مستیِ کردار

فیض تربیت

مولانا قیس رضا مصباحی

استاذ العلما، جلالۃ العلم، حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان صرف خود ایک جلیل القدر عالم و محدث نہیں تھے، بلکہ ایک محدث گر بھی تھے، آپ نے اپنی زندگی میں صرف حدیث مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خدمت ہی نہیں کی، بلکہ اس کے لیے بے شمار خدام بھی پیدا کرتے رہے، اگر میں یہ کہوں کہ آج سیکڑوں درس گاہیں حافظ ملت ہی کے فیضان کرم کی مرہون منت ہیں تو بے جا نہ ہوگا، حافظ ملت نے دنیاے اہل سنت کو ایسے ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر علماے حدیث عطا فرمائے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں اور کیوں نہ ہو جب کہ آپ کی شخصیت ایک ذہن شناس، باطن رس شخصیت تھی، آپ اپنے ہونہار تلامذہ کی شناخت کر لیا کرتے تھے، جوہری کی طرح ذہن کے کھرا کھوٹا پن کو پہچان لیا کرتے تھے اور جو جس کا مستحق ہوتا اس کے ساتھ وہی برتاو کرتے، جو جس تربیت کے لائق ہوتا اس کی تربیت اسی کے مطابق فرماتے اور اس پر اسی مناسبت سے نظر خاص بھی رکھتے، لیکن یہ خصوصیت بھی اپنی جگہ قائم رہتی کہ جملہ تلامذہ کو بظاہر ایک نگاہ سے دیکھتے، کسی کو یہ موقع نہ مل سکا کہ وہ یہ کہہ دے کہ حافظ ملت کا التفات ہماری طرف نہیں تھا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اپنے صاحبِ جوہر تلامذہ پہ گہری نظر رکھتے لیکن اوروں کو یہ محسوس نہ ہو پاتا کہ ان کی طرف التفات زیادہ ہے اور میری طرف کم ہے، یہ ایک ایسی عظیم صفت ہے جس سے بہت ہی کم لوگ حصہ پاتے ہیں، حافظ ملت کو یہ صفت ان کے استاذ گرامی حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے وراثت میں ملی تھی، شیخنا المکرم محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ (جن کو دونوں بزرگوں سے اکتساب علم و حکمت کا شرف حاصل ہے) بیان فرماتے ہیں:

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کا طریقہ درس حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کے طریقۂ درس سے سر مو بھی مختلف نظر نہیں آیا درسی تقریریں نہایت مختصر اور جامع ہوتیں خاص کر فنی کتابوں میں ایک مختصر مفہم تقریر عبارت خوانی کے بعد فرماتے اس کے بعد اس تقریر کو عبارت پر منطبق فرماتے اعتراضات بغور سنتے اور ہر اعتراض کا مدلل ومحقق جواب عنایت فرماتے اگر کبھی کبھار الزامی جواب بھی دیتے تو وہ بھی نہایت گہری تحقیقات پر مشتمل ہوتا شریعت مطہرہ کے خلاف کوئی بھی بات سامنے آجاتی تو اس میں شریعت کی حمایت ملحوظ ہوتی۔

اہل تعلق

مرشد حافظ ملت شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ

احمد القادری، بھیروی

تعارف مقالہ نگار:

مولانا مفتی احمد القادری مصباحی جامعہ اشرفیہ کے لائق فرزند اور خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ کے برادرِ اصغر ہیں۔

ولادت: ۱۲؍رجب ۱۳۷۸ھ بمقام بھیرہ، ضلع مئو میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: پرائمری مدرسہ رحیمیہ بھیرہ، حفظ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، درس نظامیہ متوسطات تک مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم اور مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد اور فضیلت تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم حاصل کی۔

خدمات: دار العلوم قادریہ چریاکوٹ، مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مدرسہ مدینۃ العلوم بنارس، اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر تبلیغ دین کے لیے افریقہ اور امریکہ کا سفر فرمایا، اس وقت امریکہ میں مقیم ہیں، آپ ایک اچھے مصنف بھی ہیں، متعدّد کتابیں زیورِ طبع سے اراستہ ہو چکی ہیں۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ (۱۲۶۶ھ/۱۳۵۵ھ) کے دور طالب علمی ہی سے معتقد تھے، اسی عقیدت نے رفتہ رفتہ ترقی کر کے حافظ ملت کو حضرت شیخ المشائخ کے سلسلۂ بیعت وارادت میں داخل کر دیا اور دار العلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف کے زمانۂ طالب علمی میں حافظ ملت، حضرت اشرفی میاں کے دست مبارک پر سلسلۂ عالیہ قادریہ منوریہ میں بیعت ہو گئے، اس سلسلے میں حضرت شیخ المشائخ سے حضور غوث اعظم تک صرف چار واسطے ہیں۔ (تفصیلی ذکر اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں)

قلت وسائط اور علو سند میں دنیا کا کوئی سلسلۂ قادری اس سلسلۃ الذہب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے شوال ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم اشرفیہ کو بحیثیت صدرالمدرسین زینت بخشی، مبارک پور میں حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمہ کا ورود مسعود قریباً ہر سال ہوا کرتا، حافظ ملت کے قیام مبارک پور کے دوران ایک بار حضرت شیخ المشائخ علیہ الرحمہ کی آمد ہوئی تو انھوں نے حافظ ملت کو خلافت دینا چاہی، حافظ ملت کی منکسر و متواضع طبیعت اور "خود را ہیچ مداں" والی عادت عرض کرا اٹھی: حضور! مجھ میں تو کچھ صلاحیت نہیں، میں خلافت کیسے لوں؟ جواباً حضرت شیخ المشائخ نے یہ امتیازی تمغہ عطا فرمایا "مرد حق را قابلیت شرط نیست" اور خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔[1]

حافظ ملت ہر سال جامع مسجد راجہ مبارک شاہ مبارک پور میں اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمہ کا عرس منایا کرتے، قرآن خوانی، ایصال ثواب، اجلاس اور تقسیم تبرک کا اہتمام ہوتا اور آج بھی اسی روایت کے مطابق ۱۱/رجب المرجب کو دن کے نصف اول میں یہ عرس وہیں منعقد ہوتا ہے جس میں اہل مبارک پور اشرفیہ کے علما و طلبا شریک ہوتے ہیں۔

نام و نسب:

نام نامی اسم گرامی: علی حسین، کنیت: ابواحمد اور لقبِ خاندانی: شاہ، پیر، شیخ المشائخ اور اعلیٰ حضرت ہے، خطاب: سجادہ نشین، سرکار کلاں اور تخلص: اشرفی، ہے اور جناب ممدوح کا خاندان بھی اشرفی کہلاتا ہے۔

شیخ المشائخ علیہ الرحمہ ۲۲/ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔

آپ کا نسب:

چوبیسویں پشت میں جاکر حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل جاتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

حضرت مولانا سید شاہ علی حسین ابن

۱- حاجی سید شاہ سعادت علی (متوفی ۲۲/ربیع الثانی ۱۳۱۳ھ) ابن

۲- سید شاہ قلندر بخش ابن

۳- سید شاہ تراب اشرف ابن

۴- سید شاہ محمد نواز ابن

---

(۱) بروایت مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی

۵- سید شاہ محمد غوث ابن
۶- سید شاہ جمال الدین ابن
۷- سید شاہ عزیز الرحمٰن ابن
۸- سید شاہ محمد عثمان ابن
۹- سید شاہ ابوالفتح ابن
۱۰- سید شاہ محمد ابن
۱۱- سید شاہ محمد اشرف (متوفی ۹۱۰ھ) ابن
۱۲- سید شاہ حسن (متوفی ۸۹۸ھ) ابن
۱۳- سید شاہ عبد الرزاق نور العین قدس سرہم (متوفی ۸۷۲ھ) **"مخدوم آفاق"** تاریخ وفات ہے، (آپ حضرت سید مخدوم اشرف سمنانی رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں جن کی وفات ۸۰۸ھ میں اور **"اشرف المومنین"** مادۂ وفات ہے)، ابن
۱۴- سید عبد الغفور حسن ابن
۱۵- سید ابوالعباس احمد ابن
۱۶- سید بدر الدین حسن ابن
۱۷- سید علاء الدین علی ابن
۱۸- سید شمس الدین ابن
۱۹- سید سیف الدین نجی ابن
۲۰- سید ظہیر الدین احمد ابن
۲۱- سید ابونصر محمد ابن
۲۲- سید محمد الدین ابوصالح نصر ابن
۲۳- قاضی القضاۃ، سید تاج الدین خلف اکبر
۲۴- غوث الثقلین غیث الملوین حضرت شیخ سید ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (م ۵۶۱ھ)

چوں کہ شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ حضرت نور العین قدس سرہ کے خلف اکبر سید شاہ حسن قدس سرہ کی اولاد سے

ہیں، اس لیے آپ کا خاندان **"سرکار کلاں"** یا **"بڑی سرکار"** سے بھی ملقب ہے۔

حضرت شیخ المشائخ کے والد ماجد حضرت سید شاہ سعادت علی علیہ الرحمہ بھی بہت قابل اور باکرامت بزرگ تھے، آپ سیدنا عبدالرزاق نورالعین علیہ الرحمہ کی اولاد سے ہیں۔

جاے پیدائش

ضلع فیض آباد، یوپی (ہندوستان) کا مشہور قصبہ **"کچھوچھہ شریف"** آپ کی جاے ولادت ہے، یہ وہ مقدس وپاک سرزمین ہے جسے آج سے صدیوں پیش تر حضرت سید مخدوم اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جاے قیام بنایا، اور قیامت تک کے لیے اپنا مسکن متعین فرمایا اور اسے تمام اوہام واصنام سے پاک کر کے اپنا فیضان جاری فرمایا جو بعد وفات بھی پورے ملک پر ویسے ہی جاری وساری ہے بلکہ اس سے فزوں تر جو حیات میں تھا، اس آستانۂ پاک پر امراض روحانی کی طرح آفات جسمانی اور سحر وآسیب سے بھی لوگ شفایاب ہوتے ہیں، یہیں ہر سال ماہ محرم کی ۲۸/ ویں تاریخ کو حضرت سید مخدوم اشرف سمنانی علیہ الرحمہ کا عرس مبارک بھی ہوتا ہے، جس میں ملک سے لاکھوں کی تعداد میں عوام وخواص، اولیا وصالحین، علما وطلبہ، امرا وفقرا، سبھی شریک ہوتے اور فیض پاتے ہیں (اگرچہ اس مبارک عرس میں بھی آج کل کچھ ایسی مذموم حرکتیں ہونے لگی ہیں جو خلاف شرع اور سراسر ناجائز ہیں)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اکثر وبیش تر فرمایا کرتے تھے:

جس وقت میں بارگاہ سمنانی میں حاضر ہوا[1] اس وقت سے اتنا روحانی فیض پہنچا اور پہنچ رہا ہے، جس

---

(۱) اس حاضری کی تقریب یوں ہے کہ غالباً ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں قصبہ کچھوچھہ شریف کے کچھ لوگوں نے حافظ ملت کو ایک اجلاس کی دعوت دی، حضرت نے دعوت منظور فرمائی اور کچھوچھہ شریف میں جلسہ کا اعلان ہو گیا، پھر کسی وجہ سے جلسہ منسوخ ہو گیا، منتظمین نے مبارک پور منسوخی اجلاس کا ٹیلی گرام کیا مگر حافظ ملت سفر پر تھے اور سفر سے واپسی میں براہ راست کچھوچھہ شریف پہنچ گئے۔

مگر منتظمین جلسہ کچھ اونچے لوگوں کے دباؤ میں تھے، تیار نہ ہوئے، بسکھاری میں حضرت مولانا سید ظفر الدین اشرف صاحب، سجادہ نشین ومتولی آستانۂ مخدوم سمنانی کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کو اپنے گھر لے گئے اور دوسرے دن کچھوچھہ شریف میں خاص آستانۂ مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ پر حافظ ملت کی تقریر کرائی اور بعد تقریر ایک صالح مرد حضرت کے دست اقدس پر بیعت ہوئے جو آستانۂ پاک کی مسجد میں معتکف تھے۔ اس کے بعد حضرت مخدوم سمنانی علیہ الرحمہ کا فیض کچھ اس طرح جاری ہوا کہ حافظ ملت جہاں پہنچتے بکثرت حضرات داخل سلسلہ ہونے کے لیے ٹوٹ پڑتے اور آستانہ کے زینے پر تو بیک وقت سیکڑوں کی تعداد میں لوگ بیعت ہوئے باوجودے کہ لوگوں کو اس کے لیے آمادہ بھی نہ کیا جاتا بلکہ حضرت تو اس طرح کی اپیل کے سخت مخالف تھے، چناں چہ بہار کے کوٹام نامی ایک مقام پر بعض مخلصین نے اجلاس میں حافظ ملت سے مرید ہونے کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اس وقت حافظ ملت اپنی تقریر ختم کر کے قیام گاہ تشریف لے جا رہے تھے یہ آواز سنی تو راستہ سے واپس ہوئے اور مائک پر آکر

جس کو بیان نہیں کر سکتا۔

بچپن

حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ بچپن ہی سے نیک سیرت، عمدہ خصلت کے حامل اوراپنے تمام ہم عصر بچوں میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، جب آپ کا سن شریف چار برس، چار ماہ، چار دن کا ہوا تو معمول خاندان کے مطابق مولانا گل محمد صاحب خلیل آبادی نے، جو بہت بڑے اہل دل، عارف کامل اور خدا کے مقرب بندے تھے، بسم اللہ کرائی، اس کے بعد مولانا امانت علی صاحب کچھوچھوی نے فارسی کی درسی کتابیں پڑھائیں، پھر مولوی سلامت علی صاحب گورکھپوری اور مولوی قادر بخش صاحب کچھوچھوی سے تعلیم پائی غرض کہ ۱۶/ سال کی قلیل عمر میں تمام علوم ظاہری کی تکمیل کر کے ۱۲۸۲ھ میں اپنے برادر معظم حضرت مولانا شاہ ابو محمد اشرف حسین صاحب علیہ الرحمۃ سے بیعت ہو کر خلافت واجازت حاصل کی، ۱۲۸۵ھ میں حضرت سید شاہ حمایت اشرف بسکھاری کی دختر نیک اختر سے آپ کی شادی ہوئی۔

علوم باطنی کی تکمیل:

بیعت وخلافت حاصل ہونے کے بعد ۱۲۹۰ھ میں آپ نے کامل ایک سال آستانۂ عالیہ اشرفیہ پر، حسب ارشاد مشائخ کرام تارک الدنیا ہو کر چلہ کشی فرمائی، اور منازل عرفان اس طرح طے فرمائے کہ آپ کی ذات بابرکات سے آثار جہاں گیری نمودار ہونے لگے، محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ العزیز کی دعا اور نظر کرم سے اس خاندان میں بڑے بڑے جلیل القدر بزرگ پیدا ہوئے، لیکن ایسا آفتاب رشد وہدایت طلوع نہیں ہوا جس نے سلسلۂ اشرفیہ کا نام اتنا روشن کیا ہو، حضرت شیخ المشائخ کو بلا شبہہ سلسلہ عالیہ اشرفیہ کا مجدد اعظم کہا جا سکتا ہے، پاکستان و ہندوستان ہی نہیں بلکہ بلاد اسلامیہ (شام، عراق، مصر، حلب وغیرہ) کے طویل سفر فرما کر سلسلۂ عالیہ اشرفیہ کی اشاعت فرمائی، بے شمار افراد سلسلۂ ارادت میں منسلک ہوئے، بتایا جاتا ہے کہ آپ جادۂ شریعت پر بڑی سختی سے گام زن تھے، ارباب حاجت کی حاجت رفع کرنا آپ کا جبلی شعار تھا، کوئی سائل آپ کے در سے محروم

بڑے غصہ میں ارشاد فرمایا کہ میں کوئی پیشہ ور پیر نہیں، نہ ہی اپنی پیری مریدی کے لیے اس طرح کی اپیل پسند کرتا ہوں یہ میرا کوئی کاروبار نہیں، میرے لیے اس طرح کا اعلان ہرگز نہیں ہونا چاہیے مگر فیضان مخدوم سمنانی علیہ الرحمۃ کو کون روک سکتا ہے اسی "کوٹام" نامی مقام پر قریبًا ڈیڑھ سو افراد حافظ ملت کے دست پاک پر تائب ہو کر داخل سلسلہ ہوئے والحمد للہ رب العالمین (بروایت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب بھیروی)

نہیں گیا، آپ کا دستر خوان ہمیشہ وسیع رہا، آپ نے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی۔

اہل کشف و مشاہدہ اور مشایخ کرام کا بیان ہے کہ آپ ہم شکل محبوب سبحانی تھے، برکات باطنیہ کے علاوہ جمال صورت سے بھی آراستہ تھے، جس کو دیکھ کر مخالفین بھی معتقد ہو جاتے تھے اور ماننا پڑتا تھا:

یہی نقشہ ہے، یہی رنگ ہے، ساماں ہے یہی
یہ جو صورت ہے تری، صورت جاناں، ہے یہی

حضرت شیخ المشایخ فاضل بریلوی کی نظر میں:

اس جگہ امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی (۱۲۷۲ھ/۱۳۴۰ھ) اور شیخ المشایخ علیہما الرحمہ کے مابین جو محبت و عقیدت تھی اس کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے صاحب زادۂ محدث اعظم ہند سید حسن مثنیٰ انور صاحب ماہ نامہ "المیزان" کچھوچھہ میں رقم طراز ہیں:

شیخ المشایخ جب شہر بریلی میں رونق افروز ہوئے تو وہیں امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ملاقات ہوئی اور پھر سلسلہ دراز ہوتا ہی گیا، دونوں بزرگوں نے ایک دوسرے کو بہت قریب سے دیکھا اور مراتب علیا سے واقف ہوئے، شیخ المشایخ امام موصوف کے تبحر علمی اور دینی فہم وبصیرت کے بہت معترف تھے، اسی طرح امام احمد رضا علیہ الرحمہ حضرت شیخ المشایخ کی مشیخت اور جمال ظاہری وباطنی نیز روحانی کمالات کے دل دادہ تھے۔ (المیزان)

ایک بار شیخ المشایخ حضرت سلطان المشایخ محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے مزار پاک سے فاتحہ پڑھ کر نکل رہے تھے اور فاضل بریلوی بغرض فاتحہ جا رہے تھے کہ فاضل بریلوی کی نظر شیخ المشایخ پر پڑی، دیکھا تو بالکل ہم شکل محبوب الٰہی تھے۔ اسی وقت برجستہ یہ شعر کہا:

اشرفی اے! رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں!

اس شعر میں سہ محبوباں سے مراد، (۱) حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا، (۲) حضرت محبوب یزدانی مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی، (۳) حضور غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

ایک زمانے میں اس شعر کی مقبولیت علم وادب کی دنیا میں اس قدر تھی کہ اکثر علما و شعرا نے تضمینیں لکھی تھیں اور فکر و خیال کے مختلف النوع پہلو دکھائے تھے، ان میں سے ایک تضمین جو اسی دور میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی تھی، حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ (۱۳۱۱ھ/۱۳۸۳ھ) کی ہے اور دوسری تضمین جانشین حضور محدث اعظم

ہند مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کے فکر سخن کا نتیجہ ہے، ان شعری تحائف سے بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین ہے:

تضمین حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ:

اے زہے مظہر اخلاق حبیب رحمٰں
اے گلے منظر نَو رُستۂ غوث جیلاں
اے خوشا زیب دہ جادۂ شاہ سمناں
اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر! کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں!

مورے داتا، مورے مہراج گرو، مور میاں
جگ کا دیکھا موا کچھ اور ہے تبیاں تو نہاں
توری مہما کا بکھانت ہیں رضا شیخ جہاں
اشرفی اے! رخت آئینۂ حسن خوباں
اے نظر کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں!

مولانا محمد سید مدنی اشرفی مصباحی کا آخری بند اور مقطع حاضر خدمت ہے:

تیرا سر، ناز کرے جس پہ کلاہ عرفاں
تیرا در، آکے جہاں خم ہو نعیمؔ دوراں
تیرے بازو، کہ زمانہ ہے رہیں احساں
اشرفی اے! رخت آئینۂ حسن خوباں
اے نظر کردۂ و پروردۂ سہ محبوباں!

سجادہ نشینی:

۲۸ر محرم الحرام ۱۲۹۷ھ کو زینتِ سجادۂ مشیخت ہوئے اور خرقۂ خاندان جو حضرت مخدوم اشرف قدس سرہ کا عطیہ ہے زیب تن فرمایا۔

زیارت حرمین شریفین:

آپ نے چار حج کیے، پہلا حج ۱۲۹۳ھ میں ادا کیا، اس حج میں دربار رسالت مآب ﷺ سے بعض

نعمتیں خاص طور پر حاصل ہوئیں، پھر تیس سال بعد دوسرا حج ۱۳۲۳ھ میں ادا فرمایا، اس میں بعض اذکار واشغال کی اجازت بھی مشائخ حرمین شریفین سے حاصل ہوئی، تیسرا حج مبارک چھ سال بعد ۱۳۲۹ھ میں ادا کیا، بعد زیارت مدینہ منورہ، طائف شریف، بیت المقدس و دیگر مقامات عالیہ: شام، مصر، حامہ شریف اور حمص شریف میں حاضر ہو کر وہ وہ نعمتیں حاصل کیں جن کی تفصیل کے لیے ایک لمبی کتاب درکار ہے، آخری حج و زیارت سے ۱۳۵۴ھ میں شرف یاب ہوئے، اس مرتبہ مذکورہ بالا دیار میں صدہا علما و مشائخ داخل سلسلہ ہوئے اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

بیعت وارادت:

شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ نے باطنی علوم اپنے برادر بزرگ زائر الحرمین سید شاہ اشرف حسین علیہ الرحمۃ سے حاصل فرمائے، (جن کو علاوہ خاندان اشرفیہ کے، تمام مشائخ ہم عصر سے فیض صوری و معنوی حاصل تھا) شغل وجودیہ اور بعض اذکار مخصوصہ کی تعلیم حضرت سید شاہ عماد الدین اشرف اشرفی عرف لکڑ شاہ کچھوچھوی قدس سرہ سے حاصل کی، حضرت لکڑ شاہ صاحب خاندان اشرفیہ میں مشاہیر مشائخ سے گزرے ہیں، اسی طرح دیگر اوراد و وظائف کی اجازت اکثر علما و مشائخ ہند سے حاصل فرمائی، چناں چہ حضرت میاں راج شاہ صاحب (ساکن سوندھ شریف، ضلع: گڑگانواں، پنجاب، متوفیٰ ۱۲ر رمضان ۱۳۰۶ھ) نے سلسلۂ قادریہ زاہدیہ کے ساتھ سلطان الاذکار و دیگر اشغال مخصوصہ کی اجازت دی اور ایک "دُوَنّی" [دو آنے کا سکہ جو اس زمانے میں رائج تھا] عطا فرمائی، مولانا شاہ محمد امیر کابلی نے سلسلۂ قادریہ منوریہ کی اجازت سے نوازا، اس سلسلہ کو سلسلۃ الذہب کہتے ہیں جو عرفی طور سے چار واسطوں سے حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، یعنی شیخ المشائخ کو حضرت شاہ محمد امیر کابلی سے، ان کو حضرت ملا آخوند رام پوری، سے، ان کو حضرت شاہ منور الہ آبادی سے جن کی عمر ساڑھے پانچ سو برس کی ہوئی، ان کو حضرت شاہ دولا قدس سرہ سے، ان کو حضور غوث اعظم عبد القادر جیلانی سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اسی طرح سلسلۂ اویسیہ اشرفیہ کی تعلیم حضرت سید محمد حسن غازی پوری سے حاصل ہوئی، ان کو شاہ باسط علی قادری سے، ان کو شاہ عبد العلیم بھیروی سے، ان کو شاہ ابو الغوث گرم دیوان شاہ (متولی آستانہ بھیرہ، ضلع: اعظم گڑھ، مدفون لُہرا، مبارک پور) علیہ الرحمۃ سے، ان کو حضرت مخدوم اشرف سمنانی علیہ الرحمۃ سے، ان کو خود حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، علاوہ ازیں بہت سے اذکار و اشغال کی اجازت حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ سے، آپ نے پھر کسی کو خلافت و اجازت نہیں بخشی، آپ ان کے خاتم الخلفا ہیں۔

علاوہ ازیں دیگر نعمات وبرکات مختلف واسطوں سے آپ کو حاصل ہوئیں، ان کی تفصیل بہت طویل ہے، مختصر یہ کہ آپ کی ذات جامع صفات وحسنات، مشائخ کبار و اکابر دیار وامصار کی نعمتوں اور سلاسل مختلفہ متعدّدہ کی برکتوں کا خزینہ ہے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشآء.

تبلیغ اسلام:

آپ نے تبلیغ اسلام کا بہت بڑا کام انجام دیا، لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو صراط مستقیم پر گام زن فرمایا اور روحانی فیض پہنچایا، آپ کی تقریر نہایت موثر ہوتی تھی، مواعظ میں جس انداز سے آپ مثنوی پڑھتے وہ بے نظیر تھا، ساتھ ہی بہت سی مسجدوں اور مدرسوں کا سنگ بنیاد رکھا اور آخری دم تک اس کے تحفظ وبقا کے لیے کوشاں رہے، مثلاً مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد، اعظم گڑھ، مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ اوراسی طرح کے بہت سے مدارس کو قائم فرمایا۔

یہی نہیں بلکہ ہندوستان کی مایۂ ناز درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد انھی کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا، اور پوری عمر دارالعلوم کو اپنی روحانی عظمتوں سے فیض پہنچایا، اس وقت سے لے کر آخر عمر تک آپ نے دارالعلوم اشرفیہ کی سرپرستی قبول فرمائی، اس ادارہ کی تمام خدمات آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہیں۔

نمونۂ کلام اشرفی:

شیخ المشائخ کا دربار ے کدۂ عرفان و آگہی بھی تھا جہاں بادہ گساران طریقت کا ہر وقت میلہ لگا رہتا تھا، متقدمین صوفیہ کی روش پر فارسی، اردو، ہندی، میں فکر سخن بھی فرماتے تھے آپ کے محبوب مرید اور مشہور مبلغ اسلام، میر غلام بھیک نیرنگ، وکیل انبالہ نے دیوان عرفان ترجمان کا مجموعہ بنام تحائف اشرفی ۱۳۳۳ھ میں مرتب کر کے شائع کیا، سبحان اللہ! کیا کلام عرفان نظام ہے ایک ایک لفظ اثر میں ڈوبا ہوا، زبان شیریں؛ بیان رنگیں، مگر بایں ہمہ تصنع سے مبرا، تکلف سے معرا ہے، عندلیبانِ گلشنِ قال کے زمزمے کچھ اور ہوتے ہیں، بلبلان حال کے چہچہے کچھ اور، وہاں زیادہ تر قوافی عقلیہ سے خطاب ہوتا ہے، یہاں سراسر قلب وروح کی جانب توجہ، وہاں اصول بلاغت کی پابندی میں "کوہ کندن و کاہ برآوردن" ہوتا ہے یہاں باتباع سنت، و ماینطق عن الھویٰ کوئی کہلاتا ہے، تو کہتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں نتیجہ یہ کہ

شعر می گویم بہ از آب حیات
من ندانم فاعلاتن فاعلات

اب یہاں فارسی، اردو اور ہندی اشعار کے ایک ایک نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

کلام فارسی

عمرہا جلوۂ او جُست نگاہم پیدا
کرد آئینۂ دل، صورت ما ہم پیدا
کعبہ و دَیر ز آوارگیم تنگ آمد
نیست درعشق، مگر جائے پناہم پیدا
مگذار از رہِ الطاف کہ ایں شیوۂ تست
گرچہ صدفتنہ نمایند گناہم پیدا
حال بیتابیِ دل از من بیمار مپرس
کہ شررہا شود از سوزش آہم پیدا
چشم گریاں، دل سوزاں، رخ زرد وتن زار
در رہ عشق تو گشتند گواہم پیدا
اشرفی ذلت ورسوائی کوئے خوباں
کرد در ہر دوجہاں عزت و جاہم پیدا

کلام اردو

چشم جاناں ہے شبیہ چشم آہو، ہوبہو
عنبریں ہیں، کاکُلِ شب رنگ کے مو، ہوبہو
مست ہوگا ایک عالم، مثل آہوئے ختن
اے صبا! مت کر پریشاں بوئے گیسو، سوبسو
عشق سر و قد جاناں میں ہے عاشق کا یہ رنگ
کر رہا ہے فاختہ کی مثل کوکو، کوبکو

قتل کا گر ہے ارادہ دیر کیوں کرتے ہیں آپ
دیکھیے موجود ہے یہ تیغِ ابرو، رو برو
اشرفیؔ اللہ سمجھے ان بتوں کے ظلم سے
آنکھ دکھلانے ہی میں کرتے ہیں جادو دوبدو

کلام ہندی

یہ کلام ہندی مکہ معظمہ میں ۱۲۹۴ھ سفر اول میں کہا گیا تھا۔

درس بِنا مَن کیسے مانے داتا کے گھر جائے- من کیسے مانے
نِرگُن جان پیا نہیں چتوت جیا مورا جات لجائے- من کیسے مانے
گنونتی درشن مدھ باقی دھن پوری پچھتائے- من کیسے مانے
سائیں مورا نراس جن پھیروا بنے دوار بلائے- من کیسے مانے
راہ تمھار اشرفی جوہت تم پر دھیان لگائے- من کیسے مانے

وفات:

۱۱؍رجب ۱۳۵۵ھ کو ہزاروں حاضرین آپ کے ساتھ ذکر جہر میں شریک تھے کہ آپ کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے نوے سال کی عمر میں جان، جان آفریں کے حوالے کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

مریدین و خلفا:

وصال کے وقت آپ کے ۲۳؍لاکھ مریدین اور ۱۳۵۰؍خلفا تھے۔

مزار مبارک کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد [موجودہ امبیڈکر نگر] میں حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کے روضۂ پاک کے قریب ایک چبوترے پر واقع ہے، جہاں اہل دل حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

اولاد وامجاد:

اللہ تبارک وتعالیٰ جہاں اپنے اولیاے کاملین کو ہر قسم کے علم وفضل سے نوازتا ہے، اسی کے ساتھ ان کی ہر طرح سے آزمائش وابتلا فرماتا ہے، کبھی افعال وکردار سے، کبھی مصیبتوں اور مشقتوں میں صبر سے کبھی ازواج واولاد کی موت سے، غرض کہ جس طرح خداوند کریم چاہتا ہے آزماتا ہے۔

اسی طرح شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ کو جہاں بہت سی مصیبتوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا پڑا، ساتھ ہی اپنی پہلی زوجہ محترمہ جو بہت نیک طینت اور پاکیزہ صفات کی حامل تھیں اور اپنے جوان بیٹے کی موت بھی دیکھنی پڑی مگر آپ کے پائے استقلال اور صبر و شکر میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی۔

سید احمد اشرف علیہ الرحمۃ:

پہلی بیوی سے ایک فرزند تولد ہوئے جن کا نام نامی "سید احمد اشرف" ہے، آپ کی ولادت طیبہ ۴؍ شوال المکرم ۱۲۸۶ھ بروز جمعہ ہوئی "مولانا ابوالمحمود سید شاہ احمد اشرف" مادہ تاریخ ولادت ہے، آپ جہاں ظاہری شکل و صورت میں اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ کی جیتی جاگتی تصویر تھے، وہیں باطنی کمالات میں بھی انھی کے جانشین تھے ۱۳۴۳ھ میں وصال فرمایا، موجودہ سجادہ نشین سرکار کلاں حضرت مولانا سید مختار اشرف صاحب قبلہ انھی کے صاحب زادے ہیں، آپ کے دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ اشرف علیہ الرحمۃ ہیں آپ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷؍ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ میں رحلت فرما گئے، حضرت کے دو مشہور صاحب زادے حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرف اور حضرت مولانا سید حامد اشرف صاحبان ہیں، یہ دونوں حضرات حضور حافظ ملت کے ممتاز شاگردوں میں ہیں، اول الذکر تبلیغ وارشاد میں ممتاز اور آخر الذکر بمبئی کی سرزمین پر دارالعلوم محمدیہ کے مؤسس و محرک اور شیخ الحدیث ہیں۔

حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کی شفقتیں جو حضور حافظ ملت پر تھیں اس کا واضح ثبوت آج بھی ان کے شہزادوں میں موجود ہے، حافظ ملت عمر بھر اپنے مرشد کامل کے وفادار رہے اور اس خانوادۂ مقدسہ کے ایک ایک بچہ سے آپ کی گہری وابستگی اور دلی تعلق کا ثبوت موجودہ دور میں علمائے کچھوچھہ کی نوجوان نسل ہے۔

استاذ حافظ ملت حضرت صدر الشریعہ

مولانا علاء المصطفےٰ قادری امجدی، دائرۃ المعارف الامجدیہ، گھوسی

تعارف مقالہ نگار:

ولادت: ۸/ مارچ ۱۹۶۲ء مقام کریم الدین پور گھوسی، مئو میں پیدا ہوئے، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مد ظلہ کے صاحب زادے ہیں۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم شمس العلوم گھوسی سے حاصل کی، معیاری تعلیم کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا رخ کیا، والد گرامی اس وقت اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھے، ان کی نگرانی و ہدایت میں تعلیم مکمل کی، ۱۹۷۸ء میں درجۂ فضیلت سے فارغ ہوئے۔

خدمات: مدرسہ ضیاء الاسلام گوپال گنج بہار سے تدریسی خدمات کا آغاز کیا، جامعہ امجدیہ رضویہ و کلیۃ البنات الامجدیہ گھوسی مئو کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی بن حکیم جمال الدین بن مولانا خدا بخش بن مولانا خیر الدین صاحب ۱۲۹۶ھ میں قصبہ: گھوسی، محلہ: کریم الدین پور، ضلع: اعظم گڑھ، یوپی میں پیدا ہوئے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے جد امجد مولانا خدا بخش مرحوم سے حاصل کی، جو اپنے زمانے کے متدین عالم اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، ان کے انتقال کے بعد مولوی الٰہی بخش، ساکن کوپاگنج کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، بعد ازاں اپنے بڑے چچازاد بھائی مولانا محمد صدیق علیہ الرحمۃ سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، لیکن در حقیقت آپ کی تعلیم و تربیت کا حقیقی سلسلہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ آپ استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری ثم جون پوری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، جو اُن دنوں مدرسہ حنفیہ جون پور کے صدر مدرس تھے، ان سے اکتساب فیض کیا۔

علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حضرت استاذ الاساتذہ نے آپ کو پیلی بھیت، حجۃ العصر شیخ المحدثین مولانا

شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کی خدمت میں بھیج دیا، آپ سے درس حدیث لیااور سند فراغت حاصل کرکے وطن مراجعت کی۔

تین ماہ مکان پر قیام فرمایا، اس کے بعد حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ نے مدرسہ اہل سنت پٹنہ کی صدارت کے لیے حضرت صدرالشریعہ کا انتخاب فرمایا، مکان سے روانہ ہوکر سب سے پہلے جون پور بغرض اجازت، حضرت استاذالاساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور دعاؤں سے نوازا، پٹنہ پہنچ کر قاضی عبدالوحید کے مہمان ہوئے، وہاں کچھ دنوں تعلیم دی، شعبان ۱۳۲۶ھ میں جون پور حضرت استاذالاساتذہ کی عیادت کے لے پہنچے، عیادت کرنے کے بعد، وطن مالوف پہنچ کر مدرسہ کو استعفیٰ روانہ فرمادیا، رمضان المبارک میں مکان ہی پر مقیم رہے، شوال ۱۳۲۶ھ میں لکھنو جاکر دوسال میں علم طب کی تحصیل وتکمیل کے بعد وطن واپس ہوئے اور مطب شروع کردیا، مطب نہایت کامیابی کے ساتھ چل پڑا، اس اثنا میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کو مدرسہ منظر اسلام بریلی کے لیے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی، استاذ گرامی مولانا وصی احمد محدث سورتی کے ارشاد پر حضرت صدرالشریعہ مطب چھوڑ کر بریلی شریف چلے گئے۔

ابتداءً تدریس کا کام شروع کیا، بعد ازاں ”مطبع اہل سنت“ کا انتظام اور ”جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی“ کے شعبۂ علمیہ کی صدارت کے فرائض بھی آپ کے سپرد کیے گئے، افتا کی مصروفیات اس کے علاوہ تھیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، ایک دفعہ فرمایا:

”آپ، یہاں کے موجودین میں، تفقہ جس کا نام ہے، وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پائیے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو میں جواب دیتا ہوں، لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے“۔[۱]

سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے دست حق پر بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت سے بھی نوازے گئے۔

طویل عرصہ تک مدرسہ منظراسلام بریلی میں فرائض تدریس انجام دیے، ۱۹۲۴ء میں بحیثیت صدر مدرس دارالعلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف چلے گئے، سات سال بعد پھر بریلی شریف چلے آئے اور تین سال قیام کیا، بعد ازاں نواب حاجی غلام محمد خاں شیروانی رئیس ریاست دادوں علی گڑھ کی دعوت پر بحیثیت

(۱) الملفوظ، حصہ اول، ص:۹۳

صدر مدرس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بحسن وخوبی فرائض تدریس انجام دیتے رہے، ۱۹۴۳ء میں ایک سال کے لیے مدرسہ مظہر العلوم، کچی باغ بنارس تشریف لے گئے، بعد ازاں پھر مدرسہ منظر اسلام بریلی میں درس دیا۔

حضرت صدرالشریعہ کی فقہی بصیرت:

چوں کہ اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ تفصیل کے بعد حضرت صدرالشریعہ کی اس علمی وفقہی عبقریت کو واضح کرنا ہے جس میں آپ نے شہرت حاصل کی اور جس سے اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، تقریباً اٹھارہ برس شیخ کامل کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے، ویسے تو اعلیٰ حضرت کے جملہ تلامذہ، اعلیٰ حضرت کی صحبت وفیض اثر سے اپنے وقت کی یگانہ اور منفرد شخصیت کی حیثیت سے چمکے، لیکن حضرت صدرالشریعہ کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ جہاں آپ نے اپنے شیخ سے تمام علوم وفنون میں درک حاصل کیا وہاں فقہ وافتا کو خاص طور پر ملحوظ رکھا اور اعلیٰ حضرت کے بعد اس خصوصیت میں اعلیٰ حضرت کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔

ارباب فقہ وافتا نے بیان فرمایا کہ فقہی بصیرت ومہارت کے لیے جہاں علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کرنا ضروری ہے، وہاں متبحر فقیہ کی صحبت میں رہ کر فتویٰ نویسی ودیگر کتب ورسائل کا مطالعہ کرنا ضروری ہے، چناں چہ اس سے قبل یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ حضرت صدرالشریعہ نے تقریباً ۱۸/ برس اپنے وقت کے عظیم فقیہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں رہ کر فقہ وافتا کے جملہ گوشوں اور تمام پہلوؤں کو بنظر غائر مطالعہ کیا، یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت آپ پر فتاویٰ کے سلسلے میں حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔

چناں چہ فطرتاً ذہانت وفطانت اور اعلیٰ حضرت کی صحبت اور درس وتدریس کے عظیم مشغلہ نے آپ کی فقہی بصیرت کو اس طرح نکھارا کہ آپ کا نام نامی اسم گرامی لوگ کم جانتے ہیں، "صدرالشریعہ" زیادہ جانتے ہیں۔

اصول فقہ پر نہایت گہری نظر ہونے کے ساتھ ساتھ، فقہی جزئیات نوک زبان ہوتے تھے، جب بھی کوئی ضرورت یا کوئی نیا مسئلہ سامنے آتا فوراً اپنی فقہی بصیرت کا مظاہرہ فرماتے اور اس طرح بیان فرماتے کہ پھر اس پر کلام کرنے کی نوبت نہ آتی۔

جس کی شاہد عدل ان کی تصنیف **"بہار شریعت"** ہے، جو بالعموم مدارس میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، ان کی فقہی بصیرت کے لیے یہ عرض کردینا کافی ہوگا کہ مولانا ضیاء الدین صاحب پیلی بھیت، جو اعلیٰ حضرت

کے معاصر ہونے کے ساتھ، اپنے وقت کے عظیم فقیہ اور جلیل القدر عالم تھے لیکن انھوں نے بھی اپنے ایک مکتوب میں حضرت صدرالشریعہ سے ایک فتویٰ کے سلسلے میں استصواب رائے کیا اور جواب حاصل کیا اور اُن کے معاصرین کی تو اچھی خاصی جماعت ہے جو آپ سے فقہی معاملات میں رجوع کیا کرتی تھی، مثلاً مولانا سید محمد اشرفی محدث اعظم ہند، مولانا سراج احمد پاکستان۔

حضرت صدرالشریعہ علمی وعملی کارنامے کی روشنی میں:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ کے بے شمار علمی وعملی کارناموں میں چند ایسے کارنامے ہیں جو اہل قلم کا موضوع سخن بن سکتے ہیں اور ان پر مقالہ لکھنے کی جرأت کی جاسکتی ہے، یہ وہ کارنامے ہیں جن کی نظیریں سلف وسابقین کے بعد نہیں مل سکتیں، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) شجر اسلام کی آب یاری کے لیے ہمیشہ علما کی ضرورت رہی ہے اور روز قیامت تک رہے گی چناں چہ جب بھی قرآن وحدیث اور فقہ وافتا کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کی بات آتی ہے تو یہی علما آگے بڑھ کر وقت کی ضرورت پوری کرنے میں سعی بلیغ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت صدرالشریعہ نے عصری تقاضوں اور دین کی اہمیتوں کو سمجھتے ہوئے میدان درس وتدریس میں وہ حصہ لیا ہے کہ آج مشکل ہی سے اس کی مثال ملے گی، آپ نے مشغلۂ درس وتدریس کو صرف رسمی و وقتی نہیں رکھا تھا، بلکہ آپ نے اس کا مقصد اولیں ایسے مجاہدین اسلام کا پیدا کرنا رکھا تھا جو علوم ومعارف سے آراستہ وپیراستہ ہوکر ہر طریقہ سے مستقبل میں دین حنیف کی خدمات انجام دے سکیں۔

آپ اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور نمایاں کامیابی کی روشن علامت یہ ہے کہ آج اکثر علما وفضلا کا سلسلۂ تلمذ انھی سے جاکر ملتا ہے اور یہ کیوں نہ ہو؟ جب کہ خالق ارض وسما نے آپ کو ازل ہی میں اس منصب جلیل کے لیے منتخب فرمایا تھا۔

(۲) آپ کا دوسرا کارنامہ سولہ سو صفحات پر مشتمل **"فتاویٰ امجدیہ"** ہے، جس میں فقہ حنفی کے دقیق سے دقیق تر مسائل کو نہایت سلجھے ہوئے انداز میں دلائل وبراہین کی روشنی میں بتانے کی کوشش کی گئی ہے، جو یقیناً کتب فتاویٰ میں ایک زبردست اہمیت کا حامل ہے۔

(۳) **"بہار شریعت"** آپ کی وہ شہرۂ آفاق تصنیف ہے جسے بجا طور پر فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کہا جاسکتا ہے، اس کے کل سترّہ حصے ہیں جو بار بار طبع ہوکر قبولیت عامہ کی سند حاصل

کر چکے ہیں، اس کتاب سے صرف عوام ہی نہیں بلکہ علما کو بھی سہولت پیدا ہوئی ہے، اس کتاب کی ابتدا غالباً ۱۳۳۴ھ میں ہوئی اور ۱۳۶۲ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی، بہار شریعت کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت نے حرف بحرف سنے اور جابجا اصلاح فرمائی اور اپنی تقریظ سے مزین فرمایا۔

(۴) اسلامی قاعدہ:

جس زمانہ میں اردو کے باتصویر قاعدے جاری ہوئے آپ نے ایک قاعدہ مرتب فرمایا جو صرف بے جان اشیا کی تصاویر پر مشتمل تھا، اس کی خوبی یہ تھی کہ بچہ بہت جلد اردو پڑھنے پر قادر ہو جاتا۔

(۵) حاشیہ طحاوی شریف:

آپ نے دادوں، علی گڑھ میں قیام کے دوران تلامذہ کے اصرار پیہم پر ابو جعفر طحاوی حنفی قدس سرہ (متوفی: ۳۲۱ھ/۹۳۳ء) کی حدیث کی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" پر حاشیہ لکھنا شروع کیا اور سات ماہ کی مختصر مدت میں نصف اول پر مبسوط حاشیہ تحریر فرمادیا، یہ حاشیہ باریک قلم سے ۴۵۰ر صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ میں ۳۵/۳۶ سطریں ہیں، گویا دیگر مشاغل سے فارغ وقت میں ڈھائی صفحات روزانہ قلم بند فرماتے تھے۔

(۶) قامع الواہیات فی جامع الجزئیات:

یہ عربی رسالہ بھی آپ نے اہل بدعت کے رد میں تحریر فرمایا جس سے آپ کی دقت نظر اور باریک بینی کا پتا چلتا ہے۔

(۷) آپ نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، چناں چہ اسی موقع پر مسلمانوں میں پیدا ہونے والے مفاسد کی اصلاح اور خارجی حملوں کے دفاع کے لیے ایک جماعت "موتمر العلما" قائم کی گئی تھی، جس کے آپ اہم رکن تھے، یہی جماعت بعد میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۸) آپ جہاں بھی رہے دیہی علاقوں میں تبلیغ وارشاد کا کام کرتے رہے، جس کا اچھا خاصا اثر رہتا تھا اور لوگ اسلام کے ارکان واحکام سے واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ میدان عمل میں بڑھے تھے۔

(۹) مطبع اہل سنت:

بریلی کی مدت قیام میں اشاعتی سلسلہ کو بھی آپ نے کافی اہتمام سے باقی رکھا اور اس کو ترقی دی اور آپ

کی قیادت میں کافی اہم ترین اور ضخیم کتابیں منظر عام پر آئیں جس میں الفتاویٰ الرضویہ جلد اول، فتاویٰ الامام الغزالی اور جامع الفتاویٰ قابل ذکر ہیں، آپ اپنے مدت اہتمام میں صحت طباعت کا کافی خیال فرماتے تھے چناں چہ اس دور میں جتنے اہتمام سے طباعت واشاعت کا کام ہوتا رہا اس کے لحاظ سے اس وقت کچھ نہیں ہے یہ سب حضرت صدرالشریعہ کی جدوجہد، عمل پیہم اور مساعی جمیلہ کا ثمرہ تھا، اعلیٰ حضرت کے رسائل کی اشاعت میں اپنی آمدنی کا وقیع حصہ صرف فرمادیتے تھے۔

(۱۰) انھی کارناموں میں سے آپ کا عظیم دارالمطالعہ ہے، جس میں تقریباً بیس فنون پر مشتمل کتابوں کا عظیم سرمایہ ہے، جس سے بڑے بڑے علمائے کرام وفضلاے عظام نے استفادہ کیا ہے اور آج بھی لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

(۱۱) ترجمہ کنزالایمان

تراجم قرآن میں اہم ترجمہ "کنزالایمان" آپ ہی کی بلیغ کوششوں کا نتیجہ ہے، آپ ہی نے اعلیٰ حضرت کو اس کے لیے آمادہ کیا۔

بہار شریعت کی خصوصیات:

- یہ فقہ حنفی کا دائرۃ المعارف ہے، اس کتاب میں زندگی کے خطوط ونقوش اور تمام لوازمات کا شرعی احاطہ کرلیا گیا ہے اور شب وروز پیش آنے والے تمام مسائل اس میں جمع کردیے گئے ہیں۔
- ہر باب کے ذیل میں تائیدی آیات واحادیث طیبہ، اس کے بعد مسائل فقہیہ کا بیان ہے۔
- یہ بہار شریعت ہی کی خصوصیت ہے کہ مآخذ کے مکمل حوالہ جات کا التزام رکھا گیا ہے۔
- دلائل وبراہین سے بحث نہیں کی گئی تاکہ قاری پر زیادہ ذہنی دباؤ نہ پڑے۔
- عبارت نہایت جامع، سادہ اور سلیس ہے جس کو ہر معمولی اردو خواں بھی سمجھ سکتا ہے، جزئیات سے پہلے کلیات کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے تاکہ نئے مسائل کے لیے بھی اخذ کلیہ میں قاری کی سہولت فراہم ہوجائے، اقوال متباینہ ومختلفہ میں نہایت اصول ترجیح وتنقیح کے بعد صرف ایک حکم بیان کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے عوام کے لیے عمل سہل ہوگیا، تو علما کے لیے راہ افتا ہموار ہوگئی، صحت مآخذ کے ساتھ ماخوذ ومأخذ کی قوت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

فتاویٰ امجدیہ:

فتاویٰ امجدیہ میں بیان حکم کے ساتھ دلیل وماخذ کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے، تنقیح طلب مسائل میں تنقیح یا ترجیح سے بھی کام لیا گیا ہے، سوال مستفتی کا جواب دینے کے ساتھ منشاے مسائل پر بھی نظر رکھی گئی ہے تاکہ مستفتی فتویٰ کو غلط طور پر استعمال نہ کرسکے۔

آیات واحادیث کا متن پیش کیا گیا ہے تو تخاریج کی نشان دہی بھی کردی گئی ہے، ذیلی وضمنی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اصولی حیثیتوں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا گیا ہے۔

حاشیہ الطحاوی:

حاشیہ الطحاوی میں پوری جامعیت ہے جو ایک مکمل شرحِ حدیث میں ہوسکتی ہے، احادیث کتاب کی تخاریج پر مکمل روشنی ڈالی گئی ہے، اسماء الرجال کا بیان کیا گیا ہے اور راویوں کی جرح وتعدیل کا تذکرہ ہے، الفاظ روایات کے تغایر اور طرق متعدّدہ کا فرق مفصل تحریر ہے، احکام شرعیہ کا بھرپور استنباط کیا گیا ہے، لغت اور فنون عربیہ کی بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے، ناسخ ومنسوخ، راجح ومرجوح کے بیان میں بھی کمی نہیں کی گئی ہے، دلیل میں تطبیق وتوجیہ اور حجت مخالف کے اصولی دفاع کو بھی پورے طور پر قلم بند فرمایا ہے۔

وفات:

حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ بریلی شریف کے قیام کے دوران ۱۳۳۷ھ میں پہلی بار حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے، دوسری بار مدینہ طیبہ حاضری کے ارادے سے بمبئی پہنچے کہ ۲/ ذی قعدہ دوشنبہ ۱۳۶۷ھ رات ۱۲/ بج کر ۲۶/ منٹ پر عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا۔

قابل ذکر تلامذہ:

آج برصغیر ہند وپاک میں علوم اسلامیہ کی جو روشنی نظر آرہی ہے وہ چرخ علم وفضلیت کے مہر درخشاں، فقیہ اعظم ہند حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمۃ ہی کی تابناک شعاعوں کی کارفرمائی ہے، ہند وپاک کے بے شمار مدارس میں حضرت صدرالشریعہ کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ مسند تعلیم وتدریس کی زینت ہیں۔

ذیل میں آپ کے چند مشاہیر تلامذہ کے کارنامے مختصراً عرض ہیں جنھوں نے مسند رشد وہدایت پر جلوہ افروز ہوکر عوام وخواص کو علم وعرفان اور عشق رسالت کی دولت سے نوازا ہے۔

(۱) محدث پاکستان حضرت علامہ سردار احمد صاحب قدس سرہ (متوفی ۱۳۸۲ھ)

لائل پور پاکستان میں عظیم الشان **"جامعہ مظہر اسلام"** قائم فرماکر مذہبی وروحانی اثرات پیدا کیے اور ملک وبیرون ملک کے ہزاروں تشنگان علوم کو اپنے چشمۂ علوم سے سیراب کیا۔

(۲) جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۹۶ھ)

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں ۴۴؍ سال تک انتہائی محنت وجاں فشانی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں اور بے شمار طالبان علوم کو دولت علم سے نوازا، نیز بے پناہ جدوجہد اور کوششوں کے بعد دارالعلوم ہذا کو مکتب سے ترقی دے کر جامعہ میں تبدیل فرمادیا، آپ کے اس کارنامے نے اسلامی تاریخ میں ایک باب کا اضافہ کر دیا۔

(۳) شیخ العلما حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۹۷ھ)

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، مدرسہ مظہر اسلام بریلی، مدرسہ فیض الرسول براؤں شریف وغیرہ کے زمانۂ تدریس میں تبحر علمی کا ثبوت دیا، اس کے شاہد، ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے سیکڑوں علمائے دین اور تلامذہ ہیں۔

(۴) صدر العلما حضرت علامہ سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی علیہ الرحمہ

مدرسہ محمدیہ جائس، دارالعلوم عظمت شاں کرنال، مدرسہ احسن المدارس، قدیم کان پور میں تدریسی خدمات انجام دیں آج کل مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میں صدرالمدرسین کے عہدہ پر فائز ہیں، افسوس کہ ان سطور کے لکھنے کے بعد ہی حضرت موصوف کے انتقال پر ملال کی خبر موصول ہوئی آپ نے ۸؍ مئی ۱۹۷۸ء دوشنبہ کو وصال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(۵) مناظر اعظم ہند شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خان علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۸۰ھ)

شیر بیشۂ اہل سنت کی ہستی تلوار کی طرح کاٹ دار بھی اور شاخ گل کی مانند لچک دار بھی، جہاں بیشہ سنت کے اس شیر نے نجد کی وہابیت کے ٹکڑے کیے وہیں دوسری طرف تدریسی خدمت انجام دے کر علم رسول کا اجالا بھی پھیلایا، منظر اسلام بریلی شریف اور دھوراجی وبڑودہ وغیرہ کے مدارس میں آپ نے مدرسی بھی فرمائی۔

(۶) مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ

آپ نے مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہو کر تدریسی ودینی خدمات انجام دیں،

اِس وقت آپ کے مسند درس پر رونق افروز نہ ہونے سے بڑی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

(۷) سید المفسرین مولانا عبد المصطفیٰ صاحب قبلہ ازہری

دارالعلوم امجدیہ کراچی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو کر وہاں تدریسی خدمات بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

(۸) امین شریعت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ

جو آج کل مدرسہ احسن المدارس، قدیم کان پور میں مسند صدارت کی زینت ہیں۔

(۹) شمس العلما مولانا شمس الدین صاحب قبلہ

اس وقت جامعہ حمیدیہ رضویہ، بنارس کی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہیں۔

(۱۰) مولانا غلام یزدانی صاحب علیہ الرحمۃ

دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف میں برسوں تدریسی خدمت انجام دی اور طالبان حق کے دامن کو علم کی کلیوں سے بھر دیا۔

(۱۱) مولانا اسید الحق صاحب قبلہ

جو ریاست اندور میں خدمات فن تجوید انجام دے رہے ہیں۔

(۱۲) مولانا محمد محسن صاحب فقیہ شافعی

بمبئی کے قریب بھیمڑی کے باشندے ہیں بھیڑ چال میں پاکستان چلے گئے آج کل کراچی میں مشغلہ تجارت بنا رکھا ہے۔

(۱۳) مولانا سید آل مصطفےٰ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۹۴ھ)

سابق صدر آل انڈیا جمعیۃ العلما ہند

(۱۴) مولانا عبد المصطفےٰ صاحب قبلہ اعظمی

آج بھی دارالعلوم فیض الرسول میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہیں جہاں سے ہزاروں تشنگان علوم اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔

(۱۵) مولانا مبین الدین صاحب قبلہ

ایک طویل زمانہ سے مدرسہ محمدیہ، امروہہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں سینکڑوں طالبان علوم نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔

(۱۶) مولانا وقار الدین صاحب قبلہ

دارالعلوم امجدیہ کراچی

(۱۷) مولانا اعجاز ولی صاحب علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۹۳ھ)

جامع داتا گنج بخش لاہور۔

(۱۸) مولانا افضل الدین صاحب درگ، ایم، پی

جامع مسجد، درگ کے امام ہیں اور تبلیغ واشاعت کے ساتھ ساتھ تدریسی خدمت بھی انجام دے رہے ہیں۔

(۱۹) مولانا سید ظہیر احمد صاحب

علی گڑھ ہائی اسکول میں دینیات کے لکچرار ہیں۔

(۲۰) مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب

دارالعلوم غوثیہ (سلیم پور، دیوریا) میں مسند صدارت پر مصروف ہدایت ہیں۔

(۲۱) مولانا حامد فقیہ صاحب

دارالعلوم محمدیہ، بمبئی میں بحیثیت ناظم دینی و تبلیغی خدمات پر مامور ہیں۔

(۲۲) مولانا محمد سلیمان صاحب علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۹۶ھ)

سابق شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس۔

(۲۳) مولانا تقدس علی صاحب قبلہ

شیخ الحدیث جامعہ رشادیہ پیر گوٹھ، سندھ۔

حافظ ملت کے ایک مایہ ناز شاگرد

حضرت مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی (حافظ جی علیہ الرحمہ)

مولانا محمد اسلم مصباحی عزیزی، بڑھل گنج، گورکھ پور، دار العلوم غوثیہ جمشید پور، بہار

ایسی عبقری شخصیتیں جو مرجع خواص و عوام ہوں، ہر قرن اور زمانہ کی زینت اور معاشرے کے سر کا تاج ہوا کرتی ہیں، جن کے علم و فضل کا اعتراف اپنے ہی نہیں بلکہ غیر بھی کیا کرتے ہیں، ان کے آوازۂ شہرت کا رقبہ محدود نہیں ہوتا، اگر اس سلسلۃ الذہب کا جائزہ لیا جائے تو بہت ایسی شخصیتیں ملیں گی جن کا مولد و مدفن غیر معروف ہوگا، مگر ان کی شہرت کا ڈنکا مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں آج بھی بج رہا ہے، موجودہ صدی میں ایسی شخصیتوں میں سرورق آپ کو مجدد مأۃ حاضرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ذات گرامی نظر آئے گی اور آپ کے بعد حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی گھوسوی مصنف بہار شریعت، ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین صاحب بہاری اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ وغیرہ ہیں۔

اس وقت میرا روے سخن علامہ عبد الرؤف صاحب کی ذات گرامی ہے؛ اس لیے انھی کے فضل و کمال اور حالات زندگی سے **"مشتے از خروارے"** کے طور پر چند گوشے حاضر خدمت کروں گا۔

حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ دار العلوم اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی میں نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے، آپ کی ذات گرامی دار العلوم اشرفیہ کے لائق فخر اساتذہ میں شمار کی جاتی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ ابو الفیض حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں آپ کی ذات انفرادی صلاحیت کی حامل تھی تو بے جا نہ ہوگا، تلامذۂ حافظ ملت میں ایک سے ایک لعل و گہر آج بھی موجود ہیں، مگر کسی ایک کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں صاحب کو ہر فن پر یکساں دسترس اور مہارت حاصل ہے شاید درست نہ ہو، مگر علامہ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمہ کی ذات گرامی حافظ ملت کے تلامذہ میں ایسی تھی کہ اگر کہا جائے کہ آپ کو تمامی فنون پر یکساں دسترس ہی نہیں بلکہ مہارت تامہ حاصل تھی تو شاید اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا، تلامذہ تو اپنی جگہ، مدرسین بھی

آپ کی بارگاہ سے علم کا گوہر گراں مایہ حاصل کرتے رہے، میری اِن معروضات کو وہ اذہان بلاچوں وچرا تسلیم کریں گے جنھیں شرف تلمذ حاصل ہے، مگر جنھیں استفادہ کا موقع فراہم نہ ہوسکا یا دور دور سے نام نامی کا شہرہ سنتے رہے، ضروری ہے کہ ان حضرات کے سامنے کچھ علمی گوشے اجاگر کیے جائیں۔

جودتِ ذہن:

قوت حافظہ اور ذہن کی تیزی سے کسی شخص کے بارے میں یہ اندازہ کرنا آسان ہوتا ہے کہ اس شخص کی علمی گہرائی کس منزل تک پہنچی ہوئی ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا مجموعۂ فتاویٰ مسمیٰ بہ "العطایاالنبویۃ فی الفتاویٰ الرضویہ" زبان اردو میں فقہ کا سب سے اہم سرمایہ ہے، اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ فتاویٰ رضویہ کا مسودہ سے مبیضہ کرنا، کرم خوردہ عبارتوں کا اصل کتاب سے نکالنا، بوسیدہ جوابات کو سوال کے مطابق کرنا عام علما کی دسترس سے باہر تھا، سنی دارالاشاعت کا اہتمام آپ نے سنبھالا تو یکے بعد دیگرے فتاویٰ رضویہ جلد سوم، چہارم، پنجم منصۂ شہود پر آئی گئیں۔

مسودہ سے مبیضہ خود آپ نے کیا، جلد پنجم کے مبیضہ کو مسودے سے تطبیق میں حضرت موصوف علیہ الرحمۃ نے راقم الحروف کو اکثر وبیش تر سماعت وقراءت کا شرف بخشا ہے، خداداد ذہن وحافظہ کی بات تو بہت سنی اور کتابوں میں پڑھی تھی، مگر اس وقت خداداد ذہن وقوت حافظہ کا مشاہدہ کیا، جب میں مسودہ کی قراءت کرتا تو بسا اوقات فرماتے:

رک جاؤ، ابھی اس طرح کا سوال گزرا ہے، وہاں جواب یہ تھا اور اس مقام پر اس طرح جواب کیوں ہے؟

جب کئی کئی ورق الٹنے کے بعد دوبارہ سوال وجواب کے پڑھنے کا حکم دیتے تو سوال بالکل اسی مفہوم کا ہوتا یا اس سے قریب تر اور جواب کی نوعیت میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ملتا، کبھی اصل کتاب کی عبارت اور مبیضہ کی عبارت میں کچھ فرق کا احساس فرماتے تو وہاں بھی رکنے کا حکم کرتے اور نشان لگا کر آگے بڑھنے کا حکم فرماتے، بسا اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ مصرفیت کے عالم میں اگر کسی نے کوئی فقہی حوالہ دریافت کیا تو تھوڑی سی توجہ کے بعد فرماتے: فلاں کتاب کی فلاں بحث کے فلاں صفحہ پر یہ مسئلہ موجود ہے اور یہ بھی تعیین فرمادیتے کہ درمیانی سطروں یا نیچے یا اوپر کی سطروں میں ہے۔

ایک مرتبہ ہم لوگ سبق پڑھ رہے تھے درمیان سبق میں ـــــــــ تشریف لائے کہ حضور شامی کی اس بحث میں وہ مسئلہ نہیں ہے تو فرماتے ہیں کہ دوسرے صفحہ کی آخری سطر میں یہ مسئلہ ہے پھر سے دیکھیے۔

ایک مرتبہ مسائل جزئیہ کے استخراج کا طریقہ بیان فرمارہے تھے درمیان میں بطور تمثیل فرمایا کہ دارالافتا میں کئی استفتا ایسے آئے کہ اب تک میرے مطالعہ سے اس طرح کا جزئیہ نہیں گزرا، بالآخر کافی غور وخوض کے بعد میں نے اسے کلیہ کے تحت داخل کیا۔

ان حالات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت کس معیار کی تھی، بلکہ مندرجات بالا سے یہ واضح ہورہا ہے کہ آپ کو اس بات پر بھی مہارت حاصل تھی کہ کون سا جزئی مسئلہ کس کلیہ کے تحت کیوں اور کس طرح داخل ہوگا۔

دور طالب علمی میں ہم سبق ساتھیوں کی خواہش تھی کہ کچھ فتاویٰ نویسی سیکھیں مگر اپنی بدنصیبی کہ یہ تمنا پوری نہ ہوسکی، فراغت کے بعد ابتداے سال میں کچھ دنوں تک اساتذہ کرام کا دامن کرم نصیب ہوگیا تھا، مگر افسوس کہ ۱۴ر شوال ۱۳۹۱ھ ہی کو مرجع فتاویٰ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب نے ہمیں سوگوار بنادیا تھا، میں اپنے رفیق قلبی حضرت مولانا صوفی عبدالرحمٰن صاحب پورنوی کی رفاقت میں بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم دونوں نے حضرت کی بارگاہ میں اپنی دیرینہ درخواست پیش کی کہ حضور ہم لوگ کچھ افتا کا طریقہ سیکھنا چاہتے ہیں، ہم نے یہ عرض کیا ہی تھا کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کی آنکھیں نمناک نظر آنے لگیں اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا: میاں! ہم لوگ تو ناقل جزئیات ہیں، مفتی نہیں، مفتی بنانے والی شخصیت تو ہم سے چھن گئی، وہ جانتے تھے کہ جزئیات کو کلیات کے تحت کیسے داخل کیا جاتا ہے، کاش کہ تمھاری یہ خواہش (حافظ جی) علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کی حیات میں ابھری ہوتی۔

علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی گھوسوی نے علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بلرام پور کے ایک تعزیتی جلسہ میں حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی خداداد صلاحیت اور فقہی بصیرت کا تاثر بایں طور پر پیش فرمایا تھا: ”جب کبھی مجھے کسی مسئلہ میں تردد ہوتا رہا تو میں حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ سے رجوع کرتا رہا“۔

یہ ایک مسلم امر ہے کہ اگر کوئی شخص علم فقہ کے رموز واسرار اور جزئیات فقہیہ میں امتیاز حاصل کرنا چاہے تو صرف عالم گیری، در مختار، رد المحتار وغیرہ کتب فقہیہ کا مطالعہ کافی نہیں ہوگا، بلکہ علم حدیث، علم تفسیر کا سہارا لینا بے حد ضروری ہوگا اور قرآن وحدیث کے رموز کا سمجھنا علم وادب واصول وبلاغت کے بغیر ممکن نہیں، اس طرح ایک فقیہ اگر علم فقہ کا ماہر ہوتا ہے تو حدیث وتفسیر، اصول وبلاغت وادب پر بھی اس کی گہری نگاہ

ہوتی ہے، اس بنیاد پر بغیر کسی استشہاد کے بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب اپنے وقت کے ایک بے مثال فقیہ، احادیث نبویہ کے واقف کار، تفسیر کے رمز شناس، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، علم کلام، علم بلاغت پر گہری نگاہ رکھنے والے تھے، بخوف طوالت الگ الگ ان فنون کی تمثیلات پیش کرنے کے بجاے ایک بنیادی بات عرض کر رہا ہوں جو سوفی صد باکمال لوگوں میں پائی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ حضرت موصوف علیہ الرحمۃ کی صلاحیت و قابلیت دوسرے فنون میں کس معیار کی تھی۔

ذوق مطالعہ:

کتب بینی اور مطالعہ کا ذوق جتنا اونچا ہوتا ہے اسی اعتبار سے فنی صلاحیت بھی نکھرتی ہے، حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ جن دنوں حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے زیر سایہ علمی تشنگی بجھا رہے تھے، انھی دنوں اشرفیہ کی مسند تدریس کی زینت حضرت علامہ محدث ثناء اللہ صاحب اعظمی کی ذات گرامی بھی تھی جس سال میں دورۂ حدیث کی جماعت میں شریک تھا، میرے ہم درس احباب مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب پورنوی، مولانا عبدالستار صاحب پرولیاوی، حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں ایک درخواست لے کر گئے جس میں راقم الحروف بھی شریک تھا کہ حضور ہم لوگ اس سال ہدایہ اخیرین نائب شیخ الحدیث کے پاس پڑھنا چاہتے ہیں، اس وقت حضرت حافظ ملت نے علامہ عبدالرؤف صاحب کے تبحر علمی پہ روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

مولانا عبدالرؤف صاحب جس وقت زیر تعلیم تھے اس وقت ایک دن مولانا ثناء اللہ صاحب میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: حضرت! عبدالرؤف طالب علم جو ابھی پڑھ رہا ہے، یہ تو اِسی وقت علامہ ہے، بعد میں یہ طالب علم، علم کے کس معیار پر پہنچے گا؟ میری قیام گاہ پر یہ اکثر پہنچتا ہے اور درسی کتابوں کی عبارتوں پہ اس طرح کے اعتراضات کرتا ہے جن کا ذکر اُن کتب مطولات میں ہے جن کی اُس نے صورت بھی نہیں دیکھی ہے اور کمال یہ کہ ان اعتراضات کے جوابات بھی خود ہی سناتا ہے تو اکثر جوابات صحیح ہوتے ہیں۔

بقول مولانا امام الدین صاحب اورنگ آبادی دارالعلوم حمیدیہ رضویہ، بنارس میں جس وقت علامہ عبدالرؤف صاحب کے وصال کی خبر پہنچی تو شمس العلما حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب جعفری صدر المدرسین حمیدیہ رضویہ بنارس نے کلمۂ استرجاع پڑھنے کے بعد فرمایا:

آج ہندوستان سے کتاب کا سمجھنے والا چلا گیا۔

جس شخص کے مطالعہ کی گہرائی کا عالم یہ ہو اس کا ذہن سطحی علم کا حامل نہیں ہوگا بلکہ اس کے ذہن میں علم کی روح موجود ہوگی۔

تفہیم:

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تفہیم کا ملکہ وہی شخص پاتا ہے جس کی رسائی علم کی روح تک ہوتی ہے، اسی بنیاد پر بفرق مراتب تفہیم کی کمی یا زیادتی ہوتی ہے، حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی تفہیم کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ گھول کر پلاتے تھے تو مبالغہ نہ ہوگا، جس سال ہم لوگ شرح جامی بحث اسم پڑھ رہے تھے خوش قسمتی سے یہ کتاب اس سال آپ ہی سے پڑھتے تھے، اس کتاب کی ایک معرکۃ الآرا بحث ”حاصل و محصول“ جس پر مستقل اردو شرح لکھی جاچکی ہے، کا سبق ہم لوگ پڑھنے گئے، اس بحث کی اہمیت سن چکے تھے، چہروں پر تفکر کا اثر تھا، ہمہ تن گوش ہو کے بیٹھ گئے کہ حضرت کی اس بحث پہ جو تقریر ہوگی وہ پوری یاد کرلی جائے، عبارت خوانی سے پہلے فرماتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ تم لوگوں کا چہرہ مضمحل ہے؟ پھر فرماتے ہیں: اچھا شاید کسی نے کہہ دیا ہے کہ ”حاصل و محصول“ کی بحث بہت سخت ہے، گھبراؤ نہیں ان شاء المولی الکریم دو لفظوں میں سمجھاؤں گا، عبارت پڑھو۔

عبارت پڑھی گئی پھر اس بحث کی مختصر لفظوں میں ایسی تفہیم فرمائی کہ بفضلہ تعالیٰ اب تک ”حاصل و محصول“ کی بحث پڑھانے کے لے کسی شرح دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی، مولانا سلیم اختر مصباحی پورنوی صدرالمدرسین مدرسہ اصلاح المسلمین، پورنیہ نے چندماہ پیش تر حضرت استاذ گرامی کی خصوصیات پہ روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سمجھاتے کیا، مسائل کو ذہن پر ٹائپ کرتے تھے۔

تدریسی خصوصیت:

تدریسی خصوصیات کے سلسلے میں غور کیا جائے تو ادنیٰ توجہ کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تدریس کی اہم اور بنیادی خصوصیت تفہیم ہے، آج عموماً تدریس کی منزل میں عربی یا اردو شرح کا سہارا لیا جاتا ہے اور اسی کی روشنی میں کتاب کی تفہیم کرائی جاتی ہے، مگر علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا موقف اس سلسلے میں بھی نرالا ہے، آپ فرماتے ہیں:

ایک مدرس کا کمال یہ نہیں ہے کہ اونچی شرح کی روشنی میں کتاب سمجھائے، بلکہ تدریس کا کمال یہ ہے کہ جو کتاب سامنے ہے اس کتاب کی حیثیت سے اس کتاب کی تفہیم کرائی جائے۔

ایک مرتبہ نورالہدیٰ نامی ایک طالب علم جو جماعت کافیہ کا طالب علم تھا، کافیہ کا سبق ہونے کے بعد کافیہ کی عبارت کے سلسلے میں حاضر بارگاہ ہوکر اپنی عرضی شروع کی، تو فرماتے ہیں:

میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ابھی تمھارا منصب مالہ وماعلیہ کو حاصل کرنا نہیں ہے، ابھی تمھارا منصب نفس مسئلہ کو ذہن نشیں کرنا ہے، جب اعتراض وجواب کی منزل آئے گی تو پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔

حضرت مفتی عبدالمنان صاحب قبلہ کو ایک مرتبہ یہ فرماتے سنا "علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ ہر چیز کا اصول رکھتے تھے"۔

چناں چہ تدریس میں علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ اس اصول کے پابند تھے کہ متعلقہ کتاب کی تفہیم شروح کی روشنی میں نہ کرائی جائے، میں نے کسی کتاب کے سبق میں یہ محسوس نہیں کیا کہ استاذ محترم نے کبھی کتاب کی عبارت سے الگ ہوکر شروح کی روشنی میں کسی کتاب کو سمجھایا ہو، عبارت کی نہ اتنی طولانی تشریح فرماتے کہ مسائل ذہن میں الجھ کر رہ جائیں اور نہ اتنا اختصار کہ عبارت کا مفہوم مغلق ہو کے رہ جائے، اسی کا نام ہے تفہیم کا ملکہ، اس انداز کی تفہیم کا اثر یہ تھا کہ کسی طالب علم کو کبھی سبق کے سلسلے میں رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی، استاذ محترم نے جب پہلی مرتبہ مجھے شرح مأتہ عامل پڑھانے کے لیے دی تو فرمایا:

> "پہلے کتاب کا مطالعہ اس طرح کرو کہ مسائل نحویہ مصنف کی ترتیب کے موافق ذہن نشین ہوجائیں، پھر تنہائی میں بیٹھ کر اس بات پر غور کرو کہ کس ترتیب سے بولنے میں مسئلہ واضح اور جلد ذہن نشین ہوگا؟ جب ایسی صورت سامنے آجائے تو چند مرتبہ کتاب سامنے رکھ کر بول لو پھر اس کتاب کو پڑھاؤ، اس طرح پڑھانے کی عادت ڈالو، کتاب کی عبارت خوانی میں نحوی مسائل کا اجرا کرانا ضروری ہے، پھر نحوی مسائل ہی کی روشنی میں ترکیب بھی۔"

میرا اپنا خیال ہے کہ تدریس کا اس سے بہتر طریقہ ملنا مشکل ہے، بلکہ بعض وقت حضرت کو دیکھا گیا کہ مطالعہ فرما رہے ہیں، کتاب سامنے ہے اور جی ہی جی میں بول رہے ہیں، گویا کہ تدریس کی تقریر سیٹ کر رہے ہیں۔

ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا اور حضرت اس پر تقریر فرمالیتے تو بعد میں تلامذہ سے فرماتے سمجھ گئے بابو! اس پر اگر کوئی طالب علم عرض کرتا کہ نہیں، تو دوبارہ آسان تر تقریر فرماتے اور پھر

دریافت فرماتے حتیٰ کہ تمام طلبہ جب تک سمجھ لینے کا اقرار نہ کرتے سبق آگے نہ بڑھاتے، یہ خصوصیت بہت کم مدرسین میں پائی جاتی ہے۔

معقولات پر گہری نظر:

نائب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ کی صَرف، نحو، فقہ واصول فقہ، حدیث واصول حدیث، تفسیر واصول تفسیر، علم کلام وبلاغت پہ گہری نگاہ تو تھی ہی، منطق وفلسفہ، توقیت وعلم الافلاک اور علم الحساب کے بھی ماہر تھے، مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی درسی کتابوں کے مطالعہ کا موقع نہیں ملتا، تدریس کے لیے عموماً آپ کا مطالعہ عبارت خوانی میں ہوتا اور کبھی موقع مل جاتا تو کتاب ہاتھوں میں آجاتی، اس سلسلے میں فرماتے کہ کتاب جتنی بار دیکھی جائے گی اتنی نئی باتیں کتاب سے حاصل ہوں گی، غیر درسی مصرفیات کے باوجود منطق وفلسفہ کی وہ منتہی کتابیں جن پر مطالعہ کے بعد بھی قابو پانا مشکل ہوتا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ ذہن نشین کرادیتے، ایسا لگتا کہ مسائل ابھی محفوظ کیے گئے ہیں حالاں کہ شب وروز کی درسی اور غیر درسی مصروفیات اتنی مہلت ہی نہیں دیتیں کہ ہمیشہ درسی کتاب کا مطالعہ کریں۔

علم توقیت:

نماز وروزہ صحیح وقت میں ادا کرنے لیے ضروری ہے کہ ہم توقیت کا بھی علم رکھیں ورنہ صحیح وقت میں صوم وصلاۃ کی ادائگی مشکل ہوگی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا بے پایاں کرم ہے کہ علم توقیت کو دوبارہ زندہ فرماکر حضرت مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کو املا کرایا، حضرت موصوف نے ”الجواھر و الیواقیت فی علم التوقیت“ کے نام سے علم توقیت کی امانت ہم تک پہنچائی، مگر رونا اس بات کا ہے کہ اس کتاب کے ملنے کے بعد بھی نقشہ سحر وافطار اور اوقات نماز کے جداول جو ہمارے سامنے آرہے ہیں ان میں اکثر کا حال یہ ہے کہ کسی جگہ کا جدول اوقات سامنے رکھ کر طول بلد کی کمی یا بیشی سے اوقات مرتب کر لیا جاتا ہے حالاں کہ اس طرح جداول کی ترتیب سوفی صد صحیح نہیں ہوتی۔

حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب نے اس کمی کا احساس کیا تو علم توقیت اس کتاب کے مطالعہ سے از خود حاصل کیا، اس سلسلے میں ایک بات جو سننے میں آتی تھی کہ موصوف اس فن کو حاصل کرنے کے لیے مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گئے تھے، راقم جس وقت توقیت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کی معیت میں استاذ گرامی سے پڑھ رہا تھا اس وقت نصف النہار کا قاعدہ بیان فرماتے وقت حضرت نے بیان کیا:

میں نے اس فن کو علم الافلاک اور علم حساب کے ذریعہ حاصل کیا ہے، نصف النہار کا قاعدہ تعلیم فرماتے وقت بیان فرمایا کہ اس کتاب کی بعض عبارتوں پر میرا کچھ اعتراض تھا، انھی اعتراضات کے دفعیہ کے لیے مصنف کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، انھی اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ نصف النہار کے استخراج کا جو اصول بیان کیا گیا ہے، اس میں ایک قاعدہ جو ہونا چاہیے وہ کتاب میں مذکور نہیں ہے، اپنے اس اعتراض کو حضرت مصنف کی بارگاہ میں رکھا تو مصنف نے فرمایا کہ آپ صحیح کہہ رہے ہیں، میں نے اس قاعدہ کو اس لیے حذف کر دیا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یوں ہی املا کرایا تھا، اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور اعلیٰ حضرت نے جن حضرات کو یہ اصول زبانی بتا دیا تھا وہ حضرات تو سمجھ لیں گے اور جنھیں یہ اصول نہیں بتایا گیا ہے وہ کیسے نصف النہار کا استخراج کر سکتے ہیں؟

چناں چہ حضرت علامہ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ نے اس قاعدہ اور اس طرح کے دوسرے قواعد جو کتاب میں مذکور نہیں ہیں، اپنی کتاب کے حاشیہ پر تحریر فرما دیا ہے۔

جس فن میں کوئی استاذ نہیں اس میں آپ کی مہارت کا حال یہ ہے کہ ایک روز طلوع و غروب کے وقت کی مشق بنا کے کاپی دکھانے لے گئے، اتفاق کہ اسی وقت مدرسہ کے سلسلہ میں قصبہ کے کسی حصہ میں تشریف لے جانے والے تھے، عجلت تھی، اس لیے صرف یہ دیکھا کہ کس تاریخ کے طلوع و غروب کی مشق ہے اور مشق میں گے بج کر گے منٹ پر طلوع و غروب کا وقت ہے؟ استخراج وقت میں پندرہ منٹ کا فرق آگیا تھا، صرف مبدا اور منتہا دیکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

”غلط ہے، اس تاریخ کا طلوع تقریباً پندرہ منٹ کم آنا چاہیے، پھر حساب کا جائزہ لے کر فرمایا کہ دیکھو! یہاں حساب میں غلطی ہوئی ہے۔“

اس طرح کی مثال کہ صرف مبدا اور منتہا کو دیکھ کر غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ فرما دیا ہے علم میراث کے بعض فتاویٰ میں بھی ملتی ہے، ان واقعات سے علم توقیت کی مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ علم الحساب میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، سراجی پڑھاتے وقت ایک مرتبہ تقسیم کا ایک اصول بیان فرمایا جس سے لمبی تقسیم کی بجائے مختصر عمل کر کے تقسیم کا حاصل معلوم کیا جا سکتا ہے۔ پھر فرمایا:

میں نے حساب کے کئی ایک اصول خود مرتب کیے ہیں ممکن ہے اصول کتابوں میں موجود ہوں مگر میں نے دیکھا نہیں ہے۔

علم الافلاک اور قوت فیصلہ:

اس فن کی مشہور کتاب ”تصریح“ اور ”شرح چغمینی“ ہیں جو آسمانی حالات پر مشتمل ہیں، حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ اس فن میں بھی یکتائے روز گار تھے، مولانا عبدالستار صاحب پور لیاوی صدرالمدرسین مدرسہ فیض العلوم جمشید پور نے بارہا بیان فرمایا کہ حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ جب ”تصریح“ پڑھاتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ابھی آسمانی سیر کرکے آئے ہیں اور پڑھا رہے ہیں، اخبار میں جب یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ امریکہ کے سائنس داں چاند پر جانے کی کوشش کر رہے ہیں، اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ جا سکتے ہیں، کوئی مشکل نہیں، پھر جب یہ خبر شائع ہوئی کہ امریکہ کے سائنس داں چاند پر پہنچ گئے، تو فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جاسکتے ہیں کوئی مشکل نہیں، اس سے اسلامی معتقدات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اگر اثر پڑتا ہے تو فلسفۂ قدیم پر۔ حالات کی نزاکت پر حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی گھوسوی نے ”اسلام اور چاند کا سفر“ لکھ کر یہ ثابت کردیا کہ علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ نے سفر چاند کے سلسلے میں جو محکم فیصلہ دومنٹ میں کیا تھا، وہ قرآن وحدیث کے مطابق تھا، اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ نصوص اوران کی تفاسیر و شروح فوری طور پر ذہن کے سامنے آگئیں اور فیصلہ فرمادیا کہ چاند تک پہنچنا محال نہیں، اس کا نام ہے علم، گویا آپ کا مطالعہ کیا تھا، مسائل کے عمل کی تلاش ہوتی رہی کہ علت ہی پر احکام متفرع ہوتے ہیں۔

تدبر اور دور بینی:

علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کا تبحر علمی، علوم وفنون پر مہارت تو مسلم، آپ کی مدبرانہ شان امور خارجی میں بھی انفرادیت کی حامل تھی، ایک مرتبہ فرمایا:

”کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اس کے نتیجہ پہ غور کرلینا چاہیے، اس کام کے درمیان کیا دشواریاں اور رکاوٹیں پیش آئیں گی اوران کے مدافعت کی کیا صورت ہوگی، ان ساری باتوں کو ذہن میں رکھ کر کام شروع کرنا چاہیے۔“

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے جب دارالعلوم اشرفیہ کے سلسلے میں اپنا خیال ظاہر فرمایا تھا کہ میرا خیال ہے کہ ”دارالعلوم اشرفیہ“ کو ”الجامعۃ الاشرفیہ“ کی شکل میں منتقل کروں، اس وقت میں نے اس کے بہتر نتائج پر غور کیا ہی تھا، راستہ کی دشواریوں اور رکاوٹوں کا بھی ایک خاکہ بنالیا تھا، حافظ ملت نے اپنے منصوبے کی تکمیل میں جتنی مسافت طے فرمائی ہے اتنی مدت میں جن رکاوٹوں کے حائل ہونے کا میرے ذہن نے فیصلہ کیا تھا، وہ

ساری باتیں یکے بعد دیگرے سامنے آتی گئیں، مگر الحمدللہ کہ ان کے مدافعت کی صورت بھی میں نے سوچ رکھی تھی اس لیے ہمارے عزائم میں پستی نہ آسکی"۔

مگر افسوس کہ جس نے جامعہ کی ذہنی تعمیر مکمل کرلی تھی اسے حیات مستعار نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ جشن سنگ بنیاد کا منظر بھی دیکھ سکے۔

کثرت مشاغل:

آپ کی مصروفیت کا حال یہ تھا کہ اشرفیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا کہ جس میں حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب کا ذہن کام نہ کر رہا ہو، محکمۂ تدریس ہو یا شعبۂ افتا، محکمۂ نشریات ہو یا دفتر کا نظام، تمام شعبوں کو اپنے مفید مشوروں سے نواز کر بام عروج تک پہنچایا۔

مزاج:

اس قدر تبحر علمی کے باوجود آپ نہایت سادگی پسند، تواضع صفت، منکسر المزاج تھے، کسی بھی شخص کے لیے پہلی ملاقات میں یہ یقین کرنا مشکل ہوتا کہ آپ علامہ عبدالرؤف صاحب ہیں، تواضع کس چیز کا نام ہے اسے آپ کی ذات میں دیکھا جاسکتا تھا۔

زندگی کا اہم گوشہ:

آپ کی زندگی کا اہم گوشہ خدمت خلق ہے، آپ نے بلاواسطہ اور بواسطہ ہر طرح مخلوق خدا کی عمر بھر خدمت کی، یہ کبھی نہیں ہوا کہ آنے والے کو یہ کہہ کر واپس کر دیا ہو کہ فلاں وقت آئیں۔

ہر سال شعبان کے مہینے میں بے شمار خطوط نقشۂ سحر وافطار کے ساتھ بھیج دیتے، ایک مرتبہ ایک صاحب کو نقشۂ سحر وافطار کے جانچنے کا طریقہ لکھا، جسے رفاہ عام کے لیے نقل کر رہا ہوں:

ایسا میدان جہاں سے زمین، آسمان سے ملی ہوئی دکھائی دے اس جگہ جاکر دیکھیے کہ آفتاب کا آخری کنارہ کس وقت زمین کے نیچے چھپتا ہے؟

انھوں نے اس پر عمل کیا پھر لکھا کہ حکم کے مطابق میں نے میدان میں جاکر دیکھا، حضرت نے غروب کا جو وقت لکھا ہے ٹھیک اُسی وقت آفتاب کا آخری کنارہ زمین میں چھپا۔

آخری لمحات

علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ نے ۱۳۹۱ھ کا تعلیمی سال پورا فرمایا، ۱۰؍ شعبان ۱۳۹۱ھ کے بعد دردِ

شکم کا عارضہ لاحق ہوا، علاج کے بعد مرض جاتا رہا، حسب معمول رمضان المبارک کے مہینہ میں تگ و دو جاری رہی، حضرت نے اسی رمضان میں کچھ سائنسی آلات بھی منگائے تھے کہ اب علم الافلاک کی تعلیم سائنسی انداز میں ہوگی، مگر ''من در چہ خیالم وفلک در چہ خیال'' کا مصداق ہوا، ۹؍ شوال ۱۳۹۱ھ کی رات میں ۱۲؍ بجے کے بعد دارالعلوم سے قیام گاہ تشریف لے گئے، کسے معلوم تھا کہ اشرفیہ کا نیر تاباں ہمیشہ کے لیے روپوش ہو رہا ہے، دارالعلوم کے در و دیوار ناز اشرفیہ کا آخری دیدار کر رہے ہیں؟ صبح ہوئی ۱۰؍ شوال کو تعلیمی سال شروع ہو گیا اساتذہ کرام تشریف لا چکے ہیں، مگر ابھی علامہ عبدالرؤف صاحب کی تشریف آوری نہیں ہوئی، ایک گھنٹہ انتظار کے بعد حافظ ملت نے راقم الحروف سے فرمایا:

''دیکھو! علامہ عبدالرؤف صاحب ابھی تشریف نہیں لائے کیا بات ہے؟''

یہ خادم دولت کدہ پر حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت رات کو مدرسہ سے تشریف لائے، کھانا کھایا، اس کے تھوڑی دیر بعد شکم میں درد شروع ہوا، اسی وقت سے طبیعت ناساز ہے، اس وقت آرام فرما رہے ہیں، فوراً واپس ہوا حضرت حافظ ملت کو اُس کی اطلاع دی، علاج شروع ہوا۔

مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بالآخر ارباب اشرفیہ نے جمعرات کی شام کو یہ فیصلہ کیا کہ کل جمعہ کی صبح حضرت کو برائے علاج اعظم گڑھ لے چلنا ہے، صبح ہوئی، اساتذہ اشرفیہ کے ہمراہ علم و حکمت کا خزانہ اعظم گڑھ کے نام پر ہمیشہ کے لیے اشرفیہ اور مبارک پور سے جا رہا ہے، مگر یہ کسے معلوم تھا؟ چند ہی گھنٹے کے بعد جب میں نماز جمعہ کے لیے نکل رہا تھا ایک صاحب نے اس حادثہ جاں کاہ کی خبر دی کہ حافظ ملت کو فوراً خبر کر دیجیے کہ علامہ عبدالرؤف صاحب وصال فرما گئے، نعش پاک کے ساتھ گاڑی دولت کدہ پر گئی۔

اس خبر کا یقین تو نہیں آ رہا تھا پھر بھی حافظ ملت کی قیام گاہ پر دوڑتا ہوا گیا اور بایں الفاظ خبر دی کہ حضور! مغنی میاں نے حضرت کے پاس یہ اطلاع بھیجی ہے کہ علامہ عبدالرؤف صاحب وصال فرما گئے، ذہن کو ماؤف کر دینے والی خبر پہ کلمہ استرجاع پڑھا اور فرمایا: جاؤ دیکھو! جلدی تجہیز و تکفین کا انتظام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جمعہ کے بعد تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، آٹھ بجے رات تک تقریباً یہ سلسلہ جاری رہا، جنازہ تیار ہونے کے بعد باہر لایا گیا، آخری دیدار کرنے والوں کا ایک جم غفیر تھا، اس لیے ایک درخت کے نیچے جنازہ اتارا گیا، مجمع پہ کنٹرول کرتے ہوئے آخری دیدار کرایا گیا، جس زبان نے سیکڑوں مسائل کی گتھیاں سلجھائی ہیں

آج وہ مہر بلب ہے، جس زبان نے بے شمار بے زبانوں کو گویائی عطا کی اب وہ خاموش ہے، حسرت و یاس کے عالم میں آخری دیدار بہ مشکل تمام تکمیل تک پہنچا، اب علامہ عبدالرؤف صاحب کا نہیں بلکہ علم و حکمت کا جنازہ کاندھوں پر آیا۔

دیکھنے والی آنکھ نے اس وقت "موت العالِم موت العالَم" کی ایک جھلک دیکھی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب پورنوی جو نہایت متقی اور پرہیز گار طالب علم تھے، شریعت کی پابندی شب و روز کے لمحات میں ان کا شیوہ تھا، میرا ہی نہیں بلکہ اس وقت اشرفیہ کے طلبا کا ان کی بزرگی پر اتفاق تھا، موصوف نے اب عبادت الٰہی کے لیے کسی جنگل کو اپنا نشیمن بنالیا ہے، آپ نے بعد میں بیان فرمایا کہ جس وقت درخت کے نیچے سے جنازہ کاندھوں پر اٹھایا جارہا تھا اس وقت فضا میں بالکل سکوت کا عالم تھا مگر جنازہ کے مقابل درخت کی جو پتیاں تھیں وہ حرکت میں آگئیں نہ جانے کیوں؟

جنازہ آہستہ آہستہ قبرستان پہنچا کئی ہزار آدمیوں نے حافظ ملت کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی اور علوم و معارف کا گنجینہ سپرد خاک کیا گیا۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے

آپ کی مقبولیت:

وصال کی خبر ہندوستان کے طول و عرض میں بجلی کی طرح پھیل گئی، تعزیتی خطوط اور تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا، اس سلسلۂ تعزیت پر حافظ ملت نے عرس چہلم کے موقع پر فرمایا:

علامہ عبدالرؤف صاحب بارگاہ خداوندی میں مقبول ہیں اور یہ حدیث پاک بیان فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مقبول فرماتا ہے تو آسمان والوں میں یہ اعلان فرمادیتا ہے کہ اے فرشتو! میں نے فلاں بندے کو اپنا محبوب بنالیا تم بھی اسے محبوب رکھو اور اہل زمین کے دلوں میں اس مقبول بندے کی عظمت ڈال دی جاتی ہے، تعزیتی خطوط اور تعزیت کرنے والے اہل باطن کی کثرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

خدا کی رحمتیں نازل ہوں میر کارواں تجھ پر

فرمانِ حافظ ملت علیہ الرحمہ

- میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔
- ہر ذمہ دار کو اپنا کام ٹھوس کرنا چاہیے، ٹھوس کام ہی پائداری کی ضمانت ہوتے ہیں۔
- بے محل اعتراض و جواب کی فطرت سے لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔
- کام زندگی ہے اور بے کاری موت ہے۔
- اتفاق زندگی ہے اور اختلاف موت۔
- احساسِ ذمّہ داری سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔
- جب سے لوگوں نے خدا سے ڈرنا چھوڑ دیا، ساری دنیا سے ڈرنے لگے۔
- میں نے اشرفیہ کو خون جگر پلایا ہے۔
- عقل مند آدمی وہی ہے جو دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے خود تجربہ کرنا عمر ضائع کرنا ہے۔
- کام یاب انسانوں کی زندگی اپنانی چاہیے، میں نے حضرت صدر الشریعہ کو ان کے تمام معاصرین میں کامیاب و مؤقر پایا اس لیے خود کو انھی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔
- تضییع اوقات سب سے بڑی محرومی ہے۔
- جسم کی قوت کے لیے ورزش اور روح کی قوت کے لیے تہجد ضروری ہے۔
- کام دنیا کا ہو یا دین کا، صحت پر موقوف ہے۔
- میری تمنا ہے کہ آخری دم تک خدمت اسلام کرتا رہوں۔
- جس سے کام لیاجاتا ہے اسے ناخوش نہیں کیا جاتا۔
- ہوشیار طلبہ وہ ہیں جو اپنے اساتذہ سے علم کے ساتھ ساتھ عمل سیکھتے ہیں۔
- مسلمان کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔
- بزرگوں کی مجلس سے بلا وجہ اٹھنا خلاف ادب ہے۔

- تقریر سب سے آسان ہے، تدریس اس سے مشکل، اور سب سے مشکل تصنیف و تالیف ہے۔
- کام کے آدمی بنو، کام ہی آدمی کو معزز بناتا ہے۔
- قابل قدر وہ نہیں جو عمدہ لباس میں ملبوس ہے اور علم و ادب سے بے بہرہ ہے، بلکہ لائق تعظیم وہ ہے جس کا لباس خستہ اور سینہ علم سے معمور ہے۔
- جس کی نظر مقصد پہ ہوگی، اس کے عمل میں اخلاص ہوگا اور کامیابی اس کے قدم چومے گی۔
- انسان کو مصیبت سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ کامیاب وہ ہے جو مصیبتیں جھیل کر کامیابی حاصل کرے، مصیبتوں سے گھبرا کر مقصد کو چھوڑ دینا بزدلی ہے۔
- اپنی قدر پہلے خود پہچانو، دنیا میں باعزت بنوگے۔ جس نے اپنا وقار خود خراب کرلیا، دنیا کی نظر میں بھی ذلیل و خوار ہوا۔

انسان کو دوسروں کی ذمہ داریوں کے بجائے اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے۔

من جانب: مولانا شمس ضیائی خیراباد

مناقب

و

مادہائے تاریخ وصال
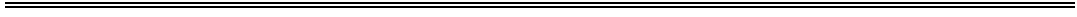
حکمت آشنا

الحاج بیکل اتساہی عزیزی

ح حافظ قرآں، احادیث و شریعت آشنا
حاجی الحرمین، انوار و طریقت آشنا

ض ضیغم غوث الوریٰ، شان رسالت آشنا
ضامن ضبط و ضوابط، ناز فطرت آشنا

و واصل صد جلوہ، توقیر محبت آشنا
وارث صدرالشریعہ، علم وحکمت آشنا

ر رازی دوراں، حجابات معیشت آشنا
ربط بزم بوحنیفہ، بادشاہت آشنا

ح حق شناسا، حق نگر، حق گو، حقیقت آشنا
حامل صبر و رضا، فقر و قناعت آشنا

ا اہل دل اہل نظر، اہل وفا، اہل شعور
ایک دیوانہ و دانا، آدمیت آشنا

ف فضل رب، فیض مجسم، فخربستان رضاؔ
فاضل فقہ و ادب، حسن فضیلت آشنا

ظ ظاہر و باطن میں اک عالم بہ حسن اتّقا
ظرف صالح، قلب پاکیزہ، طبیعت آشنا

م محترم، محسن، مکرم، مہرباں، مونس، معین
معتبر، مخلص، مزاج ملک و ملت آشنا

ل لازوالی علم جس کا، لامثالی جس کی ذات
لائق صد جاہ، کردار و لیاقت آشنا

ت تابش تعمیر تاج سنیت، مرد عظیم
تارک عیش وطرب، تفہیم عشرت آشنا

ذوق مستی

قاری شفیق احمد مبارک پوری

ذوق مستی وطلب ہے کیسی چیز
طالبان گل کو کانٹے ہیں عزیز

چشمۂ شیریں نکالا سنگ سے
آپ ہی نے، یا شہ عبدالعزیز!

یادگاران کی

حکیم محمد یوسف، مصطفیٰ آبادی

بہار بے خزاں، ہر سو بحمد اللہ چھائی ہے کہ سعی حافظ ملت بروے کار آئی ہے
یہ کوشش در حقیقت کامراں معلوم ہوتی ہے جو علم وفن کی، گلشن میں نئی تنظیم لائی ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یادگار ان کی
چمن اندر چمن ایثار ان کا ہے، بہاران کی

مکمل ایک منصوبہ میں، ہمت کا بھی ساماں ہے انھی کے سایۂ تدبیر میں نظم گلستاں ہے
انھی سے رونقیں سب ہیں انھی سے سبزہ وگل ہیں انھی سے سنیت کے باغ میں شان بہاراں ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یادگار ان کی
کہ تھی توقیر دین مصطفیٰ پر جاں، نثار ان کی

کچھوچھہ سے جو آئی ذات اقدس "اشرفی" ہوکر لگایا علم کا پودا فضیلت کی دھنی ہوکر
مگر اک باغبانِ قوم نے رخ ہی بدل ڈالا کبھی سرّ جلی ہوکر، کبھی سرّ خفی ہوکر

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یادگار ان کی
یہ جڑ اگ کر بڑھی، بڑھ کر ہوئی ہے شاخساران کی

ترقی کر رہا ہے "اشرفیہ جامعہ" دیکھو جہاں ہے دانش وحکمت کا جاری سلسلہ دیکھو
مبارک پور کی یہ سرزمیں تقدیر والی ہے اسی مرکز پہ قائم دین کا ہے دائرہ دیکھو

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یادگار ان کی
یہیں پر اک طرف رکھی ہے بنیاد مزار ان کی

یہ کیا دلکش سماں ہے اور کیا پر کیف منظر ہے؟ جہاں میدان ہی میدان تھا، دیوار ہے در ہے

یہی اک قبر، جو اوڑھے ہوئے پھولوں کی چادر ہے کسی کی یاد تازہ کرتی رہتی ہے زمانے میں

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
کہ اک اک کاوش فکر و عمل ہے روبکار ان کی

امڈ آئے ہیں انساں جیسے دریا کا تلاطم ہے یہ بہر فاتحہ خوانی یہاں پر عرس چہلم ہے
غم دل لب پہ گویا لفظ و معنی کا تلازم ہے پئے نذر عقیدت آج خاص و عام آئے ہیں

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
جہاں روح قیادت ہم نے دیکھی جلوہ بار ان کی

عطا کر دے خدا آسانیاں یوم الحساب ان کو کوئی مقصد نہیں، مقصد ہے ایصال ثواب ان کو
کہ بخشی جائے گی پڑھ پڑھ کے پاکیزہ کتاب ان کو کوئی نغمہ سرائی ہے، نہ کوئی ڈھول باجا ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
وہ دیکھو نیکیاں پھیلی ہوئی ہیں بے شمار ان کی

یہاں تاریکیِ ظلمات ہرگز ہو نہیں سکتی یہاں ترویج سیّئات ہرگز ہو نہیں سکتی
خلاف شرع کوئی بات ہرگز ہو نہیں سکتی کوئی عورت نہ آنے پائے، اس پر سخت بندش ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
عمل میں تھی ہمیشہ صاف نیت برقرار ان کی

ہمیشہ جن کے اوپر رحمت حق کا، رہا سایہ حضور حافظ ملت کا غم بھی ہے گراں مایہ
کہ جیسے حق سے مانگیں وہ پکڑ کر عرش کا پایہ دعاؤں میں عجب مقبولیت کی شان دیکھی ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
یہ قصبہ ہی نہیں، ہے ایک دنیا سوگوار ان کی

تو اس کے واسطے پایابیِ ساحل بھی درماں ہے خدا خود جس کا طوفان حوادث میں نگہباں ہے
نہ طغیانی سے واقف ہے نہ موجوں سے ہراساں ہے یہی "الجامعہ" آگے بڑھا ہے صدق نیت ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
یہ کشتی بچ بچا کر ہوگئی دریا سے پار ان کی

رکے گا کام کیوں؟ ہے قوم میں زندہ دلی باقی | بکارِ خیر صرفِ زر، یہ ہے آمادگی باقی
نمونہ پیش کرکے رکھ دیا فیاضیِ دل کا | کسی گوشہ میں رہ سکتی نہیں کوئی کمی باقی

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
سنائی دے گی اہل ہوش کو پیہم پکار ان کی

خدا کا فضل ہے شامل، تو کوئی امتحاں کیوں ہو؟ | ہمارے راستہ کے بیچ میں کوہ گراں کیوں ہو؟
نبی کا جب وسیلہ ہے تو دشواری یہاں کیوں ہو؟ | پہنچ جائیں گے ہم جادہ بہ جادہ اپنی منزل تک

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
یہی تعمیر نو آخر بنی ہے شاہ کار ان کی

یہ کس کی ہے ضیا جو ذرے ذرے مسکرا اٹھے | ہواؤں سے چمن کے غنچے غنچے لہلہا اٹھے
ارادہ کوئی پورا کیوں نہ ہو، تعمیر منزل کا؟ | فلک پر آج خوش ہو کر ستارے جگمگا اٹھے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
کہ ہر جد و جہد اطراف میں ہے جلوہ بار ان کی

اک عالی شان مسجد کی بنا رکھی یہاں پر ہے | مگر تکمیل اس کی قوم کے عزم جواں پر ہے
اسے قراءت رکوع و سجدہ سے آباد کرنا ہے | عبادت کی کشش موقوف، تکبیر و اذاں پر ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
یہ جائے بندگی بن کر رہے گی زر نگار ان کی

بلالی شان سے دیتا یہاں آکر اذاں کوئی | عزیزی طرز کا ہوتا خطیب خوش بیاں کوئی
تمنائیں ہوئیں یہ، جلوہ گر آئینۂ دل میں | سنبھالے عزم محکم سے نظام گلستاں کوئی

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
کہ باہم بات ہوتی رہتی ہے لیل و نہار ان کی

یہ تعلیمات کا مرکز، مقام علم و عرفاں ہے | زمانے میں یہ دانش گاہ، روشن ہے درخشاں ہے
عزیزی حوصلوں کی دیکھیے یہ کار فرمائی | مخالف ہر ہوا ماحول کے رخ سے گریزاں ہے

نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
خیاباں در خیاباں ہے ہوائے خوش گوار ان کی

یہ دورہ چل رہا ہے اک طرف درس بخاری کا ہے چرچا اک طرف مدح نبی کا، حمد باری کا
کہیں فقہی مسائل ہیں، کہیں تفسیر قرآنی کرشمہ ہے یہ سارا آپ ہی کے فیض جاری کا
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
یہی سب درس اور تدریس ہیں آئینہ دار ان کی

مبارک ہو چمن والو! گلوں کا راز داں ہونا جہاں سیکھا ہے تم نے عندلیب خوش بیاں ہونا
مقام سنیت کی یہ بلندی دیکھتے جاؤ جہاں سمجھا ہے ہم نے بھی زمیں کا آسماں ہونا
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
خطابت دین کے ہر موڑ پر تھی جان دار ان کی

بڑھی رونق چمن کی، آج کے دن آنے والوں سے اجالا ہو گیا ہے، رحمت حق کے اجالوں سے
جہاں پر علم کی ہے روشنی، پھیلی ہوئی ہر سو خیالوں میں بلندی آگئی، ان کے خیالوں سے
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
کہ ہر تنظیم نو، گلزار میں ہے پائیدار ان کی

یہ جلسہ ہو رہا ہے، آج دستار فضیلت کا جہاں پر ہر طرف سایہ ہے، فیضان نبوت کا
نکلنے والے ہیں طلبہ، یہاں سے کامراں ہو کر لیے ہیں ہاتھ میں جھنڈا، طریقت کا شریعت کا
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
مدد کرتا رہا ہر گام پر پرور دگار ان کی

عروج سنیت کا، اک پیام دل نشیں لے کر گمان بے یقیں کو چھوڑ کر، عین الیقیں لے کر
چلے ہیں نونہالان چمن، تبلیغ حق کرنے سروں پہ اپنے، ظل رحمۃ للعالمیں لے کر
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
نگاہوں میں بسی ہے، زندگی شان دار ان کی

کوئی قاری یہاں پر ہے، تو کوئی حافظ قرآں کوئی واعظ یہاں پر ہے، کوئی علامۂ دوراں
انھی کا فیض ہے جن کے فداکاروں کا ہے مجمع جدھر دیکھو دلوں میں موجزن ہے جذبۂ ایماں
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
یہ تنویر علوم دیں ہوئی ہے آشکار ان کی

دعا یہ ہے: پھلے پھولے چمن اسلام کا ہر سو رہے چرچا جہاں میں اشرفیہ نام کا ہر سو
کہاں تھی ابتدا اس کی، کہاں ہے انتہا اس کی یہ ڈنکا بج رہا ہے آج کس کے کام کا ہر سو
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
نظر کے سامنے گل کاریاں، ہیں بے شمار ان کی
سر بزم اپنا اپنا سب، غم دل لے کے آئے ہیں خلوص قلب کو منزل بہ منزل لے کے آئے ہیں
سفینہ زندگی کا ڈوب کر کس شان سے نکلا یہ کیا ہے جس کو ہم نزدیکِ ساحل لے کے آئے ہیں
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
ہجوم اتنا کہ کام آئی کشش، بے اختیار ان کی
ملے ہیں یوسفؔ ان کے بعد، اک شہزادۂ ملت ہوئی تفویض جن کو ساری ذمہ داری خدمت
چنا ہے قوم نے جب اتفاق رائے سے ان کو کسے اس حال میں اب معترض ہونے کی ہے جرأت
نہیں ہیں حافظ ملت مگر ہے یاد گار ان کی
کریں گے پیروی، عبدالحفیظِ باوقار ان کی

ظفر بھوجپوری ایم، اے

لوح دل پر یہ نشاں کس کے ہیں عقل ہے محوِ آبلہ پائی
راہ حق میں فنا جو ہو جائے اس نے در اصل زندگی پائی

حافظ ملت

علامہ بدر القادری علیہ الرحمہ

یہ کون اٹھا ہند شمالی کی زمیں سے — علم اور حقائق کی سنبھالے ہوئے قندیل
سدرہ کے مکینوں سے سنا بدؔر نے اک راز — ہونے کو ہے اب آرزوے شوق کی تکمیل
ایثار کی پاپوش ہے، اخلاق کا جامہ — بے نفسی کردار کا، ہاتھوں میں عصا ہے
تابندہ جبیں پر، یہ تقدس کی لکیریں — کہتی ہے صداقت کہ کوئی مرد خدا ہے
لپٹی ہوئی سر سے کوئی دستار نہیں ہے — ناداں! سرِ احساس پہ ایک کوہ گراں ہے
اے سر! تری لمعانیِ فیضان کے صدقے — اس ملک کے ہر گوشے میں، تو نور فشاں ہے
یہ کان جو سنتے ہیں ہر اک صبح ہر اک شام — اس ملت بیضا کی تباہی کا فسانہ
ہر لمحہ ہے نقارۂ احساس کی اک ضرب — ہر سانس ہے موج غمِ فردا کا دہانہ
اخلاص کی کشتی کا سہارا ہیں یہ بازو — یہ ہاتھ نہیں قصر تمدن کا ستوں ہے
حسنِ رخِ انجم، بنے اس قوم کا سیندور — یہ حوصلہ، یہ عزم مصمم، یہ جنوں ہے
معبود کی درگاہ میں یہ کٹتی ہوئی راتیں — مخلوق کی خدمت میں گزرتے ہوئے ایام
کردار کے غازی کو ہے دن رات برابر — نخچیر ہیں فتراک میں اس کے سحر و شام
پابندیِ اخلاق میں چہرہ، متبسّم — خوں ناب ہے دل امتِ مرحومہ کے غم ہیں
اللہ رے! پابندئ سنت کا توازن — جھڑتے ہیں تبسم کے گہر شدت غم میں
جلوت ہے، تو ہے گرم کوئی مسندِ ارشاد — خلوت ہے، تو انوارِ حقیقت میں نہاں ہے
پنہاں ہے خموشی میں تکلم کی حلاوت — گفتار کے ہر بول میں حکمت کا جہاں ہے
کرتی ہے مجاہد کے عزائم کی صلابت — پتھر کی چٹانوں کو بھی، چوں موجۂ سیّال
پیشانی خمیدہ ہے یہیں، زور حوادث — ہے ذروۂ اشرار انہی پاؤں سے پامال
قانونِ حکومت ہو، کہ دستور زمانہ — مذہب کا مخالف ہو، تو مومن نہیں پابند

اس دور میں کس مرد مجاہد نے کیا فاش
اوہام سے آزاد ہے مذہب کا گلوبند

ساکت ہے جہاں، آج ہراک شورِ عمل سے
ملت کا ہر اک بازوئے فعال ہے مفلوج

اٹھّا ہے کمرباندھ کے اک مردِ سکندر
پھر مُلک بدر ہونے کو ہےامتِ یاجُوج

ہر قطرۂ خوں میں ہے امنگوں کا تلاطم
جذبات کا سینے میں سمیٹے ہوئے طوفاں

سیلِ غم و اندوہ سے، ہنس ہنس کے گزرنا
اسلام کی توقیر پہ مرمٹنے کا ارماں

ہے عالم ملکوت میں اک رشک کا عالم
کس پیکر خاکی کی فرشتوں میں ہے شہرت

اے اہل زمیں! دے دو خبر اہل فلک کو
کہتے ہیں اسی ذات کو ہم حافظ ملت

حافظ ملت کی ذات

راجا رشید محمود ایم،اے (لاہور، پاکستان)

رہ نمائے اہل سنت، حافظ ملت کی ذات
تھی عزیزِ ملک و ملت، حافظ ملت کی ذات

نورِ علم حضرت صدرالشریعہ کی ضیا
جانشین اعلیٰ حضرت، حافظ ملت کی ذات

حضرت صدرالشریعہ کے تدبر کی امیں
صدر اربابِ بصیرت، حافظ ملت کی ذات

کشورِ عرفاں کی ہے کشور کشا، فرماں روا
مرکز رُشد و ہدایت، حافظ ملت کی ذات

مقتدائے اہل استغنا، مہ و مہر و وفا
پیکر خلق ومروّت، حافظ ملت کی ذات

صاحب کردار سلفِ صالحیں بے شک ہوئی
حامی و غم خوار ملت، حافظ ملت کی ذات

ہے حکیمِ امتِ مرحوم، نباضِ حیات
وجہ استیصالِ بدعت، حافظ ملت کی ذات

نازشِ اَسلاف، فخر عالمانِ دیں رہے
تاج دارِ شہر عظمت، حافظ ملت کی ذات

رہبر راہ شریعت، سالکِ راہِ وفا
محو درس آدمیت، حافظ ملت کی ذات

ہے امینِ علم و دانش، رازدارِ معرفت
واقفِ سرِّ محبت، حافظ ملت کی ذات

حضرت احمد رضا خاں کے تلطف سے ہوئی
دشمنانِ دیں پہ شدت، حافظ ملت کی ذات

زاہدِ شب زندہ دار وعابد رنگیں نوا
آبروئے دین وملت، حافظ ملت کی ذات

شہریارِ کشورِ ذوق و یقین و معرفت
تاج دارِ علم وحکمت، حافظ ملت کی ذات

پیشوا و مقتدا اے اہل دیں عبدالعزیز
تھی نگہبان شریعت، حافظ ملت کی ذات

عارف حق، عالم دیں، صدر ارباب کمال
مظہر صدرشریعت، حافظ ملت کی ذات

رازدارِ عصرِ حاضر، مخزنِ علم و یقیں
عامل قرآن و سنت، حافظ ملت کی ذات

تشنگانِ معرفت کی پیاس بجھتی تھی یہاں
تھی سراپائے طریقت، حافظ ملت کی ذات

زندگی احقاق حق، ابطال باطل کا نشاں
راہیٔ راہ صداقت، حافظ ملت کی ذات

عامل شرع متیں و نازش اہل یقیں
پاسبان دین و ملت، حافظ ملت کی ذات

مدح گو محمودؔ آخر کیوں نہ ہو ان کا، کہ ہے
مرکز حسن عقیدت، حافظ ملت کی ذات

وقار قوم

فرازؔ مبارک پوری

حافظ ملت، فدائے صاحب ام الکتاب
آسمان زہد و تقویٰ کے درخشاں آفتاب

جاں نثارِ سیدالکونین، ختم المرسلیں
نکتہ دانِ دین برحق، پاک طینت، پاک بیں

پیکر ایثار و ہمت، غازیِ جہد و عمل
خلق کے لب کا تبسم، فکر کے ماتھے کا بَل

مرشد بزم طریقت، مشعلِ راہ یقیں
سنیت کے رخ کا غازہ، قوم کی روشن جبیں

علم پرور، قوم کا نباض، خوش فطرت غنی
عدل گستر، قول کا پکا، ارادوں کا دھنی

قوم کا غم جس کو رہتا تھا مسلسل، مستقل
جس کے سینے میں دھڑکتا تھا سدا ملت کا دل

جس کے دم سے آج دنیا میں ہے ملت سرخرو
جس نے نبضِ قوم میں دوڑا دیا تازہ لہو

وہ رئیس جامعہ، ذیشان، عالی مرتبت
فقر میں بھی درس گاہ علم جس کی سلطنت

جس نے مستقبل کو دیکھا تھا نگاہِ حال سے
منزلیں لپٹی تھیں جس کے پائے استقلال سے

منفرد تھا جو ہمیشہ محفل تقدیس میں
جس نے صدہا گل کھلائے، گلشن تدریس میں

اہل دانش کی بصیرت، اہل دل کے سر کا تاج
آشنائے رمزِ قرآں، بزم ملت کا سراج

پیر ہن کا ظرف، جس کی چاک دامانی میں تھا
صبر و استغنا کا سورج، جس کی پیشانی میں تھا

سوز و سازِ عشق کے دربار کا روشن چراغ
سادہ دل، صالح نظر، ثابت قدم، حاضر دماغ

گلشن ملت کو جس نے کی ہے شادابی عطا
اس کے حق میں قوم کے دل سے یہی نکلی صدا

اے وقار قوم اے پیر طریقت! زندہ باد
زندہ باد اے حافظ تنظیم ملت! زندہ باد

نذر خلوص

مولانا خوشتر صدیقی قادری، نیلسن، برطانیہ

حافظ دین وملت کو نیند آگئی قائد اہل سنت کو نیند آگئی
جاں نثار شریعت کو نیند آگئی راز دار طریقت کو نیند آگئی
مخزن علم و حکمت کو نیند آگئی معدن خیر و برکت کو نیند آگئی
فضلِ صدرالافاضل بھی رخصت ہوا بدرِ صدرِ شریعت کو نیند آگئی
سُونا سُونا سامحراب و منبر ہوا کس کی شان خطابت کو نیند آگئی؟
سونے والا کوئی باخبر سوگیا لوگ کہتے ہیں حضرت کو نیند آگئی
طنطنہ اُن کا، اللہ اکبر! نہ پوچھ جھک گئے غیر، جرأت کو نیند آگئی
عبدمنانؔ ویحییٰؔ سے معلوم کر کس کی علمی جلالت کو نیند آگئی؟
فرش مغموم ہے، عرش پہ دھوم ہے فیض یاب نبوت کو نیند آگئی
نیچی آنکھوں سے جو محوِ عقبیٰ رہا آج اس کوہِ رفعت کو نیند آگئی
جامعہ! تیرے دیوار و در کی قسم پیکر استقامت کو نیند آگئی
داعی مسلک اعلیٰ حضرت چلا حامئ اعلیٰ حضرت کو نیند آگئی
اک مجسم عمل، آہ! رخصت ہوا اک سراپا کرامت کو نیند آگئی
مژدۂ وصل نے مطمئن کردیا شاد کام زیارت کو نیند آگئی
سالِ رحلت ملاجن کا "مغفور" سے ایسے مغفور حضرت کو نیند آگئی

۱۳۹۶ھ ۱۳۹۶ھ

بجھ گیا آہ خوشترؔ! چراغ سحر
میرے آقائے نعمت کو نیند آگئی

صدائے غم

پروفیسر انجم عرفانی گورکھپوری، صدر شعبۂ اردو، ایم، ایل، کے پوسٹ گریجویٹ کالج، بلرام پور

اک سانحہ کہ سانحۂ جان و دل کہیں — اک سانحہ کہ لوح و قلم سوگوار ہیں
نقصان ایک قوم کا، ملت کا ہی نہیں — انسانیت کا چہرۂ روشن دھواں دھواں
ملتی نہیں ہے راہ، اندھیرا ہے بے پناہ — جمتے نہیں قدم کہ دلوں میں ہے اضطراب
ہمت ہے پست، عزم شکستہ، خراب حال — مایوسیوں کا پھیلا ہوا ہر طرف ہے جال

صحرا کی تیز دھوپ میں جھلسا کیے بدن
آنکھوں سے قطرہ قطرہ ٹپکتا رہا لہو — اک بے اماں اداسی کا منظر تھا چار سو
اک بے پناہ غم کا مکمل حصار تھا — ہر گام منتظر وہاں اک نوکِ خار تھا
پرسان جان و مال نہ پرسان دیں کوئی — جیسے نیا ہو آسماں، اور ہو زمیں نئی

دامن ترا خفا ہے تو سایہ ہے دور دور — شفقت کے ابر ہیں نہ محبت کی چھاوں ہے
آنکھوں کی نرم نرم مروّت کی چاندنی — روٹھا ہے برگِ گل کا تبسم، حِنا کا رنگ
ہے بند باب حکمت و عرفان و علم دیں — وہ نغمہ قال اللہ وقال الرسول اب
روٹھا ہے یوں کہ شہد نہ کانوں میں گھولے گا — اس ساز سرمدی کی نوا بزم میں کہاں
دست طلب سے دست مسیحا خفا خفا — صحرا میں ایک بھی نہیں روشن ہے نقش پا

اے گوشۂ حرم! ہے کہاں بوریہ نشیں — ٹھوکر سے جس کی تختِ جَم و کَے کو تھا ہراس
آہن ہوا ہے تودۂ خاشاک وہ نفس — مٹی کو دی صلابتِ فولاد وسنگ وخشت
قطرہ کہ جس کا مول گراں گنج میں نہیں — لمحہ کہ جس میں صدیوں کا آہنگ پا شمول
فقرہ، فضائے گوش میں کھل جائیں تازہ پھول

پرچم فلک اسیر، نگہ آسماں کمند — ہمت جبل شکست عزائم ملک شکار
ظہار میں مشتِ خاک، خمیدہ کمر، ضعیف — خارا شگاف اُس کی نظر، دل فریب ذکر
انصاف دوست، دل کا جری، حوصلہ پناہ — مشکل پسند، نگہ بلند، امتحان دوست
سیماب وار تاحدِ امکاں نہ تھا قرار — اب کتنا سُونا سُونا سا لگتا ہے یہ دیار

تھا نقش لوح دل پہ ہر اک حرف دل بری — وردِ زباں صحیفۂ اول تھا روز وشب
ملت کا پاسبان ومحافظ و نگہباں — گم کردہ رہروانِ سفر کا وہ خضر راہ
بیمار قوم کے لیے اکسیر جس کی آہ — خیرہ نگاہ کے لیے بیضا جبیں تھا وہ
ٹوٹے ہوئے دِلوں کے لیے مرہم شفا — تاریکیِ فضا میں منارہ تھا نور کا
اِس دور گمرہی میں صراط الّذیں صفت — اُس عہد جہل میں تھا وہ الضالیں حریف
وہ بندۂ خدا تھا، غلامِ رسول تھا — اجڑے ہوئے چمن میں وہ اک تازہ پھول تھا

بالشتیوں کو مرد قد آور بنا گیا — کم مایہ کو، وہ بحر شناور بنا گیا
ذرہ کو اپنے اشک سے گوہر بنا گیا — اک کُوزہ آب کو وہ سمندر بنا گیا
کچھ اپنے زہد، اپنی ریاضت کے فیض سے — اک منتشر گروہ کو لشکر بنا گیا
اورساز دل کے تار کو چھیڑا کچھ اس طرح — وہ بےنوا تھا سب کو نواگر بنا گیا

کہاں سے لاؤں (ترجیع بند)

منیر دیوگامی

آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟
بزم انجم سے، شبستانِ جہاں سے لاؤں
کوہ سے،دشت و بیاباں سے، مکاں سے لاؤں
بحرزخار سے، دریاے رواں سے لاؤں
لامکاں دور ہے کس طرح وہاں سے لاؤں؟
آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

عہد پیری میں بھی وہ عزم مصمم کا امام
جس کو اللہ نے بخشی تھی زبانِ الہام
ان کی گفتار کا، کردار کا، اونچا تھا مقام
ایسا کس کو میں زمیں اور زماں سے لاؤں
آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

یومیہ ہوتا تھا اک دور، کلامِ حق کا
ذکر مذکور رہا کرتا تھا، نامِ حق کا
چمن آراستہ ہوتا تھا، پیامِ حق کا
وہ بہار ابدی فصل خزاں سے لاؤں
آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

آہ! اک نادرو نایاب کوکھو بیٹھے ہیں
نشتر موت کو سینہ میں چبھو بیٹھے ہیں

اشک خوں ناب سے مژگاں کو بھگو بیٹھے ہیں

اب خطیب ایسا کہاں کوئی، کہاں سے لاؤں؟

آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

عجب انداز سے تقریر وہ فرماتے تھے

دل میں مضمونِ گہر بار اتر آتے تھے

راہِ دشوار سے وہ صاف گزر جاتے تھے

اس کی تمثیل میں کس ذکر و بیاں سے لاؤں؟

آہ!اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

لفظ و معنی کے نئے تخم وہ بو دیتے تھے

دُرّ یک دانہ کو، لالہ کے پرو دیتے تھے

بات میں حسن تکلم کو سمو دیتے تھے

کیا تکلم تھا؟ میں کیا ہوں کہ زباں سے لاؤں؟

آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

خُم عرفاں کے بھرے جام لُنڈھائے گا کون؟

تشنگی قلبِ پریشاں کی بجھائے گا کون؟

وہ تو آتے نہیں، پھر بزم میں آئے گا کون؟

میں منیرؔ ان کو بھلا باغ جناں سے لاؤں

آہ! اب حافظ ملت کو کہاں سے لاؤں؟

مولانا لقمان بنارسی

حافظ بزم فضیلت چل بسے | دے کے درس علم وحکمت چل بسے
رہبر دین متیں تھے بالیقیں | نائب صدرشریعت چل بسے
مسلک احمد رضا کے تھے امین | آہ! وہ شاہ امانت چل بسے
زندگی جن کی ہے مصباح صراط | کرکے وہ رشد وہدایت چل بسے
عزم محکم ان کا تھا کتنا بلند | کرکے قائم باغ حکمت چل بسے
یہ بنائے جامعہ پائندہ باد | دشمنوں کو دے کے عبرت چل بسے
اے عزیز قوم وملت! آفریں | دے کے تم کو جاہ وعزت چل بسے
وہ غریق رحمت حق کیوں نہ ہوں | سب کو دے کر حق کی دعوت چل بسے
آج وہ مغفور ہیں لقمآن لکھ | ہوکے وہ شیخ طریقت چل بسے

قافلہ سالار

مولانا غلام حسین قمؔر یزدانی، سیالکوٹ (پاکستان)

اہل دیں کے قافلہ سالار ہیں عبدالعزیز | سرگروہِ حلقۂ اخیار ہیں عبدالعزیز
اتباع سنتِ خیرالبشر ان کا شعار | جاں نثارِ احمد مختار ہیں عبدالعزیز
ترجمان مسلک ارباب سنت بالیقیں | منکروں کے واسطے تلوار ہیں عبدالعزیز
قائم و دائم ہے جن سے عظمت دارالعلوم | علم کے وہ قلزم زخار ہیں عبدالعزیز
غیرت انجم ہے ہرذرہ مبارک پور کا | صورتِ مہ ہرطرف، ضوبار ہیں عبدالعزیز
ملت اسلامیہ کوناز ہے جن پر بجا | قوم کا وہ دیدۂ بیدار ہیں عبدالعزیز
بالیقیں اپنے مقدس کارناموں کے طفیل | جنت الفردوس کے حق دار ہیں عبدالعزیز
جن کے دم سے ہے فضائے بزم گیتی عطربیز | اے قمؔر! وہ گلشنِ بےخار ہیں عبدالعزیز

نذر عقیدت

از: مولانا کامل سہسرامی علیہ الرحمۃ

مظہر ذاتِ امام احمد رضا کہیے جسے
حضرت صدر شریعت کی دعا کہیے جسے

حجۃ الاسلام کی حسنِ ادا کہیے جسے
مفتیِ اعظم کے دل کا مدعا کہیے جسے

جانشینِ بوحنیفہ قبر میں خاموش ہے
قسمت تربت تو دیکھو خاک بھی گل پوش ہے

معرفت کی بزم کا مسندنشیں جاتا رہا
وارث علم شہِ دنیا و دیں جاتا رہا

علم رازی اور غزالی کا امیں جاتا رہا
اس صدی میں فضل حق کا جانشیں جاتا رہا

کیا خبر تھی موت کا یوں حادثہ ہوجائے گا
یعنی آغوشِ زمیں میں آسماں سوجائے گا

حافظ ملت محدث وہ امیر کارواں
عزم و استقلال و ہمت کی مسلسل داستاں

مرشد و پیر طریقت سنّیت کا پاسباں
اس زمیں کی پستیوں میں رفعت ہفت آسماں

ساغر چشم ان کی فرقت میں چھلکتا جائے ہے
دھوپ ہی میں ہر طرف ساون برستا جائے ہے

قصبۂ گم نام کو انمول شہرت دے گیا
زندگی بھر کی کمائی اور دولت دے گیا

علم کا اک شہر اک قصرِ پُر عظمت دے گیا
جانے والا ہم سبھوں کو اک امانت دے گیا

جذبۂ اخلاص کی کاملؔ شہادت چاہیے
اشرفیہ کے تحفظ کی ضمانت چاہیے

پاسباں کو سلام

گلشن دیں کے باغباں کو سلام ۞ ناز دیں فخر گلستاں کو سلام
مخزن علم ظاہر و باطن ۞ مصدر لطف بیکراں کو سلام
حافظ دین و حافظ مِلّت ۞ صاحب لطف بے کراں کو سلام
اے شہنشاہ مسند تدریس ۞ تیری شیرینی زباں کو سلام
محو راحت ہیں وہ جہاں پہ شہیدؔ ۞ ایسے پرنور آستاں کو سلام

حافظ ملت مکینِ جنّت

قاری محمد عثمان اعظمی

حافظِ مِلّت پہ رحمت ہو خدا کی صبح وشام ۞ اہلِ سنّت کی بنادی شام کو صبح مدام
مرحبا اے راہیِ مُلکِ بقا، جنّت مکیں ۞ ہے تمھارا آج بھی فیضان وقفِ خاص وعام
علم ودانش کی قسم، رشدوہدایت کی قسم ۞ آج تم کو یاد کرتے ہیں اماموں کے امام
مرکزِ دینِ نبی "الجامعہ" پھولے پھلے ۞ ہر زباں پر ہے دعا تیرے لیے اے نیک نام
تونے مے ایسی پلائی ساقیِ جام نبی! ۞ نام تیرا آگیا تو جھک گئے مینا و جام
قبرِ انور پر تری عثماںؔ چڑھائے صد چمن ۞ تو یقیناً گلشن جنّت میں ہے محوِ خرام
ہے غلامان نبی کی جب غلامی وجہِ ناز ۞ حافظِ مِلّت کا عثمان بن گیا ادنیٰ غلام

الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبہ سے

مولانا بدر القادری، مشیر دینیات، نیدر لینڈ اسلامک سوسائٹی، امسٹرڈم، ہالینڈ

غیرت کی نگاہوں میں یہ آنسو نہیں خوں ہے
گر پردۂ غفلت پہ ٹپک جائے، تو جل جائے

حالات کی گردش نے، جو بخشا ہے مجھے درد
اے کاش! وہ جادو ترے احساس پہ چل جائے

تو شہپر ادراک کا رخشندہ پر و بال
نبّاض ہے تو، گردش افکار جہاں کا

ہیں صید ترے، زُہرہ و مریخ و عطارد
وارث ہے تو ہی، انجمن کاہکشاں کا

تو شمع کی مانند اگر خود کو گھلا دے
بن جائے تو، تہذیب حجازی کا نگہ باں

تو نقش کفِ سید کونین پہ مر مٹ
تیرے ہی لیے تو ہے، یہ سب عالم امکاں

تو اپنے ہی منصب کو، سمجھ پایا نہ،افسوس!
تو عقل کا صیاد ہے، تو عشق کا شیدا

ملت کی رگ خفتہ میں، بے تاب تلاطم
ہوگا تو، تری لرزش افکار سے پیدا

وہ گرمیِ تقریر ہو، یا شوخیِ تحریر
فرسودہ ہے یہ "آرٹ" بھی، اب لوح جہاں پر

اب سادہ زبانوں کو، تو کر دل سے ہم آہنگ
ہیں گوش بر آواز، سبھی تیری اذاں پر

اپنے ہی پس و پیش کے جلووں میں نہ کھو جا
تجھ پر ہی لگی عرش نشینوں کی نظر ہے

تو مشرق و مغرب کو مسخر سا بنا لے
آخر وہ ترا، اشہبِ اخلاق کدھر ہے

اخلاص کی دنیا، تری جولاں گہِ تعلیم
ایثار و صداقت پہ ترے قصر کی تعمیر

تو، جس کو کہ کہتا ہے جہاں "حافظ ملت"
اس مرد خدا دوست کے خوابوں کی ہے تعبیر

اوصاف میں، سلمان و ابو ذر کو بسا کر
دنیا میں تو کر نام بلند، اہل صفا کا

ہشدار کہ صحرائے مذلّت ہے اور اک قوم
اور خضر ہے تو، قافلۂ آبلہ پا کا

ایثار و توکل کی ردا، تجھ کو بہت ہے
بستر ہے ترا، فقر کی پامال چٹائی

کر ناز، تو ان خاک نشینوں کا ہے وارث
کرتے تھے سلاطین جہاں جن کی گدائی

توحید کی مستی کا نشہ، سر پہ چڑھا ہو
دل ہادی اعظم کی محبت سے ہو لبریز

در معرکۂ زیست بپا، صورت شبیر
مستانہ بگو: آمدہ اے موج بلا خیز

قناعتوں کا گہر

جناب عنبر بہرائچی ایم۔اے

صعوبتوں کے صدف میں، قناعتوں کا گہر
کثافتوں کے دھوئیں میں، لطافتوں کا قمر

اٹھا تو چھا گیا، مثل سحاب آب حیات
بڑھا تو ہاتھ میں لے کر، زمام اعلیٰ صفات

خودی شناس مجاہد کے جذب ایماں نے
خدا شناس قلندر کے دست عرفاں نے

فرار و خوف کو بخشا تھا ذوق و شوق بلند
اچھال دی تھی بہ یک رمز کہکشاں پر کمند

ہوائے جہد مسلسل کی، چھنتی تیرہ شبی
کشاکشِ غم فردا کو ملی، دیدہ وری

وہ قصرِ علم، نقیبِ پیام مصطفوی
تھی جس سے لرزہ بر اندام، صف بولہبی

فراستوں کو پلاکر، مئے نشاط جنوں
دلوں کو کر ہی گیا، رمز گہ سوز دروں

وہ ہم سے دور، بلندی پہ افق تابہ افق
رواں دواں ہے، ہماری ترقیوں کے لیے

زماں، مکاں کے طلسمات، اپنی آنکھوں میں
کیے ہیں جذب، ہماری بلندیوں کے لیے

زمانے سے تو نہیں، تجھ سے زمانہ ہے ندیم!
ہے نقش، دل پہ، یہی درس حافظ ملّت

نشیب خواب سے، عنبرؔ! فراز یورش تک
کرے گا راہ بری، درس حافظ ملّت

حافظ ملت زندہ باد

جناب سالک گورکھپوری

زندہ باد اے رہبر راہِ طریقت! زندہ باد
زندہ باد اے مشعلِ رشد وہدایت! زندہ باد

زندہ باد اے صاحبِ صد جاہ حشمت! زندہ باد
زندہ باد اے عامل قرآن و سنت! زندہ باد

زندہ باد اے مظہر حق و صداقت! زندہ باد
زندہ باد اے رہ نمائے علم وحکمت! زندہ باد

تیرے علم وفضل کی ممنون ہے انسانیت
اے سریر آرائے بزمِ آدمیت! زندہ باد

گونجتی ہے تیرے نغموں سے فضائے کائنات
زندہ بادا ے بلبل باغ رسالت! زندہ باد

اہل علم وفضل کہتے ہیں تجھے شیخ الحدیث
اے اتالیقِ احادیثِ نبوت! زندہ باد

عالم دین متیں بھی حافظ قرآں بھی تو
راز دار و محرم اسرار فطرت زندہ باد

مصلح انسانیت بھی رہبر کامل بھی تو
اے ضیاے مشعل بزم ہدایت! زندہ باد

گلستان دو جہاں ہے تیرا ممنونِ کرم
اے گل وگلزار دیں کے رنگ ونکہت! زندہ باد

شمع ایماں سے ہر اک دل کو منّور کر دیا
اے فروغ بارگاہِ اہل سنّت! زندہ باد

حافظ ناموس ملّت پاسبانِ دین حق
اے حُدی خوان و قار دین وملّت! زندہ باد

میری جانب بھی خدا را اک نگاہِ لطفِ خاص
اے سراپا رحمت و سرتاج رحمت! زندہ باد

بخش دی بیعت کی دولت سالک بے مایہ کو
زندہ باد اے محترم پیر طریقت! زندہ باد

مبارک پور

علامہ بدرالقادری

اے مبارک پور اے رشک شعور علم وفن!
دیکھتا ہے چشم حیرت سے تجھے چرخ کہن

تو نشان آگہی، تو مخزن اسرار ہے
تیرے ہر ذرہ میں شور موج، گوہر بار ہے

کس قدر شامل ہے تیری خاک میں بالیدگی
تیرے دم سے مل رہی ہے زندگی کو زندگی

حشر تک اونچا رہے گا تیری عظمت کا علم
مل گئی مٹی میں شان قیصرو دارا و جم

ایک عالم جوترے در کے نمک خواروں میں ہے
تو معالج ہے، زمانہ ترے بیماروں میں ہے

مثل سیماب آج بیداری تیری، جو بن پہ ہے
ربّ ارنی کا تقاضا سا تری چتون پہ ہے

مرحبا صد مرحبا! اس مرد حق آگاہ کو
دے دیا جس نے عروج کوہ، مشت کاہ کو

ایک شوریدہ زمیں کو اس نے گلشن کر دیا
ڈال دی چشم کرم مٹی کو کندن کر دیا

رومیِ دوراں

حضرت مولانا سید ابوالکمال برق نوشاہی سجادہ نشین دربار نوشاہی، گجرات، پاکستان

دریغا کہ علام عبدالعزیز
بجاں آفریں داد جان عزیز

مکرم، معظم، فقیہ ذی جمال
مفسر، محدث فقید المثال

بعلم و فضل بود ممتاز آں
بسلک فقر صاحب راز آں

جہانے زفیضش شدہ فیض یاب
بعالم کرم ہاے او بے حساب

جہاں از فیوضات معمور بود
مبارک پورہ بقعۂ نور بود

چوں آں مرد ذی جاہ محدث عظیم
برفت از جہاں سوے جنت نعیم

بسالش چنیں برق دُرِّ سُفت
محدث زمن از جہاں رفت، گفت

۱۳۹۶ھ

ملت اسلامیہ کا پاسباں جاتا رہا

مولانا یٰسین اختر الاعظمی

علم و دانش کا امین و رازداں جاتا رہا
ملت اسلامیہ کا پاسباں جاتا رہا

عالم شرع متین و واقف اسرار دیں
نازش علم و ادب فخر جہاں جاتا رہا

محفل رشد و ہدایت، آج سونی ہو گئی
مقتدا و پیشوائے کاملاں جاتا رہا

علم و فضل و زہد و تقویٰ، جس کے پیکر کا خمیر
بزم اہل عشق کا، روح رواں جاتا رہا

وارث علم نبی، وہ عابد شب زندہ دار
خلوت عرفاں کا تھا اک راز داں جاتا رہا

مضطرب ہے ہر بشر، اور ڈھونڈتی ہے ہر نظر
مشفق و ہم دم رفیق و مہرباں جاتا رہا

جنبش لب سے جہاں، رلتے رہے لعل و گہر
ہائے! وہ درس بخاری کا سماں جاتا رہا

جو کہ رفتار زمانہ کا بڑا نبّاض تھا
وہ تدبر اور حکمت کا نشاں جاتا رہا

جس کی ہیبت نے کیا ہے، سینۂ باطل کو چاک
صفحۂ گیتی کا وہ، کوہ گراں جاتا رہا

موڑ دی جس نے کلائی، جور و استبداد کی
آہ صد افسوس! وہ مرد جواں جاتا رہا

سر خمیدہ تھے جہاں پر، کج کلاہان جہاں
صاحب جبروت وہ، عرش آستاں جاتا رہا

جس کے تیور پر بدل جاتا تھا قانون جہاں
وہ مجاہد پیکر عزم جواں جاتا رہا

جو بگولوں کی طرح، اٹھّا تھا منزل کے لیے
عزم و استقلال کا وہ کارواں جاتا رہا

حافظ ملت! ترے قدموں پہ ہوتے تھے نثار
کتنے دل کتنی نگاہیں تو جہاں جاتا رہا

سہمی سہمی سی فضا ہے، تھر تھراتا ہے جگر
رہ نمائے ملت اسلامیاں جاتا رہا

سوز و جذب اندروں سے، جس کے اٹھتا تھا دھواں
قوم کا غم خوار وہ، قلب تپاں جاتا رہا

ہوگی جب آراستہ، علم و ادب کی انجمن
سب کہیں گے ناش ہندوستاں جاتا رہا

گلستانِ جامعہ پر، چھا گئی پژمردگی
باعث رعنائی گل باغباں جاتا رہا

جامعہ کا ذرہ ذرہ کر رہا ہے یہ سوال
ہائے اختؔر! میرا وہ محسن کہاں جاتا رہا

حشر تک مرقد پہ تیری رحمت باری رہے
فیض تیرا عالم اسلام پر جاری رہے

شرح دین مصطفیٰ

حضرت مولانا نذیر اکرم نعیمی

آبروے قوم و ملت پیکر صدق وصفا
یاد کر کے تم کو ساری قوم روئے گی سدا

حافظ ملت حقیقت میں تمھاری ذات تھی
دینِ پاک مصطفیٰ کی شرح تھی جو بات تھی

کون ہے جو ہر قدم پر قوم کے کام آئے گا
کون پیچیدہ مسائل ان کے حل فرمائے گا

ہم تمھارا اب کہاں سے لائیں گے نعم البدل
یہ ہے ایسا مسئلہ جس کا نہیں ہے کوئی حل

جامعہ کا نام روشن تھا تمھاری ذات سے
مشکلیں آسان ہوتی تھیں تمھاری ذات سے

ہے یہ اکرؔم بھی جدائی میں تمھاری اشک بار
قلب مضطر کو کسی پہلو نہیں ملتا قرار

سربلندی کا نشاں

سید قیصر وارثی لکھنوی

خوشا قسمت کہ عنوان بیاں ہیں حافظ ملت
مری تخییل میں اب ضوفشاں ہیں حافظ ملت

شب تاریک میں، اک شمع ایثار و عمل بن کر
یقیں کیجے کہ اب بھی ضوفشاں ہیں حافظ ملت

عطا فرمائی ہم کو سرخ روئی بزم عالم میں
ہماری سربلندی کا نشاں ہیں حافظ ملت

رہے گی حشر تک خوشبوے گل، صحن گلستاں میں
بہ شکل "اشرفیہ" جاوداں ہیں حافظ ملت

زمانہ آج بھی اور کل بھی، ان سے فیض پائے گا
مثال چشمۂ آب رواں ہیں حافظ ملت

تسلسل، موت سے بھی منقطع ہوتا نہیں جس کا
کتاب عشق کی وہ داستاں ہیں حافظ ملت

لہو روتی ہے ان کی یاد میں، ہر پھول پر شبنم
یہ کہتی ہے صبا اکثر، کہاں ہیں حافظ ملت

پس پردہ ہیں وہ، لیکن یہی محسوس ہوتا ہے
ابھی گویا ہمارے درمیاں ہیں حافظ ملت

زمانہ چل رہا ہے آج ان کی راہ پر قیصر
تنِ تنہا ہیں، لیکن کارواں ہیں حافظ ملت

حیات مقدس

نعیم اعجازی مصباحی

تری حیات مقدس کے پاک صاف نقوش
بنے ہیں راہ نما اہل کارواں کے لیے

جئیں گے ہم تو تمھارے کرم کے سایے میں
تمھی سے لیں گے دوا، درد بے کراں کے لیے

تمھاری ذات مقدس ہے مرجعِ امید
چراغ راہ ہدایت ہو تم جہاں کے لیے

تمھاری عالم پیری کی جدوجہد عظیم
ہے ایک ساغر عبرت ہر اک جواں کے لیے

نشاط و لذت وخواب گراں ہے رسوائی
جہاد زیست ہے ملت کے رازداں کے لیے

حقیقتوں کو کیا میں نے آشکار نعیم
نہیں ہے بات مری زیب، داستاں کے لیے

سربلندی کا نشاں

اقبال اعظمی ایم، اے

السلام اے کشور علوم ادب کے حکم راں
السلام اے ملت بیضا کے میرِ کارواں
السلام اے بزم سنت کے چراغ ضوفشاں
السلام اے حافظ ملت عزیز خوش بیاں

ہیں ترے خرقہ میں پنہاں علم و دانش کے گہر
تیری پیشانی پہ تابندہ اخوت کا قمر
احمریں ہونٹوں پہ خنداں ایک نورانی سحر
کس قدر تھا تیری میٹھی میٹھی باتوں میں اثر

گفتگو میں کم سخن تھا، غازیِ کردار، تو
واعظ شیریں بیاں تھا علم کا شہ کار، تو
حامیِ انسانیت تھا صاحب افکار، تو
تو امین درد دیں تھا، قوم کا سردار، تو

نقش تیرا، ہر قدم پر نور کا سامان ہے
ہر خرد والا تری تحریک پر قربان ہے

بارگاہ عزیزی میں شعرا کی نذر عقیدت

مولانا نظام الدین بستوی

قناعت جس پہ کرتی ناز، تقویٰ جس کا شیدائی
ہزاروں محفلوں پہ بھاری، جس کی ایک تنہائی

بیکل اتساہی

پرچم فلک اسیر نگہ آسماں کمند
ہمت جبل شکست عزائم فلک شعار
ٹوٹے ہوئے دلوں کے لیے مرہم شفا
تاریکیِ فضا میں منارہ تھا نور کا

پروفیسر انجم عرفانی صدر شعبۂ اردو، ایم، ایل، کے، پی، جی، گریجویٹ کالج، بلرام پور

ملت بیضا کے حافظ کی یہ عظمت زندہ باد
کشتۂ عشق پیمبر تاقیامت زندہ باد

ڈاکٹر محی الدین اظہر علیگ

حاصل عشق نبی، حافظ ملت کا پتا
حوض کوثر سے، کبھی باغ ارم سے پوچھو
نازش دہر تھے، باعث فخر تھے، حافظ دین وملت خدا کی قسم
ایسے مالی پہ قربان ہے جان وتن، خون سے دین کا جس نے سینچا چمن

اسلم بستوی

آبروئے قوم وملت، پیکر صدق وصفا
یاد کر کے تم کو، ساری قوم روئے گی سدا

"حافظ ملت" حقیقت میں تمھاری ذات تھی
دین پاک مصطفیٰ کی شرح تھی جوبات تھی

حضرت مولانا حکیم نذیرالاکرام نعیمی مرادآبادی

جس کی تنہا ذات تھی اپنی جگہ اک انجمن
جس کی سادہ شخصیت تھی مرکز ہر رنگ و بو
حافظ ملت، مجاہد، خرقہ پوشوں کے امام
کشور علم و ادب کے خسرو عالی مقام
جس کی سر مستی کا سرمایہ، فقط عشق رسول
بارگاہ حسن سے، جس کو ملا حسن قبول
جس کے دل میں سنت شاہ عرب کا درد تھا
جوعلوم ظاہری وباطنی میں فرد تھا

وصیؔ سیتاپوری

حافظ ملت! تو آں کار نمایاں کردۂ
گردن ما را بزیر بار احساں کردۂ
گہ زمینے را بہ اوج آسماں بگذاشتی
گہ فلک را پائے بوس تہ نشیناں کردۂ

ڈاکٹر شررؔ مصباحی

حکمت ودانش کے رنگ ونورمیں ڈوباکلام
جلوۂ علم و ہنر ہے حافظ ملت کی بات
عظمتوں کا آفتاب اور رفعتوں کا ماہتاب
فرش والو! عرش پہ ہے حافظ ملت کی بات

اخترالاعظمی المصباحی

رخصت ہوا جہاں سے یہ کون باکمال؟
بوجھل ہوئی زمیں تو فلک غم سے ہے نڈھال
عقبیٰ کی فکر دین کا جس کو رہا خیال
"اے عاقبت بخیر" ہے جس کا سنہ وصال

۱۳۹۶ھ

خوشتر صدیقی، نیلسن لنکا شائر برطانیہ

ویسے تو نہیں کوئی بشر نطق سے محروم
پائی تھی مگر حافظ ملت نے زباں اور
ہم ہو گئے بیدار پکارا جو انھوں نے
یہ سچ ہے کہ ہوتی ہے مجاہد کی اذاں اور

اختر بستوی

عصر حاضر کا مسیحا، سنیت کا تاج دار
مرد کامل، مرد حق، مرد خدا، تقویٰ شعار
بے نیازانہ ہے جس کی زندگی، ایسا بشر
پیکر اخلاص و الفت، مرہم زخم جگر

احمد کمال جمشید پوری

جو مجسم فیض تھا، اور پیکر جود و نوال
کشت زار علم، جس سے ہوگئے صدہا نہال

عثمان اعظمی

اے گذرگاہ شریعت کے مسافر! مرحبا
تیری تابانی سے روشن روئے امکاں ہوگیا

ظفر علیگ

شمع عرفان وفا تھے، حضرت عبدالعزیز
اک ولی باصفا تھے، حضرت عبدالعزیز

غیر بھی جن کی ولایت کے رہے ہیں معترف
پاک طینت پارسا تھے، حضرت عبدالعزیز

انتخاب قدیری مرادآبادی

امام اہل سنن، ناشر علوم نبی
خلوص و خُلق کی دنیا بسا کے چھوڑ گیا
وہ جس کو اہل جہاں حل نہ کرسکے اب تک
تو ایسے عقدہ کو آساں بناکے چھوڑ گیا

ظفر بدایونی

اہل سنت کے قافلہ سالار
حامیٔ دین احمد مختار
صاحب تاج بود و عز و وقار
ہند میں قصر علم کے معمار
چشمۂ علم و دانش و حکمت
روح اخلاص، حافظ ملت

نسیم بستوی

وہ ذات جسے حسن عمل کی کہیں تصویر
جس رخ سے بھی دیکھے کوئی، انداز یگانہ
پابند شریعت تھا وہ، بے مثل نمازی
کردار سے ہوتی تھی عیاں، شان حجازی

مرغوب ادروی

ہند ہی کیا، عالم اسلام تک پہنچی نگاہ
شخصیت کوئی نظر آئی نہ ثانی آپ کی

عہد پیری میں ہے ایسا جذبہ و عزم و یقیں
اللہ اللہ! کیارہی ہوگی جوانی آپ کی

شمامہ اعظمی

جبین شوق کا اک ایک نقش روشن ہے
حضور حافظ ملت کے آستاں کے لیے

طیش صدیقی

زاہد و مرشدِ کامل، نہیں دیکھا ایسا
ہم نے اس دور میں اک مرد کو جیسا دیکھا

نسیم اختر بھوج پوری

ہم اتناجانتے ہیں، نیک طینت نیک سیرت تھے
خدا ہی جانے کیسے اور کیا تھے حافظ ملت

حفیظ الرحمٰن بیگ اثر

خوف خدا قدم قدم، عشق رسول دم بدم
کشتیِ قوم کا اسے، کیسے نہ ناخدا کہیں
قال میں ہو کہ حال میں،گم تھابس اک خیال میں
اس کے ہر ایک کام کو،عشق کی اک ادا کہیں

شمشاد فاضل گانوی

ملت کا پاسبان، شریعت کا اک امیں
لرزاں تھی جس کے خوف سے کفار کی زمیں
جودین کی پناہ تھا، حاصل تھا عزم کا
بےشک وہ نگہبان تھا ملت کی بزم کا

نازاں کلکتوی

قوم کو احساس کی دولت عطا فرمائی ہے
دل عطا فرمایا ہے، ہمت عطا فرمائی ہے
جلوۂ صدرالافاضل، سیرت احمدرضا
مظہرِ صدرشریعت، عاشق غوث الوریٰ

شعبان حبابی

وہ چراغ بزم ملت، وہ تصوف کا امام
وہ سریر آرائے بزم عارفاں جاتا رہا

یونس رضافرخ آبادی

تھا نگاہ قوم میں، وہ کس قدر عزت مآب
حافظ ملت تھا، جس مرد مجاہد کا خطاب

عزیزمبارک پوری

کون بھول سکتاہے اس عظیم رہبر کو
جس نے قوم وملت کی آبرو بچائی ہے

نثارعزیزی

جانے والا چل بسا اس مجلس ادبار سے
ہے منور اب بھی دنیا، علم کے انوار سے

مولانامحمداسرائیل اختررودرپوری، سرکولیشن منیجرماہنامہ اشرفیہ

اپنے تو اپنے ہیں بے گانوں کے دل سے پوچھیے
حافظ ملت کی وقعت، عزت عبد العزیز
کہہ رہی ہے ان کو ان کے قلب کی سچی تڑپ
یادگار اعلیٰ حضرت، حضرت عبد العزیز
لطف یہ پھولوں کی چادر، کیا حسیں ملبوس ہے
کیا عروس نو بنی ہے تربت عبد العزیز

مولانا لطف اللہ مفتی شہر متھرا

رباعی

بخدمت حضرت مولانا الحاج حافظ ملت علیہ الرحمہ

دعوت فکر و عمل دی آپ نے
اور کتنی برمحل دی آپ نے
رہ نمائے اہل سنت مرحبا
قوم کی قسمت بدل دی آپ نے

ایوب مبارک پوری

قطعات تاریخ وصال

استاذ الشعرا رحمت الٰہی برق صدیقی اعظمی

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی نوراللہ مرقدہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

آہ! عبدالعزیز نیک صفات — سالک راہ و عارف باللہ
وارث علم احمد مرسل — پیکر خلق و مرد حق آگاہ
صابر و شاکر وحلیم وغیور — عارف کامل و عمیق نگاہ
پیکرعلم و حلم و زہد و ورع — محو حق، عاشق رسول اللہ
اٹھ گئے آج دار فانی سے — !سونی سونی ہے بزم ملت آہ
آپ سچ مچ تھے حافظ ملت — ذی شرف ذی وقار و عالی جاہ
مرگِ عالِم ہے مرگِ یک عالم — کیوں نہ ہو سب کو صدمۂ جاں کاہ
یہ ہے تفسیر آیۂ قرآں — خوب اس کو سمجھ کے ہو آگاہ
یاد حق دل میں تھی دم آخر — لب پہ تھا لا الہ الا اللہ
بزم عالم سے اٹھتے ہی ان کو — مل گیا درجۂ ”فنا فی اللہ“
خامہ برقؔ نے لکھی تاریخ — دونوں مصرعے ہیں جس کے صاف گواہ
داخل خلد ہے محب نبی (۱۳۹۶ھ) — داخل خلد ہے ولی اللہ(۱۳۹۶ھ)
دونوں فقرے ہیں ہم عدد یعنی — ہے، محب نبی، ولی اللہ
دونوں جملوں کا ایک ہے مفہوم — اس میں کوئی بھی شک نہیں واللہ!
”مَن اطاع الرسول“ کوئی کہے — یاکہے کوئی ”مَن اطاع اللہ“

تاریخ وفات

علامہ بدر القادری- علامہ محمد احمد مصباحی بھیروی

مے کدہ ویراں ہوا خالی سبو چشم اہل دل سے ٹپکے ہے لہو
بادہ نوشانِ طریقت میں ہے شور کان شمس الاتقیاء فارق
۱۳۹۶ھ

اشک گریہ میں پیرہن ڈوبا شبِ تاریک میں چمن ڈوبا
شرق تا غرب، جس سے روشن تھا وہی خورشید علم وفن ڈوبا
۱۳۹۶ھ

بزم روحانیاں میں ماتم ہے اُجڑا اُجڑا ہے علم وفن کا ریاض
اب مریضان عشق جائیں کہاں؟ کوئی اس سا ملے کہاں نباض؟
بھر کے جھولی لگادے راہ پہ جو نہ رہا آج وہ - راشد فیاض
۱۳۹۶ھ

بزم علم وفضل کا مسند نشیں ملک کی روشن رہی جس سے جبیں
آہ! وہ خلد بریں میں جابسا جوکہ تھا صدر شریعت کا امیں
۱۳۹۶ھ

کیا جس نے احیاے علم نبی اُسی پر چلا حیف! تیرِ اجل
زمانے سے پھر کر سوے خلدزار نرا وارث الانبیا قد رحل
۱۹۷۶ء

اہل دنیا کے لیے بھاری ہے خود اپنا وجود | جو فنائے حق ہوا اس پر مسخر کائنات
حیف! دنیا سے گیا وہ حافظ دین متیں | حفظ آداب شریعت میں کٹی جس کی حیات

۱۹۷۶ء

گرد غم سے چھپ گیا روئے طرب | سب گل رنگیں قبا مرجھا گئے
حافظ دیں چھوڑ کر ہم کو اداس | قربت صدر شریعت پا گئے

۱۹۷۶ء

سید ابوالکمال برقؔ نوشاہی سجادہ نشین دربار نوشاہی، گجرات، پاکستان

حسرتا! آں حامیِ شرعِ رسول شیخ عالم، حاویِ فرع و اصول
آں محدث اہل سنت با تمیز یعنی حضرت حافظ عبدالعزیز
عارف حق، ناصرِ دین نبی جانشینِ مولوی معنوی
سینہ اش از نورِ حق پرنور بود آں زجامِ معرفت مخمور بود
شارح اقوال احمد مصطفیٰ وارث علمِ علی مرتضیٰ
بست رختِ سفر از فانی جہاں شد جہاں ماتم کدہ از مرگِ آں
سال وصلش گفت برقؔ بوالکمال
ہادی مخدوم پاکیزہ خیال
۱۳۹۶ھ

دریغاں! حسرتا! وا مردے علّام جناب عبدالعزیز نیک فرجام
محدث ہم فقیہ و نیک نامش جہاں معمور بُداز فیض عامش
عــزیز ملت و شمع شریعت وجودش مظہر نور طریقت
خیالی بود محتاج خیالش رخ "صدرا" منور از جمالش
چوں رازی بود در تفسیر قرآں بسلک عارفاں رومی دوراں؟
محدث اہل سنت صاحب شاں؟ بزیبد برسرِ او تاج عرفاں
چوں آں صدرالافاضل از جہاں رفت بعز و احترام اندر جناں رفت
زوصلش برق ایں درِّ بسفتم کلیم دیں محدث رفت گفتم(۱۳۹۶ھ)

مادۂ تاریخ وصال حضور حافظ ملت

از: علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی

رضی اللہ الملیک عنہ دائما ابدا

۱۳۹۶ھ

مولانا صفی اللہ سرور القادری

غفـــــــــر الله لك

۱۳۹۶ھ

کمال جمشید پوری

حسن عمل، تفسیر محبت، حامی سنت، قائد صلحا
آج ہوئے روپوش نظر سے، ہادی ما استاذ العلما

۱۳۹۶ھ

احمد مصطفیٰ بی، اے، ایل، ایل، بی، مراد آباد

جادوے مرگ چل گیا، افسوس!
سایہ مرشد کا اٹھ گیا، افسوس!
کس کو اب رہ نما بنائیں گے
حافظ قوم نہ رہا، افسوس!

۱۳۹۶ھ

کمال جمشید پوری

قطعہ تاریخ

وہ مرد حق و مرد خدا
خورشید فن ماہ یقیں
صد حیف کہ رخصت ہوگیا
صدر شریعت کا امیں

۱۳۹۶ھ

استاذ الشعراء جناب رحمت الٰہی برق صدیقی

اٹھ گئے جب حضرت عبد العزیز
عارف، کامل، امام الاتقیا
لوح تربت پر ادب سے برق ہے
آستانہ حافظ ملت لکھا

۱۹۷۶ء

سند المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
و
سید المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری قُدِّسَ سِرُّہُما
دین کے دو آہنی بازو تھے۔

افضل محدث، اکمل مفسر ۞ عبدالعزیز آں شیخ زمانہ
گفتا قتیل از سال وفاتش ۞ آمد بجنت مقصود خانہ
۱۳۹۶ھ

ولہ

حافظ ملت وپیر ہمہ ۞ صاحب خوبی ومسند نشیں
گفت تاریخ وفاتش قتیلؔ ۞ جوہر فرد بخلد بریں
۱۳۹۶ھ

(علامہ سید محمد قائم قتیلؔ داناپوری، پٹنہ)

انٹرویو

شیخ طریقت، عزیز ملت حضرت علامہ شاہ **محمد عبدالحفیظ** دام ظلہ العالی

سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ترتیب و تبییض:

محمود علی مشاہدی مصباحی، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

شیخ طریقت، جانشین حضور حافظ ملت، عزیز ملت حضرت علامہ شاہ محمد عبدالحفیظ دامت برکاتہم القدسیہ سربراہ اعلی "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور، انڈیا چند دنوں کے لیے انگلینڈ کے تبلیغی دورے پر تشریف لائے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ قریب سے مجھے حضرت کے شب و روز دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ ان یادگار لمحات سے قلب و جگر پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں تا حیات باقی رہیں گے۔ اور آپ کی شفقتیں، محبتیں بار بار یاد آئیں گی۔

حضرت کی تشریف آوری کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ آپ کی زندگی سے متعلق کچھ ضروری سوالات کر کے جواب حاصل کر لیا جائے تو بہتر ہوگا، چناں چہ میں نے اپنے دل کی بات حضرت کے سامنے رکھی۔

حضرت کی عنایت ہے کہ میرے عریضہ کو قبول فرمایا اور ہمیں اپنے قیمتی کلمات سے نوازا، میں نے دو نشستوں میں یہ تمام سوالات وقفہ وقفہ سے حضرت کے سامنے رکھے اور آپ نے ان سب کا جواب عنایت فرمایا۔ پہلی نشست الحاج شفیق بھائی بولٹن کے دولت خانہ پر تھی، اس وقت ہمارے ساتھ حضرت کے کلمات سننے کے لیے درج ذیل علمائے کرام تشریف فرما تھے:

۱- حضرت مولانا محمد ارشد مصباحی ۲- حضرت مولانا محمد محسن صاحب ۳- حضرت مولانا محمد خالد صاحب ۴- حضرت مولانا خیر الدین صاحب ۵- حضرت مولانا محمد سلیم صاحب ۶- حضرت مولانا محمد شفیع صاحب

۷- حضرت مولانا حافظ محمد یونس صاحب بولٹن ۸- حضرت مولانا حافظ محمد حنیف صاحب

اور دوسری نشست حضرت مولانا حافظ محمد داؤد صاحب ڈیوزبری کے دولت خانہ پر ہوئی اس وقت وہاں درج ذیل علماے کرام موجود تھے:

۱- حضرت مولانا مفتی شمس الہدی مصباحی صاحب ۲- حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب
۳- حضرت مولانا محمد خالد صاحب ۴- مولانا فیض الرحمٰن صاحب ۵- حافظ عبد الرحمٰن صاحب
۶- حافظ احمد سعید صاحب ۷،۸- برادران حضرت مولانا محمد خالد، جناب حامد وزاہد صاحبان

میں نے اس پوری گفتگو کو حضرت کی اجازت سے ریکارڈ کر لیا تھا۔

اس کے بعد اپنے کرم فرما حضرت مولانا مفتی محمود علی مشاہدی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور سے گزراش کی کہ آپ اسے نقل کر کے، ترتیب و تبییض اور کمپوز وغیرہ کروادیں جسے انھوں نے بطیب خاطر قبول کر لیا، اور آڈیو سن کر اسے نقل کیا، کمپوز کرایا اور اشاعت کے مرحلے تک پہنچایا اس کے لیے ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالی ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور مادر علمی جامعہ اشرفیہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد نظام الدین مصباحی

صدر المدرسین دار العلوم غوثیہ رضویہ بلیک برن انگلینڈ

۱۵/ رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱/ مارچ ۲۰۲۰ء

عرض: حضرت! آپ کا اسم شریف والد گرامی نے کیا رکھا؟

ارشاد: میرا پورا نام **"محمد عبد الحفیظ"** ہے، والد گرامی، حضور حافظ ملت –رحمۃ اللہ تعالی علیہ– نے پہلے میرا نام **"محمد"** رکھا اور پھر پکارنے کے لیے **"عبد الحفیظ"** تجویز فرمایا۔

عرض: بچپن میں والد گرامی سے آپ نے کتنی تعلیم حاصل کی؟

ارشاد: بچپن میں ہم لوگ پرائمری درجات میں تھے، والد صاحب صدر المدرسین تھے، منتہی کتابیں آپ کے زیر درس رہتی تھیں، اور مدرسے کی تمام ذمہ داریاں آپ ہی سے متعلق تھیں، پرائمری درجات سے آپ کا تعلق نہیں تھا؟ اس لیے پرائمری کی تعلیم ہم نے ماسٹر صاحبان سے حاصل کی۔

عرض: "یسرنا القرآن" اور "عَمّ پارہ" وغیرہ حضرت سے کچھ پڑھا ہوگا؟ یا حضرت نے اپنے شاگردوں کے ذمہ لگا دیا تھا؟

ارشاد: شاگردوں کے ذمہ لگادیا تھا۔

عرض: اگر ان کا نام یاد ہو تو ارشاد فرمائیں؟

ارشاد: "یسرنا القرآن" کے بارے میں تو یاد نہیں، البتہ ترتیل کے ساتھ قرآن شریف حضرت مولانا حافظ **نصیر الدین** صاحب گیاوی اور مولانا **شبیر احمد** صاحب سلطان پوری سے پڑھا ہے، یہ حضرات بہت اچھے مشاق تھے۔

عرض: کتنے سال والد صاحب کے ساتھ بچپن میں اکٹھا رہے؟

ارشاد: ہمیشہ ساتھ ہی رہے۔

عرض: مطلب یہ ہے کہ آپ نے باہر بھی تعلیم حاصل کی ہے، تو اس سے پہلے آپ ساتھ رہتے تھے؟

ارشاد: مبارک پور میں ساتھ رہتے تھے۔ اصل میں ایک وجہ ہے، ہماری والدہ محترمہ کبھی بھوج پور رہتی تھیں اور کبھی مبارک پور، وجہ یہ تھی کہ والد صاحب کے چھوٹے بھائی حکیم **عبد الغفور** -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیے آپ نے ہمارے چھوٹے بھائی **عبد القادر** عرف جیلانی کو متبنی بنا کر انھیں دے دیا تھا۔ ان کی محبت میں والدہ محترمہ کبھی وہاں (بھوج پور) رہتی تھیں اور کبھی یہاں (مبارک پور)۔ اسی درمیان ایک مرتبہ میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور حضرت چوں کہ مبارک پور میں تنہا تھے اور آپ کی مصروفیات بھی زیادہ تھیں، اس لیے میں والدہ کے پاس "بھوج پور" چلا گیا۔ میں نے "مبارک پور" میں پرائمری درجات کی تعلیم مکمل کرلی تھی اس لیے وہاں جونیر اسکول میں داخلہ لے لیا۔ اس طرح عصری تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس دوران جب میں "مبارک پور" رہتا تو حضرت کچھ کتابیں پڑھاتے تھے، مدرسہ میں بھی تعلیم جاری تھی۔ بعد میں مبارک پور ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ خالی اوقات میں والد گرامی حضور **حافظ ملت** -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- پڑھاتے تھے۔

عرض: یعنی درس نظامی کی کتابیں؟

ارشاد: ہاں! درس نظامی کا سلسلہ برابر جاری رہا، چھٹی کے ایام میں اور دیگر خالی اوقات میں والد گرامی درس نظامی کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔

عرض: یعنی دینی اور عصری دونوں تعلیم ساتھ ساتھ جاری رہی؟

ارشاد: ہاں! دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے، ہائی اسکول کرنے کے بعد میں نے "شبلی کالج" میں داخل لے لیا،

کیوں کہ انٹر میڈیٹ کے لیے یہاں مبارک پور میں کوئی کالج نہیں تھا۔میں ”شبلی کالج“ میں انٹر میڈیٹ کی تعلیم حاصل کرتا تھا اور وہاں سے ہفتہ میں ایک بار سنیچر کے روز گھر آتا تھا، اس درمیان میں بھی حضرت درس نظامی کی کتابوں کا درس دیتے اور کچھ ضروری اصطلاحات ومبادیات یاد کرنے کو فرماتے، ان کو ازبر کراتے، بنیادی مباحث سمجھاتے اور ان میں غور وفکر کرنے کا حکم دیتے، پھر میں نے ”شبلی کالج“ چھوڑنے کے بعد ”علی گڑھ“ کا رخ کیا، داخلے کے لیے جو عمر ہونی چاہیے وہ پوری نہیں ہو رہی تھی؛ اس لیے ایک سال وہاں داخلہ نہیں ہوا، اور اسی عصری تعلیم کو آگے بڑھانے کے لیے ایک سال ”مرادآباد“ رہ گیا۔ پھر ”علی گڑھ“ میں ایڈمیشن ہو گیا۔

عرض: آپ نے ”علی گڑھ“ میں کتنے سال تعلیم حاصل کی؟

ارشاد: میں نے ”علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی“ میں پانچ سال تعلیم حاصل کی ہے۔

عرض: آپ نے وہاں سے کون سی ڈگری حاصل کی؟

ارشاد: میں نے وہاں ”بی، ایس، سی انجینیرنگ“ کا کورس کیا ہے۔

عرض: سنا ہے کہ آپ نے ”ممبئ“ میں بھی کچھ تعلیم حاصل کی ہے؟

ارشاد: میں نے ”ممبئ“ میں تعلیم حاصل نہیں کی، البتہ انجینیرنگ کرنے کے بعد ایک سال ”ممبئ“ میں رہا ضرور ہوں۔ چوں کہ والد ماجد –رحمۃ اللہ تعالی علیہ– کی خواہش تھی کہ میں دینی تعلیم حاصل کروں۔ ایک سال اِدھر اُدھر آتا جاتا رہا پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ والد گرامی کی خواہش کے مطابق دینی تعلیم حاصل کرنا ہے اور پھر میں مبارک پور آ گیا، اور چھٹی جماعت میں داخلہ لے لیا اور مبارک پور رہ کر باضابطہ چھٹی، ساتویں اور آٹھویں جماعت کی تعلیم حاصل کی، فضیلت کا سال آیا تو والد گرامی کا وصال ہو گیا اور آپ ہمیشہ کے لیے ہماری ظاہری نگاہوں سے روپوش ہو گئے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

عرض: آپ نے کن اساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے؟

ارشاد: زیادہ تر والد گرامی حضور **حافظ ملت** –رحمۃ اللہ تعالی علیہ– سے ہی پڑھا ہے، اس کے علاوہ علامہ حافظ **عبد الرؤف** بلیاوی –رحمۃ اللہ تعالی علیہ– اور حضرت علامہ **ضیاء المصطفیٰ** صاحب قبلہ سے بھی پڑھا ہے۔

عرض: ”تصریح“ بھی آپ نے پڑھی ہے؟

ارشاد: ہاں! یہ کتاب اس وقت تحقیق میں پڑھائی جاتی تھی، اور ابتدا ہی سے مجھے حساب سے دل چسپی تھی؛ اسی وجہ سے انجینیرنگ میں داخلہ بھی لیا تھا۔ اگر گھر والوں کی مرضی اور خواہش کو دیکھتا تو مجھے میڈیکل میں جانا چاہیے تھا، ہمارے چچا حافظ **عبد الغفور** –رحمۃ اللہ علیہ– ماہر حکیم تھے۔ ان کی یہی خواہش تھی کہ میں حکمت وطبابت کے میدان میں آؤں لیکن اس میں میری کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ میری دل چسپی انجینیرنگ میں تھی اس لیے میں نے یہ تعلیم حاصل کی۔ فضیلت کے سال اپنے جن احباب سے میں قریب رہتا تھا وہ تحقیق میں پڑھ رہے تھے اور انھیں "تصریح" بھی پڑھائی جاتی تھی، چوں کہ اس میں حساب اور فلکیات وغیرہ کا بیان ہے اور اس میں میری ذاتی دل چسپی تھی، اس دل چسپی کی وجہ سے ان کے ساتھ میں نے "تصریح" بھی پڑھ لی۔

عرض: حضور **حافظ ملت** کی شخصیت خاص طور سے علما کے لیے نمونہ تھی؛ اس لیے حضرت کے تعلق سے ایسی چیز ارشاد فرمائیں جس کو ہم اپنے لیے نمونہ بنالیں، اس پر چلیں اور کامیاب ہوجائیں۔

ارشاد: حضرت مولانا **محمد نعمان** خان صاحب کے والد جناب **منیر احمد** خان صاحب دیوگاؤں سے مبارک پور آتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ حافظ صاحب لوگ آپ سے علم تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن آپ کے چلنے کا، اور آپ کی طرح اپنی نگاہ پاک رکھنے کا طریقہ نہیں لے پاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: کہ ہم نے اپنے استاذ **صدر الشریعہ** –رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ– کے انداز اور طریقے کو اپنانے کی کوشش کی ہے اور ہم انھیں کے طریقہ پر عمل کرتے اور کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہم ایک حد تک اس میں کامیاب ہیں۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ جس نے بھی **حافظ ملت** –رحمۃ اللہ علیہ– سے تعلیم حاصل کی ہو، یا کسی طرح اسے آپ سے نسبت اور تعلق رہا ہو وہ **حافظ ملت** کے چلنے، پھرنے، بات کرنے کے انداز کو اختیار کرے تاکہ اس سے لوگ متاثر ہوں۔ ان کے چلنے کا طریقہ یہ تھا کہ گھر سے نکلتے تو سر جھکا کر چلتے تھے، اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے، کون آرہا ہے، کون جارہا ہے، عام طور پر آپ کی نظر اس پر نہیں ہوتی تھی۔ فرماتے کہ چلنے کا یہی سنت طریقہ ہے، یہی ہم نے اپنے استاذ **صدر الشریعہ** –رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ– سے سیکھا ہے۔

عرض: حضور **حافظ ملت** گھر والوں اور بچوں کے لیے کس طور پر وقت دیتے تھے حالاں کہ انھوں نے خود کو دین کے لیے وقف کر دیا تھا، بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کبھی دوران مطالعہ بچے آگئے تو کہتے ہیں کہ

"چلو بھاگو یہاں سے"؟

ارشاد: نہیں، نہیں! ایسا نہیں تھا، حضرت بچوں سے شفقت و محبت فرماتے تھے، انھیں اپنے پاس بیٹھاتے، ان کی شفقت کو ہم لوگ کہاں تک بیان کر سکتے ہیں۔ آخر تک آپ یکساں شفقت فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ جس وقت میں انجینیرنگ کے فورتھ ایئر میں تھا اور چھٹیوں میں ٹرینگ کے لیے "ٹاٹا کمپنی" میں سلیکٹ کیا گیا تھا، اور مجھے وہاں جانا تھا۔ ٹرین میں چالو ڈبا، سیکنڈ اور فرسٹ کلاس ہوتا تھا۔ حضرت نے مجھے تاکید فرمائی کہ سیکنڈ کلاس سے سفر کرنا تاکہ آرام سے سفر ہو جائے۔ اس طرح سے شفقت فرماتے تھے۔

عرض: حضرت کے وصال کے وقت آپ گھر ہی پر تھے؟

ارشاد: میں اس وقت مبارک پور نہیں تھا، حضرت کے علاج کے سلسلے میں "گھوسی" حضرت مولانا ڈاکٹر **شکیل احمد** صاحب کے یہاں چلا گیا تھا، حضرت کا علاج **ڈاکٹر شکیل احمد** صاحب کر رہے تھے۔ اسی دن "خلیل آباد" حضرت کا پروگرام تھا، طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے حضرت وہاں نہ جا سکے اور "خلیل آباد" مجھے جانا تھا، میں نے سوچا کہ گھوسی ہی سے "خلیل آباد" چلا جاؤں گا، اس وقت حضرت مولانا **عبد المنان کلیمی** صاحب شمس العلوم "گھوسی" میں پڑھاتے تھے، چوں کہ ہم لوگ "مبارک پور" میں ایک ساتھ رہتے تھے، بے تکلفی تھی؛ اس لیے میں وہیں ٹھہر گیا۔ رات کو تقریباً ایک بجے "مبارک پور" سے کچھ لوگ "گھوسی" پہنچے اور کہا کہ گھر چلیے، فوراً میں وہاں سے "مبارک پور" آیا تو دیکھا کہ پورا قصبہ بے دار ہے، اور حضرت کا وصال پر ملال ہو چکا تھا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

عرض: حضرت **حافظ ملت** -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- کی تدفین مدرسے میں ہوئی تو کیا یہ حضرت کی خواہش تھی؟

ارشاد: نہیں، نہیں! حضرت **حافظ ملت** -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- نے تنہائی میں مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر لوگ راضی ہو جائیں تو "جامع مسجد راجہ مبارک شاہ" کے پاس دفن کر دینا۔ یہ علالت کے درمیان فرمایا تھا، پھر قصبہ کے لوگوں کی رائے ہوئی کہ مدرسے میں تدفین ہوگی۔

جامعہ اشرفیہ صرف ایک دار العلوم نہیں، بلکہ ایک دانش گاہ بھی ہے جس میں ہاسپیٹل اور قبرستان بھی ہوتے ہیں اور جامعہ کی انتظامیہ چندہ دینے والوں کی وکیلِ عام ہوتی ہے جسے جامعہ کے عام مفاد اور توابع میں چندہ اور اس سے خریدی ہوئی زمین کو استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے جامعہ کے کنارے ایک خالی زمین پر تدفین کا فیصلہ ہوا، اور اسی بنا پر اب مزار شریف سے متّصل ایک

کشادہ زمین کو جامعہ کے قبرستان کے لیے خاص کر لیا گیا ہے۔ پھر مزار شریف کی عمارت درس گاہِ حفظ کی مانند ہے جس میں شب وروز طلبہ حفظ قرآن میں مشغول رہتے ہیں ان سب کے باوجود ہم نے ایک خطیر رقم جامعہ میں جمع کر دی تاکہ اس کے بدلے کوئی مناسب زمین خریدی جا سکے۔
فتاوی رضویہ جلد ششم کی اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں شرعی گنجائش کا ایک اور گوشہ بھی موجود ہے علاوہ ازیں تدفین کے وقت جامعہ کے اور جامعہ کے سوا ملک کے بھی بہت سے اَجِلّۂ علما و فقہا موجود تھے اور بڑی تعداد میں اصحابِ خیر بھی حاضر تھے سب کے سامنے بلا انکارِ نکیر تدفین کا یہ عمل پیش آیا، ہم تو انھی علما و فقہا کے متّبع ہیں۔

عرض: پھر آپ سربراہ اعلی ہو گئے ؟

ارشاد: میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ میں جامعہ اشرفیہ، مبارک پور جیسی عظیم دینی درس گاہ کا سربراہ اعلی ہوں گا۔ میں نے ”علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی“ سے تعلیم حاصل کی تھی اور سوچا تھا کہ اسی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کروں گا۔ اللہ تعالی کی مرضی ہوئی۔ والد گرامی حضور **حافظ ملت** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- کے عرس چہلم کے موقع سے لوگوں نے مشورہ کیا کہ حضرت کی جگہ ان کے بیٹے کو جانشین منتخب کر لیا جائے، جب شوری کے ممبران نے منتخب کر لیا، اس کے بعد مجھے اس کی اطلاع دی گئی کہ میرا انتخاب ہو گیا ہے۔ اس کے بعد بہت سے اختلافات سامنے آئے، کچھ احباب سے یہ سننے میں آیا کہ یہ عارضی طور پر جامعہ کے سربراہ اعلی بنائے گئے ہیں۔ اس وقت بھی میں نے صرف اتنا کہا کہ ”ٹھیک ہے قوم جو فیصلہ کرے گی وہ مجھے منظور ہے۔“ علامہ **ارشد القادری** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- بہت پریشان تھے کہ حضرت نے کچھ وصیت نہیں کی ہے، دستور میں بھی کچھ ایسا نہیں تھا۔ دستور میں یہ تھا کہ: ”سربراہ اعلی اپنی زندگی میں اگر کسی کو منتخب کر دیں تو ٹھیک ہے، لیکن اگر کسی کو منتخب نہیں کیا ہے تو اصول اور ضابطہ بنا کر لوگ جیسا چاہیں اس پر عمل کریں۔“ ایک شق یہ بھی تھی کہ: ”اگر ایسا نہیں کیا تو وہ علمائے کرام جن کی توجہ اور لگاو ادارے سے ہو، اور قصبہ واطراف وجوانب کے ذی شعور عوام اہل سنت انتخاب کر سکتے ہیں“۔ اس کے بعد پھر مجلس شوری کی میٹنگ ہوئی اور حضور **مجاہد ملت**، مفتی اعظم کان پور مفتی **رفاقت حسین** اور علامہ **ارشد القادری** -رحمہم اللہ تعالی- اور بہت سے دوسرے جلیل القدر علمائے کرام جن کو حضرت نے مجلس شوری میں رکھا تھا، میٹنگ میں تشریف لائے، اور اس میں یہ مسئلہ پیش ہوا۔ پہلے روز

کچھ حل نہ نکل سکا، البتہ مجلس شوری میں یہ بات متفقہ طور پر پاس ہوگئی کہ ”مجلس کی جو بھی رائے ہوگی اسی پر عمل در آمد ہوگا“، میں اس میٹنگ میں شریک نہ تھا۔ اس سلسلے میں اعلان ہوا، اس اعلان کو سننے کے بعد پورا قصبہ پرانی عمارت میں جمع ہوگیا، اوپر، نیچے لوگ بھر گئے۔ مفتی اعظم کان پور، مفتی **رفاقت حسین** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- کی صدارت میں مجلس منعقد ہوئی، اس میں یہ طے ہوا کہ پہلے مجھے عارضی طور پر ادارے کا سربراہ اعلی بنایا گیا تھا اور اب مستقل تقرر کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے بلایا گیا اور ہمارے بزرگوں نے ہمارے کندھے پر یہ ذمہ داری رکھی۔ حضور **مجاہد ملت** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”مجھے جتنی بھی اجازت و خلافت حاصل ہے میں انھیں مکمل عطا کرتا ہوں۔“ اور پھر سر پر عمامہ باندھا اور اکیس روپے عنایت فرمائے۔

عرض: اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟

ارشاد: اس وقت میری عمر چونتیس، پینتیس سال رہی ہوگی۔

عرض: آپ کی پیدائش کب ہوئی؟

ارشاد: اگر پرائمری درجات کی مارکشیٹ دیکھیں گے جس میں ماسٹر صاحب نے اپنی مرضی سے تاریخ پیدائش لکھ دی تھی تو آپ کو یہ تاریخ ملے گی: ۲۵/ ۹/ ۱۹۴۸ء۔ چوں کہ سرٹیفیکیٹ میں وہی عمر تھی؛ اس لیے ساری جگہ میں نے وہی لکھا، لیکن اصل تاریخ پیدائش ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء ہے۔

عرض: حضرت! آپ کو اس عہدے پر رہتے ہوئے تنخواہ ملتی تھی؟

ارشاد: جب عارضی تقرر ہوا تھا اس وقت بھی نہیں ملتی تھی اور مستقل تقرر ہونے کے بعد سے اب تک کوئی تنخواہ نہیں ملتی ہے۔ حالاں کہ ایک مرتبہ کمیٹی نے دینے کی کوشش کی تھی، لیکن میں نے منع کر دیا تھا، اس وقت حضرت علامہ **ارشد القادری** مبارک پور تشریف لائے تھے وہ بگڑ گئے، کہا کہ جاہلوں کے نذرانے لیتے ہو اور کمیٹی چاہتی ہے تو نہیں لیتے ہو۔ میں نے عرض کیا: سب کے سامنے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ باہر تشریف لائیے۔ میں نے حضور **حافظ ملت** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- کی بات رکھی تو چپ ہو گئے۔ تنخواہ کے نام پر میں نے کبھی کچھ نہیں لیا، لیکن ان کی مہربانی ہے کہ رہنے کے لیے مکان دیا ہے، سہولتیں دی ہیں۔

عرض: علامہ **ارشد القادری** سے جو بات آپ نے بتائی تھی، بتا دیں؟

ارشاد: نہیں نہیں، ہر بات نہیں بتائی جاتی۔

عرض: حضرت! اگر مناسب ہو تو بتادیں تاکہ بعد والوں کے لیے نصیحت ہو جائے؟

ارشاد: حافظ ملت صدر مدرس تھے، اور اس عہدے کے بعد تنخواہ لینا چھوڑ دیا، تو کیا ان کے معاملات اچھے نہیں ہوئے۔ ان کے بچوں کا گزر بسر نہیں ہوا، بس اللہ پر توکل کیا، اسی پر ہم نے بھی عمل کیا، اللہ پر توکل کیا، ساری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں۔

عرض: حضرت! آپ کتنے بھائی بہن ہیں؟

ارشاد: ایک میں اور دوسرے میرے چھوٹے بھائی جناب **عبدالقادر** عرف جیلانی اور تین بہنیں۔ اس وقت دو بہنیں موجود ہیں۔

عرض: آپ سب سے بڑے ہیں؟

ارشاد: نہیں دو بہنیں بڑی تھیں، ان کے بعد میں اور پھر مجھ سے چھوٹے میرے بھائی **عبدالقادر** جیلانی اور ان کے بعد ایک بہن۔

عرض: والدہ کے تعلق سے کچھ بیان فرمادیجیے؟

ارشاد: ہماری والدہ پڑھی لکھی نہیں تھیں، پنج وقتہ نمازی تھیں، ہماری بہن نے کچھ سورتیں اور دعائیں یاد کرادی تھیں اسی میں وہ تہجد پڑھتی تھیں۔ میں اس عہدے پر آگیا تو لوگوں نے کہا کہ حج کر لیا جائے، میں نے کہا کہ جب تک والدہ کو نہیں کرالوں گا میں نہیں جاؤں گا اور میرے اوپر ابھی فرض بھی نہیں ہے۔ بہر حال ۱۹۸۸ء میں والدہ کے ہمراہ حج کے لیے گیا۔ بہت کم زور تھیں۔ روانگی سے پہلے شارح بخاری علیہ الرحمہ نے فرمایا: حج کا احرام باندھنے کے بعد نفلی طواف کر کے سعی کر لیجیے گا تاکہ "طواف زیارت" کے وقت آسانی ہو اور سعی نہ کرنا پڑے؛ اسی کے پیش نظر احرام باندھنے کے بعد ہم نے عشا کی نماز ادا کی اور پھر والدہ کے ساتھ طواف اور سعی کے لیے گیا، بھیڑ بہت زیادہ تھی، مجھے طواف کے بعد سعی کرتے کرتے فجر کا وقت ہو گیا اور اس وقت والدہ کو سعی نہ کرا سکا۔ منی، عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کے بعد جب "طواف زیارت" کے لیے گیا تو میں نے والدہ سے عرض کیا کہ آپ تھوڑی دیر رکیں میں طواف کر لوں پھر آپ کو طواف اور سعی کراؤں گا۔ میں طواف سے فارغ ہوا تو اس وقت مطاف اور مسعی میں بھیڑ برائے نام تھی بلکہ یہ کہیے کہ بھیڑ تھی ہی نہیں، بہر حال مطاف اور مسعی میں تھوڑا تھوڑا آرام کر کے سعی اور طواف کرایا۔ پہلے تو میں نے سوچا تھا کہ ویل چیر کے بغیر کام نہیں چلے گا لیکن اللہ

تعالی کے فضل سے والدہ محترمہ نے حج کے تمام ارکان بغیر ویل چیر کے ادا کیے اور اس کی ضرورت نہ پڑی۔ طواف کے وقت میں نے ان سے پوچھا پڑھتی کیا ہیں؟ تو کہا کہ درود شریف، میں سمجھتا ہوں کہ اسی کی برکت سے انھوں نے بغیر کسی سہارے کے طواف بھی کر لیا اور سعی بھی۔

عرض: والدہ ماجدہ کا مزار کہاں ہے؟

ارشاد: بھوج پور میں جہاں ہمارے دادا، اور چچا وغیرہ کی قبریں ہیں اسی قبرستان میں گھر کے افراد کے پائنتی ہماری والدہ محترمہ -رحمۃ اللہ تعالی علیہا- کا بھی مزار ہے۔ اللہ رب العزت ان سب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین۔

عرض: حضرت آپ بیعت کس سے ہیں؟

ارشاد: حضور **مفتی اعظم ہند** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- سے، اس کا معاملہ سن لیجیے۔ حضور **مفتی اعظم** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- "مبارک پور" تشریف لائے تھے، یہ واقعہ ۱۳۷۱ھ کا ہے، اس وقت سید **حامد اشرف** میاں وغیرہ کی جماعت تھی۔ وہ پڑھ رہے تھے۔ میں بھی وہیں بیٹھا تھا۔ لوگوں کی خواہش پر آپ نے شامل سلسلہ فرمانا شروع کیا، پوری جماعت نے رومال پکڑ لیا تو میں نے بھی پکڑ لیا، اس وقت میری عمر سات، آٹھ سال رہی ہوگی۔ اس طرح میں بھی آپ کے سلسلے میں شامل ہو گیا۔

عرض: اس کے بعد بھی **مفتی اعظم ہند** سے ملاقات ہوتی تھی؟

ارشاد: ہاں! ملاقات ہوتی تھی، میرے دل کا جھکاؤ ہمیشہ آپ ہی کی جانب رہا اور رہے گا۔

عرض: وہ آپ کو پہچانتے تھے کہ آپ کون ہیں؟

ارشاد: میں پہچانتا تھا کہ وہ میرے مرشد ہیں۔ اب وہ جانیں کہ پہچانتے تھے کہ نہیں، لیکن میرے مرشد تھے میں انھیں جانتا تھا۔

عرض: کن بزرگوں سے آپ کی ملاقات ہوئی، حضور **حافظ ملت** کے علاوہ آپ کس سے زیادہ متاثر ہوئے۔

ارشاد: پیر سے زیادہ کس سے عقیدت ہو سکتی ہے؟ حضور **مفتی اعظم ہند**-رحمۃ اللہ تعالی علیہ- کے بعد حضور **مجاہد ملت** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- سے میں متاثر تھا۔

عرض: ان کے تعلق سے بھی کچھ ارشاد فرمائیں؟

ارشاد: ایک مرتبہ حضور **مجاہد ملت** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- "مبارک پور" تشریف لائے تھے جب آپ جانے

لگے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت دعا کر دیں۔ فرمایا: جن لوگوں کے لیے میں خصوصیت سے دعا کرتا ہوں ان میں سے ایک تم ہو۔ یہ ان کا کرم ہے، انھی بزرگوں کا فیض ہے، کام کر رہے ہیں۔

عرض: حضور **محدث اعظم ہند** -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- کو آپ نے دیکھا ہے؟

ارشاد: جی زیارت بھی کی ہے، دست بوسی بھی کی ہے۔ وہ دستار بندی کے جلسہ میں ہر سال مبارک پور تشریف لاتے تھے، ہم ان کے استقبال کے لیے جاتے تھے۔

عرض: جب آپ جامعہ اشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ ہو گئے تو آپ نے تعلیمی اور دوسرے امور کو کس طرح سنبھالا؟

ارشاد: ہمارے یہاں دو مجلسیں ہیں۔ ایک مجلس انتظامیہ اور دوسری مجلس شوری۔ مجلس شوری پروگرام اور تجاویز پاس کر کے مجلس انتظامیہ کو دیتی ہے، اور مجلس انتظامیہ ان تجاویز پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہے جو مجلس شوری میں پاس ہوتی ہیں، اور مجلس انتظامیہ ہی سال بھر ادارے کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس طرح حضرت کے بعد جب مجھے موقع ملا تو انتظامیہ کے ساتھ مل کر، باہمی مشورے سے ہم کام کرتے رہے اور ادارے کے ترقی کی راہیں تلاش کرتے رہے۔ مجلس شوری سے جو اصول وضوابط ملتے اس پر ہم لوگ کام کرتے۔ مل جل کر کام کرنا بہتر ہے۔ اسی طریقے پر حضور حافظ ملت -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- بھی کام کرتے تھے، انھیں کے طریقے اور انداز پر ہم بھی کام کر رہے ہیں۔

عرض: آپ نے دینی اور عصری دونوں تعلیم حاصل کی، اور پھر دین کے حوالے سے بہت بڑی ذمہ داری آپ کے سر آئی، تو اس وقت دینی کتابوں کی طرف خصوصی توجہ دینی پڑی ہوگی۔ اس موقع سے آپ نے کن عناوین کو پسند فرمایا جن کا آپ نے مطالعہ کیا ہو؟

ارشاد: انتظام وانصرام کے سلسلے میں کتابوں کا مطالعہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی، وقت پر جس چیز کی بھی ضرورت محسوس ہوئی، میں نے اسے کرنے کی کوشش کی۔ ہمارے یہاں علماے کرام اور مدرسین کی ایک بہت بڑی ٹیم ہے جو خود بھی دین کے احکام اور مسائل سے واقف ہیں اور دوسروں کو بھی دین کا شعور دیتے ہیں، ان کی ٹریننگ کرتے ہیں۔ جب کبھی ہمارے سامنے ایسے مسائل آتے ہیں تو ہم ان حضرات سے مشورہ کر کے اپنا معاملہ حل کر لیتے ہیں۔

عرض: آپ چوں کہ شیخ طریقت بھی ہیں تو مریدوں کو مسائل بتانے کے لیے آپ کن کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں؟

ارشاد: مسائل کی کتابیں ہمارے بزرگوں نے لکھ ہی دی ہیں، مثلاً ''بہار شریعت'' اور ''قانون شریعت'' وغیرہ۔ یہ کتابیں اردو زبان میں ہیں، روز مرہ پیش آنے والے مسائل آسانی سے اس میں مل بھی جاتے ہیں، زبان بھی گنجلک اور مشکل نہیں ہے کہ سمجھ میں نہ آئے، اسی کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کر دی جاتی ہے۔

البتہ آپ کے کہنے کے مطابق میں یہ نہیں سمجھتا کہ میں اس منزل پر ہوں۔ بہر حال کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہم خود بھی اس پر عمل کریں اور اپنے احباب سے بھی اس پر عمل کرائیں۔

عرض: آپ طالب علمی کے زمانے سے ہی خطاب فرماتے ہیں، اس سلسلے میں آپ نے کون سا اندازِ خطاب اختیار فرمایا؟

ارشاد: میرا انداز خطاب آپ کے سامنے ہے۔ آپ خود خطیب ہیں خوب سمجھتے ہیں۔ خطاب میں ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم سے جہاں تک ہو سکے اپنی قوم کی اصلاح کریں؛ اس لیے کہ قوم میں بے راہ روی اور کمیاں بہت زیادہ ہیں، ہم سے جتنا ہو سکتا ہے ان کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

عرض: علماے کرام کے درمیان شرعی مسائل میں اختلافات ہوتے رہتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان سب اختلافات سے دور رہتے ہیں بلکہ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ تمام علماے اہل سنت کے ساتھ روابط رکھے جائیں تو جب ٹی وی وغیرہ کے اختلافات رونما ہوئے اس وقت آپ نے اپنے آپ کو دونوں گروہوں سے کس طرح مربوط رکھا؟

ارشاد: ہماری کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اس طرح سے گروہ بندی ہو ہی نہ، سب ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ اب اگر کوئی اسے اپنی ناک اور مونچھ کا مسئلہ بنا لے تو اس میں ہماری کیا ذمہ داری ہے۔ دین کے مسائل میں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اختلاف کوئی نئی چیز تو ہے نہیں بلکہ دور صحابہ سے چلا آ رہا ہے، اگر اختلاف نہ ہوتا تو چار امام کیسے ہوتے، لیکن ان کے اندر خلوص تھا، للّٰہیت تھی یہی وجہ ہے کہ اختلاف کے باوجود سب ایک تھے، متحد تھے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ اور آج کے ماحول میں تو کچھ کہا نہیں جا سکتا، سب کچھ آپ کے سامنے ہے، کہا جائے تو ابھی وبال پیدا ہوگا، اس لیے اختلاف کی بات ہی نہ ہو تو بہتر ہے۔

ہمارا نظریہ، یہ ہے کہ اختلاف ہونا ہی نہیں چاہیے۔ آپس میں بیٹھ کر بات کر لیں۔ آج دنیا کے سارے مسائل ایک ٹیبل پر بیٹھ کر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو ہم لوگ اپنے مسائل ایک جگہ بیٹھ کر حل

کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ کرنا چاہیے۔ اور میں کبھی کسی اختلاف میں نہیں پڑا، سب سے ہمارے تعلقات رہے۔

ہمارے یہاں ہندوستان میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی شوشہ چھوٹتا رہتا ہے، لیکن آپ مجھے کسی اختلاف میں شامل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ جب ہم سب ایک ہیں تو پھر دوری کیسی؟ اختلاف تو گھر میں بھی ہوتا ہے، آدمی کی راے مختلف ہو سکتی ہے، اللہ تعالی نے اسے فطرت کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے، آپ کی سوچ کچھ ہے، ان کی سوچ کچھ ہے، اختلاف ہو گیا، لیکن اگر ہمارے اندر اللہ تعالی کا خوف اور اخلاص ہو گا تو ہم اپنے تمام اختلافی مسائل ایک ساتھ بیٹھ کر حل کر سکتے ہیں۔

عرض: "بریلی شریف" سے جامعہ اشرفیہ کا قدیم تعلق ہے لیکن ادھر چند سالوں میں کچھ لوگوں نے یہ افواہ پھیلائی کہ حضور **تاج الشریعہ** سربراہ اعلی سے ناراض ہیں، اگر مناسب ہو تو آپ اس کی وضاحت فرما دیں؟

ارشاد: اگر اس بارے میں، میں کچھ کہوں گا تو جو لوگ یہ بات کہتے ہیں الگ ایک پہاڑ کھڑا کر دیں گے اور بات کا بتنگڑ بنائیں گے، اس لیے اس تعلق سے کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔

عرض: احسن طریقے سے اگر مناسب ہو تو کچھ ارشاد فرمائیں؟

ارشاد: میں تو نہیں سمجھتا کہ حضرت **تاج الشریعہ** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- مجھ سے ناراض تھے، ہاں! آپ ہی کی طرح میں بھی سنتا تھا کہ حضرت **تاج الشریعہ** -رحمۃ اللہ تعالی علیہ- مجھ سے بہت ناراض ہیں، سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک محب سے کہا کہ اس مرتبہ مارہرہ شریف، بریلی شریف ہوتے ہوئے چلیں گے، وہاں حاضری دیں گے اور حضرت **تاج الشریعہ** سے ملاقات کریں گے، اگر حضرت واقعی ناراض ہوں گے تو ناراضگی کا اظہار فرمائیں گے۔ میں گیا، حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت کی شفقت، محبت اور لگاو اس قدر تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت **تاج الشریعہ** مجھ سے بہت ناراض ہیں ان پر کیسا پاگل پن سوار ہے۔ وہاں وہ لوگ بھی تھے جن کے بارے میں اعلان پر اعلان ہوتا تھا کہ حضرت ان سے بہت محبت کرتے ہیں مگر ان سے زیادہ شفقت و محبت میں نے اپنے لیے محسوس کی۔

جب ملاقات ہوئی تو پوچھا: کب آئے، کیسے آئے، کوئی لینے کے لیے اسٹیشن گیا تھا یا نہیں؟ اب میں اسے ناراضگی سمجھوں یا محبت۔ آپ خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

ایک مرتبہ اس تعلق سے ایک صاحب کا فون بھی آیا تھا، وہ پوچھ رہے تھے کہ حضرت **تاج الشریعہ** آپ سے ناراض کیوں ہیں، میں نے ان سے کہا کہ: میں تو حضرت سے ناراض نہیں ہوں؛ اس لیے مجھے کوئی وجہ بھی معلوم نہیں کہ میں آپ کو بتا سکوں، اگر حضرت ناراض ہیں تو حضرت سے پوچھو کہ حضرت آپ **عبد الحفیظ** سے کیوں ناراض ہیں۔ پھر وہ خاموش ہوگئے۔ اس طرح کے حالات ہیں، جس کا جیسا مزاج ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے۔

عرض: جامعہ اشرفیہ جو آپ کی قیادت میں چل رہا ہے، کیا وہ آج بھی تمام اصول اور عقائد میں ''مسلک اعلی حضرت'' کا پابند ہے، یا اس میں کچھ کمی آئی ہے؟

ارشاد: اگر آپ کو کہیں کوئی کمی نظر آئی ہو تو اس کی نشان دہی فرمادیں تاکہ ہم اس کی اصلاح کرلیں۔ ''مسلک اعلی حضرت'' ہی جامعہ اشرفیہ کا منہج ہے۔ ہمارے یہاں کسی کو اس وقت دستار اور سند نہیں دی جاتی ہے جب تک وہ عہد واثق پر دست خط نہ کردے۔ جامعہ اشرفیہ سے امام احمد رضا-قدس سرہ- کے فیضان کا چشمہ جاری ہے۔

عرض: اگر مناسب ہو تو آپ اپنے جن مدرسین سے زیادہ متأثر ہیں ان میں سے دو چار نام ارشاد فرمائیں؟

ارشاد: میں اپنے تمام مدرسین سے متأثر ہوں، ان کے کام سے مطمئن ہوں تو متأثر ہی ہوں۔ مجھے کام چاہیے اور وہ سب محنت کے ساتھ کام کررہے ہیں، قوم کی ضرورت پوری کررہے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں فلاں سے زیادہ محبت کرتا ہوں تو کیا دوسرے کو تکلیف نہیں ہوگی؟ ایسی صورت میں کیا میں ادارہ چلا سکوں گا، انتظام وانصرام کرسکوں گا؟۔

ہم اپنے تمام مدرسین کی عزت کرتے ہیں، اور انتخاب کے وقت ہی تمام چیزیں مثلاً صلاحیت اور دین داری وغیرہ دیکھ لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں ماشاء اللہ سب ٹھیک ہیں اور کام کررہے ہیں۔

عرض: اب آگے آپ کا منصوبہ کیا ہے؟ کچھ بیان فرمادیں تاکہ قوم سمجھے اور تعاون بھی کرے۔

ارشاد: ہمارے منصوبے تو بہت ہیں۔ قوم کی جو بھی ضرورت ہے، ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اب یہ قوم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ادارہ کی ضرورتوں کا خیال رکھے اور اس کی ضرورتیں پوری کرے۔ اس وقت ایک منصوبہ ''مہمان خانہ'' بنانے کا ہے۔ ہمارے پاس الگ سے کوئی مستقل ''مہمان خانہ'' نہیں ہے۔ آپ لوگ ہمارے یہاں تشریف لاتے ہیں تو ہم کوئی انتظام نہیں کرپاتے۔ اساتذہ کی رہائش کے

لیے جو عمارت ہے اسی میں دو کوارٹر خالی رکھے ہیں، آنے والے مہمان اسی میں ٹھہرتے ہیں۔ یہ ہماری بھی ضرورت ہے اور اس سے زیادہ قوم کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ اشرفیہ کی جو بھی ضرورت ہے وہ قوم کی ضرورت ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ لوگ توجہ نہیں دیتے ہیں، بہت سے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ادارے کی ضروریات دیکھ کر انھیں پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر آپ کے کچھ احباب ہوں تو ملاقات کرائیں ہم ان کے سامنے اپنا منصوبہ رکھیں گے۔

عرض: حضرت آپ برطانیہ تشریف لائے، تقریباً دو ہفتے یہاں قیام کیا تو آپ نے یہاں کا دینی ماحول کیسا پایا؟

ارشاد: یہاں پر جو بھی دین کا ماحول ہے بہتر ہی ہے؛ کیوں کہ یہاں کا ماحول ہی ایسا ہے کہ کسی کو روکا نہیں جاسکتا ہے۔ بہر حال حالات اطمینان بخش ہیں۔ اللہ تعالی کا فضل ہے۔ آپ حضرات علمائے کرام سے جہاں تک ہوسکتا ہے دین کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں، انھیں سمجھاتے ہیں اور شرعی مسائل سے آگاہ کرتے ہیں۔ ہم کسی خوش فہمی میں نہیں رہتے، سو فی صد اصلاح تو ممکن ہی نہیں جتنے بھی لوگوں کی اصلاح ہوجائے بہتر ہے۔

عرض: اپنے انڈیا کے علمائے کرام کو تعلیمی ادارہ بنانے کے لیے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے ؟

ارشاد: دین کا ہر کام اخلاص اور للّٰہیت سے کرنا چاہیے۔ ان دونوں چیزوں سے تمام علما کو ہمیشہ وابستہ رہنا چاہیے، اور قوم کی جو بھی ضرورت ہو جہاں تک ہوسکے مسائل شرعیہ کی روشنی میں اسے حل کرنے اور قوم کو سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیے، تبدیلی لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ کی محنت برباد نہیں ہوگی بلکہ آپ کو اس کا بہتر صلہ ملے گا۔ اگر آپ کے بتانے اور سمجھانے سے کوئی ٹھیک ہوگیا تو یہ اس کے لیے بھی بہتر ہوگا۔ اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بزرگوں کے طریقہ پر رہیں، ان کی تعلیمات ہمیشہ سامنے رکھیں خود بھی اس پر عمل کریں اور دوسروں تک بھی اسے پہنچائیں۔ خلوص کے ساتھ کام کریں اللہ تعالی کامیابی عطا فرمائے گا۔

عرض: حضرت دنیا بھر میں مصباحی برادران موجود ہیں، مثلاً امریکہ، افریقہ اور انگلینڈ وغیرہ لیکن ہمارے بعض مصباحی برادران مادر علمی جامعہ اشرفیہ سے والہانہ تعلق رکھنے میں کمزوری دکھاتے ہیں، انھیں بھی کچھ پیغام دے دیں کہ وہ سالانہ مادر علمی کا کچھ خیال رکھیں تو اس سے بھی جامعہ کا معاملہ کافی حد تک حل ہوسکتا ہے۔

ارشاد: یہ بات تو انھیں خود سوچنی چاہیے، پیغام دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑنی چاہیے۔ وہ کسی گھر کے فرد ہیں اور گھر کے ہر فرد کو خود یہ سوچنا چاہیے کہ گھر کیسے چلے گا۔ گھر میں ماں باپ بھی ہوتے ہیں تو کیا اب ماں

باپ کو اپنے بیٹے سے یہ کہنا پڑے گا کہ بیٹا کپڑا نہیں ہے کپڑا دے دو؟ نہیں، بیٹے کو خود یہ سوچنا چاہیے کہ کپڑا، کھانا اور دوا وغیرہ ماں باپ کی ضرورت ہے یہ تمام چیزیں انھیں مل رہی ہیں کہ نہیں۔

بہر حال ہم یہی کہیں گے کہ ہر ایک کو چاہیے کہ وہ ادارے کا خیال رکھے اور مادر علمی کا جو حق ہے اسے پورا کرے تاکہ جس طرح انھوں نے وہاں رہ کر دین کی تعلیم حاصل کی ہے دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور دین کی تعلیم حاصل کر سکیں، اور قوم و ملت کی دوسری ضرورتیں بھی پوری ہو سکیں۔

ادارے کے فارغین کو چاہیے کہ وہ جہاں بھی ہیں دین کی خدمت کریں اور ابنائے اشرفیہ کی تنظیم بنائیں، تنظیم کی کارکردگی سے ادارے کو بھی آگاہ کریں تاکہ یہ بات ہمارے علم میں رہے کہ ادارے کے فارغین کہاں کہاں ہیں اور کیا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

عرض: حضرت **مولانا داؤد** صاحب فرما رہے ہیں کہ جامعہ اشرفیہ کا فیضان صرف مصباحی علما پر نہیں بلکہ غیر مصباحی علما پر بھی اس کا فیضان جاری ہے؛ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ جامعہ اشرفیہ کا خیال رکھے اور اس سے جتنا اور جس طرح بھی ہو سکے دست تعاون دراز رکھے۔

ارشاد: آپ نے صحیح فرمایا، دین کی خدمت کرنی ہے تو اس میں مصباحی اور غیر مصباحی کا فرق کیسا؟ سب اپنے ہیں اور سب کو ادارے کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور اپنے ہر ادارے کا خیال رکھنا چاہیے خواہ وہ چھوٹا ادارہ ہو یا بڑا؛ کیوں کہ وہ بھی دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ دم توڑ دیں اور ہماری بے توجہی کی وجہ سے ان کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ وہ سب بھی ہمارے ہی ادارے ہیں۔

عرض: پیشگی معذرت کے ساتھ یہ عرض ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں: سربراہ اعلیٰ بعض بدعقیدہ لوگوں سے بھی روابط رکھتے ہیں۔ کیا اس میں کچھ صداقت ہے؟

ارشاد: جھوٹ ہے، جھوٹ ہے، مولانا ایسا کہنے والے سراسر جھوٹ بول رہے ہیں۔ بدعقیدوں سے ہمارا کیا تعلق، میں تو یہ کہتا ہوں کہ بدعقیدوں سے بالکل الگ رہنا چاہیے۔ ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ حبِ رسول ہے یا نہیں، کیوں کہ یہی بنیاد ہے۔

☆☆☆

طلبۂ جماعت فضیلت جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۲۲-۲۰۲۱ء

رول نمبر	نام	سکونت
۱	عثمان	بدایوں
۲	عرفان عالم	مرزاپور
۳	ابوالقاسم	سنبھل
۴	محمد معراج الدین	نیپال
۵	محمد حسّان	سنت کبیر نگر
۶	محمد مصطفیٰ رضا	بلرام پور
۷	شان رضا	بریلی
۸	محمد کلیم الدین	سیتامڑھی
۹	محمد معراج احمد	سیتامڑھی
۱۰	محمد عارف	جموں وکشمیر
۱۱	محمد نعمان	بدایوں
۱۲	رضی اللہ انصاری	گورکھ پور
۱۳	محمد امام الدین	بنارس
۱۴	محمد بدر الدین	ممبئی
۱۵	محمد کونین	امبیڈکر نگر
۱۶	محمد منظر الاسلام	کٹیہار
۱۷	محمد عمر فاروق	کشی نگر
۱۸	محمد عاکف	امیٹھی
۱۹	محمد ذیشان رضا	سمستی پور
۲۰	حسنین رضا	کشن گنج
۲۱	سفیان خان	بہرائچ
۲۲	محمد ریاض	ویشالی
۲۳	غلام مخدوم	کٹیہار
۲۴	ندیم اختر	اتر دیناج پور
۲۵	محمد عارف رضا	مظفر پور
۲۶	ناصب علی	پیلی بھیت
۲۷	محمد عمران رضا	کشن گنج
۲۸	محمد توصیف رضا	بلرام پور
۲۹	محمد نعمان	گونڈہ
۳۰	محمد ثقلین رضا	گریڈیہ
۳۱	غلام سرور	گڑھوا
۳۲	مرتضیٰ انصاری	نیپال

رول نمبر	نام	سکونت
۳۳	عبدالکریم	جون پور
۳۴	محمد شہباز	امبیڈکر نگر
۳۵	محمد مبین	مرادآباد
۳۶	محمد محسن	فتح پور
۳۷	محمد تبریز	پرتاپ گڑھ
۳۸	محمد شاداب رضا	پورنیہ
۳۹	امیرالدین	بلرام پور
۴۰	ارشاد احمد	گونڈہ
۴۱	محمد عرفات خان	بہرائچ
۴۲	محمد امجد راعین	نیپال
۴۳	محمد فرقان	پیلی بھیت
۴۴	محمد امجد علی	مظفرپور
۴۵	محمد عارف	اناؤ
۴۶	عابد حسن	بریلی
۴۷	محمد کلیم	مرزاپور
۴۸	غلام احمد رضا	کشن گنج
۴۹	محمد قمرالزماں	کٹیہار
۵۰	رمضان علی	آسام
۵۱	نورالحسن	رائے بریلی
۵۲	محمد سلیم رضا	راجستھان
۵۳	افسر رضا	کشن گنج
۵۴	محمد فہیم	مرادآباد
۵۵	محمد عامر متین	کٹیہار
۵۶	مظفر عالم	اتردیناج پور
۵۷	محمد علیم	بھاگل پور
۵۸	محمد شمیم	شراوستی
۵۹	محمد محب الاسلام	اتردیناج پور
۶۰	محمد شفیق عالم	پورنیہ
۶۱	محمد ساجد	سنبھل
۶۲	غلام محمد	گونڈہ
۶۳	بھادر کا یونس	گجرات
۶۴	طارق رضا	بلرام پور
۶۵	محمد قطب الدین	بہرائچ
۶۶	اوصاف حسین	بستی
۶۷	محمد وسیم احمد	ویشالی
۶۸	محمد واسد عالم	کٹیہار
۶۹	محمد منور انصاری	بانکا
۷۰	محمد نعمان	بریلی

رول نمبر	نام	سکونت
۷۱	توحید عالم	امروہہ
۷۲	معین الدین	شراوستی
۷۳	محمد نقیب احمد	سیتامڑھی
۷۴	محمد جاوید	گونڈہ
۷۵	عبدالوارث	سنبھل
۷۶	آل رسول	مئو
۷۷	محمد عاطف حسین	بریلی
۷۸	شوکت رضا	ارریا
۷۹	محمد رضوان عالم	کوڈرما
۸۰	محمد الیاس انصاری	دمکا
۸۱	سید محمد سلمان	غازی پور
۸۲	رضا احمد	گیا
۸۳	محمد محفوظ عالم	سیوان
۸۴	محمد فضیل عزیزی	ممبئی
۸۵	محمد اظہر شمشاد	بردوان
۸۶	اسرائیل انصاری	گڑھوا
۸۷	شاہ جہاں	کشن گنج
۸۸	صابر العلی	مالدہ
۸۹	محمد عارف	امبیڈکر نگر

رول نمبر	نام	سکونت
۹۰	عبدالشہید	ویشالی
۹۱	محمد ریاض الدین	گریڈیہ
۹۲	محمد سبطین	سیتامڑھی
۹۳	محمد سراج عالم	مظفرپور
۹۴	محمد مبشر رضا	سیتامڑھی
۹۵	حشمت رضا	سنت کبیر نگر
۹۶	محمد سہیل رضا	گریڈیہ
۹۷	محمد شاہد	امبیڈکر نگر
۹۸	محمد شہاب الدین	گریڈیہ
۹۹	محمد آدم رضا	گیا
۱۰۰	احمد رضا	مرادآباد
۱۰۱	محمد مدثر	پورنیہ
۱۰۲	محمد ثناء اللہ	اورنگ آباد
۱۰۳	محمد نذیر احمد	ویشالی
۱۰۴	محمد راقب	سیتاپور
۱۰۵	انظر الاسلام	مرشدآباد
۱۰۶	محمد گل معین اختر	کٹیہار
۱۰۷	محمد صابر عالم	اتر دیناج پور
۱۰۸	محمد اخلاق	جموں وکشمیر

رول نمبر	نام	سکونت
۱۰۹	محمد سیف	ارریا
۱۱۰	محمد اکرم حسین	کٹیہار
۱۱۱	غلام مصطفیٰ رضا	اورنگ آباد
۱۱۲	محمد حسین	گریڈیہ
۱۱۳	محمد شاہد حسین	گیا
۱۱۴	غلام ربانی راعین	نیپال
۱۱۵	سیف احمد سبحانی	مئو
۱۱۶	جنید احمد	شراوستی
۱۱۷	اخلاق حسین	ایم،پی
۱۱۸	محمد پرویز عالم	کٹیہار
۱۱۹	مرجان شیخ	مرشد آباد
۱۲۰	محمد سلمان خان	نیپال
۱۲۱	محمد مطیع الرحمٰن	بیربھوم
۱۲۲	محمد نوری	امبیڈکر نگر
۱۲۳	سید نور الامین	دربھنگہ
۱۲۴	محمد نوجیل اختر	اتر دیناج پور
۱۲۵	محمد بلال حسین	دربھنگہ
۱۲۶	محمد نسیم الدین	ہزاری باغ
۱۲۷	محمد اظہر القادری	کٹیہار
۱۲۸	سیف احمد ربانی	نیپال
۱۲۹	مبشر انصاری	گڑھوا
۱۳۰	محمد شاہ نور اسلام	آسام
۱۳۱	محبوب رضا	امبیڈکر نگر
۱۳۲	محمد دلخوش	پورنیہ
۱۳۳	محمد اصغر حسین	مدھوبنی
۱۳۴	محمد مدثر رضا	ایسٹ چمپارن
۱۳۵	محمد قسیم	بہرائچ
۱۳۶	غلام وارث	شراوستی
۱۳۷	محمد معین الدین	بہرائچ
۱۳۸	محمد ملک الظفر	گڑھوا
۱۳۹	محمد یاسر عرفات	اتر دیناج پور
۱۴۰	غلام جیلانی	بلرام پور
۱۴۱	محمد شاہ رخ عالم	صاحب گنج
۱۴۲	محمد ہاشم	مئو
۱۴۳	محمد سکندر حسین	اتر دیناج پور
۱۴۴	محمد علقمہ	سنبھل
۱۴۵	غلام ربانی	سیتامڑھی
۱۴۶	محمد جمشید رضا	سیتامڑھی

رول نمبر	نام	سکونت
۱۴۷	ارشد العالم	آسام
۱۴۸	محمد نذر الحسن	گریڈیہ
۱۴۹	محمد اسلم	کرناٹک
۱۵۰	محمد خورشید رضا مدنی	گریڈیہ
۱۵۱	فیصل احمد	پورنیہ
۱۵۲	فرید رضا	اتر دیناج پور
۱۵۳	محمد انتخاب عالم	چترا
۱۵۴	محمد توفیق خاں	چندولی
۱۵۵	رحمت علی	تلنگانہ
۱۵۶	شاہ نواز عالم	اتر دیناج پور
۱۵۷	شرافت علی	جموں وکشمیر
۱۵۸	محمد اختر رضا	گونڈہ
۱۵۹	سمیع اللہ	بلرام پور
۱۶۰	محمد فرقان رضا	گیا
۱۶۱	نور عالم	فیض آباد
۱۶۲	عبد الرؤف	دیوگھر
۱۶۳	نظام الدین	شراوستی
۱۶۴	حصیر محمد	اتر دیناج پور
۱۶۵	محمد عظیم	سنت کبیر نگر

رول نمبر	نام	سکونت
۱۶۶	محمد مدثر رضا	سیتامڑھی
۱۶۷	فخر الدین	امیٹھی
۱۶۸	نثار احمد	کٹیہار
۱۶۹	خواجہ مدبر حیات	پورنیہ
۱۷۰	شہادت حسین	جموئی
۱۷۱	غلام احمد رضا	لوہردگا
۱۷۲	محمد نوازش رضا	کٹیہار
۱۷۳	غلام ربانی	بانکا
۱۷۴	محمد نوید رضا	اتر دیناج پور
۱۷۵	عبد الکلام	سدھارتھ نگر
۱۷۶	محمد تبارک حسین	جموئی
۱۷۷	محمد مجسم رضا	گڑھوا
۱۷۸	محمد شمشیر عالم	دیوگھر
۱۷۹	غلام مرتضیٰ	گریڈیہ
۱۸۰	نظام الدین انصاری	جام تاڑا
۱۸۱	جیش محمد	گریڈیہ
۱۸۲	محمد ناظم الدین	جموئی
۱۸۳	محمد فہیم ارشد	پورنیہ
۱۸۴	اکبر حسین	اتر دیناج پور

رول نمبر	نام	سکونت
۱۸۵	محمد صدام حسین	ہوڑہ
۱۸۶	محمد عطاء اللہ	بکارو
۱۸۷	تبریز عالم	الہ آباد
۱۸۸	افتخار احمد	جموں وکشمیر
۱۸۹	نعمان رضا عطاری	مراد آباد
۱۹۰	محمد ظفیر عالم	سیتا مڑھی
۱۹۱	محمد حسان رضا	گونڈہ
۱۹۲	محمد احمد رضا	سیتا مڑھی
۱۹۳	محمد مہتاب	گیا
۱۹۴	محمد احمد رضا	مظفر پور
۱۹۵	محمد قیام الدین	جموئی
۱۹۶	محمد زبیر	جموں وکشمیر
۱۹۷	محمد عبد اللہ	گیا

رول نمبر	نام	سکونت
۱۹۸	محمد حسین	بلرام پور
۱۹۹	عبد المصطفیٰ	سیتا مڑھی
۲۰۰	محمد عامر خاں	امیٹھی
۲۰۱	محبوب سبحانی	امبیڈکر نگر
۲۰۲	رجب علی	بلرام پور
۲۰۳	محمد طاہر رضا	اعظم گڑھ
۲۰۴	محمد فیصل	مبارک پور
۲۰۵	محمد عبد الرزاق	کشن گنج
۲۰۶	محمد گل رضا	نیپال
۲۰۷	غریب نواز	پورنیہ
۲۰۸	محمد زرقانی	گجرات
۲۰۹	محمد کلیم	مظفر پور